نئے نبی

آنجہانی مرزا قادیانی کے
مستند حالات

ابوالقاسم مولانا رفیق دلاوری

رئیسِ قادیان

آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کے مستند حالات

جلد اول

تالیف:

ابوالقاسم مولانا رفیق دلاوری

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ○ ملتان پاکستان

فہرست مضامین "رئیس قادیاں" جلد اول

	عنوان	صفحہ
☐	فہرست	۳
☐	دیباچہ (مولانا ابوالکلام رئیس ندوی)	۱
☐	پیش لفظ (مولانا محمد یوسف صاحب)	۸
باب ۱	نام اور پس منظر	۳
باب ۲	بچپن، تعلیم اور ابتدائی ایام	۱۱
باب ۳	خاندان کی اصل تاریخ کیا ہے؟	۱۹
باب ۴	اصل خاندانی حقائق	۲۳
باب ۵	عہد طفولیت	۲۹
باب ۶	مکتب قادیاں کی تعلیم	۳۲
باب ۷	سیالکوٹ کی ملازمت اور ادبی آغاز	۳۹
باب ۸	مقدمہ بازی کے تفصیلی حالات	۵۱
باب ۹	ارض حسب کی بازیابی کیلئے حضرت "مسیح موعود" کے خلاف مقدمہ	۶۳
باب ۱۰	خاندانی زوال اور اس کے اسباب	۷۲
باب ۱۱	روحانی دعوت کی بجائے کرامت کے لیے اصرار کا سفر	۷۷
باب ۱۲	لاہور میں دوسری شادی، پہلی اہلیہ سے علیحدگی اور مقدمات	۸۵
باب ۱۳	تعلیم یافتہ طبقہ میں تعارف کا آغاز	۹۰
باب ۱۴	مرزا غلام احمد کے تعارف کا اصل محور "ہندو اصلی" کی تشریح ہے	۹۳
باب ۱۵	مرزا کا تعارف نامہ اور سوانحی بنیادیں	۹۵
باب ۱۶	مرزا غلام احمد کی تعلیمات کا مرکزی نکتہ	۹۹
باب ۱۷	مرزائی اشاعت کے مصدقہ اعداد	۱۰۳
باب ۱۸	چند صداقتیں کہ قادیان کی دعوت اسلام اور اس کی حقیقت	۱۰۶
باب ۱۹	"براہین احمدیہ" کی تالیف و اشاعت	۱۱۰

باب ۲۰	دعوائے مہدویت	۳۶
باب ۲۱	حکیم نورالدین کی ملاقات کے لیے قادیان کا سفر	۳۶
باب ۲۲	دوسری شادی	۳۸
باب ۲۳	غیر مسلم رؤسا و متمولین و اہلِ مذاہب کو تحفہ بھیجنے کی دعوت	۵۱
باب ۲۴	قادیان کے ایک سادہ نوجوان پنڈت لیکھرام کی آمد و رفت	۵۲
باب ۲۵	پنڈت لیکھرام قادیان میں	۵۳
باب ۲۶	قادیان کے ایک سادہ نوجوان منشی احمد جان کی رہنمائی	۱۷۶
باب ۲۷	قادیانی مہدی و مسیح کا مباہلہ اعجاز احمدی	۱۸۰
باب ۲۸	دس بیگاری مہدیوں کی طرف سے اعجاز احمدی کی جعل در جعل	۱۸۴
باب ۲۹	نظام امری شیخوبہ کے خلاف مرزا امام الدین کا اعلان	۱۸۱
باب ۳۰	دوسری شادی کے بعد حق مہر ادا کرنے کے جواز کا فتویٰ	۱۸۸
باب ۳۱	غم زدہ بھائیوں کی نسل منقطع ہونے کی پیشین گوئی	۱۹۲
باب ۳۲	"سراج منیر" کو دوسرے رسالوں کی اشاعت کے مزاحم	۲۵۵
باب ۳۳	ہوشیار پور میں چلہ کشی	۲۶۲
باب ۳۴	ہوشیار پور میں ابتدائی مہدویت کے مظاہر	۲۶۵
باب ۳۵	رسالہ "سراج منیر" کی اشاعت	۲۶۹
باب ۳۶	الہامی فرزند "محمد اسمٰعیل" کے قتل کی پیشین گوئی	۲۷۲
باب ۳۷	علمائے مسلمین کی طرف سے مباہلہ کی دعوت	۲۷۶
باب ۳۸	محمدی بیگم سے شادی کرنے کی پیشین گوئی	۲۹۲
باب ۳۹	اعداد و شمار پر مبنی الہام دینے کا طریقہ	۲۹۷
باب ۴۰	مسیح زماں کے سوانحی خاکہ کا انکشاف راز	۳۵۱
باب ۴۱	مسیح قادیاں کا نام نہاد محمدی بیگم کی طرف سے	۳۵۸
باب ۴۲	قادیاں میں دائمی مطبع قائم کرنے کی منصوبہ گری	۳۶۱
باب ۴۳	الہام زادی کی عمومی گمنامی	۳۶۳
باب ۴۴	قادیاں سے ہجرت کر جانے کا اعلان	۳۶۵

باب ۲۵	حکیم نور الدین صاحب کی دوسری شادی	۲۴۸
باب ۲۶	چند سوالوں کے جوابات کا مطالبہ	۲۵۳
باب ۲۷	مرزا احمد بیگ اور شیدا پوری کے مقابلہ کی پیشین گوئی	۲۷۱
باب ۲۸	مرزا سلطان محمد کے بیمار ہونے کی پیشین گوئی	۲۸۰
باب ۲۹	مرزا سلطان محمد کی مدت حیات میں کرہ مستزاد کا تسمیح	۲۸۵
باب ۳۰	مرزا محمد اسحٰق کے قتل کی پیشین گوئی	۲۸۷
باب ۳۱	انتخابیت کا نظام اسلام	۲۸۸
باب ۳۲	علی گڑھ کالج اور اس کے بانی پر ۲۰ سال کے کفر کا فتویٰ	۲۹۰
باب ۳۳	دعوائے نبوت مسیح کی حقیقت	۲۹۳
باب ۳۴	مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے میں یہود و نصاریٰ کی ہمنوائی	۲۹۷
باب ۳۵	سرسید احمد خان علی گڑھی کی شائستگی	۳۰۱
باب ۳۶	مولوی محمد حسین بٹالوی سے کفر کی	۳۰۴
باب ۳۷	حکومت برطانیہ کے زوال کی اٹھ سالہ پیشین گوئی	۳۰۷
باب ۳۸	ڈاکٹر ہنٹر کا مسلمان ہونے سے مسیح نور الدین کی شہادۃ الحق	۳۲۳
باب ۳۹	قدیموں کی بار بار اور احمقی تکذیب سے مرزا سلطان محمد کی شادی	۳۳۰
باب ۴۰	ہیلی پیتھی کی تحقیق اور عاجز بیماری	۳۳۳
باب ۴۱	مسیح نور الدین کا محمد حسین اور مولانا نذیر حسین کو دعوت مباہلہ	۳۳۸
باب ۴۲	مولوی محمد بشیر سہسوانی سے مباہلہ	۳۴۱
باب ۴۳	سید عباس علی بلند شہری کا رجوع استفادت	۳۴۳
باب ۴۴	علمائے امت سے تین سوال و کرانے کا مطالبہ	۳۴۹
باب ۴۵	ایک صوفی صاحب کی طرف سے کفر فتویٰ تکفیر کا کفر فتویٰ جواب	۳۵۴
باب ۴۶	شاہ فضل اللہ کی پیشین گوئی میں منتظر صاحب تفضیل بیہ	۳۵۶
باب ۴۷	مولوی نذیر حسین دہلوی کے مقابلہ سے فرار	۳۶۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

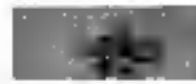

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد خاتم النبیین وآلہ و صحبہ اجمعین حضرات نے خاکسار راقم الحروف کی کتاب "آئینہ تلبیس" کا مطالعہ فرمایا ہے ان سے یہ حقیقت مخفی نہ رہے گی کہ ملت اسلام پر کسی صدی کا شاید کوئی ربع ایسا نہیں گزرتا جس میں ملحدین و گمراہی کا کوئی نہ کوئی علمبردار ظاہر ہو کر عامۃ المسلمین کے لیے ایک فتنہ عظیم نہ بن جاتا ہو۔ ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی انہیں فتنوں کی یادگار ہیں۔ یہ کہ قادیانی صاحب ایشیہ پر دیگنڈہ کرتے رہے کہ جماعت آخرت کا مدار میرے اخراج پر ہے ہر کوئی سمجھے صدی اور مسیح نہیں مانتا' وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے' اس لیے ہر مسلمان کو حق پہنچتا ہے کہ مرزائی تعلیموں پر تبصرہ کرے اور ان کو ضلالت کی رو شنی میں پرکھے۔

گزشتہ نصف صدی میں قادیانیت کے خلاف ہزاروں لاکھوں کتابیں شائع ہوئیں لیکن کسی مصنف نے خود ان کی مذہب کے پرستند کتب ضلالت لکھ کر قادیانی فن زائیوں کا طلسم نہ توڑا اور اس فرع قادیانی فکر کی وسیع کارواں پر خاکیں پڑی رہیں۔ حتیٰ کہ اگر قادیانی دکان آرائی کے صحیح واقعات منظر عام پر آجاتے تو پھر کسی اضافی مسئلہ پر بحث و مناظرہ کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ الہام کار خاکسار راقم الحروف نے اس ضرورت کا احساس کیا اور موفق حقیقی نے اپنی رحمت فوازی سے اس عاجز کو اس کام کی طرف متوجہ کر دیا۔ چنانچہ اس احقر العباد نے قریباً دو سال کی محنت شاقہ کے بعد قادیانی موضوع مباحثہ دین کے بعض کو تین جلدوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

میں نے ابواب کی ترتیب میں عناوین کی ترتیب کا التزام رکھا ہے "البتہ بعض ضرورتوں اور مناسبتوں کے لحاظ سے کہیں اس کے خلاف بھی کر دیا ہے۔ مثلاً" وہ چند ابواب جو جلد کے آخر میں درج ہیں اور جن کو فرع کے لحاظ سے دوسری جلد میں جگہ ملنی چاہیے تھی۔ اندراج میں مقدم کر دیے گئے ہیں۔ ترتیب معہود کو نظر انداز کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ چند ایسے ابواب جن کو باہم مناسبت رکھنے کی وجہ سے ایک ہی جلد میں درج کرنا مناسب تھا ان کے لئے پہلی

جلد میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے ان کی جگہ دوسری جلد کے چند ابواب پہلی جلد کے آخر میں درج کر کے ان کو دوسری جلد کے لئے خالی کر دیا گیا۔

مرزا نیوں نے از راہ بدنیتی اپنے مقالہ کو "سلطان القلم" کا لقب دے رکھا ہے حالانکہ اردو کی دس سطریں بھی صحت کے ساتھ نہ لکھ سکتے تھے۔ میں نے اس کتاب میں کہیں کہیں "مسیح صاحب" کی عبارتوں کو درست کر دیا ہے لیکن اکثر جگہ ان کو بدستور ہی رہنے دیا ہے۔ مرزا جی میں ایک سقم یہ تھا کہ تحریر میں بڑے طوالت پسند تھے۔ جو مضمون تین سطروں میں بیان ہو سکتا ہے اس کے اظہار میں نصف صفحہ سیاہ کر ڈالتے تھے۔ اس لئے میں نے اکثر جگہ ان کی پوری عبارتیں درج نہیں کیں بلکہ ان کا خلاصہ مطلب یا ضروری اقتباس لے لیا ہے کیونکہ اگر طول و طائل سے احتراز نہ کیا جاتا تو کتاب کی ضخامت بے کار بڑھ جاتی۔

خاکسار

ابوالقاسم رفیق دلاوری

لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الصلوٰۃ والسلام علی عباد اللہ الذین اصطفیٰ اما بعد

کنز العمال، مسند احمد اور ابن ماجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا ہے

عن ابی عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال الغرس فی ھذا الدین غرسا یستعملہم فی طاعتہ۔ (سنن ابن ماجہ، ص ۳ والکنز، مسند احمد، ص مسند ابی عبیدۃ بن الجراح، فضائل، ص ۳۰)

حضرت ابو عبیدہ جراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خود آپ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس دین میں نئے نئے پودے لگاتے رہیں گے جن کو اپنی طاعت کے کام میں لگائے رکھیں گے۔

یعنی گلشن دین قیامت تک سدا بہار رہے گا۔ جانے والوں کی جگہ اس میں نئے گل بوٹے کھلتے رہیں گے اور اس کی سرسبزی و شادابی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اسلام کی پوری تاریخ گویا اس ارشاد نبوی کی شرح و تفسیر ہے۔ زمانے نے بڑوں بڑوں کو نگل لیا، لیکن بحمد اللہ گلشن محمدی ہر دور اور ہر زمانے میں سرسبز و شاداب رہا اور اس کی تازگی و شادابی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ طالع آزماؤں نے جب بھی دین قیم میں رخنہ اندازی کی کوشش کی، حق تعالیٰ

شاندہ نے دین کی پاسبانی کے لیے اپنے علمائے شعار مخلص بزرگوں کو کھڑا کر دیا جنہوں نے دین قیم کی حفاظت و پاسبانی کا حق ادا کر دیا اور اہل باطل کے دجل و فریب کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری بھی اس گلشن نبوی کا مہکتا ہوا پھول تھے۔ موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے شاگرد رشید تھے۔ عالم متقی اور سالک ربانی تھے۔ دیگر بہت سے کمالات کے علاوہ بلند پایہ ادیب اور صاحب قلم تھے۔ عمر بھر جہاد و مجاہدت سے وابستہ رہے۔ موصوف نے اپنے قلم کو رد قادیانیت کی طرف موڑا تو "سیف یمانی" اور "برکھن قادیان" جیسی گرانمایہ تصانیف ان کے قلم سے لکھی گئیں۔ اول الذکر اسلامی تاریخ میں انجرنے والے دعویٰ کذاب کی تاریخ ہے اور موخر الذکر سیدنا جناب مرزا غلام احمد قادیانی کے تاریخی سوانح کا مرقع ہے جس میں مرزا قادیانی کے خاندانی حالات اور پیدائش سے لے کر اس کے دعاوی کے مدوجزر کو پوری تفصیل سے قلم بند کیا گیا ہے۔ حضرت مصنف اس کی وجہ تالیف میں لکھتے ہیں:

> "گزشتہ نصف صدی میں فتنہ مرزائیت کے خلاف ہزاروں کا محل کتابیں شائع ہوئیں، لیکن کسی مصنف نے خود دائی مذہب کے پرستہ کذب و حالات لکھ کر قادیانی دین تناقض کا قلع قمع نہ کیا اور اس طرح قادیانی نفوس کی وہ بیش قیمت جانیں ہلاکتوں میں پڑی رہیں، حالانکہ اگر قادیانی دکان آرائی کے صحیح واقعات منظر عام پر آجاتے تو پھر کسی استدلالی مسئلہ پر بحث و مناظرہ کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ انجام کار خاکسار راقم الحروف نے اس ضرورت کا احساس کیا اور موفق حقیقی نے اپنی رحمت فراوانی سے اس عاجز کو اس کام کی طرف متوجہ کر دیا" چنانچہ اس احقر العباد نے قریباً دو سال کی محنت شاقہ کے بعد قادیانی صاحب کے سوانح حیات مدون کیے، جن کو تین جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے"۔

کتاب علمی و ادبی اعتبار سے نہایت وقیع ہے جس کے مطالعہ سے مرزا قادیانی کی اصل حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے اور اس کے تمام دعاوی کا طول و عرض معلوم ہو جاتا ہے۔

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر حسابی کمپنی لمیٹڈ نے "تحفہ نعت" نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا اور فوری اشاعت کے خیال سے قدیم نسخہ کا عکس تیار کروایا۔ یہ بھی اپنی جگہ ایک صبر آزما مرحلہ ثابت ہوا' لیکن احباب کا اصرار تھا کہ کتاب کے شایان شان نسخہ کمپیوٹر سے تیار کیا جائے۔ بحمداللہ اب اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حتی الامکان املاء کی تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے' تاہم اگر کوئی سہو یا غلطی رہ گئی ہو تو اس کی اطلاع کی جائے' تاکہ آئندہ اشاعت بہتر سے بہتر شکل میں ہو۔

آخر میں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ حضرت مصنف کے مقدر میں یہ اخلاص کے سابق کتاب کے نہیں تھے' لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہمیں وہ نسخے دستیاب ہو سکے' معلوم نہیں کہ تیسرا شائع ہی نہیں ہوا' یا ہمیں نہیں آسکا۔ اگر کسی صاحب کے علم میں کتاب کا تیسرا حصہ موجود ہو تو ہماری رہنمائی فرمائیں کہ حتی اللہ مشکور و ممنون ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو حضرت مصنف کے لیے باقی درجات کا ذریعہ بنائیں اور اس کو شرف قبول عطا فرما کر اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۴۰۰ھ

رئیس قادیان

باب ۱

نام اور پیدائش

والدین نے رئیس قادیاں کا نام ابتداء میں دسوندی رکھا تھا۔ (تکذیب براہین احمدیہ' ص ۱۳۷) لیکن سندھی کے نام سے بھی مخاطب کیے جاتے تھے جو ایک ہندوانہ اور مشرکانہ نام ہے۔ میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے جو مسیح قادیاں کے منجھلے صاحبزادہ ہیں' اس تسمیہ کی یہ وجہ بتائی ہے کہ اس زمانہ میں دستور تھا کہ چھوٹے بچے کو پیار سے سندھی کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ جس بچے کے گلے میں سندھی (اُسلی) ڈال کر (غیراللہ کی) نذر پوری کی جاتی تھی' اس کا نام عموماً سندھی رکھ دیتے تھے (سیرۃ المہدی' مولفہ مرزا بشیر احمد' جلد اول' ص ۳۶) لیکن معلوم نہیں کہ مرزا صاحب کا نام دسوندی یا سندھی سے غلام احمد کب اور کیونکر ہوگیا؟ ممکن ہے کہ مرزا صاحب نے ہوش سنبھالنے کے بعد خود ہی یہ نام تجویز کر لیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ والدین نے رکھا ہو۔ دسوندی بیگ عرف مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ میری پیدائش موضع قادیاں ضلع گورداسپور میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی اور ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں میری عمر سولہ یا سترہ سال کی تھی' لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے ۱۸۷۶ء میں انتقال کیا (سیرۃ مسیح موعود' مولفہ مرزا محمود احمد صاحب' ص ۱۸) اور خود مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا ہے کہ جب میرے والد نے دنیا کو چھوڑا تو اس وقت میری عمر چونتیس یا پینتیس سال کی تھی۔ (کتاب البریہ' ص ۱۵۹) تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کی ولادت ۱۸۴۱ء یا ۱۸۴۲ء میں ہوئی تھی۔ یہ وہ بحران انتخاب کے دن تھے جبکہ قضا و قدر دست کارفرما پنجاب میں سکھوں کی بساط سیاست کو الٹ کر انگریزی حکومت کے قیام کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ مسیح قادیاں نے اپنی پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ میں توام پیدا ہوا تھا اور میرے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کا نام جنت تھا۔ اور میرا یہ الہام کہ یا ادم اسکن انت وزوجک الجنۃ (اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں سکونت رکھو) جو آج سے بیس

بڑی پہلے براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۹ میں درج ہے۔ اس میں جو جنت کا لفظ ہے' اس میں یہ ایک لطیف اشارہ ہے کہ وہ لڑکی جو میرے ساتھ پیدا ہوئی' اس کا نام جنت تھا اور یہ لڑکی صرف سات ماہ تک زندہ رہ کر فوت ہو گئی تھی۔ پہلے وہ پیدا ہی سے قلی تھی اور اس کے بعد بھی قلی تھا۔ (تریاق القلوب' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' تشحیذ کلاں' ص ۵۷) ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کے اس بیان کی تصدیق یا تکذیب تو وہی قابلہ کر سکتی ہے جس نے مرزا صاحب کو بتایا اور لڑکے لڑکی کو اپنی آنکھوں سے پیدا ہوتے دیکھا۔ اور چونکہ وہ دائی یا اس زمانہ کی دوسری عورتیں آغوش لحد میں جا چکی ہیں' اس لیے توام پیدا ہونے کے متعلق مرزا صاحب کے دعویٰ کی تصدیق یا تکذیب محال ہے۔ تاہم مرزا صاحب کے بے اثر دوسرے سن گھڑت دلائل پر نقاص کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ توام پیدائش کا قصہ دراصل مرزا صاحب ہی کے مدبرانہ دماغ کی پیداوار ہے۔

شیخ ابن عربیؒ کی پیشین گوئی کا مصداق

مرزا صاحب کو اس الہامی ترجمانی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ شیخ اکبرؒ نے اپنی کتاب "فصوص الحکم" میں خاتم الاولیاء کی ایک علامت یہ لکھی ہے کہ وہ توام پیدا ہوگا۔ چنانچہ مرزا صاحب شیخ اکبرؒ کی پیشین گوئی کو اپنے اوپر منطبق و چسپاں کرنے کے لیے "تریاق القلوب" میں لکھتے ہیں شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فصوص الحکم (فص شیثیہ) میں لکھا ہے کہ آخری کامل انسان ایک لڑکا ہوگا جو چین میں پیدا ہوگا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قوم عمل اور ترک میں سے ہوگا اور ضروری ہے کہ علم میں سے ہوگا نہ عرب میں سے۔ اور اس کو یہ علوم اور اسرار دیے جائیں گے جو شیثؑ کو دیے گئے تھے اور آدمؑ کے بعد کوئی اور وارث نہ ہوگا اور وہ خاتم الاولیاء ہوگا یعنی اس کی وفات کے بعد کوئی کامل بچہ پیدا نہیں ہوگا۔ اور اس لفظ کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ اپنے باپ کا آخری فرزند ہوگا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوگی جو اس سے پہلے نکلے گی اور وہ اس کے بعد نکلے گا اور اس کا سر اس لڑکی کے پاؤں سے ملا ہوا ہوگا جیسا کہ میری ولادت اور میری توام بہشتی کی اسی طرح ظہور میں آئی۔" (تریاق القلوب' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' تشحیذ کلاں' ص ۵۸) اب فصوص الحکم کی پیشین گوئی کے اصل الفاظ درج کیے جاتے ہیں تاکہ مرزا

صاحب کے دعوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ شیخ اکبرؒ قرب قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وعلی قدم عیسیٰ یکون آخر مولود یولد من هذا النوع الانسانی وهو حامل لمزاوجه و لیس بعده ولد فی هذا النوع فهو خاتم الاولاد وتولد معه امة لله تخرج الیه ویخرج معها یکون ولده عند رجلها ویکون مولده بالحبش ولادته لذلك یلد ویسرع الشیب فی فرجال وتأنیث لیکثر النکاح من غیر ولادة و یشتهیهم الله فلا یجب الا فیهم الله والهی موسی یملك علی من فی مثل البهائم لا یعلمون حلالا ولا یحرمون حراما یتصرفون بحکم الطبیعة ظهورة مجردة من العقل والشرع لعلیهم القوم الساعة۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم پر نوع انسانی کا جو آخری فرزند پیدا ہوگا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علوم و تجلیات کا حامل ہوگا۔ اس کے بعد بنی نوع انسان میں اس قسم کا کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا۔ بس یہ نوع انسانی کی آخری اولاد ہوگا۔ یہ اور اس کی بہن توام پیدا ہوں گے۔ لڑکی پہلے متولد ہوگی اس کے بعد لڑکا پیدا ہوگا۔ لڑکے کا سر لڑکی کے دونوں پاؤں سے ملا ہوگا۔ یہ لڑکا حبش میں پیدا ہوگا اور اس کی زبان بھی حبشی ہوگی۔ ان توام میں مردوں اور عورتوں میں عنقریب ہی جلد گا میل اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رہے گی۔ فارغ تو کھڑے ہوں گے لیکن اولاد کسی کے نہ ہوگی۔ یہ کامل انسان لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا لیکن اس کی آواز پر لبیک کہنے والا کوئی نہ ہوگا۔ آخر جب یہ اور اس کے ہم عصر مومن مکمل کر جائیں گے تو صرف بہائم صفت لوگ پیچھے رہ جائیں گے جو حلال کو حلال اور حرام کو حرام نہیں سمجھیں گے۔ شہوت پر حق ان کا قبلہ ہوگا اور عقل و شرع سے کام نہ لیں گے۔ بس انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

(شرح فصوص الحکم، مطبوعہ مصر، ص ۳۰۰-۳۰۱)

مثیل مسیح کے حقیقی مصداق کی خصوصیات

اس تحریر سے مثیل مسیح کے اصل مصداق کی یہ خصوصیتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۵) بطن میں پیدا ہوگا۔
(۶) اس کی مادری زبان عربی ہوگی۔
(۷) اس کی وفات کے بعد بنی آدم کا سلسلہ توالد و تناسل منقطع ہو جائے گا۔
(۸) یہ لوگوں کو اسلام اور ہدایت الٰہی کی طرف بلائے گا لیکن ایک انسان بھی اس کی آواز پر لبیک نہ دھرے گا۔
(۹) اس کے انتقال کے بعد اپنے بہائم سمیت لوگ رہ جائیں گے جنہیں حلال اور حرام کی کوئی تمیز نہ ہوگی۔
(۱۰) ان لوگوں پر قیامت آ جائے گی اور دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مرزا صاحب نبوت پیدا ہونے کی داستان زوال کر کمال جہالت و بیوقوفی سے خاتم الانبیاء تو بن گئے لیکن اس دعویٰ سے پہلے ان کو ظہور کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی کہ وہ لیکن میں پیدا ہوئے' ان کی زبان عربی تھی' وہ عرب کے زمانہ میں بنی نوع انسان کا سلسلہ توالد و تناسل منقطع ہوا' وہ عرب کے علاوہ میں دنیا کے اندر اپنے لوگ مقہور و ذلیل ملے جو حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتے ہوں۔

باب ۲

جائے پیدائش اور مرزو یوم

قادیاں کی وجہ تسمیہ میں مرزائی خیال آفرینی

مرزا غلام احمد صاحب کا مولد و منشا موضع قادیاں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور تھا۔ وجہ تسمیہ کے متعلق مرزا صاحب اور ان کے حواریوں کے بیانات کا ماحصل یہ ہے کہ شاہ ولی کی طرف سے مرزا صاحب کے بزرگوں کو بہت سے دیہات اور جاگیر ملے تھے۔ انہوں نے ان دیہات کے وسط میں ایک قصبہ اپنی سکونت کے لیے آباد کیا۔ چونکہ مصب قضا بھی ان کے سپرد تھا' انہوں نے اس قصبہ کا نام اسلام پور قاضی رکھا۔ جب قضا بھوت گئی تو صرف قاضیاں رہ گیا۔ پھر ضاد کا نقطہ دال سے بدل کر قادیاں بن گیا۔ اس کے متعلق

گزارش ہے کہ قادیان صرف اسی ایک گاؤں کا نام نہیں جو مرزا غلام احمد کا مولد و منشا تھا بلکہ پنجاب میں قادیان کے نام سے اور بھی متعدد گاؤں آباد ہیں' خود ضلع گورداسپور میں مرزا صاحب کی قادیان کے علاوہ ایک اور قادیان موجود ہے اور مرزا صاحب اور ان کی امت نے قادیان کے فتنی ارتقا کے متعلق جو موشگافیاں کی ہیں' سرکاری یا غیر سرکاری طور پر ان کی کوئی تصدیق نہیں ہوئی۔ دعویٰ بلا ثبوت ہے گا کہ قادیان کے نام پر دو سرے دیہات آباد ہیں وہ بھی اسی فتنی ارتقا کے بعد میں تشکیل ہوتے ہوئے قادیان بنے ہیں حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ان دیہات میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آئے ہوں جنہوں نے ان کے نام میں تبدیلیاں کرتے کرتے انہیں قادیان سے موسوم کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ساری عمل دماغی محض مرزا صاحب کے ذہن کی اپج اور قوت اختراع کا نتیجہ ہے۔

قادیان کو دمشق کا لباس مجاز پہنانے کی ناکام کوشش

مرزا صاحب نے کتاب "حقیقی فوج" کے صفحہ ۲۰ پر ایک خیالی و دماغی عمل کے ذریعہ سے اپنے جیسی ابن مریم بن جانے کی سعادت فرما دی ہے۔ جب یہ خیال کمزور ان کو جیسی ابن مریم بنانے اور حضرت مرزا صاحب شب و روز اپنی محبت کا تصور دلانے لگے تو ان خانہ ساز امت نے' جن کے دل سب اسلام کے مذہب سے معمور تھے' اعتراض کیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تو دمشق میں نازل ہونے والے تھے جو ملک شام کا صدر مقام ہے اور خلافت بنی امیہ کا دارالخلافہ رہ چکا ہے اور تم ہندوستان کی ایک صلعی اور جنگل سی بستی میں ظاہر ہوئے ہو۔ تو بھی قادیان نے جواب دیا کہ دمشق دراصل' جس میں حضرت مسیح کے دمشق میں نازل ہونے کا ذکر ہے' وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر صحیح الحدیث امام محمد اسمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے (ازالہ اوہام' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' طبع قدیم' ص ۳۷) جب علماء نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ساری امت مرحومہ اس امر پر متفق ہے کہ صحیح بخاری کی طرح صحیح مسلم کی بھی تمام حدیثیں صحیح ہیں بلکہ امام نووی نے صحیح مسلم کو بعض حیثیتوں سے صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے تو حضرت "مسیح موعود" نے اپنے نزدیک دمشق کے بارے میں

سے تحریف بازی کی بدولت تحریف کنندوں کی تعداد کیا ہے کہ اگر آپ لوگ نہیں مانتے تو میں ابھی تمہارے سامنے تمہاری ہی کتابوں سے ثابت کیے دیتا ہوں۔ سو دشمن کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر کن جانب سے حملہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قسم کا ہم دشمن رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یہودی الطبع اور یہود کی عادات و خیالات کے پابند ہیں۔ دشمن پایہ تخت یہود ہو چکا ہے" اس لئے دشمن کا لفظ بطور استعارہ کہا گیا ہے یہ قسم ہو جہ اس کے کہ انگریزی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں' دشمن سے مشابہت رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ تشبیہات میں پوری پوری تمثیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سو خدا تعالیٰ نے اس عام قاعدہ کے موافق اس قسم کتابوں کو دشمن سے مشابہت دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں کا نام پہلے واقعہ میں استعارہ کے طور پر دشمن رکھا گیا کی گئی ہوگی (منقول از ازالہ اوہام' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' طبع پنجم' ص ۳۰۰-۳۰۲)

اس فرمان تحریف کا تو مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں ارتکاب فرمایا لیکن چونکہ خود حضرت "مسیح موعود" صاحب کا دل ہی اس تحریفات قادری پر مطمئن نہیں تھا اس لیے اسلامی تعلیمات کے دشمن چور کو صحیح کرنے کا بیڑا بھی سے اٹھا کر دوبارہ اٹھے اور حیرت بالائی کہ دوبارہ کی تحریف شروع کر دی۔ آخر بارہ سال کی طویل سوچ کے بعد حضرت سیدنا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو اپنی زبردست تحریف کا نشانہ بنانے کا تہیہ کر کے اپنا نام پہنائے عالم میں روشن کیا۔ اس سلسلہ میں کتاب "حمامۃ البشریٰ" میں ۱۸۹۴ء میں شائع کی' یہ لکھ کر [redacted] کہ حضرت [redacted] تحریف کر دی کہ "صحیح بخاری میں میرا نام علیہ لکھا ہے اور پہلے مسیح کی نسبت یہ بڑا مرکز مشرق میں ہو فرمایا ہے جس سے لکھا ہے کہ مسیح موعود دمشق سے مشرق کی طرف ظاہر ہوگا" سو کتابوں دمشق سے مشرق کی طرف ہے" (حمامۃ البشریٰ' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۸) یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ نہ تو صحیح بخاری میں مرزا غلام احمد کا کوئی تذکرہ موجود ہے اور نہ ہی یہ لکھا ہے کہ مسیح موعود دمشق سے مشرق کی طرف کسی دور دست گاؤں میں ظاہر ہوگا"۔ یہ تصرفات قادیانی صاحب کے ذاتی عناد کی بدولت کے کھلی دلیلیں ہیں۔ اس قسم کی تحریف قادری کے دشمن پانی ان کے بے بصر عقیدت مند تھے جو ان کے ہر ارشاد و تحریف پر آنکھ بند کر کے ایمان لاتے رہے تھے

حضرت مہدی علیہ السلام کا مولد و منشر

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت مہدیؑ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہوں گے۔ ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوگی اور بیت المقدس کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ الحافظ نعیم بن حماد اور شیخ علی متقی نے رسالہ "مناقب فی احوال مہدی آخر الزمان" میں لکھا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں متولد ہوں گے۔ مکہ مکرمہ میں ظہور فرمائیں گے۔ بیت المقدس کی طرف ہجرت کریں گے اور اسی جگہ انتقال فرمائیں گے۔ (نور الابصار" ص ۱۳۳) لیکن اس کے برخلاف امام مستغفری نے "دلائل النبوۃ" میں عبداللہ بن حرث سے روایت کی ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کرمان ہی ایک گاؤں میں پیدا ہوں گے۔ (ایضاً) اسی طرح میزان الاعتدال میں کامل ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ مہدی ایک گاؤں سے ظاہر ہوں گے جس کا نام کرمہ ہوگا۔ (میزان الاعتدال' جلد ۲' ص ۱۹) غرض مہدی علیہ السلام کی جائے ولادت میں روایات مختلف ہیں۔ میرے خیال میں اگر صحیح ہیں تو وہی روایات صحیح ہو سکتی ہیں جن میں صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کا مدینہ منورہ میں متولد ہونا ذکر ہے۔ رہی کرمہ میں پیدا ہونے کی متواتر الذکر روایتیں سو وہ بایں اعتبار سے صحیح ہیں کہ ان کا ایک راوی عبدالوہاب بن ضحاک ضعیف ہے۔ ذہبی نے اس کو حدیث میں [illegible] اور ابو حاتم نے اسے کذاب ■ ہے۔ (میزان الاعتدال' جلد ۲' ص ۳۰)

کرمہ کو کدعہ میں تبدیل کرنے کی مرزائی شعبدہ گری

حضرات! آپ نے پڑھا کہ کرمہ والی روایت ایک جھوٹے راوی عبدالوہاب بن ضحاک کی من گھڑت افسانہ ہے لیکن صحیح گاؤں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ کوئی روایت صحیح ہے یا سقیم۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ یہ دیکھا کرتے تھے کہ کس چیز سے ان کے آشیانہ صداقت و مسیحیت کے لیے کوئی تنکا فراہم ہو سکتا ہے؟ جب کوئی روایت خلاف مدعا ہوتی تھی تو لعین کی متفق علیہ حدیث سے بھی' جس کی صحت ساری دنیا کے علماء اور ہر زمانہ کے مسلمانوں

کے تحریک مسلم رہی ہے' دوکردار ہو جاتے اور اگر منبع مطلب ہوتی تو چاہے کیسی ہی جہنل روایت کیوں نہ ہو اسے صحیح قرار دے کر اپنے پروپیگنڈا کا حصہ بنا لیتے۔ کرد والی روایت کو بھی انہوں نے منبع مطلب سمجھ کر لے لیا اور بلا تردد پرستی پر قدم رکھ کر اس سے اپنی غلط سلط عمارت پر استدلال کرنے لگے۔ اگر محض کسی ضعیف روایت کو اپنے دعوی کی تائید میں پیش کرنے تو کوئی اعتراض کی بات نہیں تھی کیونکہ دنیا میں مقدس کے پتلے جھوٹے دلائل پر کھڑے کرتے ہیں انہوں نے موضوع اور مجروح روایات کی آڑ لے کر خلق خدا کو گمراہ کیا ہے لیکن انہوں کے "مسیح موعود" میں تو یہ کمال تھا کہ ان روایات سے مطلب براری تو ایک طرف رہی' موضوع یا ضعیف روایتوں میں بھی حسب دلخواہ تصرف کر کے ان کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتے تھے' چنانچہ حسب ذیل تحریروں سے آپ کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے کرد کو کرد میں تبدیل کر کے کس طرح مطلب براری کی اور اس کو خلق کی۔ لکھتے ہیں: "صحیح بخاری اور مسلم میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ صدی موعود اپنے قصبہ کا رہنے والا ہوگا جس کا نام کرد یا کردیہ ہوگا۔ اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ یہ لفظ کرد دراصل قادیان کے لفظ کا مخفف ہے"۔ (الکلب الیہ' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۲۲۸-۲۲۹) دوسری جگہ لکھتے ہیں: "میری نسبت قرآن کریم نے اس قدر پورے پورے قرائن اور علامت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک طور سے میرا نام رکھ دیا ہے اور حدیثوں میں کرد کے لفظ سے میرے گاؤں کا نام مراد ہے"۔ (ایک غلطی کا ازالہ' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۴۸)

لوگ معترض ہیں کہ مرزا نے اپنا حلیہ درست کرنے کے لیے کرد کو کرد میں تبدیل کر کے اپنے دامن تقدس پر بددیانتی کا داغ لگایا۔ لیکن میرے نزدیک بددیانتی کا الزام کسی حد تک ہے بھی ہے۔ بشرطیکہ ضرورت "ایک کرد قوم کو دوسرے قوم سے تبدیل کر لینے میں کوئی بھی بڑی بددیانتی لازم نہیں آتی۔ بلکہ سچ پوچھو تو یہ مرزا صاحب کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے کرد کی جگہ کرد لکھ کر ہم کو یہ سکھا دیا کہ لغات عرب میں دو لفظوں کا اشتقاق کیونکر ہوا۔ بیچارے ہیں پر احسان اعظم قرابت قریب جانتے ہیں اس بات کا قائل ہوں کہ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے تمام طریق چھوڑ کر شارح راستہ اختیار کیا۔ اگر کرد کی روایتوں کے بجائے ان روایات سے مطلب براری کی کوشش فرماتے جن میں حضرت

مہدی علیہ السلام کا مہد علیہ میں ظاہر ہونا لکھا ہے تو ان کے لیے مہدی بننے میں دو امر سہولت والے۔ کیونکہ مہد اور قادیان میں حرف دال مشترک ہے۔ گرد کو گرداب کر قادیان قرار دینے میں یہ تکلف کیا گیا "مہد کو قادیان بنانے کی ضرورت ہی نہ کرنا پڑے۔ سو اللہ کر فرق استقبال میں صرف تاکیدنے کی ضرورت تھی کہ "مہد سے قادیان مراد ہے کیونکہ دونوں میں حرف دال مشترک ہے"۔ لیکن یہ بیان کیوں نہ اختیار کیا؟ اس لیے کہ یہ تکلف مسلمانوں کو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی جب حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرت اور آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ جس سے اسلامی علم و عمل کے سرچشمے پھوٹے اور دنیا جہالت اندھیرے رشد و ہدایت حاصل کرتی رہی۔ مرزا صاحب سمجھتے تھے کہ مسلمان ان کی تمام مفسدہ اور بے ہودگیوں کو برداشت کر لیں گے لیکن مہبط الرسل کی توہین و تضحیک ہرگز گوارا نہ کریں گے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ قادیانی صاحب نے گرد کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیکن مہد نبوت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

باب ۳

خاندان کی تعمیر کا کورکھ دھندا

فصل ۱- تبدیلی خاندان کی بوالعجبیاں

یہ بھی ایک دلچسپ امر ہے کہ جناب غلام احمد صاحب کسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عام شباب میں بلکہ انہوں نے اپنے تئیں بیشتر مبلغ اسلام لوگوں سے روشناس کرایا" یا اپنے نام سے پہلے مرزا لکھا کرتے تھے جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ مغل خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آخر دس سال کے بعد سنہ ۱۸۸۸ء میں "کتاب البریہ" شائع کی تو اس کے صفحہ ۱۳۴ پر بھی اپنی قوم مغل (برلاس) بتائی اور لکھا کہ میرے بزرگ سمرقند سے پنجاب میں وارد ہوئے تھے۔

خاندان تبدیل کرنے کے لیے کیا کیا رنگ بدلے؟

لیکن برا ہو تعصب کا کہ اسی کتاب "نبیع" کے صفحہ ۱۱۵ کے حاشیہ پر یہ بھی لکھ دیا کہ میرے استاد کے دوسرے مقام پر کہا کہ اولین قاری تھے۔ اس کے بعد نظام الدین صاحب صفحہ تک اسی خیال پر اڑے رہے کہ یہ قاری فاضل ہیں کیونکہ یہ اپنے امام کے مقابلہ میں قادیانی روایات کو بالکل بے حقیقت اور بہت کا پلندہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے رسالہ انوار الحق (نمبر ۲ صفحہ ۱۰۱) میں لکھا کہ اس عاکسار کا قادیان جانا مقیم قادیان ہے اور کبھی تذکرہ ہوا ہے۔ قادیان کی تعریف میں نہیں دیکھا گیا کہ یہ نبی قادیان کا قادیان تھا۔ لیکن اب خدا کے کلام سے معلوم ہوا کہ یہ اصل ہوا کہ قادیان قادری قادیان ہے۔ سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں۔ اس کے ایک سال بعد مسیح صاحب نے ایک اور رنگ بدلا۔ یعنی ۱۹۰۷ء میں ایک رسالہ نام "ایک غلطی کا ازالہ" شائع کیا۔ اس کے صفحہ ۱۱ پر لکھا کہ میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی"۔ یعنی مرزا صاحب علیہ السلام علی علیہ السلام کی نسل سے بھی تھے اور ان کے ددھیال جانب اسمٰعیل ذبیح علیہ السلام کی اولاد سے بھی"۔ بہرحال اب مسیح صاحب عقل بھی تھے اور قادری بھی' اسرائیلی بھی تھے اور فاطمی بھی۔ لیکن اس سے اگلے سال ان پر ایک اور واقعہ آ پڑا جس نے کتاب "نظر کرامت" کے صفحہ ۱۰ پر ان سے یہ لکھوا دیا کہ میرے بزرگ فارسی نسل سے بخارا میں پیدا ہوئے تھے"۔ اب اس انکشاف کے بعد "مسیح موعود" صاحب کی ذات گرامی پانچ قومیتوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس تقسیم ۱۹۰۰ء کے قریباً چھ سال بعد یعنی ۱۹۰۶ء میں جبکہ مسیح صاحب پر حیات سے ناامید ہو گئے ہیں' انہوں نے اپنی کتاب "چشمہ معرفت" (صفحہ ۳۱۱) میں پھر اپنا فارسی النسل ہونا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ لکھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے ایک پیش گوئی کی تھی کہ میرے پر پوری ہو گئی اور وہ یہ کہ خاتم الاولاد جس کا دوسرا نام مسیح موعود ہے فارسی النسل ہو گا۔

ترک' اسرائیلی' یہودی' فاطمی اور چینی ہونے کے دعاوی

غرض ان بیانات کے بموجب جناب نظام الدین صاحب عقل' ایرانی' یہودی' سید اور چینی سب کچھ تھے۔ بیانات کی اس کثرت و تنوع سے لوگ حیران و پریشان ہیں کہ ان میں

سے کس بیان کو سچا سمجھیں اور کس کو جھوٹا اور اللہ قرآن ہی میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس (غیر) کرامات میں سے سچ اور سچا بیان وہی ہو سکتا ہے جو قانونی روایات کے مطابق ہو۔ چنانچہ مرزا محمد اسحٰق صاحب خلیفۃ المسیح نے اپنی تفسیر کے پارہ اول (صفحہ ۳۰) میں لکھا ہے کہ کسی خاص قوم کے کسی خاص انسان کی اوتار ہونے کا ایک ہی ثبوت ہوتا ہے اور وہ اس قوم کی روایات ہیں۔ (الفضل قادیان' ۲۰ ستمبر ۱۹۳۳ء) اور قوم کی روایات یہ ہیں کہ رئیس قادیان مثیل تھے جیسا کہ انہوں نے کرامات و براہین لکھا ہے۔

۲- دوسرے خاندانوں میں داخل ہونے کے اسباب

اب سوال یہ ہے کہ مثیل صاحب نے دوسری قوموں سے رشتہ جوڑنے اور پرائے خاندانوں میں داخل ہونے کی کیوں کوشش فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب نے بلاضرورت ایرانی اور عالمی اور تاریخی امور پر بحثیں نہیں لکھا بلکہ مثیل اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی خاطر وہ ہر مصلحت آمیز عمل کیا۔

فارسی بننے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ قادیان کے رئیس صاحب کن کن کرامات کی بنا پر دوسری قوموں میں داخل ہوتے رہے۔ سو معلوم ہو کہ فارسی بننے کی تحریک تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث (بوایۃ) سے کی تھی جس میں سورہ جمعہ جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسیوں کی حق شناسی اور مستعد اور اعلیٰ بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ جس وقت سورۂ جمعہ نازل ہوئی تو ہم آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم (اور دوسروں کے لئے بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے) تو صحابہؓ عرض پرداز ہوئے' یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت سلمان فارسیؓ بھی وہیں موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک جناب سلمان پارسیؓ پر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر بالفرض ایمان ثریا

کے پاس بھی چلا گیا ہوگا تو ان کے ہم دشمنوں میں سے اکثر لوگ اس کو وہاں سے بھی لے آئیں گے۔ جب مرزا صاحب نے یہ حدیث دیکھی تو ان کے حد سے بڑھ فرضی کی دال تک پڑی اور اس کا صدق بننے کے لیے غلط سے حاصل ہونے کی رٹ لگانی شروع کر دی۔ چنانچہ مرزائی گم کردہ راہ بوجے فرقے اس حدیث کو اپنے مسیح کے مناقب میں پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مقابلہ میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرزا غلام احمد سے پہلے براہ اللہ کے حق میں پوری ہو چکی ہے کیونکہ وہ بھی فارس کے رہنے والے تھے اور ان کے ماننے والے بھی فارسی النسل تھے۔ غرض مرزائی اور بعض اپنے اپنے مقتدا کو اس حدیث کا صدق ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ حالانکہ مرزائی اور بعض دونوں فریق حقیقت نفس الامر سے بے خبر ہیں۔ اس حدیث کے حقیقی صدق حضرات تابعین رح تابعین اور دوسرے بھی ابرار امت ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (اشعۃ اللمعات، جلد ۴ ص ۵۰۰) میں لکھتے ہیں "حمد ثربا بمعنی در آسمان ہر آئینہ ذی گیرد ہم مردان از عجم چنانکہ صلعم فرمود کہ اگر ایمان نزد عجم آمد یعنی باطن علم دین"۔ اور شیخ ابن حجر رح اس تبیین گرائی کی شرح میں لکھتے ہیں:

وکان کما اخبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سیحل فی التابعین وتابعیہم وعلم جرا من اھل فارس مثل التابعی قتادہ وعکرمہ بن سیرین و سعید بن جبیر و عکرمہ مولی ابن عباس و مجاہد وامثالہم حولاء من نقلوا ذلک۔

(الجواب، صحیح لمن بدل دین المسیح، جلد ۲ ص ۳۱۹)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خبر دی تھی اسی طرح ظہور پذیر ہوا چنانچہ ایرانی فارسی نژاد بڑے بڑے تابعین رح تابعین اور دوسرے حضرات اس حدیث سے مشرف ہوئے۔ مثلاً حسن بصری رح محمد بن سیرین رح سعید بن جبیر رح حضرت ابن عباس رض کے غلام عکرمہ رح مجاہد اور بے شمار دوسرے حضرات جو اس تبیین گرائی کے صدق ظہور ہے۔

ظاہر ہے کہ براہ اللہ اور مرزا غلام احمد تو بنائے دین کے ہدم کرنے والے تھے۔ وہ اس تبیین گرائی کا صدق ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔

فارسی النسل ہونے کا تخیل کہاں سے اڑایا؟

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فارسی النسل ہونے کا دعویٰ "صبح صادق" صاحب کا طبع زاد تھا یا کسی کی نقل تھی؟ جن حضرات نے تاریخ فرشتہ' تاریخ بدایونی وغیرہ تواریخ ہند کا مطالعہ کیا ہے' ان سے یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ آج سے تقریباً ساڑھے چار سو سال پیشتر اسی ہندوستان کی سرزمین میں سید محمد جونپوری بھی مرزا نظام الدین کی طرح کوس مہدویت بجا رہا تھا اور اس کو کامیابی صاحب سے کہیں بڑھ کر اپنے وطن میں کامیابی ہوئی تھی۔ سید محمد جونپوری کے پیرو مہدوی کہلاتے ہیں۔ آج بھی گجرات' دکن اور بعض دوسری اسلامی و غیر اسلامی ریاستوں میں مہدیوں کی تعداد بیس پائے جاتے ہیں۔ جن دنوں مرزا نظام الدین صاحب اپنی آنکھ دکن آرائی کے منصوبے سوچ رہے تھے' ان ایام میں حکومت بیجاپور میں مہدویوں نے بڑا دھوم مچا رکھا تھا۔ ان شرانگیزیوں سے متاثر ہو کر مولانا عبدالحی مرحوم کھنڈی کے شاگرد مولانا زمان خان مرحوم نے' جنہیں آگے چل کر ایک مہدوی ولی نے جام شہادت پلایا' مہدویہ کی تردید میں "ہدیہ مہدویہ" نامی ایک کتاب تالیف فرمائی۔ یہ کتاب مطبع نظامی کانپور نے ۱۳۰۰ھ میں یعنی مصنف علیہ الرحمۃ کے واقعہ شہادت کے ایک سال بعد طبع کی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے قصر مرزائیت کی عمارت دراصل تو مہدویہ ہی کے کھنڈروں پر اٹھائی تھی۔ مولانا زمان خان مرحوم نے مہدویہ کے ہر دو اقوال و تحریفات باطلہ کو "ہدیہ مہدویہ" میں نقل کیا' دکھایا کہ کہاں سے ان کو اپنایا۔ اور مہدویہ کے ان چرائے ہوئے نوالوں سے اپنے خوان الحاد کو زینت دے لی۔ منجملہ ان کے فارسی النسل ہونے کا تخیل ہے۔ مہدویہ نے اپنے "مہدی موعود" سید محمد جونپوری کو ایرانی فارس کی پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرایا تھا۔ مرزا صاحب نے "ہدیہ مہدویہ" میں ان کا یہ قول پڑھ کر اس جال کو اپنی جہالت پر راست کر لینا چاہا' چنانچہ آنجناب بھی سید جونپوری کی طرح فارسی النسل بن گئے۔ مولانا زمان خان شہید "ہدیہ مہدویہ" میں لکھتے ہیں "مہدویہ نے آیہ وآخرین منہم لما یلحقوا بہم کو خاص اپنے فرقہ مہدویہ پر چسپاں کر لیا ہے' حالانکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر تتبع و مدحت فرمانا' اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ آیۃ مذکورہ میں آخرین منہم سے یا تخصیص بھی سلمان مراد ہیں۔ اسی بنا پر بیضاوی

نے لکھا ہے کہ یہ لوگ ہیں جو "حلیہ" کے بعد قیامت تک ہوں گے کیونکہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور تعلیم سب امت کو عام ہے۔ "ہدیہ مہدیہ" مطبوعہ کانپور ص ۱۳۳ مولانا نعمان خان صاحب مرحوم نے اس مسئلہ پر خوب سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ ہر صاحب اس بحث کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب "ہدیہ مہدیہ" کے صفحات ۱۳۳ تا ۱۳۹ کا مطالعہ فرمائیں۔

سادات کرام میں داخل ہونے کی علت

اور یہ جو حضرت "مسیح موعود" صاحب نے فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کی علت یہ وجہ تھی:

من ام سلمة قالت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول المهدي من عترتي من اولاد فاطمة۔ (رواہ ابو داؤد)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری عترت یعنی (سیدۃ النساء حضرت) فاطمہ (زہراء رضی اللہ عنہا) کی اولاد میں سے ہوں گے۔

چونکہ عقل صاحب کو مہدی بننے کا استحقاق تھا اس لیے ضروری تھا کہ فاطمی بنتے لہٰذا اس کے بعد جب علمائے اسلام نے یہ کہہ کر لے دے شروع کی کہ حضرت مہدی علیہ السلام تو خاندان نبوت میں سے ہوں گے اور تم عقل ہو "تو خلاف سے بدل جانے کے لیے یہ بھی لکھ دیا کہ میں ہی مہدی ہوں یہ حضرت رسول اور اولاد فاطمہ کا مصداق ہوگا۔ (براہین حصہ چہارم صفحہ ۴۸۱) اس عبارتی بیان سے صریح ہوتا ہے کہ گویا فرشتہ نبوت میں متعدد مہدیوں کی بشارت دی گئی ہے" حالانکہ احادیث صحیحہ کی رو سے بجز مہدی صرف ایک محمد بن عبداللہ فاطمی علیہ السلام قرب قیامت کا ظاہر ہوں گے جو اسلامی عقیدہ کے بموجب اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ ان کو چھوڑ کر جس قدر دوسرے مہدی جن کے متعلق میں کتاب "اکمال تبیین" میں تشریح کر چکا ہوں' محض دعویٰ پر قرار ہوئے یا ہوں گے' وہ سب کلیتاً قرآن کے خلاف ساز مہدی ہیں جو اسلام سے متنفر ہو کر اپنی ذاتیہ لذت کی الگ سجا رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقی ان عادت

گران قدر ایمانی کے فقد سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ آخر میں ساڑھے سات سو صدیوں اور نو سو سالہ مسیحوں کے علامات سلام کرنے کا استحقاق ہو تو ناچیز راقم الحروف کی کتاب "آخری نبی" کا مطالعہ فرمائیے۔

ظلی الاصل بننے کی ضرورت

اور ظلی الاصل بننے کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ قادیانی صاحب نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی کتاب "فصوص الحکم" میں یہ بشارت پڑھی تھی کہ دنیا کا آخری کامل انسان ایک غلام محمد کے بطن میں پیدا ہوگا اور ظلی زبان میں گفتگو کرے گا۔ گو قادیانی صاحب بطن میں پیدا نہ ہوئے تھے اور ظلی زبان بھی ظلی نہ تھی بلکہ ان کی بیس تیس پشتوں میں سے کسی نے خواب میں بھی بطن کی سرزمین نہ دیکھی ہوگی۔ لیکن چودھویں صدی کے مسیح کی مسیحیت اس ضرورت سے تھی" ہے لازم تھی کہ کوئی دلیل اس کے دعووں کی تصدیق کرے۔ بلکہ اس کا زبان سے کہہ دینا اور قلم سے لکھ دینا ان دعووں کے لیے لاکھوں کروڑوں دلائل، براہین سے بڑھ کر تھا حالانکہ خدائے قدیر کی لسان وحی نے اس نمونہ کے حق الیقین اور کفایت کوش کم کہ بھی راہ سے مطالبہ کیا ہے۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین (اے رسول ان لوگوں سے کہئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعوے کی دلیل پیش کرو)

دعوائے اسرائیلیت کی بنا

مرزا غلام احمد صاحب جس زمان خود ایک نسل کے ذریعہ سے عیسیٰ ابن مریم بن گئے تھے لیکن چونکہ یہ کتاب خصوصیت تقدیری زمان سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا اس لیے حضرت "مسیح موعود" صاحب اپنی اس بعد نما استحقاق کی طرف سے نہ صرف خود غیر مطمئن تھے بلکہ انہیں ہر وقت یہ اندیشہ لاحق تھا کہ کہیں ان کے حلقہ گوش اسے اصل نسل قرار دے کر برگشتہ نہ ہو جائیں۔ اس لیے حضرت مرزا صاحب نے کلیتہً "ابن مریم بننے کے لیے اسرائیلی ہونے کا بھی دعویٰ کیا کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام کے قبیل اسرائیلی تھے، لیکن

کمال حسینی ابن مریم بننے میں پھر بھی کسر رہ گئی۔ ضرورت یہ تھی کہ جس طرح انہوں نے سلسلہ اپنی شخصیت تبدیل کی تھی اور خدا ان میں شخصیت کیے تھے' اسی طرح کمال حسینی ابن مریم کے لیے اپنے بن باپ پیدا ہونے کا بھی اعلان کرتے اور ذہنی واقعہ کا ہم چراغ پی پی کے بجائے مریم ظاہر کرتے لیکن ماں کا نام تبدیل کرنے میں شاید یہ مشکل حائل تھی کہ مرزا صاحب خود ہی مریم بن چکے تھے۔ اگر ماں کے نام میں رد و بدل کرتے تو الیس الیہ نہ تھا کہ طائے اسلام مریم بنت مریم پکارنے لگیں گے۔ مرزا جی نے اپنے مریم بننے اور پھر حاملہ ہو کر حسینی ابن مریم بن جانے کی پوری تشریح کتاب "حقیقت وحی" (صفحات ۶۵-۶۸) میں کر دی ہے' جو صاحب دیکھنا چاہیں' کتاب ذکور کی طرف رجوع فرمائیں۔ بہرحال آپ نے اب تن کرنے کی دوسری راہ شاید یہ نکالی میں دجال بننے کی ہوس پر مل ہو کر ایک مثیل الظہر یہودی سوار ہوگا اور جسے خارق العادۃ قدرتیں دی جائیں گی۔ گو علم کلامیوں نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" (صفحہ ۶۳) میں دجال سے یا اجتمال قرینہ مراد لی ہیں اور اسی کتاب میں دوسری جگہ (صفحہ ۴۰۹ میں) نصاریٰ کے پادریوں کو دجال قرار دیا ہے لیکن اغلب ہے کہ جس طرح حضرت مرزا صاحب کرشن نوتار اور کلکی نوتار بنے' اسی طرح انہوں نے اپنے آپ کو اسرائیلی معنی یہودی بنا کر دجال کی بھی کوشش فرمائی ہو۔ اس دجال کی تائید خود حضرت مرزا صاحب کے بعض ارشادات سے ہوتی ہے' چنانچہ فرماتے ہیں "ہم اس قابل گوئی کا ظہور ہے کہ جو حدیثوں میں لکھا ہے کہ ستر ہزار مسلمان کہلانے والے دجال کے ساتھ مل جائیں گے۔ اب طالب کشفیں نکالیں کہ یہ پیشگی پوری ہو گئی یا نہیں؟" (انوار الاسلام' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۲۹) اور دوسری مرزا صاحب نے اپنے پیروؤں کی تعداد ستر ہزار ہی بتائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "جس زمانہ میں ان سوداگروں اور ان کے بیٹوں نے میرے پر کذب اور بدزبانی کے ساتھ ہجوم کیا' اس زمانہ میں میری بیعت میں ایک کروڑ ہی نہیں تھا۔ گو چند بیعت ہو چکے تھے پر شمار ہو سکتے تھے' میرے ساتھ تھے اور اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے ستر ہزار کے قریب بیعت کرنے والوں کا شمار پہنچ گیا ہے"۔ (حجۃ) الصدق' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۶) دوسری جگہ لکھتے ہیں "کیا براہین احمدیہ کے وقت ساتھ کوئی بھی تھا؟ اور کیا اب ستر ہزار کوئی میرے ساتھ داخل بیعت ہیں یا نہیں؟" (ایضاً ص ۳۶)

باب ۲

بعض خاندانی حالات

رئیس گھرانوں نے "سوانح نگاری" اور "مشاہیر ادب" کے حصہ میں اپنے خاندانی حالات کی نذر کر دیے ہیں۔ اگر یہ روایات یا سوانح صحیح ہوتے تو خاندان کے لیے ایک سرمایہ تھے۔ لیکن ان کا مطالعہ کرنے والے صاف نظر آتا ہے کہ مرزا نے ان روایات میں بہت کچھ مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ بہرحال ان روایات کا ضروری خلاصہ درج ذیل ہے:

"میرے والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ" بڑوا کا نام ملا محمد قلی برلاس صاحب کا نام گل محمد تھا۔ ہماری قوم مغل برلاس ہے۔ میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے' جو اب تک محفوظ ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل ہی سمرقند سے آئے تھے اور ان کے ساتھ قریباً دو سو کوی ان کے قرابتی اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے۔ یہاں آکر انہوں نے اس قصبہ (گاؤں) کو' جو ایک جنگل کی شکل میں تھا' آباد کیا اور اس کا نام اسلام پور رکھا۔ اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے ان کو بہت سے دیہات اور جاگیر ملے تھے۔ مغلوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا مرزا گل محمد اس نواح کے ایک بااثر رئیس تھے جن کے پاس پچاس گھوڑے تھے لیکن بہت سے گھریلو مخصوص کے حوالہ ہونے کی وجہ سے ان کے بعد سے کل گھوڑے قریباً پانچ سو کوی رہ گئے۔ ان کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ ایک سو کے قریب ملا' صلحاء اور حفاظ قرآن ان کے پاس رہتے تھے۔ تین چار سو عمدہ عمدہ گھوڑوں اور خاصہ میں سے ان کے مصاحب تھے۔ ایک مرتبہ خیالات فاسدہ باغی سلطنت مغلیہ دہلی کا وزیر گھرانوں تیار تو مرزا گل محمد کو دیکھ کر تخلیہ پر آمادہ ہو گیا اور کہنے لگا اگر کچھ پہلے معلوم ہوتا کہ اس جنگل میں سلطنت مغلیہ کا ایک عیاش رکن موجود ہے جس کے اندر سلطنت و جہانبانی کے تمام خصوصی صفات پائے جاتے ہیں تو میں دہلی کی اسلامی سلطنت کو محفوظ رکھنے کے لیے اسی کو دہلی کے تخت سلطنت پر بٹھانے کی کوشش کرتا۔ پردادا صاحب کے

بعد میرے دادا مرزا عطا محمد کوئی نہیں ہوئے لیکن حکمرانوں نے تمام گاؤں ان سے چھین لیے۔ یہاں تک کہ دادا صاحب کے پاس صرف ایک گاؤں رہ گیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد گاؤں پر بھی رام گڑھی حکمرانوں نے قبضہ کر لیا۔ اس وقت علاقے بڑے گڑبڑ ہو رہی تھی اور اسرائیلی قوم کی طرح لوگ بھاگ گئے اور ان کے مال و متاع سب لوٹ لیے گئے اور تمام مرد و زن چکیوں میں بھر کر نکالے گئے اور یہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ اس انتشار میں میرے دادا کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ ریاست حکمہ کی حکومت کے آخری ایام میں میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں داخل ہوئے اور انہیں پانچ گاؤں واپس ملے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گزاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرچ کر دیے تھے۔" (ازالہ اوہام، طبع پنجم، ص ۵۵۰، ۵۵۱ و کتاب البریہ، حاشیہ مرزا غلام احمد صاحب، ص ۱۸۲، ۱۸۳) لیکن ظاہر ہے کہ جب تباہ حال کے پرانے کاغذات کی الماری پیش کی مرزا صاحب کا سفلی ہوا تو ان کی "وحی آسمانی" کے رو سے فوراً کھلا اور "مسیح موعود" صاحب کو الہام ہوا کہ تم دراصل فارسی الاصل ہو۔ (ایضاً، ص ۱۸۲) تو پرانے کاغذات کے دوسرے دن رجسٹر حقہ و سفرنامہ پر دادا نے پانچ سو گھوڑوں کا کھلا کھلا تین چار سو صفحوں اور سو ڈیڑھ سو حقہ کا حاشیہ لکھنے بیٹھ رہنا' واہی تباہی کا قادیان کا ابھی مرزا گل محمد سے کہنا کہ اگر لکھے معلوم ہوتا کہ علیہ ظاہران کا کوئی لائق رکن موجود ہے تو اسی کو سر کرنے سلطنت بھیجنے کی کوشش کرتا اور اس قسم کے دوسرے اشتعلے کہاں تک قابل التفات اور شائستہ اعتماد ہو سکتے ہیں؟ میرے خیال میں یہ سب الہام طرازی حضرت "مسیح موعود" صاحب کی بکھیڑے کی بیداری ہے۔

مولوی فضل احمد صاحب سابق کورٹ انسپکٹر لودھیانہ نے کتاب "مکمل مفصل و حقانی" میں مرزا غلام احمد صاحب کے اس حصہ بیان کی پرزور تردید کی ہے جس میں انگریزی حکومت کی امداد کرنا مذکور ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی کم از کم نصف درجن تصانیف میں لکھا ہوگا کہ میرے باپ مرزا غلام مرتضیٰ نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کو پچاس سواروں سے مدد دی تھی۔ اس کے متعلق مولوی عبدالعلیم وحرم کوئی نے رسالہ "تحفہ مرزائیہ" میں لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں مرزا غلام مرتضیٰ نے سرکار انگریزی کی ایک سوار سے بھی مدد نہیں کی۔ اس ایام میں غلام مرتضیٰ صاحب کے پاس صرف

رنگ کی ایک پھولی سی گھوڑی تھی۔ ان دنوں مرزا غلام احمد کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر سیالکوٹ کی فوجداری سے متعلق ہو کر ضلع کے پیچھے پیچھے دوڑتے پھرتے تھے۔ اگر مرزا غلام مرتضیٰ میں اتنی اہلیت تھی کہ ان کی استعداد ہوتی تو ان کا حلف الرشید کیوں بار بار پھرتا؟ اور اگر بالفرض محکومت کو اپنے رسالہ سے مدد ہی لینی تھی تو محکمہ فوج کے دفتر میں اس کا کوئی رجسٹر (اندراج) ضرور ہونا چاہیے تھا۔ خود اس کے عہدہ میں کوئی انعام یا جاگیر بھی ضرور ملی چاہیے تھی۔ (کلمہ فضل رحمانی ص ۱۰۱) حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مرزا غلام مرتضیٰ کا سفر کشمیر

پیشی فضل احمد صاحب سابق کورٹ انسپکٹر وجیالہ نے کتاب "کلمہ فضل رحمانی" میں، جو ۱۹۱۸ء میں (مرزا غلام احمد صاحب کے قتل ہونے سے دس سال پہلے) شائع ہوئی تھی، گلابیاں کی اراضی حاصل ہونے کا بالکل دوسری طرح تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "مسیح موعود" صاحب نے کتاب ہذا اور اس دوسری تالیفات میں اپنی خاندانی عظمت کے متعلق جو تصویر کھینچی ہے، اس کی حقیقت کسی طرح داستان امیر حمزہ سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ پیشی صاحب موصوف لکھتے ہیں: "مرزا غلام مرتضیٰ کے دوست سیالی عبدالحکیم بن لعل اللہ ساکن موضع دھرم کوٹ رندھاوا تحصیل پسرور ضلع گورداسپور نے رسالہ "تحفہ مرزائیہ" میں جو ۱۹۰۰ء میں تالیف کیا تھا لکھا کہ مرزا غلام مرتضیٰ حکمرانوں کی تعلیداری میں تلاش معاش کے لیے ملازم کشمیر ہوئے اور ایک ٹٹو پر سوار ہو کر موضع دھرم کوٹ رندھاوا آئے اور غریب خانہ پر نزول اجلال ہوئے۔ ماحضر پیش کیا گیا۔ یہاں سے بعزم کشمیر چلے گئے۔ نوکری کے لیے بڑی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر محمد بخش جمعدار کے پاس جو میرے گاؤں دھرم کوٹ کا رہنے والا تھا، اس کے لڑکوں محمد بخش اور امیر بخش کی تعلیم کے لیے مشاہرہ پانچ روپے ماہوار اور خوراک ملازم ہو گئے۔ کچھ مدت تک وہاں نوکری کرتے رہے۔ ہوتے ہوتے محمد بخش سے سوار بیساں سکھ صوبہ دار کشمیر مر گیا۔ اس وجہ سے محمد بخش جمعدار ملازمت سے سبکدوش ہو گیا۔ اور جمعدار محمد بخش اور مرزا غلام مرتضیٰ دونوں دلیں چلے آئے۔ مرزا غلام مرتضیٰ شیر سنگھ کے عہد حکومت میں دوبارہ کشمیر گئے اور کچھ نوکری پائی لیکن سردار شیر سنگھ کسی بات پر مرزا غلام مرتضیٰ سے ناراض ہو گیا اس لیے

مرزا غلام مرتضیٰ اور تاریخ نامہ دار صاحب پر کو سنبھال کر دیا۔ آخر مرزا صاحب نے اپنے وطن قادیان میں آکر شب کھول لیا۔ اس کے بعد انگریزی عملداری میں ڈپٹی کمشنر صاحب سے ان کی دوستی ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قادیان کی حکومت ارائی مرزا غلام مرتضیٰ کے نام کر دی گئی"۔ (ذکر فضل رحمانی' ص ۲۵) قاضی فضل احمد صاحب ان واقعات کے بعد لکھتے ہیں کہ "کیا مرزا غلام مرتضیٰ کا پانچ سو روپیہ سالانہ پر لڑکے کا پڑھانا اور پھر اس نوکری سے بھی محروم ہو جانا اور کپتان سمار جرنیلی کر کے انگریز کو دینا۔ اس کے بعد قاضی فضل احمد صاحب نے روایت کیا ہے کہ جب باپ نے غداری کی صاحب میں حکومت کی مدد کی تو اب مرزا غلام احمد نے صاحب چاہئے ہونے کے باوجود سرکار انگریزی کی کون سی خدمت کی؟ ہاں فساد انگیزی اور انگریزی رعایا کے باہمی سر پھٹول میں انہوں نے اب تک کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ (ایضاً)

مرزا غلام مرتضیٰ کا مذہب اور ان کی "پابندی" مذہب

مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے اپنے ہاتھ رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں لکھا کہ میں نے مرزا غلام مرتضیٰ کو دیکھا ہے اور ان کے دوسرے دیکھنے والے بھی اس وقت بکثرت موجود ہیں۔ وہ صرف کہنے کو مذہب رکھتے تھے اور اگر مذہب کی طرف کچھ میلان تھا تو شیعہ کی طرف تھا اور اس زیادہ سال میں بلکہ میں نے ان کو دیکھا ہے "ان کو نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ ارکان شرعی کا التزام نہ تھا۔ محرمات شرعیہ کا حال ہم نہیں لکھتے' یہ خدا اس سے یا اس کے دوستوں سے پوچھنا چاہیے۔ ("اشاعۃ السنہ" جلد ۱۲ ص ۲۱۰ بحوالہ ایضاً) ان کے تارک صلوٰۃ ہونے کی تائید صحیح تھانوی کے تلمیذ صاحبزادہ سراج احمد ایم۔ اے کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے "سیرۃ المہدی" میں لکھا ہے کہ ہمارے والد مرزا غلام مرتضیٰ بے نماز تھے یہاں تک کہ بچپن سال کی عمر میں بچے کو بھی نماز نہیں پڑھتی۔ (سیرۃ المہدی' مولفہ مرزا بشیر احمد' ایم۔ اے جلد اول' ص ۳۲) یہاں بشیر احمد نے بخل اقرار کی نسبت یہ بھی لکھا ہے کہ صحیح سوچ کے یہ تمام رشتہ دار پرلے درجے کے بے دین اور لامذہب تھے۔ (ایضاً ص ۳۲)

محترمہ چراغ بی بی صاحبہ

مسلمانوں میں تو ایک نام عقیقہ ہے اور وہی نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے اور خاکسار راقم الحروف بھی عمر بھر سے وہی نام سنتا چلا آیا ہے لیکن مرزائی صاحبان کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کی والدہ کا نام چراغ بی بی تھا۔ اب نہیں کہ یہی نام سچ ہے اور عقیقہ نام غلط کا یہ جھگڑا ہے۔ یہاں تک مرزا صاحب کی کتابیں خاکسار راقم الحروف کے مطالعہ سے گزریں' میں نے بیچ کو ہاں کی کسی تحریر اور دستاویق تحقیقات کا کوئی نشان نہیں پایا اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ یہ ایک عام خاندانی دنیا دار عورت تھی لیکن جناب علی نواب ابن ایک مرزائی نے بدل خواہی اور عقیدت کی جوش میں سے بے غور ہو کر چراغ بی بی صاحبہ کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔ نواب صاحب لکھتے ہیں: "آپ کی والدہ محترمہ کا نام بھی حضرت بی بی چراغ بی بی تھا جو کہ اپنے نام کی طرح بی انتظامات دنیا کے لئے چراغ کی طرح روشن ہی کا موجب ہوئیں کیونکہ جس کے اس مبارک بطن سے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام جیسا عظیم الشان انسان پیدا ہوا" جس طرح یہ حضرت محمد کا نام اللہ تعالیٰ نے جن کے ماں باپ نے اسم بامسمیٰ رکھوایا' اسی طرح حضرت بی چراغ بی بی صاحبہ کے نام میں پہلے دنیا کے نور کی بشارت ذکر تھی۔ خدا تعالیٰ نے جس کے راستے اور مطالب میں فرمایا تھا دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ دنیا کی عورتوں میں سے ہزار ہا عورتیں ہیں' ان میں حضرت محمد عقیقہ اور حضرت چراغ بی بی صاحبہ ہی دو عورتیں ہیں جنہوں نے ایسے عظیم الشان انسان دنیا کو دیے"۔ (حیات النبی' مولفہ جناب علی نواب مرزائی' جلد اول' ص ۳۰۰) اس عبارت کا جواب یہ ہے کہ اگر چراغ بی بی صاحبہ مرزا غلام احمد صاحب کے پہلے ہی قبر کر سکتی ہیں تو پھر سید' احمد حسن اور دوسرے علماء سلف ہیں' جن کے حالات زندگی' میں کتاب "مقدمہ تفسیر" میں تلاش کر چکا ہوں' ان کی ماں نے کیا تصور کیا ہے کہ انہیں اپنے "تصور" فرزندوں کی تذکرہ پر کامل مبارک باد نہ خیال کیا جائے؟ اور نہ جانے یہ تخیلات نواب کی کامل راہنمائی رہا' چراغ الدین جمونی' نصیر الدین امرتسری' بشیر احمد بشیر پوری' فضل احمد پٹھانکوٹی' عبداللہ چکڑالوی' عبدالغفور کھاریوی' احمد نور کابلی اور دوسرے مرزائی لیڈروں کی

ہیں کہ کسی تحقیقی حاصل ہے کیونکہ جس طرح چراغ بی بی صاحب نے ایک حد تک کی ہے' اسی طرح ان خواتین نے بھی اپنی کوتاہ سے ایک ایک بی برکت کرتا ہے۔

شرمناک جسارت

لیکن افسوس ہے کہ جناب علی مرزائی نے دعوائے اسلام کے باوجود قادیانی صاحب کو ادنیٰ نبیاء میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا ہمسر بنانے تک کی شرم بھی محسوس نہ کی۔ یہ بیباکی اور بیباکی در اصل فرقہ مرزائیہ کا ذاتی جوہر ہے۔ اگر اس توہین کا مرتکب کسی اسلامی سلطنت میں کیا جاتا تو یہ بدنفس مرزائی اپنی شوخ ناشی کا جو بھگتتے توہین رسولؐ کے حق میں جو اسلامی و شرعی قانون ہے سب کو معلوم ہے۔ لیکن ہمیں اس قانون کے نفاذ کی ضرورت نہیں۔ تمام عالم کا فرض ہوتا ہے کہ اپنے اخلاص کے خلاف شہادت ہونے کے قانون کو حرکت میں لائیں۔ اس سے اصل نظر سوال یہ ہے کہ کیا اس خوفناک کفر مرزائی نے یہ گستاخانہ اس حدیث نبوی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں؟

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا مسیحک من نسلہ الحسین سیولد فی بعض صرائد علیہ بعد مائتہ و قالت بعد سبعمائۃ و لیسا کذا الرسول۔

رواہ الترمذی (مشکوٰۃ)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ کی اولاد میں ان حسنہ علیہ کو سب سے اولاد نبیاء حاصل ہے۔ حضرت مریمؑ باعتبار تولد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فاطمہ میں حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ باعتبار تولد حضرت فرزندان رضی اللہ عنہم۔

مرزا غلام کے پہلوٹا مرزا گل محمد کے تین بیٹے تھے۔ غلام نبی' عطا محمد اور غلام محمد۔ مرزا عطا محمد کے پانچ لڑکے تھے۔ غلام سبحانی' غلام علی الدین' غلام مرتضیٰ' غلام حیدر اور غلام محمد۔ ان میں سے غلام مرتضیٰ صاحب کو مرزا غلام احمد صاحب کے باپ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ مرزا غلام مرتضیٰ نے ۱۲۸۶ھ میں ۷۰ سال کی عمر میں دنیائے دنی و کوشی کو الوداع کہا۔ ان کی سب سے بڑی اولاد مرزا نبی بی تھیں جن کی شادی مرزا احمد

تک ہو شیار پوری کے بعلی گر تک سنی تھے۔ ہماری قوم مال مویشی کے متعلق بڑا ہے ہوتی تھی۔ ان سے بڑھ کے کام لیتے تھے جنہوں نے اپنی حیات مستعار کے بیس برسے لے کر کے عرصہ میں سفر آخرت کیا ان سے بڑھی شادی جسے بال ایک لڑکی تھی جس کے متعلق مسیح کتابوں کا سن گزرت رحمتی ہے کہ یہ میرے ساتھ قوم پیدا ہوئی اور بڑھ رخصت ہو گئی تھی اور سب سے بڑھے مرزا نظام الدین صاحب تھے۔ (سیرۃ النبی' مولفہ میاں غلام احمد' ایم۔ اے' جلد اول' ص ۳۰)

باب ۵

عہد طفولیت

فصل ۱۔ مسیح کتابوں کے ایام طفلی

طفل مشہور ہے حضرت ابراہیم کے بچے بچے پاک" حقیقت اللہ اور صداقت اسلام پر پیدا ہوئے ہیں بلکہ تمام حضرات کو معجزات و کرامات کی وجہ سے سرفراز فرمایا ہے' ان کے اور اولیائے امت میں ایک امر مشترک یہ بھی ہے کہ ان سے بھی ایسی خصوصیتیں مشاہدہ فرمائی ہے جن سے ان کے اولیاء کرام ہوتے ہیں۔ مگر ہر نبی کتابوں کے بچپن میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ضرور پائی جاتی ہے جس سے عام بازاری لوگوں سے ممتاز کر تکے۔ بلکہ بعض اوقات بچے کہے جاتے ہیں جن سے ان کی آئندہ زندگی کے عجیب حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ ہمارے معجزات اس سے ان کی بشری یا انسانی فطرت کا اندازہ کر سکیں گے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے مرزا نظام الدین صاحب سے کہا کہ گھر سے بھاگ (نکل) گئے۔ گھر گئے تو وہاں پتا چلا تھا کہ فلاں جگہ کے باغبان نے لیا اور شہر بھیج کر اس سے بھی بھیس بدلیں اور لوگوں کے پاس بیچ کر پیسا کھرا کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دم رک گیا اور خلیفہ اخلاق" (سیرۃ النبی' مولفہ مرزا بشیر احمد' ایم۔ اے' جلد اول' ص ۳۳۱)

ایک مرتبہ بچپن سے دوستی کے ساتھ کھیلنے کو بلایا انہوں نے کہا اور آ کوئی بچہ نہیں

گولے نہ انہوں نے گولے سے انکار کیا تو کوئی اور چیز دی۔ اس سے بھی انکار کیا اور واپس خدمت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا ان چیزوں سے بھی روٹی نہیں کما سکتے تو جاؤ راکھ سے کماؤ۔ تو وہ راکھ کی روٹی پر راکھ ڈال کر بیچنے لگے۔ (سیرۃ الحدی' جلد اول' ص ۱۳۱)

چڑیاں پکڑنے کی نہ موسم عادت

مرزا غلام احمد صاحب کے خلیفہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد ایم۔ اے کتاب سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں کہ ہماری موضع اعلیٰ ہوشیارپور کی رہنے والی تھیں۔ حضرت (مرزا) صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ یہاں تک میں چڑیاں پکڑا کرتے تھے۔ چڑا نہ ہو تو سرکنڈے سے بھی شکار کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے سے بڑی بڑی چڑیاں آئیں تو انہوں نے باتوں ہی باتوں میں کہا کہ سندھی (مرزا غلام احمد) ہمارے گاؤں میں چڑیاں پکڑا کرتا تھا۔ سندھی سے ہماری مراد حضرت (مرزا) صاحب تھے۔ چنانچہ آپ کی والدہ اور اہل خانہ میں انہیں بچپن میں کبھی سندھی کہہ کر پکارتے تھے۔ سندھی بالعموم اس بچے کو کہتے ہیں جس پر کسی حملہ کے نتیجے میں دن دفعہ کوئی چیز پھر جاتی ہے۔ (ایضاً ص ۱۳۱) حضرت (مرزا غلام احمد) صاحب پرندے پکڑنے کے لیے غلہ بھی چوگا کیا کرتے تھے۔ مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں کہ غلہ ایک عمدہ چیز ہوتی ہے جسے شکاری لوگ دانہ کے بھنے دلیہ سے تیار کرتے ہیں اور یہ پرندے پکڑنے کے کام آتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۳۲) باپ کی یہ عادت بیٹے کو بھی ورثہ میں ملی تھی۔ چنانچہ مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہاں محمد احمد صاحب خلف علی دادن کے دروازے پر کھڑے چڑیاں پکڑ رہے تھے کہ کسی نے حضرت مرزا غلام احمد سے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا یہاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے۔ (ایضاً ص ۱۳۲) مرزا غلام احمد صاحب بچپن میں تیرنے کے بھی بڑے شوقین تھے۔ ایک مرتبہ آپ بھی چلے تھے۔ (ایضاً ص ۱۳۲) دیکھیں قادیان کا ایک بیان ہے کہ میں بچپن میں کتا پالتا تھا کہ صاحب (مرزا) کہہ جاتی تو ساری چڑیوں کے غول کو ایک ہی دفعہ پکڑ لیا کرتا تھا۔ چڑیوں کی صاحب گاؤں کے چاروں طرف لگی ہے۔ بارش کے موسم میں چڑیاں بہت ہو جاتی ہے۔ (ایضاً ص ۱۳۲) بعض اوقات سواری بھی کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک سرکنڈے کے ساتھ بندھے گھوڑا بھی

کو پاک کرنے کے قصد سے ایک درخت سے باندھا لیکن خود ہی مر گیا اور بچ گئے۔
(ایضاً ص ۱۱)

کیمیا کی تلاش

علامہ مہر سین دہلوی بیان کرتے ہیں کہ جب میں اور مرزا قاسم امیر بیگ میں پڑھا کرتے تھے (ان کی عام عادت تھی کہ صبح کو ایک لونڈا (خوبصورت لڑکا) پانی سے بھرواتے اور وہ لڑکوں سے کہتے کہ اس کو ہاتھ کی ایک ایک انگلی کے سامنے الٹا رکھ لو۔ لڑکے انگلیوں کے سامنے لوٹے کو تھام رکھتے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کیمیا کے نسخہ کی دوائیں ہر انگلی کے پوروں پر رکھ کر گولیاں بناتے اور ایک ایک گولی اس لوٹے میں ڈالتے جاتے اور ساتھ ہی کچھ اسم پڑھتے جاتے تھے۔ جس گولی کی نسبت یہ خیال ہوتا تھا کہ اس گولی کا نسخہ زیادہ گرم ہے رکھ لیتے تھے اور پھر اس نسخہ کا تجربہ کرتے تھے۔ لیکن کیمیا گری میں کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ (آئینِ اکبری صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ۱۹۳۹ء) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح لڑکیوں کے مل میں بھیج کر پانی سے لوٹا بھروانے کی رسم مرزا قاسم کے ایک عالم دین نے وہاں کی ایک جامع مسجد کے خطیب بھی ہیں' عالم الحروف سے بیان کیا کہ مولوی محمد حسین جاہلی اور مرزا قاسم امیر تھانوی بلند ہی ہم سبق تھے۔ ایک مرتبہ مولوی محمد حسین' مرزا قاسم امیر اور چند اور لڑکے رات کے وقت قصبہ بلند سے باہر کھیتوں میں شغل حاجت کے لیے گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ بجز (ایک شب تاریک) لازم تھے۔ رفع حاجت کے وقت ایک بچھو مرزا قاسم امیر کے گریبان میں آ گیا۔ مرزا صاحب نے اس کو ہاتھ سے جھاڑا۔ جب سب لڑکے جمع ہوئے تو قاسم امیر صاحب نے انھوں سے کہا "تم کہہ سکتے ہو کہ بچھو کے بیٹھ رہنے کی جگہ کیا ہے؟ اور کیا اگر اسی طرح سے کوئی شخص کہا جائے تو لوگوں کو یقین آ سکتا ہے یا نہیں؟" مولوی محمد حسین صاحب نے کہا "ہاں ممکن ہے"۔

فصل ۲- اہل اللہ کا بچپن

حضرت آپ نے کئی تحریروں کے بعد ملاقات کا سوال کیا۔ آپ اور اقبال علیہ کے امام شاہ کی ایک جھلک بھی دیکھنے اور قبولی صاحب کے ملاقات سے ان کا سوال کیا۔ یہاں لکھا "پیر مارٹن ہال کا مام مقرر کیا جاتا ہے۔ مرزا محمد اکبر صاحب ڈپٹی کمشنر نے ۲۰ اپریل ۱۹۳۳ء کو اپنے خلیہ جمعہ میں بیان کیا کہ سید عبدالقادر صاحب بیالوی جب بارہ چھ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے انہیں تحصیل علم کے لئے بخارا بھیجا اور فرمایا کہ یہ میں تمہیں اشرفیاں تمہارے باپ کا ترکہ ہے۔ میں یہ تم کو تمہاری گزران میں ہی خرچ ہوں۔ حسب ضرورت ان کو خرچ کرنا۔ راستہ میں غارت گروں نے قافلہ لوٹ لیا۔ کسی رہزن نے گودڑے ہوئے ان سے پوچھا "تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں چالیس گودڑی میں اشرفیاں سلی ہوئی ہیں"۔ رہزن انہیں اپنے سردار کے پاس لے گیا اور کہنے لگا کہ یہ لڑکا کہتا ہے کہ میرے پاس اتنی اشرفیاں گودڑی میں سلی ہوئی ہیں۔ اگر گودڑی پھاڑی گئی تو اشرفیاں نکل آئیں۔ یہ دیکھ کر تمام قزاق حیران ہوئے اور پوچھنے لگے کہ تب ہم لوگ تمہاری سلی ہوئی اشرفیوں کا حال کس طرح جان سکتے تھے تم نے ہمیں یہ کیوں بتلا دیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی والدہ سے جھوٹ بولنا گناہ سمجھا تھا۔ قزاق اس نیک گزاری کا اثر دیکھ کر غارت گری سے تائب ہوگئے۔ (الفضل ۲۰ اپریل ۱۹۳۳ء) حضرت شیخ المعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی کی والدہ محترمہ بھی طریقہ میں بڑا کمال رکھتی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ جب سے عبدالقادر رمضان المبارک میں دن کے وقت دودھ نہیں پیا کرتا تھا۔ انہی ایام رضاعت میں ایک سال چاند عید کی رویت میں بہت دشواری پیش آئی۔ لوگ دن بھر میرے پاس آ آ کر دریافت کرتے رہے کہ کل صبح سے تمہارے بچے نے دودھ پیا ہے یا نہیں؟ میں انہیں جواب دیتی رہی کہ نہیں پیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل روزہ کا دن ہے۔ چنانچہ بعد میں اس قرائن کے ساتھ اس دن روزہ ہونے کی خبر آئی کہ عبدالقادر کے رمضان میں دودھ نہ پینے کا گھر گھر چرچا ہونے لگا۔ (طبقات الکبریٰ' امام عبدالوہاب شعرانی' جلد اول' ص ۱۳۸' طبع اول' ۱۹۵۴ء' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی اینڈ سنز' مصر) جب حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الحق والدین علیہ الرحمۃ حکم حق سے ہوئے تو اسی وقت سے ان کی کرامتیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ آپ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ جب میں کھانا پکانا

[illegible] میں رکھتی تھی کہ اس میں کسی طرح کا شک نہ کرتا تھا تو [illegible] میرے علم میں [illegible] گئے اور جب تک میں اس قلعہ کو حد سے نہ نکال لیتی' قرار نہ پکڑتے۔ اور جب سفیان ثوری' علم حدیث میں تبحر تک ان کی شہرہ آفاق کتاب پر تصنیف کرنے لگیں۔ حدیث کی ترقی سے ایک الگ بحر کر پیدا کی۔ سفیان' بیہقی میں سب سے فائق ہو گئے اور علم میں اس قدر سرمایہ بڑھا کر ان کی دولت کا کوئی اور جہت پر ان کے پاس جا کر اس کی سند لیتا۔ ایک دن ایک نوجوان طالب علم نے حضرت فضیل بن عیاض' کے سامنے سوال کیا کہ قرآن پڑھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے گھر کی طرف جاتے ہوئے میرے بیٹے کو بھی قرآن سناتے جانا تاکہ کوئی ایسی سورت نہ پڑھا جس میں قیامت کا ذکر ہو۔ کیونکہ میرا فرزند قیامت کا ذکر سنتے کی تاب نہیں لا سکتا۔ سنتے ہی طالب علم نے قرآن کے سبھی الفاظ چھوڑ دیئے۔ اس پاک دامن بچے نے پرہیزگاری اور دین میں تقی ہوا۔ (تذکرۃ الاولیاء) امام عبدالوہاب شعرانی نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی میں کہ ان کی عمر دس سال سے بھی کم تھی' حفظ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ (طبقات الکبریٰ' جلد ۲' ص ۹)

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اور اس کی بیوی زبیدہ خاتون میں کچھ رنجش ہوئی اور زبیدہ خاتون کے منہ سے نکل گیا "اے طالق" ہارون رشید خطرناک ہو کر کہنے لگا۔ اگر میں طالق ہوں تو تجھے طلاق ہے اور اسی وقت ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے لیکن چونکہ خلیفہ کو زبیدہ خاتون سے انتہا درجہ کی محبت تھی' اس کی جدائی میں خلیفہ بے چین ہوا۔ آخر اس مشکل کا حل تجویز کرنے کے لیے دارالخلافہ کے تمام علماء کو جمع کیا اور صورت حال پیش کی۔ تمام علماء اس کا جواب دینے سے قاصر رہے اور واپس چلے گئے کہ ہمارے علم الفقیہ کے سامنے نہیں بیان سکتا کہ خلیفہ ہارون رشید کا کیا ہے؟ بغداد میں علماء کی تعداد میں سے ایک فوجا باہر نکل کر کہنے لگا کہ اگر حکم ہو تو میں جواب دوں۔ لوگ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے' لوکے کا شاید دماغ خراب ہے۔ لڑکا جب تمام بڑی بڑی علماء جواب دینے سے عاجز ہیں تو تیری کیا بساط ہے؟ خلیفہ نے اس لڑکے کو دیکھ لیا اور اپنے پاس بلا کر کہا ہاں تم جواب دو لڑکے نے ' حضرت امام شافعی' نے کہا امیر المومنین! آپ کو میری امتحان ہے یا کچھ آپ کی؟ خلیفہ نے کہا مجھ کو تسلی ضرورت ہے۔ یہ سن کر لڑکے نے کہا' آپ تخت سے نیچے اتر آئیے کیونکہ علماء کا درجہ بلند تر ہے۔ خلیفہ نے اپنی تخت پر بٹھایا اور

فوت ہونے سے پہلے اذن لیا۔ فوکے نے کہا پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔ جنید نے کہا پوچھو۔ فوکے نے کہا کیا آپ بھی قدرت رکھنے کے باوجود کسی گناہ سے محض خوف خدا سے باز رہتے ہیں؟ جنید نے کہا ہاں بیشک۔ یہ سن کر امام شافعیؒ نے فرمایا میں قبول حق ہوں کہ آپ جنتی ہیں۔ امام طاؤس بکاؤں پھر اٹھے کس دلیل سے؟ امام شافعیؒ نے فرمایا: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولمن خاف مقام ربہ ولم یتعرض عن الھوی فان الجنۃ ھی المأوی (جس شخص نے گناہ کا قصد کیا اور پھر حضرت الٰہی نے اس کو اس گناہ سے باز رکھا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے) یہ سن کر امام طاؤس عشق عشق کرنے لگے اور کہا کہ جس شخص کا تو کہیں میں یہ حال ہے" میں معلوم کیا تو بولا ہو کر کس حقیقت کا مالک ہوگا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا ہے کہ میں اس وقت کے تمام علماء کو بھی جانتا ہوں بلکہ میں ہمہ وقت علم بھی تھا۔ اور فرمایا میں تین برس تک بلکہ میں اپنے ماموں محمد بن سوارؒ کے ساتھ رات بھر جاگتا رہا کرتا تھا۔ یہ لوگ جو اپنے ساتھ جاگتے اور رات بھر پڑھتے دیکھ کر فرمایا کرتے" اے سہل سو جا کیونکہ تیرا دل تیری وجہ سے مشغول ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر وراق کا ایک وراق کتب بیا کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ رو رہا ہے اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہے۔ پوچھا کیا ہوا؟ کہا کہ آج استاد نے ایک کتاب پڑھائی ہے جس کی وجہ سے میرا دل حیران ہے۔ پوچھا وہ کون سی کتاب ہے؟ کہا ہوبما یصل الوفدان فیما بینھما (جو ایسا دن ہوگا جبکہ لوگ بھی پراگندہ ہو جائیں گے) غرض وہ وراق اس کتاب کے خوف سے بیمار ہو کر جان بحق ہو گیا۔

حضرت بشیر بن حارثؒ کو کسی سے محبت الٰہی سے متعلق" یا الوہیت اور ربوبیت کے متعلق ایک روز کتب سے گھر آئے تو باپ کو روتے دیکھ کر پوچھا ابا جان رونے کا کیا سبب ہے۔ انہوں نے کہا" آج مال کی زکوٰۃ میں سے کچھ رقم تمہارے ماموں (جو سری سقطیؒ رحمۃ اللہ) کو دینا چاہئے تھا لیکن میں سے بھول گیا تھا۔ لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔ میری تمنا تھی کہ یہ رقم ان کے مستحقین میں سے کسی کے کام آتے"۔ بشیر نے فرمایا مجھے دیجئے میں ان کو دے کر آتا ہوں۔ غرض وہ رقم لے کر اپنے ماموں کے ہاں پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔ حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں بشیر ہوں۔

دوران کھڑا اور یہ فرمایا۔ زکوٰۃ کہ ہاں ہر ہمت ہار تھے' فرمانے لگے ہیں نہیں تم نے حضرت بیٹے نے فرمایا آپ کو اس خدا کی قسم جس نے آپ پر فضل اور میرے باپ کے ساتھ عدل کیا' اس کو لے لیجئے حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا بیٹے! اللہ نے کیا فضل کیا اور تمہارے باپ کے ساتھ کیا عدل کیا۔ کہا آپ پر یہ فضل کیا کہ آپ کو اپنی معرفت کے شرف سے نوازا اور میرے والد سے یہ عدل کیا کہ اس کو دنیا میں مشغول کیا اور یہ فرمایا زکوٰۃ تو بدحال کسی فقیر کو ہوتا ہے۔ حضرت شیخ کو یہ بات پسند آئی اور فرمایا کہ پہلے اس سے کہ یہ زکوٰۃ قبول کروں' میں نے تجھے قبول کیا۔ اور دونوں کھل کر زکوٰۃ لے لی اور حضرت بیٹے کو اپنے اخلاق عالیہ میں تربیت کرنے لگے۔ حضرت بیٹے سات سال کے تھے کہ حضرت سری سقطیؒ ان کو اپنے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے کہ سفر لے گئے۔ ایک موقع پر خلقِ کثیر میں پانی نہ ہونے کے سبب سخت لشکر دوانی قائم ہوا ایک نے مقابلہ لشکر پر اپنے اپنے قبیل کا اظہار کیا۔ سری سقطیؒ کہنے لگے" بیٹے! تم بھی کہو کہ بیٹے نے فرمایا کہ لشکر کی حقیقت یہ ہے کہ جن قبائل انسان کو یہ محبت حاصل نہ ہوئے' بعد اس محبت کے سب سے اس کا انسان نہ بنے اور اس کو صحبت و تاریخ کا ذوق نہ ہو۔ مشائخ کرام نے ساتھ بول اٹھے' اے ابراہیمیہ! تم نے لشکر کی بالکل صحیح تعریف کی ہے کہ اس سے بہتر اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ (تذکرۃ الاولیاء)

کرشن جی کی ظرافت سے مشابہت

مرزا نظام احمد صاحب کے بچپن کو حضرت مرزا صاحب کے مادرانِ الٰہی کے ایام طفلی سے کوئی نسبت نہیں ہے ع

یہ نسبت خاک را با عالم پاک

البتہ کرشن جی کے ایام طفولیت کی اس میں ضرور جھلک پائی جاتی ہے۔ رگھبیر سنگھ صاحب اپنی "حیات سری کرشن" میں لکھتے ہیں: "سب علماء اور کرشن دونوں اہلی گوکل میں پرورش پا رہے تھے۔ ان دنوں میں کرشن نے بہت شرارتیں اور خرافات کیں۔ یہ اپنی شرارتوں سے نہیں تھا کہ (جس نے ماں کی حیثیت سے کرشن جی کی پرورش کی تھی اور دیدہ پایا تھا) نہایت دل گیا کرتے کرشن ایام طفلی میں بڑا کے کنارے سوئی چرایا کرتا جس میں

گائوں کے زمانے میں خوب محنت کی پہاڑی اور دس سال کی عمر میں تیرنا اور بانسری بجانا بھی سیکھ لیا۔ خصوصاً بانسری بجانے میں تو یہ کمال پیدا کیا کہ ہر وقت اس کے گرد بانسری سننے والوں کا ہجوم رہتا۔ ایک دفعہ کسی سے سنا کہ فلاں غار میں ایک گائے رہتا ہے جو سے لوگوں کو بڑی وحشت ہے۔ یہ سن کر کرشن وہاں پہنچا اور اپنی طاقت آزمائی کے سلسلہ میں اپنی گیند غار میں پھینک دی اور بلا خوف اس کے تعاقب کو گھس پڑا۔ اندر اس کے بیل کی ٹھوکروں سے زخمی ہو کر ہلاک کیا لیکن تھوڑی دیر میں لوگوں کا یہ اثر ہوا کہ کرشن کا سفید گائے بھورے رنگ میں تبدیل ہو گیا۔

(بیان سری کرشن "مصنفہ دکھوبھ مکھ صاحب الہیری" مطبوعہ لاہور" ص ۳۰)

باب ۲

مسیح کہانیوں کی تعلیم

میں اپنی کتاب "سیرالنبی" کے باب "انبیاء کے اصل خصائص" میں یہ تفصیل کر چکا ہوں کہ خدا کے پیغمبروں نے کبھی کسی بشر سے کسی قسم کا کوئی علم حاصل نہ کیا بلکہ یہ ہی راہنما ہوتے تھے اور ان کی تعلیم اصلی اور وسائل خود یہ بذریعہ وحی و الہام ہوتی تھی۔ چنانچہ سنا ہے:

عن عبداللہ بن عمرو" قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم بظاہر ناخواندہ قوم ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ ہم نے حساب کتاب سیکھا ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیم کا ذریعہ وحی

چونکہ مروجہ علوم اور کوئی معلومات اور صنعت کا وجود فطرت بنی نوع انسان میں پیدا نہ ہوا

علیہ السلام اس لیے کہ وہ ہر بات میں انبیائے کرام کی مثل بننے کی تعلیم کرتے رہتے تھے۔ خدا کے برگزیدہ پیغمبر نہ کھٹکا جانتے تھے اور نہ چھپنا اور مرزا صاحب کا مقصد انسان سے تعلیم حاصل کرنا اور اگر یہ کہا جائے کہ ہم نے تو یہ پڑھ

سفر بھی کسی امتحان سے کم نہیں ہوتا لیکن یہ دشواریاں دیکھ کر "سچ مچ مولوی" صاحب نے خود ہی دوسری جگہ اپنی قسم کو جھوٹا ثابت کر دیا ہے' چنانچہ فرشتہ ہونا ہے "سکین" کے زمانہ میں بھی قیام اس طرح پر ہوا کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے ذکر کیا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر قریباً دس برس کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے جن کا نام فضل احمد تھا مولوی صاحب موصوف ایک دیندار اور پرہیزگار آدمی تھے" یہ بات توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ فقہ انہی سے پڑھے۔ اور پھر اس کے بعد میں سولہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا ان کا نام بھی علی تھا فقہ ان کو بھی میرے والد صاحب نے ذکر رکھ کر گاؤں میں پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے فقہ اور منطق اور تھوڑا سا فلسفہ و نیز علم ہیئت کو حاصل کیا اور بعض علوم کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں"۔ (کتاب الیہ' سوانح مرزا غلام احمد صاحب' ص ۱۵۰۔ ۱۵۱) مرزا بشیر احمد ابن مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کے استاد فضل الٰہی گاؤں کے باشندہ تھے۔ میرے استاد فضل احمد غیب دور ضلع گورداسپور کے باشندہ تھے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب سیالکوٹی (مرزائی) انہی کے بیٹے تھے۔ میرے استاد سید گل علی شاہ صاحب اور تھے۔ (سیرۃ المہدی' سوانح مرزا بشیر احمد' کتاب اول' ص ۲۳۳) گاؤں کے الہامی صاحب کہ کتب بینی سے کتنا شغف تھا کہ بروقت کتابوں کے کیڑے بنے رہتے تھے۔ لکھا ہے کہ اس سلسلہ کتب بینی میں بزرگوں نے کبھی کتابیں چاٹ لگے ہوں گے۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ جس دن مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہیں تھا میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی وصیت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیے کہ یہ طبیعت بدمزاجی سے ڈراتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آجائے"۔ (کتاب الیہ' سوانح مرزا غلام احمد صاحب' ص ۱۵۰) کثرت مطالعہ کی ایک اور شہادت ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب کے سوانح عمری میں لکھا ہے کہ آپ (مرزا صاحب) کو خدا تعالیٰ نے کتابوں کے دیکھنے کا اس قدر شوق اور شغل رکھا ہوا تھا کہ مطالعہ کے وقت کھانا

ہیں ہی نہ ہوتے تھے۔ آپ کی ملازمت شروع سے ایسی ہی تھی کہ اکثر مہینہ فصل کر کرتے تھے اور ایسے تحو ہو کر کوٹھہ سے نکلتے تھے کہ جس زمین پر نکلتے تھے' وہ وہ کر پانی زمین سے تمیز اور بہہ چلی ہو جاتی تھی۔ (مولوی محمد مرزا صاحب ملحقہ براہین احمدیہ' ص ۳۷) قارئین حضرات اب ذرا انصاف فرمایئے کہ یہ قصہ فضل الٰہی' فضل احمد اور کل علی شاہ تینوں اشخاص سے تعلیل نظم کرے اور کوٹھہ مہتاب کا بام ہو کہ کوٹھہ نکلنے سے پہلے کی زمین ہی وہ جائے' پھر دعویٰ یہ کرے کہ قوم کی طرح میرا کوئی معتقد مرشد نہیں بلکہ صرف خدا معتقد مرشد ہے' کہاں تک راست بیانی پر مبنی ہے؟

تعلیم کے لیے ایک مدرس نوکر رکھنے کا افسانہ

مرزا صاحب کی تحریر سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ یہ مولوی فضل الٰہی اور مولوی فضل احمد صاحبان سے تو ملنے چلتے ہیں' مگر کل علی شاہ صاحب کو تعلیم کلام مرتضیٰ نے اپنے بیٹے کلام احمد کی تعلیم کے لیے نوکر رکھا ہوا تھا۔ مگر راقم الحروف کو بلانے کے متعلق معلوم ہوا کہ یہ بیان بالکل بے بنیاد ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب گھوڑیں میں مرزا کلام مرتضیٰ کا مطب نہ چلا یا وہاں کی تعلیل تحویلی پر قانع نہ ہوئے تو انہوں نے بلانہ آکر وہ ایک نیا قصبہ ہے' مطب کھول لیا اور یہیں ایک مکان بھی بنا لیا تھا۔ اسی مکان میں باپ اور چچا (مرزا کلام احمد) رہتے تھے۔ باپ مطب کرتا تھا اور چچا وہاں سے قریب ہی مسجد براہیاں میں بیٹھ کل علی شاہ صاحب سے تعلیم پاتا تھا۔ راقم الحروف نے بلانہ میں مسجد براہیاں دیکھی ہے اور یہ مکان بھی دیکھا ہے' جہاں مرزا کلام مرتضیٰ مطب کرتے تھے۔ حاجی نور محمد صاحب مہتمم انجمن حمایت اسلامیہ کی مسجد میں بلانہ کے اکثر بڑے بڑے معزز رئیس جمع ہوتے ہیں اس بات کی تصدیق ہو گی کہ حکیم کلام مرتضیٰ صاحب بلانہ میں مطب کرتے رہے ہیں۔ بلانہ کا مکان آج کل حکیم کلام مرتضیٰ کی اولاد کے قبضہ میں نہیں ہے' کیونکہ اسے میر احمد شاہ وکیل نے حکیم کلام مرتضیٰ کی زندگی میں ان کی رضامندی کے بعد خرید لیا تھا۔ اس بیان کی تائید مرزا احمد علی صاحب امرتسری (محشی) کی تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مولوی کل علی شاہ بلانہ جب کے باشندہ تھے۔ بڑے بڑے رئیس ان کے معتقد ہو جایا کرتے تھے۔ مگر مرزا کلام احمد کے والد مرزا کلام مرتضیٰ

بھی بلند ہیں ان کے دروازوں کے دربان تھے۔ کل علی شاہ کسی رئیس کے دروازے پر کبھی نہیں گئے یہ بلکہ حکیم اعلم مرشدی جیسے خادم کی ذکری کرتے۔ مرزا اعلم اسرار نے اپنی زندگی کے لئے فقر و فاقہ سے کام لیا ہے۔" (مرزا اللہ بیگ، مولانا مرزا اعلم علی ارتضی، ص ۲۹۔ ۳۰) ہمارے یہ اضافہ بالکل غلط اور حقیقت سے بعید ہے کہ مرزا اعلم مرشدی نے اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے کوئی درس ذکر رکھا تھا۔ کل علی شاہ صاحب کے پوتے سید باقر حسین ہمدانی کا بیان تھا کہ یہ تعلیمی کے عہد اولاد جیسے حق تلاوتی باز کریں مگر ان کے دادا کی ذہین کی گئی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس ارشاد کو قبلہ سے قبل میں کیوں نہ لایا گیا۔ غالباً کوئی اور وجہ پیش حائل ہو گیا ہوگا۔

تعلیمی علم بحیثیت علم مآ خذ علم ما الطبیعیات

مرزا صاحب نے "کتاب الحیوۃ" میں اپنے تحصیل علم کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے یہ باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں۔ اول یہ کہ ان کی تعلیم نوعمری ہی سے انہیں کسی نہ کسی استاد کے حاصل رہی تھی۔ خصوصاً مدرسہ "الہ" تھیر "کلام وغیرہ دینی علوم میں بہت تھوڑا درک تھا۔ یہ مرزا انہوں نے بتایا کہ پڑھا وہ بھی باقاعدہ کسی مکتب اسلامی درسگاہ میں نہ پڑھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم "مکتوبات مرزا" صاحب کو صحیح اسلامی تعلیمات سے محروم اور ذہنی مغالطات سے پاک نہیں پاتے ہیں۔ اصل میں مرزا صاحب علم ما الطبیعیات کی بھی تھیر تھے۔ جدید اسلامی کے مدد و قبول میں ان کی حالت بالکل غیر تھی۔ حالانکہ اس مذہب کو خلاف اسلام اور الحاد پر مبنی سے تعبیر کرتے ہیں مگر ہمیں تو یہ تھی ان کے لئے مذہب صد بزار اور انکار ہی رہی تھی۔ بہرحال "مکتوبات مرزا" صاحب میں کوئی اور خلل تھی یا نہیں تھی لیکن مسلمانوں کے عقائد اسلامی پر اثر ڈالنے میں ان کو یہ کامل حاصل تھا اس کی تھیر اس قسم کے تمام خطوں میں بخوبی مل سکے گی۔

باب ۷

سیالکوٹ کی ملازمت اور مختاری کا امتحان

سیالکوٹ کی سرکاری عدالت کی تاریخ سے ثابت ہے۔ ایک اور ثبوت مرزائی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت نے مرزا امام مرتضیٰ صاحب کے لیے سلطنت سو روپیہ سالانہ کی الاؤنس تا حین حیات مقرر کر دی تھی۔ اس سے عالمان کے لیے نوکری کی ایک اور تجویز نکل صورت پیدا ہو گئی ہوگی۔ لیکن چونکہ امام صاحب کی آنکھیں بند ہونے ہی پر بند ہو جانے والی تھی' اس لیے یہ اپنے بیٹے امام اور صاحب کے مستقبل کی طرف سے اکثر فکرمند رہا کرتے تھے۔ مرزائی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عدالت سیالکوٹ کی ملازمت کے وقت "مسیح موعود" صاحب کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی جس نے انہیں گھر میں جم رہنے کے لائق نہ رہنے دیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ المسیح مرزا محمود امیر صاحب لکھتے ہیں: "سنا گیا ہے کہ ان دنوں میں آپ گھر والوں کے طعنوں کی وجہ سے کچھ دنوں کے لیے گھروں سے باہر چلے گئے تھے اور سیالکوٹ جا کر رہائش اختیار کر لی اور گزارہ کے لیے ضلع کی کچہری میں ملازمت بھی کر لی"۔ (انوار خلافت روحانی' ص ۳۳۱) اس تعامل کی تفصیل ان کے برادر خورد مرزا بشیر امیر صاحب کے بیان میں ملتی ہے۔ چنانچہ "سیرۃ المہدی" میں مذکور ہے۔ "میاں کہا کرتے تھے والد صاحب نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمہارے دادا کی ناراضگی دور کرنے کے لئے پہلے پہلے مرزا امام الدین چلا گیا۔ جب آپ نے ناراضگی دور کر لی تو کسی کو بھیجا کہ اور دعوت دے کر لائے۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ اور تو سب آ گئے ہیں مگر ایک امام الدین نہیں آیا۔ پھر جب اس نے بہت اصرار کر کے بلایا تو آپ کو بھیجا۔ آپ کہیں اور جگہ چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اس قدر غم سے وہاں گھر میں رہنے لگے۔ چونکہ تمہارے دادا کا خیال رہتا تھا کہ آپ کہیں غلام ہو جائیں' اس لئے آپ شہر سیالکوٹ میں اپنی کچہری کی نوکری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۳۳۴-۳۳۵) اس بیان میں مرزا محمود امیر صاحب خلیفہ المسیح اور مرزا بشیر امیر صاحب راقم کے سوانح سیرۃ المہدی کی واقعہ نگاری۔ فرماتے ہیں کہ مرزا امام الدین مسیح موعود صاحب کو ان کی جوانی کے زمانہ میں بھیجا کر لے گیا اور ان کو دعوت دی۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا "مسیح موعود" کوئی ناکتخدا لڑکی تھی جسے کوئی بدمعاش اغوا کر کے لے گیا یا کوئی خطا پر تھا جو مخلص کا نام سن کر پیچھے چل پڑا؟ جب "مسیح موعود" صاحب

مائل بلغ کی ہوش صاحب علم و فضل تھے تو مرزا امام الدین کا بھائی اور دوکاندار کیا سمجھ سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ مرزا امام الدین نے ان پر رائے دی ہو کہ چلو ذرا دیر اور امرتسر کی مقدمہ بازی دیکھیں' وہاں کے سیشن سے تو ہو آئیں' تاہم ہوائی کی بات کے جزے ولیں کر ج

یہ ہے بیش کوش کہ عالم سے نیست

مرزا امام الدین تنہا قصوروار نہیں تھا

لیکن ظاہر ہے کہ جب تک خود مسیح صاحب ہوا و ہوس کے غلام نہ ہوتے' اہل دنیوی اور اہل خاندان سے انس نہ ہوتا' مرزا امام الدین کیا کر سکتا' یا اس کے نام الہام ہی کیوں بھیجے جاتے۔ پس کوئی ہی اصل اصلی ایسی ضرور تھی کہ ایک عرصہ کے لیے بھی بند کرنے پر تیار نہ ہوا کہ مرزا امام الدین کے بھائے رشتہ "مسیح موعود" صاحب کے ہوش و حواس پر قابو نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ کھانے پینے میں سات سو روپیہ کی کثیر رقم غیر معمولی ہے۔ اور اس زمانہ میں بلکہ کیوں کا نرخ قریباً آٹھ آنہ من گوشت تھا ایک آدمی سیر بھی کا پکا کھانے والا مانا جاتا ہے' مرزا کھانے پینے پر یا اس قسم کی عام مدات خرچ پر کبھی اتنا نہیں خرچتے تھے۔ اور اگر بالفرض چند مہینے سات سو روپیہ ماہوار خرچ ان کے لئے تو یہ کوئی ایسا قابل اعتراض نعش نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے مسیح صاحب گھر جانے سے بچاتے اور ہمیشہ کے لیے بیکار کر بیٹھ جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ پر بار ڈالتے' لیکن دس بیس روپیہ کا کپڑا کر یہ' اتنی کثیر رقم میں سے ایک حبہ بھی گھر نہیں بھیجتے ظاہر ہے کہ اس اخراج مال پر مرزا امام الدین صاحب اور محترمہ بیوی بی صاحب' ان کے سوال پر کے مصارف اور قانونی ضروریات کا بار اسی رقم پر تھا' کس وجہ سے مخالف اور بدحواس ہوئے ہوں گے۔ اس وقت مرزا امام الدین سن کولہ کو پہنچا ہوا تھا اور مسیح صاحب کا اوج شباب تھا اور ہوش ہوائی میں آکر لوگ بے اعتدالیاں کر گزرتے ہیں۔ پس اگر "مسیح موعود" صاحب سے کچھ بے اعتدالیاں ہو گئیں تو میرے نزدیک وہ قابل درگزر کرنے کے قابل ہیں' کیونکہ ہوائی بوائی مشہور ہے اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو عالم شباب سے قبل کر سن کولہ میں قدم رکھ دیتے ہیں۔

اپنا ہوا شباب ‖ عالم گزر گیا
اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اتر گیا

اس لیے کم از کم مجھے عالم شباب کی بے اعتدالیوں پر تعجب کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اگر اعتراض ہے تو محض اس چیز پر کہ جب حضرت "مسیح موعود" صاحب نہ صرف عالم بالغ بلکہ بقول مرزا نبی بخش صاحب "ادھیڑ" ہو چکے تھے تو یہ مرزا امام الدین کے چکر میں کس طرح آ گئے اور مرزا امام الدین کو خدا کیوں تجویز کر بیٹھا تھا؟

تجویز "پیغام صلح" کی منقوش تھی"

یہ تھی مجھے ایڈیٹر الحکم قادیان کے اس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا امام اور مرزا امام الدین نے مل کر مجھ سے اڑائے اور سات سو روپیہ کی رقم الغیر خواہشات نفسانی کی خدا کی "الہامی مرزائیوں" کے ترکش "پیغام صلح" نے ایک مرتبہ مرزا امام اور کو ایک بالغ اور بے سمجھ لڑکا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ (دیکھو "پیغام صلح" ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۴ء) مگر یہ بیان سراسر غلط اور بالکل فریبی ہے۔ حضرت "مسیح موعود" صاحب کی عمر اس وقت حسب تصریح میاں الٰہی امر "ایسے" اٹھائیس سال کی تھی کیونکہ میاں الٰہی امر نے میرا السنی (جلد ۲ ص ۱۵۵) میں اپنے والد کا سال ولادت ۱۸۱۸ء اور سال ملازمت ۱۸۴۳ء بتایا ہے اور اٹھائیس سال کی عمر جوانی کی امنگوں کا اوج کمال ہے۔ پس مرزا امام اور کو بے سمجھ اور مرزا امام الدین کو قصوروار ٹھہرانا کسی طرح قرین انصاف نہیں ہے۔ "پیغام صلح" کا ایک جزو اشتمال خلط ہونا ثابت صحیح ہے "باقی حضرت مسیح موعود کے چال چلن کی پاکیزگی تو اسی سے ثابت ہے کہ وہی مرزا امام الدین عرصہ دراز تک آپ (مرزا غلام احمد) کی زندگی میں زنا، لواطہ، ہر قسم کی خلاف شرع حرکت کرتا رہا لیکن نہ تو آپ نے اور نہ کسی اور عزیز یا برادری والوں نے کبھی خلاف آپ کے چال چلن پر کوئی عیب رکھا"۔ (پیغام صلح ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۴ء) لیکن ایسا خلیل الطرفین "پیغام صلح" کی "منقوش تھی" پر ملامت کرتا ہے کیونکہ مرزا امام اور خدا کسی فعل کے مرتکب نہیں ہوئے تھے بلکہ مرزا امام الدین بھی ہر کام میں ان کا شریک حال تھا۔ ایسی حالت میں نہ مرزا غلام احمد صاحب کی عیب گیری نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے اظہار سے خود اس کا اپنا دامن

صحت بھی دشوار ہوتا تھا۔ اور پھر کہ سات سو روپیہ خرچ کرنے کا واقعہ کتابوں سے باہر کا تھا اور نہیں معلوم کہ امام بخش اور غلام حیدر کہاں کہاں سیر سپاٹے اڑاتے پھرے تھے اس لیے عام بیک بن کی صداقت پر کسی طرح مسلح نہیں ہو سکتی تھی۔

سیالکوٹ کا قیام اور دوبار ملازمت

مرزا امام اور صاحب سیالکوٹ پہنچ کر نوکری کی تلاش کرنے لگے اور کچھ دنوں کے بعد ضلع کچہری میں نوکر ہو گئے۔ نوکری کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ بعض کا بیان ہے کہ ابتدا منشیگری سے تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ محرر تک کی جگہ اسامی پر ملازم ہوئے۔ مشاہرہ پندرہ روپے بتایا جاتا ہے۔ مرزا صاحب کا اپنا بیان ہے کہ میں سات سال سیالکوٹ رہا اول۔ بس یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کلارنٹ صاحب ضلع کی میں پندرہ روپے کے گماشتہ پر ملازم ہوئے تھے یا سات سال میں ترقی کرتے کرتے پندرہ روپے پر پہنچے تھے۔ یہاں بشیر احمد صاحب کا بیان ہے کہ مرزا صاحب نے کشمیریاں سیالکوٹ میں کریم کا مکان لے کر مقیم ہوئے۔ مالک مکان کا نام مرزا غلام قادر تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جامع مسجد کے سامنے ایک بالاخانہ پر منصب علی دلیفہ نویس کی دکان میں رہنے لگے۔ جب مرزا غلام قادر کے مکان پر رہتے تھے اور عامۃ مدعو لوگ جب دعوت آتے تو مرزا صاحب مرزا غلام قادر کے بڑے بھائی فضل الدین کو جا کر کہتے کہ ان لوگوں کو سمجھا دو کہ یہاں نہ آیا کریں۔ ہمارا کام بھرے خلق ہوتا ہے وہ میں کچہری جا کر آتا ہوں تو فضل الدین ان کو فضل دیتا (سیرۃ المہدی، جلد اول، ص ۳۳۶) یہاں بشیر احمد صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے دوران ملازمت میں اپنا قیام دعوت طعام سے خوف نہیں ہونے دیا۔ لیکن اکثر واقف کار مرزا صاحب کو دعوت طعام کا حریص گردانتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ الزام صحیح ہو مگر کسی قطعی دلیل کے بغیر اس قسم کا الزام عاید کرنا زیبا نہیں ہے۔ مرزا احمد علی ایم اے مدرس امرتسری کتاب "تبلیغ الرسالت" میں لکھتے ہیں کہ مفتی غلام احمد امرتسری نے رسالہ "مفتاح الہدایۃ فی رد ہدایۃ النبوۃ" میں مرزا غلام احمد کے متعلق حیات بیگ مصداق سے لکھا تھا کہ انہوں نے زمانہ تحریر میں خوب دعوتیں کھائی ہیں۔ یہ رسالہ ۱۹۰۰ء میں یعنی مرزا صاحب کی وفات سے آٹھ سال پیشتر شائع ہوا تھا لیکن مرزا صاحب نے اس الزام کی کبھی تردید نہ

کی اور نہ ذاتی تحریری میں اپنی ولادت ظاہر کر سکے۔ فیصل الخطاب' سوانح مرزا امیر علی امیر لنسری' ص ۱۳) اسی طرح سوامی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے مناظرہ دیوبند میں' جو ۲۱-۲۲ مارچ ۱۸۷۶ء کو ہوا' بزبان کے جج میں بیان کیا کہ مرزا صاحب نے سیالکوٹ کی ڈسکری میں رشوت متعلق سے خوب ہاتھ رنگے اور یہ سیالکوٹ ہی کی ہمارت کمائی تھی جس سے مرزا صاحب نے چار ہزار روپیہ کا زیور اپنی دوسری بیوی کو بنوایا۔ (روئیداد مناظرہ دیوبند' مطبوعہ کنز علیم پریس بالمقابل مرغی شہر' ص ۲۵)

عیسائیوں سے مناظرے

مرزا غلام امیر صاحب مدت ملازمت میں وقتاً فوقتاً عیسائیوں سے مناظرے بھی کرتے رہتے تھے۔ جس تک چرچ مشن سیالکوٹ کے سامنے منصب علی و ڈپٹی کمشنر کے ساتھ رہتے تھے' یہاں سے تبدیل ہو کر ضلع شاہ پور ہی ایک دلچسپ واقعہ نقل کرتے چلے کہ مسلمان ہی آ موجود ہوتے۔ کبھی کبھی شرارتاً عیسائی بھی آ جاتا تھا اور اس سے مرزا غلام امیر صاحب کی ذہنی تجربہ ہو جاتی۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۵۱) سیرت غیر امیر صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کو مباحثہ کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ دیسی پادری فتح مسیح نے کہا کہ مسیحیت کے سوا کسی مذہب میں نجات نہیں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ نجات سے تمہاری مراد کیا ہے؟ یہ سوال ہوگیا۔ یہی غیر امیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح اللہ اور مرزا غلام قادر سے مرزا صاحب کی بہت دوستی تھی اور اکثر اوقات ان کے گھر پر جایا کرتے تھے۔ (ایضاً' ص ۱۵۸) مولوی عبدالرحمٰن صاحب پشتر سب جج (منصف) نے مجھ لاہور میں خاکسار راقم الحروف کے قیام کے تھوڑے عرصہ بعد بیان کیا کہ فتح اللہ اور ریاضت کبیر (سٹرکٹ کورٹ سیالکوٹ سائیں کبیر شاہ مجذوب حوالی دلائوالی ضلع گوجرانوالہ کے ماننے والوں میں سے تھے۔ ایک مرتبہ مرزا غلام امیر صاحب فتح اللہ اور کو ساتھ لے کر ایک انگریز پادری سے مناظرہ کرنے گئے۔ پادری نے دریافت کیا تم دونوں میں سے کون صاحب مناظرہ کریں گے؟ فتح اللہ اور نے مرزا صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا یہی گفتگو کریں گے۔ ان کو مناظروں کا بڑا شوق ہے۔ پادری نے مرزا صاحب سے خطاب کرتے ہوئے کہا

مسیح (علیہ السلام) کو تم لوگ بھی مانتے ہیں اور ہم بھی۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صرف ہم لوگ مانتے ہیں' تم نہیں مانتے۔ ایسی حالت میں تم لوگوں کو عیسائی ہو جانے میں کیا عذر ہے؟ مرزا صاحب سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا اور سوچنے لگے۔ اگر جواب سوچنے میں ذرا سا بھی دیر ہو گئی تو مسیح اللہ داد نے مرزا صاحب کو بتایا کہ وقت ہو گیا۔ پادری نے مسیح اللہ داد سے کہا تھا اور اقرار تھا کہ ایک ہی تھوی گفتگو کرے گا' لیکن تم نے خلاف وعدہ اپنے حاضر کو اٹھا دیا ہے۔ اللہ داد نے کہا پادری صاحب! اب ہمارے حاضر صاحب اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے کیونکہ ہی نے انہیں کچھ بتایا۔ تو میرا اللہ آپ کے حق میں کچھ مضر نہیں ہوا۔ فرض مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ اس کلمہ کے بعد مسیح اللہ داد کے اس قول کا کہ "وقت ہو گیا" یہ مطلب تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے وقت میں نبی ہو چکے۔ اب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا وقت ہے' اس لیے جناب خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے بغیر نجات نہیں"۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ مرزا صاحب عیسائی بزرگ ہی کہلانے رہیں گے' نہیں۔ اصل واقعہ کامیابی کی پانچ تھے۔ خلاصہ یہاں تحریر ہوا۔ صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک پادری سے گفتگو ہوئی۔ پادری نے کہا کہ مسیح کے بن باپ پیدا ہونے میں یہ حکمت تھی کہ وہ قوم کی شرکت سے بری رہیں کیونکہ قوم گنہگار تھی۔ مرزا صاحب نے کہا کہ مریم بھی تو اسی قوم ہی کی نسل سے تھیں' پھر یہ اثر کس طرح ممکن ہے؟ غرضیکہ ایسی حالت میں جب کہ عورت ہی قوم علیہ السلام کے گناہ کا باعث ہوئی تھی۔ پادری سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۳۲)

انگریزی تعلیم

مرزا صاحب کو انگریزی زبان میں بھی الہام ہوا کرتے تھے۔ اس الہام والی سے مرزا صاحب کی امت کو بھی تو خاک پتہ بھی نہ ہوتا ہو گا' البتہ اس سے الہام کرنے والی "ذات شریف" کا بھی مرزا صاحب کو یہ جتلانا تھا اور اس پر فخر کرنا مقصود ہوتا تھا کہ ہم تمہارے سلیم الاذہان فرنگ کی زبان بھی جانتے ہیں اور اس زبان میں بھی تکلم کر سکتے ہیں۔ اسی بنا پر مرزا صاحب نے اپنی کتاب "حقیقۃ المسیح" میں ارشاد فرمایا کہ میں انگریزی نہیں جانتا'

اس کوچہ سے بالکل ناواقف ہوں۔ ایک شخص تک مجھے معلوم نہیں مگر غائبانہ محبت کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ لکھے۔ "کل لڑکی (میں تم سے محبت رکھتا ہوں)" "کل ایم بی (میں تمہارے ساتھ ہوں)" "کل شیل ولپ بی (میں تمہیں مدد دوں گا)۔ (انوار المسیح" مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۱۴۱)۔ لیکن اہل نظر اصحاب تحقیق نے حضرت "مسیح موعود" کے اس دعوی کو غلط بیانی اور دروغ مصلحت آمیز محمول کیا ہے۔ کیونکہ "مسیح موعود" صاحب نے سیالکوٹ میں انگریزی کی وہ ایک کتابیں "پڑھی" تھیں۔ اور اسی کا اثر تھا کہ انگریزی کے چند فقرے بھدے طریقہ پر کلام کے بیچ سے اپنی کتابوں میں درج رقم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مسیح صاحب کے شاگرد صاحبزادہ میاں بشیر احمد' ایم۔ اے "سیرۃ المسیح" میں لکھتے ہیں کہ مولوی اہل حل وعقد میں سے منشی الہٰی بخش (سیالکوٹ میں) منشیوں کے لئے ایک انگریزی مدرسہ قائم کیا۔ ڈاکٹر امیر شاہ بہتر معلم تھے۔ حضرت "مسیح موعود" نے بھی انگریزی کی ایک دو کتابیں پڑھیں۔ (سیرۃ المسیح' جلد اول' ص ۳۷) اسی طرح مولوی احمد صاحب مرحوم امام مسجد صوفی کشمیری بازار لاہور نے خاکسار سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اور شیخ اخشیر سبحانہ میر اللہ سندھی' ہر کی مثل ہے کہ سفر میں غلام لیا ہیں' لدھیانہ میں مرزا غلام احمد کو دیکھنے گئے۔ اس وقت یہ صرف مجددیت کے مدعی تھے۔ جب ہم مکان میں پہنچے تو اس وقت مرزا صاحب اور زبان خان میں تھے۔ ان کی نشست گاہ میں ایک انگریزی کتاب رکھی تھی۔ مولوی عبداللہ صاحب نے اس کتاب کو اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگے "دیکھو اس شخص کا دعوی ہے کہ میں انگریزی نہیں جانتا اور میرے جس قدر الہام ہیں وہ مخاطب اللہ میں ملا کہ یہ شخص جو یہ کتاب ہے انگریزی جانتا ہے"۔

دست غیب کی تمنا

مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں جو مدعی ہوا ایک عرب وارد شہر ہوئے۔ تو یہ کہن صاحب اپنی کمزوری یا سوسی کے شبہ میں ان کے بیانات قلمبند کیے۔ جن میں مرزا صاحب (اور ان دنوں فتی غلام احمد کہلاتے تھے) ترجمان مقرر ہوئے۔ (سیرۃ المسیح' جلد اول' ص ۳۷) حکیم مظہر حسن قریشی وامدہ الکاظمی چغتائی سیالکوٹ نے کتاب "چودھویں صدی کا مسیح" میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے عرب صاحب اور فتی صاحب

کے دوستانہ تعلقات پر بھی روشنی ڈالی ہے چنانچہ حکیم صاحب موصوف رقم طراز ہیں۔ میں عرب سیالکوٹ میں مسافرانہ وارد ہوئے تھے جب ان کے پاس لوگوں کی آمد و رفت ہوئی تو پولیس نے انہیں ایک گرجتی آنکھ کے ساتھ خلع بھونت کے دورہ پر کہا۔ چونکہ یہ ہندی نہیں بول سکتے تھے' زبانی گفتگو نہ ہو سکنے کے لیے زمان ہاتھ کا حکم ہوا۔ تمام محلہ خلع میں حاضر ہوئی لیکن منشی غلام احمد کے سوا کوئی عربی دان اہلکار نہ مل سکا۔ ان کی وساطت سے گفتگو ہوئی۔ اسی دن سے منشی صاحب عرب صاحب کے دوست بن گئے اور یہ تعلق مرگیا۔ ایک مرتبہ اخلاقی گفتگو میں منشی صاحب نے عرب صاحب سے کہا کہ بندگی پیشگی ہے۔ اسی واسطے تو میں غلامی کو پسند نہیں کرتا۔ واقعی بالائے جان ہے' چار پانچ برس ہوگئے' اچھا روزگار مل ہے اور آسودہ زندگی کی بھی کوئی امید نہیں۔

عرب : ہم آپ کو ایک مثل سناتے ہیں۔ خدا نے چاہا تو تمہارے دل کے درد سے فکر کی پیدا نہیں ہوگی۔

منشی غلام احمد : ہندوستان کا بھوکا کہیں سے خوش ہے۔

عرب : استقلال چاہیے۔ یہ ہمری اور تمہاری حالت میں صبر و دانش کے سوا کچھ نہیں ہے۔

منشی : کوئی دوست غریب کا بھی بھی یار ہے؟ مگر عرب ہو۔ یوں تو کتابوں میں بہت لکھے ہوئے ہیں۔

عرب : یہ سب فضول باتیں ہیں۔ میں ان باتوں کا قائل نہیں ہوں۔

منشی : پھر کی کتابیں ہیں ہی کس لیے عمل اور تجربے لکھے ہیں۔

عرب : بھی دوست غریب کبھی ہے کہ کسی کام میں دولت اور فراغت ہو جائے۔

منشی : تو پھر یہ کیا ہوا؟ غور اور محنت سے تو ہر شخص دولت پیدا کر سکتا ہے۔

عربہ : کوئی کام یا کلام خلاف عادت جاری کرے۔ اگر اس میں خصوصیات اور دعوت ہو جائے تو یہ دست غیب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسی کے واسطے دعائیں اور نذریں ہیں۔ ہاں اگر جادو کے لفظ سے ترکیب کے ساتھ کوئی عمل کیا جائے تو اس کا اثر جادو اور حسب مراد ہوتا ہے۔

نقش : ذکری ہی میں خوبی ہو جائے تو یہی تعویذ ہے۔

عربہ : نقش یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کی فطرت میں ایک ملکہ پیدا کیا ہوتا ہے۔ وہ اپنے فطری ملکہ کے مطابق میلان رکھتا ہے۔ آپ کی فطرت میں یہ ملکہ نہیں ہے کہ آپ ذکری کے ذریعہ سے جلالت طبع کر سکیں۔ آپ جلد الفریوں کے شکار اور اثر آپ سے فاضل رہتے ہیں۔

نقش : میرا خیال ہے کہ تاجین کا معاہدہ کر کے وکالت ۱۱ اختیار کریں۔ وکالت میں مستقل کوٹی ہے۔ عزت ہے۔ آزادی ہے۔ علامت میں خوشحال اور قرآن پر سواری بھی ہے۔ اگر اختیار میں پاس ہو گیا تو بڑی کامیابی ہے۔

(سید عزیز حسن کاظمی ملتانی مدیر ماہنامہ تاج لاہور ۱۹۳۳ء ص ۱۹)

احترام قرآن کا صحیح مروجہ جذبہ

مرزا لطیف احمد صاحب کے مقالہ سابقہ میں شیر احمد نے سیرۃ الہدیٰ جلد اول کے دو مقامات (ص ۲۳۹ و ۲۵۲) پر مولوی میر حسن صاحب سیالکوٹی کا ذکر کیا ہے۔ مولوی صاحب مرحوم میرے کالج سیالکوٹ میں عربی، فارسی اور اردو کے پروفیسر اور علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے استاد تھے۔ یاد ہے کہ علامہ مرحوم دراصل سیالکوٹ کے باشندہ تھے لیکن عرصہ دراز سے لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ سیرۃ الہدیٰ جلد اول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی میر حسن صاحب صحیح معنوں کے خاص سیالکوٹی احباب میں

سے تھے۔ اسی بنا پر ایک مرتبہ بشیر احمد صاحب نے سیرۃ المہدی کی تالیف کے وقت ان سے اپنے والد کے دو حالات دریافت کیے جو مرزا صاحب کے قیام سیالکوٹ کے دوران میں ان کے علم و مشاہدہ میں آئے تھے۔ چنانچہ اس استدعا کے بموجب انہوں نے مرزا صاحب کے جنم پتر حالات لکھ بھیجے۔ چونکہ مولوی صاحب خود الہام و مرزائی نہیں تھے' اس لئے قیاس ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے بغلے بے حالات بے کم و کاست لکھ بھیجے ہوں گے لیکن بشیر احمد صاحب نے ان میں سے صرف متبع مطلب چیزیں انتخاب کر لی ہوں گی۔ مثلاً مولوی میر حسن صاحب کا مندرجہ ذیل بیان جو ایک سیالکوٹی پروفیسر صاحب نے ناکسار راقم الحروف سے بیان کیا "سیرۃ المہدی" میں درج نہیں ہے اور نہ اس قسم کے واقعات کے اندراج کی کوئی توقع ہو سکتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مولوی میر حسن مرحوم کے سامنے مسیح الزماں کے سوانح حیات جو کسی مرزائی مصنف نے مرتب دیے ہوں گے پڑھے جا رہے تھے۔ ان میں لکھا تھا کہ مرزا صاحب کے دل میں قرآن پاک کی بڑی عظمت تھی۔ یہ سن کر مولوی میر حسن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ "ہاں عظمت قرآن کا ادعا اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب کی عادت تھا ہر قرآن شریف میں مرزا صاحب نے خاتمہ قرآن پر لیکھرام سوہنا ہاں کے انتظام پر قوت ہو کا ایک نسخہ لکھ رکھا تھا"۔

مختاری کا امتحان

حاجی شیخ حسین بخش مرزا صاحب کے پرانے ہم سبق تھے۔ یہ دونوں بچپن میں مولوی فضل علی شاہ شیخی کے پاس برسوں تک اکٹھے پڑھتے رہے اور دونوں میں باہم انس و ارتباط ہو گیا۔ بڑے ہونے تو شیخ حسین نے تجارت کرنے کے لیے سیالکوٹ کی راہ لی اور وکیل بن کر وہاں آباد ہو گئے۔ جب مرزا صاحب نے ۱۸۶۴ء میں اپنی کی رقم عطا کرنے کے بعد دوچار ہونے کا قصد کیا تو شیخ حسین کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے سیالکوٹ سے بھر کوئی اور مقام نظر نہ آیا۔ چنانچہ سیالکوٹ پہنچے اور عدالت شیخ حسین ہی کی کوٹھی سے کچہری میں گئے ہو گئے۔ چند سال کے بعد دونوں کی صلاح ہوئی کہ مختاری کا امتحان دیں۔ شیخ حسین کی تنخواہ ان دنوں تیس روپے ماہوار تھی۔ غرض دونوں تیاری کر کے امتحان میں شریک ہوئے۔ یہاں بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ "مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ شیخ حسین کے سوا

سب نقل ہیں' اس لیے مرزا صاحب بھی نقل ہو گئے۔" (سیرۃ النبی' جلد اول' ص ۳۵)
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا الہامی خدا سیالکوٹ ہی میں ان کے پیچھے پڑ گیا تھا اور غالباً اس کا سب سے پہلا نشان یہی الہام نوکری اختیار نہ کرنا تھا۔ مگر بدقسمتی سے مرزا صاحب نے اس وقت تک کوئی وحی ہی نہیں کیا تھا۔ خدائے ذوالجلال اپنی رحمت سے ہر مسلمان کو اس الہامی کرم فرما کی نظر التفات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ سیالکوٹ کی ملازمت ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک رہی۔ (سیرۃ ص ۳۵) یہ مدت صرف چار سال بنتی ہے اور اگر ابتدائی اور آخری دونوں سالوں کو شمار کر لیا جائے تو پانچ سال بنتے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب جب تک خدمت کے پچیس سال بعد (۱۸۸۸ء میں) دوبارہ سیالکوٹ وارد ہوئے تو اپنے لیکچر میں بیان کیا کہ میں سات سال تک اس شہر میں رہ چکا ہوں۔ (لیکچر سیالکوٹ' ص ۱۵) معلوم نہیں یہ دو بیانات میں سے کون سا ہے؟ لیکن دراصل ان میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ علی صاحب کو سیالکوٹ جاتے ہی فوراً نوکری نہ ملی ہو بلکہ شروع شروع میں وہ ابتدائی سال کی مدت دو یا تین ماہ لگائے اور ۵ سات ماہ لوگوں کے گھروں کا طواف کرنے میں گزری ہو اور آخر کہیں ۱۸۶۴ء میں حصول ملازمت کی سعادت و کامرانی سے ہمکنار ہوئے ہوں۔ کیچ صاحب نے لکھا ہے کہ سیالکوٹ کے ڈپٹی صاحب کے الہام میں چند سال تک میری عمر کرامت مسیح کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لیے ان کے حکم سے ہو میں میری خلاف کے موافق تھا' میں نے استعفا دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر لیا اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ (کتاب البریہ' حاشیہ مرزا قاسم احمد صاحب' ص ۱۸۴) ایک جگہ مرزا صاحب کا یہ لکھنا بالکل بجا ہے کہ وہ سیالکوٹ کی نوکری کرامت مسیح کے ساتھ کرتے رہے کیونکہ فطرۃ طبیع میں نہ کوئی ان سے موافق تھا اور نہ وہ کسی سے موافق تھے۔ اس لیے یہ نوکری ان کی طبیعت کے خلاف تھی۔ ہاں اگر تلاوی کے امتحان میں کامرانی کی روپی اپنے حسن عمل کو بیچ کی ٹیک بنا کر واپس آتی تو پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضری کا کبھی دل میں خیال نہ آتا اور نہ والد ہی فوراً گراں کی مفارقت خیال ہوتی۔ اگر کامیاب ہو جاتے تو تلاوی میں رہ جاتے تھے' ایک تو موکلوں کی جیبیں خالی کرنے میں

روحانی مسرت کے سامان" ہے مرزا کاذبی و ملعون قادری کی توجہ نہیں دامن آکہ ملی کی ملی ان میں رہی اور مرزا صاحب ان دونوں نعمتوں سے قدرت ابھوز نہ ہو سکے

باب ۸

مقدمہ بازی کے "مقدس" مشغلے

گو مرزا صاحب قادری کے اعتقاد میں پاکباز ہے لیکن اس سے انکار نہیں ضرور ہوا کہ قانون دان بن گئے اور قابل مولفوں نے ان کے لیے کامیاب مقدمہ بازی کی راہیں کھول دی۔ جب یہ قادری کے اعتقاد میں پاکباز اور ملکی گری کی نوکری سے برداشتہ خاطر ہو کر قادیان پہنچے اور وہاں نے ان کو جگہ دی اور مقدمہ بازی کا قابل پایا تو مقدموں کی پیروی ان کے سپرد کر دی۔ چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ میرے والد صاحب اپنے قابل کارآمد بیٹوں کو دنیا میں حاصل کرنے کے لیے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی مقدمات میں لکھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ افسوس ہے کہ بہت سا وقت جو میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع گیا۔" (کتاب البریہ' صفحہ مرزا غلام احمد) اس عبارت سے مرزا صاحب قانون دان اور مقدمہ بازی میں ان کے شغف و انہماک کا پتہ چلتا تھا کہ خواب بھی دیکھتے تو مقدمہ بازی کے۔ لیکن ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام لوگوں کی طرح کوئی فریبا کاس مقدمہ باز نہ تھے بلکہ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ مقدمہ بازی میں قابلی حریفوں اور وکیلانہ دلائل پیچ کے ساتھ ساتھ باطنی تصرف سے بھی کام لیتے تھے اور جب کسی مقدمہ میں کامیاب ہو جاتے تھے تو اسے اپنا کمال قرار دیتے ہوئے اپنی بزرگی کی ڈینگیں مارنے لگتے تھے۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے ہنوز مشیخت و تقدس کی سند کو ایک حلف کے لیے بھی زینت نہ بخشی تھی۔ اور ملی و دفاع ہنوز نیلی نیلی یا اس قماش کے دوسرے ادراج کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ مرزا صاحب کے چند کرداری مقدمے بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارا ایک مقدمہ سہسوانی ساہیوں پر تھا۔ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہوگی۔ میں نے متعدد لوگوں کے سامنے' جن میں شریف رائے بھی تھا' یہ پیشین گوئی کی کہ اس مقدمہ میں ہماری جیت ہوگی۔ فیصلہ کے دن ہماری طرف سے کوئی شخص حاضر نہ ہوا اور مقدمہ خارج ہوگیا اور میں سخت غمزدہ ہوا' دل میں پریشان تھا کہ میری پیشین گوئی جھوٹی نکلی۔ اسی میں غیب سے آواز آئی کہ ڈگری ہوگی۔ میں نے شریف رائے کو بلا کر اس کی اطلاع دی لیکن اس نے باور نہ کیا۔ صبح میں خود چلا گیا اور تحصیل دار کے مثل خوان منگوا کر اس سے مل کر پوچھا گیا ہمارا مقدمہ خارج ہوگیا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ ڈگری ہوگی اور بلوا کر تحصیل دار نے اجلاس سے مقدمہ خارج کر دیا تھا' اس وقت میں موجود نہ تھا۔ جب میں واپس گیا تو تحصیلدار نے مجھے وہ فیصلہ قابل عمل کرنے کے لیے دیا۔ میں نے اس فیصلہ کو پڑھ کر تحصیل دار سے کہا' یہ فیصلہ غلط ہے کیونکہ جس فیصلہ کی بنا پر آپ نے یہ حکم لکھا ہے وہ تو اپیل کے وقت سے خارج ہوچکا ہے۔ تب تحصیلدار نے حکم اپیل کا فیصلہ پڑھ کر اپنا پہلا فیصلہ چاک کر دیا اور ڈگری کر دی۔ (حقیقۃ المہدی' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۲۴۰-۲۴۱) علم صاحب لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے میں مرزا صاحب (حکیم غلام مرتضیٰ) کے وقت میں کسانوں کے ساتھ ایک مقدمہ پر امرتسر کچہری کے احاطہ میں تھا۔ فیصلہ سے ایک دن پہلے کشمر کسانوں کی نمایندہ روایت کرتا ہوا اور ان کی شرارتوں کی پروا نہ کر کے یہ مرزا صاحب کہنے لگا کہ یہ غریب لوگ ہیں۔ تم ان پر رحم کرتے ہو۔ اس واقعہ میں نے دیکھا کہ وہ اگرچہ ایک ہاتھ کے سہارے سے بیٹھے کی شکل میں ہمارے پاس کھڑا ہے۔ میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہوں۔ اس کے بعد جب ہم عدالت میں گئے تو اس کی حالت ایسی بدلی تھی کہ گویا وہ بیمار اگرچہ تھا ہی نہ تھا۔ اس نے کسانوں کو بہت ڈانٹا اور مقدمہ خارج کر دیا۔ اور ہمارا سارا خرچہ بھی ان سے دلایا۔ (البشریٰ یعنی مجموعہ مکالمات مرزا صاحب۔ جلد اول' حصہ چہارم' ص ۱۵-۱۶) مرزا صاحب کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ "مسیح موعود" صاحب اولاد کی ہی سے علم کے حامی اور بلا روپیہ لیے کے وکیل تھے۔ اور نہ کوئی وجہ نہ تھی کہ غیر قوم کا کوئی حاکم بنے فریقین سے کوئی تعلق نہ تھا' مرزا صاحب سے کہتا کہ تم فلاں لوگوں پر رحم کرتے ہو۔ اور پھر یہ بھی دیکھو کہ مسیح صاحب اس واقعہ پر بھی بیمار کرسی سے ہلا نہ آئے بلکہ الٹا حاکم پر کوئی باسلوم

اثر زائل کر انصاف اور عدل گستری کی راہ میں حائل ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمشنر مقدموں کے بجائے مرزا صاحب کا حامی بن گیا۔ اس نے مشکوک طلبی گواہوں کو واپس بھیجنا شروع کیا اور مقدمہ مدعی کے حق میں فیصل کر دیا۔ کاش "صبح سویرے" صاحب ان شیطانی کاریوں اور ظلم آرائیوں سے اپنا دامن بچا کر فیصلے اجلال و اقبال کی طرف متوجہ ہوتے تو ان کی نجات کے کفیل ہو سکتے۔

لے کر دشنہ ہی رہ گئے بھی ۔۔۔ بچی اوروں کو تو بچا بچا کر

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اپنے ایک زمینداری مقدمہ کے متعلق 'جو تحصیل بلاڑ میں دائر تھا' خواب آئی کہ ہمارا مقدمہ فلاں ایک وکیل کے پرد ہے اور وکیل کو پروا نہیں ہوگی۔ اس وکیل کے پرد ایک دوست کنگر (دیہات) جس کو اس نے اپنے مکمل سے ہماری اعانت کے لیے کہلا لیا تھا' پیشہ وری کی باتیں کی گئی تھیں۔ یہ خواب میں دکھائی دیا کہ وکیل مسموع ہو کر ہاری کی گئی۔ (ترانہ الکتاب' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' مطبع کاں' ص ۳۶)

خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت

مرزا صاحب کا اس طرح اقبال پر پورا پورا عمل تھا مگر خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت۔ اپنا تو یہ حال تھا کہ تین روپے کے کنگر (دیہاتی) کے لیے چھ روپے کی اپیل دائر دیتے تھے اور پھر یہ اپیل بھی کچہریوں میں دائر نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے لیے بلاڑ تک کی خاک چھانی پڑی تھی۔ کہاں سے بلاڑ تک کا راستہ تھا معلوم نہیں لیکن اس مسافت کا تخمینہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کرایہ کل دیل گاڑی تھا۔ لیکن مرزا صاحب کامل دیانتداری کے ساتھ یہ سمجھتے ہی نہیں کرتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں مبعوث ہوئے تھے اور ان کے فرائض کو فریضہ پیغمبری انجام دیتے تھے۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی خدمت کر کے یہ فضیلت اور عزت پائی' ایک وہ ہیں جو ایک ایک پیسہ کے لیے خصومت کرتے ہیں اور دنیا کا نام ایسی بری طرح لیتے ہیں۔ (قادیر صبح سویرے یا ظلمات امرتسر' ص ۳۰) لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کنگر کا مقدمہ جس کی بنا پر تین روپے کی اصلی رقم تھی' خود جس کے لیے مرزا صاحب بلاڑ تک کی راہ

پیالی کرتے رہے" ایک بیسہ کے حکم میں داخل نہیں تھا مرزا صاحب تو وہ اضافی روپے کی جگہ دو دراز کا سفر طے کر کے چودہ روپے کی داخل دفاتر دیتے اور بعض بکریوں میں خراب ہوتے۔ اپیلانٹس کی خوشامدیں کرتے" عرضیاں کو نذر دے دیتے اور چپراسیوں کی گالیاں سنتے تھے۔ جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے لیکن صاحبین امت کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اہل اللہ میں سے کبھی کسی کے تذکرہ میں یہ نہ پڑھا گیا کہ اس نے کبھی کسی دنیوی عدالت میں مقدمہ بازی کی ہو اور یہ بھی دعویٰ جائیداد سے۔ خاصان بارگاہ تو باطل کے مقابلہ میں حق پر بھروسہ دیتے ہیں لیکن دنیوی جھگڑا گوارا نہیں کرتے۔ میں نے اہل خانہ سے سنا تھا کہ صاحبزادہ سیدی محمد امین صاحب جنگی مرحوم حاوی پکڑی بھلے دال ضلع گجرات کے خلاف ان کے پڑوسیوں میں سے کسی خدا ترس نے بعد سی زرعی زمین کی نگہبت کے متعلق دعویٰ دائر کر دیا۔ جب حضرت صاحبزادہ صاحب کے پاس عدالت کے سمن پہنچے تو انہوں نے سمن کی پشت پر لکھ دیا کہ لکھے جاں کہ اراضی پر کوئی دعویٰ نہیں' اس لیے مدعی کو ڈگری دے دی جائے۔ حالانکہ سیدی صاحب ہی اپنا اس کے مالک تھے۔

رئیس کلیاں کو مقدمہ بازی کا طعنہ

مگر مسیح کلیاں کے جنگلوں رگڑوں سے خدا کی پناہ۔ ایک دفعہ جب مسیح صاحب نے اپنی گائیوں کی تجارت چلائی تو مولوی محمد حسین مرحوم ہاری نے لکھا کہ کوئی ذی علم آدمی تمہاری گائیوں کا یوں بھی خریدار نہیں ہو سکتا کہ تم عدالتی اور مقدمہ بازی کرتے رہتے ہو۔ اس کے جواب میں رئیس کلیاں نے مولوی محمد حسین کو خطاب کر کے لکھا مختصر لکھتے ہو کہ تم عدالتی اور مقدمہ بازی کا کام کرتے رہتے ہو۔ آپ ان اخراجات سے باز آ جائیں۔ واقعہ صاحب کے ذہن میں آنکھ وکالہ کی صورت اپنے زمینداری کے مقدمے ہوتے تھے اور یہی ضرور لکھے آپ ہی بتا پڑا تھا۔ یہ بالکل ان باتوں میں کبھی نہیں پڑا کہ دوسروں کے مقدمات عدالتوں میں کرتا پھرے"۔ (مکتوبات ادبیہ" جلد ۲" ص ۳۳۹)۔ حالانکہ رئیس کلیاں کی مقدمہ بازی کوئی ایسی گئی چیز نہیں کہ اس پر کوئی پردہ ڈال سکے۔ اور مولوی محمد حسین نے یہ طعنہ نہیں دیا تھا کہ تم دوسروں کے مقدمے کرتے رہتے ہو۔ بلکہ ان کا بھی

مرزا صاحب کے اپنے متبعین کی طرف اشارہ ہے۔ مسیح قادیان کا مولوی صاحب سے یہ کہنا کہ افترا سے باز آجاؤ' خود افتراء پردازی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر "مسیح موعود" صاحب قادیان کے امتحان میں کامیاب ہو جاتے تو مولویوں کے مقدمات کی پیروی میں بھی وہ انگریزوں کی خاک چھانتے پھرتے۔ یہ کہ قادیانی بچے کے ایمان پورے نہ ہوئے لہٰذا اب انگلی اٹھاتے ہیں کہ میں نے مولویوں کے مقدمات نہیں کیے۔ تمام "مسیح موعود" صاحب نے اپنی مقدمہ بازی کے افتراض کو کمال ہوشیاری سے الجھانا چاہا ہے۔ فرماتے ہیں "میں (بیداری) قسمت سے ہر ایک دعوی سے بعد ساتھ رہے' کوئی تعجب نہ کرے کیونکہ احادیث نبیہ پر غور کرنے سے بصراحت معلوم ہوگا کہ یہ مسیح موعود حارث کہلائے گا (تریاق القلوب' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' تتمہ حقیقۃ الوحی' ص ۳۷) لیکن یاد رہے کہ کسی حدیث نبوی میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام (معاذ اللہ) انگریزی عدالتوں میں مقدمے لڑیں گے۔ اور نہ ہی کسی حدیث میں ذکر ہے کہ یہ حارث یہی کام سرانجام دیں گے۔ قادیان کے مسیح صاحب کو حارث ثابت کرنے میں یہ غرض حاصل تھا کہ یہ ایک اعلیٰ علم رسالی کو پیدا اور باقی کو بیچ کی مانند تھے۔ یہاں بھی انہوں نے اپنی کمال دکھلایا۔ اب وہ حدیث نبوی ملاحظہ ہو جس کی طرف مرزا صاحب نے اشارہ کیا ہے اور جس میں حارث کے ہاتھ پر امیر المومنین کے قتل ہونے کا ذکر ہے۔

> عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج رجل من ولد العباس یقال لہ الحارث حراث علی مقدمہ ویقال لہ منصور یوطی او یمکن لآل محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجب علی کل مسلم نصرہ او قال اجابتہ۔ (رواہ ابو داؤد)
>
> امیر المومنین علیؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص جس کو حارث حراث کہیں گے نکلے گا اور اس کے لشکر کی ہراول فوج کے سپہ سالار کا نام منصور ہوگا۔ وہ آل محمد (مہدی علیہ السلام) کو اسی طرح اپنے ہاں جگہ دے گا جس طرح قریش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تمکین کا باعث ہوئے تھے۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس کی اعانت کرے یا (فرمایا کہ) اجابت کرے۔

(مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ)

اس حدیث میں حارث اور حراث دو لفظ آئے ہیں۔ دیکھیں قادیان کا بیان ہے کہ وہ کافر کافر ہوگا حالانکہ مدنی الحقیقت واقع نہیں ہوگا بلکہ حارث حراث کے نام سے پکارا جائے گا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی" اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں "و یشکل علیہ بانہ منصبت لو رایی ہو نام نہاد"۔ (اشعۃ اللمعات علیہ نور کشور' جلد ۴' ص ۳۲۰)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حارث اس کا نام ہو اور حراث اس کی صفت ہو۔ حراث لفظ عرب میں فخ کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ پس یہاں حدیث لشکر کے قرینہ سے الفاظ حدیث کے یہ بیٹھے ہوئے کہ حارث نامی ایک شخص بلاواسطہ کفر سے پرکر ہوگا جو عساکر کا اجتماع کرے گا اور اس کے حلقہ لشکر کے سپاہ کا نام منصور ہوگا۔

دام الدجال قادیان سے چند سوالات

اب میں دام الدجال قادیان سے پوچھتا ہوں کہ:

(۱) مرزا صاحب کا نام غلام احمد تھا یا اس حدیث کے بموجب حارث تھا؟

(۲) اور اگر حارث اور حراث کے معنی کھیت کھاری لے جائیں تو مرزا صاحب کا پیشہ زراعت تھا یا حلقہ بازی؟ اگر کہو کہ ان کا پیشہ زراعت تھا تو ثابت کرو کہ انہوں نے کبھی ہل چلایا تھا یا کہ انہوں نے کب زمین میں تخم ریزی کی اور کھیتوں کی سی دیکھ بھال کیں؟

(۳) مرزا صاحب کون سا لشکر لے کر بلاواسطہ کفر سے نکلے تھے؟

(۴) ان کے بلاواسطہ کفر سے پرکر ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

(۵) مرزا صاحب کی بزعم خود فوج کا سپاہ جس کا نام منصور ہونا چاہیے کب ظاہر ہوا اور کہاں جمع ہوا؟

(۶) قادیانی حارث کی بزعم خود فوج کہاں حارث ہوگی؟

(۷) حارث صاحب نے کس "مہدی" (مہدی علیہ السلام) کو کہاں سی پناہ دی؟

(۸) "مسیح موعود" کے کفر کفر ہونے کا جو دارومدار بتلایا ہے" اس کا حدیث میں کہاں ذکر ہے؟ یعنی وہ لفظ بتلاؤ کہ جس کا ترجمہ "مسیح موعود" ہو۔

غرض قادیانی صاحب اپنی ہی بے پر کی اڑایا کرتے تھے جس کا نمونہ انہی پیش کیا گیا۔

باب ۹

اراضی مغصوبہ کی بازیابی کے لیے
حضرت "مسیح موعود" کے خلاف مقدمہ

قادیان کے الہامی صاحب کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام صاحب کے والد حکیم غلام مرتضیٰ اور ان کے بھائی اور دوسرے اقرباء کی بیگمات نے اپنے عہد حکومت میں ضبط کرلی تھی اور یہ کہ جب پنجاب میں انگریزی حکومت قائم ہوئی تو مرزا غلام مرتضیٰ نے اس کی بازیابی کے لیے انگریزی عدالتوں میں مقدمات دائر کیے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے جو غریبی رہتی شہ کتاب مولوی فخر حسین مرحوم بٹالوی کے نام ۲۰ جنوری ۱۸۸۸ء کو بھیجا' اس میں لکھا تھا کہ میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے ان مقدمات پر آٹھ ہزار روپیہ خرچ برداشت کیا (کلیات اردو' جلد ۲' ص ۳۷۱) لیکن یہ بھی دیکھو کہ اس کے پانچ سال بعد کتاب البریہ میں' ۲۰ جنوری ۱۸۸۸ء کو شائع کی' یہ لکھ مارا کہ ان مقدمات پر میرے والد کے قریباً ستر ہزار روپیہ خرچ ہوئے تھے۔ (کتاب البریہ' ص ۱۸۸) اور پھر اس کے ساڑھے چار سال بعد کتاب "تریاق القلوب" میں' ۲۰ دسمبر ۱۸۹۹ء کو شائع ہوئی' نہ آٹھ ہزار کا ذکر کیا اور نہ ستر ہزار کا۔ بلکہ اس کو ایک سنا سنایا قصہ قرار دیا۔ چنانچہ لکھا کہ مرزا غلام بیگ نے اپنی جائداد سے بارے سے وائل شرکاء کو' جو کہ قادیان کی سرکاری تقسیمات کے رو سے حصہ دار تھے' مگر کلیتہ سے بالکل بے تعلق تھے اور کلیتہ قادیان کے بٹوارا خرچہ و بیج میں کسی کام میں شریک نہیں ہوئے تھے' بطیبا نفس معاوضہ کرا کر ان کو مدد دی۔ بعلاوہ مرزا غلام قادر کو اپنی جائداد کا بہت تھوڑا حصہ ملا۔ یہ سرکاری جواب دہی میں معلوم ہوئے۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے ان دعوت پر ہزارہا روپیہ خرچ کیا تھا اور شریک اس میں شریک نہیں ہوئے۔ (تریاق

مطلب" تھا لیکن اس میں [illegible] کرتے ہوئے کہ انگریزی عملداری کے کنارے میں غیر متصل اراضی کی ہر ایک جائی کی قریب قریب وہی قیمت اور حیثیت تھی جو کہ کل روپیہ کی ہے" یا شیخ کہا جا سکتا ہے کہ مرزا نظام مرحوم نے نہ تو ان مقدمات پر ستر ہزار روپیہ خرچ کیا اور نہ آٹھ یا نو لاکھ کہ جس قدر خرچ ہوا تو ممکن ہے کہ پانچ چار سو روپیہ تک خرچ ہو گیا ہو۔ لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ الٰہی صاحب کے والد مرزا نظام مرحوم ایک متلاشی و متمول تھے جیسا کہ اسی کتاب کے پہلے باب میں اس کا ثبوت پیش کیا جا چکا ہے تو یقین ہوتا ہے کہ مرزا نظام مرحوم نے نہ کوئی مقدمات لڑے اور نہ کوئی پیروی و خرچ برداشت کیا تھا بلکہ یہ الاٹمنٹ محض ہمارے الٰہی صاحب کے سعید طالع کی پیداوار ہے اور اگر بفرض محال آٹھ نو ہزار یا ستر ہزار روپیہ بھی اپنی مرضی سے خرچ کر ڈالا تھا تو اس کے ہرگز یہ معنی نہ تھے کہ مرزا نظام مرحوم کے بھتیجوں کا اور دوسرے اقرباء کا اپنی جدی جائیداد میں کوئی حق حقیقت ہی باقی نہ رہ گیا تھا۔

مظلوموں سے مرزا اعظم بیگ کی ہمدردی

بہرحال جب مرزا نظام مرحوم نے اس مرثیے والی سے کہا کہ تو ہمارے "مسیح موعود" صاحب اور ان کے بھائی مرزا نظام الدین صاحب نے اپنے قبائل و اقارب کی ڈھارس بندھانا اس کو بے باکانہ ہم کر لیا۔ چونکہ ہم نصیب مظلوم تھے مشترک الحال تھے اور انہیں مدعاؤں کے گرداب صدمات میں گرفتار تھے اور تلافی مافات کر کے اپنی دنیا بنانے کی تمنا و استطاعت نہ تھی اس لیے ہمدرد تھے۔ لیکن خدا لگا کر کہے مرزا اعظم بیگ لاہوری بیشتر اکثر اسٹیٹ کنٹر کا جنہوں نے مظلوموں کی طرف سے مقدمات دائر کیے اور "مسیح صاحب" اور ان کے بھائی کو بااثر جائیداد نصب کرنے دلانے دلائی پر آمادہ کیا۔ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے اس نصب کے ہزار کی ہو گیا تک وکیل بیان فرمائی ہے" وہ بڑی مزدار ہے۔ لکھتے ہیں کہ میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد مرزا اعظم بیگ لاہوری نے فرقائے کلیت تلوانوں کی طرف سے مجھ پر اور میرے بھائی مرحوم مرزا نظام الدین پر مقدمہ دعوی کلیت کا مرافعت ضلع میں دائر کر دیا۔ اور میں ظاہر جانتا تھا کہ ان فرقاء کو کلیت سے کچھ غرض نہیں کیونکہ وہ ایک گم گشتہ چیز تھی ہر تحصیلوں کے وقت میں

بلاد ہو چکی تھی اور میرے دل نے تین تمام حضرات کر کے اس کیفیت کو دور کرنے کی بالوں کے لیے کافی بڑا سوچ کے قریب خرچ خرچ کیا تھا۔ وہ فرقہ ایک بیوہ کے بھی شریک نہیں تھے۔ (بکھوت امرتسر' جلد ۲' ص ۳۳) لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ ایک گم گشتہ چیز تھی اور مسیح صاحب کے گم زار بھائیوں نے خدمہ لگنے میں کوئی فرق برداشت نہیں کیا تھا تو بھی ان کے بالکل خلل کیوں اور کس طرح داخل ہو سکتے تھے؟ اور اگر داخل ہو گئے تھے تو پھر مرحوم علیہ نے وہی تین ان کو واپس کیوں دلائی؟ ہمارے "مسیح موعود" صاحب اپنی آنکھوں سے دنیا پرستی کی یہ آثار کر اس حقیقت کو دیکھتے تو کیسے صاف نظر آتا کہ دنیائے فانی کی جائز کام کمیوں ان کا ذرہ بھی ساتھ نہیں دے سکتی تھیں اور اگر کچ دار دنیا میں کسی کو مالی پریشانی بھی جائے تو حقیقت میں اس کے ذریعے نہایت ہولناک ہوں گے۔

"الہامی صاحب" کی دعائیں

اس سلسلہ میں حضرت مرزا صاحب نے ایک عجیب الہام بھی لکھا ہے۔ ہم ان کی نظر میں اہمیت رکھتا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے ارادہ میں جب میں نے حج کے لیے دعا کی تو یہ الہام ہوا کہ میں تیری ہر ایک دعا قبول کروں گا مگر فرقہ کے بارے میں نہیں قبول کروں گا۔ سو میں نے اس الہام کو پا کر اپنے بعض اور تمام لوگوں کو جمع کیا اور مجمل کر کہا کہ فرقہ کے ساتھ خدمہ سے کہ یہ خلاف مرضی حق ہے مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور آخر ناکام ہوئے۔ اور میری طرف سے بڑا بہت بڑا نقصان اٹھانے کے لیے استقامت کا پہلو۔ (بکھوت امرتسر' جلد ۲' ص ۳۳) لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا "الہامی صاحب" کو حضرات کے ارادہ سے اور حج کی دعا مانگنے سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ الٰہی کو ان کے حج کی نیت سے عموم رکھنا خلاف مصلحت تھا ہے؟ کیا خانہ ساز مسیح صاحب نے بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی پڑھی یا سنی نہیں تھی؟

عن سعید بن زید" انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ شبرا من الارض ظلما فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی لے لے' قیامت کے دن اس زمین کو سات طبق تک کھودا جائے گا پھر اس کے گلے میں اس زمین کو طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

الٰہی صاحب کو سب کچھ معلوم تھا لیکن وہ حلال و حرام میں تمیز کرنے سے قاصر تھے لیکن دنیوی حرص و لالچ نے دل و دماغ پر بے حسی کے موٹے پردے ڈال رکھے تھے اور سب دنیا "حق بہ حق دار" کے اصول پر عمل کرنے کی کسی طرح اجازت نہیں دیتی تھی۔ اہم حقیقت ہے کہ حضرت اعظم چک امیدی نے حضرت "مسیح موعود" کو اپنے دربار کے دور سے اتنا تو احساس کرا دیا کہ یہ چیز خلاف مرضی حق ہے لہٰذا اس پر گرفت کرنا کہ "مسیح موعود" صاحب بڑا سرمایہ دنیا کا نقصان اٹھانے کے لیے اخلاقاً کبھی تیار نہیں۔ حضرت "مسیح موعود" صاحب دوران خطبہ میں خلق خدا کے حق میں گڑگڑا کر بارگاہ رب العلمین میں دعائیں کرتے رہے کہ خدایا اس خطبہ کا فیصلہ عادلانہ حق میں کرنا اور ارائی صاحب اس کے ماتحوں کو دنیا و آخرت میں تباہ کن تمام بیماریوں اور آفتوں میں مبتلا فرمائیں۔ کیونکہ اگر اللہ کا حکم و قہر نازل ہوگیا تو اس کے کسی بندے کے ہاتھ میں ہرگز نہ ہوگا تو شاید یہ ظالم انصاف کش بندے قبول کر لیتے۔ لیکن یہ ظالم ظالمین جس کے بعد خدا میں لعنت و عذاب کی پیشگوئی ہے' یہ چک ملک و ملکوں کا فرعون ہے اور یہ کسوں کا جلاد و ذبیح ہے' یہ کبھی ظلم کا ساتھ نہیں دیتے تھک خدائے شدید العقاب سے ڈر سکتے الٰہی صاحب اور ان کے بھائی کو دنیا کی عشق میں مبتلا رکھا بلکہ الٰہی کو بڑا سرمایہ دنیا کا دربار کر دیا۔ چنانچہ خود "مسیح موعود" صاحب لکھتے ہیں: "بعض غیر فاضل ہندی شرکاء نے ہر تجاویز کی مخالفت میں ہمارے شریک تھے' وکیل بابو کا دعویٰ مراعت گورداسپور میں کیا تب میں نے دعا کی کہ یہ اپنے مقدمہ میں ناکام رہیں۔ جناب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا' میں تیری ساری دعائیں قبول کروں گا مگر شرکاء کے بارے میں نہیں۔ چنانچہ کورٹ میں وکیل کامیاب ہوگئے اور تمام مدعیوں کا خرچہ ہمارے ذمہ پڑا اور قریباً اس کے دو روپیہ ہر روپیہ مقدمہ کے لیے تب قرضہ اٹھایا تھا" یہ بھی دنیا پرست اس طرح کی ہزار روپیہ کا نقصان ہوا اور میرے بھائی کو اس سے بچا سکتے تھے کہ میں نے ان کو کئی مرتبہ کہا تھا کہ شرکاء نے اپنا حصہ مرزا اعظم چک امیدی کے پاس بیچا ہے۔ تب کا حق شفعہ ہے'

رہیں دے کرنے کو کہا انہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا اور وقت ہاتھ سے نکل گیا۔
(حقیقۃ الوحی، ص ۲۲۳)

مرزائیوں سے چند سوالات

اب مرزائیوں سے یہ سوال ہے کہ اگر امامی صاحب واقعی کوئی سچی اور خدا ترس اور پارسا ہستی تھے تو انہوں نے مقدمہ دائر ہونے سے پہلے مگر اپنے باپ کے انتقال کے ساتھ ہی اپنے آقا کی حق رسی کیوں نہ کی؟ اور اگر مقدمہ دائر ہونے سے پہلے امامی صاحب خواب بے حسی میں پڑے تھے اور سارا سال عدالت اعلیٰ میں آقا کے حق کی کوئی پیروی کرتے رہے تو جس وقت آقا نے بائیل کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کا حق کیوں نہ دے دیا؟ اگر اس وقت بھی حق و باطل میں امتیاز نہیں ہوسکا تو بائیل ہونے کے بعد ہی ان کا حصہ کیوں نہ بانٹ دیا؟ اور اگر بائیل کے بعد بھی حقوق العباد کی طرف سے غفلت برتنے کی قطعی ادائی نہیں ہوئی تھی تو پھر اس وقت ہی فوراً حق سے انصاف کا پرچہ کیوں نہ کیا بلکہ موجود صاحب اور ان کے بھائی نے بھی باقاعدہ عدالتوں میں مقدمہ دائر کر اپنی کامیابی کے شادیانے بجا رہے تھے؟ فرض امامی صاحب نے کسی وقت بھی آقا سے مطالبہ پرچہ نہ کیا۔ آخر ان بھائیوں نے باہمی عدالتوں میں دعوے دائر کرنے کے بعد عدالت عالیہ میں مقدمہ دائر کیا اس وقت بھی حضرت "مسیح موعود" کے بیٹے عرصہ دراز سے آقا کا حق واپس دینے کی طرف توجہ نہ دی۔ یہاں تک کہ عدالت عالیہ کے حکم پر سید امیر علی نے عدالتی حکم بھائیوں کو واپس دلایا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر عدالت عالیہ مظلوم آقا کو اپنی واپس دلا کر بار خاطر نہ کرتی تو پہلے حضرت "مسیح موعود" صاحب مدعی اور پھر ان کی اولاد بحیثیت آقا کی نسبت پر اپیل و تحصیل دار اس کی کوئی سے اپنا حق وصول کرتی رہتی۔

قادیانی کو شرف مکالمہ و مخاطبہ

اس سوال کے جواب میں مرزائی یہ مذاق پیش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب اس وقت

بالکل کمسن اور نابالغ حالت میں تھے۔ اس کے علاوہ زمین پر ان کے چچا مرزا غلام قادر کا قبضہ تھا۔ اگر یہ زمین "مسمّاۃ موصوفہ" کے دست اختیار میں ہوتی تو عدالت کے دائر ہونے سے پہلے ہی زمین واپس کر دیتے۔ لیکن یہ بیان سراسر غلط ہے۔ کیونکہ الہامی صاحب کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی اور بالغی عمر کی انتہا ہے' چنانچہ ان کے بھائی (مرزا غلام مرتضیٰ ایم۔ اے نے ان کا سال پیدائش ۱۸۳۹ء لکھا ہے۔ دیکھو سیرۃ المہدی' جلد ۲ ص ۱۸۱) اور یہ مقدمہ ۱۸۷۹ء میں دائر ہوا تھا۔ (دیکھو البشریٰ' جلد ۲ صفحہ اول) اس سے قطع نظر جس طرح اس اراضی پر ان کے بھائی کا حق ملکیت تھا ان کا بھی تھا اور یہ بھائی کو سمجھا کر حصۂ علیحدہ کر سکتے تھے اور اگر بھائی انصاف پر مائل نہیں ہوتا تھا تو حاکم سے اس کی شکایت کر کے اپنی انصاف پسندی اور حق پژوہی کا عملی ثبوت پیش کر سکتے تھے۔ جس کی یہ صورت تھی کہ اسی عدالت کے سامنے جس میں مقدمہ پیش تھا حاضر ہو کر یہ بیان دیتے کہ ہمارے اخیافی والد زمین کے حصہ دار ہیں۔ ان کا حق ان کو دلایا جائے۔ اور الہامی صاحب تو بری ذمہ تھے اور ان پر قرض تھا کہ اس وقت تک اپنے اوپر آپ دوا حرام کر لیتے جب تک حق داروں کی حق رسی نہ کر لیتے۔ اسلام نے تو ان لوگوں کے لیے بھی از خود گواہ بننے کا حکم دیا ہے جنہیں فریقین مقدمہ سے کوئی تعلق نہ ہو' چنانچہ حضرت ابن عباس رضی سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر گواہ (روشنی شہادت) وہ ہے جو پیشتر اس کے کہ شہادت دینے کے لیے اس سے کہا جائے' وہ گواہی دینے پر تیار ہو اور لوگوں سے بیان کرے کہ میں اس معاملہ کا گواہ ہوں۔ (ابو داؤد) بخاری حق پر مبنی گواہی وہ ہے جو خود بخود حاکم کے پاس جا کر گواہی دے تاکہ حق دار کا حق تلف نہ ہو اور اس قسم کی گواہی بلا شک ثواب ہے اور یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی جو شہادت کی طلب کیے جانے سے پہلے گواہی دینے لگے گی۔ کیونکہ موخر الذکر حدیث میں جھوٹی گواہی مراد ہے' لیکن اس کے برخلاف حضرت مرزا صاحب نہ صرف چپ سادھے بیٹھے رہے بلکہ یہ اور ان کے بھائی غلام قادر صاحب سالہا سال سودی روپیہ قرض لے کر اس کو خلق میں مقدمہ لڑتے رہے کہ وہ سودی کے حقوق پر بدستور قابض قبضہ جمائے رکھیں۔ یہاں تک کہ آخر کار عدالت کورٹ نے مظلوموں کی دادرسی کی اور حضرت "مسمّاۃ موصوفہ" اور ان کے چچا زاد بھائی کو بعد از خرابی بسیار اعظم شدہ

ملہ اکثر چلہ۔ حقیقت یہ ہے کہ کہنا کہ اس مقدمہ بازی کے وقت حضرت مرزا صاحب عوام کالانعام کے دعوے میں داخل تھے۔ نہیں' بلکہ خدا کے فضل سے ان اوام میں سے بھی جیسا کہ انہوں نے خود تشریح کی ہے' ان کا طریق خدا ان سے ہمکلام ہونا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ٹھیک ۱۸۸۵ء میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام شروع ہوا۔ عاکف و طالب پایا تھا۔ پھر سات سال بعد یعنی ۱۸۹۲ء میں کتاب براہین احمدیہ مکمل ہو کر شائع ہوئی۔ (حقیقۃ الوحی' ص ۶۰' خزائن' اور براہین احمدیہ کی تکمیل و اشاعت ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی تھیں۔ (ذکر حبیبا اندری' جلد ۲' ص ۱۸۱) اس سے ظاہر ہوا کہ مرزا جی ۱۸۸۴ء سے شرف ہمکلامی سے مشرف ہو رہے تھے اور یہ مقدمہ اس شرف مکالمہ و مخاطبہ کے چار سال بعد ۱۸۸۸ء میں دائر ہوا تھا۔ الزام کی زمین پر یہ قید و تصرف ایک لمحہ حقیقت سے بھی قابل توجہ ہے کہ مرزا جی بوقت خود سٹیل کیچ تھے۔ اور حقیقت کیچ علیہ الہام کی نسبت مصالح میں ہے کہ وہ حاکم عادل ہوں گے۔ لیکن ان کے خلاف سارا سٹیل کی عدل گستری دیکھ کر کہ عدل و رحم اور فوجداری کی جگہ ظلم و اضطراب ہی کی زمین اختیار کی۔ اس سٹیل سے تو بلند کورٹ کے جلیب پرست جج ہی افضل و اعلیٰ رہے جنہوں نے مظلوموں کی فریاد رسی کر کے اپنی انصاف پسندی کا ثبوت دیا۔

باب ۴

خاندانی زوال نور اس کا مدلوا

یہاں غیر اہم' الیہ۔ اسے یعنی مرزا امام امیر صاحب قادیانی) کا بیان ہے کہ مرزا امام مرتضیٰ اور ان کے بھائی غلام محی الدین نے سرداران رنجیت سنگھ کی کئی قومی خدمات انجام دی تھیں۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ سکھی حکومت کے خاتمہ پر دونوں بھائی قید پنجروں میں قید کر دیے گئے اور انگریزوں نے خاندانی جائیداد ضبط کر کے صرف سات سو روپیہ سالانہ کی امدادی پنشن مرزا امام کی معیشت میں مقرر کر دی۔ جو مرزا امام مرتضیٰ کی وفات پر ایک سو اسی روپے (جو بعد میں ۱۸۰ روپے ہو گئی۔ اور پھر مرزا غلام قادر کی وفات پر یہ بھی

بند ہو گئی۔ "سیرۃ الدی" جلد اول" ص ۲۲۴۔ ۲۲۵) غلام قلد مرزا غلام احمد کے بڑے بھائی تھے اور غلام محی الدین" مرزا امام الدین" غلام الدین اور کمال الدین کے والد تھے۔ مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ میرے والد (مرزا غلام مرتضیٰ) صاحب اپنی بالغانیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور محروم رہتے تھے۔ انہوں نے دنیوی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا جس کا انجام آخر ناکامی تھا کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات دست سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور ان کا دنیا میں کوئی ایک نہیں تھا۔ (غلام قلد ای نامزدی کی وجہ سے والد صاحب مرحوم ایک اندیشہ گمنامی کرب غم اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے (کتاب البریہ" صفحہ مرزا غلام احمد صاحب" ص ۱۵۵) ان حالات کے پیش نظر مرزا غلام احمد صاحب رئیس بن جانے کی خیال میں گم اور حواس رہتے تھے کہ خاندانی زوال کا مداوا کیا ہو سکتا ہے اور ترقی و عروج کی راہیں کیونکر کھل سکتی ہیں؟ ملازمت سے دل سیر ہو چکے تھے۔ تجارت کے میدان میں کامیابی کی امید نہیں تھی۔ فوج یا پولیس کی نوکری سے بھی یہ قلب مطمئن کبھی نہیں تھی۔ تجارتی کاروبار سے بھی قاصر تھے کیونکہ اس کیلئے سرمایہ ہونے کے علاوہ سرمایہ بھی موجود نہیں تھا۔ اب لے دے کے وکالت کی پریکٹس ہی ایک ایسی چیز باقی رہ گئی تھی جس کی طرف طبیعت نے انہیں مائل کر دیا اور یہی ایک ایسا مقصد بچا تھا جس کی راہنمائی حصول عزت جاہ اور مال و ثروت کی کفیل ہو سکتی تھی۔ اس جانب ہر طرف سے ہٹ کر ہر موجہ اسی طرف منتقل ہوتا تھا کہ مقدمات زمانہ میں کر اپنے مقدمی اغراض و مقاصد کی تکمیل کی جائے۔ اس خیال کا سبب سے بڑا محرک یہ تھا کہ ان دنوں تھانیوں کے کرسی نشین میں چند بزرگ ہستیاں موجود تھیں جن کی طرف یہ رجوع عام تھا۔ مقام قلب جلد میں وہ سید قمر الحسن اور سید قمر الحسین صاحبان رحمۃ اللہ علیہ تھانیدار کے منتظم موجود تھے۔ موضع رتہ چھپر ضلع گورداسپور میں وہ سید امام علی شاہ صاحب تھانیدار مسند آرا تھے۔ اسی طرح موضع مسانیاں میں ایک بڑی گدی تھی۔ ان حضرات کو سریع عمل دیکھ دیکھ کر غلام مرتضیٰ صاحب کے دل میں یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید اسی طرح کی مسندی کا سلسلہ جاری کیا جائے لیکن پھر وہ کر خیال آتا تھا کہ معلوم نہیں یہ کوشش بار آور ہو اور لوگ رجوع کریں یا نہ کریں۔ اسی شش و پنج میں طبیعت نے فیصلہ کیا کہ سرپرست اسی علم کو عملی جامہ پہنایا

جائے جس کے متعلق سیالکوٹ میں مشورے ہوتے تھے یعنی غیر اسلامی مذاہب کی تردید میں ایک جامع کتاب مرتب کر کے شائع کی جائے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی سے مشورہ

قادیانی صاحب اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں غیر قوم کے جن کے بچپن کے دوست و ہم مکتب مولوی محمد سعید محمد حسین صاحب بٹالوی لاہور سے بدلہ آئے ہیں۔ ان کی ملاقات کا قصد کیا۔ جن ایام میں مرزا صاحب سیالکوٹ میں ملازم تھے' ان دنوں مولوی محمد حسین دہلی میں شیخ نذیر حسین صاحب کی شاگردی میں اکتساب علوم کر رہے تھے اور دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر لاہور چلے گئے تھے۔ ایک مرتبہ لاہور سے بدلہ گئے تو مرزا صاحب نے بدلہ آ کر ملاقات کی۔ بدلہ کے گذرنے ہوئے دوست ایک دوسرے سے مل کر مخاطب ہوئے۔ دوران گفتگو میں مولوی محمد حسین بولے "کہو یار تم تو قرآن کے شیخ بنتے ہو سنا ہے کہ ملازمت سے بہت کم پیسے لاتے ہو۔ پرورش اولاد، مخالف اور کتب بینی کا مشغلہ ہے۔ بھائی صاحب! شغل تو خوب ہے' میں آپ کے حالات سن کر بہت خوش ہوا کرتا تھا۔" مرزا صاحب نے کہا کہ جب سیالکوٹ میں سلسلہ ملازمت ترک کیا تو ایک سال کا طویل عرصہ قادیان بدلہ کرنے میں گذرا اور عمر عزیز کو ضائع بدلہ کیا اور پھر پاس و حرمان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا لیکن نہیں لیں۔ قادیان تو میں نے ملازمت ہی کے زمانہ میں رخصت لے کر بدلہ کیا تھا۔ ملازمت سے علیحدہ ہونے کے بعد کچھ عرصہ خاندانی کی ادائی میں مشغول رہا۔ بدت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق تھا۔ جب سنا کہ آپ بدلہ گئے ہیں تو جی چاہتا تھا کہ پر لگا کر بدلہ جاؤں اور آپ سے ملوں۔ مولوی محمد حسین نے کہا کہ میری آنکھیں اسی وقت آپ کو ڈھونڈ رہی تھیں تعارف ملاقات کے لئے بے قرار تھا۔" مرزا صاحب نے کہا کہ آپ میری بھی خواہش ہے کہ قادیان کو چھوڑ کر کسی شہر میں قیام کروں۔" مولوی صاحب نے کہا میری رائے میں بھی یہی قرین مصلحت ہے۔ جب اور جہاں کا قصد ہو مجھے اطلاع دیجئے۔ اگر لاہور کا قیام پسند ہو تو وہاں میں ہر طرح سے آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" مرزا صاحب نے کہا بہت دنوں سے میرا ارادہ ہے کہ غیر مسلم اقوام کے رد میں ایک کتاب لکھوں۔ مولوی محمد حسین نے کہا بڑا ہی بہت مبارک خیال ہے لیکن

اس رات میں ایک بڑی دلچسپ بات یہ حاصل ہوئی کہ تحریر حروف صحف کی کتاب ہمہ مشکل سے فراہم ہوئی ہے۔ گلوانی صاحب بولے کہ اصل شہرت تو کوئی مشکل کام نہیں' اصل مشکل یہ ہے کہ کتاب و اشاعت کا کام سرانجام کا التزام ہے اور اپنے پاس روپیہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کام شروع کر کے اپنے اس عزم کو مشتہر کیجئے۔ میں بھی کوشش کروں گا اور اپنے احباب کو بھی سی بلیغ کی تاکید کروں گا۔ حق تعالیٰ سبب الاسباب ہے لیکن یہ کام آسمان سے نہیں ہو سکتا اس لئے مناسب ہے کہ آپ لاہور یا امرتسر چلے جائیں۔ (چھبیسویں صدی کا کیا ہی عمدہ مشورہ)

باب ۱۱

رجوعات و فتوحات کی دعا کرانے کے لیے امرتسر کا سفر

مولوی محمد حسین بٹالوی کی ملاقات کے چند روز بعد مرزا صاحب امرتسر گئے اور مولوی عبداللہ مرحوم غزنوی سے ملاقات کی۔ یہ ایک حضرت صوفی المشرب عالم تھے۔ مولوی صاحب نے ان سے فرمایا' تم مسافر معلوم ہوتے ہو۔ مرزا صاحب نے کہا' ہاں آپ کا خیال درست ہے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کیا نام ہے اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ کہا ضلع گورداسپور میں قادیان نامی ایک گاؤں ہے' وہاں کا رہنے والا ہوں۔ مولوی صاحب نے دریافت فرمایا' یہاں کس طرح آنا ہوا؟ مرزا صاحب نے کہا میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ یہاں کے رئیس ہیں۔ میں پہلے سیالکوٹ کی کچہری میں ذکر کر چکا تھا' قبل گواہی میں ہر دو ملازمت نہ ہوتی تھی' اس لئے چٹھی لکھ کر کے بلائی کا انتظام ہوا تھا۔ مولوی صاحب نے پوچھا اب کیا خفا ہے؟ مرزا صاحب نے کہا اب نوکری وغیرہ کا تو قصد نہیں' محض توکل پر گزارہ کرنا چاہتا ہوں۔ رجوعات اور فتوحات کی دعا کا خواستگار ہوں۔ آپ دعا فرمائیے۔ مولوی صاحب نے کہا تم گھر کے رئیس ہو' خدا کا نام لو' اگر نیک نیتی سے کام لو تو خدا کے برتر اس میں برکت دے گا۔ مرزا صاحب نے کہا میرا قصد ہے کہ حمایتِ اسلام کے رد و ابطال میں کتابیں لکھوں۔ (اثبات حقیقت اسلام و کتاب اللہ و سنت خیر الانام لکھ کر)

شائع کریں اور بقیہ اخراجات اس محفل میں جمع کریں۔ مولوی صاحب نے فرمایا" بہت اچھا خیال ہے مبارک ہو۔ حق تعالیٰ ہمیں نیت کی توفیق بخشے اور برکت دے۔ آپ کو کیا خدمت ہے۔ علامہ ایوبی نے صاحب اللاز سے کہا جب تصنیف و اشاعت کا کام چل پڑے گا تو قم پر بھی بار بھی نہیں رہے گا۔ مرزا صاحب نے کہا یہ ارشاد تو بجا ہے لیکن ابتداء میں اس کام کے لیے روپیہ کی اشد ضرورت ہے اور روپیہ کا انتظام خت دشوار نظر آتا ہے۔ جائیداد پر بھی روپیہ نہیں مل سکتا کیونکہ یہ پہلے ہی رہن و مکفول ہے۔ اگر خدانخواستہ آج والد کی آنکھیں بند ہو جائیں تو شاید ساری جائیداد فروخت ہونے پر بھی بار قرض سے سبکدوش نہ ہو سکیں گے۔

اتنے میں شام ہو گئی۔ نماز مغرب پڑھی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا آگیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ نماز عشاء کے بعد مولوی عبداللہ صاحب گھر تشریف لے گئے اور مرزا صاحب کے لیے بستر بچھا دیا۔ مولوی صاحب کی عادت تھی کہ صبح کی نماز کے بعد تھوڑا وقت قیلولہ کرتے تھے۔ اس وقت مولوی صاحب نے دوران وعظ میں فرمایا کہ ہر شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لیے خدا اور عالم غیب سے معاملہ کی راہیں کھل جاتی ہے اور اسے ایسی ایسی جگہوں سے رزق پہنچتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان نہیں ہوتا اور جس شخص کو صبر، توکل اور تقویٰ کی نعمت حاصل ہو جائے" یہ کبھی کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا اور اس کے سامنے تمام اقوام سر جھکائے رہتے ہیں۔ وہ کوئی دنیا کا طالب ہو اسے صرف دنیا ہی ملتی ہے اور جو آخرت کا طلبگار ہو اسے آخرت بھی ملتی ہے اور دنیا بھی بھی بارگاہ رہتا ہے۔ اس کے بعد مرزا صاحب کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ تم بھی تقویٰ اللہ اختیار کرو اور توکل علی اللہ سے ثابت پاؤ۔ فتوحات اور رزق کے لیے اس سے بہتر کوئی عمل اور وظیفہ نہیں ہے۔ ع

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس دراند

اس کے بعد محفل برخاست ہوئی اور مرزا صاحب لاہور آکر لاہور کی تیاریاں کرنے لگے۔ (چودھویں صدی کا مسیح ص ۲۸۔ ۲۹)

باب ۴

لاہور میں ورود، مذہبی چھیڑ چھاڑ اور مناظرانہ سرگرمیاں

مرزا غلام احمد بحیثیت مبلغ اسلام

مولوی محمد حسین کی مطبوعہ اور مخطوطہ تحریروں کے مطالعہ سے مرزا کی نے مقدمہ بازی اور گروہ بندی کے جھمیلوں سے دامن بچا کر اپنے مستقبل کے متعلق جو سلسلہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں سے الجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پنجاب دیانند سرسوتی نے اپنی جارحانہ تحریروں سے ملک کی مذہبی فضا میں خلفشار برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بحث مباحثے دنگل کر رہے تھے۔ جب مرزا صاحب نے لاہور کا قصد کیا۔ ان ایام میں ان کے تعین کے متعلق راقم سطور مولوی محمد حسین بٹالوی سے جو ہنوز زندہ اور میرے مخاطب تھے۔ مرزا صاحب لاہور آکر ان سے ملے اور انہی کے پاس مہینہ بھر قیام کیا۔ مولوی محمد حسین کے مطبوعہ بیان کے بعد ان کی بعد میں چھپی ہوئی ایک اور تحریر سے بھی جو انہوں نے تیس بتیس برس کے بعد ان سے بعد لکھوائی اور جو ان کتب اور ان صفحات کا مطالعہ شروع کر دیا تھا جو غیر اسلامی مذاہب کی تردید میں لکھی گئی تھیں۔ چنانچہ وہ رقم کرتے ہیں کہ مرزا صاحب "تحفہ الہند" "تحفہ الہند" "شمس الہدیٰ" اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابیں شروع سے رکھا کرتے تھے۔ (چودھویں صدی کا مجدد ص ۵۰) خود مرزا غلام احمد صاحب براہین احمدیہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

ہر طرف خود کردہ را تفتیم کرد — ناقصاں را جملہ جملہ بر کمک
بازماں را در پئے دفتر دوم — پیش رو را گام گام دانشوم
ہم از کوری سوئے ایں ہاتم — دیدہ عقل خود را بینا تم

ہوائی ہمہ اندریں باشم ملی نز غیر ایں کارِ پرداشم
بہادم دریں غم لگانے دراز نہ شتم ز گردش شبان دراز

یعنی میں نے ہر مذہب کی کتابیں خوب پڑھی ہیں۔ ہر مذہب کے کوتاہیوں سے بحوالہ خیالات کیا ہے۔ کتب مذاہب کے مطالعہ میں مجھ سے متعلق ہوں اور ساری عمر اسی ایک مشغلہ کی نذر کر دی ہے یہاں تک کہ راحت و آرام سے دستکش ہو کر اکثر راتوں میں بھی مصروف مطالعہ رہا ہوں۔ چونکہ اب اقتدار کے زمانہ حکومتوں میں علمی خزانوں کے اور دیکھنے کا وقت تھا اس لئے دو سال ساری عمر تحصیل کی مشغولیت کے بعد سے لاہور کئے تک بلکہ سہ چند جلدیں میں اکتساب کر لینے کے بعد بھی مرزا صاحب نے ان کتابوں کا مطالعہ خاص طور پر دوران کر دیا تاکہ مذاہب اسلام کی طرف سے ہندو اور نصاریٰ کی تردید میں کچھ لکھ سکیں۔

لاہور کی علمی سرگرمیاں

اب مرزا صاحب کا لاہور میں قیام ہے اور مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی ہمہ تن ہیں۔ مرزا صاحب کی قابلیت اور بزرگی کا شہرہ پھیلا ہوا ہے۔ مفتی الٰہی بخش اکبر آبادی' پیر عبدالحق اکبر آبادی' حافظ محمد یوسف کلانور اور لاہور کے تمام مدارس اہل حدیث اکبر' سلفیہ' سلفیہ کے دعوے میں ہیں۔ قابل شہر کی آمد و رفت شروع ہو گئی ہے۔ مشورے ہوتے ہیں۔ طرح طرح کی تدبیریں' جن سے مرزا غلام احمد کامیاب ہو' آخر بن کر چک نکلیں' زور شور ہے۔ چند روز کے بعد کتابوں سے بھرا جہاز شروع کر دی گئی ہے اور کئی جہازوں کے مقابلہ میں مفتی محمد صادق کا نمونہ بھیجا جاتا ہے۔ لاہور میں ہر طرف مرزا غلام احمد کا چرچہ ہے' کہیں مخالفوں کا تذکرہ' کہیں حمایت اسلام کا اظہار' کہیں لیکھرام' عبداللہ آتھم' محمد حسین بٹالوی' غرض ہر جگہ مرزا صاحب کا ذکر خیر ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی' پیر عبدالحق اکبر آبادی' مفتی الٰہی بخش' مفتی الٰہی بخش دہلوی جہاں جاتے ہیں' ان کی مدح و توصیف کے پھول برسائے جاتے ہیں۔ لاہور میں گویا جلسے ہائیکل ہی کی قائم ہوئی ہے۔ مسٹر عبداللہ آتھم بٹالی لے چکے ہیں۔ عیسائیوں اور پادریوں کا کہاں دم کہاں پر بھارک سرشام لیکھرام دہلوی کے ہاتھ سے جا چکا ہے اور مرزا صاحب ہی

میں سے کسی ایک سے ملنے چلتے ہیں۔ آج امام الدین صاحب کس کریہ سے برسرِ مقابلہ ہیں' دو سرے دن کسی پادری سے جا ٹکراتے ہیں' غرض اسلام کا یہ نوخیز پہلوان ہر وقت کشتی کے لیے ہر ایرے غیرے کی مخالفت میں تیار رہتا ہے اور فتح کو اپنے گرد طواف کرتے اپنے پہلوانی کمال دکھاتا ہے۔ پہلا بگڑ دنگا یکا دیلیپ سنگھ جاری ہے۔ جو کہ مرزا صاحب نے اپنے اوائل اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں قائم و ناصرِ اسلام ظاہر کیا تھا اور یہ پیرایہ میں صرف مرزا امام الدین رنگیلا کے نام سے وہ خاص تھے یعنی وہ جو کسی حدیث و صحیفہ کے مدعی تھے اور نہ الہامی یا الہامی اللہ و رسول ان کے کوچہ میں قدم رکھا تھا اس لیے ہر عقیدہ و خیال کا مسلمان مرزا صاحب کا موید و معتقد تھا۔ خصوصاً یہ نام جاہ جنوں نے آتے ہی مرزا صاحب کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا' مرزا صاحب کو جاں و دامن بچانی مشکل کرتے تھے اور ہر طرف سے ان کی جان و عصمت کو خطرہ تھا۔ چند ماہ تک اور میں تعلیل بگاڑے ہوا دیکھنے کے بعد مرزا صاحب قادیان چلے گئے اور وہیں سے گرجیوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مناظرہ و مقابلہ کے تمام فتیلے دبتے رہے۔ چونکہ بحث و مباحثہ مقصود نہیں ہوتا تھا بلکہ غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی' اس لیے گرجیوں کی ہر شرط و مطالبہ کو بخلاف الیل ہل جاتے اور اپنی طرف سے ایسی بےتکی شرطیں پیش کرتے تھے کہ مخالفوں کی توجہ ہی نہ ہو سکتی تھی۔ اس وجہ سے کھلی صاحب کی ساری اشتہار بازی بے نتیجہ رہی اور بدستور بند جانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ البتہ اس سے مرزا صاحب کی دل آزردگی حاصل شہرت و نمود پوری ہو گئی۔

مرزا امام الدین کی مناظرانہ حیثیت

یہاں یہ جتا دینا بھی ضروری ہے کہ مرزا امام الدین صاحب بحث و مناظرہ کے سچ میدان نہیں تھے۔ کتنی کمزوری تھی کہ بڑے بڑے مدعی لیچ تھے لیکن تقریر بحث میں بہت جلد دم توڑ دیتے تھے۔ کبھی نہ دیکھا گیا کہ یہ کسی معرکہ سے کامیاب اور فاتحانہ باہر نکلے ہوں۔ ہاں ہر دشمن کو مقابلہ کے اور فتیلے دینے کے بڑے ماہر تھے۔ اگر فریق مقابل علمی سرمایہ سے تہی دست ہوتا تو یہ اس کے طمطراق خیز طنطنے سے مرعوب ہو کر دم خود رہ جاتا اور

اگر کوئی عالم شریعت حق کے مقابلے میں پڑ جاتا تو اسے بچانے کی فکر میں بھی علماء سے باہر نکل کر مقابلہ کا سوچ ہی نہ سکتے تھے۔ آج کل کے لڑائیوں کا طریق عمل ہمارے سامنے ہے۔ کبھی ہی ایسا آتا ہے کہ کسی مقابلہ نہ پڑے' بلکہ اپنی ہی جگہ کا بادشاہ کہلاتے ہیں اور اپنی شکست و ریخت و فرار کو فتح کی شکست و ہزیمت قرار دیتے ہیں۔ یہی حال ان کے پیر و مرشد کا تھا۔ وہ بھی بجائے اپنی ہزیمت کو دشمن کی ہزیمت سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ (اکرام الحق۔ ای۔ گرین مولانا' پر تبصرہ فرمین کر ہمیں کوئی اور نے کیا خوب لکھا کہ مرزا غلام احمد کی کذب و دجل مدعی کا مدار مراسر شہرت پر تھا۔ مباحثہ کا تحقیق ہی کیوں نہ ہو؟ مرزا صاحب بے خلف اپنی فتح کا اعلان کر دیتے تھے۔ عقل طور پر یہ لیے مدعی کو دلائل انگیز دلیل میں مشتبہ کرنے اور اپنی باتوں کو مضبوط بنانے میں بڑے ہوشیار تھے۔ خصوصاً عوام الناس کی توجہ جذب کرنے کے لئے میں تو استاد کامل تھے۔ (کتاب مرقوم بہ "مرزا غلام احمد قادیانی کیا دعوی موجد" مولانا اکرام الحق ای گرین مولانا' ص ۱۵)

مولانا شاہ محمد اسحاق کا ایک پادری سے مناظرہ

ان شاء اللہ العزیز اب کسی موقعہ پر کچھ نقل کریں گے کہ لوگوں نے کہ "مسیح موعود" صاحب عبداللہ آتھم بنی ایک مرتبہ مباحثہ سے وہ پہلے تک تحریری مناظرہ کرتے رہے لیکن اسے مغلوب نہ کر سکے۔ بلکہ سابقہ مناظرہ کے مواقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل پست ہونے کے باوجود یہ مرزا صاحب کو بری طرح رگید تا رہا۔ لیکن خدا کے فضل سے اہل باطل کے مقابلہ میں مرزا صاحب کی طرح گھبرائے اور دنوں تک گھر سے باہر نہیں کیا کرتے بلکہ دشمن کو مقابلہ اور میدانوں میں بچھاڑتے اور میدان کی چھاتی پر سوار ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی" کے فرزند مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی" کے زمانہ میں' جبکہ مقتدر سلطنت اللہ کا کتاب انجیل مروجہ نازل تھا' ایک بڑا لسان پادری نازل کیا اور علمائے اسلام کو مناظرہ کی دعوت دی۔ بعض علمائے سوء کو' جو شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ سے حسد و حقد رکھتے تھے' شاہ اسحاق صاحب" سے بڑی کاوش تھی۔ انہوں نے چاہا کہ اس پادری کو بڑی بڑھائی کر تم مام علماء کو چھوڑ کر صرف شاہ اسحاق کو اپنا مخاطب بنائے اور

انبی کو مناظرہ کا چیلنج دے۔ چونکہ شاہ صاحب پادری سے عمر، علم اور دنیا سے متعلق تھے اور دین میں کسی قدر گہرائی تھی' مناظرین کا خیال تھا کہ یہ لسان پادری شاہ صاحب کو ضرور مات دے گا اور ان کی رسوائی ہوگی۔ لب پادری نے شاہ صاحب کو مناظرہ کے لیے للکارنا شروع کیا۔ شاہ صاحب نے بھی بے تکلف یہ دعوت منظور فرمالی۔ انبی دنوں بلی میں سناتی فرقہ قادریہ مراد آبادی اور مولوی محمد یعقوب صاحب اہل کتاب کے مناظرہ میں بڑی رونق تھی۔ جب انہوں نے سنا کہ شاہ صاحب نے دعوت مناظرہ منظور فرمالی ہے تو بہت گھبرائے اور جا کر شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ بذات خود مناظرہ نہ فرمائیں' ہم کو اجازت دیدیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا' مشکل یہ ہے کہ میں نے تمہارا نام لیا ہے اس لیے انعام و اکرام کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر شاہ پادشاہ بلی بھی شاہ صاحب کا مخالف تھا۔ لہٰذا مسلی میں مناظرہ کی ٹھہری۔ دونوں جانب سے اہل مناظرہ متعین ہوئے۔ یہ شاہ صاحب کا پہلا باقاعدہ تصرف تھا کہ جب پادری شاہ صاحب کے سامنے گیا تو اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور ایسا خوف پیدا ہوا کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا۔ جب بہت دیر ہوگئی تو شاہ صاحب نے پادری سے فرمایا کہ آپ کچھ فرمائیں گے یا میں ہی عرض کروں؟ اس نے کہا آپ ہی فرمائیں۔ شاہ صاحب نے تقریر شروع کی۔ حقانیت اسلام کے دلائل بیان فرمائے اور بطلان مسیحیت کے وہ دلائل قاطعہ پیش کیے کہ اصولاً بھی عقل عش عش کر گئے۔ پادری بالکل دم بخود رہا۔ نہ تو اس نے آپ کی تقریر پر کوئی اعتراض کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی سوال کر سکا۔ جب تمام لوگوں پر پادری کا عجز ظاہر ہوگیا تو شاہ صاحب نے ان پادریوں کی طرف' جنہوں نے اس پادری کو ابھارا تھا' متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہمارے ذمہ ان کا مقصل ہوا ہے کہ یہ تحریر سے پہلے بائبل چھاپا کرتے تھے کیونکہ بائبل پر مہر ہوئے بغیر قرآن نہیں ہو سکتا۔ ہم توراۃ' انجیل اور زبور پڑھ لینے کے بعد حاصل ہوئے ہیں۔ اسی قاعدے کے موجب لکھے بھی یہ کتابیں پرستی گئی تھیں' اس لیے میں عیسائی مذہب کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش کے موجب اصحاب کو گفت اور شنید ہوتی تو اس میں کچھ مضائقہ نہ تھا کیونکہ کچھ علم کا دعویٰ ہی کب ہے؟ لیکن اسلام تو تمہارا بھی قبلہ ہے اس سے تمام مخالف پانی پانی ہوگئے اور مناظرہ ختم ہوا۔ (سیر الولایت' ص ۲۱۲)

باب ۳

حکیم مرزا غلام مرتضیٰ کا انتقال

مرزا غلام احمد صاحب اعظم کاری کی شادی کے بعد ۱۸۷۴ء میں قادیان چلے گئے تھے۔ باپ نے تاکید کی اور ضمانت پر رہا کر کے ان مقدمہ بازی کے کام میں لگا دیا۔ ۱۸۷۴ء سے لے کر ۱۸۷۶ء تک کچھ نہیں کیا کچھ سال تک برابر لوگوں سے روپیہ وصول کرتے رہے۔ مقدمہ بازی کے آخری ایام میں حکیم غلام مرتضیٰ کا انتقال ہوا۔ اب ام تک اب ان کا پیشہ جاری کیا تھا سے لوح ہوا (جس پیشہ کا مقدمہ ان سے متعلق ہوا۔ مرزا غلام احمد صاحب اس وقت ۲۰ سال کے ہو چکے تھے۔ ان کو خط لکھا گیا۔ یہ قادیان پہنچے تو باپ آخر مرگ پر دراز تھا۔ باپ کو پہچانا تو بھائی سے پوچھا "یہ کون ہیں" کہا غلام احمد تم آ گئے؟ یہ سن کر باپ نے منہ سے چادر اتار لی اور چلے کی طرف دیکھا کر کہا "یا غلام احمد تم آ گئے؟ خدا بچ گیا تھا؟ مرزا غلام احمد نے کہا تھا تو نہیں تھا" میں نے آپ کو خواب میں بیٹھا دیکھا تھا (کتاب البریہ" صفحہ مرزا غلام احمد صاحب" ص ۱۸۱) باپ نے کہا ہاں مگر چلے نے بچا کر اب کل سے کسی قدر افاقہ ہے۔ کوئی بات قابل اطمینان ہے۔ بچا؟ بس قدر میں نے اس بات دنیا کے لیے سعی کی ہے" اگر وہاں سعی دنیا کے لیے کرتا تو شاید کچھ نصیب اور فرصت ہوتی" (ایضاً ص ۱۸۱) میں نے دنیا کے لیے اتنی عمر ضائع برباد کی۔ اب میرا وقت آخری ہے اور ہر دم ہے دم واپسیں ہے۔ اس کے بعد شاید دو سرے دن تم تھا کا نکاح ہو گئے اور میرے گوشت میں میرا خاک ہو گئے۔

کیا رب العالمین نے مرزا غلام مرتضیٰ کی عزاداری کی؟

مرزا غلام احمد صاحب اپنے باپ کے حادثہ مرگ کے متعلق لکھتے ہیں۔ "اسی کے وقت ہم سب حسب معمول ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے سوال سے کچھ فرمایا کہ اس وقت تم ذرا آرام کر لو۔ کیونکہ دن کا سفر تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام

کے لئے ایک چراغ (یعنی نشان) میں جا کیا اور ٹیک ذکر پیدا ہے گا۔ [redacted] میں تھوڑی سی خوبی ہو کر مجھے الہام ہوا وبشرہ والشاکرین یعنی تم ہے آسمان کی جو انقلاب قدر کا مہدہ ہے اور تم اس ساعت کی جو کہ انقلاب کے خوب کے بعد نازل ہوگا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام اور عزا پرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ساعت یہ ہے کہ کہ تمہارا والد انقلاب کے خوب کے بعد فوت ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے اور ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اس کی وفات کو عزا پرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی عزا پرسی کیا معنی رکھتی ہے مگر یاد رہے کہ حضرت عزت جل شانہ جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کی طرح اپنے معاملات اس سے کرتا ہے۔ (الکتاب البریہ' صفحہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۱۶۷-۱۶۸) سچ فرمایا ہے کہ اس تحریر سے معلوم ہوا کہ خدا نے یہ خبر دے کر مرزا غلام احمد صاحب سے ان کے والد کے عاقبہ مرگ پر ایک دوست کی طرح تعزیت کی۔ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ خدائے اکرم الکاظمین نے حضرت یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کی رحلت پر عزا پرسی نہ کی اور اگر کی ہوتی تو ضرور احادیث نبویہ میں اس کا ذکر ہوتا۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے پاس ان کے والد گرم حضرت اسحاق علیہ السلام کے عاقبہ انتقال پر تعزیت نہ فرمائی اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے ان کے پدر بزرگوار جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر کوئی عزا پرسی نہ کی۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کے والد اکرم حضرت داؤد علیہ السلام کے انتقال پر تعزیت نہ کی حالانکہ یہ تمام باپ بیٹے انبیاء و مرسلین تھے لیکن مرزا ہواری کی تعلیم تمام مرتقی کے انتقال پر کی ہو نہ لی تھے نہ صدیق' نہ صالح تھے نہ شہید' نہ زاہد تھے نہ عارف' نہ عالم تھے نہ عاقل' غرض کچھ بھی نہ تھے لیکن میں اس راز کو افشا کر دینا چاہتا ہوں کہ سنہ ۱۹۰۰ء کے خلاف ایسا کیوں ہوا؟ سو معلوم ہو کہ مرزا غلام مرتقی صاحب میں دو خصوصیتیں ایسی پائی جاتی تھیں جو نہ کسی نبی میں گذری ہیں اور نہ کسی صدیق' شہید' عارف اور ولی میں۔ ان میں سے پہلی خصوصیت یہ تھی کہ وہ حضرت مرزا غلام احمد "مسیح زمان" کے والد تھے۔ دوسری یہ کہ وہ بے فرزند تھے۔ موخر الذکر خصوصیت کے متعلق مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے "سیرۃ المہدی" میں لکھتے

ہیں۔ "ایک بھائی سماوی کیا تو آپ (مرزا غلام مرتضیٰ) نے اس کی کمال خدمت کی۔ مگر اس نے کہا کہ تم نماز نہیں پڑھتے؟ آپ نے کفر کی طرف انتساب کیا۔ کفار کے بعد سماوی نے کہا کہ تمہیں خدا جہنم میں ڈالے گا تو آپ نے جواب میں آکر کہا کہ تم کو کیا معلوم مجھے کہاں ڈالے گا۔ میں خدا سے بدظن نہیں ہوں۔ میری عمر ۷۰ سال کی ہے۔ خدا نے ہماری بخشش نہیں کی دی تو کیا اب مجھے جہنم میں ڈالے گا؟" (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۳۲) مرزا غلام مرتضیٰ کے عقیدہ و اعمال کے متعلق سماوی محمد حسین مرحوم باقی نے اپنے ہمدرد رسالہ "الحق" میں لکھا تھا "سماوی صاحب کے باپ مرزا غلام مرتضیٰ' جن کو میں نے بھی دیکھا ہے اور ان کے دیکھنے والے بہت سے لوگ اس وقت زندہ ہیں' صرف کہلاتے مذہب رکھتے (یعنی دہریہ) تھے۔ اگر مذہب کی طرف کچھ میلان تھا تو شیعہ کی طرف تھا اور اس زمانہ میں بلکہ میں نے ان کو دیکھا ہے "ان کو نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ ارکان شرعیہ کا التزام و التفات عبادات شرعیہ کا بالکل نہ تھا' یہ خود کہانی سے یا اس کے دوستوں سے پوچھنا چاہیے"۔ (الحق' جلد ۱۲' ص ۱۵۵)

تعزیت کرنے والی "آیات شریف"

ظاہر ہے کہ جب ایسے عقائد و اعمال رکھنے والے شخص کی موت پر خدا نے ماتم پرسی کی تو یہ خدا نہیں ہو سکتا بلکہ رب العزت و قادر ہے بلکہ یہ کافروں کا مادی خدا ہوگا جسے بھی بھگا یا اس قسم کے کسی دوسرے گروہ نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہاں یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ جس باپ کے مرنے پر "خدا" نے مسیح صاحب کے پاس ماتم پرسی کی تھی' مسیح صاحب اس باپ کے کہاں تک فرماں بردار تھے اور انہوں نے اپنے باپ کی کس حد تک خدمت گزاری کی تھی۔ مرزا امیر علی صاحب امرتسری کتاب "دلیل الحق والبیان" میں لکھتے ہیں: "مفتی محمد عبداللہ نے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" کے صفحہ پر لکھا ہے کہ سماوی باقر علی بیانی نے ان سے بیان کیا کہ ایک بار مرزا غلام مرتضیٰ پر فالج کا حملہ ہوا اور زندگی سے مایوس ہو کر اپنے تمام احباب کو اور مجھے (سماوی باقر علی کو) الوداعی ملاقات کے لیے بلا بھیجا۔ جب ہم لوگ قادیان پہنچے تو اس وقت مرزا غلام مرتضیٰ کی یہ حالت تھی کہ کروٹ تک نہ بدل سکتے تھے۔ ان کے بستر پر ہی کچھ جنوب سے رکھائی دیے۔ دریافت

کرنے پر کہنے لگے کہ میں اس خیال سے پریشان ہوں کہ تمہاری مہمان داری کون کرے گا؟ ہم نے کہا آپ کے فرزند مرزا غلام قادر۔ انہوں نے کہا اسے میں نے کسی ضروری کام کے لیے کہیں باہر بھیجا ہے۔ ہم نے کہا ایچا غلام احمد تو ہے۔ انہوں نے سر کو ہلا کر جواب دیا کہ جب وہ میرے پاس تک کو نہیں آتا تو آپ لوگوں کی کیا پروا کرے گا۔ اس نے تو کج کلی توانگری اختیار کر رکھی ہے۔ مولوی باقر علی کا بیان ہے کہ کچھ دنوں کے بعد ڈپٹی کلکٹر علی کے مکان پر مرزا غلام مرتضیٰ سے میری ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں میں نے غلام احمد کا حال دریافت کیا اور میں نے کہا کہ اب تو شاید اس کا پاگل پن ٹھیک ہو گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ پاگل پن کیسا؟ اس کی تو قیامت تک اصلاح نہیں ہوگی۔ (مکمل الفرقان' مولفہ مرزا احمد علی امرتسری' ص ۱۳۰۔ ۱۳۱)۔ اس بیان کی تائید خود مرزا غلام احمد صاحب کی ایک تحریر سے بھی ہوتی ہے جس سے یہ امر بالکل تحقیق کو پہنچتا ہے کہ مرزا غلام مرتضیٰ اپنے بیٹے مرزا غلام احمد سے ناخوش تھے اور غلام احمد صاحب اپنے والد بزرگوار کے بے لحاظ اور لاپروا تھے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے والد کی وفات کے کچھ عرصہ بعد لکھا تھا "جب ہی میرا دل الہام الٰہی سے بھر گیا۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے باپ کے مقابلہ کا خدا نے مجھ کو دیا۔ میں نے ان باتوں کو وفات دی اور دنیا میں کبھی ذکر نہ کیا اور اس نے مجھے کہا کہ ایسا ہی کرنا چاہیے تا کہ تجھ سے حسد کرنے والے ہلاک نہ ہوں"۔ (رسالہ روح' جلد ۲' صفحہ ۔۔۔۔ مکمل الفرقان' ص ۱۳۱)

باب ۱۳

مرزا غلام احمد "عارف کامل" اور "باخدا" صوفی کی حیثیت سے

لاہور اور قادیان کی جماعت مرکزیہ کے بعد رئیس قادیان کو جو شہرت و نمود حاصل ہوئی' وہ ہر قسم کے دام تزویر کے کامیاب بنانے کی ضامن تھی۔ اس وقت مستقبل کے

حقیقی مرزا غلام احمد کے سامنے دو تجویزیں تھیں۔ کتابوں کی تصنیف و تالیف سے مالی منفعت یا مالی کامل اور ماموریت من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اپنی بزرگی کا رنگ جمانا اور علام غیبی کا حاصل کرنا۔ پہلی تجویز کے متعلق مرزا صاحب نے کتاب "براہین احمدیہ" نام کی ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس کا مسودہ مالی انعام میں طبع کرنا شروع کر دیا تھا جبکہ مرزا صاحب شروع شروع میں امور تخریب کار پذیرانِ مسجد میں اعانت گزین تھے۔ یہ کام مرزا صاحب کی سی قابلیت کے آدمی کے لیے کئی سال کی محنت و جانفشانی کا نتیجہ تھا اور یہ مرزا کام یعنی تقدس و کبریائی کا ذہنی و روحی ان کی نظر میں مسلمہ طلب اور صبر آزما نہ تھا۔ اس لیے ارادہ کیا کہ پہلے اسی کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ اس ارادہ کے بموجب لوگوں سے متمتع ہو کر شہرت حاصل ہو گئی۔ جس طرح کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے بغیر کوئی علم و ہنر حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح کسی پیر طریقت کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور استفادہ باطنی کیے بغیر کوئی طریقت کی بھی راہ نہیں پا سکتا۔ لیکن مرزا صاحب اس خیال و عقیدہ کے کوئی نہیں تھے۔ ان کے دل میں یہ بات ہوں خیال سرایت کر گیا تھا کہ بیعت و استفادہ بیکار ہے۔ انسان کو خود ہی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۳۵) اور یہ لوگ جو ہادی و راہ نما کی ضرورت محسوس کرتے ہیں' ہم ان کو اپنے (نجات و فلاح کے) راستے ضرور دکھائیں گے) مگر ظاہر ہے کہ قدوس آپ حضرت مرزا صاحب کی قسم بار ہا اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے ہی سے قاصر تھے۔ اس آیت کا یہ مرکز یہ مطلب نہیں ہے کہ استاد یا رہبر کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا صرف یہ مفہوم ہے کہ کوشش اور جدوجہد ہی فلاح و نجات کی کلید ہے۔ غرض اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر دیگر نادانوں نے طرز طریقت کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور پیر کامل کی برکت فیض سے محروم رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی ہدایت اخروی سے متعلق میں سرشار رہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ مرزا صاحب نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے ریاضت گزینی کا طریقہ اختیار کیا۔ دن بھر خانقاہ میں الصمد گنگ رہتے لگے اور وظائف و عملیات کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ازخود خلک عملیات و وظائف شروع کر دیے۔ ایک اہل قلم صوفی مسلک نے بیعت کے اصل حالات سے روایت کی کہ مرزا صاحب اپنی والدہ کتابوں سے باہر رات کے وقت خلق میں جا

بیٹھنے اور کالے علم (جادو) کے تعلیمات بھی پڑھا کرتے۔ اس سلسلہ میں کاظمائی صاحب نے خوابوں سے بھی مستقبل کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس لحاظ میں یہ استعارہ فلیوڈ (Freud) ہوتی ہے۔ مرزا صاحب اس صلاحیت سے عاری تھے' اس لیے یہ بے چارے شب و روز خواب ہاسل کی روشنی گریبانی میں مصروف رہتے۔ انہیں خواب ناموں سے اتنا شغف تھا کہ رات کو سوتے وقت بھی خواب نامہ تکیے کے نیچے رکھ کر سوتے اور دن کو بیدار ہونے کے ساتھ ہی ان کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ رات کو جو جو اشکال اوہام دیکھے ہوتے' ان کی تعبیریں خواب نامہ میں تلاش کرنے لگتے۔ یہاں تک کہ دن کا معظم حصہ اسی بے ہودہ مشغل کی نذر ہو جاتا۔ ان ایام میں مرزا صاحب کا یہ بھی معمول تھا کہ اپنے خواب لوگوں کو سنایا کرتے اور دوسروں کے خواب سن کر تعبیر نامہ میں اس کی تعبیر تلاش کرتے اور لوگوں کو بتاتے۔ (ضمیمہ مکتوب برہمن' ص ۳۳۶) مرزا صاحب کو نجی امور کے انکشاف کا یہاں تک خبط چڑھا تھا کہ حسب بیان میاں بشیر احمد 'ایک دن جبکہ کوئی اہم امر مرزا صاحب کے پیش نظر ہوتا تھا گھر کی عورتوں اور بچوں اور خادماؤں تک سے پوچھا کرتے تھے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو بڑے غور اور توجہ سے سنتے تھے۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۲ ص ۳۲)

باب ۱۵

مرزا کا عارضہ ثلور دوسری بیماریاں

یہ امر مسلم ہے کہ انبیاء کرام کے روحانی و جسمانی قویٰ بالکل بے عیب اور غیر انبیاء کے قویٰ سے ممتاز و برتر ہوتے تھے۔ عارضی طور پر بعض معمولی رنجوریاں مثلاً بخار' درد سر وغیرہ ان کے بھی ساتھ حال ہوتی تھیں لیکن یہ کبھی نہ ہوا کہ کسی نبی کی کوئی بیماری سالہا سال کی طرح ہمیشہ ساتھ ہی لگی رہی ہو اور کاظمائی صاحب کی بیماریوں کی طرح اس نے قبر تک پیچھا کر ہی چھوڑا ہو۔ کاظمائی صاحب وہی ثابت بیماریوں کا مجسمہ اور رنجوریوں کا قرین و مدون تھے۔ ان کی اکثر ذات میں بیماریاں اس کثرت و شیوع کے ساتھ جمع ہو گئی تھیں کہ

بندر ہیں تو ہیں میں بھی "ملیریا" کہیں نہ پائی جائیں گی۔ ان کی بے شمار بیماریوں میں سب سے زیادہ قابل ذکر ان کا مرض ملاق ہے جو ہوا کی ایک قسم ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے کہ جس کا کسی نہ کسی نہ کسی جگہ میں پایا جانا ناممکنات میں سے ہے۔ یہی وہ مرض ہے جس کے بارے حضرت "مکا موحود" صاحب اپنے قوانے ذہن کو پہنچے تھے۔ معلوم ہو کہ ملاق مالیریا کی ایک قسم ہے اور مالیریا ایک عالمی مرض ہے جو انسان کو خود ہو قدرتی طور پر کچھ سے باز رکھتا ہے۔ اس میں ضعیا ایسی باتیں سوجھتی ہیں جو سراسر عقل کے خلاف ہوتی ہیں۔ (ہمدرد الطب' ص ۳۳) "خلاصۃ الحکمت" حکیم نور الدین لکھتے ہیں۔ مالیریا بخار (ہوا کی) کا ایک شعبہ ہے۔ اور ملاق مالیریا کی ایک شاخ ہے۔ (فیاض نور الدین' حصہ اول' ص ۱۹) ملاق کے متعلق طب کی مشہور کتاب شرح اسباب میں لکھا ہے۔ نوع من الملیریا یسمی الملاق۔ (شرح اسباب' جلد اول' ص ۳۰۰) ملاق مالیریا کی ایک قسم ہے جسے ملاقی مالیریا کہتے ہیں۔ ملاق کی بابت عوام کا تصور عام ہے چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں "اگر یہ بات تو جھوٹ ہے غور یا کسی ملاقی عورت کا وہم"۔ (کتاب البیع' ص ۳۳۹) ڈاکٹر شاہ نواز خان ملاقی اسفندیار خان نے تاثرات کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں لکھا کہ مرض ملاق میں مریض کو اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ (ریویو آف ریلیجنز' اگست ۱۹۳۶ء) اسی طرح ملاق کی تمام باتیں بے ربط اور بے سروپا ہوتی ہیں' چنانچہ شمل احمد حسین ملاقی نے آبادی نے اخبار بدر قادیان میں لکھا کہ قاضی عبدالحسین سلیمی نے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ میں ملیریا وقت ہوں۔ جب میں نے اس شخص کا یہ مضمون دیکھا تو ہنس کر کہا کہ ایسے ملاقی اور کمبخت ملیریا کی بے ربط اور بے سروپا باتوں کا کیا نوٹس لیا جائے۔ (اخبار بدر قادیان' ۲۰ دسمبر ۱۹۱۲ء' ص ۲) ملاقی کئی طرح طرح کے ایسے خیالات کرتا ہے جس کی واقعات تردید کر دیتے ہیں۔ (ریویو آف ریلیجنز' مئی ۱۹۳۷ء' ص ۱۳۳) کبھی قبض' کبھی دست آتے ہیں۔ (فیاض نور الدین' حصہ اول' ص ۱۳۳) ڈاکٹر بے ملاق کی شکایت رہتی ہے۔ جسم ایسا نہیں ہوتا جب کا گمان رہتا ہے۔ کبھی ہاتھ پاؤں جلتے ہیں' کبھی ٹھنڈے۔ مرض کے بیان کرنے میں بھی نہیں کرتا۔ ہر وقت سوچ میں رہتا ہے۔ کمر سے شانوں تک درد محسوس کرتا ہے۔ کانوں میں گوازیں آتی ہیں۔ جس بیماری کا بھی کسی سے تذکرہ ہو' جھٹ یہی کہتا ہے کہ یہ مجھ کو ہے۔ (ایضاً) مالیریا صفراوی کا

مریض غضب ناک' بدحواس' حیران و پریشان' بدخلق' نکوہی ہوتا ہے اور زیادہ بیوقوف ہوا کرتا ہے۔ (قانون حکمت' جلد ۲' ص ۱۳۳' طبع بمبئی) مرائق تبدیلی پسند ہوتا ہے۔ (شرح اسباب' جلد اول' ص ۱۰۱)

مرائق کا ذاتی علم مریض وحی و الہام کا دعویٰ کرتا ہے

بعض مرائقوں کی علامت یہ ہے کہ اگر یہ نیم حاذق اور مناسب علم کوئی ہوں تو یہ مدعی خدائی' غیب دانی' پیغمبری یا اس قسم کا کوئی اور منصب آمیز دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ حکیم اعظم خان مصنف "اکسیر اعظم" میں لکھتے ہیں۔ "اگر مریض دماغی سے ہوں یا فاسد دعوائے پیغمبری و کرامات کند و نفس را از خدائی گوید و خلق را دعوت کند"۔ (اکسیر اعظم' مطبوعہ نولکشور' جلد اول' ص ۱۰۸) "اگر مرائق کا مریض ذی علم کوئی ہو تو پیغمبری اور کرامات کا دعویٰ کرتا ہے اور خدائی باتیں کہتا ہے اور لوگوں کو اپنی پیغمبری کی دعوت دیتا ہے"۔ مریض اپنے آپ کو غیب دان سمجھتا ہے۔ بسا اوقات آنکھ ہونے والے واقعات کی قبل از وقت اطلاع دیتا ہے۔ بعض مریض اپنے تئیں فرشتہ اور بعض خدا سمجھنے لگتے ہیں۔ (شرح اسباب' جلد اول' ص ۱۰۱) بعض علماء اس مرض میں مبتلا ہو کر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور اپنے بعض اخلاق و عادات کو معجزات قرار دیتے ہیں۔ (قانون حکمت' جلد ۲' ص ۱۳۳' طبع بمبئی)۔ "مالیخولیا کا کوئی مریض خیال کرتا ہے کہ میں پارسا ہوں' کوئی خیال کرتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں' کوئی سمجھتا ہے کہ میں خدا ہوں"۔ (عباس اور قانون' ص ۱۳۲) اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت کتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اس فصل میں مرائقوں کی جس قدر علامتیں بیان کی گئی ہیں' وہ سب کی سب قادیانی مناصب میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

فصل-۱ مسیح قادیاں کو اپنے مرائق کا اعتراف

مرزا کی دوسرے بے شمار امراض کے علاوہ مرض مرائق میں بھی مبتلا تھے جو ہذیان اور دیوانگی کی ایک قسم ہے۔ یہ سچ ہے کہ تمام علماء کرام کو بھی علمائے دین اور اولیاء عظام دیوانگی کی

طرف منسوب کرتے رہے۔ لیکن نہ تو ان سے کبھی اس قسم کی کوئی حرکت سرزد ہوئی نہ (معاذ اللہ) استقبال حوائج پر مامور کرنے اور نہ خدا کے کسی فرشتہ نے کبھی اس الزام کو صحیح تسلیم کیا۔ یہاں تک کہ خود راقم نے کتب و صحف سماوی میں بیشمار ان افترائوں کی ورق ورق کی۔ اس کے برخلاف مرزا غلام احمد قادیانی جیسے کو خدا نے مرزائی ہونے کا اعزاز عطا فرمایا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

(۱) "جب میری پیدائش کی نسبت نبی آنحضرت صلعم نے پیش گوئی کی تھی تو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان سے جب اترے گا تو وہ دو چادریں اس نے پہنی ہوں گی۔ سو اس طرح پر کہ وہ چادریں ہیں' ایک تو کے دختر کی اور ایک لڑکے دختر کی' یعنی مرزائی اور کنڑ بیل"۔

(رسالہ تشحیذ الاذہان' جون ۱۹۰۶ء' ص ۱)

(۲) "عجیب یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ بیماریوں میں مبتلا ہے ۱۹۱ رہا ہوں' تاہم کچ کل کی معمولیہ کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے وہی بیوی رات کو پیشاب اس کام کو کرتا رہتا ہوں' حالانکہ ذیابیطس جانگداز سے مرزا کی بیماری ترقی کرتی ہے"۔

(کتاب مظہر الحق یعنی مجموعہ اقوال مرزا صاحب' مرتبہ مظہر علی مرزائی' ص ۳۲۸)

اور لکھا کہ "مجھے مرزائی کی بیماری ہے"۔

(ریویو آف ریلیجنز' بابت اپریل ۱۹۰۵ء' ص ۱۵۵)۔

اسی طرح ایک مرزائی مصنف نے لکھا کہ مرزا کا مرض عنعنیت (مرزا) صاحب میں موروثی نہ تھا بلکہ یہ قادیانی افترات کے باعث پیدا ہوا اور اس کا باعث خود باطنی حالت' نگرانت' غم اور سوء ہضم تھا جس کا نتیجہ مالیخولیا تھا اور جس کا اظہار مرزائی اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً بدہضمی سر کے درد ہونا تھا۔ (البدر' ۱۹۰۲ء' ص ۱۱۰)۔ حضرت (مرزا) صاحب نے اپنی مجلس مکالموں میں کہا ہے کہ مجھ کو مرزائی ہے۔ (ایضاً)۔

مرزائیوں کے عذر بائے لنگ

جب مرزائیوں سے کہا جاتا ہے کہ تم تو مرزا بی کے بیوی ہو تو گھبرا کر کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے یہ غیری میں اپنے آپ کو مرزق لکھ دیا ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مرزق دیوانگی کی ایک قسم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب باشاہ اللہ طبیب بھی تھے اور مرزق اور مالیخولیا کو اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے' چنانچہ خود مرزا صاحب نے کتاب البریہ میں لکھا کہ میں نے فن طبابت کی چند کتابیں اپنے والد سے' جو ایک ماہر طبیب تھے' پڑھیں۔ (کتاب البریہ' حاشیہ ص ۱۵۵) اور لکھتے ہیں کہ میں نے طب کی کتابیں پڑھی ہیں اور ان کتابوں کو بغور دیکھا بھالا ہوا ہے۔ (ایضاً) پس سوچو' مولانا مرزا محمود صاحب' جس نے اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب طبیب بھی تھے اور ماہر ہے کہ وہ محض طبیب ہو یا کم از کم نیم طبیب ہو وہ اتنا پاگل نہیں ہو سکتا کہ مرزق کا مطلب سمجھنے سے بھی قاصر ہو۔ بعض مرزائی کہتے ہیں کہ مرزق سے کوئی ہو سرا مرض مثلاً دمہ سرسام دردِ قولنج بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس کے جواب میں حکیم عبدالغنی صاحب ساکن محلہ کلاں ضلع گورداسپور کی طرف سے مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۳۴ء کے بدر جلد ۳۰ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۶ پر ایک خط شائع ہوا تھا کہ مرزق کا لفظ مطلق طور پر صرف مالیخولیا مرزق کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے اور اگر اس کے ساتھ کسی طبیب یا ڈاکٹر یا سیانے کو دکھایا ہو تو اس سے مشاورت کر لے مگر کسی کو مشاورت کی ضرورت نہ ہوگی۔

فصل - ۲ مرزا غلام احمد مرزق کا کس طرح شکار ہوئے؟

مالیخولیا مرزق میں مبتلا ہونے کی وجوہات تھیں۔ ایک تو مسلسل کئی مہینے کے مختلف بیماریوں نے انہیں نے نواحل میں اس خیال سے رکھے ہوں گے کہ شاید ان سے دوبارہ حاملہ حمل ہوا ہوگا۔ دوسری کثرتِ مطالعہ۔ مرزا بی نے دماغ کی خود تشریح کی ہے' چنانچہ "کتاب البریہ" میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی غذا کو کم کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا۔ اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ قریباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور بعد اس قدر تکلف بڑھا کے خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے

محفوظ رکھا۔ (کتاب البریہ' ص ۱۸۴) اور لکھا کہ میں نے کئی بابل و دلیل ایسے بھی دیکھے ہیں کہ جنہوں نے شروع میں تحقیق اختیار کیں اور آخر بیوست دماغ سے وہ بحثوں سے اور نتیجہ عمران کی زندگی میں گزری یا وہ سرے امراض سل اور دق و دیگر میں مبتلا ہو گئے۔ آج کل کے اکثر جوان فقیر سے ہدایات سیکھتے ہیں' ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ میں ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ (کتاب البریہ' ص ۱۸۴) اور فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے فرشتوں کو انسان کی شکل پر دیکھا۔ یاد نہیں کہ وہ تھے یا تین۔ (ان میں سے ایک تو غالباً مرزا صاحب کا رفیق اعلیٰ تھا کیونکہ وہی ہوگا اور وہ سرے اس کے بعض بند ہوں گے۔ راقم) یہ انہیں میں باتیں کرتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ کیوں اس قدر مخلوق اکٹھا ہے۔ اور یہ ہے کہ بیمار نہ ہو جاوے۔ میں نے سمجھا کہ یہ ہوا کے روزے رکھتے ہیں ان کی طرف اشارہ ہے۔ (البشریٰ' جلد اول' حصہ دوم' ص ۱۴۰)۔ ان تحریروں میں بھائی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ تخلیل قذا اور فکر کاہیدگی سے دماغ میں یبوست پیدا ہوتی ہے اور جنون و دیوانگی آ گھیرتی ہے۔ چنانچہ بہت سے بابل و بے مرشد و دلیل جنون کا شکار ہو گئے اور ان کی عمر دیوانگی یا سل و دق و دیگر امراض میں گزری۔ لیکن بدقسمتی دیکھئے کہ اپنے مخلص احمدی صاحب اولاد سے یہی کہتے رہے کہ وہ تخلیل قذا کے باعث ہوا و ہوس سے محفوظ ہیں' حالانکہ ان کا مرتبہ بلند اسی خیال باطل کا نتیجہ تھا۔ کسی مرشد کامل کے حکم کے بغیر تخلیل قذا سے پیدا ہو گیا تھا۔

مرتب کی تائید کا دوسرا سبب کلمات طیبات مسمّاۃ سراج منیر۔ مرتبہ مرزا نے لکھا ہے کہ مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ نے کتابوں کے دیکھنے کا اس قدر شوق اور شغل دیا ہوا تھا کہ مطالعہ کے وقت کھانا پینا بھی نہیں ہوتے تھے۔ آپ کی عادت شریف سے ایسی تھی کہ اکثر مطالعہ شغل کرتے تھے اور ایسے تو یہ کہ کثرت سے مطلع تھے کہ جس زمین پر مطلع تھے' جب وہ کہ پانی زمین سے متمیز اور بہت نیچی ہو جاتی تھی۔ (سوانح عمری مرزا صاحب' مطبوعہ براہین احمدیہ' ص ۳۷) اور مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہیں تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ خلاف ہوشیاری ہے اور کہتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے۔ (کتاب البریہ' ص ۱۸۴) لیکن صحت میں فرق آ گئے

ہے۔

مرزا صاحب کے بیٹوں نے ان کے مرض کے علل اور مفرد اسباب بھی بتائے ہیں' خط ایک نے لکھا کہ حضرت (مرزا) صاحب کی تمام تالیف خط سودا میں سر' دد سر' کی خواب' کھنچ ملی' بدہضمی' اسہال' کثرت پیشاب اور مرض دمہ کا سبب ایک ہی بادہ تھا اور وہ مسہل کثوری تھی۔ (رسالہ ریویو آف ریلیجنز' قادیان' ص ۳۱' سن ۱۹۱۲ء) دوسرا لکھتا ہے کہ مرض سرفہ حضرت (مرزا) صاحب کو دمہ میں نہیں بلکہ مرزائی علامات کے دبانے سے تھے۔ اول کثرت دعائی امت' تکفیرات' قوم کا ظلم اور اس کی اصلاح کی فکر۔ دوسرا غذا کی بے قاعدگی کی وجہ سے سوء ہضم اور اسہال کی شکایت۔ (ایضاً' بدر جلد ۱ نمبر ۱۳' ص ۹)

فصل - ۳ مرزائی ہونے کے عملی ثبوت

مگر صاحب مرزائی تھے اور ان کا مرزائی ہونا ان کے تمام حرکات و سکنات' عادات و اطوار سے طوع ہوتا تھا۔ چند مثالیں نمونے کی پیش کی جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ مرزا صاحب گورداسپور گئے اور مقدمہ کے دوران میں اپنی چھڑی میاں محمد علی (موجودہ امیر جماعت احمدیہ لاہور) کو رکھنے کے لیے دی۔ جب مرزا صاحب کچہری سے رخصت ہونے لگے تو میاں محمد علی صاحب نے یہ چھڑی الٰہی صاحب کو دی تھی۔ انہوں نے چھڑی ہاتھ میں لے کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا کہ یہ کس کی چھڑی ہے؟ عرض کیا گیا' حضور ہی کی ہے۔ حضور ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا' اچھا میں تو سمجھا تھا کہ میری نہیں ہے حالانکہ یہ چھڑی مدت سے ان کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۲۷)

جوتی پاؤں میں' تلاش گلیوں میں

یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان نے کتاب "حیات النبی" میں لکھا کہ سردی کا موسم تھا۔ مرزا صاحب نے چمڑے کے موزے پہن رکھے تھے۔ رات کو سوتے

لگے تو پانی سے بھرا نکلا۔ ایک بھرا تو نکل گیا اور وہ سرا پانی ہی میں رہا۔ اس بھرے سیت کی رات بھر سوچتے رہے۔ اٹھے تو بھرے کی تلاش ہوئی۔ ادھر ادھر بتیرا دیکھا' پتہ نہیں چلا ایک پانی سمجھ رہے اور یہ خیال نہیں آتا کہ دوسرا پانی میں رہ گیا ہوگا۔ خادم نے کہا کہ شاید نکالنے گیا ہوگا اور اس خیال سے یہ ادھر ادھر دیکھنے بھالنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد جو خلق سے مسیح صاحب کا ہاتھ اپنے پانی سے بھرا تو سنانے لگے' ارے' یہ تو پانی ہی میں ہے اور ہم یہ خیال کرتے رہے کہ صرف جراب ہے۔ خیر خادم کو کوا دی کہ وہ نکال گیا' پانی ہی میں رہ گیا تھا۔ (حیات الٰہی' جلد اول' ص ۱۰۰) ایک مرتبہ مرزا صاحب اور سید محمد علی شاہ حاشی روزگار کے خیال سے کاموں سے پہلے کھانا کے قریب ایک والے سے گزرتے ہوئے مرزا صاحب کی جوتی کا ایک پانی نکل گیا مگر اس وقت تک انہیں معلوم نہ ہوا' جب تک وہاں سے بہت دور جا کر یاد نہیں کرایا گیا۔ (حیات الٰہی' جلد اول' ص ۱۰۰) مولوی کرم علی مصنف یہ روایت عبدالکریم سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ "مجھے یاد ہے کہ حضرت گھر رہے تھے۔ ایک خادم کھانا لایا اور حضرت کے سامنے رکھ دیا اور عرض کیا کھانا حاضر ہے۔ فرمایا خوب کیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی اور میں کمزوری محسوس کرتا تھا۔ وہ چلی گئی اور مرزا صاحب پھر لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ لکھتے ہی گئے اور بڑی فراغت سے سامنے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ برتنوں کو بھی خوب صاف کیا اور بڑے سکون اور وقار سے اٹھ گئے۔ بہت دیر کے بعد خبر کی لائی ہوئی تو مرزا صاحب کو کھانا یاد آیا۔ کمزوری۔ خادمہ بوڑھی تھی۔ عرض کیا میں تو بہت دیر ہوئی جب کھانا آپ کے آگے رکھ کر گئی تھی"۔ (سیرۃ مسیح موعود' ص ۳۰) ایک مرتبہ ایک صاحب عبدالرحمٰن نے ناکسار راقم الحروف سے بیان کیا تھا کہ ایک بار جب حکم صاحب کے مرتد ہونے کا بخوبی علم تھا' قادیان صاحب کی گاڑی میں گیا تھا۔ مہمانوں کی طرح ہاتھ پاؤں جوم کر ایک روپیہ نذر کیا۔ حکم صاحب نے روپیہ لے کر جیب (اخراجی) میں ڈال لیا۔ اس وقت اور لوگ بھی نذرانے پیش کر رہے تھے اور الٰہی صاحب حسب معمول حکم رقمیں جیب میں ڈالتے جاتے تھے۔ جب اس شخص کو تعین ہو گیا کہ اس کا پیش کردہ روپیہ میں مل چکا ہوگا تو کہنے لگا حضور! میں نے جو کل نذر کی ہے اس میں سے پانچ روپے حضور کا خرچہ ہے' باقی دس روپے مجھے واپس فرمائیے۔ حکم صاحب نے دس روپے کا نوٹ اس کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد جب الہامی صاحب اپنے مہمانوں کو رخصت کرنے گئے اور محمد امیر کی والدہ کوٹ کی جیبوں سے روپیہ اور نوٹ نکالنے لگیں تو الہامی صاحب نے فرمایا کہ روپوں میں ایک گنی بھی ہے' اسے احتیاط سے الگ کر لینا۔ بیوی نے روپے نکال کر بہت دیکھ بھال کی مگر گنی دکھائی نہ دی۔ آخر کہنے لگیں کہ گنی تو کوئی نہیں' البتہ ایک دھیلہ ضرور موجود ہے۔ تب الہامی صاحب کو احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ' جس نے دس روپے کا نوٹ لیا تھا' بچا دے گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ تو ہی ہو سکتا ہے کہ اب وہ کہاں مل سکتا تھا۔"

چودہ ذبح کرنے کی بجائے اپنی انگلی کاٹ ڈالی

مرزا بشیر احمد نے ان واقعات سے بھی بڑھ کر ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ گھر میں مرغی کا ایک بچہ ذبح کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس وقت گھر میں کوئی اور قوی اس کام کے انجام دینے والا نہیں تھا اس لئے حضرت (مرزا) صاحب اس بچہ کو لے کر خود ہی ذبح کرنے لگے مگر جونہی بچہ کی گردن پر چھری چلانے کے لئے اپنی طرف سے اپنی ہی انگلی کاٹ ڈالی جس سے بہت خون بہ گیا اور مرزا صاحب تب تک کٹے ہوئے بچہ کو پھڑپھڑا کر الگ کر چکے تھے۔ پھر وہ بچہ کسی اور نے ذبح کیا۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۲ ص ۱۴۱) مسٹر عبداللہ نامی مرزائی سابق پروفیسر سندر کلرکی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مرزا صاحب کو پہلی میں درد محسوس ہوا۔ اپنے خادم حامد علی سے فرمایا' حامد علی چند روز سے میری پہلی میں درد ہے' کیا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی چیز نکلتی ہے۔ اس نے جسم پر ہاتھ پھیرا تو ایک بڑی سی گلٹی (غدہ) کی شکل میں تھی۔ حامد علی نے گلٹی نکال کر کہا یہ گلٹی آپ کو نکلتی تھی۔ شکر کریں فرمایا خیر! چند روز ہوئے محمد نے اسے میری جیب میں ڈالا تھا اور کہا تھا اسے ضائع نہیں' میں اس سے کھیلوں گا۔ (سوانح حضرت مسیح موعود' ص ۱۴۱) مرزا صاحب کو شیرینی سے بہت پیار تھا۔ اس لئے میں حلوائی کے ہاتھ کی بنی ہوئی شیرینی اور بالوشاہی اپنی جیب میں رکھ لیتے تھے۔ (حیات مرزا صاحب از معراج الدین عمر مرزائی' مطبوعہ راہون امرتسر' ص ۱۴۱) ایک مرتبہ بالوشاہی کی کرچی سے کر پڑے تو داہنے ہاتھ کی بڑی ٹوٹ گئی اور داہنا ہاتھ مدت العمر کمزور رہا۔ اس سے قلم تو اٹھا سکتے تھے لیکن پیالہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ لہٰذا میں بھی داہنا ہاتھ بائیں کے

سارے سنبھالا پڑا تھا۔ (سیرۃ النبی' جلد اول' ص ۱۸۸) ایک دفعہ مرزا صاحب کے لحاف میں مرا ہوا چوہا پایا گیا۔ دوسری دفعہ لحاف کے اوپر پڑا ہوا چوہا دیکھا گیا۔ ایک دفعہ دامن کو آگ لگ گئی تو دوسرے نے آ کر بجھائی۔ (سیرۃ النبی' ص ۱۸۹) ایک مرتبہ کوئی مرد مرزا صاحب کے لیے کرتہ لے کر گیا۔ پہن کر دیکھا تو سیدھے ہاتھ کی آستین نہ کر سکتے تھے۔ بسا اوقات الٹی پہن لیتے تھے اور پھر تکلیف اٹھاتے تھے۔ مگر جب الٹا پاجامہ چڑھ جاتا تو پریشان ہو کر یوں کل الخلق (بنانے کرنے والا خدا) کی (نعوذ باللہ) کوئی چیز اچھی نہیں (اسی واسطے بیماریاں کتابیں اگرچہ بیشمار کی تخلیق میں بھی تھیں۔ راقم) یوں صاحب نے الٹے سیدھے پاجامہ کی تخلیق کے لیے لکھا تھا۔ مگر بعد میں اس کے الٹا سیدھا پہن لیتے تھے۔ (سیرۃ النبی' جلد اول' ص ۱۸۹) سبحان اللہ (نعوذ باللہ) کیا ہو گا۔

مدت العمر گھڑی دیکھنی بھی نہ آئی

بھولے بھالے بچے گھڑی دیکھ کر خود وقت بتا دیتے ہیں مگر مرزا صاحب کو بڑے ہو کر بھی اس کی تمیز نہ ہوئی۔ چنانچہ میاں بشیر احمد ایم۔ اے ابن مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مرزا صاحب کو کسی نے ایک جیبی گھڑی تحفہ دی۔ حضرت (مرزا) صاحب اس کو رومال میں باندھ کر جیب میں رکھتے تھے اور جب وقت دیکھنا ہوتا تھا تو گھڑی نکال کر ہر ایک بار سے پہلے رومال کھول کر دیکھ لیتے تھے اور منہ سے بھی گنتی بولتے جاتے تھے۔ غرض گھڑی دیکھ کر وقت معلوم نہ کر سکتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۲۷ و ۱۲۸) ایک دفعہ شیخ رحمت اللہ نے کہا حضور گھڑی تو اچھی چلتی ہے؟ مرزا صاحب نے ایک رومال کو فرش پر رکھ کر اور ایک رومال کا گچھا کھول کر اس میں سے گھڑی نکالی۔ معلوم ہوا کہ بند ہے۔ چابی دی گئی۔ وقت درست کیا گیا۔ میاں محمد علی صاحب نے کہا سے کہا اب جس دن پھر کہو گے چابی دے دیں۔ مرزا صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ ایک گھڑی ایسی ہے جسے سات دن کے بعد چابی دی جاتی ہے۔ (اظہار الحق کاروان' لاہور' ص ۱۲۲) اسی طرح مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں کہ بعض دفعہ جب جواب پہنچتے تو اس کی ایڑی نیچے کی طرف نہیں بلکہ اوپر کی طرف ہو جاتی تھی اور ویسا ایک کاج کا نشان دوسرے کاج میں لگا ہوتا تھا۔ (سیرۃ النبی' جلد ۲' ص ۱۸۸) بلکہ صدری کے بٹن کوٹ کے کھاجوں میں لگے ہوتے تھے۔ (ایضاً)

ص ۱۳۷)۔ الہٰی صاحب کہا کرتے تھے کہ ہمیں تو کھانا کھا کر یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کیا پکا تھا اور ہم نے کیا کھایا۔ (ایضاً ص ۱۳۱)۔ ہمیں تو اس وقت پتہ لگتا ہے کہ کیا کھا رہے ہیں کہ جب کھانے کھاتے کھاتے کوئی کنکر وغیرہ کا ریزہ دانت کے نیچے آ جاتا ہے۔ (ایضاً ص ۵۸)۔ یہ واقعات ایسا ہوتا تھا کہ سیر کو جاتے ہوئے کسی خادم کا ذکر حاضر کے حیلہ میں کرتے تھے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ پھر کسی کے جھٹلانے پر پتہ چلتا تھا کہ وہ شخص تو ساتھ ہی جا رہا ہے۔ (ایضاً ص ۱۵۵)۔ سامنے اور پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی کا نام لے کر کہتے کہ فلاں کو بلاؤ۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد کہتے ہیں کہ کسی دوست کی موجودگی کی ضرورت محسوس ہوئی تو فرمایا' فلاں صاحب کو بلاؤ۔ وہ صاحب پاس ہی بیٹھے ہوئے بول پڑے کہ حضور میں تو یہاں ہوں۔ فرمانے لگے اچھا آپ موجود ہیں۔ یہ بھی طرب ہوا۔ (پیام صبح' اپریل ۱۹۶۳ء)۔ یہ واقعات ایسا ہوا کہ ایک شخص مٹکا بھیجو کو جا رہا ہے' اس سے دریافت کرتے کہ بھیجو یہاں سے کتنی دور ہے۔ راستہ میں گاڑی کہاں کہاں تبدیل ہو گی؟ تمہیں اس سے سروکار یا تعریف سے مطلب اگر کوئی شخص بار بھیجو جانے والا ہوتا تھا تو اس شخص سے بھی یہی باتیں دریافت کرتے جو پہلے سے دریافت کر چکے تھے۔ (افضل اقبال' سر راہے ۱۹۶۳ء' ص ۲۱) ایک بار کو خط کھا تو السلام علیکم لکھ دیا۔ کاٹ کر پھر لکھ دیا۔ اور تیسری دفعہ پھر لکھ دیا۔ آخر کاٹ کر پہلا ہی لکھ۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۲۲)۔ الہٰی صاحب کو زندہ جان سے زیادہ عزیز تھا اور چونکہ ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں گاڑی کا دوسال عرصہ حراق کی خرد نہ ہو جائے' اس لئے احتیاطاً اپنے ساتھ لے کر دوسال کو صدری کے ساتھ سلوا لیتے تھے۔ چنانچہ یہاں تحریر ہے کہ معمولی گاڑی وغیرہ عمل کے دوسال میں ہر جیب ساتھ کا ہوتا تھا بلکہ لیا کرتے تھے اور دوسال کا بھی مرا مراد اسکٹ کے ساتھ سلوا لیتے یا کوچ میں بڑھوا لیتے تھے۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۲۲)۔

حضرات اب آپ غور فرمائیں کہ جس شخص کی مالی حالت اس درجہ تنگی گزری ہو' کیا ایسا آدمی عقل بھی صحیح الدماغ انسانوں میں رہنے کے قابل ہے' چہ جائیکہ وہ کسی انسانی عمل کا بانی و رہبر بن سکے؟ میں تعجب ہے ان لوگوں کی پست خیالی اور ہلکے لائحہ پر جنہوں نے ایک ہلکے الدماغ اور سطحی الحواس شخص کو اپنا رہبر و امام بنایا۔ اس کے

علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جو شخص ایسا تخیل فراواں ہو' جیسا کہ کلہانی صاحب تھے' وہ اپنا دعویٰ الہام اور القائے شیطانی میں کس طرح تمیز کر سکتا ہے؟ جب شیطان اچھے اچھے لوگوں کو راہ حق سے پھیر لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے سامنے کلہانی صاحب جیسے ہلکے اعصاب کی بساط ہی حیثیت تھی جو چڑیا بلکہ تری کی بلی کے سامنے ہوتی ہے۔

فصل-۴ لال و عیال کو مرتق کا صلیہ

مثل مشہور ہے کہ قرآن کو دیکھ کر قرآن رنگ پکڑتا ہے یہ مثل صحیح کلہانی کی بیوی اور بیٹے پر عجب صادق آتی ہے۔ بیوی نے دیکھا کہ میرا صاحب ظہور مرتق ہے۔ اور عیب کا اتمام یہ ہے کہ میں بھی اس کا رنگ اختیار کروں تو دانائی گھر اجڑ صاحب بھی مرتق بن گئیں۔ چنانچہ ایک مقدمہ کے دوران میں جو الہ آباد کے خلاف ورزی گورنمنٹ میں چل رہا تھا خود جناب "کیا موجود" صاحب نے بیان دیا کہ میری بیوی کو مرتق کی بیماری ہے۔ کبھی کبھی دورے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ طبی اصول کے مطابق اس کے لیے چال قوی مفید ہے۔ (منشور الٰہی' ص ۲۲۲ بحوالہ اظہار الحکم کلہانی' مرقومہ اگست ۱۹۰۰ء) مرزا محمود اور صاحب موصوف "خلیفہ المسیح" نے دیکھا کہ والدین نے مرتق کی راہ لی تو ہم بھی قدم رکھا ہے اور خلف الرشید ہونے کی حیثیت سے بھی سعادت اسی میں ہے کہ والدین کے ہر عمل سے اپنے آئندہ مدارج کو بلند دیکھیں۔ ان سے اس سوء عمل کی درخواست کی انہوں نے کچھ حصہ بانٹ دیا لیکن پورا نہ ہوا اور اگر پوری خواہش سے کام لیا ہوتا تو ان کی طرح یہ بھی پورے مرتق ہوتے۔ لیکن یہ کہ نعمت باتمام وہی اس لیے مکمل مرتق تو نہ بن سکے البتہ نیم مرتق ہونے میں خطا نہیں۔ چنانچہ انہیں بھی کبھی کبھی مرتق کے دورے پڑتے ہیں۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں لکھا ہے کہ "حضرت خلیفۃ المسیح" جی نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مرتق کا دورہ ہوتا ہے۔ (ریویو آف ریلیجنز' جلد ۲۹' نمبر ۸' بابت اگست ۱۹۳۰ء' ص ۲)

فصل-۵ مرض بشیریا کا حملہ

ڈاکٹر کے صاحب سرائی کی طرح مرض ہسٹیریا میں بھی گرفتار تھے۔ مرگی اور سرگی کی طرح اس مرض میں بھی مریض کو اپنے جذبات اور خیالات پر قابو نہیں رہتا۔ چنانچہ ڈاکٹر شاہ نواز سرائی نے رسالہ روح تک ریسرچز میں لکھا کہ "سرگی میں عقل جاتی رہتی ہے اور مرگی اور ہسٹیریا والوں کی طرح مریض کو اپنے جذبات اور خیالات پر قابو نہیں رہتا۔ (ایضاً ص ۲۱) حالانکہ انبیائے کرام کی ذات باقی افراد میں انتخاب تو بہ بالارادہ ہوتا ہے اور ان برگزیدہ نفوس کو جذبات پر پوری طرح قدرت حاصل تھی۔ (ایضاً بابت ماہ مئی ۱۹۱۷ء ص ۲۳۰) مرزا صاحب کے مرض ہسٹیریا کے متعلق ان کے مخلص معاصرین یہاں تک اصرار کرتے ہیں۔ اے سیالکوٹی میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے حضرت والد صاحب نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو پہلی مرتبہ دورہ مرگ اور ہسٹیریا کا دورہ شیر اول کی ولادت کے چند دن بعد ہوا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے اٹھ گئے۔ اس کے بعد طبیعت خراب ہو گئی گرمی ہو گئی خفقان تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک دن نماز کے لیے باہر گئے اور جاتے ہوئے کہا گیا کہ آج کچھ طبیعت خراب ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ تھوڑی دیر کے بعد شیخ حامد علی نے دروازہ کھٹکھٹایا کہ جلدی سے پانی کی ایک بالٹی گرم کرو۔ والد صاحب نے فرمایا کہ میں سمجھ گیا کہ حضرت (مرزا) صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی ہوگی۔ چنانچہ میں نے کسی خادمہ سے کہا کہ اس سے پوچھو کہ یہاں کی طبیعت کا کیا حال ہے؟ شیخ حامد علی نے کہا کہ کچھ خراب ہو گئی ہے۔ میں پانی گرم کرا کے صحن میں چلی گئی۔ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ جب میں پاس گئی تو فرمایا کہ میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی لیکن اب افاقہ ہے۔ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کوئی کالی کالی چیز میرے سامنے سے اٹھی ہے اور آسمان تک چلی گئی ہے۔ پھر میں چیخ مار کر زمین پر گر گیا اور غشی کی سی حالت ہو گئی"۔ والد صاحب فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ کو باقاعدہ دورے جانے شروع ہو گئے۔ خاکسار نے پوچھا کہ دورہ میں کیا ہوتا تھا؟ والد صاحب نے کہا کہ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔ اور دل کے پٹھے کھچ جاتے تھے۔ غصہ آگیں کے پٹھے اور سر میں چکر ہوتا تھا اور اس وقت اپنے بدن کو سنبھال نہیں سکتے تھے۔ شروع شروع میں یہ دورے بہت سخت ہوتے تھے۔ پھر اس کے بعد کچھ تو دعاؤں کی وجہ سے کمی ہو گئی اور کچھ طبیعت عادی ہو گئی (سیرۃ

الدین' جلد اول' ص ۳۵) یہاں واقف گمنام مرزا صاحب نے اپنے شوہر کو ہسٹیریا کا مریض بھی بتایا ہے۔ لیکن یہ کہ وہ عراقی کو ہسٹیریا بھی بتاتے ہیں کہ کتب طب میں ہسٹیریا عراقی کی ایک علامت یہ لکھی ہے کہ اس میں مریض کو دو آنکھیں بھینگے سیاہ بلائیں چڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ (شرح اسباب' جلد اول' ص ۲۷۷) اور مرزا صاحب نے بھی دیکھا تھا کہ کوئی کالی کالی چیزیں کے سامنے سے اٹھ کر آسمان تک چلی گئی ہے۔ حقیقت حال سے آپ اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ بقول صاحب ہسٹیریا' عراقی اور ہسٹیریا کے مریض تھے۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان امراض کا مریض الہام' رویا' صدیقہ' سیبت' بیوت وغیرہ قسم کے پتے بھی دوسرے کرے نہ بھولا ہے۔ چنانچہ مرزائی ڈاکٹر شاہ نواز خاں اسسٹنٹ سرجن نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان میں لکھا "ہسٹیریا کے مریض الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹیریا' ہائپوکانڈریا سے کی کا مرض تھا تو اس کے دعوی کی قدر کے لیے بھر کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو اس کی صداقت کی اہمیت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیتی ہے۔ (ریویو آف ریلیجنز' بابت اگست ۱۹۲۴ء' ص ۶-۷)

فصل-۶ مسیح قادیان کی دوسری بیماریاں

ذیل الہامی صاحب کی بیماریوں کا مفصلہ کوئی تفصیلی تعلیم ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے اس لئے یہاں صرف کی مطالعہ سے صرف چند مشہور بیماریوں کے تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ میں دائم المرض تھا میں ہر وقت درد سر' کی خواب' قبض' دل کی بیماری حدت کے ساتھ لگی ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم نمبر ۲ ص ۲' مندرجہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۱) مجھے یہ بیماریاں ورثہ میں سے تھیں۔ ایک شدید درد سر جس سے میں لڑکپن سے تنگ ہو جایا کرتا تھا اور ہر ماہ یک عوارض پیدا ہو جاتے تھے اور یہ مرض قریباً چالیس برس تک دائمی گیر رہی اور اس کے ساتھ صداع سر بھی لاحق ہو گیا اور طبیبوں نے لکھا ہے کہ یہ عوارض بالآخری تپ دق ہوتی ہے۔ چنانچہ میرے بڑے بھائی مرزا غلام قادر قریباً دو سال تک اسی مرض میں مبتلا رہ کر آخر مرض سل (دق) میں ۱۸۷۴ء

ہو گئے اور اسی سے ان کا انتقال ہو گیا۔ (حقیقت الوحی' مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۳۴) اور فرماتے ہیں کہ مرض ہیضہ کی شدت سے دامن گیر ہے اور بار بار قے ہو رہی ہے رات کو پانی کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر جوارش خشخاش دیئے ہوئے ہیں وہ سب جمع شدہ مال دیتے ہیں۔ بار بار قے ہوتی ہے مال ہوتا ہے کہ نماز کے لیے جب زید چھ کر لوٹ جاتا ہوں تو مجھے اپنی ظاہر حالت پر قیاس نہیں ہوتی کہ زید کی ایک پسلی سے دوسری پسلی پر پاؤں رکھے تک زندہ رہوں گا۔ (ضمیمہ انجام آتھم نمبر ۳ و ۴' ص ۳۰ ۵) کوئی حالت بیداری سرے خالی نہیں گزرتی۔ بدن ہوئی نماز تکلیف سے پڑھ کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض حالت میں بیٹھ کر بھی نہیں پڑھی جاتی۔ اکثر لیٹے لیٹے رکوع ہو جاتی ہے۔ اور سجدہ پر قدم اونچی طرح نہیں جمتا۔ قریب ہے سجدہ ناپا زیادہ عرصہ گذر گیا ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی نہ دیوار کر اس دقیع پر پڑھی جاتی ہے ہر صفحہ ہے اور قرآن میں شاید ہی ہو جو اکثر تکلیف چھپ سکوں کیونکہ حالت ہی نزع کرنے سے تحریک تکلیف کی ہوتی ہے۔ (تکمیلات الوحی' جلد پنجم نمبر ۲' ص ۱۸۸) مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں۔ مگر جس حالت بیماری کی حالت ہوتی ہے تو مجھے افسوس ہی ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حالت ہوئی۔ (کتاب حقیقت الوحی' یعنی الوفات مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۳۱) ایک مرتبہ قریباً دو ہفتہ سے ضعف بیمار ہوا اور حالت بیماری کی راہ سے ظہور آیا اور ضعف بدن قابو بیان سے باہر ہے۔ جب حالت بیماری میں مجھے مرض پر کھڑے تو آخر ایسی کے کانپ جاتے تھے اور میں نے دیکھا کہ بعض موقع میں بیمار کے پیچھے روتے تھے اور صحت خدا پر تھی مرجو ہوا تھیں ہوتی گی۔ (حقیقت الوحی' مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۳۳) ایک بار ضعف حد اسہال بیمار ہو گیا۔ (ایضاً) حالانکہ اسہال اور بدن سرد ہونے کے باوجود صبح شب کے حق کی بیماری کا اثر ابھی بکلی رفع نہیں ہوا تھا۔ (نزول المسیح' مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۰۹) اخلاط" لکھ دست شروع ہو گیا۔ اس سے پہلے لکھ لکھ دس دن بیمار دست گرہ رہی تھی اور میں اس سے قریب موت کے ہو گیا تھا۔ (حقیقت الوحی' ص ۳۳۵) اور لکھا کہ حافظہ اچھا نہیں' یاد نہیں رہتا۔ (تتمہ حقیقت' ص ۳۵)

حضرت "مسیح موعود" نے حکیم نورالدین صاحب کو جو ظاہر میں حکیم یا طبیب مسیح

صاحب کے بارے میں کہ وہ تھے ایک جگہ میں لکھا کہ جس قدر ضعف و اضمحلال کے عارضہ میں یہ مبتلا ہیں ہے کچھ یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی عارضہ ہے۔ جب میں نے ان کی شادی کی تھی تو مدت تک کچھ یقین رہا کہ میں نامرد ہوں۔ اسی طرح ایک اور جگہ میں لکھا کہ ایک عرصہ تک نہایت خوف ناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں فوراً پیشاب نکل جاتا رہتا تھا۔ (مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم نمبر۲، ص ۱۸۸) فوراً یا ثم یتساقط قطرہ (مکتوب المکاتب) فوراً مخلص دوستانہ تک امداد کی آرزو (مکتوبات المکاتب)

مرزائی نبوت و مہدویت کے متعلق ایک نئی تحریر

اب یہ حقیقت قابل غور ہے کہ یہ شخص بیماریوں کے نیچے اس طرح بے بسی کے عالم میں پڑا ہے جس طرح مرد غسال کے ہاتھ میں بے حس و حرکت پڑا ہوتا ہے۔ جس شخص کی زبان کا یہ حال ہو کہ اچھی طرح بات کرنا بھی نہیں کر سکتا ہو اور سوداء الخلاص کی وجہ سے بھی اس کے لیے مشکل ہو اور بار بار پیشاب بھی بے قابو ہو جاتا ہو یہ بھی خشوع و خضوع اور حضور قلب سے خالی ہو۔ جسے ہر روز سو سو مرتبہ بیٹھ بیٹھ کر وضو کرنا پڑتا ہو۔ وضو کے بعد وہ پیشاب کی نجاست ہوتی ہو۔ اور بھی پہلے پیشاب کے استنجاء سے فارغ نہ ہوا ہو کہ دوسرے پیشاب کا غلبہ سر سوار ہو جاتا ہو۔ زکوٰۃ اس نے کبھی نہ دی ہو۔ روزے رکھنے سے یہ عاری ہو۔ حج اس نے نہ کیا ہو۔ نہ دشمن دین سے جہاد و قتال کیا ہو۔ نہ ان کے ہاتھ سے قتل ہوا ہو۔ بلکہ کفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت بھی نہ کی ہو۔ تو ایسا شخص اصل اور بڑے کا مدعی ہو سکتا ہے پھر جبکہ مہدی، مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ اس کو نائب دے اور مسیح اور مہدی، مسیح اور مہدی تو بڑا ہی بڑا دعویٰ ہے۔ یہ سب اس مصیبت میں ہے کہ اس نے دین میں کھلی ملحدانہ فکر انگیزی کی ہو۔ لیکن جس شخص کا دعویٰ نبوت ہو، جس نے تحریف و تبدیل دین میں بلغم کے بھی کان کاٹے ہوں ایسا شخص کسی طرح اہل ایمان کے زمرہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بدرجہ قریب وصال و ہلاکت ابدی پہنچ رہا ہے۔

مرزا غلام احمد بحیثیت علم و صاحب کشف

جب ابتدائی مراقبی کا عرصہ مرزا صاحب کے دل و دماغ پر پوری طرح مسلط ہو چکا تو اس کے بعد ان پر بڑے زور شور سے الہامی کلمات برسنے لگے۔ یہ کہ مرزا صاحب نے اپنے علم و منصب الہ مامور ہونے کے متعلق بکثرت اشتہارات شائع کیے۔ ان کے مقامی و مشنری کی نیز اطراف و اکناف ملک میں تقسیم کی اور اہل جماعت نے دور دور سے آکر ان کو وصول کیا۔ مرزا صاحب جس مقام پر بیٹھے بیٹھے یا لیٹ کر الہام سوچا کرتے تھے اس کو بیت الفکر کے نام سے موسوم فرمایا تھا۔ کیونکہ بیت الفکر عربی میں سوچنے کے مکان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک بالاخانہ تھا جس میں علم صاحب موصوف گوشہ نشین تھے۔ (البشریٰ جلد اول" ص ۱۵۱) چونکہ الہامات کی آمد بہت تھی اور ان کا یاد رکھنا دشوار تھا۔ الہامی صاحب الہام کی خوبگی کے بعد اسے فوراً اخبار نور میں لے کر قلمبند فرما کر میں اپنی کسی عام کتاب میں نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ پھر ایک بڑے سائز کی کاپی ہوتی۔ اس کے بعد ایک چھوٹے سائز کی مگر ضخیم نوٹ بک۔ ہوائی (سیرۃ المہدی" اول" ص ۵۱)

ایک ہندو لڑکا بحیثیت کاتب وحی

الہامی صاحب لکھتے ہیں کہ جن دنوں ایک ہندو لڑکا شام لال نام ۱۲ بائی اور فارسی دونوں میں کچھ سکتا تھا بطور روزمرہ نویس ذکر رکھا گیا اور بعض امور غیب بذریعہ ظاہر ہوتے تھے اس کے ہاتھ سے بائبل اور فارسی خط میں لکھی از وقوع لکھائے جاتے تھے اور پھر شام لال ذکور کے اس پر دستخط کرائے جاتے تھے۔ (البشریٰ جلد اول حصہ دوم ص ۱۵) یہ لڑکا کئی سال تک الہامی صاحب کا روزنامچہ نویس رہا۔ اور جب شروع شروع میں یہ ذکر رکھا گیا تو اس وقت اس کی عمر صرف بارہ سال کی تھی۔ چنانچہ الہامی صاحب کے عم زاد بھائی مرزا امام الدین نے الہامی صاحب کے متعلق ہر اعلان زیر عنوان "اشتہار صداقت آثار" مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۸۸ء کو شائع کیا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ "مرزا غلام احمد نے ایک

بعد لوگ شیام لال کو الہامات کا ریویژن لیس مقرر کر رکھا ہے۔ جب یہ لوگ مرزا صاحب کے پاس ملازم ہوا تھا تو اس وقت اس کی تنخواہ سات روپے ماہوار تھی اور اب لے دے کے یہ بھی اور سارا نوح تھا بلکہ اس وقت بھی سو تک اکٹھی نہیں کر سکتا ہے۔ اگر کسی طالب حق کو الہامات کی تحقیق کے لیے قادیان جانے کا اتفاق ہو تو ایسے لوگوں کو ضرور دیکھنا چاہیے' تاکہ الہامات کی حقیقت روشنی میں آ سکے۔" (الکتاب براہین" صفحہ ۳۲۸)

مولانا امام الدین کے بیان میں اس حصہ کو حل نہیں کیا گیا کہ ریویژن لیس کے لیے ایک ہندو اور وہ بھی نابالغ لڑکا سارا نوح کیوں انتخاب کیا گیا؟ لیکن راقم کے خیال میں امام لیس کا ہندو ہونا اس مصلحت پر مبنی تھا کہ قادیان کے ہندو اس کی شمولیت کے باعث مرزا صاحب کے الہامات پر یہ سوچ کر اعتراض نہ کریں گے اور نابالغ لڑکا سارا نوح اس لیے انتخاب کیا گیا کہ الہامی صاحب کے ہاتھ میں مہم کی باگ دے دے۔ اس سے ہر قسم کی شمولیت ہو سکے اور وہ عقائد و عقیدت کے ماتحت الہامی عبارتوں میں ترمیم و تبدیل کرنے کے لیے الہامی صاحب کے اشاروں پر چلے۔ اور اس کی طرف سے کسی اعتراض کا خوف نہ ہو۔

لنگر کا اجراء

قصہ ختم دین کے بعد خاکہ شریعت بنانے اور اس کے ذریعہ اہل قادیان کے روحانی سے مرزا صاحب کے خاص روحانی تعلقات قائم ہو گئے۔ اب یہ الہامی صاحب کے مشیر خاص اور رازدان کے حاشیہ نشین تھے۔ مرزا صاحب نے دل میں یہ منصوبہ ٹھہرا رکھا تھا کہ وقت ضرورت ان سے اپنے الہامات کی شمولیت طلب کی جائے گی۔ یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے بھی اس قسم کا کوئی قول و قرار کیا تھا یا نہیں تاہم مرزا صاحب ان کی وفاداری کا ظاہرا ایسا ہی خیال رکھتے تھے جس طرح مقدمہ باز لوگ اپنے گواہان مقدمہ کی خاطر مدارت فوق رکھتے ہیں۔ شیام لال ریویژن لیس جس قدر الہام شدہ تحریر بنا آتا تھا مرزا صاحب ان پر اس سے دگنا کرا لیتے تھے۔ اب مشتریوں کا بھی تنگ ہونے لگا۔ خوشامدی حلقہ بڑھا' اور نذر پانے والے بھی بڑھ گئے۔ اب لنگر کا بھی ہر طرف سے اضافہ کیا گیا۔ لنگر جاری کر دیا گیا تاکہ کوئی ہر ایک شخص الہامی صاحب کے منہ سے کھانا کھا کر جائے اور شہرت

و لمو کا باعث ہو۔ اب لوگوں کا تانتا بندھ گیا ہے۔ کوئی طالب علم فقر بادی ہونے کی خبر سن کر آیا ہے۔ کسی طالب علم نے دعا کے لئے تعویذوں کا ذکر کیا ہے۔ مرزا صاحب علم تکسیم بھی تھے اس لیے بعض لوگ دواؤں کے لیے بھی رجوع کرتے تھے۔ چونکہ مطلب الدعوات ہونے کے اشتہاروں نے اور اس سے پیشتر اخبار کے مضامین اور اشتہار بازیوں نے بام شہرت پر پہنچا دیا تھا اس لیے نذر و نیاز اور چڑھاوے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ روحانیت و فتوحات کا ظہور آئے دن ہونے لگا اور تنکوں کی کثرت وار الخلافی نظر آئی۔ اب لوگوں نے بیعت کی درخواستیں کیں۔ مرزا بی ہر ایک کو یہی جواب دیتے تھے کہ ابھی ہم کو کسی سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا۔ اس وقت تک صبر کرو جب تک اس بارہ میں حکم الٰہی نہ آ لے۔ (چودھویں صدی کا مسیح ص ۲۔ ۳)

باب ۱۷

مرزائی الہامات کے مصدر و ماخذ

چونکہ اب مرزا صاحب نے بالکف فارس کی دکان کھول لی تھی اور نہ صرف مانگوایا مرزائی کے دور کے لئے ہی الہامات کی ضرورت تھی بلکہ حسب ضرورت عصر حواس کے وقت بھی الہام نازل کرتے رہتے تھے اس لیے مشکل نہ تھا کہ الہامی صاحب اس آیت شریف اور اس کی نبوات کی نظر الہامات سے محروم رہتے۔ یہ جملہ سے قوم علیہ الہام کے الزام کا ذریعہ ثابت ہوئی تھی۔ میں اپنی کتاب "سیف الحق" میں تفصیلی شرح و بسط سے شیطانی وحی والہام پر تبصرہ کر آیا ہوں۔ یہاں یہ بھی واضح طور پر بتا دیا ہے کہ شیاطین کیا کیا شکلیں اختیار کر کے اہل تصوف اور صوفیہ کو پکڑ رہتے اور کیسے کیسے خبری دے کر اپنی جال بچھا کر اہل ایمان کو راہ حق سے بھٹکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعد بلکہ مرزا صاحب پر بھی انہی شکلوں میں ظاہر ہوا کرتے تھے۔ اور القاء الہام کر کے شریعت حقہ کی حجیت سے منحرف کرتے رہتے تھے۔ اور بیچارے مرزا صاحب اس تلبیس و دجل کے ساتھ کہ مدعی النبوت والالہام اور اس کے ماننے

مشرقین کو دیکھتے اور ان سے ہمکلام ہوتے ہیں کہ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر رقص کیا کرتے تھے۔

رب العالمین اور ملائکہ کے عیاناً دیکھنے کا دعویٰ

یہ امر مسلم ہے کہ کوئی بشر دار دنیا میں اپنی سر کی آنکھوں سے رب العالمین کی رویت کی تاب نہیں لا سکتا چنانچہ جب حضرت موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام طالب دیدار ہوئے تو رب العالمین جل شانہ نے فرمایا تھا کہ تم مجھ پر گز دیکھ سکو گے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا کمال اشتیاق دیکھ کر فرمایا کہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر وہ بحال و برقرار رہا تو سمجھ لینا کہ میں بھی رویت خداوندی کی تاب لا سکوں گا۔ چنانچہ اللہ العالمین نے پہاڑ پر ایک تجلی فرمائی۔ پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے اور جناب موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے۔ بہرحال کوئی اشرار دنیا میں رب العالمین کو عیاناً نہیں دیکھ سکتا البتہ دار آخرت میں اہل جنت کو ایسی آنکھیں عطا فرمائی جائیں گی جو خدائے برتر کو بلا کیف و بلا جہت دیکھ سکیں گی۔ اور یہ جو اہل جہل جہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ ہم خدا کو کانوں سے دیکھتے ہیں تو یہ دراصل شیطان کو دیکھا کرتے ہیں اور جیسا کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اس کا ابلیس سے متعلق ہونا کیا ہے کبھی کبھی حضرت مرزا صاحب کو بھی اپنا روپ اور نورانی چہرہ دکھایا کرتا تھا اور یہ بھارے اس کو (معاذ اللہ) رب العالمین تسلیم کرتے تھے چنانچہ قادیانی صاحب کتاب "ضرورۃ الامام" میں لکھتے ہیں: "امام الزمان کا ایسا الہام نہیں ہوتا کہ جیسے ایک گھوڑا اندازہ پر ایک گھوڑا پہچان جاتا اور جانتا ہے اور معلوم نہ ہو کہ یہ کون تھا اور کہاں گیا بلکہ خدائے فضل ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرہ سے جو نور محض ہے اٹھا دیتا ہے تب یہ کیفیت دوستوں کو میسر نہیں آتی"۔ (ضرورۃ الامام' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۱۴) ایک مرتبہ مرزا صاحب نے اپنے ایک حواری سوامی شیر علی سے بیان کیا کہ میں نے رویا میں کامل قدی کے لیے جانا تھا۔ ایک انگریز میری طرف آکر کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ خدا آپ کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ انگریز نے کہا کس طرح کلام کرتا ہے؟ میں نے کہا اسی طرح جس طرح تم میرے ساتھ ہم کلام ہو (سیرۃ المہدی' جلد ۱' ص ۱۱) مرزا صاحب کے ان

بیانات سے ثابت ہوا کہ واقعی معظم و مکرمت مرزا صاحب کے قریب ہو کر انہیں اپنا جمال بھی آرا دکھایا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی ملاقات کے دوران میں ایک مرتبہ مرزا صاحب نے انہیں سے بلند (معاذ اللہ) خدا کے بیٹھنے کی خبر دی۔ اس نے بولا" یہ انگریزی الہام کیا۔ میں کل ایم میں"۔ (براہین ص ۵۰۰ ج ۵) (ان میں طرق ہوں)۔

خدا۔ بچوں کے میاں دیکھنے کا تخیل کہاں سے اڑایا

یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ الہامی صاحب نے خدا کے بچوں کے میاں دیکھنے کا تخیل بھی سید محمد جونپوری مدعی مہدویت کے بیان سے پرواز کیا تھا چنانچہ مولانا ابوالکلام مرحوم نے "ہدیہ مہدویہ" میں سید محمد جونپوری کے نو تعینی احکام شائع نقل کیے ہیں ان میں ایک حکم "وقوع رویت خدا کو دنیا میں جائز اور ممکن سمجھنا" بھی داخل ہے۔ چنانچہ تمام تعینی کرام کی اصبیت افزودی کے لیے تعینی احکام شائع میں سے چند یہ احکام نقل کیے جاتے ہیں۔ جن میں مرزا صاحب نے لفظ مہدویہ کی جگہ قبلی کی ہے چنانچہ بھرال بی مہدوی رقم طراز ہے"۔ یہ جملہ سبحان مہدی (سید محمد جونپوری) علیہ السلام واضح رہا کل یاد کہ حاصل احکام شائع مہدی علیہ السلام مجموع ہی حکم ہو لفظ ایمان فرائض اعتقادی و لفظ فرائض عملی ہیں۔ فا احکام فرائض اعتقادی کہ ہر مسلمان ایمان اعتقاد دانستن فرض است و دیگر اعتقاد ہر ان چار چیز است بہ حسب عدد ہری تفصیل۔

(۱) منکر مہدی (سید محمد جونپوری) علیہ السلام را کافر دانستن۔
(۲) نام امام مہدی ثابت باسم اللہ دانستن۔
(۳) شریک حق را از ہیان مہدی خدا اللہ ماوا دانستن۔
(۴) صحت حدیث نبوی بر حقانیت کتاب خدا و عمل مہدی دانستن۔
(۵) حکم بکفر و مشرکان و بجز کن قائل بیان مہدی علیہ السلام ناجی دانستن۔
(۶) جمیع عمل بر مذاہب آنہ اربعہ باطل دانستن۔
(۷) وقوع رویت خدا در دنیا جائز و ممکن دانستن۔

(ہدیہ مہدویہ ص ۳۰۸ - ۳۰۹)

پنڈت لیکھرام نے ہاتھ بند کر دیا

مرزا صاحب کو فرشتوں کی یہ کاپی دیکھنی تھی۔ چنانچہ "کشف الغطاء" میں لکھا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے مجھ میں نے ہاتھ کو دیکھا ہے۔ ان سے بعض علوم لدنیہ کے ہیں اور ان سے گزشتہ یا آئندہ والی خبریں معلوم کی ہیں جو مطابق واقعہ تھیں۔ ("آئینہ کمالات" ص ۵۴۴، ۵۴۵) لیکن معلوم ہوا کہ یہاں بھی دھوکے مرزا صاحب کھا گئے ہیں۔ جن لوگوں سے انہوں نے علوم حاصل کیے اور غیب کی خبریں معلوم کیں وہ فرشتے نہیں بلکہ شیاطین تھے۔ اور اگر فرشتے ہوتے تو ان کی بتائی ہوئی خبریں کبھی بھولی نہ تھیں۔ موقع کی مناسبت سے یہاں فرشتوں کی بھولی ہوئی کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ پنڈت لیکھرام جی کا جان بچھڑکہ تک سرحد میں قادیان میں مرزا صاحب کے مکان پر پہلا تھا۔ پھر سنا گیا اور مسلمان بھی تشریف لیا تھے۔ مرزا صاحب اپنی کرامات کی مثل بگھارنے لگے۔ دوران گفتگو میں فرمایا کہ مجھے فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے کہا کیا سچ کہتے ہو؟ کہا ہاں۔ میں نے ایک کنکر پر لفظ اوم لکھ کر اپنے ہاتھ میں رکھ لیا اور کہا اور بتاؤ اپنے فرشتوں سے پوچھ کر بتائیے کہ میں نے کون سا لفظ لکھا ہے؟ مرزا صاحب تھوڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ پھر کہنے لگے کہ اس طرح نہیں کسی اور بات کہو۔ میں نے کنکر کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہا بتائیے کیا لکھا ہے؟ تھوڑی دیر تک اپنے ان گزشتہ فرشتوں سے پوچھتے رہے مگر کچھ بتا نہ سکے۔ آخر شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ اس واقعہ کے دس بارہ آدمی گواہ ہیں۔ (اکذب براہین ص ۲۱۸)

باب ۱۸

پنڈت دیانند کو قادیان کی دعوت اسلام اور اس کی حقیقت

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں لکھا کہ اس دھرتی پر ہندو آریوں کے سرگرو کو ان کی دولت سے ایک مدت پہلے راہ راست کی طرف دعوت کی اور آخرت کی رسوائی یاد دلائی اور ان کے غرور اور استکبار کا سراسر باطل ہونا براہین قاطعہ سے ان پر ظاہر کیا اور حجت تمام اور کامل طور سے بالرغم تمام ان پر ثابت کیا کہ دنیوں کے بعد تمام دنیا میں آریوں سے بڑھ کر اور کوئی دشمن نہیں۔ (کتاب براہین' ص ۳۳) پہلی چٹھی کے بعد دوسرا ذریعہ خدا رسیدہ شدہ حقیقت دین اسلام سے براہ کی واضح ان کو مکتوب کیا گیا اور لکھا گیا کہ اگر کسی کے ثبوت میں شک ہو تو اسی جگہ قادیان میں آکر اپنی تسلی کر لینی چاہیے۔ اور یہ بھی پنڈت صاحب کو لکھا گیا کہ آپ کی کوئی دلیل کا معقول جواب اور نیز اپنی جواب طراز ملنے (سے رہے گا اور یہ خدا ان کے بعض آریوں کو بھی دکھایا گیا اور دونوں رجسٹریوں کی ان کی دستخطی رسید بھی آئی۔ پر انہوں نے جب دیا اور باوجود وعدہ کے بالکل اس طرف ذرا بھی توجہ نہ کی۔ آخر بعد صبر اس کو چھوڑ کر اس دارالفنا سے کوچ کر گئے۔ (کتاب براہین' ص ۳۳۲)

پنڈت دیانند جی کے مقابلہ سے فرار

پنڈت لیکھرام نے اس کے جواب میں لکھا کہ مرزا صاحب ان کے مقابلہ سے دم دباتے رہے اور وعدہ کرنے سے بیچ میں مدت پھیلائے رکھا اور جب ان کے مرنے کے بعد باتیں بناتے ہیں۔ (ایضاً ص ۳۳۲) مرزا صاحب پنڈت جی کے مقابلہ سے اسی طرح مدت پھیلائے رہے جیسے آتھم سے پھیلائے اور یہی حال آتھم تک ہے کہ مقابلہ میں نہیں آئے (ایضاً ص ۳۳۲) ہم قادیان میں بھی گئے مگر آپ نے کسی طرح کی تسلی نہ کی اور نہ کوئی بھید دکھایا۔ ظاہر ہے کہ جب پنڈت دیانند) صاحب کے ایک شاگرد سے بھی عہدہ برآ نہ ہو سکے تو ان کو دعوت دینی ایک بھول بھی تھی۔ (ایضاً ص ۳۳۲) مرزا صاحب سے جہاں تک ممکن ہوا اس کا موقع نہ دیا کہ سوامی دیانند جی سے بغیر ملے جائے۔ وہ گورداسپور گئے اور بہت دن تک وہاں ٹھہرے رہے اور مناظرے کئے۔ قادیان سے متعدد کوبیوں نے گورداسپور جا کر ان سے ملاقاتیں کیں لیکن مرزا صاحب ہار آنہ کہ گا کرایہ دے کر نہ گئے اس کے بعد سوامی دیانند جی امرتسر آئے اور مرزا صاحب کو ان کے دعوتی خطوط کے

جواب میں کہا تھا کہ خدا کے واسطے کہیے اور مخلوق خدا پر رحم کھائیے تو بہتر ہے ورنہ کوئی جبر نہیں ہے۔ مگر ایک دفعہ ضرور تشریف لائیے۔ اس پیام کے پہنچتے ہی مرزا صاحب کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ سب اہتمام بھول گئے۔ اور حالت نزع طاری ہو گئی۔ نہ گھر سے باہر نکلے اور نہ مقابلہ کی جرأت ہوئی (کتاب براہین' ص ۳۶۱ ـــ ۳۶۲) مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ پنڈت جوالا سہائے کے سفر آخرت کی خبر بھی ہو اس کو ۲۰ ستمبر ۱۸۸۴ء کے دن ملی گیا' تقریباً تین مہینے پہلے خدا اور کریم نے اس عاجز کو دی تھی۔ چنانچہ یہ خبر لفظ آریہ کو بھی بتائی گئی تھی۔ افسوس کہ پنڈت صاحب کو خدا نے ایسا موقع بدایت پانے کا دیا کہ اس عاجز کو ان کے دیکھنے میں پیدا کیا مگر وہ باوصف ہر طور کے اسلام کے ہدایت پانے سے بے نصیب گئے۔ ایک بار خدا نے ہمارا ان کو بھلائی کے لیے اپنی طرف بلایا مگر انہوں نے اس طرف قدم بھی نہ اٹھایا۔ حالانکہ اس عاجز کے دس ہزار روپیہ کے اشتہار کے قبول نکالنے والی شے اور اسی وجہ سے ایک مرتبہ رسالہ "براہین احمدیہ" میں بھی ان کے لیے اعلان چھپایا گیا مگر ان کی طرف سے کبھی صدا نہ آئی۔ یہاں تک کہ خاک میں یا راکھ میں جا ملے۔" (ایضاً' ص ۳۶۲ ـــ ۳۶۳)

پنڈت لیکھرام کا تبصرہ

اس کے جواب میں پنڈت لیکھرام نے لکھا کہ اگر ان کی موت کی خبر خدا اور کریم نے تین مہینے پہلے ہی دے دی تھی تو مرزا صاحب نے تین عید کے اور اس کا اعلان کیوں نہ کیا؟ کیوں عام مجلسی نہ کرائی مگر ہزاروں تھوی گپ کی صداقت پر ایمان لاتے اور تمہیں دھرم کو پھوڑ کر مسلمانی ہو جاتے۔ ان کی وفات کے بعد اشتہار میں آپ کیوں یہ چالاکی کرنے لگے؟ ان کی وفات سے پہلے ہی لاہور یا امرتسر کی تمہیں سماج کے نام کیوں خط نہ لکھا؟ اور کیوں اشتہار میں اس آپ کا نام نہ شائع کیا جس کو آپ نے یہ خبر دی تھی؟ اور اس بات میں سوامی دیانند جی کے نام رجسٹری شدہ چٹھی کیوں نہ بھیجی؟ چونکہ آپ نے ان امور میں سے کوئی کام بھی نہیں کیا اس لیے ہمیں کہنا پڑا کہ بہت سے کہ بعد از جنگ یاد آیہ۔ برگلہ خود باید زد۔ (ایضاً' ص ۳۶۲) رسالہ "براہین احمدیہ" سوامی جی کے مطالعہ میں نہیں آیا تھا کیونکہ وہ اردو فارسی نہیں جانتے تھے۔ اور پنڈت خوشحالی لعل برادر ہمدرد سنسکرت نہیں

جانتے۔ پس یہ استدلال بے سود تھا۔ پس اگر مخالف کے الہام بھی حجت ہوتے تو کسی اور ناگری الہام میں شائع کراتے تو بھی ایک بات تھی۔ اور تعجب یہ ہے کہ جس طرح آپ کو خدا تعالیٰ نے الہام کرنا تھا سنسکرت میں کیوں نہ کیا۔ آخر سہاں جی سے سنسکرت میں مباحثہ کر کے فتح یاب ہوتے پس ہم مرزا صاحب کے دعویٰ کو "سچی فتح" سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتے۔ (ایضاً ص ۱۹۳) خاکسار راقم الحروف کے نزدیک "مکذب براہین" مولانا چراغ الدین کا یہ بیان بے بنیاد صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ مرزا امام الدین صاحب کی درخواست کے بموجب حکیم نورالدین نے "مکذب براہین" کے جواب میں "منبع براہین" نام کی ایک کتاب لکھی اس میں چراغ الدین کے اس بیان کی کوئی تردید نہیں پائی جاتی۔ اس سے قبل نظر "مکذب براہین" کی اشاعت کے بعد خود مرزا صاحب نے کم از کم اپنی کتابوں اپنے پبلشروں میں لکھیں لیکن کسی میں انہیں اس بیان کے ابطال کی جرأت نہ ہوئی۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس بیان کو غیر صحیح یا بے بنیاد نہیں تصور کیا جائے۔ غرض ان ایام میں پنڈت دیانند جی سرسوتی جالب کاہوں کر کے خاص اسلام اور پرانے خیال کے پنڈتوں کے مقابلہ میں ہمیں من جملہ دیگر مخالفین کے مقابلہ کرنے والا ہے؟) کے تعریف کر رہے تھے مرزا صاحب قادیان ہی میں بیٹھے رہے۔ اور انہیں جرأت نہ ہوئی کہ مولانا محمد حسن بریلوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی اور دیگر علمائے اسلام کی طرح پنڈت جی کی خلاف انگیزیوں کا مقابلہ کر کے اسلام کی طرف سے حفظ و دفاع کی کوئی خدمت انجام دیتے۔ مرزا صاحب نے ایک دعویٰ رکھنے کیلئے کر لیا تھا کہ ان کی جہاد کا فرض عینی ادا ہو گیا حالانکہ ان پر لازم تھا کہ پنڈت جی کا تعاقب کر کے ان کے سامنے اسلام کی حقانیت کے دلائل پیش کرتے اور ان کو مسلمان نہیں تو کم از کم ہمارا کر اپنے مذہب کے دفاع کرتے۔ اصل میں مرزا صاحب کو اپنے من گھڑت تجویز کی بنی پر نئی خرمستیاں شروع کرنے اور ان پر پکی مجاورانے کے لیے محض تراشی اور فسانہ طرازی کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لیے یہ قصہ بھی وضع کر لیا گیا۔ ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس بیان کی بنا پر بھی کسی قدر رسوائی ننگ و عار اور بیزاری پیدا

←

براہین احمدیہ کی تالیف و اشاعت

فصل ۱ علماء سے علمی اعانت کی درخواست

مرزا صاحب کا سب سے پہلا علمی کارنامہ جس پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے مرزا غلام احمد صاحب کی کتاب "براہین احمدیہ" ہے۔ یہ ۵۴۴ صفحات کی کتاب ہے۔ جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس تقسیم کی اس سے بہتر کتاب چھ سات مہینے میں بھی مرتب کی جا سکتی ہے۔ لیکن مصنف علام نے اس کی تالیف و تدوین میں کئی سال لگا دیئے۔ گو اس کا مواد بہت سال سے جمع ہو رہا تھا لیکن مصنف صاحب ۱۸۷۹ء سے لے کر کئی سال تک مرتب اس ایک کتاب کے لیے وقف رہے۔ ۱۸۸۰ء میں پہلے دو حصے شائع کئے۔ ۱۸۸۴ء میں تیسرا حصہ طبع ہوا۔ اور ۱۸۸۵ء میں چوتھا حصہ گیا کتاب کے پہلے چار حصوں پر جو ۵۴۴ صفحوں پر مشتمل ہیں چھ سال سے زائد عرصہ لگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۸۶ اور جلد دوم' ص ۱۸۰' پہلی پر سطریں) حالانکہ ان صفحات پر جنہیں حصہ اول سے تعبیر کیا جاتا ہے کوئی علمی مضمون نہیں بلکہ صرف دس بارہ روپیہ کا اشتہاری اشتہار ہے۔ ۱۸۰ صفحات اور حصص کی تعداد بڑھانے کے لیے چوتھا حصہ قرار دے لیا ہے۔ اور پھر جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی تحقیق کو دخل ہے مرزا صاحب نے اس کتاب میں اپنی کوئی علمی تحقیق پیش نہیں کی۔ ہاں ایک حد تک یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ہر کتاب کی طرح یہ بھی تو مرتب راقم نے لکھا ہے یہ تو علماء سلف کی کتابوں سے اخذ کیا ہے یا علمائے معاصرین کے سامنے کاسہ گدائی پھرا کر ان کی علمی تحقیقات حاصل کر لی گئی ہیں اور کتابوں کے "مطالعہ العلم" صاحب نے اپنی کوشش سے حوالہ دینے قرار دیا ہے۔ فراہمی مواد کے سلسلہ میں مرزا صاحب نے بعض علماء کے علمی ذخائر کو خطوط لکھے اور ان سے درخواست کی کہ عقائد اسلام کے متعلق مضامین بھیج کر علمی امداد فرمائیں۔ ان دنوں میرے تایا زاد بھائی نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب علوم عقلیہ میں خاص دست گاہ رکھتے تھے خط و کتابت کر کے براہین کی تالیف میں ان سے استمداد کی۔ انہوں نے اپنی بہت سی قیمتی علمی تحقیقات قلم بند کر کے مرزا صاحب کے پاس بھیج دیں۔ مرزا جی نے انہیں براہین میں شامل کر لیا اور مولوی صاحب کا

حوالہ اس لیے دیا کہ اس سے مولوی صاحب کی علمیت اور مرزائی کی علمی بے مائیگی کا اظہار ہو۔ مولوی چراغ علی مرحوم کے تکفیر میں مرزائی کے کئی خطوط ملے ہیں جن کے بعض حصے مولوی محمد یحییٰ صاحب خطاط نے کتاب "سیرۃ المسیح" کی جلد دوم (صفحہ ۱۸) میں درج کیے ہیں۔ یہ کتاب کتب خانہ اسلامیہ علی نے طبع کرائی ہے۔ حوالہ کی ایک خط میں مولوی چراغ علی کو لکھتے ہیں۔ "جب آپ سا اولوالعزم صاحب فضیلت دینی و دنیوی ہو دل سے حامی ہو اور نتیجہ دین حق میں ملی گری کا اظہار فرمائے تو بادشاہ وقت اس کو تائید الٰہی خیال کرتا چاہیے۔ باوجود اس کے اگر اب تک کچھ نہ کیا تو کل یا مضامین آپ نے تالیف طبع علی سے طبع فرمائے ہوں تو وہ بھی عرضہ ہوں"۔ دوسرے خط میں لکھا۔ "آپ کے مضمون نہایت عمدہ ہیں کی اب تک میں نے انتظار کی ہے اب تک نہ کوئی مضمون بھیجا نہ مضمون بھیجا۔ اس لیے کمر تکلیف دیتا ہوں کہ براہ عنایت بزرگانہ بعد ملے مضمون نہایت خاکسار کی تالیف کر کے جلد پاس بھیج دیں"۔ ایک اور خط میں التماس کی "آپ کو جو اپنی الٰہی تصنیفات سے اقتباس جلد ہو سکے اور ہو سکے ہو اقتباس ہوں ان اقتباسوں کو ضرور عرضہ دوسرے مضمون اپنے کے بھیج دیں"۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب خطاط کی طرح مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو نے بھی کتاب "چند ہم عصر" (صفحہ ۲۰۰ حاشیہ) میں نکلوں کے الہامی صاحب کے یہ خطوط درج کیے ہیں جن میں انہوں نے براہین احمدیہ کی تعریف میں مولوی چراغ علی مرحوم سے مدد طلب کی تھی۔ کتاب "چند ہم عصر" انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد (دکن) نے طبع کرائی ہے۔ اس کتاب میں مذکورہ بالا خطوط کے علاوہ چند اور ہمشیاں بھی درج ہیں۔ چند خطوط کے ضروری اقتباس ناظرین ہوں۔ لکھتے ہیں میں نے ایک کتاب ہندوں کے رد میں مسمی بہ تصنیف کی ہے اور نام اس کا براہین احمدیہ رکھا ہے۔ اور مطلع یہ ہے کہ آپ کے فقرہ و فقرہ بھی اس میں درج کروں اور اپنے مختصر کلام سے بھی کو ثبت و زینت بخشوں۔ سو اس امر میں آپ توقف نہ فرمائیں اور جہاں تک جلد ہو سکے بھی کو مضمون مبارک اپنے سے ممنون فرمائیں"۔ ایک اور خط مورخہ ۱۸ نومبر ۱۸۷۹ء میں تحریر فرماتے ہیں "قرآن مجید کے الہامی اور کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں آپ کا مدد کرنا باعث مثوبتی ہے۔ میں نے بھی اسی باب میں ایک چھوٹا سا رسالہ تالیف کرنا شروع کیا ہے۔ آپ کی اگر مرضی ہو تو وجوہات صداقت قرآن جو آپ

کے بل پر انگلستان بھیجے پاس بھیج دیں۔ آپ اسی رسالہ میں حسب موقع اندراج پا جائے۔ اور ہر حق ۱۸۸۸ء کی چٹھی میں رقم فرمائیں۔ "کتاب براہین احمدیہ ڈیڑھ سو جزو ہے جس کی قیمت تخمیناً تو سو پچاس روپیہ ہے اور آپ کی تحریر ملحق ہو کر اور بھی زیادہ خجالت ہو جائے گی"۔

ان الفاظ سے نہ صرف مرزا کی بھوت کی حقیقت عالم آشکار ہو جاتی ہے۔ بلکہ کتاب "براہین احمدیہ" کے الہامی ہونے کی بھی خوب قلعی کھلتی ہے۔

فصل-۲ زر طلبی کا سلسلہ اشتہارات

میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں مرزا غلام احمد ہی وہ پہلا پروپیگنڈا کے سب سے پہلے علم بردار اور معلم ہیں۔ گو یہ بات مشکل ہے کہ یہ فن انہوں نے انگلستان سے سیکھا تھا یا خود ہی اس کے بانی و موسس تھے۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ ان سے پہلے ہندوستان میں کسی شخص نے حصول مقاصد کے لیے اتنا بڑا پروپیگنڈا نہیں کیا جتنا مرزا صاحب سے ظہور میں آیا۔ اگر کسی کو اس بیان کی صداقت میں شبہ ہو تو وہ مرزا صاحب کی ان بچاس اشتہارات کے علاوہ ان کے مکتوبات اور مجموعہ اشتہارات کو دیکھے جن میں پروپیگنڈا کا سیلاب موجزن ہے۔ مرزا صاحب نے کئی اخبار و رسائل میں بھی براہین کے لیے اعانت درخواست پروپیگنڈا کیا۔ اور اس کی طباعت کے لیے قوم سے اپیلوں کی مسلسل اپیلیں کیں۔ اس کے علاوہ درخواست اعانت کے ہر اشتہار کے بعد دیگرے مختلف عنوانوں سے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرائے۔ یہ بھی ایک مدت میں سے کسی طرح کم نہ ہوں گے۔ براہین کی طباعت کے لیے حصول اعانت کا جو سب سے پہلا اشتہار اپریل ۱۸۷۹ء میں زیر عنوان "اشتہار بغرض ابتداء تالیف از طرف دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم الابرار" شائع کیا۔ اس میں لکھا کہ جس خاکسار نے ایک کتاب حقیت حقانیت قرآن و صداقت دین اسلام ایسی تالیف کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد طالب حق سے بجز قبولیت اسلام اور کچھ نہ بن پڑے۔ اس کتاب کے ساتھ اس مضمون کا ایک اشتہار دیا جاوے گا کہ ہر شخص اس کے وکیل کو ترازو میں اپنے ہاتھ سے تولوا دس ہزار روپیہ اس کے حوالے کریں گے۔ پہلے

ہم نے اس کتاب کا ایک حصہ چودہ جلد سو پچاس صفحہ میں تصنیف کیا۔ بفرض تحمیل تمام ضروری اصول کے لحاظ اور رعایت کر دیئے۔ جن کے سبب سے تمہارا کتاب خانہ سو جلد (دو ہزار چار سو صفحہ) ہو گیا ہر ایک حصہ اس کا ایک ایک ہزار نسخہ چھپے تو چار لاکھے روپیہ صرف ہوتے ہیں۔ پس کل تخمیں کتاب کو سو پچاس روپیہ سے کم میں نہیں چھپ سکتے۔ اول تو اگر ایسی بڑی کتاب کا چھپ کر شائع ہونا بڑی سلطنت مسلمان بادشاہوں کے بنا مشکل امر ہے اور نیز یہ اہم کام بی لعانت کرنے میں جس قدر ثواب ہے وہ اوائل اسلام پر بھی کم نہیں۔ لہذا احقر العباد سے یہ درخواست ہے کہ اس کے مصارف طبع میں معاونت کریں۔ اغنیاء لوگ اگر اپنے حسبی (ذاتی خانہ) کے ایک بیل کا فروخ بھی عنایت فرمائیں گے تو یہ کتاب بہ سہولت چھپ جائے گی۔ بندہ یہ عرضداشت چھپا دے گا۔ اچھا ہو کہ ہر ایک اہل دولت یہ نیت خیر اس کتاب باقی باقی روپیہ مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں۔ جس جس کی کتاب بھیجی جائے گی ان کی فہرست میں ارسال ہوتی رہے گی۔ غرض مضمار نظر میں کر اس نیت ضروری تمام کو جلد تر بہرانجام پہنچا دیں۔ (انشائے رسالت، جلد اول، ص ۱۸۰) پھر دنوں کے بعد ایک اور اشتہار زیر عنوان "اشتہار کتاب براہین احمدیہ بخصوص اطلاع جمیع طالبان صدق و التمام سرمایہ طبع کتاب" شائع کیا۔ جس کا مضمون قریب قریب وہی تھا جو پہلے اشتہار کا تھا۔ البتہ اس اشتہار میں بڑی شکر گزاری سے لکھا جاتا ہے کہ حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی مدار المہام ریاست جموں و کشمیر نے اپنے ہاتھ سے کسی اشتہار کے لیے بغیر کسی کرم فرمائی و معاونت اور عنایت و نیت اسلامی سے یہ چند اس کتاب کے ایک حصہ دس روپیہ کا بھیجا ہے۔ (ایضاً ص ۱۸۰)

براہین کی قیمت

مرزا صاحب ابھی وہ ہی اشتہار شائع کرنے پائے تھے کہ دوسری طرف سے بیڑہ کی طرح بہنا شروع ہوا اور مرزا صاحب کا سافٹر مل اپنی اسکیم کی کامیابی پر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ لیکن حرص کا جذبہ حرص و آز تکمیل طبع سے تسکین نہیں پاتا اس لیے مرزا صاحب اب سوچنے لگے کہ اگر کتاب کی قیمت ہی پیدا کر دی جائے تو کیوں نہ دوہرے ہونے

گئے گی۔ چنانچہ قیمت پانچ کی جگہ دس روپے کر دی۔ اب مرزا صاحب نے صبر و سکون کا دامن چھوڑ دیا اور کو یہ اعلان شائع کیا۔ "واضح ہو کہ یہ اصل قیمت اس کتاب کی بلحاظ ضخامت اور حسن اور لطافت کاغذ اس کے اور نیز بلحاظ اس پاکیزگی خط اور تحریر اور عمدگی کاغذ و دیگر لوازم اور مرتب کے کہ جن کے التزام سے یہ کتاب چھاپی جائے گی بیس روپیہ سے کم نہ تھی مگر ہم نے محض اس امید سے ہر بعض اسلامی اسلام جو ذی مقدرت اور اولوالعزم ہیں۔ اس کتاب کی اعانت میں توجہ کامل فرمائیں گے۔ صرف پانچ روپیہ مقرر کی تھی۔ مگر اب تک ایسا ظہور میں نہ آیا اور ہم انتظار کرتے کرتے تھک بھی گئے۔ بایں ہمہ اس کے یہ قیمت کتاب کی نسبت ہی کم تھی اور جو نقصان اس کا ہمیں ہی اعانتوں پر موقوف تھا جو محض فی سبیل اللہ ہر طرف سے کی جائیں گی کتاب میں بڑی توقف ہوئی۔ لہٰذا بعد اضطرار یہ تجویز ہوئی کہ یہ قیمت کتاب کی بہ نظر خیریت کتاب کے بمقدار دس روپیہ قلیل اور واجب ہے' دینا چاہئے۔ لہٰذا جن جن صاحبوں یا ستادہ ان صاحبوں کے یہ قیمت ادا کر چکے ہیں یا ادا کرنے کا وعدہ ہو چکا ہے یہ قیمت اس کتاب کی بجائے پانچ روپیہ کے دس روپیہ تصور فرمائیں مگر واضح رہے کہ اگر بعد مطلع کرنے قرار داد طرفت کتاب کے کوئی امر مانع امید اس قدر اعانت فرمائیں گے کہ یہ کمر کی قیمت کی پھر اس سے پوری ہو جائے گی تو بارہواں پہلی ہی قیمت قرار پا جائے گی۔ ان شاء اللہ یہ کتاب بموری معاودہ میں زیر طبع ہو کر تیاری میں شائع ہو جائے گی۔ جن معاونہ ذیل صاحبوں کا دل سے شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اس کتاب کی اعانت کے لئے بیاد فرمائی اور خریداری کتاب کا وعدہ فرمایا۔

(۱) جناب نواب شاہجہان بیگم صاحب والیہ ریاست بھوپال۔

(۲) نواب صاحب بہادر فرمان روائے ریاست ٹونک۔

(۳) فلک سید محمد حسن صاحب وزیر اعظم ریاست پٹیالہ۔

(۴) جناب نواب محمد فیروز الدین خاں صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست بہاولپور۔

(۵) جناب غلام اللہ خاں صاحب وزیر ریاست جونا گڑھ (کاٹھیاواڑ)۔

(۶) جناب نواب مکرم الدولہ بہادر حیدر آباد دکن۔

(۷) جناب نواب فخیر الدولہ بہادر بھوپال۔

(۸) جناب نواب سلطان الدولہ بہادر بھوپال۔

(۱) جناب نواب علی محمد خاں صاحب بہادر لوہارو۔

(۲) جناب نواب غلام محبوب سبحانی خاں صاحب رئیس اعظم ٹونک۔

(۳) جناب سردار غلام محمد خاں صاحب رئیس دتہ۔

(۴) جناب مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب جائنٹ مددگار افسر حیدرآباد دکن۔

(۵) جناب مرزا سعید الدین احمد خاں صاحب بہادر اکنٹنٹ کمشنر نیمور پور۔ (تاریخ رسالت، جلد اول، ص ۱۱۰)

(۶) شیخ محمد بہاؤالدین احمد خاں صاحب مددگار افسر ریاست حیدرآباد۔ (ایضاً، جلد اول، حصہ ۲، ص ۷)۔

مرزا صاحب کے بے پناہ پروپیگنڈا نے لوگوں کو کتاب کا بڑا مشتاق بنا دیا تھا جب پہلے دو حصے چھپ چکے تو مرزا صاحب کے جذبہ زر طلبی میں اور زیادہ تیزی پیدا ہوئی اب اس کی قیمت دس روپے کی بجائے مرزا خلال مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے کم از کم تخمیں روپے قرار پائی۔ اور ہر ایک سے تخمیں روپے سے لے کر سو روپے تک وصول کیا جانے لگا۔ تخمیں روپے سے لے کر سو روپے تک قیمت مقرر کرنے کے متعلق مرزا جی نے جو اشتہار شائع کیا اس میں لکھا کہ کتاب "براہین احمدیہ" جس میں تین سو صحیفہ دلائل سے حقانیت اسلام ثابت کی گئی ہے اور ہر ایک مخالف کے مقابلہ پر ایسا استدلال کیا گیا ہے کہ گویا اس مذہب کو فتح کیا گیا اور پھر ذمہ لیں ہوگا اس کتاب کے بارے میں بجز چند جاہل اہل اسلام کے جن کی توجہ سے دو حصے اور بھی تیسرا حصہ چھپ گیا ہے ہر بھلے اور لوگوں نے اعانت کی ہے اس لیے کہ فکر بجائے تشریح کے انا للہ و انا الیہ راجعون ؛ قناعت کریں تو مناسب ہے۔ پہلے یہ کتاب تین پیشیں تک مکمل ہوئی تھی اور پھر سو ۱۰۰ (سات سو صفحے) تک بڑھا دی گئی اور دس روپیہ عام لوگوں کے لیے اور تخمیں روپیہ دوسری قوموں اور خواص کے لیے مقرر ہوئی مگر اب یہ کتاب بوجہ اشتمال جمیع ضروریات تحقیق و تدقیق تین سو ۳۰۰ (چار ہزار آٹھ سو صفحات) تک پہنچ گئی ہے۔ جس کے مصارف پر نظر کر کے یہ واجب معلوم ہوا تھا کہ اس کی قیمت کتاب سو روپیہ رکھی جائے مگر یہ باعث پست ہمتی اکثر لوگوں کے یہی قرین مصلحت معلوم ہوا کہ اب دس قیمت مقرر ساتھ

کہ گویا کچھ بھی نہیں ایک دیا ہی قیمت قرار پائے اور لوگوں کو ان کے حوصلہ سے زیادہ تکلیف دے کر پریشان نہ کیا جائے اور واضح رہے کہ اب یہ کام ان لوگوں کی مدد سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا کہ یہ بھوکے فروتر ہونے کی وجہ سے ایک مادی بوجھ رکھتے ہیں بلکہ اس وقت کی ایک ایسے مالی مدد کی ضرورت کی طلب ہے کہ جس کا بے بہا ایمان خرید و فروخت کے تنگ قرار میں سما نہیں سکتا بلکہ اپنے ہاتھوں کے خوش میں بیشمار بادلوں خریدا چاہتے ہیں۔ (مکتوبات، جلد اول، ص ۱۳۲-۱۳۳)

زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے اشتہارے

اب کاتوانی صاحب نے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے یہ اسکیم اختیار کیے۔ اول تو یہ کوشش کی کہ کوئی شخص قیمت کا لفظ ہی زبان پر نہ لائے کیونکہ "خرید و فروخت کا خیال تنگ ظرفی کی دلیل ہے"۔ مگر یہ ابتدائی اسباق طلبا کے ایک بڑا حصہ مرزا صاحب کو خیرات میں دے دیتے اور اس کے مطالبہ میں مرزا صاحب سے بیشمار بادبیں کا تحفہ حاصل کر لیتے اور اگر کوئی شخص اس طرح نہیں جانتا تھا یا پچاس روپیہ سے بھی کم دینا چاہتا تھا تو وہ شیار دکاندار کی طرح اس سے کہا جاتا تھا کہ تم ایک پائی نہ دو مگر ملنے ہی لے لیں کیونکہ ہم غریبوں کو مفت بھی دیتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو اس کے لیے تیار نہ ہو گا کہ غریب بن کر مفت مانگا یا پچاس روپیہ سے کم قیمت پر کتاب مانگنے کی جرأت کرے۔ مرزا صاحب نے سید نور علی خاں" بیرسٹر کو اول کے نام ایک خط لکھا اس میں لکھا تھا کہ "قیمت کتاب سو روپیہ سے پچاس روپیہ تک حسب مقدرت ہے۔ یعنی جس کو سو روپیہ کی توفیق ہے وہ سو روپیہ دیا کرے اور جس کو کم توفیق ہے وہ کم۔ مگر بہرحال پچاس روپیہ سے کم نہ ہو۔ البتہ غربا کو مفت بھی ملتی ہے۔ اب جس صیغہ میں چاہیں لے لیجئے اور چاہیں تو مفت منگوا لیجئے"۔ (مکتوبات احمدیہ، جلد ۵، نمبر ۲، ص ۲) تھوڑے دن کے بعد مرزا صاحب نے ایک اور اپیل شائع کی جس میں لکھا "امید یہ کی گئی تھی کہ امرائے اسلام اور ذی ہمت اور نوابانِ علوم ہیں اس کتاب کی اعانت میں دلی ہمدردی سے مدد کریں گے لیکن اب تک وہ امید پوری نہ ہوئی۔ بلکہ بجز حال جناب خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ (پنجاب) کہ جنہوں نے سمجھن

طالب علموں کو تقسیم کرنے کے لیے پچاس جلدیں اس کتاب کی خریدیں۔ اور نیز فراہمی خریداروں میں بڑی مدد فرمائی۔ اکثر صاحبوں نے ایک یا دو حصے سے زیادہ نہیں خریدے۔ لہذا بذریعہ اس اعلان کے خدمت ان ذی ہمت امراء کے جو عاشق دین اسلام میں معروف ہو رہے ہیں عرض کی جاتی ہے کہ وہ جیسے کار ثواب میں کہ جس سے اعلائے کلمۂ اسلام ہوتا ہے اعانت سے دریغ نہ فرمائیں۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۸)

ان حضرات کا شکریہ جنہوں نے براہین کو بے مصرف خیال کیا

غرض مرزا صاحب اسی طرح اشتہار پر اشتہار چھاپتے اور پروپیگنڈا کرتے رہے' اس اثناء میں اہل حضرات نے یہ کہہ کر صاف کوئی اور راست بیانی کا حق ادا کیا کہ کتاب "براہین احمدیہ" کی اشاعت ہی غیر ضروری ہے۔ مرزا صاحب ان لوگوں کا شکریہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ایک اور بڑی تکلیف ہے جو بعض ہاشم لوگوں کی زبان سے ہم کو پہنچ رہی ہے اور وہ یہ ہے جو بعض صاحب جن کی رائے پر اعتماد کر کے ذی ہمت لوگوں نے دینی معاملات میں کبھی نہیں ہے وہ اس حقیقت حال پر اطلاع پا کر کہ "براہین احمدیہ" کی تیاری پر لوازم سے قریب آ گیا ہے بجائے اس کے کہ دلی غم خواری سے کسی قرض کی اعانت کی طرف متوجہ ہوتے۔ وہ اپنی بیوقوفی کی قیمت کتاب و کاغذ صداقت طبع کے مانگ رہے ہیں ان کے بیجا نقصان کے لئے کچھ نہ کچھ عذر دکھانے سے متفکر باتیں کرنے سے ہمارے کام میں خلل انداز ہو رہے ہیں اور لوگوں کو یہ دھوکا کھاتے ہیں کہ کیا کتابیں کہ فروخت ہوتی ہیں اب اس کی حاجت ہے؟ یہ لوگ اس چندہ بھیجنا کی تحقیر کر کے لوگوں کو اس کے فوائد عظیمہ سے محروم رکھنا چاہتے ہیں اور خلل زنی کر رہے ہیں۔ کتاب "براہین احمدیہ" بغیر اشد ضرورت کے نہیں لکھی گئی۔ ورنہ ضرور نہ تھا کہ ہم ایسا مشغل اپنی جان کو محنت شدید میں ڈال کر اپنی عمر عزیز کا ایک حصہ خرچ کرتے۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۳۰)

مرزا صاحب نے ایک اعلان میں بعض نوابوں اور رئیسوں کی توجہ اور بعض کی تعریف بھی کی۔ چنانچہ لکھا "مطابق جو پہلی مشتہر کیا گیا تھا کہ اب یہ اشاعت بند جانے خلاصہ کے اصل قیمت کتاب کی سو روپیہ ہی مناسب ہے کہ اول مقدرت لوگ اس کی رعایت دیکھیں کیونکہ خریدوں کو یہ صرف دس روپے میں دی جاتی ہے جو بہت نقصان کا واجبات سے

ہے۔ مگر بجز سات آٹھ کاپی کے سب فروخت میں داخل ہو گئے۔ خوب خیر (اطلاق) کیا۔ ہاں نواب اقبال الدولہ صاحب جید کاپی لے لیا اور ایک اور رئیس نے ضلع باندہ سے ایک نسخہ کی قیمت میں سو روپیہ بھیجا ہے۔ اور ایک محمد دلاور محمد افضل خاں نے ایک سو دس روپے اور نواب صاحب بلیر کوٹ نے تین نسخہ کی قیمت میں سو روپیہ بھیجا اور سوا سو عطر مگھ صاحب رئیس اعظم لودیانہ نے اور عنایت فرمائی روپے بھیجے ہیں۔ بخیل اور ممسک مسلمانوں کو جو پیسے پیسے جمع اور ہاتھوں سے پالے جاتے ہیں اور قارون کی طرح ہمہ تن روپیہ بھائے بیٹھے ہیں۔ اہل سلامت کو سوا سو صاحب کے مقابلہ پر دیکھ لینا چاہیے۔ (تتمہ رسالہ' جلد اول' ص ۳۴) جب پریس گڑھا اور اشتہار بانٹی کی بدولت الہام کلہ روپیہ کی خوب دیگ چل چکی تو مرزا صاحب نے سوچنے و سمجھنے کرام کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ ہمیں خداوند عالم کا کیا کیا شکر ادا کیا جائے کہ جس نے ہمیں کے بھیجوانے کے لیے اسلام کے تمام اور بزرگوں اور اکابر اور امیروں اور دیگر اہالیوں اور موضوں اور مسلمانوں کو شائق اور راغب اور طالب کر دیا۔ ہاں اس جگہ میں تمام صاحبان سوچنے والوں کا شکر کرنا بھی واجبات سے ہے کہ جن کی کریمانہ توجہات سے میرے مقاصد دینی حاصل ہونے سے سلامت رہے' میں ان مہربانوں کی زبانوں سے کیا بیان کروں کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ ان سے میں ان کا شکر ادا کر سکوں۔ (تتمہ رسالہ' جلد ۶' ص ۴۸۳)

فصل - ۳ خلف وعدہ اور خریداروں کا روپیہ ہضم کرنے کی منظم خیز توجیہ

جب قادیانی صاحب تین سو جلد (چار ہزار آٹھ سو صفحات) کی کتاب کی قیمت میں اور بھی خیرات کے طور پر ہزارہا روپیہ قوم سے وصول کر چکے تو اب شومئی قسمت سے صرف چار حصوں یعنی ۳۲ صفحات کی کتاب پر ان لوگوں کو ٹرخا دینے اور ہزارہا روپیہ کی رقم ضلع ہے اکار ہضم کر جانے کا عزم صمیم کیا گیا۔ لیکن اس بدعہدی کے جواز کی بھی کوئی وجہ تجویز ہونی چاہیئے تھی۔ حق زبانی تو مسیح صاحب کے گھر کی لونڈی تھی۔ بات یہ بنائی کہ اب خدا رب العلمین اس کتاب کا متولی و مہتمم ہو گیا ہے۔ اس ولایت و اہتمام خداوندی کا

یہ مطلب تھا کہ اب میں باقی ماندہ کتاب کی طبع و اشاعت کا کوئی ذمہ نہیں لے سکتا۔ چنانچہ ۱۹۱۸ء میں مرزا صاحب نے براہین احمدیہ (حصہ چہارم) کے آخری صفحہ پر "ہم اور ہماری کتاب" کے زیر عنوان یہ اعلان شائع کر دیا۔ ۱۸۸۴ء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی خاص ضرورت تھی۔ اب اس کتاب کا طبع اور مکمل کا چھپنا" امر باطنا" حضرت رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدار تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس نے بلد چہارم تک انوار حقانیت اسلام کے ظاہر کیے ہیں یہ بھی انام تحت کے لیے کافی ہیں۔ اس جگہ میں اپنے دل ایمانداروں کا شکر کرنا لازم ہے۔ جنہوں نے اس کتاب کے طبع ہونے کے لیے آج تک مدد دی ہے۔ بعض صاحبوں نے اس کتاب کو محض للہ و فی اللہ کا ایک سلسلہ سمجھا ہے۔ اور بعض کے سینوں کو خدا نے کھول دیا۔ اگر حضرت احدیت کا ارادہ ہے تو کسی اور مقدرت کے دل کو بھی اس کام کے اتمام دینے کے لیے کھول دے گا۔ واللہ علی کل شی قدیر۔" (تبلیغ رسالت جلد اول" ص ۷ مجموعہ ۱۹۷۱ء) اس تحریر سے مرزا صاحب کا یہ مقصد تھا کہ باقی ماندہ کتاب کے متعلق کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی۔ کیونکہ کتاب کی تکمیل تحریص ہم ہو چکی ہیں۔ البتہ اگر حق تعالیٰ کی خواہش ہو تو وہ کسی سرمایہ دار کو گمان کر دے کہ وہ اپنے سرمایہ سے باقی ماندہ کتاب طبع کرا دے اور اس طرح تحریص زمان بچے کے دیرینہ سوالی ارمان پورے کر دے۔ واقعی دولت باری اور متمول سلسلہ اسی کو کہتے ہیں۔ جس کا نظارہ کے مہدی صاحب نے ثبوت دیا۔

تین سو جزء کے وعدہ کے عدم ایفاء کا اعلان

چونکہ مرزا صاحب براہین کے خریداروں سے کتاب کی قیمت پیشگی وصول کر چکے تھے اور ہزارہا روپیہ کی وصولیابی کے بعد اب خریداروں کی طرف سے کسی اور رقم کے ملنے کی توقع نہ تھی اس لیے نقصان کے پیش صاحب "براہین احمدیہ" کو نظر انداز کر کے اس کی جگہ دوسری کتابیں مثلاً سرمہ چشم آریہ" اور رسالہ "سراج منیر" وغیرہ چھپوا کر زر احمدی کے سلسلہ میں فروخت کرنے لگے۔ اور براہین کے متعلق اعلان کر دیا کہ الہامات الہیہ کی بنا پر تین سو جزء کے وعدے پورے نہیں کیے جا سکتے۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں اپنی اس کتاب "سرمہ

جلسم آریہ" کے ماتحت شائع کیا۔ یہ رسالہ کمل الجلد اور سرورق جلسم کے
نہایت صفائی سے چھپ کر ایک روپیہ بارہ آنہ میں اس کی قیمت عام لوگوں کے لیے قرار پائی ہے
اور خواص اور ولی استطاعت لوگ جو کچھ اوپر دیں ان کے لیے موجب ثواب ہے
کیونکہ "سرمہ چشم" اور "براہین" کی طباعت کے لیے اسی قیمت سے سرمایہ جمع ہوگا' اس
کے بعد رسالہ "سرمہ چشم" چھپے گا۔ اس کے بعد چوتھا حصہ کتاب "براہین احمدیہ" چھپنا
شروع ہوگا' جو لوگ وقف شدہ براہین سے مستفید ہو رہے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ
اس زمانہ وقف میں کیا کیا کارروائیاں ہوئیں۔ تمہید کتاب کے ضمن میں کئی ہزار کے
قریب اشتہار تقسیم کیا گیا اور صدہا تک اخبار و رسالہ جات امریکہ میں خطوط دعوت اسلام اردو
انگریزی میں بھیجوا کر اور ردی کرا کر بھیجے گئے۔ ہاں بعد اگر بعض صاحب اس وقف سے
بدظن ہوں تو ہم ان کو حق کی شہادت دیتے ہیں نہ ہم کو اپنی خاص قوم سے انقطاع
دیں تو ہم بری نہیں کہ جس وقت ہم کو ان کی قیمت مرسلہ پہنچے تو اسی وقت ان کو کتاب
واپس کر دیں گے۔ بلکہ ہم صاحب لکھتے ہیں کہ اپنے صاحبوں کی ایک فہرست تیار کی
جائے اور ایک ہی دفعہ سب کا فیصلہ کیا جائے۔ اور یہ بھی ہم اپنے گزشتہ اشتہار میں لکھ
چکے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تالیف کتاب بڑے اختلافات اور بے سروسامانی کا پڑ گیا ہے۔ اور اب
ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب کتنی سو جزو تک ضرور چھپے بلکہ جس طور
سے خدائے خلاق عالم سمجھے گا کم یا زیادہ بلاشبہ فاضل چہل شرائط کے اس کو الہام دے گا کہ
یہ سب کام اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے امر سے ہے (مجموعہ رسالہ جلد اول' ص ۹)

ان خریداروں کا شکوہ جنہوں نے مسیح صاحب کو دغاباز ٹھہرایا

جب مرزا صاحب لوگوں کی رقمیں خرد برد کر چکے اور خریداروں کو اپنی
رقموں کی طرف سے قطعی مایوسی ہوئی تو یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ رقمیوں کے بقایات
مظلوم دل سے آہ بن کر سامل لب سے نکلنے اور مظلوم خریدار شکوہ و شکایت کے دفتر
کھولتے۔ جب قوم صاحب نے دیکھا کہ ان کے خلاف ہر طرف لعن و تشنیع کی گرم
بازاری ہے تو انہوں نے اس خوف سے کہ مبادا مروجہ طریقہ اشاعت بند ہو جائیں کم
مئی ۱۸۸۷ء کو آٹھ صفحوں کا ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ "مجھے ان مسلمانوں کی

حالت پر نہایت افسوس ہے کہ وہ اپنے پانچ یا دس روپیہ کے مقابل پر ۳۰ جلد (۵۳۰ صفحات) کی ایسی کتاب پاکر جو مصارف اسلام سے بھری ہوئی ہے ایسے شرمناک طور پر ناراض اور بد ظنی پر مستعد ہو گئے کہ گویا ان کا روپیہ کسی چور نے چھین لیا یا ان پر کوئی قزاق آپڑا اور گویا وہ ایسی بے رحمی سے بولنے لگے کہ اس کے عوض میں کچھ بھی ان کو نہیں دیا گیا اور ان لوگوں نے زبان درازی اور بدتہذیبی سے اپنے عقل کو سیدھا کیا کہ کوئی دقیقہ سخت گوئی کا باقی نہ رکھا' اس جلد کو بیکار قرار دیا' سخت گھوریاں' سال عوام طور کر کے مقصور کیا۔ حرام خور کہہ کر نام لیا' دغا باز نام رکھا اور اپنے پانچ یا دس روپیہ کے قہر میں وہ سیاہ (بد کہا) کیا کہ گویا تمام گھر ان کا لوٹا گیا۔ لیکن ہم ان بزرگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ کتابیں جو اس کے عوض میں تم نے لیں جن کے ورقے سے تم نے وہ علم حاصل کیا جس کی تمہیں اور تمہارے باپ دادوں کو کیفیت معلوم نہ تھی۔ اور وہ علم ایک طرح شریف کرنے کے اور بغیر خون جگر کھانے کے بھی تحقیق ہو گئی تھیں اور اگر صرف مال ہی ان میں چھپ گئی تھی۔ اور اگر درحقیقت وہ بے بہا جواہرات تھی جس کے عوض آپ نے پانچ یا دس روپے دیئے تھے' تو کیا یہ ٹھیک سودا تھا کہ بے ایمانی اور دھوکہ دہی سے ہمارا روپیہ لے لیا گیا۔ اگر ان پر خوش مضامین کو دیکھنا چاہئے جنہوں نے براہین کے ان حصوں کو دیکھ کر بغیر خریداری کی امید کے صرف حقائق و معارف کو مطالعہ کرنے صدہا روپیہ سے محض للہ مدد کی۔ اور پھر ظاہر کیا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ (انتظار رسالہ' ج ۳' ص ۲۴۳)

واپسی قیمت کے وعدوں کی حقیقت

مرزا صاحب نے اشتہارات سے تنگ آکر یکم مئی ۱۸۸۸ء کو یعنی براہین حصہ چہارم کی اشاعت کے نو سال بعد ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ "اب میں ان خریداروں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا جو سچے ارادت مند اور معتقد نہیں ہیں۔ اس لئے عام طور پر یہ اشتہار دیتا ہوں کہ ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا دیر سے اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ لکھنے کو تیار ہیں یا ان کے دل میں بھی بدظنی پیدا ہو سکتی ہے وہ براہ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرما دیں۔ اور میں ان کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کروں گا کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر

کر دوں گا کہ تا چاروں حصے کتاب کے لے کر روپیہ ان کے حوالے کرے اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدار کتاب فنا ہو گیا ہو اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملتی ہو تو چاہیے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے وہ خط میری طرف بھیج دے تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیج دیا جائے گا اور اگر کسی وارث کے پاس کتاب ہو تو وہ بھی بدستور اس میرے دوست کے پاس برداد کرے۔ لیکن اگر کوئی کتاب کو روانہ کرے اور یہ معلوم ہو کہ چاروں حصے کتاب کے نہیں ہیں تو ایسا پیکٹ ہرگز نہیں لیا جائے گا جب تک فیصلہ نہ ہو جائے کہ جس قدر کتاب ان کو بھیجی گئی تھی۔" (تبلیغ رسالت' جلد ۲' ص ۳۵) مرزا صاحب کی اس لاعلمی کا دکی کے متعلق جس میں قیمت کی واپسی کا بڑے طمطراق سے دعویٰ کیا گیا ہے شمس العلماء مولوی محمد حسین لاہوری نے کتاب "حصائے موسیٰ" میں لکھا کہ براہین کی قیمت کے بارے میں شاید یہ عذر کیا جائے کہ ہم نے واپسی روپیہ کا اشتہار دے دیا تھا اس لیے ہم بری الذمہ ہو گئے لیکن اول تو پہلے سے ایسی کوئی شرط نہیں تھی۔ ثانیاً" یہ اعلان صرف اپنے مریدوں میں تقسیم کیا گیا تمام چار دیواری میں اس کی اشاعت ضروری نہ خیال کی گئی۔ تیسرا اس اشتہار میں بھی ایسی چالاکی کی گئی کہ بیچارے مظلوم خریدار کے لئے مطالبہ زر کی جرأت نہ کریں اور اگر کریں تو مرزا صاحب کے کسی معتمد علیہ کو حاصل کرنے بھیجیں اور اگر مل جائے تو اس سے تصدیق خط حاصل کریں۔ اور پھر مرزا صاحب کے حضور میں پیش کریں۔ پھر جن لوگوں نے براہین کے لیے روپیہ بھیجا تھا ان کے پاس بھی اشتہار نہیں پہنچا۔ اگر مرزا صاحب کی نیت بخیر ہوتی تو خریداروں کو دیکھ کر تمام خریداروں کو قیمت واپس کر دی جاتی۔ یہ حق العباد تھا اس میں جس قدر بھی سعی و اہتمام کیا جاتا تھوڑا تھا۔ (حصائے موسیٰ) معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے واپسی قیمت کا اعلان صرف اس لیے کیا تھا لیکن اعلانوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حقیقت میں لوگوں کی رقمیں واپس دے کر حق العباد سے سبکدوش ہو جائیں۔ بلکہ محض دکھاوے اور دنیاداری کا ایک کھیل کھیلا گیا تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ۱۸۸۸ء کے متذکرہ صدر اشتہار کے قریباً چھ سال بعد یعنی ۱۸۹۴ء میں کھلا اعلان کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اس اعلان میں جو "تمام اہل" طبع اول کے حق اول پر درج ہے مرزا صاحب فرماتے ہیں "براہین احمدیہ کا بقیہ نہ چھاپنے پر اعتراض پیش کرنا محض لغو ہے۔ قرآن

شریف کی بادر کام الٰہی ہونے کے تمہیں بڑی میں نازل ہوا۔ پھر اگر خدا تعالیٰ کی حکمت نے بعض مصالح کی غرض سے براہین کی تکمیل میں توقف ڈال دی تو اس میں کون سا ہرج ہوا۔" لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مرزا صاحب کی طرح خدا اور عالم نے بھی (معاذ اللہ) چار ہزار آٹھ سو صفحات کا قرآن شریف لکھنے کے بعد یہ کہا کہ لوگوں سے کون رقمیں وصول کی تھیں؟ جب ایسا نہیں تو نزول قرآن کی تدریج سے استدلال کرنا انتہا درجہ کی بلید فریبی ہے۔ آگے چل کر حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ "ظاہر یہ خیال ہے کہ ہمارے بعض خریداروں سے روپیہ لیا گیا تھا تو ایسا خیال کرنا بھی سخت دھوکا کھانے کے باعث ہوگا۔ کیونکہ اکثر "براہین احمدیہ" کا حصہ مفت تقسیم کیا گیا ہے اور بعض سے پانچ روپیہ اور بعض سے آٹھ نو تک قیمت لی گئی ہے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جن سے دس روپیہ لیے گئے ہوں اور جن سے چالیس روپیہ لیے گئے وہ صرف چند گنتی کے ہیں۔ پھر ایسا دعویٰ اس قیمت کے دو تین حصص "براہین احمدیہ" کے متقابل پر ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں کو دیئے گئے ہیں بلکہ بہت نہیں ہے بلکہ عین صداقت ہے۔" (تبلیغ رسالت' جلد ۷' ص ۱۵۷۔ ۱۵۸) لیکن افسوس مرزا صاحب اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر گئے کہ انہوں نے شروع میں چار ہزار آٹھ سو صفحہ کی کتاب جس میں تین سو صفحہ ماکل ہونے چاہئیں تھے' پانچ یا دس روپے میں دینا کا وعدہ کیا تھا۔ پانچ سو صفحہ کی کتاب کے لیے انہیں کسی نے پانچ یا دس یا چالیس یا سو روپے نہیں دیئے تھے۔" اس کے بعد مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ "تمام لوگ جو اس قسم کی جماعت اپنے اندر رکھتے تھے انہوں نے کتابیں بھیج دیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور کئی دفعہ ہم کہہ چکے ہیں کہ ہم ایسے کیسہ جیبوں کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتا نہیں چاہتے اور ہر ایک وقت قیمت واپس دینے پر تیار ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے ہی اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہم کو فراغت بخشی (ایضاً)

خریداروں کو گالیاں

ظاہر ہے کہ اس سرپا وشتم فقرات کو پڑھ کر کوئی شریف اور باحیا آدمی چند روپوں کے لیے کیسہ جیب' اعلیٰ درجہ کا کمینہ بننا گوارا نہ کرے گا۔ اضافت و زیادت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس غرض سے روپیہ وصول کیا تھا وہ پوری کی جاتی یا کم از کم مطبوعہ حصہ کی قیمت واپس کر

کے باقی روپیہ خریداروں کو بھیج دیا جائے ایک تو بیچنے خرید کرنا دوسرے لوگوں کا روپیہ ہضم کر جانا شیرے مطابعہ کرنے والوں کو گالیاں دینا کس کی شرافت و ایمانداری ہے؟ حضرت مرزا صاحب کو بخاری و مسلم کی اس حدیث سے سبق حاصل ہونا چاہیے تھا جس میں جناب خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافق کی چار علامتیں بیان فرمائی ہیں' جن میں سے دو علامتیں یہ ہیں کہ امانت میں خیانت کرے اور کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالیاں دے۔ بہرحال مرزا صاحب نے اخیر تک حقوق العباد سے سبک دوش ہونے کا عزم نہ فرمایا۔ یہ سچ ہے کہ انہوں نے واپسی قیمت کا اعلان کیا تھا لیکن مرزا صاحب اس قسم کے ہر اعلان اپنی کتابوں میں درج کرتے تھے۔ جن کا شائع کرنا یا نہ کرنا برابر تھا کیونکہ وہ مرزائیوں کے سوا کسی کی نظر سے نہیں گزرتے تھے۔ اگر مرزا صاحب دل کے ساتھ لوگوں کی حق رسی منظور تھی تو ان اعلانوں کو اپنی کتابوں میں درج کرنے کے بجائے قومی اخبارات میں شائع کرانا چاہیے تھا۔ اور چونکہ تمام لوگ اخبار بینی کے عادی نہیں ہوتے اس لیے اس سے بھی زیادہ ضروری یہ تھا کہ خریداروں کا رجسٹر دیکھ کر ہر ایک کے پتے پر یہ اشتہار بھیجا جاتا۔ لیکن ایسا تو وہ کرے جس کے دل میں خوف خدا ہو اور اس بات کا احساس رکھتا ہو کہ فردائے قیامت کو حقوق العباد کے متعلق خدا کے ہاں پرسش ہوگی۔ پر کہ مرزا صاحب نے لوگوں کی حق رسی کر کے اور مطالبات باقی ماندہ قائم رہنے اور اخراجات میں کمی کی نہ کئی اس لیے مرزا صاحب نے سودے میں یعنی لوگوں سے قیمتیں وصول کرنے کے قریباً تین برس بعد ایک اور نیا اعلان اپنے رسالہ "سراج منیر" میں شائع کر کے حقداروں پر احسان عظیم ہونے کی بے سود کوشش کی جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر بالفرض اس قسم کی نیا اعلانیوں سے لوگ کسی کو بری الذمہ ہی سمجھ لیں تو بھی وہ حقوق العباد سے بری نہیں ہو سکتا۔ بہرحال مرزا صاحب نے اپنے رسالہ "سراج منیر" میں ہر دفعہ دسمبر ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا لکھا۔ اگر میں نے "براہین احمدیہ" کی قیمت کا روپیہ تم سے وصول کیا ہے تو تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ "براہین احمدیہ" کے وہ چاروں حصے میرے حوالہ کرو اور اپنا روپیہ لے لو۔ دیکھو میں کھول کر یہ اشتہار دیتا ہوں کہ اب اس کے بعد اگر تم "براہین احمدیہ" کی قیمت کا مطالبہ کرو اور چاروں حصے بلور دیئے بے وصول میرے کسی دوست کو دکھا کر میری طرف نہ بھیج دو اور میں تین کی قیمت بھر لیتے ان ہر چار حصوں کے واپس کروں تو میرے پر خدا کی لعنت

ہو اور اگر تم اعتراض سے باز نہ آؤ اور نہ کتاب کو واپس کر کے اپنی غلطی کو تسلیم کرو تو پھر تم پر خدا کی لعنت ہو (ہدایت نمبر ۲ ص ۲۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے ۱۹۰۰ء تک بھی لوگوں کی رقمیں نہیں پچائی تھیں۔ میں اگلے سال تک بڑی زور شور سے تبلیغ کرتے رہے لیکن روپیہ کا نام نہ لیا۔

جلب زر کے کارخانی بلکہ دکانوں کے متعلق ہادی خسر کے خیالات

مرزا صاحب کے خسر مدعو میر ناصر نواب ہادی شروع شروع میں چند سال تک مرزا صاحب کے دام تزویر سے محفوظ تھے۔ انہی ایام میں انہوں نے جلب زر کے عرفانی کارخانوں کے متعلق ایک نظم زیر عنوان "مظہری در مقابلہ مکاری دل بادا" لکھ کر ہادی کو صحیح ہادی کو رسالہ "تائید الحق" میں شائع کرنے کے لئے دی تھی۔ اس میں شاعر نے بڑی مسلم امر اور بیساختہ روپ میں لکھ کر صاف لفظوں میں اپنے داماد کو تائب بنایا ہے۔ اس کا ضروری اقتباس ناظرین ہدیہ ہے۔

بندہ اپنی یہ عرض ہے اے مسلمیں
کچھ بنا ہی نہیں تخلیق نہیں
ہیں مٹا ہی کچھ کل سرگرم لوگ
بیکھوں دنیا میں اب پھیلے ہیں دام
ہے یہی واسطہ دنیوں کے لب
بائے دنیا میں پڑا ہے یہ غضب
ہر گڑی ہے بلاؤں کی جاتی
بلکہ ماحول ہو کیسی وبہ سماں
کوئی مل جائے یہ دولت کا سبب
ایک دم میں ہوں ملہ پاک سب
قرض سے اک ملہ ہو جائے نجات
گو ملے صدقہ کہ مل جائے زکوٰۃ

ہر نگاہوں کا ہی یا رہنماؤں کا ہے
رہبروں کا ہی یا مفکروں کا ہے

کچھ نہیں تشکیل سے ان کو غرض
دین کا ہے اس قدر ان کو غرض

اور کہیں تصنیف کے ہیں شاہکار
یہ ان لوگوں نے کیا ہے برملا کہ

جنگ لیکن ہم لڑتے ہیں یہ
قتل کر اس طرح دم لیتے ہیں یہ

تاہیں کیا کر نہیں پڑتے اثر
جیسے چلتا تھا کہیں ان کا نہ

ہر کوئی بندگی یہ ہے ایمان ہے
یہ یا تصنیف اور تبلیغ ہے

بدگمانی کا اسے کوئی
سارے بندگی کا ہے سہارا ہے

ایک تو پہلے سے اس نے ڈر دیا
دوسرے پیغام اپنے کر کیا

کیا کیا ہے ہل نے اچھا یہ
کچھ گھٹا ہیں کا نہ پرتو تھا

پرسوال اب ایک ابھر ہیں گے
پر مسلم آج ابھر ہیں گے

جیتی جاگتی ہے دنیا ہیں
ہر طرف ہمارے انہیں نے جال ہیں

کامیابی اقبال ان کے ٹیک ہیں
سارے کام ہیں یہ کیا ٹیک ہیں

ہر طرح سے مال ہیں یہ فرنچ
ہیں مگر تھے وہ جم سوچ
جس طرح ہو مال کہہ کہا جائے
کہہ دیا لب شبیہ دکھائے
ہیں امیر اور پیٹ ہیں صدقہ زکوٰۃ
دیداری کی نہیں کوئی بات
غم ہے دنیا کمانے کے لیے
عافیت دنیا ہے کھانے کے لیے
اپنی تحریروں سے بھرتے ہیں کتب
کہہ گئے ہیں کیا ان کے ذہب
بکواس کرتے ہیں گو بعضے خواص
کم نہیں کرتے مگر لاف و گزاف

(رسالہ الناصح المشفق' جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۲۱۹)

مجدد تحریکات پر کتابیں خود ہدیہ کرنے کا الزام تھا؟

یہاں کی اشاعت کے زمانہ میں اور اس کے کئی سال بعد تک مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی مرزا صاحب کے ہم خیال و ہم پیالہ تھے بلکہ قادیانی مذہب کی اصل بنیاد مولوی محمد حسین ہی کی کوششوں سے پڑی تھی۔ پس اس لحاظ سے کہ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم مرزائی دکان داری کے اسرار و رموز کو سب سے زیادہ جانتے تھے اس بارہ میں ان کی شہادت سب سے زیادہ وقیع اور قابل وثوق سمجھی جائے گی کہ مرزا صاحب نے تم کتابیں ہدیہ کیا تھا؟ مولوی محمد حسین بٹالوی نے مرزا صاحب کو لکھا تھا کہ "آپ مسلمانوں کا دل بڑھانے سے زیادہ مدعی براہین کی قیمت اور تعریف دلانے کی طمع سے کر خود بدکر کے بعد کتاب براہین احمدیہ جلد ثانی کی صداقت ہے اور تعریف دلانے کے امید وار آپ کا منہ دیکھ رہے ہیں (کتاب "فتح الرحمان" مولفہ مرزا غلام احمد صاحب" ص ۳۴) اس الزام کے متعلق مرزا صاحب نے اکثر جگہ میں مولوی محمد حسین مرحوم کو ایک مکتوب

میں لکھا "آپ کا یہ خیال کہ گویا یہ مالک براہین احمدیہ کے خریداروں میں دس ہزار روپیہ لوگوں سے لے کر خورد برد کر گیا ہے۔ یہ اس شیطان نے آپ کو سمجھا دیا ہے جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ آپ کو یہ کہہ کر معلوم ہو گیا کہ میری نیت میں براہین کا طبع کرنا نہیں۔ اگر براہین طبع ہو کر شائع ہو گئی (کیا اس دن قسم کا فاقہ نہیں ہوگا کہ آپ فاقہ سے مر جائیں؟ ہر یک دن کا فاقہ ہی تھی نہیں ہو سکتی تو ہر بات سا روپیہ والیں بھی کر دیا (مکتوبات احمدیہ' جلد ۲' ص ۳۰) مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں ایک اور بھی بچے کی بابت کی۔ چنانچہ لکھا کہ جب مرزا صاحب نے دیکھا کہ تین سو موعودہ دلائل کا تو عالم خیال میں بھی کہیں وجود نہیں اور بیچے حصوں کی طباعت ناممکن ہے اور اس روپیہ کا بڑا حصہ خرچ میں لایا گیا ہے اسلئے سے ہضم ہونا دشوار ہے تو الہامی صاحب نے کتاب کی تیسری اور چوتھی جلد سے الہام بازی کی خاک اڑانی شروع کر دی اور اپنے خریداروں اور معتقدوں کی توجہ اسلام کے عقلی دلائل کی طرف سے ہٹا کر اپنے الہامات کے صدق کی طرف منعطف فرما دی۔ (رسالہ اشاعۃ السنہ" جلد ۱۰' ص ۳۰۔ ۳۱)

فصل - ۳ تین سو موعودہ دلائل

مرزا صاحب نے براہین کی قیمت وصول کرتے وقت یہ وعدے کیے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ اس کتاب میں حقانیت اسلام کے تین سو دلائل درج کریں گے۔ لیکن مرزا صاحب کتاب کے چاروں حصوں میں ایک دلیل بھی پوری نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کے فرزند گرامی میاں بشیر احمد ایم اے سیرۃ المہدی میں لکھتے ہیں۔ تین سو دلائل جو آپ (مرزا غلام احمد) نے لکھے تھے ان میں سے صرف ایک ہی دلیل پوری ہوئی اور وہ بھی نامکمل طور پر (سیرۃ المہدی' جلد ۱' ص ۳۴) اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے خریداروں کے بار بار تقاضوں کے باوجود اپنے وعدے کا کوئی احساس نہ کیا حالانکہ وہ لکھتے پڑھے آدمی تھے اور انہوں نے کم از کم سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ضرور پڑھا یا سنا ہوگا کہ جس شخص میں یہ چار خصلتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے۔ جب امانت سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے' بات کرے تو جھوٹ بولے' وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے

اور کسی سے جھگڑے تو گالیاں دے۔ (بخاری و مسلم) بلکہ مولانا عثمانی صاحب نے تو خود سلامی اور تاویل کاری کے امام تھے لیکن جب ان پر ہر طرف سے بدعتی کے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی تو بے چارے بغلیں جھانکنے لگے۔ فاکہ سر پکا لیکن کوئی تاویل کام نہ آئی۔ آخر تیئیس سال کی سوچ بچار کے بعد جب اقبال سے تھوڑے دن پیشتر براہین کا حصہ پنجم مرتب کیا تو اس میں لکھا کہ اسلام کی حقانی ثابت کرنے کے لیے ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اہل تعلیم کے لحاظ سے کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پھر دوسری قسم کی جو اسلام میں پائی جاتی ہے جس میں کوئی مذہب اس کا شریک نہیں اس کی اندرونی برکات اور تاثیرات ہیں۔ اس لیے ان دو قسم کی دلیلوں کے موجود ہونے کے بعد کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ اور میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثبات حقانیت اسلام کے لیے تین سو دلیل براہین احمدیہ میں لکھوں لیکن میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کے دلائل ہزارہا دلائل کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے جیسے دل کو اس طرف سے پھیر دیا اور زور دیا دلائل لکھنے کے لیے لکھے شرح صدر عنایت کیا۔ (براہین' حصہ پنجم' ص ۵۵) اہل انصاف غور کریں کہ اگر واقعی خدا نے مرزا صاحب کا دل تین سو دلائل کی تحریر و تسوید کی طرف سے پھیر دیا تھا تو یہ امر بداہتہ ظاہر ہے کہ اس ذات نے جو ہمارے ان کے دل کو لوگوں کی اعلام حقہ لاحقین دلیل کرنے کی طرف کیوں مائل نہ کیا؟ جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب محض افترا کے بنائے ہیں' ان کو خدا اور صداقت سے کوئی سروکار نہیں۔

کیا اعلان طباعت سے پہلے کتاب مرتب ہو چکی تھی؟

ایک اہم سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین کا اعلان کرنے اور اس کا جواب دینے والے کو تین اسلام کے لیے دس ہزار روپیہ کا انعام مشتہر کرنے سے پہلے کتاب کا کتنا حصہ تیار کر لیا تھا؟ کیا اس قدر مقامات چھپ چکے تھے جو ایک ضروری دلیل پر مشتمل تھے اور چار حصوں میں شائع کر دیئے گئے' یا تین سو سے زیادہ' یا کسی قدر کم دلائل کا سارا مسودہ تیار ہو چکا تھا؟ اس کے متعلق مرزا غلام احمد صاحب قادیانی میں لکھتے ہیں۔ "جب ۱۸۷۹ء میں براہین کا اعلان کیا تو اس وقت تک اس کا قلم دو ہزار صفحہ تک پہنچ چکا تھا جن

میں اسلام کی صداقت پر تین سو دلائل لکھے تھے چنانچہ چار جلدیں شائع ہو گئیں۔ مگر اصل کتاب کے صرف چند ورق درج ہوئے ہیں اور صرف ایک دلیل لکھی گئی ہے اور وہ بھی ادھوری۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۳۳) اور خود مرزا غلام احمد صاحب نے براہین کے صرف چھ حصے میں لکھا ہے کہ کتاب تین سو دلائل اور قوی دلائل حقیقت اسلام اور اصول اسلام پر مشتمل ہے۔ دیکھئے سے صداقت اس دین متین کی ہر ایک طالب حق پر کاہر ہوگی بجز اس شخص کے کہ بالکل اندھا اور تعصب کی حد تک گیا ہو۔ (براہین' ص ۱۳۶) اور براہین کے چھ سے حصہ کے شروع میں صوفی غلام محمد بگوی" کے نام جوابی گھلا تھا میں نے صاف لکھا تھا اور لکھ دیکھ کر کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا تھا اور کتاب موصوف میں تین سو عقلی اور نقلی دلیل سے صداقت اسلام کو فی الحقیقت آفتاب سے بھی زیادہ روشن تر دکھلایا گیا۔" (ایضاً جلد ۲' ص ۱۰۱) باپ اور چچا کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے وقت تین سو موجودہ دلائل کا مسودہ تیار تھا لیکن ہر وہ بالفعل مرزا غلام احمد۔ چنانچہ فصل ۲ میں مرزا صاحب کا بیان درج کیا جا چکا ہے کہ میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ فقط حقیقت اسلام کے لئے تین سو دلیل لکھوں لیکن اس کے بعد خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا"۔ اصل یہ ہے جیسا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں لکھا تھا کہ مرزا صاحب نے یہ دیکھ کر کہ تین سو موجودہ دلائل کا تو نام نہاد ہی کہیں وجود نہیں اور جو چند حصوں کی عبارت ہاتھ لگی ہے اور اس روپیہ کا بوجھ اس کے عوض میں لیا گیا ہے آسانی سے ختم ہونا دشوار ہے تو تیسری اور چوتھی جلد سے انجام بالکل شروع کر دیا۔ غرض اس کارروائی میں لوگ مرزا صاحب پر فقط بالائی' وعدہ خلافی نہیں حرام' فریب دہی طرح طرح کے الزام عائد کرتے ہیں۔

فصل - ۵ براہین کا لب و لہجہ

براہین کا لب و لہجہ ایسا خراب ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی بلند پایہ عیسائی چڑھے اور مشتعل نہ ہو۔ وہی باتیں جو بار بار اللہ اور رسول اور قرآن میں لکھی تھیں' نرم لہجہ اور دل نشین الفاظ میں بھی لکھی جا سکتی تھیں۔ مرزا صاحب نے مذہب کی آڑ لے کر اپنے تمام نفسانی مقاصد حاصل کر لئے لیکن مذہب اسلام کو ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچا بلکہ انہوں نے

انا اصل دین' دینی معاشرت اور قومی وحدت و اتحاد کو بے حد نقصان پہنچایا۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں دائمی منافرت کی تخم ریزی

مرزا صاحب نے ملت حنیفہ کو یہی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ان کی دریدہ دہنی نے اسلام اور اہل اسلام کے مخالف کتابوں اور عیسائیوں کے دلوں میں عناد و عداوت کی مستقل تخم ریزی کردی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا کہ مرزا صاحب نے براہین کی ان جلدوں میں اور اپنے رسائل و اشتہارات میں ہندوؤں کو کوسنا اور ان کی ہجویں گالیاں دینا شروع کیا۔ "منشور حق" کے صفحہ ۱۰ پر لکھا کہ "تمہیں بھی کہ اپنی قوم کا رائد تو دیا تمہیں ہر بری بات کی تحقیق کرنے پھرتے ہو"۔ یہ تو تخم ریزی میں آریہ قوم کا ذکر تھا۔ براہین میں کہیں اور ان کے سیدھی کر دیا کہ اس کے خلاف ہندوؤں کو اپنے الہاموں میں دھمکیاں دینی شروع کیں۔ یہ الہام بعد کے کمال اشتعال اور مستقل عداوت کا پتہ دیں گے (الفاروق "اسد" جلد ۱۰ ص ۳۰۰) براہین کی مندرجہ ذیل تعلیم میں کہ مرزا صاحب کا نام درج کیا تھا جس سیاق و سباق سے اس کا ربط تھا وہ بانی اسلام کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ظہیر صاحب کی تنقید بالکل بے اثر ثابت ہوتی ہے۔

تو خدا ان رائی نہیں ہیں
ناقص ہیں ناقص ہیں ناقص

غیب کر تو تو اشتہ ہست و بود
ہیں چہ خوام ہم تو نے بدیہ

گردنت عہد پے وفا بود محکم
وی صحیفہ تو بہ ثبت بکر

گرنہ بودے تو بعد تو نبی
نیک بودے زیں جہاں چیں مکن

ارزے گر زاست جملہ ہست
نیک بد تر خلقت و گویت

زانکہ کتاب و شق و کفرت در سراست
دیں نجاست خباثت ازاں پرتر است

تو بھی اے شیخ مہدی
زانکہ از جان جہاں سرخش شدی
لیک گر خواں یا نگر ■
ہر کہ ان مہدی شان مہدی

مہدی ہر دو جہان خداست
بعدل است ورنی و ما است
ایں کہاں است گر کہیں فرماں
باشد اندر کتب چنیں فرماں

نے دل مہدی و نہ راہ دیں
رائی دوگانہ رب العالمیں
اے خدا جاں لیخانے پرکر
کز جنا با حق لیبا رہ کر

(براہین، ص ۵۸۰- ۵۸۳)

انبیاء کرام علیہم السلام کو چڑت لیکھرام کی گالیاں

مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ جو قبر مسلم براہین کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ چڑت لیکھرام نے کتاب براہین کے نام سے اس کا جواب لکھا لیکن یہ جواب کیا تھا دشنام دہی اور بدگوئی کا ایک نمونہ قرمساق مرتع تھا اور یقین ہے کہ جب سے انسان عالم وجود میں آیا کسی بدباطن سوختہ حق نے خدا کے برگزیدہ نبیوں اور دوسرے مقربان بارگاہ احدیت کو اتنی گالیاں نہ دی ہوں گی جتنی کہ چڑت لیکھرام نے اس کتاب میں دیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کو کہنا پڑا کہ چڑت لیکھرام سے جو ایک بیہودہ آدمی تھا خلاف ہرگز اور توقع نہ تھا۔ اس نے ساٹھ سال تک مل جل کر اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برا بھلا کہا اور

"براہین احمدیہ" کے جواب میں چند کتابیں جو محض بدگوئی کا مجموعہ تھیں اور جن کا بہت سا حصہ خطوط عیسائیوں کی تحریروں سے انتخاب کیا گیا تھا شائع کیں اور ساتھ ہی عام جلسوں میں بانی اسلام علیہ التحیۃ والسلام کو برا کہہ کر مسلمانوں کی دل آزاری کرتا رہا۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۰ ص ۳) اور یہی وجہ تھی کہ انعام کا چیلنج لیکھرام کو کسی مسلمان نے قبر خوانوں میں نہیں بھیجا تھا۔ لیکن فکر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ چیلنج دینے کو اسلام اور داعیان اسلام علیہم السلام کے خلاف اشتعال دلانے اور دیدہ دلیری پر مائل کرنے والے یہی حضرت مرزا غلام احمد تھے۔ چنانچہ لیکھرام نے اسی وجہ سے مرزا غلام احمد کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ آپ براہین کا جواب لکھنا بے فضول ہے تو فضول بلکہ آپ ہی کیونکہ آپ نے قرآن کی رد سے انکار کیا۔ ہم کو اشتعال دلایا جس کی وجہ سے ہم نے جواب لکھا۔ اگر آپ ہمیں برا نہ کہتے تو ہرگز جانتا کہ کیسی ہرگز دین اسلام کے خلاف قلم اٹھانے کا کبھی خیال نہ کرتا۔ پس اگر خدا تعالیٰ غضب الٰہی نازل ہوگا تو اول آپ پر بجلی غضب کرے گی۔ پھر اگر طاقت ہو اختیار ہم ہے تو ہم بھی ہمراہ ہیں (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۰ ص ۳) پر چڑک جاتا ہے مرزا اور جواب دیتا ہے

فصل-۲ مرزائی الہامات و مکاشفات کی صحت سے ملائے وقت کا انکار

مرزا صاحب نے براہین کی اشاعت سے پہلے اس کا کوئی خریدار پیدا کیا اس سے لوگ سمجھے گے کہ خدا جانے وہ کیسی بلند پایہ چیز ہوگی جس کے مول شروع میں کئے سے پہلے ہی اتنا شور ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اگر جب شائع ہوئی تو اس شعر کا مصداق تھی۔

بسا شور بسکے شنیدہ بیں بس کا ہر چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

ایک جلد تو براہین ہی کے مول اشتعار کی نذر ہو گئی تھی۔ باقی جلدیں بھی مطبوعہ شروع ہوئے تھے لیکن ان کی بابت بھی عموماً یہی سمجھا جاتا تھا کہ ان میں گذرت الہامات و مکاشفات پر رکھی گئی

تھی۔ لیکن چونکہ براہین کے اثبات اصول و عقاید اسلامی کے مراد تھا' خلاف نہ تھے بلکہ عموماً مؤید و مصدق کا حکم رکھتے تھے۔ بعض علماء پر تعصب حسن ظن کے خیال میں پھنسے رہے اور براہین کے اثباتوں کو نہ تو قبول کیا اور نہ مستوجب بلکہ غلو و بے معنی سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور کوئی تعرض نہ کیا۔ اور لطف یہ ہے کہ مرزا صاحب نے بڑی عبارت کے ساتھ قبول اکثر علماء کے اس عدم تعرض کو متعلق کر لیا" ہے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "غور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے دعوائے مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی اثباتات سے پڑی ہے اور انہی میں میرا نام خدا نے مسیح رکھا۔ اگر علماء کو غیرت دینی کہ ان اثبات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس طرح پر بہتیرے بعض کے (براہین مرتبہ مرزا غلام احمد صاحب' نمبر ۲ ص ۱۱) مگر یہ صریح الفاظ بیانی ہے مرزا صاحب کے اثباتات کو علماء میں سے کسی نے قبول نہ کیا بلکہ ان کی بہت بڑی اکثریت مخالف و صریح الفاظ میں ان کو مسترد کرتی رہی۔ خود مرزا صاحب کی تحریر سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ براہین میں لکھتے ہیں کہ شہاب الدین نامی ایک شخص ساکن موضع سعد اللہ لدھیانہ" نے آکر بیان کیا کہ مولوی غلام علی صاحب امرتسری اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالحق صاحب اور بعض دیگر مولوی صاحبان اس قسم کے الہام سے اور رسولوں کی وحی کے مطابق ہے باصرار تمام انکار کر رہے ہیں بلکہ ان میں سے بعض مولوی صاحبان تو ایسی (براہین) کے نیاثات سے اس کو منسوب کرتے ہیں اور ان کی اس بات میں یہ شک ہے کہ اگر یہ الہام حق اور سچ ہیں' تو صاحب کرامات اس کے پانے کے واسطے مستحق تھے حالانکہ ان کا پایا مستحق نہیں"۔ (براہین احمدیہ' ص ۵۴۲)

بعض علماء اپنے بھی تھے' جن کی معاند تھی اور فراست ایمانی نے پہچان لیا تھا کہ براہین کی اشاعت کے ساتھ ہی جانب لیا تھا اور غلو ظاہر کیا تھا کہ یہ شخص کسی دن دعوائے نبوت کرے گا۔ چنانچہ مولوی محمد اللہ صاحب امرتسری کا بیان ہے کہ "میں نے حافظ عبدالحق مرحوم واعظ گیانی کو خود یہ کہتے سنا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ کسی دن یہ شخص نبوت کا دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ اسی طرح بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مولوی غلام علی صاحب مرحوم امرتسری کو بھی مرزا صاحب کی طرف سے شکر انگیزی کا شک تھا اور ان کا بھی خیال

تاکہ یہ شخص خود نبوت کا دعویٰ کرے گا اسی طرح مولوی نظام دین تحصیلدار اور مولوی محمد اسمٰعیل ایڈیٹر اشاعۃ السنہ کے سوا سارے علماء بھی مرزا صاحب سے بہت خوش رہتے تھے۔ مولانا محمد لطیف صاحب لکھتے ہیں "تعجب یہ ہے کہ ان علماء کی فراست کس درجہ غلط تھی کہ انجام کار وہی ہوا" جو ان حضرات نے گمان کیا تھا۔ (تاریخ مرزا ص ۹)

براہین بحیثیت کلام الٰہی

مرزا کی کے خریک "براہین احمدیہ" بھی (معاذ اللہ) کلام الٰہی تھا چنانچہ رسالہ "دیباچہ تحفہ" صفحہ ۱ پر لکھا کہ "براہین احمدیہ" میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں آخری دنوں میں کافروں کیلئے گا اور الہام کے صفحہ ۱۱۱ پر لکھا کہ خدائے تعالیٰ نے "براہین احمدیہ" میں بھی اس بات کا نام اسمی بھی رکھا اور بی بھی"۔ اور "حجج الکرامہ" صفحہ ۱۰ پر لکھا کہ میں باطل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے لکھے بڑے شدومد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا۔ ان تحریرات سے ثابت ہوا کہ قادیانی صاحب کے نزدیک براہین بھی کلام الٰہی تھا لیکن اب ایک عرصہ انعراض ہوا کہ براہین میں تو خدائے برتر نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں تشریف فرما ہونا تسلیم کیا ہے" تو مرزا صاحب نے ازالہ صفحہ ۱۸۱ پر یہ لکھا کہ براہین کے کلام الٰہی ہونے کی نسبت بھی کھل دی کہ میں نے براہین احمدیہ میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ آنے کی بابت لکھا ہے وہ صرف مشہور عقیدے کے لحاظ سے لکھا ہے۔

فصل ۔ے براہین کا جواب

مرزا صاحب نے "براہین احمدیہ" کے ساتھ اس کا جواب لکھنے والے کے لیے دس ہزار روپیہ انعام کا بھی اعلان شائع کیا اس میں لکھا تھا کہ اگر کوئی صاحب مکذبین میں سے مقابلہ کرکے اپنی کتاب کی فرقان مجید سے ان سب براہین اور دلائل میں جو ہم نے دربارہ حقیت فرقان مجید اور صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب مقدس سے استنباط کرکے کی ہیں اپنی الہامی کتاب میں سے ثابت کردکھلائے یا اگر تھوڑی میں

ان کے برابر پیش کر سکے تو نصف ان سے' یا تہائی ان سے' یا ربع ان سے' یا خمس ان سے نکال کر پیش کرے یا اگر کل پیش کرنے سے عاجز ہو تو عادے ہی بات کل کو نیسوار تو دے تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین منصف خیلہ فریقین باتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ انعام ٹھہرا جیسا کہ چاہیے تھا تحکمہ میں آگیا میں مشتہر ایسے کہ کہ ۱۵ مارچ ۱۸۷۱ء سے پہلے پہلے جائیداد منقولی دس ہزار روپیہ پر فیصل و داخل دسہ ہوں گا (ماہین الصبح' ص ۱۸۱) آگے چل کر مرزا صاحب نے اس دعوا انعام کو جن کڑی شرطوں سے مشروط کر دیا ان کے مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ مرزا صاحب نے محض اپنے بچاؤ کے لیے بڑی ہی کڑی شرطیں قائم کر دیں ورنہ کوئی معقل کوئی ایسی باقابل عمل شرطیں پیش کرتا ہے اور نہ ان کو کوئی قبول کر سکتا ہے۔ براہین کے مخالفین نے ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کو شامل کر لانے کی جو تجویز اس سے کی زیادہ دس ہزار روپیہ کے انعامی اشتہار نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ چنانچہ یہاں تک غیر احمدی مرزا غلام احمد صاحب کو احترام ہے کہ "مخالفین اسلام کے کیمپ میں اس گولہ باری سے ایک زلزلہ پڑ گیا۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۸۱) البتہ مسلمان پر ہی خیال مرزا صاحب کے بڑے گرویدہ ہو گئے کہ یہ کوئی بڑے کمپ ملہ اور خادم اسلام ہیں ہر فرقہ کے مسلمان کے دل پر مرزا صاحب کی خدمت اسلام کا سکہ جم گیا اور لوگ فریفتہ عاشق زار اور مشتاق دیدار ہو گئے۔

نہ غنا عشق اور دیدار نہ ہو

مذہب کے نام پر قمار بازی

خواجہ حسن نظامی دہلوی کے الفاظ میں جلسے کی شرکت کا یہ پہلا موقع تھا جو پورے کی تکلیف سے مرزا صاحب نے سمجھا تھا اور اس کو جلسے کا لباس پہنا کر انعام نام دیا تھا۔ درد حقیقت میں انعام کا یہ طریقہ ایک طرح کا قمر بازی تھا جس کی بازی مرزا صاحب نے مذہب کا نام لے کر لگائی اور بار بار لڑائیوں میں اس کا اعلان چھپا کر مرزا صاحب کے مقابلہ پر سوچ پر اس تعہید سے کام لیتے گئے۔ یہاں تک کہ مرزا صاحب رخصت فرما گئے اور ان کے ایک مرید خاص نام علی صاحب نے ایک مکہ جلسہ کے سامنے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے بڑی للکار کہ اگر مولوی صاحب جیت گئے تو ستی رقم الوائی صاحب

دیں اور اگر میر صاحب جیت گئے تو اتنی ہی رقم سودی صاحب کو دینا پڑے گی۔" یہ شرط سے میر قاسم علی میں مرزا صاحب جیسی خدا ترسی تھی کی قوت نہ تھی جس کے سبب وہ ہار گئے اور حکم جائداد نے سودی شاہ لفظ صاحب کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ گاہکوں والوں کو گھر بار کر روپیوں کی تھیلی حضوں کے آگے رکھنی پڑی اور وہ جیب خالی کر کے گھر کو واپس گئے۔ وہ دن جاتا الانام کے مرعوب کرنے والے القاب ہی تمام کرتے تھے۔ اس ہار کے بعد کسی مرہٹی نے باری مانگنے کی جرأت نہ کی۔ مرزا صاحب نے دس ہزار روپیہ انعام کا اعلان اس وقت جاری کیا تھا جب کہ مسلمان اس اعتماد سے بالکل بے خبر تھے اس واسطے ان کو یہ چیز بہت غریب معلوم ہوئی۔ اس انعام نے مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر لیا۔ عالم المسلمین نے کہا کہ جس دعویٰ کی تائید میں دس ہزار روپیہ کی عظیم الشان رقم پیش کی جاتی ہے اس کے سچے ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور یہی وہ نکتہ علم الکلیس تھی جس کی بنا پر مرزا صاحب نے یہ عہد ایجاد کیا تھا اور جس کو میر قاسم علی کی فکست نے ابدی نیند سلا دیا۔

براہین کا جواب اور جواب الجواب

براہین کے جواب میں پنڈت لیکھرام نے تکذیب براہین نام ایک کتاب لکھی۔ لیکن مرزا صاحب نے ان کو حسب وعدہ کوئی دس ہزار روپیہ نہ دیا۔ مگر ممکن ہے کہ پنڈت جی نے اس کا مطالبہ ہی نہ کیا ہو۔ ۲۰ اپریل ۱۸۸۷ء کو پنڈت جی نے ایک اشتہار زیر عنوان "اکفر فوا خدا کرے" شائع بذریعہ پرچہ میں چھپا کر شائع کیا۔ اس اشتہار میں لکھا تھا۔ "ناظرین اس امر سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ ایک شخص مرزا غلام احمد نام ساکن قادیاں کو یہ دعویٰ ہوا ہے کہ مجھے الہام ہوتے ہیں میں مخاطب الہ خواندہ ہوں۔ مجھے خوارق عادت کی قدرت ہے اور رب العزت مجھے اسرار غیب اور حقائق سابقہ سے بیشتر آگاہ کرتا ہے اور کلام عالم کے بھی تمام مصنوعہ ابواب سے صادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا رتبہ مسیح اسرائیلی سے کم نہیں جانتے اور مضامین سابق اور لاحق قرآن شاہد میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے۔ اہل السنہ نے باوجود قرض دار ہونے کے دعویٰ کیا کہ جو کوئی میری کتاب براہین کا جواب دے اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ مگر تحقیقی دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ آج تو

سال گزر جانے کے باوجود مرزا صاحب نے اب تک پوری کتاب تصنیف و طبع نہیں فرمائی۔ مگر ہاں دام تزویر کے اوپر سے دس بارہ ہزار روپیہ مسلمانوں سے کما لیا۔ جس قدر براہین چھپی ہے' اس کا جواب تکذیب براہین لکھا گیا اور اکثر حصوں میں ان کو اس جواب کے سننے کے لیے گویا مجبور کیا گیا لیکن انہوں نے سننے سے انکار کیا۔ (خلیفہ تکذیب براہین" ص ۲۳۱) جب براہین احمدیہ کا جواب تکذیب براہین شائع ہوا تو مرزائی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ حکیم مولوی نورالدین انجمنی اس وقت تک جموں میں تھے۔ مرزا صاحب نے ان سے درخواست کی کہ تکذیب کا جواب لکھیں۔ انہوں نے "تصدیق براہین" کے نام سے اس کی تردید لکھی۔ گو یہ کتاب تکذیب کے صرف پہلے سو صفحہ کا رد ہے اور باقی دو تہائی کتاب کے جواب سے اغماض و تغافل برتا ہے لیکن جس قدر لکھا ہے قابل تحسین ہے۔ پنڈت لیکھرام ایک خونخوار قسم کا 'پرکاش' مذہب اور اکثر گالی گلوچ میں لفظ نے "تکذیب براہین" میں خدا کے برگزیدہ نبیوں خصوصاً حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کو وہ وہ گالیاں دی ہیں اور قرآن پاک کی اس وہ توہین کی ہے کہ جس سے اسلامی خون رگ رگ پھڑکتا ہے۔ اور تعجب ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی پنڈت لیکھرام سے بڑھ کر کسی دیدہ دلیر نے خدا کے مقبول بندوں کے خلاف دشنام دہی کی ایسی فحاشانہ اچھال ہوگی جس کا نمونہ لیکھرام نے پیش کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں حکیم نورالدین صاحب نے کتاب "تصدیق براہین" نہایت مہذب پیرایہ میں لکھی۔ ساری کتاب میں شاید ایک لفظ بھی ایسا نہ مل سکے گا جس پر کوئی حرف گیری کی جا سکے۔ یا اسے خلاف تہذیب کہہ سکیں۔ یا اس سے کسی کی دل آزاری مقصود ہو۔ اور شائع "تصدیق براہین" کے شروع طرز بیان ہی کا اثر تھا کہ پنڈت لیکھرام کے لب و لہجہ میں انہیں کچھ نہ کچھ لحاظ پیدا ہو گیا جس کا اس نے تکذیب براہین میں مظاہرہ کیا تھا۔ تکذیب براہین کا جو سرا مولوی عبدالرحمٰن حسن جرگی نے کھولا اس کتاب کا نام "تہذیب الاذہان" ہے۔ اس کتاب کی حقیقت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ میں نے ۱۹۱۵ء میں پہلی مرتبہ جو یہ کتاب دیکھی تو اس کا تیسرا ایڈیشن تھا۔ حکیم نورالدین صاحب نے تصدیق براہین میں پنڈت لیکھرام کے صرف الزامات اور بہتانوں کو اٹھایا ہے لیکن مولوی عبدالرحمٰن چونکہ جنگجو تھے اور دلیروں کے بڑے قائل بھی تھے انہوں نے تحقیق

اور الزامی ہر قسم کے جواب دیئے ہیں۔ اور یہ رد و قدح کی حقیقت خوب آشکارا کی ہے۔

فصل-۸ ۲۳ سالہ وعدوں کے بعد پانچویں حصہ کی اشاعت

حسب بیان صاحبزادہ مبارک احمد ابن کے والد مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۸۸ء میں براہین کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا سب سے پہلا حصہ (جس میں سے پہلا حصہ ایک اشتہار کو قرار دے لیا) ۱۸۹۰ء میں تیسرا اور ۱۸۹۱ء میں چوتھا حصہ شائع کیا (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۸۱) اس رفتار کے حساب براہین کا پانچواں حصہ ۱۸۹۲ء تک شائع ہو جانا چاہیئے تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چوتھا حصہ شائع کرنے اور مسلمانوں سے دس ہزار روپیہ سے زیادہ رقم وصول کر لینے کے بعد مرزا صاحب نے اپنے تئیں براہین کی طرف سے بالکل سبکدوش قرار دے لیا۔ لیکن جب ۱۸۹۷ء میں کتاب "حقیقت حق" شائع کی تو اس میں حصہ پنجم کے جلد شائع کرنے کا وعدہ ان الفاظ میں درج تھا۔ "پنڈت لیکھرام نے ہماری کتاب "براہین احمدیہ" کے رد میں چند اوراق چھپوائے ہیں۔ اس کتاب کا نام مکذب براہین احمدیہ" رکھا ہے۔ ہمیں ہرگز ابا نہیں کہ کوئی تعین اور بغض اس کتاب کو چھپوا کر بے رائے ظاہر کرے کہ اس کے مؤلف کو حق اور قسم سے کچھ حصہ ملا ہے یا تعصب اور عناد سے اس کی طبیعت کو کچھ تعلق ہے۔ ہم مکذب کو اور اخبار اس عمل سخیم کا اپنی بسیط کتاب "براہین احمدیہ" حصہ پنجم میں کالعدم کریں گے (حقیقت حق' مندرجہ مرزا غلام احمد' ص ۱۲۱) لیکن مرزا صاحب نے اس وعدہ سے بھی بری الذمہ ہونے کا سلوک کیا اور اپنے دوسرے وعدوں سے فرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا آفتاب حیات لب بام آپہنچا اور کفن کا تیار کرنے کے لیے ہو تھیں ۱۹ چوبیس سال سے پڑا پڑا کہنا حصہ پنجم کا سنوارنے کی نوبت نہیں آئی۔ اور شاید یہ مرزا صاحب کی سب سے آخری تالیف تھی جسے ان کی وفات کے چار ماہ بعد اکتوبر ۱۹۰۸ء میں شائع کیا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے براہین کے حصہ پنجم میں بھی ان وعدوں کا کوئی ترجمہ پورا نہ کیا۔ پنڈت لیکھرام نے الہام و مرسلین یعنی اسلام و اسلام اور قرآن پاک کی توہین کر کے مسلمانوں کے دلوں پر نشتر چلائے تھے بلکہ اس کی جگہ اپنے ہی خانہ ساز نقوش کا نقشہ کھینچ دیا۔ پہلے باب کا عنوان یہ رکھا "نبی کی اصل اور نبوت کے بیان

ہیں" اس میں تجھ کو ریب کا امتیازی نشان قرار دیا" لیکن آگے چل کر اس اصول کو اسلام کی صداقت کے لیے استعمال نہ کیا بلکہ اپنی سچائی کی دلیل قرار دے کر دوسرے باب میں اپنے سچا موعود ہونے کی عمارت کھڑی کر دی اور اس کی تائید میں تیئیس گواہوں کے انبار لگا دیے۔

پچاس جلدوں کا وعدہ پانچ سے پورا ہو جانے کی منطقی خیر منطق

مرزا صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ براہین احمدیہ پچاس حصص (۵۰ جلدوں) میں شائع کریں گے۔ لیکن جب ۳۳ تا ۳۴ سال کے خواب خوشی کے بعد اپنی زندگی کے آخری ایام میں پانچویں حصہ تالیف کیا تو اس میں لکھا "پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اقتصار کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لیے پانچوں حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا (دیباچہ براہین' حصہ پنجم' ص ۷) اس خاندان خیال آرائی کے متعلق افسوس ہے کہ اس قسم کی عقل نمائیاں اور عقل فائیاں مرزا صاحب کے بالکل اندراج اور قریب خورد میں تو قبول کر سکتے ہیں لیکن دنیا کا کوئی ہوشیار اور سمجھ انسان ان سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اگر پچاس کا وعدہ پانچ سے پورا ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر کوئی شخص رمضان کے تیس روزے رکھ کر پانی روزے ترک کر دے اور کہنے لگے کہ تیس اور تین کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لیے میں روزوں کا ارادہ تو ضرور کیا ہو گیا تو اس طرح تو ہمارے مرزائی اصول کے بموجب اس کی تصدیق نہ کریں یا اگر مرزا صاحب کے ہاں کسی کے پچاس روپے قرض تھے تو وہ پانچ روپے دے کر قرض خواہ کو اس قسم کی جلد گرفت منطق سے کبھی مطمئن نہیں کر سکتے تھے کہ پچاس اور پانچ میں ایک ہی نقطہ کا فرق ہے۔ اس لیے سارا قرض ادا ہو گیا"۔ بہرحال مرزا غلام احمد صاحب مسلمانوں کا ہو بڑا یا دیوبند کہا گئے اس کے متعلق یوم الحساب کو ہی سے فیصلہ خود بخود ہی ہو گی۔ اور رب العالمین کی بارگاہ میں پچاس کی جگہ پانچ حصص سے وعدہ پورا کرنے کی جسارت کا جو انجام ہو سکتا ہے وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

باب ۴۰

دعوائے مجددیت

حدیث بشت مجددین

بشت مجددین کے متعلق ابوداؤد مرزائی جس روایت کی بناء پر اپنے اکابر و اسلاف کی غداری کرتے ہیں وہ یہ ہے

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ اس امت کی بہتری کے لئے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔

قادیانی کے اذہانی صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو تمام اہل علل حدیث مانتے چلے آئے ہیں (رسالہ ترجمان حقیقت' مرزا غلام احمد صاحب' نمبر ۲' ص ۳۰) لیکن واضح رہے کہ یہ حدیث مرزائی اصول کے بموجب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کا سارا مدار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر ہے اور حضرت ابوہریرہؓ مرزا کے نزدیک قابل اعتماد نہ تھے چنانچہ مرزا نے ان کی شان میں بدترین الفاظ استعمال کئے"۔ ابوہریرہ فی تھا اور روایت اتنی نہیں رکھتا تھا (ازالہ اوہام' ص ۱۸) اس سے صاف ظاہر قادیانی صاحب کے نزدیک جس حدیث کو امام بخاری روایت نہ کریں وہ ضعیف ہوتی ہے۔ چنانچہ ازالہ میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے دمشق میں نازل ہونے کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ "یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر دکھن الدین امام محمد اسمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے"۔ (ازالہ اوہام' ص ۱۳) لیکن بشت مجددین کی حدیث کو جو اور رواج ہوئی نہ امام بخاری نے روایت کیا اور نہ مسلم نے بلکہ صحاح ستہ میں سے ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بخاری اور مسلم کی طرح اس کو چھوڑ دیا ہے۔ پس مرزائی اصول کے بموجب یہ حدیث تو اتنا درجہ کی ضعیف ہے۔ جس سے استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر مسئلہ قابل توجہ ہے کہ ہر سو

سال کے بعد ایک ہی مجدد آسکتا ہے یا زیادہ علامہ علی قاری نے مشکوٰۃ مجددین کی حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ مجدد سے ایک شخص نہیں بلکہ جماعت سے لوگوں کی جماعت مراد ہے جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر علوم شرعیہ میں سے کسی ایک کی یا متعدد علوم کی بہ اس سے بن پڑے تجدید یا تجدید اشاعت کرے۔" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۴۸)

مولانا کہا کرتے ہیں کہ اس حدیث میں سن (ہر) کا لفظ کیا ہے یہ واضح ہے اور مجدد کا جمع بھی وارد ہے اس لئے ہر صدی پر ایک ہی مجدد آسکتا ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ سن کا استعمال علوم کی طرح جمع کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ومن الناس من یقول امنا باللہ و بالیوم الاخر وما ھم بمومنین (بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں) اور حدیث "ابو داؤد" "نسائی" "ابن ماجہ اور بخاری نے قبیصہ رضی اللہ عنہ کی بہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے ابتدائی کلمات میں بھی اللہ سن جمع کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو اللھم اغفر لمن عاداک فی عافیتک و عافنی فیمن عافیتک و تولنی فیمن تولیت (اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کر کے عافیت دے جنہیں تو نے عافیت دی اور ان لوگوں میں رکھ کر عافیت دے جنہیں تو نے عافیت بخشی اور ان لوگوں میں میری کارسازی فرما جن کی تو نے کارسازی فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح باب عمر)

بلاشبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجددین امت کی کوئی خاص امتیازی علامت بیان نہیں فرمائی جس سے یہ دوسروں سے تمیز ہو سکیں۔ بلکہ انبیاء سلف اور دینی خدمات ہی کے لحاظ سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر زمانہ کے ہر اسلامی مورخین میں علمائے حق کی کوئی نہ کوئی جماعت ایسی ضرور رہتی ہے جو بدعات و خرافات کو دین حنیف سے الگ کر کے اصلاح و تجدید کا فرض ادا کرتی ہے۔ گو یہ تمام علمائے حق مجدد ہوتے ہیں لیکن صدی کے اول و آخر میں ان خاص خدمت کا خیال رکھنا چاہئے تاہم وسعت اختیار کرنا ہے تاکہ دونوں حالات اجمالی نے گزشتہ صدی کے اندر دین حنیف میں جس قدر خرابیاں پیدا کر دی ہوں ان کی اصلاح و تجدید ہو جائے۔

دعوائے مجددیت کے لیے کامیابی کی ترغیب

چونکہ مرزا صاحب نے براہین میں مخالفین ملت کے مقابلہ میں اسلام کی تائید کی تھی۔ مسلمانوں نے انھیں خادم اسلام سمجھ کر حوصلہ سے روپیہ بھی مدد دی۔ ان دنوں الہام اور استجابت دعا کے دعووں کے صدقہ سے روحانیت بھی ہونے لگا تھا اس لئے یہ دیکھ کر کہ مالی فتوحات اور روحانیت خلق کا باغ آپ سرسبز ہو رہا ہے اور مزید مقاصد کا تخم نشانہ پر لگ چکا ہے مرزا صاحب کے دل میں تقاضائے کمال پیدا ہوا اور سوچنے لگے کہ شاید کامرانی سے کچھ محکم ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا مالی فتوحات اور شہرت والے فتوحاتی جن سے مرزا صاحب کی بڑی دلچسپی تھی (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۰۵) بیان کرتے ہیں کہ تکمیل فن شریف کاذری مال علیم امرتسر نے جو مرزا صاحب کے یار تھے اور مرزا صاحب اپنا قدیم امرتسر کے قیام میں انہی کے پاس ٹھہرا کرتے تھے (مکتوبات احمدیہ' جلد نمبر ۳' ص ۶۷) مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ بھوپت کا دعویٰ کر دیں۔ کیونکہ اس زمانہ کے لیے بھی کسی مجدد کی ضرورت ہے (شیخ محمد یعقوب براہین' ص ۳۳۵) چنانچہ مرزا جی نے بھوپت کا دعویٰ کر کے تجدید کی آڑ میں دین حنیف پر طعن و تشنیع کا جو بازار دوطرفہ لگا شروع کر دیا۔ اب مرزا صاحب کی طرف اپنی بھوپت کا اشتہار دینے اور اس اداء پر روپیہ طلب کرنے لگے۔ جس طرح اس سے پیشتر اپنی کتاب براہین کا کر چکے تھے۔ چنانچہ لوگوں کے پتے پتہ پوچھ کر انھیں خطوط بھجوانے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں دعوتی پمفلٹ روانہ کیے۔ جن پر پوپ' امریکہ' انگلینڈ' فرانس کے تمام گورنروں اور ان کے وزراء مثل حکومت برطانیہ' مستقل' فرانس' رعایا اور دنیا کے تمام بڑی یونیورسٹیوں کے پاس حسب ضرورت انگریزی یا اردو اشتہارات بھجوائے۔ اس غرض کے لیے خفیہ کمو کو دنیا کے ممتاز ترین لوگوں کے پتے حاصل کیے۔ اور حتی الامکان دنیا کا کوئی ایسا مشہور و معروف کوی نہ تھا جو کسی قسم کی کوئی دینی یا دنیوی حیثیت رکھتا ہو اور اسے اشتہار نہ بھیجا گیا ہو (سیرۃ المہدی' جلد ثانی ص ۳) لیکن جہاں تک میں کا کمال دیکھو کہ کسی کمبخت الیہ نے مرزا جی کو قابل خطاب نہ سمجھا اور ایک شخص بھی ان کی دعوت سے متاثر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوا۔

۲۰ ہزار دعوتی اشتہارات کی تقسیم

کی اور بعوت میں فرق دیکھو کہ حضور سید کون و مکاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام بڑے بڑے بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط گرامی روانہ فرمائے تھے ایک (کسریٰ) کے سوا کافروں نے سب شرف ایمان و تسلیم سے مشرف ہوئے اور انہوں نے حضورؐ کی خدمت مقدس میں ہدایا روانہ کیے تھے۔ مرزا جی نے بیس ہزار روپوں کا اشتہار چھپوا کر لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا لیکن نہ تو کوئی غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہوا اور نہ کوئی کم از کم مرزا صاحب کی بھیجی ہوئی پر ایمان لایا۔ مرزا جی نے اپنی تبلیغ کا یہ طریقہ اختیار کیا ہوا تھا کہ اپنی کتابیں ہزار کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرایا یا بانٹ میں بھجوایا اس کا خلاصہ یہ تھا "کتاب براہین احمدیہ" جس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے مولف نے علم و الہام پا کر بغرض اصلاح و تبلیغ دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ اور سچا مذہب فقط اسلام ہے اور یہ سب تمام مذہب اپنے پیرو کاروں میں یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ عقلی تحقیقات سے ان کے اصول سچ اور درست ثابت نہیں ہوتے بلکہ ان کی پابندی سے انسان غایت درجہ کا کور باطن اور جاہل ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے۔ اول تین سو معجزات اور قوی دلائل سے جن کی شان و شوکت اور قدر و منزلت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام ان دلائل کو توڑ دے تو اس کو دس ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دے رکھا ہے۔ اور مصنف براہین کو اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ تحدی کرے اور دوستی طور پر اس کے کمالات مسیح بن مریم کے کمالات سے مقابلہ بھی کرے۔ یہ سب ثبوت کتاب براہین احمدیہ کے پڑھنے سے کہ جو تخمیناً تین سو جزو کے قریب ۳۷ جزو کے چھپ چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۳۰-۳۱)

باب ۲۱

حکیم نورالدین کی ملاقات کے لیے جموں کا سفر

حکیم نورالدین جو مرزا غلام احمد صاحب کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اول منتخب

ہوئے تھے قصبہ بھیرہ ضلع شاہ پور (سرگودھا) کے رہنے والے تھے۔ علوم عربیہ کی تحصیل ریاست رام پور میں کی تھی۔ وہاں سے فراغت پا کر لکھنؤ گئے اور حکیم علی حسن کے پاس رہ کر طب کی تکمیل کی۔ یہ ۱۸۵۷ء کے بعد میں مولانا رحمت اللہ صاحب کی خدمت میں اور بعد ہجرت میں مولانا شاہ عبدالحق صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ کے پاس رہے۔

مذہبی قلابازیاں اور نیچریت کا قالبِ ثانی سرٹیفکیٹ

لیکن ایسے ایسے اکابر کی صحبت اٹھانے کے باوجود طبیعت آزادی کی طرف مائل تھی اس لیے حلیت پر قائم نہ رہے۔ پہلے اہل حدیث بنے لیکن اس سے بھی جلد سیر ہو گئے۔ ان دنوں ہندستان کی فضاء نیچریت کے بگولوں سے گونج رہی تھی۔ چلا کہ اس گلشن آزادی کی بھی ذرا سیر کر دیکھیں۔ سرسید احمد خاں کی کتابیں اور رسالوں کا مطالعہ شروع کیا۔ یہ مسلک پسند آگیا اور اس کی صف میں جا گرنے کی فکر کی۔ ان دنوں مہاراجہ رنبیر سنگھ والیٔ ریاست کشمیر کے مہمان تھے۔ ہوا میں و کشمیر کی گدی پر متمکن تھے۔ انہوں نے حکیم نورالدین کے علمی کمالات کا شہرہ سنا تو انیس سو روپیہ ماہوار پر سلک اطباء میں منسلک کر لیا۔ ہندو دار الاطباء "دھنونتری محل" نے ۱۸ سو روپے ماہوار پر حکیم مولوی محمد علی جالندھری کے زیر عمارت لاہور سے شائع کیا۔ اس کے اپریل ۱۹۱۱ء کے شمارہ میں لکھا تھا کہ "حکیم مولوی نورالدین سات آٹھ سال سے سرکار کشمیر کے درباریوں میں حکیم اول کے عہدہ پر ممتاز ہیں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب ۱۹۰۴ء کے قریب زمانہ میں وہاں ملازم ہوئے تھے۔ حکیم نورالدین سرسید احمد خاں کے بڑے راج دلارے تھے۔ ان کو روپیہ بھیجا کرتے اور ان کی تائید میں مضامین شائع کر کے علمی معاونت کرتے تھے۔ جن دنوں مرزا غلام احمد صاحب سے حکیم نورالدین کی ملاقات ہوئی ہے ان ایام میں حکیم صاحب بڑے نیچری تھے۔ چنانچہ سوانح نگار میاں بشیر احمد صاحب بن مرزا غلام احمد صاحب "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں:۔

"خلیفہ اول مولوی نورالدین صاحب چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہونے سے پہلے سرسید خاں مرحوم کے خیالات اور ان کے فرقہ معتزلہ کی طرف مائل تھے اس لیے بسا اوقات تجلیات اور اس قسم کے روحانی تصرفات کی تردید فرمایا کرتے تھے اور ان کی تفسیر میں اس میلان کی جھلک اب بھی اپنے ابتدائی انوار میں کبھی کبھی نظر آتی ہے۔

(سیرۃ النعمانی' جلد ۲' صفحہ ۱۵۲)

قرآن عزیز میں ترمیم و تبدیل کے فاسد ارادے

حکیم نورالدین صاحب بوجہ خود مسلمانوں کی ترقی کے بڑے متمنی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک مذہب کے بدمعنی نکالے نہ ہوں گے مسلمان ظاہر قرآن و صدیث سے انکار نہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ اکثر اس کے ذرائع پر غور فرمایا کرتے تھے۔ فاکسار راقم الحروف نے میاں عزیز الدین بھٹی مرحوم ساکن محلہ شیخ اہل دہلی سے جو ایک صالح و متقی بزرگ تھے ۱۹۱۸ء میں سنا تھا کہ بلی قیام میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقوں میں مذہب اور تعلیم کی باہمی کشمکش پیدا تھی حکیم نورالدین بھیروی طبیب خاص مہاراجہ جموں و کشمیر نے سرسید احمد خاں کو لکھ بھیجا کہ رائج الوقت قرآن عرب کے جاہل بدوؤں کی اصلاح کے لیے نازل ہوا تھا۔ اب زمانہ تیرہ سو سال کی مدت بعد میں ترقی و عروج کی نئی راہیں طے کر گیا ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت ہے کہ قرآن میں عہد حاضر کی ضروریات کے مطابق اصلاح و ترمیم کر لی جائے۔ سرسید احمد خاں نے اس کے جواب میں لکھا کہ میرا اصل عقیدہ تو یہ ہے کہ پانچ بم ظلہ سے لے کر والناس کے سین تک جو کچھ ہاتھ اللہ نجس ہے وہ سب کلام الٰہی ہے۔ اس میں سرمو شک یا انتقاد کی گنجائش نہیں اور بصولی و اخلاقی طور کی کیا بحث ہے کہ کلام الٰہی میں اصلاح و ترمیم کا توسل کرے۔" اس کے بعد لکھا حکیم صاحب! آپ کو میرے ان خیالات سے اتفاق کا مقصد لکھنے میں دھوکا ہوا ہے وہ وہ "فاتحہ" علی گڑھ سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کی علمی ترقی میرے پیش نظر ہے۔ اور میں ہر اس چیز کی جو اس خاص مقصد کی تکمیل میں حرام ہو مخالفت کرتا ہوں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم مسلمانوں کی توجہ تمام تر سرے سے مخالفت کی طرف سے ہٹا کر علوم و فنون کی طرف پھیر دیں۔ چونکہ تعداد علماء انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب و تمدن کے خلاف ہیں' میں ان کے مسلم اثبات اسلامی معتقدات کی مخالفت کر کے "سر تن سے جدا" یا "سب واحد فور" کے اصول پر قتل کر دیا ہوں اور مقتضائے زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو مشکل ہیں کہ قوم پر سے عمماً اور ہمارے تعلیم یافتہ پر سے خصوصاً علماء کا رعب گیرا ڈھیلا نہ ہو جائے۔" الغرض حکیم نورالدین اپنے زمانہ عوام میں بدنام رہے۔ لیکن

ظاہر ہے کہ سرسید احمد خاں نے مرزا مرحوم کا یہ فقرہ حاجی نجیب کیا ہو گا ہی ہے ظاہر دوسرے امراض سکے کی اثر کا باعث بن گیا۔ ۱۸۵۸ء سے پہلے بنگ بنگ طرابلس شروع ہوئی سرسید کے سسائی بالنگور کے صدقے سے بعد ازاں میں بعد کم انگریزی تعلیم یافتہ افراد ایسے پائے جاتے تھے ہر حلقے کے لحاظ سے مسلمان کہلانے کے مستحق ہوں۔ یہاں حزیں الدین مرحوم کا بیان ہے کہ جب سرسید سے حکیم نورالدین کی علاج کی شکایت کی تو مرزا امام امر نے سنی ان سنا کر دیا۔ غرض خوش خوش سے چلے گیا اور تعجب ہوا کہ حکیم صاحب سے رابطہ عہدت و اتحاد کا استوار کیا تکمیل مقاصد میں یا مسلمان ہونگے جمعت رفتہ سفر بالا کر ہوں کا راستہ لیا۔

وزیر کابل کا قیام

یہاں حزیں الدین مرحوم نے لکھا کہ مرزا امام امر ہوں جاتے ہوئے ہیں چار ماہ تک ہمارے محلہ بلاقی کے قریب پیر محمد شاہ کے مکان پر قیام فرما رہے" یہ بالکل غلط بیانی ہے" ہوئے کے وہی سوری کرتے تھے۔ مرزا امام امر ان دنوں اہل حدیث کی جماعت میں صوفی عنایت کابل کی حیثیت سے پار کے جاتے تھے۔ ہم بھی انہیں دیکھتے تھے۔ اس وقت تک ان کا باطن ظاہر ہر قسم کے اختلاف و نزاع کے بالکل پاک تھا۔ مرزا صاحب یہاں جا کر دس بارہ روز تک حکیم صاحب کے پاس رہے۔ حکیم نورالدین ان دنوں بلاقی محلہ کے کسی مکان کے کرایہ دار تھے۔ یہ ایک وسیع مکان تھا۔ یہاں مختلف مسائل پر گفتگو رہی۔ آخر انہی کا قول حل چار کیا گیا اور مرزا صاحب مراجعت فرما ہوئے۔ جب وزیر کابل میں معاہدہ نہ ہوا تو ہم کہ مرزا صاحب کو دیکھنے گئے۔ حکیم صاحب کو دیکھا کہ ان کی مرتبہ ہو صوفی مفتی امام امر نہیں تھے۔ ہر اس سے پیشتر ہوتے جاتے تھے مگر اب تو بڑی بڑی تعلیمیں اور لمبی تراشوں کا ایک پر فرد ہمراہ دکھائی دیتے تھے۔ مفتی الٰہی بخش نے اپنی کتاب "مصباح سوری" میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب اور حکیم نورالدین صاحب بالکل ہم پیالہ تھے۔ حکیم صاحب کے بلاغ میں مرزا صاحب کی مالکانہ سے پیشتر بلاغ سرسید احمد خاں بالکل حضرت مسیح علیہ السلام و السلام کے ہونے اور ان کی قبر کھودنے کا چرچا ہوا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مرزائیت کی ساری عمارت مفتی الٰہی بخش نے ہی بنائی تھی اور مرزا صاحب نے ان کو اپنے منہ

مطلب یہ کہ اس کی تکمیل کا یہ وقت ہو گیا تھا کہ ہم جنس پرستی یا اپنے ساتھ مرد کی
ص ۱۵۱۔۲)

باب ۲۲

دوسری شادی

جب مولانا صاحب کی کتاب "بہشتی زیور" شائع ہو کر مشہور ہو گئی تو ہندوستانی مسلم خواتین ایک ریل الرسید بھی کہ اس کی اشاعت میں ہر گھر گئی ہے۔ ہر گھر میں اس کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا گیا۔ خاص طور پر مولانا نے بھی اپنی طرف سے یہ اہتمام کیا کہ ہر بازار میں "بہشتی زیور" ایک خاص مقدار میں کم قیمت پر فراہم کر کے کر دی گئی ہو سکے اس کا مقصد تھا کہ ہر ایک گھر میں پہنچ جائے۔ جہاں سے ہر شہر اور قصبہ میں قریب قریب یہی حالت تھی۔ عورتوں میں اس کی ریل پیل دیکھ کر مولانا صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سوچنے لگے کہ کیا ضرورت ہے کہ اولاد اور بی بی کی شادی کی ... پھر اس کے بعد مولانا صاحب کا بھی ایک عرصہ تک اولاد کی خواہش میں دوسری شادی کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اسی سال یعنی ... میں بہشتی زیور کا چوتھا حصہ شائع ہوا جس میں ... ایک ... اپنے ... میں ... کتب ... سے اس کی ... کی گئی ہے کہ ... لے کر ... کے ... تقریباً ... سال کی مدت تک ... کے ... اسی ... کی وجہ پر ... دوسرے نکاح کی اجازت دے دی ہے کہ ... اور تمام شب میں ... اور ... کا سلوک کر سکے۔ یعنی مولانا اشرف علی صاحب نے ... کیا ... سے ... کر ... کہ مولانا ... کہ ... اس ... پہلا ... کہ ... کے ... کیا ... مسلمان پر واجب ہے کہ ... کے ساتھ ... اس کی ...

زندگی کا کھیل ہے بہتر طلاق دے کر حسن اخلاق کے ساتھ رخصت کر دے۔ مگر قادیان کے مسیح صاحب جنہوں نے اسلامی عقاید کے ساتھ اسلامی اخلاق و عادات کو بھی اتوار کر دیا تھا اس اصول کے پابند نہ تھے۔ انہوں نے اپنی پہلی بیوی محترمہ حرمت بی بی کو جو مرزا سلطان احمد اور فضل احمد کی والدہ تھیں معلقہ کر رکھا تھا۔ نہ گھر میں رکھ کر شوہر برتاؤ ہی پسند فرماتے تھے نہ طلاق دے کر اس بیچاری کی گلو خلاصی کرتے تھے۔

دہلی کی شادی کا الہام

قادیان کے "مسیح موعود" صاحب اپنے پر فضل کی مدد کتاب و سنت سے تلاش کیا کرتے تھے، لیکن اسلامی اصول استنباط کے ماتحت نہیں بلکہ خود اپنے ہی طرز کے استدلال کو اپنی ضرورت کے موافق سمجھ کی بات بنا لیتے تھے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ایک حدیث میں الفاظ ہیں ہے

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک عیسی ابن مریم فی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن فی حجرتی فاقوم انا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر۔ (رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفا)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام زمین کی طرف اتریں گے، پھر شادی کریں گے، ان کے اولاد ہوگی، زمین پر پینتالیس سال تک قیام فرمائیں گے۔ اس کے بعد انتقال کریں گے اور میرے نزدیک میرے مقبرہ میں دفن کیے جائیں گے اور (قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اکٹھے ابوبکر اور عمر کے درمیان سے اٹھیں گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام)

مرزا قادیانی نے اس حدیث کو اپنے اوپر چسپاں کرنے کی کوشش میں لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی میرے حق میں ہے کیونکہ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں ویتزوج ویولد لہ (عیسیٰ بن مریم علیہ السلام شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے)

چاہیے میں نے نصرت نام سے شادی کی جس کے بطن سے چار بیٹے محمود احمد، بشیر احمد، شریف احمد، مبارک احمد اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اس لئے میں ہی اس پیشگوئی کا مصداق ہوں۔ مرزا صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں "اور یہ تیسرا نشان قمر سے ہے جو اس تیسرے مہینہ کو پیدا کرے گا یہ ہیں۔ اگلا کو فضل رات ہے یعنی (میری) نصرت یاد کر کہ تو نے میری طرف کو دیکھا) یہ الہام براہین احمدیہ میں درج ہے اور یہ حصہ اس الہام کا ہے جس میں مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندان سادات میں ہوگی اور اس میں سے اطہر ہوگی نہایت کمال سعادت بدو بیوند نسب (یعنی علیہ السلام شادی کریں گے اور صاحب اطہار ہوں گے) پوری ہو جائے۔ یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے کہ مسیح موعود کو خاندان سادات سے تعلق رکھنا ہوگا۔ کیونکہ مسیح موعود کا تعلق جس سے ہوگا وہ بھی اس کے اطہر ہونے کے موافق صالح اور طیب اطہر پیدا ہوں۔ اصل اور طیب خاندان سے چاہیے۔ اور یہ خاندان سادات ہے اور فاطمہ بنت (میری طرف) سے مرزا اطہر ذریۃ طیبۃ ہی ثابت ہے۔ (اربعین نمبر ۲ صفحہ مرزا غلام احمد" ص ۲۸)

تجزیہ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی جس پیشین گوئی کو مرزا صاحب نے اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے اس میں ذکر ہے کہ

(۱) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (آسمان سے) زمین کی طرف نازل ہوں گے۔

(۲) شادی کریں گے اور صاحب اطہار ہوں گے اور

(۳) نزول کے بعد پینتالیس سال تک زمین پر قیام فرمائیں گے اور

(۴) وہ مدفون ہیں گے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کے پاس دفن کئے جائیں گے۔

لیکن قادیانی صاحب کی فراڈ جماعت غلط ہے کہ

(۱) نہ وہ عیسیٰ بن مریم تھے۔

(۲) نہ آسمان سے نازل ہو کر زمین پر پینتالیس سال تک قیام کیا۔

(۳) نہ وہ علیہ ہی دفن ہوئے اور

(۴) نہ حجرہ نبوی میں دفن ہوئے۔

بایں ہمہ نواب جہانگیر اور دیگر بیگمات سے اس بات کے متمنی تھے کہ بیٹی کوئی ہی کے حق میں پوری ہو جائے کیونکہ انہوں نے بھی شادی کی ہے اور صاحب اولاد ہیں۔ بھرحال یہ ہے کہ مرزا صاحب اس سے قریباً چار سال پہلے یعنی کتاب "انجام آتھم" میں ۲۰ جنوری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی تھی بیگم سے اپنا حق ہونے کو بھی اس پیشگوئی کا مصداق ٹھہرا چکے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "یہ اس بات کو نہیں سوچتے کہ ابھی تک اور اس کے داماد کی بابت کوئی پیشگوئی نہیں ہوئی۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نکاح ثانی سے پہلے کے اندر پورا ہو چکا ہے اور وہ باتوں میں سے ایک بات تھی۔ اس پیشگوئی کی تصدیق کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے سے ایک پیشگوئی فرمائی ہے کہ بدوج وہ لڑکا جو پیدا نہ ہوا ہو صاحب اولاد ہو گا۔ اب ظاہر ہے کہ تزویج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خبر نہیں بلکہ تخصیص سے مراد وہ خاص تزویج ہے جو بغیر نکاح ہو گا اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس مائد کی پیشگوئی موجود ہے۔ گویا اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بیوقوف مخالفوں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی۔ (ضمیمہ "انجام آتھم" ص ۵۴۔ ۵۵) یعنی مرزا صاحب محمدی بیگم سے ضرور شادی کریں گے اور اس سے ضرور اولاد ہو گی۔

مسرزل سے سابقہ تعارف

میر ناصر نواب دہلی پنجاب کے محکمہ تعلیم میں انسپکٹر تھے یا سب اوورسیر تھے۔ ٹھیک یاد نہیں ۱۸۸۸ء کا واقعہ ہے جب کہ میر صاحب اس نوکری کی بدولت پٹیالہ میں متعین تھے ہر اتوار کے روز صاحب کی جانب سے ڈھائی میل کے فاصلہ سے گھوڑی پر اور موضع بدھ بن' ہر اتوار کے روز پانچ میل کی مسافت پر پیدل تشریف لایا کرتے تھے۔ ان دنوں اتفاق سے مرزا صاحب کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر سے میر صاحب کا تعارف ہو گیا اور اتنی دنوں ان کی اہلیہ کی علالت طویل ہو گئی۔ مرزا غلام قادر نے میر صاحب سے کہا کہ میرے والد (مرزا غلام مرتضیٰ) بڑے حاذق طبیب ہیں' آپ ان سے علاج کرائیں۔ میر صاحب اپنی بیوی کو اپنی ہی لیکر

قادیان لے آئے۔ حکیم غلام مرتضیٰ نے نبض دیکھ کر کہہ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا غلام قادر نے میر صاحب سے کہا کہ آپ لوگ سوچ میں پڑے ہیں' یہ گاؤں بڑے بڑے وباؤں کا مسکن ہے' بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ قادیان چلے آئیں اور ہمارے مکان پر قرنطینہ ہوں۔ میں کل گورداسپور جاؤں گا اور غلام احمد بھی گھر میں بہت کم آتا جاتا ہے' اس لیے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہ ہوگی۔ چنانچہ میر صاحب اہل و عیال کو لے کر بٹالہ سے قادیان چلے آئے۔ اس وقت حکیم غلام مرتضیٰ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان ایام میں جس روز بھی مرزا غلام قادر گورداسپور سے قادیان آتے میر صاحب کے لیے پان لیا کرتے تھے۔ اور میر صاحب کی بیوی مرزا غلام قادر کے لیے کوئی اچھا سا کھانا پکا کر کے اکثر بھیجا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے لیے شامی کباب پکا کر بھیجے۔ جب کچھ گھنٹے گزرے تو معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور چلے گئے ہیں۔ اس لیے میر صاحب کی بیوی نے باندی سے کہا کہ یہ کباب ان کے چھوٹے بھائی (مرزا غلام احمد) کو دے آؤ۔ مرزا غلام احمد کباب کھا کر ان کے مخلص ہو گئے۔ اس کے بعد میر صاحب کی بیوی نے سرے سے تبرکات مرزا غلام احمد کے پاس بھی کھانے کی کوئی چیز بھیجا نہ کرتی تھیں لیکن جب اس کی اطلاع ان کی والدہ یعنی مرزا غلام قادر کی بیوی کو ہوئی تو انہوں نے بہت برا منایا کیونکہ وہ اپنے دیور کی طرف مائل تھیں۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۲' ص ۳۰۔ حاشیہ۔ میر صاحب کو قادیان آئے ہوئے سات آٹھ سال ہو چکے تھے کہ ان کی تبدیلی کسی دوسری جگہ ہو گئی۔ میر صاحب مرزا غلام قادر سے بات کر کے اپنے اہل و عیال کو پھر قادیان میں چھوڑ گئے اور پھر ایک مہینہ کے بعد آ کر لے گئے۔ یہ ۱۸۷۷ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت میر صاحب کی صاحبزادی صغریٰ بیگم کی عمر دو تین سال کی ہوگی۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۳۳۔ ۳۴)

شادی کا پیغام اور اس کی منظوری

ان ایام میں ڈاک خانہ کا سلسلہ ہندوستان میں ابھی نیا نیا رائج ہوا تھا۔ مقامی اور غیر مقامی کے امتیاز میں ہمہ بگھ کھینچی پائی جاتی تھی' اس لیے حضرت اہل حدیث حنفیوں سے رشتہ ناطہ نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے یا غیر مقلد' لہٰذا اپنی قوم اہل حدیث ہی کو دیتے تھے۔ جب مرزا صاحب کے دل میں بیاہ شادی کا شوق سر سبز ہوا تو اپنے یار غار مولوی

مولوی محمد حسین بٹالوی سے اس کا ذکر کیا۔ مولوی محمد حسین صاحب کے پاس تمام اہل حدیث لڑکیوں کی فہرست رہتی تھی۔ مولوی محمد حسین نے مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ میر ناصر نواب سے قسمتی پر ملی ملاقات ہے۔ ان کی لڑکی حوان ہے اس کے لیے سلسلہ جنبانی کرے۔ مرزا صاحب نے میر صاحب کو چٹھی لکھی کہ گو پہلے بھی میرے گھر میں بیوی موجود ہے اور اولاد بھی ہے مگر آج کل میں کھانا پکانے والی نہیں۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۲ ص ۱۱۷) اس لیے میری خواہش ہے کہ ایک اور شادی کروں۔ کھانا پکانے والی ہونے کا یہ مطلب تھا کہ گو بیوی میرے عقد میں ہے لیکن اس سے ازدواجی تعلقات منقطع کر رکھے ہیں اور اسے علیحدہ پکوڑا رکھا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر مرزا صاحب ہی تو تھے۔ اگر بیوی کے ساتھ حقوق ادا کرتے تو پھر نبی صاحب کہاں سے ہوتے۔ ان دنوں میر صاحب دہلی میں رخصت پر تھے۔ شروع شروع میں بیوی سے مرزا امام امر کے پیام کا ذکر نہ کیا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ یہ اس کو برا سمجھیں گی۔ اس تلاش میں امرتسر بھی گئی تھی کہ شاید تیسرا نکاح صاحب کے لیے پیام آئے۔ لیکن ان کی بیوی صاحب کسی جگہ مطمئن نہ ہو سکیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ میر صاحب کے بہت دیرینہ تعلقات تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کی سابقہ کی بعض غلطیوں پر پکڑا بھی ان کی اہلیہ صاحب نے مرزا صاحب کو لکھ کر اطلاع دی کہ ایک تو عمر کا بہت فرق تھا' دوسرے ان دنوں دہلی میں غیر لڑکیوں کے ساتھ بہت تعصب ہو رہا تھا۔ آخر ایک دن میر صاحب نے اپنی بیوی صاحب سے التماس کی کہ ایک لڑکی صاحب نے بڑے اصرار سے درخواست کی ہے اور وہ گھر کی بھی بہت اچھا ہے' اس لیے اس کو رشتہ دے دو۔ لیکن بیوی صاحب نے انکار کر دیا۔ اس پر میر صاحب کسی قدر ناراضی کے لہجہ میں کہنے لگے کہ لڑکی اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے' کیا اسے عمر بھر یوں ہی بٹھا رکھو گی؟ بیوی صاحب نے کہا کہ ان لوگوں سے تو پھر امام امر ہی بہتر تھا۔ اچھا ہے۔ میر صاحب نے کہا کہ امام امر کا بھی خط آیا ہوا ہے۔ بیوی صاحب نے کہا' اچھا امام امر ہی کو لکھ دو۔ چنانچہ میر صاحب نے اسی وقت قلم دوات لے کر مرزا صاحب کو مشروط پیام کی اطلاع دے دی۔ اس کے آٹھ دس روز بعد مرزا صاحب برات لے کر دہلی پہنچ گئے۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۲ ص ۱۱۷)

محمد صاحب کی برات

پنڈت لیکھرام کا بیان ہے کہ جب مرزا صاحب کی شادی دلی میں ہونے والی تھی تو انہوں نے مشہور کر دیا کہ نواب ناصر کے گھر میں میری برات جائے گی۔ لاکھوں کے چند روز بعد برات بن گئے' مسلمان کوئی نہیں تھا۔ بدراتی وہاں پہنچ کر حیران نہ ہوں کہ نہ کوئی مراسلہ ہے' نہ ملکہ' نہ فوج' نہ باد و حشمت' نواب ناصر تھا بیچارہ۔ اسے سے پہلے عید اس کو گرداننے گئے تھے کہ نواب کے ہاں شادی ہوگی۔ لیکن جب انہیں کہا نواب ناصر صرف یہاں ناصر ہے تو تمام قلعی کھل گئی۔ (اکذب بریلی' ص ۳۳۰) لیکن پنڈت لیکھرام کا یہ بیان کہ تمام بدراتی واپس گئے' مسلمان کوئی نہیں تھا' قرین قیاس نہیں۔ یہ سچ ہے کہ لاکھوں میں مرزا صاحب کے دو ہی پیرو تھے' باقی تو دائل اور دائرہ خرچہ راستہ۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مرزا صاحب ایسے وقت میں جبکہ حالات نے بعد مولوی صاحب کے کفر و ارتداد کا فتویٰ صادر نہیں کیا تھا اور مرزا صاحب بھی اب تک اپنے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں قرار دے چکے تھے' کسی مسلمان کو ساتھ نہ لے گئے ہوں۔ میرے نزدیک یہاں بشیر احمد ایڈیٹر کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ساتھ ایک دو لڑکے اپنے اہل بیت اور مسلمان ساتھی تھے۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۲ ص ۱۱) اور پنڈت لیکھرام اور مرزا بشیر احمد کے بیانات میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ براتی سب کے سب ہندو ہوں گے اور لڑکے مسلمان ہوں گے۔

دلہن کا اضطراب اور برادری کے طعنے

مرزا بشیر احمد نے اپنی ملی صاحب کی زبانی بیان کیا ہے کہ جب ہماری برادری کے لوگوں کو معلوم ہوا تو یہ تہلکہ پڑ گیا کہ ایک بوڑھے شخص کو اور پھر غیر قوم کو رشتہ دے دیا ہے۔ اور ان میں سے کئی لوگ جو براتی تھے اس میں شامل نہ ہوئے۔ مگر ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا اس لئے شادی ہو گئی اور رخصتانہ کر دیا۔ برادری والوں نے بہت طعن و تشنیع کی اور کہا اچھا فریب دیا ہے کہ کوئی تیار کپڑا ساتھ نہیں لیا۔ جس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا کہ رشتہ داریوں کے ساتھ مرزا صاحب کے دوہرے تعلقات ہیں اور گھر کی

عورتیں ان کی تائید میں اور بھڑوے باہری میں گئے ہیں۔ اس حالت میں یہ زور اور کیڑے کہاں سے بڑا ہوتے۔ الغرض برادری کی طرف سے اس قسم کے طعن و تشنیع بہت ہوئے۔

مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے والد ماجد کی شادی کے متعلق میں اپنی والدہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ جب شادی والی تاریخیں آئیں تو یہاں سے ان کے خط گئے کہ میں خود گھبرائی ہوئی ہوں اور شاید میں اس قسم اور گھبراہٹ سے مر جاؤں گی۔ چنانچہ ان خطوں کی وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگوں کو اور بھی اعتراض کا موقع مل گیا اور اصل بے کیا کہ اگر کوئی ایک تھا تو اس کی بیٹی کی وجہ سے لڑکی کی حرکتیں خراب کی؟ اس پر ہم لوگ بھی کچھ گھبرا گئے اور رخصتانہ کے ایک مہینہ بعد میر صاحب قبلہ آئیں آکر شادی والی کو لے گئے۔ جب وہ بچی کو لے کر واپس پہنچ تو میں نے اس عورت سے پوچھا جس کو میں نے دلی سے ساتھ بھیجا تھا کہ لڑکی کیسی رہی؟ اس عورت نے تعریف کیا (مرزا غلام احمد صاحب) کی بہت تعریف کی اور کہا کہ لڑکی یوں تو شروع شروع میں اجنبیت کی وجہ سے گھبرا گئی ہوگی ورنہ مرزا صاحب نے تو اس کو بہت اچھی طرح رکھا ہے اور یہ بہت اچھے کپڑے بھی ہیں۔ اور تمہاری اماں نے بھی کہا کہ لڑکے انہوں نے بڑے کرام کے ساتھ رکھا مگر میں یوں ہی گھبرا گئی تھی۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۱ ص ۱۰۰ حاشیہ) لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ یہاں بشیر احمد صاحب کی والدہ محترمہ نے اپنی گھبراہٹ کی اصل وجہ بیان کرنے میں بہت کچھ پردہ پوشی سے کام لیا تھا اور یہی شریف زادیوں کا شیوہ ہے۔

پچاس عورتوں کی طاقت حاصل کیے جانے کا الہام

حضرت مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ اس شادی کے وقت مجھ کو یہ الہام کیا کہ بیماری اس کے کہ بیماری اور مارنے خدا کہو تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور وہ مرنس یعنی خارش اور دمہ سر درد سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں جن کے ساتھ بعض اوقات کچھ تپ بھی تھا اس لیے میری "سوی الکلوم" تھی اور ولادت سال کے رنگ میں میری زندگی تھی۔ اس لیے میری اس شادی پر میرے بعض دوستوں نے خوش کیا اور ایک خط میاں محمد حسین صاحب پٹواری نیلہ رسالہ

"ڈاکٹر الہٰی" نے ہمدردی کی راہ سے میرے پاس لکھا کہ آپ نے شادی تو کی ہے لیکن مجھے حکیم محمد شریف کلانوری کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ یا صحت خصہ کمزوری کے اس واقع نہ تھے۔ اگر یہ امر کپ کی ذاتی قوت سے تعلق رکھتا ہے تو میں اعتراض نہیں کر سکتا۔ وہ ایک بڑے گھر کی بات ہے۔ لیکن اگر یہ کوئی الہام وغیرہ ہے۔ تو میں اس الہام کے وقت میں نے جناب الٰہی میں دعا کی اور مجھے اس نے دفع مرض کے لیے اپنے الہام کے ذریعہ سے دوائیں بتائیں اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ یہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے" چنانچہ یہ دوا میں نے تیار کی اور یہ وہ صحت خاص" ہے ایک بڑے تندرست انسان کو مل سکتی ہے" یہ لکھ دی گئی۔ اگر دنیا اس بات کو سمجھتا نہ سمجھتی تو میں اس جگہ اس واقعہ صحت کو" جو الہامی رنگ میں عطا کے لیے لکھا گیا" یہ تفصیل بیان کرتا" تاہم معلوم ہو تا کہ عارف اور قیوم کے خیالات بزرگ ہیں تصور میں آتے ہیں اور ہر رنگ میں اپنے خاص لوگوں کو یہ خصوصیت عطا کرتا ہے جس میں دنیا کے لوگ شریک نہیں ہو سکتے۔ میں اس واقعہ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح تھا اور پھر بچہ تھی خداوند حالت میں پچاس عورتوں کے قائم مقام رہا۔ (تریاق القلوب" صفحہ مرزا غلام احمد صاحب" تنقیح کنندہ" ص ۵۰۵ تا ۵۰۶) واقعی یہ ایک عجیب نسخہ ہو گا اور عجب نہیں کہ خلیفہ المسیح حضرت مرزا محمود احمد صاحب اس نسخہ سے نہ صرف خود مستفیض ہو رہے ہوں گے بلکہ مسیح موعود صاحب کے خاص خاص مصاحبوں" کو بھی اس عجیب الخلق تریاق سے ہمہ وقت فیضیاب ہوتے رہے ہوں گے۔ ہمیں تو یہ خیال نہیں کہ حضرت مسیح موعود صاحب کے بیان کی صداقت میں شک کریں لیکن اتنا ضرور عرض کریں گے کہ اگر حضرت مسیح موعود صاحب کے مخلوطہ منی میں چالیس چالیس عورتیں ہوتیں تو پچاس عورتوں کی طاقت قرین قیاس تھی لیکن ایک بیوی اور پچاس عورتوں کی طاقت ایک عجیب قسم کی بے جوڑی بات معلوم ہوتی ہے

قوت باہ کی الہامی معجون اور حکیم نورالدین

لیکن عجب ہے کہ جس الہامی معجون نے حضرت مسیح موعود صاحب کو پچاس عورتوں کی طاقت بخشی تھی اس نے حکیم نورالدین صاحب کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ چنانچہ حضرت مرزا

صاحب کے حسب ذیل مکتوبات میں یہ مولوی حکیم نورالدین صاحب کے نام لکھے گئے اس کی عرامت موجود ہے۔ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

بھائی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاجس میں مواد دافل ہیں یہ کسی قدر آپ نے لکھے تھے' اس کے استعمال سے بھی کو بہت فائدہ ہوا کہ قوت باہ کو ایک عجیب فائدہ یہ مزا پہنچا ہے اور منی غلیظ ہے اور کامل اور مستحی کو دور کرتی ہے اور کسی عوارض کو پیدا نہیں ہونے دیتی ہے۔ آپ ضرور اس کو استعمال کر کے بھی کو اطلاع دیں' بھی کو آپ سے بہت ہی محبت ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ (فاسد غلام احمد) ایک اور خط کا ابتدائی حصہ حاضر ہے۔ لکھتے ہیں۔

بھائی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ مزا صاحب سے کس قدم کو بھی فائدہ محسوس نہ ہوا۔ شاید یہ وہی قبل درست ہو کہ طبیب کو ابدان سے مناسبت ہے۔ اصل ادویہ اصل ابدان کے مناسب حال ہوتی ہیں اور اصل دیگر کے نہیں۔ مجھے یہ مزا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوتی ہے۔ کہ بہت امراض کامل و مستحی و رطوبات حصہ اس سے دور ہو گئے ہیں۔ ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھی کہ صحبت کے وقت پیشاب کی حالت میں نطفہ (مادہ منی) نکلتا جاتا رہتا تھا۔ شاید تین مہینہ سے زیادہ اس کا مواب تھی۔ یہ مادہ بالکل جاتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مزا مادہ منویہ کو بھی منی سے اور منی کو بھی غلیظ کرتی ہے۔ لوگ میں نے تو اس میں آثار فوائد پائے ہیں۔ مگر یہ مزا مفرد ہو اور آپ سادہ اور خالی کے ساتھ بھی زیادہ مقدار میں استعمال کریں تو میں خواہش ہوں کہ آپ کے بدن میں اس فوائد کی بشارت ہوں۔ چونکہ یہ مزا گرم ہوتی ہے اور میں نے زیادہ زیادہ کھائی ہے' اس لیے ڈر ہے کہ اگر مزا لینی چاہے تو یہ مزا تیز کی جائے۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد پنجم' نمبر ۲' ص ۳۰)

زن مریدی کے متعلق مرزا جی کے قول اور فعل میں تخالف

مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر اعتدال نہ ہو تو اور محبت ایک (بیوی کی) طرف زیادہ ہو جائے یا تعدی کم ہو یا قاعدے ریاضت کی کوئی ہوں تو پھر ایک سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے خیال میں یہ کہ انسان اپنے تئیں امتحان میں نہ ڈالے کیونکہ اللہ

فرماتا ہے ان اللہ لا یحب المختالین (اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) حلال پر بھی ایسا فخر نہ باندھ کر نفس پرست ہی بن جاؤ۔ اگر حلال کو حلال سمجھ کر بیویوں کی کثرت ہو جائے تو بھی قابل گرفت نہیں۔ خدا کا یہ منشاء نہیں کہ بالکل تارک دنیا ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ۔ (الواقعات الصریحہ فی اکابر حضرت مسیح موعود' ص ۳۸۳) یہ تو حضرت "مسیح موعود" کا قول فیصل اب ان کا فعل ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب نے اپنی پہلی بیوی حرمت بی بی کو بالکل معلق کر رکھا تھا اور وہ بیچاری ساٹھ سال سے اپنے اہل کے گھر میں رانڈ بنی اور اجاڑ بن کے بیٹے مرزا سلطان احمد' اور ان دنوں تفصیل طلب تھے' بھگتا کرتے تھے اور پہلی بیوی کے مقابلہ میں اپنی نئی نویلی دلہن کو' جسے ولی سے یاد کرتے تھے' بہت چاہتے تھے چنانچہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا غلام احمد صاحب کتاب "سیرۃ المہدی" میں لکھتا ہے مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے اپنی کتاب "سیرۃ مسیح موعود" میں لکھا ہے کہ ایک دن خاکسار کی خدمت گار عورت کو میں نے یہ کہتے سنا ہے کہ مرزا یوں ہی کہا کرتا تھا کہ خدا کی قسم اسے (مرزا یوں کی بات بہت مانتا ہے۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۱۱۵) اسی طرح میاں بشیر احمد صاحب نے اپنے والد محترم کی ان بیوی کا ایک اور دلچسپ واقعہ لکھ رقم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ مفتی فضل احمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں ہی کسی وجہ سے اپنی بیوی پر بگڑ گیا جس پر میری بیوی نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی بیوی صاحبہ کے پاس جا کر میری ناراضگی کا ذکر کیا اور حضرت مولوی صاحب کی بیوی نے مولوی صاحب سے ذکر کر دیا۔ اس کے بعد جب مولوی عبدالکریم صاحب سے ملا تو انہوں نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں مکہ کا رواج ہے۔ بس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا مگر میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔ خاکسار (میاں بشیر احمد) عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی عبدالکریم کے یہ الفاظ بہت معنی خیز ہیں کیونکہ ایک طرف تو ان دنوں میں بٹالہ کے قصبہ پر (موجودہ شاہ ایڈورڈ کی بیرونی) مکہ وکالت حکمران تھیں۔ اور دوسری طرف حضرت مولوی عبدالکریم کا اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام اپنے خانگی معاملات میں حضرت ام المومنین (حضرت نیکم) کی بات بہت مانتے ہیں اور گویا گھر میں حضرت ام المومنین ہی کی حکومت ہے اور اس اشارہ سے مولوی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ مفتی صاحب کو اپنی بیوی

کے ساتھ سلوک کرنے سے [illegible] رہنا چاہیے۔ (سیرۃ النبی' جلد ۲' ص ۳۰۴)

باب ۱۳

غیر مسلم روسا و مقتدایان مذہب کو معجزہ دیکھنے کی دعوت

مرزا صاحب نے براہین میں بڑی جلیلیں اور لن ترانیاں ہانکی تھیں اور تاییدی الہام شائع کیے تھے۔ ان کو تھیں تھا کہ ان خود ستائیوں اور من گھڑت الہاموں کی اشاعت کے بعد اطراف و اکناف ملک میں ان کے نشان و معجزات کا غلغلہ بلند ہو گا اور ان کی عظمت و نبوت کا سکہ عرب و عجم میں رواں ہو گا۔ لیکن مرزا صاحب پر یہ مثل صادق آئی کہ چوری تھی گھر ہو گیا رسوا۔ بجائے اس کے لوگ ان کے دعاوی کو تسلیم کرتے الٹا ان کے خلاف ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ ہر طرف سے ان پر لعنت و پھٹکار کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ اب مرزا صاحب نے اپنی بھائی کا لوہا منوانے کے لیے اعجاز نمائی کے میدان میں قدم رکھا کہ کوئی نہ کوئی معجزہ دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیں۔ چنانچہ اس غرض کے لیے ۱۸۸۸ء کے اوائل میں متعدد اول اشتہار شائع کیا جس کی آٹھ ہزار انگریزی اور شاید ہزارہا اردو کاپیاں طبع کرا کر تقسیم کرائیں۔

دعوۃ اعجاز نمائی کے اشتہارات کا ملخص

ہم نکتہ چینوں نے ایک سال تک کتابوں میں یہ کرتب دیکھنے کا بڑا شوق فرمایا۔ اشتہار شائع کیا اس کا خلاصہ یہ ہے "خاکسار مولف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ بنی ناصری (مسیح) کی طرز پر کمال مستحکم فروتنی و غربت و تواضع سے مخلوق خلق کے لیے کوشش کرے۔ اسی غرض سے کتاب "براہین احمدیہ" تالیف پائی ہے جس کی ۷۰ جز چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن چونکہ پوری کتاب کا شائع ہونا ایک طویل مدت پر موقوف ہے' اس لیے یہ قرار پایا ہے کہ بالفعل بترتیب انعام مجملہ یہ خط' جس کی دو

سو چالیس کتابیں چھپوائی گئی ہیں' جو انگریزی اشتہار کے جس کی کئی ہزار کاپیاں چھپوائی گئی ہیں شائع کیا جائے اور اس کی ایک ایک کاپی بذریعہ سفارتی ہاوری صاحبان بنجاب و بمبئی و الہٰ آباد وغیرہ بلاد میں جو اپنی قوم میں بڑا اثر رکھتے ہیں اور معزز اور مشہور ہیں اور بذریعہ صاحبان و قوم صاحبان و نیچری صاحبان اور دہ معجزات اور دیگر خوارق و کرامات سے منکر ہیں ارسال کی جائے۔ یہ تجویز نہ اپنے گھر و خانگ سے قرار پائی ہے بلکہ صاحب کریم کی طرف سے اس کی فہمائش ہوئی ہے اور بادر دیئی گئی ہے بشارت لی ہے۔ اس لیے یہ خط بھیجا کہ آپ کی خدمت میں اس فکر سے کہ آپ اپنی قوم میں معزز اور مشہور اور مقتدا ہیں' ارسال کیا جاتا ہے۔ اصل دعا جو اس کے شائع کرنے کے لیے میں مامور ہوا ہوں' یہ ہے کہ دین حق صرف اسلام ہے اور کتاب حقانی' و منجانب اللہ محفوظ اور واجب العمل ہے' صرف قرآن ہے۔ اسلام کی حقانیت اور قرآن کی حقانی' عقلی دلائل کے سوا آسمانی نشانوں (خوارق و دافی گمراہوں) کی شہادت بھی پائی جاتی ہے' جس کو طالب صادق اس طالب سے طالب براہین احمدیہ کی صحبت اور سیر اختیار کرنے سے بمقابلہ چشم تصدیق کر سکتا ہے۔ آپ کو اس دین کی حقانیت یا ان آسمانی نشانوں کی صداقت میں شک ہو تو آپ طالب صادق بن کر قادیان میں تشریف لائیں اور ایک سال تک اس عاجز کی صحبت میں رہ کر ان آسمانی نشانوں کا بچشم خود مشاہدہ کر لیں۔ لیکن اس شرط نیت سے جو طالب صادق کی علامت ہے کہ بمجرد مشاہدہ آسمانی نشانوں کے اسی جگہ قادیان میں شرف اسلام یا تصدیق خوارق سے مشرف ہو جائیں گے۔ اس شرط نیت سے آپ آئیں گے تو ضرور آسمانی نشان مشاہدہ کریں گے۔ اس امر کا خدا کی طرف سے وعدہ ہو چکا ہے جس میں تخلف کا امکان نہیں۔ اب آپ تشریف نہ لائیں' تو آپ پر خدا کا مواخذہ ہوا اور بعد انتظار تین ماہ کے آپ کی عدم تبعیت کا مہر ثبت ہو جائے گا۔ اور اگر آپ آئیں اور ایک سال رہ کر کوئی آسمانی نشان مشاہدہ نہ کریں تو دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے آپ کو ہرجانہ یا تاوان دیا جائے گا۔ اس دو سو روپیہ ماہوار کو آپ اپنی شان شایان نہ سمجھیں تو اپنے حرج نوکرات کا عوض یا ہماری وسعت خلق کا تاوان' جو آپ اپنی شان کے لائق قرار دیں گے' ہم اس کو بجزو استطاعت قبول کریں گے۔ طالبان ہرجانہ یا تاوان کے لیے ضروری ہے کہ تشریف آوری سے پہلے بذریعہ وعدہ نامہ ہم سے اجازت طلب کریں۔ آپ

اپنے شرفا اخبار اسلام یا تصدیق خواتین ایک سال تک لکھ کر' جس پر چند لفات مختلف ادیان و مذاہب کی شہادتیں ہوں' تحریر کر دیں۔ جس کو مقصد ہو' انگریزی اخباروں میں شائع کیا جائے گا۔ ہم سے اپنی شرائط سے سو روپیہ بطور تمغہ یا پروپیگنڈا یا عدم کامیابی کی واپسی کی طاقت بھی رکھیں' عدالت میں رہنمائی کرائیں اور اس کے ساتھ ایک حصہ جائیداد بھی بطور شرط رہنمائی کرا لیں۔ (تجلی رسالت' یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد صاحب' جلد اول' ص ۵)

انگریز پادریوں کے قیام کے لیے گول کمرہ کی تعمیر

مرزا صاحب نے انگریز پادریوں کو اعجاز نمائی کے دعووں کے اشتہارات سب سے زیادہ تعداد میں بھیجے تھے اور انہیں امید تھی کہ کثیر التعداد پادری قادیان میں ان کے برہان میں آ کریں گے۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے اپنے اشتہارات کی روانگی کے ساتھ ہی ان مہمانوں کے قیام کے لیے اپنے مکان سے متصل بڑی عجلت سے ایک گول کمرہ تعمیر کرایا۔ لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے' کسی انگریز مہمان کو اس گول کمرے میں داخل ہونے کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ (حیات مرزا' ص ۳۴) قادیان کے قیام اور ایک سالہ انتظار پر یہ شق صادق آتی ہے کہ نہ تو من تحل ہوگا اور نہ راجعا ہوگا۔ لہٰذا کون ایسا احمق قادیان اپنے کاروبار اور ضروریات خانہ' ملازمت یا کسی دوسری تحصیل معاش کو چھوڑ کر محض مرزا صاحب کا اعجازی کمال دیکھنے کے لیے قادیان پہنچتا اور رکیس قادیان کا حاشیہ نشین بن کر ایک سال تک اس انتظار میں قادیان میں بیٹھا رہتا کہ کب مہدی صاحب نشان دکھاتے ہیں اور وہ قبول مرزائیت کے بعد وطن کو لوٹتا ہے۔ رکیس صاحب نے اولاً بڑی اعتقادی و خوش خلقی کے ساتھ یہ شرط بھی لکھ دی تھی کہ اعجاز خواہ کوئی طالب صادق بن کر آئے اور اگر بالفرض اس مدت کے اندر بھی مرزا صاحب کی صداقت میں شک پیدا ہو گیا تو اعجاز نمائی باطل ہو جائے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب سچے تھے تو انہیں ایک سال سے کم مدت میں اعجاز نمائی کی کیوں قدرت نہیں دی گئی؟ جب سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کو دو ٹکڑے کر دکھانے کا مطالبہ ہوا تو کیا آنحضور نے بھی انہیں ایسے ہی سامنے اس قسم کی ناممکن شرائط پیش کی تھیں کہ طالب

مسلسل بن کر ایک سال تک استقرار کرتا کیا چاند انگلی کے اشارے سے فی الفور دو ٹکڑے نہ ہوا تھا؟ کیا دوسرے معجزات کے ظہور میں کبھی کوئی وقفہ ہوا تھا؟ ہرگز نہیں۔

حضور سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات باہرہ

یہاں حضور سید کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند معجزات لکھے جاتے ہیں جن کو خود مرزا صاحب نے کتاب "آئینہ کمالات" میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں "جس فعل کا قدرالٰہی طاقت سے ظہور میں آنا خلاف کوئی دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی۔ کیونکہ وہ صرف الٰہی کے اشارہ سے جو الٰہی طاقت سے بھری ہوئی تھی' وقوع میں آیا تھا کسی دعا نے ہوا سے پانی کو' نہ صرف ایک پیالہ میں تھا' اپنی انگلیوں کو اس پانی کے اندر داخل کرنے سے اس قدر فوارہ کر دیا کہ تمام لشکر اور خیموں اور گھوڑوں نے وہ پانی پیا اور پھر بھی وہ پانی اپنی مقدار پر موجود تھا اور کسی دعا نے چار سو انسانوں پر ہاتھ رکھنے سے بڑھا ہوا کھانا یا اس کا ان سے ختم پیدا کر دیا اور بعض اوقات تھوڑے سے دودھ کو اپنے لبوں سے برکت دے کر ایک جماعت کا پیٹ اس سے بھر دیا۔ اور بعض اوقات خشک کنوئیں میں اپنا منہ یا لعاب دہن ڈال کر اس کو نہایت شیریں کر دیا۔ اور بعض اوقات خشک لکڑیوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر اچھا کر دیا۔ اور بعض آنکھوں کو' جن کے ڈیلے لڑائی کے کسی صدمہ سے باہر آ پڑے تھے' اپنے ہاتھ کی برکت سے پھر درست کر دیا۔ (آئینہ کمالات' مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۶۱۰-۶۱۲) اب سوال یہ ہے کہ یہ تمام معجزات باہرہ فوراً ظاہر ہوئے تھے یا سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے سال بھر کی مدت مقرر فرمائی تھی؟

باب ۲۳

قادیان کے یک سالہ قیام پر پنڈت لیکھرام کی آمادگی

پنڈت لیکھرام اوائل میں پشاور کے محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ جب پنڈت دیانند کی سوامی سے عقیدت ہوئی تو پولیس کی نوکری چھوڑ کر قادیان پہنچ گئے۔ پہلے آریہ سماج

پٹھور میں اور پھر کچھ عرصہ وہاں لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہاں مرزا غلام احمد صاحب کا ایک اشتہار نظر سے گزرا جو باب سابق میں درج کیا جا چکا ہے۔ یہ اشتہار پڑھ کر انہوں نے ارادہ کیا کہ مرزائی دجال کا پول ضرور کھولنا چاہیے۔ اس خیال کے بعد فکر مرزا صاحب سے خط و کتابت شروع کر دی۔

پنڈت جی کا پہلا خط بنام مرزا جی

۲۷ اپریل ۱۸۸۸ء کو پنڈت لیکھرام جی نے مرزا صاحب کے نام یہ خط لکھا۔ جناب مرزا صاحب! خدا ہدایت دیوے۔ آپ کا خط علیحدہ ملنے مرقومہ لاہور میرے مطالعہ سے گزرا۔ اس خط میں آپ کو خدا کی طرف سے یہ لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ جو کوئی غیر مذاہب والوں میں سے آپ کے پاس ایک سال تک رہنے کے بعد کوئی آسمانی نشان نہ دیکھے اور قبول حق کر مسلمان نہ ہو اس کو آپ دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے ہرجانہ یا جرمانہ دیں گے۔ اس لیے میں آسمانی نشان دریافت کرنے کے لیے بدیں شرط آپ کی خدمت میں حاضر ہونے پر تیار ہوں کہ آپ دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سال کا دو ہزار چار سو روپیہ سرکاری خزانہ میں داخل کر دیں اور اقرار نامہ لکھ دیں کہ اگر ایک سال تک آپ کی ہدایت اور آسمانی نشانات اور کرامات دیکھنے سے قبل حق کر آپ کے مذہب کو قبول نہ کروں تو یہ دو ہزار چار سو روپیہ بلا عذر دے دیا جائے اور ایک سال تک یہ روپیہ سرکاری خزانہ میں محفوظ رہے۔ آپ اس کے واپس لینے کے مجاز نہ ہوں گے۔ بلکہ ایک سال تک آپ کی ضمانت ضروری ہے۔ اس کا مذاب ایک ہندو کے اور آپ مسلمان لاہور میں کیا جائے۔ (۲۷ اپریل ۱۸۸۸ء)

مرزا جی کے پیچ دار ناقابل قبول شرائط

مرزا صاحب کو یہ خط پڑھ کر سخت گھبراہٹ ہوئی کہ پنڈت تو پھنس گیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ نیز می پیچ دار اور ناقابل عمل شرائط پیش کر کے اس مصیبت کو ٹال دیں۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام کی بیعتی کے جواب میں لکھا۔ میں نے اپنے سلیمہ خط کے

جاب یہ لوگ ضرورت ہیں ہر اپنی قوم میں معزز اور مشہور مقام رکھتے ہیں۔ جن کو بدلنا یا ایک گروہ کثیر پر موثر ہو سکتا ہے۔ مگر آپ اس حیثیت اور مرتبہ کے قائل نہیں ہیں اور اگر میں اس رائے میں غلطی پر ہوں اور آپ فی الحقیقت دیانند کے قوم ہیں تو بھی خوب' میں آپ کو زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتا' صرف اتنا کریں کہ پانچ مقامات یعنی آریہ سماج لاہور' آریہ سماج امرتسر' آریہ سماج انبالہ' آریہ سماج لدھیانہ میں جس شہر میں سب کی طرف سے ایک مثلی اشتہار بلا میں مضمون کا چھپا ہوا دیکھ کر اگر پنڈت لیکھرام' و ہم سب لوگوں کے دستخط ہوئے ہیں' اس معاملہ میں مطلب ہو جائیں گے اور کوئی نکتہ چینی نہ کریں گے تو ہم سب لوگ با وقت شرف اسلام سے مشرف ہو جائیں گے۔ اگر آپ ایسا اشتہار بلا عذر کر کے دو ہفتہ تک بھیجنے کا وعدہ نہ کریں تو آپ ایک شخص عوام الناس سے بھی جائیں گے و بقول مطلب نہیں۔ (تمام شد از لاہور' مدرسہ ۱۸۸۷ء)

پنڈت جی کی طرف سے جواب الجواب

پنڈت لیکھرام نے اس کے جواب میں لکھا کہ آپ پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ باقی کے باقی کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ میرا خیال تھا کہ آپ مضمون خط کے جواب دینے کے بعد ہوں گے مگر یہ خلاف آپ کا ہی کہنا کہ پانچ آریہ سماجوں کے مہر اشتہار بلا بھیجیں اس ضرب المثل کی تصدیق کرتا ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔ بھیجنے کا کیا ضرور مطلب ہونے سے پانچ آریہ سماجوں کے مہر مسلمان ہونے پر کیونکر لگوا سکتے ہیں؟ اگر بالفرض آپ ایسی ہو جائیں تو کیا آپ کے پانچ اور دوست اور کتابوں کے مسلمان بھی آپ دھرم قبول کر لیں گے؟ ہرگز نہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں سچی سے ایمان کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر آپ کامل تحقیقات کے بعد آریہ ہو جائیں تو یہ آریہ دھرم کی صداقت کی ایک عمدہ دلیل ہوگی۔ اسی طرح جیسے شخص کا مسلمان ہو جانا دین اسلام کے خوارق عادات کا ایک زبردست ثبوت ہوگا۔ چونکہ آریہ سماج کتابوں کے مہروں کی زبانی آپ کی کرامتوں کی عملی محبت ہے اپنی طرح کامل بنانا ہے' اس لئے لکھے "آزمودن را آزمودن جہل است" پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ تمام اتنا لکھنا ضرور ہے کہ آپ

محفل نکل حمل اور جلسہ سازی کر رہے ہیں۔ ہاں یہ تو میں خود بھی لکھتا ہوں کہ میں آپ
عوام میں سے نہیں ہوں بلکہ خاص ہوں۔" (۲۰ اپریل ۱۸۸۵ء)

مہدی صاحب کا ایک اور عذر لنگ

مرزا صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ "۵۰ روپیہ یا اور اپنی وسعت کے لوگوں
کے لئے مقرر کیا گیا ہے" اگر اپنی اپنی سب کو ۵۰ روپیہ دینا تجویز کروں تو اس قدر روپیہ
کہاں سے آوے اگر آپ ۵۰ روپیہ یا اور کسی تنگ پاتے ہیں تو مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔
آپ ثابت کر دیں کہ میں اسی حیثیت کا کرتی ہوں۔ اور اگر ایسا ثابت نہ کر سکیں تو آپ
کے لئے یہ مقدور کرتا ہوں کہ جس قدر آپ (کرتی) کی حالت میں گزارتے رہے ہیں وہی
گزارہ آپ کو دیا جائے۔ اور میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ ۲۰ تین روز کے لئے قادیان
چلے آئیں اور باطمینان مفکر کر کے تصفیہ کر لیں۔ مجھے یہ بھی منظور ہے کہ ۲۰ تین شریف
اور معزز کرتی جیسے شیخ حامد علی حامد اور میں ہی" مجھ سے مفاوضہ کر کے اس بات میں
تصفیہ کر لیں۔ آپ نے قادیان کے کرتی لوگوں کی زبانی بہتری کرامتوں کی قلعی کھلنے کا ذکر
کیا ہے" یہ بیان مشتبہ کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہے۔ جس حالت میں قادیان کے
اصلی کرتی میرے پاس کمال درجہ رکھتے ہیں وہ ذی عقل ہیں۔ وہ اس بات کے نشانوں اور
خوارق کے قائل اور منکر ہیں۔ تو پھر نہیں معلوم آپ نے کس سے سن لیا کہ وہ لوگ منکر
ہیں۔ اگر میرے بیانات صدق سے خالی ہوں تو وہ اب تک کیونکر میرے ساتھ رہتے بلکہ ضرور
تھا کہ اس صریح مخالفت کے رد کرنے کے لئے کئی اشتہاروں میں اصل حقیقت پیش کرتے اور
مجھ کو رسوا اور شرمندہ کرتے۔ آپ پر لازم ہے کہ اس غیر فاسد سے تشفی حاصل کرنے
کے لئے قادیان میں آکر اس بات کی تشریح کر جائیں۔ نیز یہ خوب ہو کہ دو شخص باشندہ
(۲۱ اپریل ۱۸۸۵ء)

مرزا جی سے ۲۳۰۰ روپیہ وصول کرانے کا پرزور مطالبہ

پنڈت لیکھرام نے اس کے جواب میں لکھا کہ مرزا صاحب! آپ کے پہلے سلوک کا

کا مطلب کچھ اور تھا' سر اپریل کے دن سے کچھ اور ہی خارج ہوتا تھا اور ہر اپریل کی پہلی سے کچھ اور ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ اپنی تحریرات سے کیوں پٹے جاتے ہیں۔ میں ستمبر ۱۹۸۸ء میں گورداسپور گیا تھا۔ میں نے وہاں دریافت کیا کہ مرزا گلام احمد صاحب' جنہوں نے دس ہزار روپیہ انعام کا اعلان کیا ہے' کس حیثیت کے آدمی ہیں؟ تو ایک معزز آدمی کی زبانی' جو کہ آپ کے حالات سے پوری طرح واقف تھا' معلوم ہوا کہ آپ کی ساری جائیداد بھی دس ہزار روپیہ کی نہیں ہے' بلکہ مقروض ہیں۔ اب اس کی تصدیق خود آپ ہی کی تحریر سے ہو گئی کہ اگر ہر ایک کو دو سو روپیہ ماہوار دوں تو اتنا روپیہ کہاں سے آوے۔ مرزا صاحب آپ قرآن کے کتب خانوں پر قبضہ کیا رہے ہیں کہ آپ نے ان کو کرانچی بنا دیا ہے۔ آپ کا یہ دعویٰ صداقت سے بالکل معرا ہے۔ میں قرآن آگر آپ سے بالمشافہ گفتگو کرنے کو مستعد تھا مگر ایک واقف کار معزز بھائی کی زبانی' جو آپ کی حالات کو جانتا تھا' معلوم ہوا کہ آپ بہت ہی تلخ اور غصہ ور آدمی ہیں۔ تو خیال گزرا کہ شاید آپ کی ایسی صداقتوں کو میں برداشت نہ کر سکوں' اس لئے ارادہ فسخ کر دیا۔ نادر شریف راستے نے شاید آپ کے دعویٰ کی تکذیب اشاعۃ "براہین احمدیہ" یا "شہادۃ القرآن" میں کی تھی مگر مجھے ابھی طرح یاد نہیں ہے۔ میں نے کتب خانہ قرآن گنج کا بغور مطالعہ کیا ہے اور بالکل عقلی و نقلی سے ان کی پوری تائید کرنے کو مستعد ہوں مگر زبانہ طویل دینا مجھے پسند نہیں ہے۔ صرف آخری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ نے حقانیت دعوے کے بیچ اور حق کے تحقیق اور راستی کے طلب اور اطلاع خلق کے لیے ماہوار بھیجے ہیں تو آپ کو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے سال کا بارہ سو روپیہ خزانہ سرکار میں داخل فرمائیں اور اقرار نامہ لکھ دیں کہ اگر ایک سال تک آپ کی پیشگوئی اور آسمانی نشانات اور کرامات وغیرہ سے تسلی نہ پائے کہ آپ کا مذہب قبول نہ کریں تو یہ روپیہ مجھ کو مل جائے۔ اور یہ روپیہ ایک سال کی مدت تک محفوظ رہے۔ اگر آپ واقعی خلق خدا کی طرف سے مامور ہوئے ہیں تو اس اقرار نامہ اور توکل خدا سے آپ گریز کیوں فرماتے ہیں۔ جب بچا کوئی نہیں اور آپ کو اپنی کرامات پر وثوق ہے تو پھر حیلہ جوئی کا کام ہے۔ اگر آپ کو خدا نے اطلاع دی ہے اور اسی نے یقین کلی فرمایا ہے اور آپ بقول خود اپنی یقین گوئیوں کو بارہا کہہ چکے ہیں تو پھر مجھے ضرور اور بلاتامل آپ مستعد ہونا چاہیے تھا۔ خدا نے آپ

ی سے وعدہ بھی فرمایا ہے اور اب آپ ہی وعدہ پورا کرنے سے پہلوتہی فرما رہے ہیں۔ تو کس طرح تسلیم کیا جائے کہ اس میں نخلت کا امکان نہیں ہے بلکہ آپ کو ہی اس پر اطمینان نہیں۔ الغرض بحث کا دروازہ کھلا اور اس مضمون کا اشتہار دیا کہ جس روز آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا وہ پہلا روز ہوگا کہ آپ جیسے کی طبع مدعی کو بند لگا رہا ہے۔ آپ کے اسی طنز و ذم کی بدولت کوئی غریب بھلی آپ کے پاس آنا نہیں چاہتا مگر میں فخر کرتا ہوں کہ میں آپ کے کرداری زہر کے پرکھنے کے لئے اپنی طبع کو تلخ امتحان میں ڈالتا ہوں اور ایک سال تک آپ کی شکرخوری خود گالیوں کی عاشق باش صدق دل سے منظور کرتا ہوں۔ اگر اس عرصہ میں بھی جلد سوانح نگاری کرتا ہے تو حق خدا و کتابت ہے اور بس۔
(نقوش بنگرام' پروفیسر غریب چاند' از نظام چاند' ۱۵ اپریل ۱۹۵۵ء)

مرزا جی کا مطالبہ

اس کے جواب میں الطاف صاحب نے لکھا کہ آپ کو اصرار ہے کہ میں غریب سماج کے گھر میں ایک بیاہ عزت دار گھرانی ہوں اور بزرگوار اور بھلی مزاجت ہونے کی وجہ سے تمام گرد و نواح میں مشہور و معروف ہوں بلکہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنے دوستوں کو محفل اطلاعوں میں پھیرا کر چاہا بلکہ بدنام کرنا چاہا ہے اور یہ لکھا ہے کہ جس حالت میں میں ایسا عزت دار گھرانی ہوں اور طالب حق تو پھر کیوں بلکہ آمدنی نہیں دکھلانے سے محروم رکھا جاتا ہے اور کیوں پوچھیں سو روپیہ دینے کی شرط پر بلکہ کہ تحریروں میں ایک سال تک ٹھہرا کر آمدنی نکالوں کی تو مائل کی اجازت نہیں دی جاتی؟ سو آپ پر واضح ہو کہ آپ کی درخواست ہم منظور کر لیتے ہیں اور جہاں چاہیں سو روپیہ بھیج کرانے کو تیار اور مستعد ہیں لیکن جیسا کہ آپ شرائط مندرجہ اشتہار سے تجاوز کر کے اپنی پوری پوری تسلی کرنے کے لئے لکھتے ہیں سو روپیہ بلکہ کسی دکان یا سرکاری بینک میں جمع کرانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں بلکہ بھی حق پہنچتا ہے کہ میں بھی آپ کے اس اقرار کو اس بعد دیکھے کسی آمدنی نکالوں کے' یا توقف تحریروں میں ہی مسلمان ہو جائیں بلکہ آپ ہی کے اظہار پر نہ پھولوں بلکہ جس طرح آپ روپیہ وصول کرنے کے باب میں اپنی پوری پوری تسلی کریں گے اسی طرح میں بھی آپ کے مسلمان ہونے کے لئے کوئی ایسی تدبیر کروں جس

سے بھی بھی پورا پورا تعین اور کامل تسلی ہو جائے کہ آپ بھی اسلام سے انکار کرنے کی حالت میں اپنی عمر بھی کے ضرور سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ سو عدالت کی بات جس میں ہے اور آپ برابر ہیں یہ ہے کہ ایک طرف یہ خاکسار چاہیں سو روپیہ جمع کرا دے اور دوسری طرف آپ بھی اسی قدر روپیہ حسب خان مذکور اس مانگ کے پورا کرنے کا اقرار اسلام کسی مہاجن کی دکان پر جمع کرا دیں تاکہ جس کو خدا توفیق حج بخشے اسی کے لئے حج کی ایک بارگاہ رہے۔ (مرزا غلام احمد از قادیان، عفا اللہ عنہ)

۲۴۰۰ روپیہ جمع کرنے پر پنڈت جی کی آمادگی

اس کے جواب میں پنڈت لیکھرام نے لکھا کہ ہماری خط و کتابت کی بنا پر آپ کا یہ اشتہار ہے جو آپ نے مطبع مرتضائی لاہور میں طبع کرا کر شائع کیا تھا اور جس میں آپ نے لفظ صاف الفاظ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ مجھے جناب الٰہ یہ حکم ہوا ہے کہ غیر مذہب والوں کو اسلام کی دعوت کروں اور جو شخص میرے پاس ایک سال تک قادیان میں رہے اور آسمانی نشان اور خوارق عادت دیکھ کر مسلمان نہ ہو تو اسے دو سو روپیہ ہرجانہ کے حساب سے ایک سال کا دو ہزار چار سو روپیہ ہرجانہ یا تاوان دوں گا جس پر میں نے آپ کی خدمت میں اطلاع کی تھی کہ میں ایک سال تک آپ کی خدمت میں رہنے کو تیار ہوں بشرطیکہ آپ زر موعودہ سرکاری بینک میں جمع کرا دیں۔ اب آپ نے عفا اللہ عنہ کی جگہ میں ایک نئی بات پیش کر دی ہے یعنی یہ کہ دو ہزار چار سو روپیہ میں بھی آپ کے "بالفعل نہیں" داخل کروں بلکہ اگر آپ کے آسمانی نشان یا تائید کو مطابق کر کے دین اسلام قبول نہ کروں تو پھر میں سو روپیہ آپ وصول کر لیں۔

صاحب من! اب آپ اپنے مشتہر مورخہ ۱۰ جنوری سے کیوں بھاگتے ہیں اور آپ نے جادۂ انصاف سے کیوں کنارہ کشی کی ہے؟ کیا دین داروں اور دیانت داروں کے یہی کام ہوتے ہیں؟ اب انصاف یہی ہے کہ آپ پہلے اس بات کا اشتہار دے دیں کہ آپ نے جو پہلے اعلان کیا تھا اس کو میں منسوخ کرتا ہوں۔ جب آپ نے اپنے تئیں کا اعلان کیا تھا تو آپ کو یاد رکھنا چاہیے تھا کہ تائید خود دکھائیں گے اور اس کا اثر خود ظاہر ہوگا اور مطابق کرنے والا خود مسلمان ہو جائے گا۔ کیونکہ تائید کے ظاہری معنی عاجز کرنے کے

ہیں۔ اگر فریق مقابل کو عاجز و مغلوب نہیں کیا تو یہ اظہار نہیں ہو سکتا اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو خود ہی اپنے کلمے پر شک ہو گیا ہے کہ یہ نص صریح کلمے سے ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے ہی حجت کرتے ہیں۔ تاہم میں "تصدیع گوارا نمودہ باید رسانید" کے اصول کے ماتحت آپ کی یہ بھی شرط بھی ماننے کو تیار ہوں اور آپ کی طرح میں بھی دو ہزار چار سو روپیہ داخل کر سکتا ہوں۔

نشان اور تاریخ و وقت کی تعیین کا مطالبہ

اس کے بعد پنڈت جی نے لکھا کہ چونکہ مجھے آپ کے استقلال میں شک ہے اس لیے آپ اس امر کی صراحت کر دیجئے کہ آپ مجھے کون سا آسمانی نشان دکھائیں گے؟ آسمانی نشان تین یعنی سورج چاند اور ستارے ہیں۔ میں یہی خواہش ہے کہ ان قدرتی علامات کے علاوہ آپ اپنی کوئی آسمانی نشان دکھائیں یعنی کوئی دوسرا آفتاب جس کا طلوع غروب سے اور غروب شرق میں ہو یا شق القمر کا نشان ہو آپ کے خیال میں حق ہے' میں آپ ہی کا اختیار کر دیتا ہوں یعنی عادت مستمرہ کے خلاف چودہ ماشی کی رات کو چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں' دوسرا چاند کامل اکاس کی رات کو بجائے چودہ ماشی ہونے کے پندرہ کر دے۔ ان میں سے کسی کام کا جس ایک کو آپ دکھانا تجویز کریں آپ نشان دکھانے کی تاریخ اور اس کا وقت بھی مقرر کر دیں اگر وہ عام طور پر مشتہر کرا دیا جائے اگر اب بھی آپ نے اس خط کا جواب صاف الفاظ میں یا حجت بازی کے نہ دیا تو پھر خط و کتابت بند کر دی جائے گی۔ (نگرام از آریہ سماج اخبار ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

مرزا صاحب کی شرط کہ مجھے کے اثبات یا نفی کے لیے ثالث مقرر ہوں

اس خط کے جواب میں مرزا صاحب نے ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو لکھا کہ میں نے اپنے اشتہار میں دو ہزار چار سو روپیہ دینے کا وعدہ ضرور کیا تھا لیکن بیعانی جمع کر دینے کی شرط نہیں کی تھی چونکہ آپ نے میرے وعدہ کو معتبر نہ سمجھا اس لیے اس اشتہار کے برخلاف

میرے لیے یہ اشتباق پیدا ہو گیا کہ آپ سے بھی دو ہزار چار سو روپے بالقابل بیگی رکھوائوں۔ میں ایجاد نمائی کی کوئی شرط نہیں کر سکتا اور نہ مطلب نکال دکھا سکتا ہوں مجھے معلوم نہیں کہ کیا کچھ ظاہر ہو گا۔ ہم صرف بندۂ ناچیز ہیں۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور کا نشان ظاہر کرے گا۔ ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ نشان اسی شے کا نام ہے کہ بشری طاقت سے بالاتر ہو۔ ہمارا دعویٰ صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ ضرور ایسا نشان دکھلائے گا جس کے مقابلہ سے بشری طاقتیں عاجز ہوں لیکن یہ شرط ہے کہ ہمارے گروہ کے مخلص تشہد و تالی کی راہ سے دیوے کے لیے اپنے مقابل مقرر ہونے چاہئیں جو ہر لحاظ سے مذہب سے الگ ہوں۔

مرزائی عذرات کی دھجیاں اڑانے کا طریقہ

اس کے جواب میں پنڈت لیکھرام نے لکھا کہ اگر آپ کو اپنے مقابل سے اس روپیہ رکھوانا منظور تھا تو اپنے پہلے ہی اشتہار میں صاف لفظوں میں شرط لگانے کہ قمار بازوں کی طرح روپیہ دیدو لگا جائے گا۔ اگر بعد کو شرائط میں رقم صحیح نہ کرتی پڑتی اور اگر آپ مراد "کچھ دینے" کوئی ایسی شے کا نام بھی ایسی قمار بازی کو حلال اللغت نہ لکھتا پھر بالفعل رقم آپ سے خاص کتابت کرنے کی وجہ گزارا کرنا۔ آپ کے وعدہ پر اعتبار نہ کرنے کی علت آپ کا بے بہا لاف و گزاف اور بے بہا دعاوی ہیں۔ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ نہ کوئی اہلکار' نہ ساہوکار' نہ پنشن دار' نہ تاجر' نہ حرفت کار' نہ کارخانہ دار' نہ زمیندار' نہ کوئی بڑے صاحب جائیداد ہیں۔ ہاں گاؤں میں ہر ایک کاس سے آپ بھی بالکل نہ ہیں سے اس کے ایک حصہ دار ہیں اور آپ کی حیثیت بھی ایسی ہے جیسی عام لوگوں کی ہوتی ہے اور پھر ایسی معمولی حیثیت پر یہ لاف و گزاف کہ بقابل خود آپ نے لاکھ ہزار دو سو چالیس روپے اس خلوط پر شرط کر دیے ہیں آپ نے معزز رئیسوں اور علماء و فضلاء کے نام اس مضمون کے بھیجے تھے کہ ہر کوئی ایک سال تک موضع قادیان میں رہ کر آسمانی نشان نہ دیکھے اسے دو سو روپیہ ماہانہ کے حساب سے دو ہزار چار سو روپیہ دیا جائے گا۔ اس کا حساب لگایا گیا تو قریباً دو کروڑ روپیہ ہوتا ہے اور لطف یہ کہ اپنی کتاب "براہین احمدیہ" کے صفحہ پر اپنے مطالب میں رئیس اعظم قادیان نام اپنا لکھوایا۔ اس پر طرہ یہ

کہ آپ نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو کوئی کتاب "براہین احمدیہ" کا دیکھے گا دو سو ہزار روپیہ انعام پائے گا۔ خیال کرنا چاہیے۔ اس قدر وسیع و عریض ملک میں اگر سو دو سو کوئی بھی اس کتاب کا دیکھ دیں تو اتنے کے لئے دو لاکھ روپیہ درکار ہے اور اگر آپ ایسے ہی گنج قارون کے مالک ہیں تو اپنی کتاب کی اشاعت کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں سے بھیک کیوں مانگتے رہتے ہیں؟ اور لطف یہ کہ پانچ سال دریوزہ گری کے بعد بھی آپ کے مطابعہ کتاب کے صندوق ابھی تہی و بیچ تک حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس لاف زنی کو اوپر معاش بنا رکھا ہے۔ انہی دنوں کے ماقبت میں آپ نے ذر سعید کے دیکھنے کی درخواست کی تھی۔ آپ کا یہ گمان صحیح نہیں تھا کہ کوئی شخص ان کو کسی شرط کی وجہ سے ایک گاؤں میں دیکھنا اور اپنوں کے امر ایک سال تک بے دیکھے دینا گوارا نہیں کرے گا اور یہ کہ بصورت خاموشی آپ کا دعویٰ بلا ذکری یک طرفہ ثابت ہو جائے گا لیکن بالکل یہ بندہ آپ کے ابطال دعویٰ کے لئے کھڑا ہو گیا اور یہ ذکر کہ ذر سعید دیکھنے بھیج کرایا جائے تو آپ نے اپنے اشتہار کے برخلاف ایک نیا حیلہ اختراع کر دیا۔ لیکن بندہ نے اس حیلہ فتوی کے ساتھ آپ کو اس حیلہ بہانہ کی راہ سے بھی بھاگ جانے کی فرصت نہ دی۔ یعنی دو ہزار چار سو روپیہ اپنی طرف سے بھیج کرانا بھی منظور کر لیا۔ پس جس صورت میں یہ ذر مشروط بالتعین سے ساری بھیج ہو گا تو شرائط کا بھی قبول و ساری ہونا واجب ہو گا۔

اس کلمہ سے کہ ہم صرف بندۂ ناچیز ہیں اور زیادہ تر آپ کے انکسار کی پہلی اور دوسری طرز سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور حضرت عیسیٰ کا نام مبارک لکھ کر ان کے برابر آپ کو ظاہر کیا ہے۔ اس موقع پر بے جا نہ ہو گا کہ اگر ہم حضرات علماء اسلام کو متوجہ کریں کہ کیا عوام اہل اسلام پر اضر من الشمس ہے کہ حضرت رسالت پناہ ختم المرسلین ہیں۔ پس ایسے دعویدار پر تعزیر شرعی کا تعین کیوں نہیں فرماتے کیونکہ تاخیر دشمن سخت خرابی ڈالتے ہیں اور گھر کا بھیدی لنکا ڈھاتا ہے۔ آپ کا یہ عذر کہ ہم کو معلوم نہیں کہ عدالت شرعی کس طرح کا نشان ظاہر کرے گا قابل سننے کے نہیں ہے جس صورت میں آپ ایک اہم خدمت امور نہایت ختم پانشان کام پر مامور ہوئے ہیں تو آپ اپنے عنقریب کے امر پر مطلع کیوں نہیں؟ اور جب آپ کو معلوم نہیں کہ کس قسم کا

[illegible] کا ذکر ہوا تو [illegible] نے فرمایا کہ [illegible] کا ذکر ہے کہ [illegible] جب آپ کے [illegible] کی [illegible] ہے تو آگے آپ سے کیا بن پڑے گا؟ کاش ہے کہ [illegible] آپ کو نبوت کے اعلیٰ ترین درجہ پر [illegible] کرنا خدائے [illegible] کا کام نہیں ہو سکتا ہے آپ پر کہ [illegible] کی ہستی کا قائل ہے۔ ہم نے بھی آپ سے ایسے ہی نشان مانگے تھے جو انسانی طاقت سے بالا ہوں، تو نہ نہیں مانگے تھے۔ مگر اس سے بھی آپ گریز کر گئے۔ اب آپ نے اپنی دعویٰ کا نصف حصہ چھوڑ دیا کہ نشان آسمانی کا صرف ایک جزو یعنی صرف نشان باقی رکھا اور دوسرا حصہ یعنی اللہ نشان بھی ہے نشان و صداقت کر دیا کیونکہ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ یہ کیا اور کیسا ہوتا ہے۔ بس آپ کا دعویٰ بکلی باطل ہو گیا۔ کمزور خدا خدا کر کے۔ معلوم نہیں آپ اپنے صدق پر بالاقرار کے باوجود یہ عذر کیوں قبول کرتے ہیں کہ آپ کے مخالف پر اتمام حجت یا کسی کی رائے بدلنے کے لیے مختلف طریقے ہونے چاہئیں۔ یہ سچ ہے کہ جب کوئی مقدمہ یا اصول / کلیت امر قبول ہوتا ہے تو اس کے لیے مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ جزئیات بدلتی ہیں یہ مختلف ہی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بس اگر آپ کا مقصد بھی اصول / کلیت ہوتا تو آپ اپنے مخالفوں کے بجائے کہ جانے والے گذریوں کو مخاطب کرتے اور انہیں مطمئن کرتے۔ ہم آپ کی طرف سے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] ہی [illegible] ہے۔ [illegible] میں [illegible] کا [illegible] سے [illegible] ہو [illegible] (نیکرام از کیپٹن [illegible] ۱۸۸۸ء)

پنڈت جی سے درخواست کہ نشان آکر تصفیہ کر جائے

حضرت اقدس مرزا جی نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دیا اور نشان "عطا" کے دعوے پر حکومت کو چھا کیا۔ آخر پنڈت [illegible] نے تین عید کے اخبار شیر کے بعد ایک پوسٹ کارڈ بھیج کر یاد دہانی کی۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے پنڈت جی کے نام ایک پوسٹ کارڈ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ نشان کوئی حد نہیں ہے" آکر مکالمہ کر جائے۔ امید ہے کہ باہمی مکالمہ پر شرائط طے ہو جائیں گی۔ (مکتوب برہمن" مرزہ، مولفہ پنڈت نیکرام، ص ۱۸۸۸ء-۱۸۸۹ء) پنڈت نیکرام اور مرزا صاحب میں پانچ چھ مہینے تک جس [illegible] خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا ۱۸۸۸ء میں پنجاب کے متعدد اخبارات خط و کتاب

باب' کا لفظ دیکھا ہی شائع ہوئی تھی۔ (کتاب البریہ' ص ۱۳۶) چونکہ اس میں پنڈت لیکھرام کی نشانیاں صحیح اور پیشگوئیوں کی کھلی بیعت تھی' اس لئے نہ تو خود مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں اس کا کہیں ذکر کیا اور نہ مرزا صاحب کے بعد کتابات احمدیہ کی کسی جلد میں اس کو شرف اندراج عطا کیا گیا۔ کتاب مخصوص البریہ میں شریک نہ صرف مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہوئی تھی بلکہ انہوں نے اس کو "حرف حرف" چسپاں کر اپنی متعدد تصنیفات میں پنڈت لیکھرام کی گندہ دہنی کا شکار کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب اس غلط دستاویز سے بے خبر نہیں تھے جو پنڈت لیکھرام نے اپنی کتاب "مخصوص البریہ" کے اخیر میں درج کی تھی۔ اور چونکہ مرزا صاحب کو اس کی نسبت یا اس سے انکار کرنے کا کبھی حوصلہ نہ ہوا اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو صحیح نہ سمجھا جائے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ قادیان کی ہر گز عدالت یا وہاں کا کوئی حاکم بیدار مرزا صاحب کے دامن تقدس کو رسوائی کے اس داغ سے کبھی پاک و صاف نہیں کر سکتا۔

باب ۲۵

پنڈت لیکھرام قادیان میں

باب سابق میں آپ نے پڑھا کہ خود مرزا صاحب نے پنڈت لیکھرام کو قادیان آنے کی دعوت دی مگر باصطلاح محفوظ کر کے یہ سلسلہ قیام کے شرائط طے کر لیے۔ اس دعوت کے بموجب پنڈت لیکھرام جا چکا تھا اور شرائط زیر بحث پر محفوظ کی۔ لیکن مرزا صاحب نے حسب سابق پھر حیلہ تراشی اور لیت و لعل سے کام نکالنا چاہا۔ مگر بدقسمتی سے ان کا مدمقابل کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو آسانی سے پیچھا چھوڑ دیتا۔ پنڈت جی نے قادیان جا کر ان کا ناک میں دم کر دیا اور بری طرح تنگ کا بار ہو گئے۔ مرزا صاحب نے ہزار جتن کیے کہ کسی طرح یہ جن پیچھا چھوڑ دے لیکن پنڈت جی سالہا سال پولیس کی نوکری کر چکے تھے' کسی طرح نہ مانے اور ان کی جان کھا گئے۔ اصل میں مرزا صاحب کو پنڈت جی سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا ورنہ ایسے بے ڈھب کوئی کو جو جان کا گاہک بن گیا تھا کبھی حیلہ نہ نکالنے دیتے

شروع ہی میں یہ کہہ کر کہ دل دیتے کہ تم میرے بیٹے کے مخاطب نہیں ہو۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب خود بھی دلائل غلیظہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلی غلطی تو یہ کی کہ باقی غیر مسلموں کو ایک سال تک کالوں پر کر تھوپ دیکھنے کی دعوت دی۔ دوسری غلطی یہ تھی کہ پنڈت لیکھرام جیسے سخت گیر کوی سے خط و کتابت شروع کر کے ان کی چال میں آ گئے۔ تیسری چوک ان سے یہ ہوئی کہ پنڈت جی کو اپنے گھر پر کر اس مثل کے مصداق بنا "آ بیل مجھے مار"۔ پنڈت جی کالوں بچ کر ہاتھ دھو کے ان کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کو لکھا کہ آپ نے فرمایا کہ جو جھوٹی مخلوق ہو گی۔ ایک دن پنڈت لیکھرام مرزا صاحب کے مکان پر بیٹھے ہوئے آسمانی تھوپ دیکھنے کے لیے کالوں کے ایک سادہ قوم کی فرمائش لے کر رہے تھے۔ اتنے میں کھڑکی میں لفظ خوارق عادات زیر بحث آ گیا۔ پنڈت نے کہا کہ خوارق عادات عادت اللہ کے توڑنے کو کہتے ہیں۔ جادو جھوٹی میں قطع کرنے کی عادت دیکھتے ہیں۔ آگ کا خاصہ جلانا ہے۔ درخت میں خبر حرکت دینے کی عادت ہے۔ اگر آپ ان خواص و عادات کو خدا کے حکم سے توڑ دیں یعنی آپ کے کہنے سے جادو چھری کاٹنے سے باز رہے' آگ جلا نہ سکے' درخت پھل نہ دے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ اور اگر آپ اپنے دعوی سے قاصر رہیں تو آپ کذاب ہو جائیں اور جھوٹے دعووں سے باز آ جائیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ قرآن کی اصطلاح میں معجزے کے یہ معنے نہیں ہیں۔ پنڈت نے کہا کہ جب یہ لفظ ہی قرآن میں نہیں تو اس کے لیے قرآنی اصطلاح کا دعوی کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ واقعی قرآن میں معجزہ کا لفظ نہیں بلکہ اس کے لیے آیت بینہ برہان کا لفظ مستعمل ہے۔ مرزا صاحب اس بات پر اڑ گئے کہ قرآن میں یہ لفظ بمعنی معجزہ ہے۔ پنڈت لیکھرام نے قرآن مجید مرزا صاحب کے سامنے پیش کر کے کہا' یہ لو خدا کا لے۔ مرزا صاحب چند منٹ تک کلام پاک کی ورق گردانی کرتے رہے مگر اپنی کوشش میں ناکام رہے۔ آخر مجبور ہو کر فرمایا کہ میں اس دعوی سے دست بردار ہوتا ہوں۔ واقعی قرآن میں یہ لفظ نہیں ہے۔ پنڈت لیکھرام نے لکھا ہے کہ اس وقت حکیم کشن سنگھ' لالہ نہال چند' حکیم مولا رام' پنڈت بے کشن' لالہ بھی سامنے' مرزا امام الدین صاحب کے عم زاد بھائی مرزا کمال الدین' منشی مولا علی اور ایک ضعیف العمر مسافر بیٹھے ہوئے تھے اور ناظرین مرزا جی کو بھی اس بیان کی صداقت سے انکار نہ ہو گا۔ (تکذیب براہین' ص ۸۹)

پنڈت کی گلوز نوریاں اور قادیانی بارگاہ کی رسوائیاں

پنڈت جی نے بھیری کو شش کی کہ قادیانی صاحب کسی طرح قادیان کے یک سالہ قیام کے معقول اور حسابی شرائط کو منظور کریں اور شیلے والے پھوڑ کر راہ راست پر آئیں لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ جب انہوں نے مفر طے کر کے دیکھ لیا کہ یہ شیلے کسی طرح باز نہیں آتے اور اب خراٹا قیام پر ہی منحصر ہے تو انہوں نے یک سالہ قیام و انتظار کو بالائے طاق رکھ کر فوری اعجاز نمائی کا مسئلہ شروع کر دیا۔ پنڈت جی ہر روز الہامی صاحب کے دولت کدہ پر جاتے اور کہتے کہ اگر آپ دعووں میں سچے ہیں تو کوئی نشان اور کرامت دکھائیں۔ نشان بے چارے مرزا جی کے لیے سر پر مست جھانجے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ اعجاز نمائی خانہ ساز سلسلہ میں کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اس کے ساتھ پنڈت جی کا یہ معمول تھا کہ ہر روز تیکھی ہدایتوں کو جمع کر کے قادیان کے بازار میں چلے جاتے اور مجمع کثیر میں نہایت زور شور سے تقریر کر کے مرزائی تحریک کا کشتہ کرتے اور قادیانی مقدس کی دھجیاں فضائے سماء میں بکھیر کر حاضرین کو خوب ہنساتے اور مرزائیت اور اس کے بانی کی رسوائی کا مسئلہ پایہ تکمیل تک پہنچا کر واپس آتے۔ خود مرزا جی نے اپنے اسم بامسمی رسالہ "انوار دعوۃ" میں ان رسوائیوں کا بعض جگہ رونا رویا ہے۔ چنانچہ اس لوہ و طعان کی ایک باگی جھلک ہو۔ لکھتے ہیں "جن دنوں بٹالہ کرام نے اسلام کی نسبت بد زبانی پر کمر باندھ رکھی تھی اور بات بات میں گالی اس کے منہ میں تھی ان دنوں اس نے بحوش میں آکر ایک یہ کارروائی بھی کی تھی کہ مجھ سے مباحثہ کرنے کے لیے قادیان میں آکر ایک عید کے قریب دن میں اس سے بحث کرنے کے لیے میں کے جلسے اور کلاس میں نہیں گیا اور نہ میں نے کبھی لیکچر اس سے غلط و کتابت کی۔ وہ خود اپنے دستخطی خط سے قادیان میں میرے پاس آیا اور اس بحث کے تمام بعد اس جگہ کے گواہ ہیں کہ جس دن کے قریب قادیان میں وہ اور سخت گوئی اور بد زبانی سے ایک دن بھی اپنے تئیں روک نہ سکا۔ بازار میں مسلمانوں کے گزر کی جگہ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا رہا اور مسلمانوں کو جوش دینے والے الفاظ بولتا رہا۔ میں نے اندریشہ نقض امن سے مسلمانوں کو منع کر دیا تھا کہ اس کی تقریروں کے وقت کوئی بازار میں کھڑا نہ ہو اور کوئی مقابلہ کے لیے مستعد نہ ہو۔

اس لیے بلوایا اس کے کہ وہ فساد کے لیے چند لوگوں کو ساتھ لا کر ہر روز ہنگامہ کے لیے تیار رہتا تھا مگر مسلمانوں نے میری حیرت انگیز تعبیروں کی وجہ سے اپنے جوشوں کو دبا لیا۔ ان دنوں میں کئی ہندو مسلمان میرے پاس آئے کہ یہ شخص برہنہ حالت میں علی الظاہر صلعم کو گالیاں دیتا ہے اور میں نے دیکھا کہ وہ لوگ جوش میں ہیں' تب میں نے نرمی سے سمجھایا کہ ایک مسافر ہے۔ بحث کرنے کے لیے کیا ہے' صبر کرنا چاہیے۔ میرے بار بار روکنے سے وہ لوگ اپنے جوشوں سے باز آگئے۔ اور انجام نے یہ طریق اختیار کیا کہ ہر روز میرے مکان پر آتا اور کوئی نشان اور معجزہ مانگتا اور سخت فحش اور نبی کے الفاظ اس کے منہ سے نکلتے۔ وہ بیشک سچ یا تیرے پر تھا یا نہیں میرے مکان پر آتا اور اسلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت طرح طرح کی بے ہودگی کرتا اور جیسا کہ تمام پارٹیوں نے مشہور کر رکھا ہے' بار بار یہی کہتا کہ تمہارے دشمن سے کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا اور نہ کوئی پیش گوئی پوری ہوئی۔ مخالفوں نے جب کہ دیکھا کہ ہمارے ساتھ ہنسی کے لیے بہت سے آدمی آنے لگے ہیں تو کہا۔ (الکتاب فیاد ہدیٰ' مولفہ مرزا غلام احمد' ص ۱۱۵)

اعجاز نمائی سے قاصر رہنا

لیکن سوال یہ ہے کہ جب پنڈت لیکھرام مرزا صاحب کو ان کے کاشانہ اقدس میں جا جا کر ذلیل کر رہے تھے' اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کی جا رہی تھی' مرزا صاحب کا ہر دعوٰی بڑی طرح چیلنج کیا جا رہا تھا اور پنڈت جی ہر وقت مصر تھے کہ کوئی نشان دکھاؤ تو آخر مرزا صاحب میں واقعی کوئی اعجازی ہو ہر دعوٰی تھا تو ایسی حالت میں ان کی رگ حمیت کیوں نہ پھڑکی؟ انہوں نے اپنا کوئی حربہ اعجاز نما دکھا کر اس بے باک مہم کو کیوں نہ سر کیا؟ اور اس کا سر نیاز خاک ذلت پر رکھا کر دوسروں کو سر اٹھانے دینے کے لیے اسباب عبرت کیوں مہیا نہ کر دیے؟ مرزا صاحب کا دعوٰی تو یہ تھا کہ اکثر گزشتہ نبیوں کی نسبت میرے ہمہ دان تجلیات اور پیشین گوئیاں ہیں مگر بعض گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے تجلیات اور پیشین گوئیوں کو ان تجلیات سے کچھ نسبت ہی نہیں اور نیز ان کی پیشین گوئیاں اور تجلیات اس وقت محض بطور قصہ کہانیوں کے ہیں مگر میرے تجلیات اور پیش گوئیاں ہزارہا لوگوں کے لیے واقعات

جنم دیا ہے۔ گزشتہ نبیوں کے معجزات اور پیش گوئیوں کا ایک بھی گواہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ بالمقابل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے معجزات اور پیش گوئیوں کا میں زندہ گواہ موجود ہوں اور قرآن شریف زندہ گواہ موجود ہے اور میں وہ ہوں جس کے بعض معجزات اور پیش گوئیوں کے کروڑہا انسان گواہ ہیں۔ (فتح المسیح" صفحہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۱۵۔ ۱۶) لیکن اس دعویٰ کا عملی ثبوت یہ تھا کہ ایک عدوئے اسلام کے مجبور کرنے پر بھی اپنے کیئے معجزات سے ایک عدد معجزہ بھی پیش نہیں کر سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کے دعاوی الہام لدنی میں شمہ بھر بھی سچائی تھی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اپنے نازک وقت میں بھی بجائے دین حنیف دلائل کہا جا رہا تھا ہوں سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تھا" حضرت مسیح ناصری" کو کس اعجاز کی طاقت دی جاتی۔ لیکن چونکہ وہ پنڈت لیکھرام کے مقابلہ میں برابر ذلت پر ذلت سہتے رہے' اس عدوئے اسلام کی مدد قیام میں قادیان کی خدا پر خفت و رسوائی کی آہیں برابر سنتا رہیں اور مرزا جی کو نہ تو کسی عارضہ کمال پر قدرت ہوئی اور نہ ان کے ہمہ حیثیت و غیبت پر کوئی گرفت لگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تمام دعاوی الہام سراسر مدعا تھے تھے۔

باب ۳۹

قادیان کے یک سالہ قیام پر منشی اندرمن کی رضامندی

ان ایام میں پنڈت لیکھرام جی مرزا صاحب سے قادیان کے یک سالہ قیام کے متعلق خط و کتابت کر رہے تھے۔ انہی دنوں منشی اندرمن مراد آبادی بھی مرزا صاحب سے پنڈت لیکھرام کے کرنے میں مصروف تھے۔ مرزا صاحب کے اس اعلان کو پڑھ کر کہ اعجاز الہام لدنی کے متعلق دسمبر ۱۸۸۷ء میں منشی اندرمن مراد آبادی نے مرزا صاحب کے نام ایک خط لکھا۔ مرزا صاحب یا ان کے پیروؤں نے اس خط کو تو شائع نہیں کیا۔ البتہ "تبلیغ رسالت" سے جو مرزا صاحب کے اشتہارات کا مجموعہ ہے' پتا چلتا ہے کہ منشی جی نے بھی پنڈت لیکھرام کی طرح مجلہ طاعت اور الحبین۔ ہزار چار سو روپیہ بک میں جمع

کر دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ (تبلیغ رسالت" جلد اول" صفحہ ۴۸ و حاشیہ) اس کے جواب میں حسب بیان مرزا صاحب انہوں نے منشی اندرمن کو لکھا کہ اگر بالفرض ایک سال میں کسی آسمانی نشان کا آپ کو مشاہدہ نہ ہو تو (میں آپ کو چوبیس سو روپیہ دے دوں گا اور اگر آپ کو پیشگی لینے پر اصرار ہو تو مجھے اس سے بھی دریغ و عذر نہیں۔ بلکہ آپ کے اطمینان کے لیے چوبیس سو روپیہ نقد مرزا رفیق پارا ارسال خدمت ہے۔ (ایضاً صفحہ ۴۸ ب) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے پیشگی کے ساتھ ہی روپیہ بھی بھیج دیا تھا۔ اگر اس بیان کو صحیح فرض کر لیا جائے تو بھی یہ محض عہد اور ذاتی فعل تھا کیونکہ نہ تو منشی اندرمن کے لیے روپیہ بنک میں جمع کرانا چاہئے تھا۔ اور اگر واقعی اس رقم کو پیشگی کی شکل ہی کی تحویل میں کر دینا مقصود تھا تو پھر نہ کامل اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ کہاں آ سکتی ہے سوال یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی کے ساتھ ہی کے سامنے پر مثل شرائط کیوں پیش کی گئیں؟

مرزا صاحب کی پہلی بیباناوہ ناقابل عمل شرط

تاہم مرزا صاحب نے منشی جی کے سامنے جو پہلی شرط پیش کر کے اپنے پیشگی کی تردید کی تھی، وہ اس کو ثابت نہ کر سکے۔ مرزا نے اسی خط میں منشی جی کو لکھا کہ چونکہ آپ نے یہ ایک امر زائد چاہا ہے۔ اس لیے مجھے بھی یہ حق پیدا ہو گیا ہے کہ اس امر زائد کے مقابلہ میں کوئی خصوصی شرط کر لوں۔ پہلی شرط یہ کہ جب تک آپ کا سوال گذر نہ جائے کوئی دوسرا شخص آپ کے گروہ (آریوں) سے زر موعود پیشگی لینے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ ہر شخص کو زر پیشگی دینا تسلیم نہیں ہے۔ (تبلیغ رسالت" جلد اول" صفحہ ۴۸ ب) اس شرط کے متعلق التماس ہے کہ منشی اندرمن پہلے سے ہندوستان بھر کے آریوں کی طرف سے اس بات کا بھلا کس طرح ذمہ لے سکتے تھے کہ کوئی دوسرا نہ کرے جس کو تاہم کی طرف سے دعوت اسلام کیجئے گی۔ اور پیشگی جمع کرانے کا مطالبہ نہ کرے گا۔ مرزا جی نے اطراف و اکناف ملک میں غیر مسلم متمولین و رؤسا کے پاس پیشگی اشتہارات فرداً فرداً بھیجے تھے۔ ان میں سے ہر شخص چاہتا تو زر موعود پیشگی جمع کرنے کا مطالبہ کر سکتا تھا۔ اگر ہر شخص کے لیے پیشگی روپیہ جمع کرنا ممکن نہیں تھا تو پھر یہ مشکل نیز کیوں ہی کیوں کھیلا گیا؟ اور یہ تو

نہیں ہوا کہ بزعم خود مجددین میں سے صرف تین کو نہیں (بلکہ تمام) منکر اور سن اور گورداسپور کے ایک (گرج پادری) کے سوا کسی نے اس دعوت امتحان کو قابل التفات نہ سمجھا ورنہ مرزا صاحب کو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ پنڈت لیکھرام کو تو وہ ہاتھوں ہی میں ٹرخا رہے تھے اور یورپین پادری نے شاید بیگانی رقم کی طرف ہی نہ کی تھی۔ باقی صرف ایک منشی اندر من کے لئے پانچ سو روپیہ اور اگر کسی کی شہ کے پیچھے سو روپیہ جمع کر دیا کون سا مشکل کام تھا؟ لیکھرام اپنی حالت میں بلکہ بقول مرزا صاحب انہوں نے منشی ہی کے پاس یہ روپیہ نقد بھیج بھی دیا تھا۔

مرزا جی کے دوسرے بے جا شرائط

مرزا جی نے دوسری جو شرط یہ پیش کی کہ اگر مخالف فلاں فلاں کے بعد منشی صاحب اشتہار اسلام میں داخل کریں اور اپنے صد کو پورا نہ کریں تو پھر جرمانہ یا تمام دونوں امر سے ایک ضرور ہے (ہونا) مگر یہ شرط بھی بے جا تھی۔ کیونکہ جب ابوجہل اور دوسرے سرداران قریش نے حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام منکر الشر کا مطالبہ کیا تھا تو آنحضرت رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منکروں کے سامنے کوئی شرط پیش نہ کی تھی اور یہ نہ کہا تھا کہ اگر تم بعد مطالبہ اشتقاق قرآن نہ لاؤ تو تمہیں جرمانہ یا تمام دینا پڑے گا۔ کیونکہ ایمان "جبراً" کسی دل میں داخل نہیں کیا جا سکتا اور کوئی شخص "شرعاً و عقلاً" اس پر مجبور نہیں کہ اپنے ضمیر کے خلاف اسلام کا اظہار کرے کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی نفع و ضرر کے لئے شرف ایمان سے مشرف ہو یا مطالبہ خان صاحبی کے بعد بھی بدستور اہل ضلالت میں سے رہے۔ من ضل فانما یضل علیہ ارشاد خداوندی ہے۔ ثناءاللہ صاحب نے شرائط مذکورہ کو چھ حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے الف اور ب کے ذیل میں اس کی جو تصریح کی اس سے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب حیل و حلل محض امتحان ایمان قبل سے بچنے کے حیلے تھے ورنہ دنیا کا کوئی معقل کوئی پہلے غیر مشروط ایمان پر اپنی لاکھوں کروڑ شرائط کے اثبات کو ترجیح الاسلاف نہ جانے گا۔ بہرحال مرزا صاحب نے دوسری شرط کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔ "(الف) سب لوگ آپ کے گرد کے جمع آپ کو منتظا جانتے ہیں یا آپ کے دعاوی و صلی میں اپنا نفع اور اسلام

کے مقابلہ میں اپنے مذہب کا بے دلیل ہونا تسلیم کریں اور یہ لوگ ابھی سے آپ کو اپنا وکیل مقرر کرکے اس تحریک کا آپ کو اختیار دیں۔ پھر اس پر اپنے دستخط کریں۔ (۲) اور صورت تحلت وعدہ جانب مخالف سے اس کا مالی جرمانہ یا مطالبہ ہو آپ کی اور آپ کے حمایتوں اور حامیوں اور متبعین کی حیثیت کے مطابق ہو فرما دیں۔ تاکہ اس مال سے اس وعدہ خلافی کی کوئی یادگار قائم کی جائے۔ ایک اشتہار تائید اسلام میں شاید ہو یا کوئی مدرسہ تعلیم تو مسلم اہل اسلام کے لئے قائم ہو۔ آپ ان شرائط کو تسلیم نہ کریں تو آپ مجھ سے مباحثہ نہیں کر سکتے"۔ (انجام رحمانی" جلد اول صفحہ ۱۰۳ ب) مگر ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کبھی خواہش نہ کی تھی کہ روپیہ جیسے جوئے کر بیٹھے بلکہ محض اس خیال سے کہ مہاراجہ کل کو روپیہ وصول کرنے میں مشکلات حائل رہیں۔ انہوں نے صرف رقم موعود کے بنک میں جمع کرا دینے کی خواہش کی تھی اور اپنی خواہش اور دعوے کا انصاف کوئی غیر متعلق مطالبہ نہیں قرار دیا تھا۔ مگر مرزا صاحب نے ایک بالکل سیدھی بات میں الجھنیں ڈال کر اسے ایک معمہ بنا دیا۔ ضرورت صرف یہ تھی کہ وہی رقم جو مرزا اور سن کے پاس پہلی کے ساتھ درخواست کی شکل میں بھیجی گئی تھی بنک میں جمع کرا دی جاتی اور سارے دلچسپ شرائط پیش کرکے اپنی شان بھی بڑھائی اور دعوائے اعجاز نمائی کی بھی عملی بنیاد رکھ دی جاتی۔

باب ۲۷

قادیانی ہندو رؤساء کے وفد کا مطالبہ اعجاز نمائی

مرزا غلام احمد صاحب کے ہم زلف مرزا امام الدین نے ۲۵ اگست ۱۸۸۵ء کو ایک اعلان زیر عنوان "مشتہر صداقت اظہار" شائع کرکے تمام اصولی تجویز و تقاریر کا ایک گوشہ عریاں کیا تھا اور تقاریر کے بعض اسرار و خواص کی پردہ دری کی تھی۔ یہاں اس اشتہار کا وہ حصہ نقل کیا جاتا ہے جس میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کی بارگاہ عالی میں قادیانی ہندو کے ایک وفد وفد کے حاضر ہونے اور اعجاز نمائی کی درخواست کرنے اور الہام کا بے نیل و مرام سرانجام کرنے کا ذکر ہے۔ مرزا امام الدین نے لکھا ہے "۲۲ اگست ۱۸۸۵ء کو قادیان کے بہت سے معزز و معاملہ فہم ہندو ایک وفد کی شکل میں مرزا

امام امر کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے دو اطراف و اکناف ملک میں اپنے تبحر صاحب امام و کرامات مشہور کیا ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر آپ اپنے دعوی میں سچے ہیں تو ہم کو بھی اپنا کوئی کمال دکھلیئے۔ امامی صاحب نے نہ تو صاف انکار کیا اور نہ اقرار۔ بلکہ حیلہ سازیوں سے رفع الوقتی کرتے رہے۔ آخر فرمایا کہ "آپ سب مل کر چودہ سو روپیہ جمع کیجئے۔ اسی قدر رقم ہم بھی فراہم کرتے ہیں۔ اگر ایک سال کے عرصہ میں ہمارے ہی الہاموں میں سے ایک الہام بھی پیشہ صداقت کو سچ گیا تو ہماری جملہ رقم حاصل ہو جائے گی اور ہم فسدا چودہ سو روپیہ لے لینے کے مستحق ٹھہریں گے"۔ اس کے جواب میں ملایان الہ الہ الا اللہ نے کہا کہ ایسی واہیات بکواس تو ہم بھی اور دلی بھی کیا کرتے ہیں۔ دس میں سے دو چار باتیں ان کی بھی پوری ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ بھی علم اور الہام میں داخل ہیں؟ اس کے بعد غائر خلیفہ نے کہا کہ مرزا صاحب! آپ بیشک فرمائیں ایک سال کی جگہ دو سال مقرر کر لیجئے لیکن اس عرصہ میں آپ کو بھی خود امام ہوں آپ سب کے سب پورے کر دکھائیں۔ "آپ مرزا صاحب کا ہاتھ بند ہو گیا اور روئے سخن کو دوسری طرف پھیرنا چاہا۔ انہوں نے اپنے سوال پر اصرار کیا۔ امامی صاحب فرمانے لگے کہ "طالب حق کا فرض ہے کہ وہ امام وقت کے مکاشفہ میں کوئی چون و چرا نہ کرے"۔ انہوں نے کہا مرزا صاحب! اچھا آپ ایک ہی آسمانی نشان مقابلہ کرا دیجئے لیکن اس کا وقت مقرر کر دینا ضرور ہے۔ آپ کو لازمی طور پر بتانا ہوگا کہ یہ الہام فلاں تاریخ کو ضرور پورا ہو گا۔ امامی صاحب نے اس سے بھی انکار کیا اور فرمایا کہ ہمیشہ ہوتا امر محال ہے۔ اب ان کے گزشتہ الہاموں کا ذکر کیا ہر پورے نہیں ہوئے تھے۔ مرزا صاحب سرے سے ان الہاموں سے مکر گئے۔ حالانکہ ان کے گواہ حافظ سلطان محمد صاحب امام مسجد اور بعض دوسرے لوگ اسی مجلس میں موجود تھے۔ مرزا صاحب نے بڑی جرأت اور دیدہ دلیری سے کہہ دیا کہ میں یہ الہام ہوئے ہی نہیں۔ (کتاب براہین، ص ۲۲۸-۲۲۹)

باب ۲۸

دس بیگاری ہندوؤں کی طرف سے

اعجاز نمائی کی جعلی درخواست

جب سرور کونین ہند کا سفر ختم فرما کر واپس تشریف لائے تو اس سے مرزا صاحب کی ہوا کرکری اچھی طرح ہو چکی تھی اس باطل شکن دفد کے چرچے عام ہو چکے تھے صورت حالات دیکھ کر مرزا صاحب کے چیلے چپاٹے بھوت بنے ہوئے تھے وہ بحالت انتظار سوچ رہے تھے کہ اس واقع پر مائی کے سامنے کی کیا تاویل ہو سکتی ہے؟ آخر بہت سے غور و فکر کے بعد قادیان کے دس بارہ ایسے اور نیم خواندہ ہندو کو جو مرزا صاحب کے تابع و دست نگر تھے جمع کیا اور ان کی طرف سے اپنے نام فرضی ایک درخواست لکھ لی کہ ہم قادیان حق ہیں۔ آپ ہم کو عملی کرامت دکھائیں اور اس کے نیچے اپنی طرف سے ایک مضمون لکھا کہ ہمیں ان دس کرامتوں کی درخواست منظور ہے اور اپنے چند مرزائی مالی لفافوں کے نام بھیجنے کرا دیئے کہ اخبار شائع کرا دیا۔ (اکذب بریہین ص ۱۳۳ ج ۲۳)

درخواست اعجاز نمائی کا مضمون

ہند کی طرف سے یہ درخواست تیار کی گئی تھی۔ خدام و کرام مولانا انعام اللہ صاحب سلمہ' بعد ما یجب کمال ادب عرض کی جاتی ہے کہ جس حالت میں آپ نے لاہور اور امرتسر تک اس مضمون کے ریزولوشن شائع فرما دیئے ہیں کہ ہر طالب صادق ہو اور ایک برس تک ہمارے پاس آکر قادیان میں ٹھہرے تو خدائے قدوس اس کو اپنے نشان دکھا کر حقیقت اسلام ظاہر دکھائے گا کہ ہر حالت خارق سے پاؤ ہوں۔ سو ہم لوگ آپ کے ہمسایہ اور ہم وطن ہیں۔ لاہور اور امرتسر والوں سے زیادہ اس بات کے حقدار ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں قسمیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم طالبان صادق ہیں۔ کسی قسم کا شر اور فساد ہر گز ہمارے دلوں میں نہیں ہے اور نہ ہم بعض ہمعصر مخالفوں کی طرح آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہم صرف اس قسم کے نشانوں کو قبول کریں گے کہ ستارے اور سورج اور چاند پاؤں پر کر زمین پر گر جائیں یا ایک سورج کی جگہ تین سورج اور ایک چاند کی جگہ دو چاند ہو

بائیں یا دائیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آسمان سے جا گرے۔ یہ باتیں بالکل غلط اور تعصب پر مبنی ہیں۔ لیکن ہم لوگ ایسے خیالوں پر کفایت کرتے ہیں جن میں زمین و آسمان کے زیر و زبر کرنے کی صلاحیت نہیں اور نہ قوانین قدرت کے توڑنے کی کچھ ضرورت۔ ہاں ایسے نشان ضرور چاہئیں جو اخلاقی حالتوں سے بالاتر ہوں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ سچا اور پاک پیشرو آپ کی ذاتی راست بازی کے لئے محبت اور کرپا کی وجہ سے آپ کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور قوت دعا سے تمام خوف دفع اور اضطراب ہٹتا ہے یا آپ کو بعض اسرار خاصہ پر مطلع کرتا ہے اور جاوید بیش گوئی ان پوشیدہ بھیدوں کی خبر آپ کو دیتا ہے یا ایسے عجیب طور سے آپ کی مدد اور حمایت کرتا ہے جیسے یہ قدیم سے اپنے برگزیدوں اور مقربوں اور جانثاروں اور خاص بندوں سے کرتا آیا ہے۔ ایک بات واجب العرض ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ محض مطابقت کشف کسی انسان کے دیکھنے کے بعد اسلام کو قبول کرے۔ سو اس قدر تو ہم مانتے ہیں کہ سچ کے کھلنے کے بعد جھوٹ پر قائم رہنا وجوہ ہیں ہے اور نہ ایسا کم کسی عقل اور سمجھ اور فطرت سے ہو سکتا ہے لیکن مرزا صاحب آپ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہدایت پانا خود انسان کے اختیار میں نہیں ہے جب تک توفیق الٰہی اس کے شامل حال نہ ہو۔ سو ہم لوگ ہر قوم' برادری' ننگ و ناموس وغیرہ صدہا زنجیروں میں گرفتار ہیں کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم خود اپنی ہی قوت سے ان زنجیروں کو توڑ کر اور اپنے خویش و اقارب کو آپ ہی نرم کر کے اپنے گلے پر دندانہ ہدایت پھیل دیں گے۔ اور ہر پیشتر مرتبہ الٰہی ہاں کا پاس ہم ہے وہ آپ ہی کر دکھائیں گے۔ ہاں یہ معجزہ اعلیٰ پر موقوف ہے جس کے حصہ میں یہ سعادت مقدر ہے اس کے لئے شرائط کی کیا حاجت ہے۔ اس کو تو خود توفیق اعلیٰ کھینچ کھینچ بیشہ ہدایت تک لے آئے گی۔ اس لئے آپ ہم سے ایسی شرطیں موقوف رکھیں۔ اگر ہم آپ کا کوئی نشان دیکھ لیں گے تو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ چند اخباروں کے ذریعہ سے اور گراں روپیہ خرچ کرا دیں گے اور آپ کی صداقت کی حقیقت کو حتی الوسع اپنی قوم میں پھیلائیں گے۔ اور بلاشبہ ہم ایک سال تک حتی الضرورت آپ کے مکان پر حاضر ہو کر ہر ایک قسم کی بیشکوئی وغیرہ کا محفوظ بھیجنا درج رجسٹر کرایا کریں گے اور سال ہر نشانوں کے دکھلانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے یہ ابتدائے تاریخ ۱۸۸۸ء سے شمار کیا جائے گا۔ العبد لیکھرام بقلم خود پنڈت پارا مل

پنڈت خود' جن داس ولد رادھا سوامی کائستھ خود' ستی کمار چند کھتری پنڈت خود' پنڈت لعل چند' ستھ رام' رچ چند' پنڈت ہرکرن' پنڈت رچ رام چودھری پاٹھ کاروں پنڈت خود' جن داس ولد ہیرا برہمن (تاریخ رسالت' جلد اول' ص ۱۵۲)

درخواست کی منظوری

مرزا صاحب نے اس درخواست کے جواب میں لکھا۔ صاحبزادہ فرمائے من پنڈت لعل چند صاحب، پنڈت بھارا مل صاحب، پنڈت بھی رام صاحب، لالہ جن داس صاحب، لالہ نرائن چند صاحب و دیگر صاحبان ترسل کشمیر کی درخواست مشتملہ خوابق' بعد مطالعہ' آپ صاحبوں کا خواہش مند جس میں آپ نے نمونہ نشانوں کے دیکھنے کے لیے درخواست کی ہے بخاطر کہ بلند چونکہ یہ امر سراسر منشاء و حق ہوئی پر مبنی ہے اور ایک عبادت طالب حق نے ہو عمل کیا ہے۔ اس کو کھا ہے اس لیے یہ تمام تر شکر گزاری اس کے حضور کو قبول، منظور کرتا ہوں اور آپ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر آپ صاحبان ان وعدوں کے پابند رہیں گے کہ جو اپنے خط میں آپ لوگ کر چکے ہیں تو خدا وند تعالیٰ قادر مطلق جل شانہ کی تائید و نصرت سے ایک سال تک کوئی ایسا نشان آپ کو دکھایا جائے گا جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ اس بات کو اس روز بہت خوشی ہوگی۔ جب آپ بعد دیکھنے کسی نشان کے اپنے وعدہ کے ایفا کے لیے جس کو آپ صاحبوں نے اپنے خطوں اور قسموں سے کھول دیا ہے۔ اپنی شہادت روایت کا بیان چند اخباروں میں مشتہر کر کے متعصب مخالفوں کو خجل و لاجواب کرتے رہیں گے۔ آپ کو بخوشی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ایک سال تک کوئی نشان نہ دیکھیں یا کسی نشان کو جھوٹا پائیں تو اس کو مشتہر کر دیں اور اخباروں میں چھپوا دیں۔ یہ امر کسی نوع سے موجب ہرج نہیں آئے ہوگا اور نہ آپ کے وعدہ خلافہ میں فرق آئے گا بلکہ یہ وہ بات ہے جس میں خدا بھی راضی اور ہم بھی اور چونکہ آپ لوگ شرط کے طور پر کچھ روپیہ نہیں مانگتے۔ صرف دلی سچائی سے نکالنا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس طرف سے بھی قبول اسلام کے لیے شرط کے طور پر آپ سے کچھ گرفت نہیں۔ بلکہ یہ بات بذل آپ لوگوں کے توفیق ایمانی پر موقوف رہی گی ہے اور آخر پر میری جوش سے یہ دعا ہے کہ خداوند قادر و کریم بعد دکھلانے کسی نشان کے آپ لوگوں کو غیب سے قوت پانے کی بخشے تاکہ

آپ لوگ مائی رحمت الٰہی پر حاضر ہو کر بھر محروم نہ رہیں۔ اے قادر مطلق کریم و رحیم ہم میں اور ان میں سچا فیصلہ کر۔ (تاریخ احمدیت "جلد اول" طبع اول صفحہ)

شہادت گواہان حاضر الوقت

ہم لوگ جن کے نام نیچے درج ہیں اس مباہلہ فریقین کے گواہ ہیں۔
گواہ شد میر عباس علی ولد میر ولی گواہ شد شیخ عبداللہ سلموی۔ گواہ شد شہاب الدین۔
(تحفظ رسالت "جلد اول" ص صفحہ۔صفحہ)

مرزائی حیلہ گری کی تردید

چند روز کے بعد جب قادیان کے متذکرہ صدر دس بائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کے نام پر درخواست اعجاز نمائی شائع کرکے ان کو دھوکا دیا گیا ہے تو ایک اشتہار زیر عنوان "اعلان کاذبان" چھپا کر تقسیم کرایا جس کا مضمون یہ تھا "مرزا غلام احمد ساکن قادیان نے ہم لوگوں کی طرف سے اس مضمون کا جو اشتہار چھپا کر شائع کیا ہے کہ یہ لوگ صدق دل سے اسلام و کرامات اور اسلام کی صداقت دیکھنے کے لیے ایک برس کی درخواست کرتے ہیں۔ یہ سراسر کاذبانہ بیان ہے۔ اس لیے ہم لوگوں کو دھوکے سے بچانے کے لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم میں سے پنڈت برادا دل" پنڈت رام دیں" پنڈت نمال چند" منشی رام" مچ چند" پنڈت ہرکشن جن کے نام اس اشتہار میں درج ہیں۔ ان کا ایک حرف بھی نہیں بھیجا گیا۔ البتہ بھی رام" بکرا چند" [redacted] اور بشن داس ولد بیرا نہ کسی قدر آمد خواہ ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو اس قسم کا مضمون چھپا کر سکے۔ بلکہ ہم میں سے کسی کو اتنی قابلیت نہیں کہ اس مضمون کو بخوبی سمجھ بھی سکے۔ یہ مضمون مرزا غلام احمد صاحب کا اپنا ہی لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے متفق طور پر ہم کو اپنے مکان میں بلایا اور صفحہ سادہ کرکے یہ کہہ کر دستخط کرا لیے کہ عوام (انعام) دیا جائے گا تم گواہ رہنا۔ نہ ہمیں انعام کے معنی معلوم تھے اور نہ انہوں نے بتائے اور نہ دیکھ کے سوا ہمیں کسی کے انعام پر اعتبار ہے۔ ہم لوگوں کو پہلے اشتہار کے مضمون کی اطلاع نہیں تھی اب جو ہمیں اس کا مضمون [redacted] کیا تو

معلوم ہوا کہ یہ مضمون بالکل مرزا صاحب نے حسب خطا خود بنایا ہے۔ نہ مرزا صاحب کو دم بھر زندگی کا کوئی بھروسہ ہے اور نہ ہمیں اس لیے ایک سال تک اپنی بیوقوفی کے ساتھ اس طرح کے خیال پلاؤ پکانا اور لوگوں کو دھوکے کے جال میں پھنسانا ہمیں کسی طرح گوارا نہیں ہے۔ مرزا صاحب جانیں اور ان کی کوئی اور خریج کے اشتہار جانیں۔ ہم ایسے شخص کو جسے مدعی الہام سے کوئی دنیاوی غرض ثابت ہو مرزا صاحب کے حوالے کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یہ بیشور بندوں کو ایسے فرضی الہاموں سے بچائے۔

الشعراء۔ چند لال پد' پنڈت بدرمل' سندر رام' بھون رام' پنڈت رام' بلن رام کنوری' بلن داس برہمن' پنڈ کنوری' ہرکرن برہمن' بھیرو داس' میلا رام۔ (کتاب براہین' ص ۳۳۶)

باب ۲۹

غلام احمدی مشیخت کے متعلق مرزا امام الدین کا اعلان

امام احمد صاحب کے عم زاد بھائی مرزا امام الدین نے مہر اگست ۱۸۸۸ء کو "اشتہار صداقت الہام" کے زیر عنوان ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا کہ مرزا امام احمد نے دعویٰ کیا ہے کہ میں بعد وفات علم اور صاحب کرامات ہوں اور قادر و ذوالجلال خدا کی طرف سے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے طرز پر کامل مکمل و نبوتی تنزل و تواضع کے ساتھ اصلاح خلق کے لیے مامور ہوا ہوں اور میں بڑا بزرگ ہوں۔ مگر یہ تمام دعوے بے بنیاد ہیں اگر سکت ہوتی تو دس ہزار روپے کی شرط میں نہ لگاتے۔ نبوتی اور الہامی ہوتا تو زور اور قہر اور غصہ ورد ہونے اور غربت کے لیے لازم تھا کہ تغیر مکانات پر خلق خدا کا ذریعہ بیوہ نہ کرتے اور پلاؤ سے اتر کر باہر نکلتے اور اصلاح خلق پر مشتمل ہوتے اور تنزل و تواضع کا یہ عالم ہے کہ اکثر مسجدوں اور سائلوں کو جیا" نکالا دیا جاتا ہے۔ آج کل مرزا امام احمد کے وعظ و تذکیر کا حاصل یہی مضمون ہوتا ہے کہ مسلمان بدلی تمہی کتاب براہین میں امداد کریں بلکہ ہر شخص تغیر مساجد" حج اور زکوٰۃ و خیرات کی مد میں سے کتاب

براہین کے لئے ادا کیجئے" اس کو ثواب عظیم اور نجات اخروی نصیب ہوگی۔ سید عباس علی لدھیانوی نے براہین احمدیہ کی حمایت و اشاعت میں اپنے حوصلہ سے بڑھ کر ادا کی۔ یہ نہ صرف امراء، رؤساء اور نوابوں کے پاس جا جا کر ترغیب دلانے میں سرگرم رہے بلکہ خود سے بھی پانچ سو تک نہ پھوڑا۔ سید عباس علی لدھیانوی اور مرزا غلام احمد کے دوسرے مخلصوں نے بیسیوں تک میں ترغیب و تحریک کر کے ان کے ہاتھوں کی انگوٹھیوں تک اتروا لیں اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ خواتین تک کا مال براہین کی امداد کے لئے حاصل کیا گیا اور اپنے اشتہارات میں یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر کسی کو میرے اخلاص کی صداقت میں شبہ ہو تو یہ گاہیاں آکر تحقیق کر لے۔ چنانچہ اپنے دعوے کی تائید میں عدالت عدم مطابقہ الہام پر بیس سو روپیہ ہرجانہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ جانے اور ہے کہ اول تو مرزا غلام احمد کو اپنے سوائی کریم پر بھروسہ نہیں ہے۔ دوسرے ان لوگوں نے گاہیاں اگر ایک سال تک ٹھہرنا منظور کیا تو ان کے ساتھ شرائط طے کرنے میں جیلے حوالے نہ کرتے۔ اور میں نے آسمانی نشانات کا مشاہدہ کرانے کے لئے بارہا لکھے بھیجے۔ مگر پہلے تو ہی اور جیلہ ہوائی کے سوا ان کا کبھی مقابل جواب نہ دیا۔ اگر کسی طالب حق کو نشانات کی تحقیق کے لئے گاہیاں بننے کا شوق ہو تو ذیل کے گواہوں کو ملاحظہ فرما دیکھنا چاہیے۔ تاکہ نشانات اور کرامات کی حقیقت واضح ہو سکے۔ مرزا احمد بیگ صاحب کو گاہیاں کے بعد سے سحر اور سحر زدہ ہونے کی ایک دفعہ مرزا غلام احمد کے پاس پہنچے اور اعجاز لفظی کا مطالبہ کیا۔ مگر ان کو بھی کسی رنگ میں مطمئن نہ کر سکے اور جب ان کے سامنے نشانوں کا ذکر کیا تو ان سے صاف کہہ گئے۔ گاہیاں کے شیخ فضل احمد نے ایک روز اپنے خط مورخہ سے یہاں تک بھی لکھا کہ میں آپ سے کسی ایسی کرامت کا خواستگار نہیں ہوں جو آپ کے نزدیک ناممکن اور قانون قدرت کے خلاف ہو۔ میں چاہتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ خواہ کیسی ہی خرقی کرامت اور معمول سے خارق عادت کا مشاہدہ کرا دیں گے میں اس کو منظور کر لوں گا اور آپ کی شرط اشتہار کو پورا کروں گا۔ بشرطیکہ خارق عادت ایسا ہو جو انسانی طاقت اور انسانی علوم کی رسائی سے باہر ہو۔ اور پھر جو امر ثبوت کی صورت میں کسی ہرجانہ کا بھی خواہاں نہیں ہوں۔ بس اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنے ہزار روپوں کے بڑھ جانے پر آپ کیوں مباہلہ نہیں کرتے۔ اس کے بعد مرزا غلام الدین لکھتے ہیں کہ بعد دس بارہ جن کی طرف سے مرزا

غلام احمد نے اشتہار شائع کیا ہے وہ سب اس کے دست گر اور خوشامدی ہیں۔ ہر طالب حق انصاف اگر ان جملہ اور بے علم گواہوں کو دیکھے گا اس پر علم صاحب کی کارستانی اور راست بیانی اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ اس کارستانی کے وقت علم صاحب کو ان کے مشیروں اور حاشیہ نشینوں نے بھیجا سمجھایا کہ یہ کارروائی خیر خلل نہ ہوگی بلکہ معرفت ہوگی اور لوگوں کو طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہوں گے۔ اس لیے مناسب ہے کہ ایک کمیٹی ذی علم کی بھی اس مطبوعہ میں ضرور شامل کیا جائے مگر علم صاحب نے کسی کی ایک نہ سنی کیونکہ یہ اپنی نصیحت بھلی جانتے ہیں کہ کتنے پانی میں ہیں۔ (الکتاب براہین، ص ۳۷۶)

باب ۳۰

دوسری شادی کے بعد مزید نکاح کرنے کے متواتر الہامات

مرزا غلام احمد صاحب نے بعد العشرہ ان شادیوں کیں۔ پہلی بار چودہ سال کی عمر میں ماموں کی بیٹی سے ہوئی۔ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد اسی کے بطن سے متولد ہوئے۔ دوسری دلی میں شاید پچاس سال کی عمر میں نصرت جہاں بیگم صاحب سے کی۔ مبارک الذاکر سے تین بیٹے محمود احمد، بشیر احمد اور شریف احمد متولد ہوئے جو اب تک موجود ہیں۔ دوسری شادی کے بعد مرزا صاحب کے دل و دماغ پر کئی سال تک اس مطلب کے کشوف و الہامات کا طوفان بپا رہا کہ تمہاری اور بھی شادیاں ہوں گی لیکن چونکہ حق تعالیٰ کو یہ بندہ مقہور قہار کے تجربوں کے سچ صاحب قرب الٰہی اور صولت خداوندی کی اندرونی قوت سے بکسر محروم ہیں اور ان کے کشف و الہام کا سرچشمہ بھی غیر طاہر الموارج ہیں۔ اس لیے یہ سب کشف و الہام غلط نکلے اور دلی کی شادی کے بعد کوئی اور دلارام مرزا صاحب کے بستر عیش کی زینت نہ بن سکی۔ اب ذرا مرزا صاحب کی کشوف و الہامات کی شان و شوکت

بیوہ سے نکاح کرنے کا الہام

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ دوسری شادی سے پہلے مجھے الہام ہوا تھا کہ دو بیویاں تمہارے حلقہ میں آئیں گی۔ ایک کنواری دوسری بیوہ۔ کنواری (حضرت بیگم صاحبہ) سے تو نکاح ہو چکا۔ اب بیوہ سے حلقہ کا انتظار ہے۔ چنانچہ "عسکیر الہام آعظم" میں لکھا کہ اس طرح شیخ محمد حسین بٹالوی کو ملا" یہ کہنا چاہیے کہ کیا یہ قصہ صحیح نہیں ہے کہ یہ ماجرا اس شادی سے پہلے دہلی میں ہوئی تھی اس کے سامنے پر معاملہ تھا۔ اس نے سوال کیا کہ کوئی الہام تھا کہ [redacted] میں نے ایک کاغذ الہام کا اسی وقت میں ہوا تھا اور اس شادی اور اس کی دوسری تاریخ پر دلالت کرتا تھا اس کو سنایا اور وہ یہ تھا کہ بکر و ثیب یعنی مختلف یوں ہے کہ ایک گھر سے شادی ہوگی اور پھر بعد ایک بیوہ سے" میں اس الہام کو یاد رکھتا ہوں۔ مجھے امید نہیں کہ محمد حسین نے بھلا دیا ہے۔ مجھے اس کا مکان یاد ہے جہاں کرسی پر بیٹھ کر میں نے اس کو الہام سنایا تھا اور اس وقت (ڈپٹی فتح) کے قصہ کا ابھی نام نشان نہ تھا اور نہ ابھی اس دوسری شادی کا کچھ ذکر تھا۔ پس اگر یہ مجھے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا کا نشان تھا جس کا ایک حصہ اس نے دیکھ لیا اور دوسرا حصہ جو ثیب یعنی بیوہ کے متعلق ہے' دوسرے وقت میں دیکھ لے گا (عسکیر الہام آعظم' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۰) ۱۸۸۸ء میں کنواری لڑکی سے مرزا صاحب کی جو شادی ہوئی اس سے الہام کا پہلا حصہ پورا ہوگیا اب صرف ایک بیوہ سے حلقہ نکاح باقی رہ گیا تھا۔ لیکن اس کے قریباً دو سال بعد یعنی ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء کو مرزا صاحب کو ایک اور الہام ہوا کہ ایک نہیں بلکہ متعدد عورتیں تمہارے نکاح میں آئیں گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں "پھر خدا نے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس (حضرت بیگم) کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۷۰) لیکن اس الہام کے بعد نہ مرزا صاحب نے کوئی نکاح کیا نہ خواتین مبارکہ یا بابرکت ہاتھ آئیں۔ اگر حرمی بیگم سے حلقہ ہو جاتا تو یہ الہام کچھ نہ کچھ پورا کیا جا سکتا تھا۔ لیکن رب غیور نے نہ چاہا کہ جھوٹ کو سچ کر دکھائے۔

جب الہامی صاحب نے متعدد عورتوں سے شادی کرنے کا الہام شائع کیا تو منشی محمد رمضان نام کسی صاحب نے "پانچواں اشتہار" کی اشاعت مورخہ ۲۰ مارچ ۱۸۸۸ء میں الہامی صاحب کا خوب پول کھولا۔ چنانچہ الہامی صاحب خود لکھتے ہیں "مورخہ فروری ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں یہ مشکوک خدائے تعالیٰ کی طرف سے یوں کی گئی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ اصل بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد ہی تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہوگی۔ اس مشکوک پر منشی محمد رمضان صاحب فرماتے ہیں کہ الہام کی قسم کا ہوتا ہے کہیں کو ایک باتوں کا اور زیادہ کو عورتوں کا۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۳)

پارسا طبع و نیک سیرت الہیہ

۲۸ جون ۱۸۸۸ء کو مرزا صاحب نے حکیم نور الدین صاحب کو خط لکھا کہ دو حوالیات نواب کریم جل شانہ کی اس مائدہ کے نوال ملے ہیں۔ ان کے بارے میں خیال یہی دل چاہتا ہے کہ اپنے دوستوں سے کچھ اس میں سے بیان کرتا رہوں۔ سو آپ سے ابھی ہو چکے تھے دو ہیں ایک راز مشکوک کا بیان کرتا ہوں۔ شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا کہ اس مائدہ پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک لڑکہ قوی حملہ عین کامل عقل و اخلاص قوم کو عطا کیا جائے گا۔ سو اس کا نام (عنوائیل نور) تجویز ہوگا۔ اب تک میرا خیال تھا کہ شاید یہ لڑکہ مبارک اسی الہیہ (صفورہ نیکیہ) سے ہوگا۔ اب زیادہ الہام اس بات میں ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑے گا اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت الہیہ تمہیں عطا ہوگی جو صاحب اولاد ہوگی۔ اس میں تعجب کی بات یہ ہے کہ جب الہام ہوا تو ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھ کو دیئے گئے۔ تین ان میں سے تو آم کے تھے مگر ایک پھل سبز رنگ کا بہت بڑا تھا۔ یہ اس جہان کے پھلوں سے مشابہ نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پھل جو اس جہان کے پھلوں میں سے نہیں ہے وہی مبارک لڑکا ہے کیونکہ پھلوں سے مراد اولاد ہے اور بلکہ ایک پارسا طبع الہیہ کی بشارت دی گئی اور ساتھ ہی کشفی طور پر چار پھل دیئے گئے جن میں سے ایک پھل الگ وضع کا ہے تو یہی سمجھا جاتا ہے۔ اب فاضلین آنکھوں کے اندھے اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں اب کی دفعہ لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ میری دانست میں اس لڑکے کے قبل سے پہلے ضروری معلوم ہوا کہ

یہ تیسری شادی ہو جائے کیونکہ اسی تیسری شادی میں اولاد ہونے کے اشارات پائے جاتے ہیں۔ غالباً اس تیسری کا وقت نزدیک ہے۔ اب دیکھیں کہ کس بیگ اولاں نے اس کا ظہور مقدر کر رکھا ہے۔ الہامات اس بارے میں کثرت سے ہوئے ہیں اور ربانی ارادہ میں کچھ تردد سا پایا جاتا ہے۔ (مکتوبات احمدیہ 'جلد ۵' نمبر ۲ ص ۵-۶)

تیسری شادی تقدیر مبرم ہے

۲۰ جون ۱۸۸۸ء کو مرزا صاحب نے حکیم نور الدین کے نام ارسال کی۔ اس میں لکھا کہ اس عاجز نے جو آپ کی طرف لکھا تھا وہ صرف بہ تعلق طور پر بعض اسرار الہامیہ پر مطلع کرنے کی غرض سے لکھا گیا کہ کہ اس عاجز کی یہ عادت ہے کہ بسا اوقات احباب کو ان کی قوت ایمانی بڑھانے کی غرض سے کچھ کچھ امور غیب بتا دیتا ہے۔ اور اصل حال اس عاجز کا یہ ہے کہ جب سے اس تیسرے نکاح کے لئے اشارہ ملہمی ہوا ہے تب سے طبیعت منقبض و متردد ہے اور عزم الٰہی سے گریز کی جگہ نہیں۔ مگر باایں کراہت اور بوجہ اول اول یہ پایا کہ یہ امر قضائے مبرم ہے۔ لیکن جواز الہامات و کشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر مبرم نہیں ہے۔ (مکتوبات احمدیہ 'جلد ۵' نمبر ۲ ص ۸) معلوم ہوا کہ تقدیر دو قسم کی ہے۔ معلق اور مبرم۔ معلق وہ ہے جو دعا یا کسی دوسری تقدیر سے ٹل جائے اور مبرم وہ ہے جو کبھی نہ ٹلے اور کوئی دعا یا اور تدبیر اس کے لئے کارگر نہ ہو۔ سو مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ تیسرا نکاح تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا لیکن بایں ہمہ مرزا صاحب نے کوئی تیسرا نکاح نہ کیا اور یہ تقدیر مبرم جس کے لئے بہت دنوں سے جواز الہامات و کشوف ہو رہے تھے ٹل گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام کشف و الہام جن میں تیسری شادی کو تقدیر مبرم بتایا گیا تھا سراسر شیطانی تھا تھے۔

تیسری شادی کے متنظر و امیدوار

ان الہامات کے کچھ سال بعد مرزا صاحب نے کتاب "ایام الصلح" لکھی۔ یہ کتاب ۱۰ جنوری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی تھی۔ اس کے صفحہ میں لکھا ہے کہ میں خود تیسری بیوی

کا مختصر ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے تذکرہ کے صفحہ ۳۹۰ کے الہام میں تین بیٹے کہ ذوج کا لفظ کیا اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے۔ پہلا نام محمود' یہ وہ ابتدائی نام ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو بموجب وعدہ بخشا۔ اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ کے وقت میں مریم نام رکھا کیونکہ اس وقت مبارک الاول دی گئی اور تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے۔ اس کے ساتھ امر کا لفظ شامل کیا گیا اور یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس (تیسری شادی کے) وقت تو امر اور تصرف ہوگی"۔ (تکمیلہ الہام اتمام' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۵) دیکھیں الہاموں کو ۱۸۸۸ء تک تیسری شادی کی اس لئے امید تھی تو اس کی یہ وجہ تھی کہ الہمیں تھا۔ تیری قسم سے خارج ہو جانے کے اب تک الہام ہو رہے تھے چنانچہ اسی کتاب الہام اتمام کے صفحہ ۳۲ پر ایک الہام موجود ہے۔ ووہو لہا الیک (خدا خالق تیری قسم کو تمہارے پاس لوٹا لائے گا) بہرحال ہمارے الہامی صاحب تیسری شادی کے ارمان دل ہی میں لے کر دنیا سے چل دیئے۔ نہ تیری قسم حال ہوا پر دوسری باری آئی نہ کسی اور بیوی کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی حالانکہ مرزا صاحب کو سالہا سال سے اس کے لیے جواز الہامات ہو رہے تھے اور ان کے حامی خدا نے یہاں تک بتا دیا تھا کہ یہ نظر بہرحال ہو کر رہے گی نہیں ٹل سکتی۔

باب ۳۱

غم زدہ بھائیوں کی نسل منقطع ہونے کی پیش گوئی

۲۰ فروری ۱۸۸۷ء کو الہامی صاحب نے ایک الہام شائع کیا جس میں لکھا کہ خواجگان مہارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی۔ اور ہر ایک شاخ تیرے بیٹے بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد قطع ہو کر ختم ہو جائے گی اور ایک اجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا۔ (ایضاً' جلد ۲ ص ۹) اس الہام سے تین باتیں کی پیش گوئی ہے۔ (۱) حضرت حکم صاحب کے عقد کے بعد حسب خواجگان مرزا صاحب کے خانہ عقد میں آئیں گی جو ان سے بہت اولاد ہوگی اور خوب نسل پھیلے گی۔ (۲) غم زدہ

بھائی مرزا امام الدین' مرزا نظام الدین اور مرزا کمال الدین دنیا سے نابود جائیں گے اور ان تینوں کی نسل منقطع ہو جائے گی۔ (۲) خدا ایک اجڑا ہوا گھر الہامی صاحب کی ذات سے آباد کرے گا۔ امر اول کے متعلق التماس ہے کہ الہامی صاحب کی پہلی شادی لڑکپن میں ہوئی تھی اور ان کی بارہ سولہ ہی سال کی عمر تھی کہ مرزا سلطان احمد ان کے گھر میں داماد ہوئے تھے۔ دوسری شادی ۱۸۸۸ء میں ہوئی۔ جس کا لڑکا بائیسویں باب میں ہو چکا ہے۔ اس شادی کے قریباً دو سال بعد یعنی جنوری ۱۸۹۱ء الہامی صاحب کو الہام ہوا کہ اور نواسیاں مبارکہ بھی آپ کے حلقہ میں آئیں گی اور جن سے آپ کی نسل بہت پھیلے گی مگر کہ ۱۸۸۸ء کے بعد کوئی مبارکہ یا نامبارکہ بیٹی مرزا صاحب کے سلک ازدواج میں منسلک نہ ہوئی۔ البتہ آخری حکم سے فارغ کی فرصت تھی لیکن یہ تسلی سے دو پہری نہ ہو سکیں۔ ہاں یہ پیشین گوئی کہ "جسمانی نسل" کا ظاہر ہے کہ اگر جناب اللہ ہوتی تو اس میں گمان کا کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن چونکہ یہ بیٹا بھی بیٹی یا کسی دوسرے الہامی ذات کی ذلیل ہوئی اطلاع تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ اور الہامی صاحب کو اس کی وجہ سے بڑا سبام ملامت بنا پڑا۔

عم زاد بھائیوں کی نسل منقطع نہ ہوئی

الہام میں دوسری پیشین گوئی یہ تھی کہ مرزا امام الدین' نظام الدین اور کمال الدین لاولد مریں گے اور ان کی نسل بیخ کے لیے منقطع ہو جائے گی۔ اس کے متعلق لالہ کشن لال آریہ کپورتھلہ نے کتاب "تکذیبی صبح کا کیا بھلا" میں زیر عنوان "سچے شاہدوں والوں کا بیان" لکھا کہ یہ پیشین گوئی مرزا صاحب کے انتقال کا پتہ دیتی ہے کہ اپنے حقیقی بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کی بربادی میں خوش ہو۔ کسی خدا ترس پارسا شخص کا کام نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کو معلوم تھا کہ چچا کے بیٹے لاولد ہیں۔ آئندہ ان کے اولاد نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے انہیں اس قسم کا الہام ہوا۔ تالیفی صاحب کے دو چچا تھے ایک کا بڑا حسین بیٹا مرزا فضل داد بچپن ہی سے بہت عرصہ پہلے متوفی الخیر تھا۔ دوسرے چچا نظام الدین کا بڑا بیٹا (مرزا امام الدین) بچپن سال کی عمر تک لاولد تھا اور دوسرے بیٹے نظام الدین کی عمر مرزا صاحب کے الہام کے وقت پچاس سال کی تھی اور اس کے بھی اب

تک کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور تیسرا بیٹا کمال الدین عالم شباب ہی میں عقد ناسل کشا کر ہمگ توش فقراء میں داخل ہو گیا تھا۔ یہ کسی کے اولاد تھی اور نہ آئندہ ہونے کی کوئی امید تھی کیونکہ ہر حال سے بیاں تھی بھی اس بیوی کا پہلے سے تعین کئے بیٹھا تھا۔ (الحیاۃ المسیح کا کہا ہوا مطبوعہ دہلی" ص ۲۸۰-۲۸۱) بالآخر کسی شخص کو یقین نہ تھا کہ یہ گھرانہ بھی کبھی سرسبز ہوگا اور الٰہی صاحب کے تم ذکر بھائیوں میں سے کسی کے اولاد ہوگی لیکن خدائے نیرنگ ساز کی قدرت کی الجب نمائیاں دیکھو کہ مرزا صاحب کی اس پیشین گوئی کے بعد مرزا غلام الدین کے گھر ایک لڑکا متولد ہوا۔ جس کا نام گل محمد رکھا گیا۔ بس قبیح نسل کی پیشین گوئی بھی بالعکس قرین قیاس ہونے کے ہونے لگی۔ لیکن سوائل فیما سری کا کمال ملاحظہ ہو کہ لڑکا متولد ہونے اور اس کے نہ صرف زندہ سلامت موجود رہنے بلکہ جوان سال ہو جانے کے باوجود میاں شیر اور الٰہی نے پھر مرزا غلام احمد صاحب کی نظر میں قبیح نسل کا الہام پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایم اے صاحب "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں۔ اس وقت صرف غلام الدین کا لڑکا گل محمد زندہ ہے جو جائداد میں داخل ہو چکا ہے۔ باقی سب کی اولاد نہیں رہی اور قبیح نسل کا الہام پورا ہو گیا۔ (سیرۃ المہدی" جلد اول" ص ۳۴)

نسل منقطع کرنے کی عملی جدوجہد

مقامی روزنامہ "زمیندار" نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ مرزا گل محمد کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں اس لیے انہوں نے دوسری شادی کرنی چاہی۔ اس خبر سے قصر خلافت میں زلزلہ آیا اور خلیفہ پیشین گوئی نے اس شادی کی راہ میں روڑے اٹکانے کی انتہائی کوشش کی۔ چنانچہ پہلی بیوی کے رشتہ داروں کو سکھا پڑھا کر یہ مطالبہ کرایا گیا کہ گل محمد کو دوسری شادی کی اجازت اس شرط پر دی جائے کہ وہ اپنی تمام جائیداد پہلی بیوی کے نام کر دیں۔ مرزا گل محمد نے پہلی بیوی کا یہ مطالبہ بھی منظور کر لیا اور اپنی دانست میں دوسری شادی کی کہ مرزائیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ اور جب ان کی بیوی حاملہ ہو گئیں تو خلیفہ پیشین گوئی میں کھلبلی مچ گئی چنانچہ اب یہ کوشش شروع ہوئی کہ گل محمد صاحب کے گھر جو بچی یا بچہ پیدا ہو اسے کسی نہ کسی طرح عدم آباد پہنچا دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بچہ پیدا ہوا تو دائی نے اس کا حال اچھی طرح دیکھنے سے قبل ہی بچہ اور بچہ بہت

زوجہ خان خارج ہو جانے کی وجہ سے پاک ہو گیا (روزنامہ زمیندار لاہور مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۵ء) زمیندار نے اس اطلاع کا بلفظ نہیں دیا لیکن لکھا ہے کہ اس نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوئے کافی تحقیق کے بعد اس خبر کو شائع کیا ہوگا۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو عجب نہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کی پیشین گوئی کے پورا کرنے کی خاطر مرزا گل محمد کی زوجیت خود سے بھی یہی خان انعام سلوک ہوتا رہا ہے۔

تیسری پیشین گوئی بھی جھوٹی نکلی

مرزا صاحب کے الہام میں تیسری پیشین گوئی یہ تھی کہ خدا ایک ایسا ہوا گھر مرزا صاحب کے داماد سے کبھی نہ کرے گا۔ اس انتقال کی تفصیل خود مرزا صاحب نے یوں لکھی تھی۔ "یہ ایک پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو ہر ہوائی کے استخدار میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشین گوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی بیٹی کی اس عاجز کو نہیں دے گا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب قریب ہو جائے گا اور جو شخص اس لڑکی سے نکاح کرے گا وہ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہوگا اور اگر یہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہوگی سو اس جگہ اڑنے ہوئے گھر سے یہ ایڑا ہوا گھر مراد ہے"۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۵۰ حاشیہ) ظاہر ہے کہ الہام کا یہ حصہ بھی ہوا تھا۔ مرزا احمد بیگ نے اپنی لڑکی مرزا صاحب سے نہ بیاہی بلکہ ان کی جگہ مرزا سلطان محمد اس شادی سے شدید خائف اور ناجائز الزام ہونے مرزا سلطان محمد اور ان کی اہلیہ محترمہ محمدی بیگم حال صاحب تک زندہ سلامت موجود ہیں اور ہر قسم کی خدائی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور گھر اللہ ان کا گھر بری طرح آباد ہے۔

باب ۳۲

"سراج منیر" اور دوسرے رسالوں کی

اشاعت کے سبز باغ

جب الہامی صاحب "برہین احمدیہ" کا دوسرا شائع شدہ حصہ پانچ سال کی سرگرمیوں کی تمام کر چکے تو اب حصول زر کے لئے کسی نئے عملی اقدام اور پروگرام کی ضرورت محسوس فرمائی۔ بلاشبہ اب مریدوں سے نذرانہ اور قرض کی شکل میں اچھی کمائی ہو رہی تھی۔ تاہم عام دنیا داروں کی طرح ان کی بھی خواہش تھی کہ اپنے مداخل اور ذرائع کو وسیع کی جائے۔ جس طرح ایک ہوشیار تاجر اپنے کاروبار کی ترقی کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارے الہامی صاحب نے قادیان کی الہامی فیکٹری کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے کاروبار بھی شروع کر رکھے تھے۔ مثلاً گرمی فصلوں پر کتابوں کی فروخت کا کاروبار وسیع پیمانہ پر چل رہا تھا۔ دواؤں کی فروخت سے بھی کمائی تھی اور خاص خاص مرفہ الحال مریدوں سے قرض کے نام پر بھی بڑی بڑی رقمیں وصول کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک جاری اور دائمی کتابوں کی خرید و فروخت کا تھا جن کی اشاعت کے وعدے کرکے ہمارے مجدد صاحب زرِ ثمن پیشگی کیا کرتے اور بڑی بڑی رقمیں وصول فرما کر بھی اس طرح غائب ہو جاتے تھے کہ پھر کوئی پتہ نہ لگتا تھا۔ عظیم ہو جاتا تھا۔

وعدوں کا غیر متناہی سلسلہ

الہامی صاحب نے ماہ فروری ۱۸۸۷ء کو ایک اشتہار دیا جس کا عنوان "رسالہ سراج منیر" مشتمل بر نکات دعوت قرار دیا گیا۔ جس میں لکھا کہ یہ رسالہ اس احقر عباد نے اپنے اس فرض سے تالیف کرنا چاہا ہے تاکہ منکرین حقیقت اسلام کی آنکھوں کے آگے ایک دیا چمکتا ہوا چراغ رکھا جائے" جس کی ہر ایک سمت سے گویا دیوار کی طرح روشنی نکل رہی ہے اور بڑی بڑی جگہ تک پر مشتمل ہے۔ اب یہ رسالہ قریب الاختتام ہے اور انشاء اللہ القدیر صرف چند ہفتوں کا کام ہے (تبلیغ رسالت" جلد اول" ص ۵۵) اس کے بعد رسالہ "حقوق" شائع کیا۔ جس کے صفحہ الف پر یہ اشتہار تھا۔ چونکہ رسالہ سراج منیر چھپ کر

روپیہ کی لاگت سے چھپے گا اس لئے پیشگی خریداروں کی درخواستیں کتنا ضروری ہیں۔ تاہم میں رقمیں پیدا ہوں۔ قیمت اس رسالہ کی ایک روپیہ علاوہ محصول ہوگی۔ جب ایک حصہ کافی درخواستوں کا آجائے گا تو پہلی فرصت کتاب کا طبع ہونا شروع ہو جائے گا۔ آگے چل کر صفحہ ۱۱ پر لکھا کہ اب رسالہ "سراج منیر" بہت جلد نکل کر روانہ گاہکوں کا ہدیہ کیا کرنے والا ہے۔ ہم نظامان نے ایک موقع پر منشی عبدالحق سے سلسلہ" پانچ سو روپیہ قرض لیا تھا۔ جب روپیہ کی ریل پیل ہوئی تو نظامی صاحب نے منشی عبدالحق کو لکھ بھیجا کہ اب روپیہ بہم آ گیا ہے اس لئے آپ اپنا پانچ سو روپیہ قرضہ لے لیں۔ تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ قرضہ کے لیے آپ فکر نہ کریں۔ آپ اسی روپیہ سے رسالہ "سراج منیر" چھپا لیں۔ غرض مرزا صاحب کو رسالہ کی پیشگی قیمتوں کے علاوہ اس مد میں پانچ سو روپیہ کی مدد حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی لکھتے ہیں کہ مرزا جی نے مہر فروری ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں رسالہ "سراج منیر" کے چند نمونوں کے اندر ٹانکے کر دینے کا وعدہ کر کے مسلمانان پنجاب سے تینتالیس روپیہ وصول کر لیا۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۱' ص ۱۴۱) گو بعد صاحب اس وقت تک تینتالیس خریداروں سے پیشگی رقمیں وصول کر چکے تھے تاہم عالم خیال کے سوا کتاب کا کہیں پتہ نہ تھا اور ملک میں ہر طرف یہ چرچا تھا کہ جس طرح مرزا صاحب نے براہین کے نام پر بڑا سا روپیہ وصول کر کے چپ سادھ لی ہے اسی طرح اب "سراج منیر" کی رقمیں ہضم کر گئے ہیں۔ ان حالات سے متاثر ہو کر الہٰی صاحب کے ایک خاص مرید منشی رحیم علی صاحب کورٹ انسپکٹر جالندھر نے نظامی صاحب سے دریافت کیا کہ رسالہ "سراج منیر" کب چھپے گا؟ مرزا جی نے ۲۱ مارچ ۱۸۸۸ء کو اس کا جواب دیا کہ "سراج منیر" کا کام جاری ہے اس پر ۲ ہزار کے قریب روپیہ خرچ ہوگا۔ خیال یہ ہے کہ قبل خریداروں کی درخواستیں ۵ ہزار تک پہنچ جائیں پھر چھاپنا شروع ہو۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' ص ۱۳۲) علاوہ اس سے سوا چار سال پیشتر یعنی نومبر ۱۸۸۴ء کے ایک خط میں حکیم نور الدین صاحب کو اطلاع دے چکے تھے کہ اب رسالہ "سراج منیر" کے چھپنے میں بکثرت تاخیر معلوم ہوتی ہے۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' ص ۹) منشی الہٰی بخش اکاؤنٹنٹ کا بیان ہے کہ جب مرزا صاحب نے "سراج منیر" کے لیے چندہ کی اپیل کی تو خوب روپیہ وصول ہوا تھا جب الہٰی صاحب اس کے چھپانے میں لیت و لعل

کرنے لگے (میں نے ۱۹۸۸ء کے لواخر میں مرزا صاحب کو بذریعہ خط دعوت مقابلہ کی تکلیف دی تھی۔ ■ راقم) الہامی صاحب اپنے شہر کے پاس خاموش ہی تشریف فرما تھے۔ مرزا صاحب یہ خط پڑھ کر خوب برہم ہوئے لیکن پھر بھی رسالہ چھپوا کر خریداروں کی حق دہی کا عزم نہ فرمایا۔ اس کے بعد جب کتابچہ "مسیحیہ چشم کشا" شائع کر اس کے سرورق پر دعوہ کیا کہ اب اس کے بعد رسالہ "سراج منیر" خود اس کے بعد براہین کا پانچواں حصہ چھپنا شروع ہوگا مگر نہ وعدہ ہی کیا تھا وفا ہو چکے۔ (اصحاب سوئی' رسالہ علمی اہلی بلغ مرزا' صفحہ ۲۲۸)

گیارہ سال کے بعد

آخر جب دس سال کی مدت مدید کے بعد ایک مرتبہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے اخبار رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں لکھا کہ مرزا صاحب "سراج منیر" کے نام پر لوگوں سے ہزاروں روپیہ وصول کر چکے ہیں لیکن اس وقت تک کہ ۱۸۹۸ء ہے اس کو شائع نہیں کیا۔ تو الہامی صاحب کی رگ غیرت گیارہ سال کے بعد تحریک میں آگئی' چنانچہ اسی سال بطور ضمیمہ کے ایک چھوٹا سا رسالہ چھاپ کر مستر نیس کے مہمانوں پر سرکوٹ کا دیا تھا۔ یہ وہی بطور ضمیمہ کا رسالہ تھا جس کی چھپائی کا خرچ پہلے پہلے سو روپیہ اور پھر دو ہزار روپیہ بتایا جاتا رہا حالانکہ اگر اس رسالہ کا ایک ہزار نسخہ چھاپا جائے تو اس پر زیادہ سے زیادہ اکتالیس روپیہ لیتی فی نسخہ ایک آنہ سے بھی کم آتی ہے۔ لیکن الہامی صاحب لوگوں سے اس کی قیمت ایک ایک روپیہ وصول کر چکے تھے۔ بالفاظ یہ ہے کہ گیارہ سال کے بعد جب رسالہ چھپا تو "چوں" ہوا گیا۔ (اشاعۃ السنۃ' صفحہ ۱۸۸) کیونکہ اول تو گیارہ سال کے بعد بہت سے خریدار خود اجل ہو چکے ہوں گے۔ دوسرے جو شخص گیارہ سال پیشتر کسی کام میں ایک روپیہ دے چکا ہو' وہ اتنے عرصہ دراز کے بعد اس کا مطالبہ کرتے ہوئے خود ہی شرم محسوس کرے گا' اور دل میں سمجھ لے گا کہ چلو کسی مسکین سے اللہ کو خیرات دے دی تھی۔ علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ یہ وہ موعود رسالہ "سراج منیر" تھا جس کے لئے مسلمانوں سے چار سو یا دو ہزار روپیہ وصول کیا تھا۔ جس "سراج منیر" کی جامعیت و مقناطیسیت کا اعلان میں دعوہ کیا گیا تھا کہ وہ حقائق اسلام پر مشتمل ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس نام نہاد "سراج منیر"

میں قادیان کی خانہ ساز مسیحیت کے پرخچے اڑے اور اپنی جھوٹی نشینی گوئیوں کو سچا ثابت کرنے کی بہتان طرازی کے سوا اور کچھ نہ ہو سکا۔

ماہوار رسالہ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" کے وعدے

"سراج منیر" کی طباعت سے فراغت پائی تو حضرت مرزا صاحب نے اپنی توجہ ماہوار رسالوں کی طرف پھیر دی اور ان کے لئے زور دار پروپیگنڈا شروع کیا۔ سب سے پہلے کتاب "نور حق" میں ایک ماہوار رسالہ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" کا لمبا چوڑا اشتہار شائع کیا۔ یہ کتاب ذکر کے مطابق مئی ۱۹۰۸ء میں چھپنا ہوا ہے اور لکھا کہ اس کا پہلا پرچہ ۱۵ جون ۱۹۰۸ء کو نکلے گا۔ اس کے بعد ہر مہینے باقاعدہ شائع ہوتا رہے گا۔ اس رسالہ کے اغراض و مقاصد کی تشریح میں لکھا ہے کہ "خدا دنیا کو قرآنی نعمتوں سے مالا مال کرے گا اور غیر مذہب والوں پر ان کی کرامتی کا ہاتھ کھولے گا"۔ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" وہی مضامین کا دوست صادق ہے جس کے قدوم میمنت لزوم کا اصل موجب وطن ہی ہوئے اور رند خدائے کریم علیم ہے کہ اس سے پہلے میں جانتا بھی نہیں تھا کہ ایسے رسالہ ماہواری کے نکالنے کی خدمت بھی مجھ سے ظہور میں آئے گی۔ لکھا ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس رسالہ میں پہلے اسی جملہ کو ثابت کریں گے کہ خدائے تعالیٰ کی پاک اور کامل تعلیم اور اس کی ذوالجلال صفتیں اور قدرتیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جسم اور جسمانی ہونے سے منزہ ہے۔ وہ میں سچی اور کامل طور پر پائی جاتی ہیں یا قرآن میں؟ اور لکھا کہ ہم بشارت دیتے ہیں کہ جون ۱۹۰۸ء سے بریلی درخواست ان کے لیا رسالہ ماہواری شائع کرنا شروع کر دیں گے' لیکن ساتھ ہی ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ جب یہ رسالہ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" شائع ہونا شروع ہو تو پھر اس مضامین سلسلہ سے کبھی ہاتھ نہ جائیں اور آگے چل کر لکھا کہ اب آریہ لوگ ایک جلد پانی میں غرق ہوں کہ ایسی فاش غلطی کھائی۔ ہم "قرآنی طاقتوں کے جلوہ گاہ" میں دکھائیں گے کہ وہ تو خود دشمن صفات الٰہی ہیں۔ (نور حق' صفحہ ۱۷) اسی ایام میں نظامی صاحب نے ایک خط میں حکیم نور الدین کو لکھا کہ میں نے وعدہ کر رکھا ہے کہ رسالہ "قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ" جون کے بعد میں شائع ہوگا۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد نمبر ۵' نمبر ۲' صفحہ ۳۳) مگر نظامی صاحب کا یہ وعدہ بھی کبھی شرمندہ ایفا

نہ ہوا۔ شیخ محبوب علی مرزائی نے لکھا ہے کہ حضرت اقدس "تزکیۃ نفوس" کا نام لکھ کر "اشتہار رسالہ جاری فرمانا چاہتے تھے" مگر بعد کے واقعات و حالات نے حضور کو اور طرف متوجہ کر دیا۔ (نعیم) فیصلہ آسمانی صفحہ ۳۱ میں حضرت مسیح موعود" صاحب نے اس رسالہ کے لیے بھی لوگوں سے چندہ رقمیں وصول کی تھیں یا نہیں؟ بصورت قبول ان رقموں کا بھی وہی حشر ہوا ہوگا جو براہین کی رقموں کا ہوا۔

لوگوں سے زکوٰۃ بھیجنے کی درخواست

"تزکیۃ نفوس کا نام لکھا" جب قلق نیاں پر رکھ دیا گیا تو اب الہامی صاحب نے اعلان کیا کہ مسٹر آگنیو ریویو امریکن نے اسلام پر ایک بیل بوٹا کتاب لکھی ہے اور ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے تاوان کے لیے اس کا ریویو لکھ کر شائع کیا جائے یہ لکھ کر الہامی صاحب نے مسلمانوں سے چندہ کی بوچھاڑ کی اور لوگوں نے اس کے ترجمہ کے لیے الیس روپیہ بھیجنا شروع کیا۔ فتح الہی بقلم مرزا امام الدین لاہور نے ۱۹ ستمبر ۱۸۹۱ء تک مرزائیت کے حاشیہ بردار دو چکے تھے۔ کتاب "حیات سوئی" میں لکھا ہے کہ کتاب مذکور کا ترجمہ تو دعوہ وعید میں ضائع ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی دو روپیہ بھی خرد برد ہو گیا۔ مسٹر ریو کی کتاب کے ترجمہ کے لیے وصول کیا تھا اس کے بعد مرزا صاحب نے ایک مسجد کے لیے روپیہ جمع کیا لیکن نہ وہ مسجد بنی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ چندہ کا روپیہ کیا ہوا۔ (حیات سوئی مطبوعہ لاہور ص ۳۴۸) غلام علی صاحب نے ۱۸۸۷ء میں رسالہ "تنبیہ دین یا اشتہار تزکیہ" کی اشاعت کا بھی دعوہ کیا تھا لیکن پھر اس کا نام ہی کتابوں میں نہ رہا۔ کسی کو اس کی دید کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ ۲۸ مئی ۱۸۸۸ء کو رسالہ "تحفہ آسمانی" کے صفحہ ۱۰ پر ایک اپیل شائع کی جس کے دو عنوان تھے پہلے دوستوں کی خدمت میں اور دوسری اپیل اور اے مولیٰ کریم رحیم و برائے حق بحق رشید اس اپیل میں فرمایا کہ پختہ ارادہ ہے کہ اس رسالہ "تحفہ آسمانی و تشحیذ الاذہان" کی طباعت کے بعد رسالہ "توضیح الاوہام" طبع و شائع کیا جائے لیکن مجدد صاحب اپنی کتاب "تحفہ گولڑویہ" ہی کا دوسرا نام "توضیح الاوہام" رکھ کر اس دعوہ سے یہ سعادت بری الذمہ ہو گئے۔ اب الہامی صاحب نے وعدہ کیا کہ رسالہ "حیات النبی و ممات المسیح" شائع ہوگا

اور فرمایا کہ اس رسالہ کا انگریزی ترجمہ کرا کر یورپ اور امریکہ بھی بھیجا جائے گا۔ اس کے بعد پانچواں اربعین کا پانچواں حصہ جس کا دوسرا نام "ضرورت القرآن" رکھا گیا ہے۔ ایک بے مثال کتاب کی حیثیت سے چھپنا شروع ہوگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو خریدار اربعین حصہ پنجم پر اپنا کوئی حق نہ سمجھیں وہ اربعین کی قیمت کئی سال پیشتر ادا کر چکے تھے۔ اور لکھا کہ اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لیے یہ احسن انتظام خیال کرتا ہوں کہ ہر ایک رسالہ جو میری طرف سے شائع ہو میرے ذی مقدرت دوست اس کی خریداری سے مجھ کو مدد دیں۔ پھر فرمایا کہ اگر میری جماعت میں ایسے اصحاب ہوں جن پر زکوٰۃ فرض ہو تو زکوٰۃ دے کر اسی راہ میں اعانت اسلام کریں۔ جس طرح اس وقت اسلام یتیم اور غریب اور بے کس ہے کوئی اور نہیں۔ اور زکوٰۃ دینے میں جس قدر تعجیل شروع میں ہوتی ہے وہ بھی ظاہر ہے اور قریب ہے کہ منکر زکوٰۃ کافر ہو جائے۔ پس فرض ہے کہ زکوٰۃ کے روپیہ سے کتابیں خریدی جائیں اور وہ کتابیں مفت تقسیم کی جائیں۔ (اصحاب موسیٰ ص ۳۲۸)

اربعین اور نور القرآن کے متعلق دعوے خلافیاں

خلیفہ صاحب نے ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء کو اعلان کیا۔ "آج میں نے انعام جمعہ کے لیے یہ ارادہ کیا ہے کہ طالبین اور منکرین کی دعوت میں پانچ اشتہار شائع کروں۔ ہر اشتہار چار چار دن کے بعد لکھا کرے گا جب تک کہ پانچوں اشتہار پورے ہو جائیں یا اب تک کہ کوئی طالب حق میرے ساتھ بالمقابل مباہلہ کرنے کی جرأت نہ کرے جس کی وجہ ہر ایک کو آسکتی ہے۔ میدان میں آکر میری طرح کوئی نشان دکھا سکے۔ اس رسالہ کا نام اربعین ہوگا۔ (رسالہ اربعین "نمبر اول" صفحہ اول) جب اربعین کے چار نمبر نکل چکے تو الٰہی صاحب نے چاروں کو پانچ قرار دیتے ہوئے نمبر ۴ پر یہ لکھ کر اس سلسلہ کو بند کر دیا کہ "چونکہ وہ امر پورا ہو چکا جس کا میں نے ارادہ کیا تھا اس لیے میں نے ان رسالوں کو صرف چار نمبر تک ختم کر دیا اور آئندہ شائع نہیں ہوگا (رسالہ اربعین "نمبر ۴" ص ۳۲) لیکن الٰہی صاحب کا یہ بیان غلط ہے کہ وہ امر جس کو پیش نظر رکھ کر رسالہ اربعین جاری کیا تھا پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے تو لکھا تھا کہ یا تو پانچوں نمبر پورے کیے جائیں گے یا اگر کوئی طالب

میرے مقابلہ پر آکر کوئی نشان دکھا دے گا تو اس وقت رسالہ کی اشاعت موقوف کر دی جائے گی۔ مگر الہامی صاحب نے یہ رسالہ کے چالیس نمبر چھپنے کے بعد بھی کسی مخالف نے آکر کوئی نشان نہ دکھایا۔ اپنی حالت میں کامیاب ہے کہ بعد صاحب نے چار ہی نمبروں میں فریادوں کے سوال ہمارے چھکے چھڑا دیے گے" مرزا جی نے رسالہ اربعین کی اشاعت بند کرنے کے متعلق جو حیلہ بہانی کی ہے وہ اس قدر مضحکہ خیز ہے کہ خدا کا [illegible] سے اجل انسان بھی اس پر ہنس دے گا۔ لکھتے ہیں کہ جس طرح خدائے عزوجل نے اول پچاس نمازیں فرض کیں۔ پھر تخفیف کر کے پانچ کو بجائے پچاس کے قرار دے دیا۔ اسی طرح میں بھی اپنے رب کریم کی سنت پر ناظرین کے لئے تخفیف تصنیع کرکے نمبر ۴۰ کو بجائے نمبر چالیس کے قرار دیتا ہوں۔ (رسالہ اربعین" نمبر ۴" صفحہ ۳) لیکن الہامی صاحب کی یہ منطق اپنی حالت میں کامل مکمل ہو سکتی تھی بلکہ خداوند عالم مرزا صاحب" نے بھی (معاذ اللہ) الہامی صاحب کی طرح کسی بات کا وعدہ کرکے اس کی خلاف ورزی کی ہوتی یا فریادوں کے پاس بارہ رسالے بھیجنے کی بجائے انہیں چار ہی پر قناعت کی ہوتی۔ خداوند عالم نے تو واقعی تخفیف تصنیع کی تھی کہ پچاس نمازوں کی جگہ پانچ نمازیں کر دیں۔ لیکن مرزا جی نے فریادان رسالہ کی تخفیف نہ کی کہ انہیں باقی بارہ آخر رسالہ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ الہامی صاحب نے اربعین کی طرح ایک بارہ رسالہ "نور الحق" بھی جاری کیا تھا لیکن اس کے دو ہی نمبر نکل چکنے کے بعد ان کا استقلال جواب دے گیا اور رسالہ بند کر دیا۔ (کمالات احمدیہ" جلد ۵" نمبر ۳ صفحہ ۳۵)

باب ۳۳

ہوشیار پور میں چلہ کشی

کسی عارف نے فرمایا ہے۔

اسرار حقیقت خوش بیان بہ نقل — نے در دماغش وسعت و نے در دل

تا خود نہ کنی نہ دیدہ دل بینا شل — ہرگز نہ شود راست از نقل بہ حال

لیکن کلیاں کے مہد صاحب اخیر اس کے کہ کبھی کوئی مراقبت کی ہو بڑے خلوص و نیاز مندی کے ساتھ کسی شیخ طریقت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں۔ نانی اللہ اور بابا بابلہ کی تمام عزیزیں لے کرنے کے دعوی تھے' وہ ہر وقت اس خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ کہیں طرازی کی دکان کس طرح خواہ مخواہ ٹوٹ جا سکتی ہے۔ اس سلسلہ غور و تفکر میں ایک دن خیال آیا کہ اہل اللہ مقامات قرب کے طے کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتے رہے ہیں' چلو ہم بھی کچھ مراقبت و مجاہدہ کر کے صوفیائے متاخرین کی خلل کر دیکھیں۔ ممکن ہے کہ کچھ رنگ چڑھ جائے۔ مدت ریاضت و مجاہدہ کا مقصد عظیم تو کسی طرح ہاتھ سے نہیں جا سکتا۔ اس خیال کے بعد تفکر انہوں نے ۱۹۱۸ء کے شروع میں چلہ کشی کا ارمان کیا۔ گو کلیاں میں رہ کر چلہ کاٹنے میں بھی حصول قربت کا مقصد قریب حاصل ہو سکتا تھا۔ تاہم کلیانی صاحب نے اس کام کے لیے ایک اور مقام ہوشیار پور کو منتخب فرمایا۔ جس کی غرض شاید یہ ہو کہ محترمہ محمودی بیگم کے والدین پر اپنے عقائد اور تعلق باللہ کا سکہ بٹھائیں۔ ان ایام میں محمودی بیگم صاحبہ بھی جن کی عمر اس وقت قریباً چھ سال کی تھی' ہوشیار پور ہی میں تھیں' اور مرزا صاحب نے اپنے خط مورخہ ۱۹۱۸ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ محمودی بیگم سے عقد ہونے کی پہلی تجویز کوئی اس زمانے کی ہے بلکہ وہ لڑکی بالغ تھی اور اس کی عمر آٹھ نو سال کی تھی۔ (مکتوب رسالت' جلد اول' ص ۱۸۱) جب ہوشیار پور جانے کا ارادہ ہو چکا تو الٰہی صاحب نے شیخ مرعلی رئیس ہوشیار پور کو جو ان سے حسن اعتقاد رکھتے تھے لکھا کہ ہم تمہارے شہر میں آکر چلہ کشی کا قصد رکھتے ہیں' اس لیے ہمیں شہر کے کنارے کوئی وہ حجرہ مکان کرایہ پر دلا دو۔ شہر کے کنارے اور وہ حجرہ کی قید اس لیے لگائی تھی کہ اور شیخ مرعلی کا وہ حجرہ مکان تھا جسے شیخ مرعلی کہتے تھے' شہر کے باہر واقع تھا۔ چنانچہ شیخ مرعلی نے مرزا صاحب کے لیے اپنا وہ حجرہ مکان خالی کرا دیا۔

ہوشیار پور میں ورود اور چلہ کشی کا اعلان

علمائے سلف کا شیوہ ہے کہ یہ خلوت خاموشی و رازداری' تجرد و انقطاع' عزلت و سکوت' تفکر و تعقل کے ساتھ بیچ انتظار و مجاہدات بجا لاتے ہیں۔ لیکن کلیاں کے جدید فراموش مہد صاحب تین مہینوں کو ساتھ لے کر علی الاعلان چلہ کشی کے لیے اوپل انعقاد

کے ساتھ روانہ ہوئے' کالیاں سے بیلی میں چڑھ کر دریائے سواں کے کنارے کنارے چلے۔ گھاٹ پر بذریعہ کشتی دریا سے پار ہوئے تھا کشتی ساحل سے چند قدم کے فاصلہ پر پانی میں کھڑی تھی۔ دوسرے لوگوں نے پائنچے اٹکا لیے اور چند قدم پانی میں چل کر کشتی پر سوار ہوئے لیکن مرزا صاحب کی شان ریاست اس کی متقضی تھی کہ پالکی اٹکا کر پار کیا کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمائے۔ اس لیے ملاح نے ان کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے کشتی پر سوار کرایا۔ مہد صاحب نے اس کو ایک روپیہ انعام دیا۔ رات کو اپنے ایک سیالی حج خان کے گاؤں میں قیام ہوا۔ یہ وہی آبادی کالیاں کا مشہور خدمت گار حج خان "سیالی" ہے جو تھوڑے دنوں کے بعد کالیاں کا رائیس اعظم ہوا۔ کالیاں سے آگے چل کر (بیاض الدین' جلد اول' صفحہ ۵۵) ہوشیار پور پہنچ کر مرزا صاحب نے تین مہینوں کو طبیعت علیحدہ تھی کام بند کر دیے۔ کھانا پکانے کی خدمت حافظ مظہری کے سپرد ہوئی۔ سودا سلف خریدنے کا کام حج خان کو تفویض ہوا۔ مہمان نوازی کی خدمت حاجی علی کے حوالہ ہوئی۔ مہد صاحب کا کوئی کام میرا نہیں تھا۔ ہر شیخ' میاں و نعمہ اور ضروریات علی کے جزئیات سے خالی ہے۔ اس لیے چلہ کشی کی تفاصیل اور اس کا پروگرام بھی ضرور تھا۔ مرزا صاحب نے وسیع انتظامات کیے اور اعلان کروا کر چالیس دن تک کوئی صاحب ملنے نہ آئیں اور نہ کوئی صاحب ملنے دعوت کے لیے جائیں' چالیس روز کے بعد میں دن تک ہوشیار پور میں قیام کریں گے۔ اس وقت ہر شخص ملاقات کر سکے گا۔ خدام بھی ٹھہرے تھے اور مرزا صاحب نے باغ خانہ کو زینت بخشی تھی۔ اعلان صاحب نے خدام کو حکم دے رکھا تھا کہ اوپر باغ خانہ میں کوئی شخص میرے پاس نہ آئے' کھانا اوپر پہنچا دیا جائے۔ نقل برتن دوسرے وقت لے جایا کریں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں نمازیں اوپر پڑھوں گا۔ تم بیچ بیچ میں لیتا کرنا۔ حافظ مظہری کا بیان ہے کہ میں کھانا پہنچانے اوپر جایا کرتا تھا اور حضور سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ البتہ اگر خود مجھ سے کوئی بات دریافت کرتے تو اس کا جواب دے دیتا تھا۔ (بیاض الدین' جلد اول' صفحہ ۵۵) کالیاں سیالی کسی ایسی کنواں مسجد کے پاس چلہ کشی کرتے ہیں جہاں نماز پنجگانہ وقت پر ہو۔ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں' ذکر خیرات کا التزام کرتے ہیں اور عشاء کو وقت افطار تک کھانا دیتے ہیں۔ لیکن کالیاں صاحب چلہ میں بھی حسنات کے اسی طرح قائم رہے جس طرح دوسرے ایام

ہیں تھے۔ (دیکھو سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۱۱)

معلم الملکوت سے پاشاف گفتگو

قبیں کے ساتھ معلوم نہیں کہ اس پیر کی حقیقی غرض و غایت کیا تھی؟ لیکن بظاہر ایک مقصد یہ تھا کہ شیاطین کو مسخر کیا جائے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اس مقصد میں کامیاب ہوگئے کیونکہ اس پیر میں الہامی طور سے مرزا صاحب (معاذ اللہ) خدا سے دو الہام کہہ رہے تھے۔ بڑی بڑی دیر تک مرزا صاحب سے پاشاف گفتگو کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ یہاں غیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔ اے "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں کہ "یہاں عبداللہ سنوری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضور (مرزا جی) نے مجھ سے فرمایا یہاں عبداللہ! ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں۔ اصل بات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۶۵) اور اس بات کا ایک اور ثبوت تجربانی صاحب سے باتیں کرنے والا معلم الملکوت یا اس کا کوئی چیلا خود یہ ہے کہ انہیں بالقابل "خواتیل یا شیر کے قلعہ اور قمری نظم سے شادی ہونے کے انعام و شیار پور میں اس پیلے میں ہوئے تھے۔ (دیکھو فتح رسالت' جلد اول' صفحہ ۲۰۰) حضرت اقدس نے اس الہام شریف کے کہنے کے بعد سب دعا کرنے سے دونوں پیشین گوئیاں کردیں جو پوری نہیں اور الہامی صاحب کو ان میں بہت بھگ قبل اور بلوم ہوا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ الہامی صاحب الہام ہوتے تو ان میں غلطی کا کوئی امکان نہ تھا۔

باب ۳۴

ہوشیار پور میں لالہ مرلی دھر آریہ سے مناظرہ

جب کوئی غیر مسلم مذہب حق کے پاس آکر دین کی کوئی بات دریافت کرتا یا اسلامی تعلیمات کے متعلق کچھ شبہات پیش کرتا ہے تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ کسی سرگشتہ کو خدا نے ازخود ان کی طرف رجوع کیا اور حق تعالیٰ نے ہمارا دین موضح ہم پہنچایا کہ کسی

غیر مسلم کے سامنے حامیِ اسلام بن کر پیش ہوتے ہیں اور ان کا کل کو پوری توجہ و انہماک سے سنتے ہیں اور اس کے سامنے سوالات اسلامی کی تفہیم اس خوبی سے کھینچتے ہیں کہ وہ بیچارہ اسلام کا حامی دار بن کر اٹھنے کی داخلی بیداری اختیار کر لیتا ہے۔ چند گھنٹے کے بعد ہوشیار پور میں بھی ایک آریہ مرزا صاحب کے پاس اپنے بعض شبہات حل کرنے کو آیا تھا۔ مرزا صاحب میں بھلا اتنی قابلیت کہاں تھی کہ اسے دینِ حنیف یا کم از کم اسی مطلوب و پسندیدہ اسلام کا گرویدہ بنا لیتے جس کے لئے وہ بیتاب تھے' بلکہ یہ دیکھ کر کہ وہ علمی استعداد میں ناقص اور ذہنی امور میں کورا ہے' اسے مناظرہ کے پھندے میں الجھا کر حصولِ شہرت کا کلہ گذرنا چاہا۔ اس مناظرہ کے بعد مرزا صاحب چند ایسی باتیں کرتے تھے کہ انہوں نے ہوشیار پور کے مناظرہ میں منہ کی کھائی۔ حالانکہ اگر کوئی ادنیٰ علم آریہ پر سر مقابلہ ہوتا تو مرزا صاحب کو قدر قلیلہ معلوم ہو جاتی اور نتیجہ فیصلہ اس کے برعکس نکلتا۔ بلکہ ہم کریموں میں کوئی خاص ذاتی علم نہیں تھے' تاہم جب بار بار فکر لڑنے کس کر تھپڑیاں جاتے اور خود مرزا صاحب کی مجلس میں جا کر ان کا بائیکاٹ کرتا کرتے۔ غرض جب تک ان کا تھپڑیاں میں قیام رہتا بعد صاحب دم بخود رہتے اور پنڈت جی کے مقابلہ میں جن کوئی اور لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی۔ حالانکہ پنڈت بیچارہ ایک سیدھا سادہ ہندو تھا جس علم کے سامنے ذرا سے لوگوں کے منہ پر قفل لگ جایا کرتا ہے۔ اگر مرزا صاحب کو دیگر عرب العرب میں کچھ بھی تقرب نصیب ہوتا تو کیا مجال تھی کہ کوئی مخالف زبان کھول سکتا اور اگر کرتا تو مرزا اپنے کہار کردار کو نہ پہنچتا۔ مناظرہ ہوشیار پور کی بہ کیفیت خود مرزا صاحب نے کتاب "سرمہ چشم آریہ" میں شائع کی ہے میں اس کو ذیل میں درج کر دیتا ہوں۔ کیونکہ اس کے سوا میرے پاس کوئی اور مرزا دیدہ معلومات نہیں ہے۔

پہلا مباحثہ

مارچ ۱۸۸۶ء میں جبکہ مرزا صاحب ہوشیار پور میں تھے قاضی امیر حسین صاحب سے پہلی مباحثہ کا اتفاق ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قاضی صاحب موصوف نے مرزا صاحب کے قیام گاہ پر آ کر ان سے کہا کہ اسلامی تعلیمات کے متعلق میرے چند سوالات ہیں اگر آپ

اجازت دی تو پیش کروں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ کو زبانی بحث کا شوق ہے تو مناسب ہے کہ فریقین کے زبانی بیانوں کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے دونوں طرف سے سوالات پیش ہوں' تاکہ ہر کوئی ان سوالات و جوابات کو پڑھے' اس کو دونوں فریقوں کے جانچنے اور پرکھنے کا موقع مل سکے۔ ماسٹر صاحب نے اس تجویز کو منظور کیا اور اسی التزام سے بحث شروع ہوئی۔ پہلے ۲۰ مارچ ۱۸۸۶ء کو رات کو مرزا صاحب کی فرودگاہ پر ماسٹر صاحب کی طرف سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجوزہ عنوان کافر کے متعلق ایک تحریری اعتراض پیش ہوا۔ اس کے بعد ۲۱ مارچ کو مرزا صاحب کی طرف سے آریوں کے اس اصول پر اعتراض پیش ہوا کہ پرمیشور روحوں کا خالق نہیں ہے اور نہ کسی روح کو خلق کر سکتا ہے بلکہ وہ کسی روح کو خلق کرنے کی بنا پر اس کا مالک اور مختار اور کسی پر مہربان ہو' بیچ ہونے کے مذہب سے نجات نہ دے سکے۔ گفتگو سوالوں سے پہلے اس بات کا فیصلہ ہونا تھا کہ جواب الجواب کے جواب پر بحث ختم ہو جائے گی۔ لیکن ماسٹر صاحب نے اس شرط کو نظر انداز کر کے پہلے جلسہ میں ۲۰ مارچ کو یہ شق پیش ہوا تھا۔ پھر باتفاق کی کہ جب مرزا صاحب کی طرف سے جواب الجواب کے جواب کا وقت آیا تو انہوں نے زبانی رائے گزر جانے کا عذر کر کے جلسہ گاہ سے جانے کا قصد کیا۔ انہیں بیٹھا رکھا گیا لیکن وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت حاضرین جلسہ میں شیخ محمد صاحب پلیڈر گجران والہ' مولوی محمد حسین صاحب وائلی مراسلہ سوکیٹ علی داود ہوشیار پور' میاں غلام قادر صاحب پلیڈر راجہ صاحب موصوف' میاں امیر علی صاحب پلیڈر راجہ صاحب' بابو سوداگر مل نیلس' لالہ رام بھجن داس ماسٹر مدرسیاں' بابو ہرکشن داس سیشن جج ہوشیار پور وغیرہم تھے۔ میاں شیخ محمد نے کئی مرتبہ ماسٹر صاحب سے کہا کہ آپ جواب الجواب لکھ دیں' ہم لوگ بیٹھے جائیں گے تھوڑی دیر اور بیٹھنے میں کوئی تکلیف نہیں مگر جواب سننے کا اشتیاق ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے حاضرین نے بھی ماسٹر صاحب پر زور دیا لیکن ماسٹر صاحب نے کسی ایک کی ایک نہ سنی اور اٹھ کر چل دیئے۔ اٹھ کر چلے جانے کی اصل وجہ ماسٹر صاحب کا یہ خیال تھا کہ اگر مرزا صاحب نے اسی وقت جواب الجواب کا جواب لکھنا شروع کر دیا تو پھر بعد کچھ دقت و رسوائی کا سامنا ہوگا۔ اب مرزا صاحب نے تمام حاضرین جلسہ کی موجودگی میں فرمایا کہ اس کا جواب تالیف ہے مگر آپ اس وقت اس کے لکھنے کی اجازت دیں تو ضرورت اسے بالضرور اپنے طور پر رسالہ کے ساتھ

شامل کیا جائے گا۔ چنانچہ سب نے اٹھ کر کھانا تقسیم کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔ (الحکم کلیہ صفحہ ۳)

دوسرا مباحثہ

دوسرا جلسہ عصر ۱۹۰۲ء کو دن کے وقت بیچ مرحلی رئیس اعظم ہوشیار پور کے مکان پر ہوا۔ اول حسب قرارداد مرزا صاحب کی طرف سے ایک تحریری اعتراض پیش ہوا کہ حق تعالیٰ کی ناقابلیت سے انکار کرنا اور پھر اسی کے التزام سے نہایت جاودانی سے منکر رہنا ہر آریوں کا اصول ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کی توحید و رحمت دونوں معدوم ہو جاتی ہیں۔ جب یہ اعتراض جلسہ عام میں سنایا گیا تو پنڈت صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی۔ حیران تھے کہ اس کا کیا جواب دیں۔ گھنٹے سوا گھنٹے تک یہی عذر پیش کرتے رہے کہ یہ ایک سوال نہیں بلکہ دو ہیں۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے فرمایا کہ سوال فی الحقیقت ایک ہی ہے یعنی حق تعالیٰ کی ناقابلیت سے انکار اور یہ ہماری نہایت اسی اصل کا ایک پرتو ہے وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے یہ سوال کے دونوں گوشے حقیقت میں ایک ہی ہیں' کیونکہ ہر شخص خدائے تعالیٰ کی ناقابلیت سے منکر ہوگا اس کے لیے ممکن نہیں کہ دائمی نہایت کا اقرار کر سکے۔ سو انکار ناقابلیت اور انکار نہایت ابدی باہم لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے پیدا ہوتا ہے' پس ہر شخص یہ ثابت کرنا چاہے کہ خدائے تعالیٰ کے رب العالمین اور خالق کائنات ہونے میں کچھ شک نہیں اس کو یہ بھی ثابت کرنا لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ کے کامل بندوں کا ہمیشہ پہنچے مرنے کے عذاب میں پڑا رہنے اور کبھی دائمی نہایت نہ پانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ غرض مرزا صاحب پنڈت صاحب کو بہت دیر تک سمجھاتے رہے' آخر جب مرزا صاحب کا بیان ان کی سمجھ میں نہ آیا تو جواب لکھنا شروع کیا اور تین گھنٹے کے بعد سوال کے ایک حصہ کا جواب قلمبند کر کے سنایا اور دوسرے گوشے کی نسبت' جو کہ یعنی نہایت کے متعلق تھا' کہا کہ اس کا جواب ہم اپنے مکان پر جا کر لکھیں گے اور گھنٹے کے بعد بھیج دیں گے۔ مرزا صاحب نے ایسا جواب لینے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ کو جو کچھ لکھنا ہو اسی جلسہ میں حاضرین کی موجودگی میں تحریر فرمائیں۔ اگر گھر جا کر لکھنا تھا تو پھر اس مجلس بحث کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب پنڈت

صاحب نے اس کا جواب لکھنا کسی طرح منظور نہ کیا تو ناچار مرزا صاحب نے کہا کہ آپ نے جس قدر لکھا ہے' وہی ہمارے حوالے کر دیں تاکہ اس کا جواب لکھا جائے' باقر صاحب نے کہا کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے ہم زیادہ نہیں بیٹھ سکتے' یہ کہہ کر اپنے رفقاء سمیت چل دیئے' ناچار مرزا صاحب نے جواب الجواب اور خط لکھ کر کلدوالی کے ساتھ ارسال کر دیا۔ اور لطف یہ کہ مرزا صاحب نے اپنا اعتراض قریباً ایک گھنٹے میں سنایا تھا جبکہ باقر صاحب نے تین گھنٹے وقت لیا پھر بھی اعتراض کا ایک کھوا چھوڑ دیا۔ ان کا اصل مقابلہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی طرح یہ گرد جائے اور اس بلا سے نجات ملے۔ (سرمہ چشم آریہ' صفحہ ۔ ب)

باب ۳۵

رسالہ "سرمہ چشم آریہ" کی اشاعت

غالباً مئی ۱۸۸۶ء صاحب ہوشیار پوری سے مرزا صاحب کا یہ تحریری مباحثہ ہوا تھا مرزا صاحب نے اس کو کتابی شکل میں شائع کر کے اس کا نام "سرمہ چشم آریہ" تجویز کیا تھا۔

جذبات زر اندوزی کا مظاہرہ

گو اس رسالہ کی واقعی قیمت کاغذ کتابت کے حساب سے بھی دس بارہ آنہ سے کسی طرح زیادہ نہیں ہو سکتی لیکن چونکہ مرزا صاحب کی زندگی کا مقصد وحید فراہمی زر رہا تھا۔ انہوں نے اس کو عام لوگوں کے پاس پونے دو روپے میں فروخت کیا۔ مرزا صاحب نے اس رسالہ کا یہ اشتہار بھی تھا اس کا ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو' فرماتے ہیں۔ "یہ رسالہ کل الجواہر سرمہ چشم آریہ نہایت متقی سے چھپ کر ایک روپیہ بارہ آنہ اس کی قیمت عام لوگوں کے لیے قرار پائی ہے اور خواص اور ذی استطاعت لوگ جو کہ بھی اظہار اخلاص اور ادیان ان کے لیے موجب ثواب ہے۔ کیونکہ "سراج منیر" اور "براہین احمدیہ" کے لیے اسی قیمت سے سہایہ جمع ہوگا اور اس کے بعد رسالہ "سراج منیر" انشاء اللہ القدیر چھپے گا' پھر

اس کے بعد چشم حصہ کتاب "براہین احمدیہ" چھپنا شروع ہوگئی۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' صفحہ ۹۱) اس کے بعد مرزا نے ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ یہ کتاب یعنی "سرمہ چشم آریہ" مشتہر مہاشہ فقیر علی وغیرہ ڈاکخانہ ماسٹر دسوہا پور ضلع ہوشیار پور کی بکثرت شائع کی گئی ہے۔ اس دعوی اور تعیین سے لکھی گئی ہے کہ کوئی آریہ اس کتاب کا رد نہیں کر سکتا کیونکہ یہ کتاب کے مقابل پر بحث کی کچھ پیش نہیں جاتی اور اگر کوئی آریہ صاحب ان تمام رد کے اصولوں اور دلائل کو جو اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں کاٹتا ہے اور اب بھی رد اور اس کے دیئے اصولوں کو غلط ثابت کرتا ہے تو اس کو اس اشتہار کی قسم ہے کہ اس کتاب کا رد لکھ کر دکھلا دے اور پانچ سو روپیہ انعام پائے۔ یہ پانچ سو روپیہ بعد تصدیق کسی عدالت کے جو کوئی پادری یا برہمو صاحب ہوں گے دیا جائے گا اور انہیں یہاں تک مہلت ہے کہ اگر فنی بیان دان صاحب نیکرزی آریہ سماج لاہور اور ان کے دو لوائح کے آریہ صاحبوں کی نسبت سلیم الطبع اور سمجھ اور شریف کہتی ہیں' بعد رد چھپ جانے اور عام طور پر شائع ہو جانے کے سچ عام میں علماء مسلمانوں اور آریوں اور سمجھ عیسائیوں وغیرہ میں سچ اپنے حق فریقوں کے حاضر ہوں اور پھر اللہ کر قسم کھائیں کہ ہاں جو کچھ علی نے یہ تعیین قبول کر لیا ہے کہ سب اعتراضات رسالہ "سرمہ چشم آریہ" جن کو میں نے قبل سے آخر تک بغور دیکھ لیا ہے اور خوب توجہ کر کے سمجھ لیا ہے۔ ان تحریر سے رد ہو گئے ہیں اور اگر میں علی الیقین اور پوری سچائی سے یہ بات نہیں کہتا تو اس کا ضرور اور ضرور اسی دنیا میں مجھ پر اور میری اولاد پر اور جو اس وقت حاضر ہے بڑے تو بڑے ایسی قسم کھانے کے صرف فنی صاحب موصوف کی شہادت سے پانچ سو روپیہ نقد رد کنندہ کو اسی سچ میں بلا توقف انعام دیا جائے گا اور اگر فنی صاحب موصوف عرصہ ایک سال تک ایسے قسم کے بداثر سے محفوظ رہے تو آریوں کے لئے باعث یہ حجت ہوگی کہ صاحب موصوف نے اپنی علی صداقت سے اپنے علم اور قسم کے مطابق قسم کھائی تھی۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' صفحہ ۹۲)

ملفوظ خطبہ الہامیہ "بجواب سرمہ چشم آریہ"

پنڈت لیکھرام نے "سرمہ چشم آریہ" کے جواب میں کتاب "ملفوظ خطبہ الہامیہ" شائع

کہ اس میں مرزا صاحب کے پانچ سو روپیہ انعام کے متعلق لکھا کہ "مرزہ نظم آرین" کا جواب دینے کے لیے مرزا جی نے اپنی قوم ملت کے مجموعہ پانچ سو روپیہ انعام کا وعدہ کیا ہے۔ مگر ہم ان کے وعدہ کو اس شعر کا صداق سمجھتے ہیں۔

گر جاں طلبی ملائکہ بیست ورزی طلبی خرد ہمیں است

ہمیں ان کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کا حال بخوبی معلوم ہے اور زمینداری کا حال بھی ہم سے مخفی نہیں۔ پس ہم اپنے دینے کے سر پر خاک ڈال کر یہ پانچ سو روپیہ مرزا صاحب کو ان کی شادی کے لیے جس کے متعلق ان کو بھاری رقم انعام ہوا ہے" بطور تحویل کے نذر کرتے ہیں۔ (الحکم بابت ۱۰ مئی ۱۹۰۰ء بجواب "مرزہ نظم آرین" ص ۱)

باب نمبر ۳۶

الہامی فرزند عمانوائیل کے تولد کی پیشین گوئی

اب پہلے پہلے کہتے ہیں کہ کلیان کے "مجدد صاحب" نے ابتدائی وقت میں شہرت و ناموری حاصل کرنے کے لیے غیر مسلم حکام کو کلیان کے ایک سالہ قیام کی دعوت دی تھی اس میں مجدد صاحب" کو کس طرح منہ کی کھانا پڑا تھا۔ اس کے علاوہ براہین اور "سرمہ چشم آریہ" وغیرہ رسالوں کے متعلق الہامی صاحب کی پیشگی پر ہوائی کا ہو بدلنا رائج تھا اس سے بھی لوگ مضحکہ اڑانے لگے تھے اور ان کے خلاف ہر طرف تمسخر و تضحیک کی گرم بازاری تھی۔ گو بعض لوگ اب بھی دبی زبان" نام ارادت بھی رکھتے تھے۔ تاہم ضرورت تھی کہ رسالوں کے ذریعہ جائیں اور کسی ڈھنگ سے لوگوں کے دلوں پر از سر نو عظمت و تقدس کا سکہ بٹھایا جائے۔ لہٰذا انہی خیالات کے پیش نظر مجدد صاحب" نے اب کسی پیشین گوئی کا شوشہ چھوڑ کر لوگوں کی توجہ دوسری طرف منعطف کرنے اور نیک نام ہونے کا عزم فرمایا۔ جس کے بعد کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ مجدد صاحب" نے اس کوشش میں بھی منہ کی کھائی اور دنیا سے بھی رخصت ہو گئے۔

فصل-۱ صحائف کے مقامات و خصوصیات

قادیانی صاحب ۱۸۸۸ء میں مختصر عرصہ جہاں قیام کو بڑھ کر گئے تھے وہ سرے سال ۱۸۸۹ء میں کتاب طب میں یہ اعلام کرنے کے لیے بہت سی علامتیں بیان کی گئی ہیں کہ عمل میں لایا ہے یا نہیں؟ مگر ان علامتوں کا تجربہ کبھی غلط بھی ہوتا ہے مگر زیادہ تر صحیح ہی نکلتا ہے۔ جب وضع حمل میں تین مہینے کا وقفہ تھا تو میرا خیال ہے کہ مرزا صاحب نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان کے گھر لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی کتاب طب کی ورق گردانی شروع کر دی ہوگی۔ آخر علامات حمل سے اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ بیوی لڑکے سے حاملہ ہے چنانچہ قرینہ ہے کہ "مسیح موعود صاحب" نے انہی علامات کے مل جانے پر ایک سو تیس پیشین گوئی شائع کرنے کا عزم فرمایا۔ اس غرض کے لیے ایک اشتہاری عبارت تصنیف کی اور ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار کی شکل میں شائع کر کے پبلک کو اپنے پہلے "اشتہاری شکار" سے روشناس کرانے کا فخر حاصل کیا۔ الہامی فرمان کے نام کی پیشین گوئی کے یہ الفاظ تھے "پہلی پیشین گوئی بالہام اللہ تعالیٰ فرمانے رحیم و کریم نے ہر چیز پر قادر ہے مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسی کے مطابق ہو تو نے مجھ سے مانگا سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی ہے اور تیرے سفر کو جو تجھے بھی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام' خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پائیں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آئیں اور دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ بھی تمہیں دیتا کہ میں تجھے سے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد صلعم کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی کھلی نشانی سے اور تجربوں کی راہ ظاہر ہو جائے سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا وہ لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنوائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے

آتا ہے۔ اس کے ساتھ تعلق ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ یہ صاحب علم اور حکمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے نفسی نفس اور روح القدس کی برکت سے انسانوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ یہ کشتہ لفظ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کشتہ محبت سے لکھا ہے۔ یہ رحمت الٰہی و فہم ہوگا اور دل کا علم اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا اور یہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے۔ وہ منتظر ہے۔ مبارک وہ جو انتظار کرے اور وہ تین سو پچپن کے عدد کو پہنچے۔ منظر الاول والاٰخر کان اللہ نزل من السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا اور آتا ہے نور۔ نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے فخر سے مسیح کہا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے۔ خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا وہ جلد جلد بڑھے گا اور آسمان کی رشتگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۸۶)

اس اعتراض کا جواب کہ قابلہ بھی لڑکے لڑکی میں امتیاز کر لیتی ہے

جب مرزا صاحب کی پیشین گوئی بام طور پر شہرت پذیر ہوئی تو ہوشیارپور کے کسی آریہ نے اعتراض کیا کہ اس پیشین گوئی کو الہام خداوندی سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مرزا صاحب کی بیوی حاملہ ہے اور لڑکا لڑکی کے پیدا ہونے کی علامات دائیں کو بھی ہوتی ہے۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۸۵) اس کے بعد خود مرزا صاحب نے ایک اشتہار میں لکھا کہ لوگ پہلے ہی سے یہ کہنے لگے تھے کہ قابلہ نبی کے مدد سے حمل سابقہ کی علامات سے ایک تخمین ۱ سکتا ہے کہ کیا پیدا ہوگا۔ پنڈت لیکھرام اور بعض دیگر اشخاص اسی بات پر یہ اوہام رکھتے ہیں کہ ان کو قبل طہارت میں معلوم ہو جاتا ہے۔ طب کے تجربہ سے معلوم کر لیا ہوگا کہ لڑکا پیدا ہونے والا ہے' اسی طرح ایک صاحب محمد رمضان نام نے "پنجابی اخبار" مورخہ مارچ ۱۸۸۸ء میں چھپوایا کہ لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دینا منجانب اللہ ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا جس نے ارسطو کو دیکھا ہوگا وہ حاملہ کا قارورہ دیکھ کر لڑکا یا لڑکی پیدا ہونا ٹھیک ٹھیک بتا سکتا ہے۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۸۱) الہامی صاحب نے ان اعتراضوں کے

جواب میں لکھا کہ ایسا اعتراض سراسر حملہ سابق اور حق پوشی ہے' کیونکہ اصل تو کوئی دلائل ایسا دعویٰ نہیں کر سکتی بلکہ ایک ملائق طبیب بھی ایسا دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتا کہ اس امر میں میری رائے قطعی اور یقینی ہے جس میں تخلف کا امکان نہیں۔ صرف ایک احتمال ہوتی ہے کہ بہ ظاہر خطا جاتی ہے۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۵۲)

حضرت مسیح "کے معجزۂ احیائے موتیٰ سے اکمل و اتم معجزہ

انہی ایام میں کسی پادری سے مرزا صاحب کی ملاقات ہوگی۔ پادری نے مرزا صاحب کی اس یقینی گوئی کا بہ اعتماد سوال کے متعلق تھی' مسکت الزاما۔ اس سلسلہ گفتگو میں پادری نے اعتراض کیا کہ حضرت مسیح نے تو اندھے قرنن مردے زندہ کئے اور قرآن میں تمہارے پیغمبر کے احیائے موتیٰ کا کوئی ذکر نہیں۔ مرزا صاحب سے اس کا کوئی علمی جواب نہ بن پڑا' البتہ غوں میں آکر فرمانے لگے تو کیا میں نے جس قسم کا معجزہ اپنے حق میں یقینی گوئی کر رکھی ہے' اس کی بہ نسبت تو حضرت مسیح کے مردے زندہ کرنے سے کہیں اکمل و برتر ہے۔ چنانچہ ۲۵ مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں مرزا صاحب نے پادری کے اعتراض کا ان الفاظ میں جواب دیا۔ "میں تجھ آنکھیں کھول کر دیکھ لینا چاہیے کہ یہ صرف اپنی گوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کا خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لیے ظاہر فرمایا ہے اور یہ حقیقت بہ خلاف ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ و اولیٰ و اکمل و اتم ہے۔ کیونکہ مردہ کے زندہ کرنے کی حقیقت یہی ہے کہ جناب الٰہی میں دعا کر کے ایک روح واپس منگوایا جائے اور ایسا مردہ زندہ کیا جائے۔ حضرت مسیح اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت بائبل میں لکھا گیا ہے جس کے ثبوت میں مفسرین کو بہت سی کلام ہے اور پھر بفرض ان سب عقلی و نقلی جرح و قدح کے یہ بھی محتمل ہے کہ ایسا مردہ مرنے چند سعد کے لیے زندہ رہتا تھا اور پھر دوبارہ اپنے عزیزوں کو دوبارہ ماتم میں ڈال کر اس جہان سے رخصت ہو جاتا تھا۔ سو اگر مسیح علیہ السلام کی دعا سے بھی کوئی روح دنیا میں لوٹی تو یہ حقیقت اس کا کارنامہ کہاں برابر ہے۔ مگر اس جگہ بفضلہ تعالیٰ خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا کو قبول کر کے ایسی برکت روح کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا

ہے جس کی تاریخی و واقعاتی تکمیل تمام ذہین لوگ دیکھ لیں گے۔ میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ نشان سو برس کے زمانہ کرنے سے صدہا درجہ بہتر ہے"۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۸۳)

مدت پیدائش کی نہ رسالہ تضمین

۲۰ فروری ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں مرزا صاحب نے اپنے الہامی فرزند کے لڑکی کی تاریخ اور مدت معین نہ بتائی تھی۔ اس کے بعد ۲۲ مارچ ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں بھی تاریخ ولادت کوئی نہ بتائی لیکن مستقبل مدت کا تعین فرما دیا تھا۔ چنانچہ لکھا "ممکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا لڑکا ہوگا جو اب حمل الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ خواہ جلد ہو یا دیر سے' بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا"۔ (تبلیغ رسالت' جلد ۲ ص ۱۵۷) جب لوگوں نے اس فعل مدت پر اعتراض کیا تو مرزا صاحب نے ۸ اپریل ۱۸۸۸ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں لکھا "واضح ہو کہ اس خاکسار کے اشتہار مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۸۸ء پر بعض صاحبوں نے جیسے نکتہ چین اور من صاحب مراد آبادی نے یہ نکتہ چینی کی ہے کہ نو برس کی حد ہر پسر موعود کے لیے بیان کی گئی ہے۔ یہ بڑی گہرائی کی جگہ ہے۔ ایسی لمبی میعاد میں تو کوئی نہ کوئی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے۔ سو واضح ہو کہ جن حالات خاصہ کے ساتھ لڑکے کی بشارت دی گئی ہے کسی لمبی میعاد سے گو نو برس سے بھی حد بڑھ جاوے۔ اس کی خصلت اور شان میں کچھ فرق نہیں آ سکتا۔ ایسے عالی درجہ کی خبر دینے ہی اور اخفی تدبی کے لڑکے پر مشتمل ہے' انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے اور دعا کی قبولیت ہو کر ایسی خبر کا ظہور ہے تک پہنچا ہماری انسانی شان نہیں ہے نہ یہ کہ صرف جھگڑا ہے۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۵۸) اس کے بعد الہامی صاحب نے ایک اور اشتہار شائع کیا جس کا آخری حصہ یہ تھا اس امر کے انکشاف کے لیے جناب الٰہی میں توجہ کی گئی تو آج ۸ اپریل ۱۸۸۸ء کو اللہ جل شانہ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا اس سے ظاہر ہے کہ شاید ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا اور بعد اس کے یہ

کبھی الہام ہوا کہ انہوں نے کہا کہ کہنے والا کبھی ہے یا ہم سے سرے کی راہ لگیں۔ چونکہ یہ لفظ ایک بدہ ضعیف سوئی کریم جل شانہ کا ہے۔ اس لیے اسی قدر ظاہر کرنا ہے جو منجانب اللہ ظاہر کیا گیا۔ آئندہ جو اس سے زیادہ منکشف ہوگا وہ بھی شائع کیا جائے گا۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۸۱)

۳۔ مکمل الہام میں مختلف باتوں کا اندراج

مرزا صاحب نے اس امر کے انکشاف کے لیے فرمایا موجود کب پیدا ہوگا۔ یہ علم خدا جناب الٰہی میں تضرع کی۔ تو اس وقت شریف نے جو اس قسم کے معاملوں کی طرف القا کیا کرتا ہے اور جس سے وہ اپنی خاص خصوصی سے ذات باری تعالیٰ سمجھا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب پر ایک پیشگی نازل کی جو اوپر درج کی گئی ہے۔ اس الہامی پیشگی سے کوئی شخص بجز نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت شریف نے مرزا صاحب کو کون سی شخصی اور جسمانی بات بتلائی۔ جب الہامی صاحب نے تعین وقت کی درخواست کی تھی تو چاہیے تھا کہ کوئی خاص وقت اور تاریخ معین کی جاتی اور ایسا الہام نہ کیا جاتا جو مختلف باتوں کا مجموعہ ہو۔ بہرحال الہامی صاحب نے اپنی اس الہامی عبارت کا درج کی۔ اس سے مندرجہ ذیل نتائج جو ایک دوسرے کے متعلق ہیں برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) موجود لڑکا ضرور پیدا ہوگا۔ یعنی موجودہ حمل سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ ضرائیل موجود ہی ہوگا۔

(۲) وہ ایک بدہ حمل ہی ہوگا اور حسب تعین علماء حمل کی اقل مدت چھ مہینہ اور اکثر مدت دو سال یا کچھ زیادہ ہے۔ (بیان سید عباس علی ندوی مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۸۲)

(۳) نیز ایک لڑکا ہی ہونے والا ہے۔ یعنی تعین نہیں بلکہ مطلب ہے کہ لڑکا پیدا ہو۔ لڑکی نہ ہو۔

(۴) یا بالفرض اس کے قریب حمل میں ہوگا یعنی جب بچہ پیدا ہونے کے بعد گھر میں دوبارہ حمل ہوگا تو اس حمل سے ضرائیل موجود برآمد ہوگا۔

(۵) معلوم نہیں جو لڑکا اب پیدا ہونے والا ہے وہ ضرائیل ہی ہے یا کوئی

کی وحدت میں کبھی آنکھ خرمہ شہود میں آئے گی

اب ظاہر ہے کہ اس الہامی مخلوق سے کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ حکم صاحب کے مالی خدا نے ان کی دعا و توجہ کے بعد انہیں امور سے کونسی بات حل اتحسین ہوئی۔ اور مقام غور ہے کہ کیا اس قسم کی تفہیم بانی کا صدور و فیض خدائے قدوس کی ذات پاک سے ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل یہ ہے کہ مرزا نی نے اپنے گول مول بیان میں بڑی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ ان ایام میں مہدی صاحب کے مقدمے مسلی میں امیدواری تھی۔ اسی سہل کے بھروسے پر مرزا صاحب نے طرح طرح کے بے ہنگم الہامات کا طومار بنا کر رکھا تھا۔ ان الہامات میں چند متضاد باتیں اس لیے درج کر دیں تاکہ بوقت ضرورت جس الفاظ سے کچھ مطلب براری ہو سکے اسی سے استدلال کر لیا جائے گا۔ الہام کے سب سے آخری الفاظ یہ تھے۔ "انہوں نے کہا کہ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں"۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی صاحب کے مالی خدا نے یہ فقرہ انجیل متی باب گیارہ کی تیسری آیت سے لیا تھا جو اپنے شاگردوں کے ہاتھ اس نے یحییٰ کہلا بھیجا کہ آنے والا تو ہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں؟ سے چڑا کر مہدی صاحب پر القا کر دیا اور غلبہ ہے کہ کہیں عیب پرست لوگ مرزا صاحب کے مالی خدا پر حرف گیری نہ کر دیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس فقرہ میں بھی دو رنگی کی شان فرما رکھی۔ مشتبہ یہ تھا کہ مہدی سہل سے لڑکا پیدا ہونے کی صورت میں اگر مصلحت و مصلحہ اس کی مخالفت ہوگی تو انہوں نے کہا کہ آنے والا یہی ہے سے استدلال کرتے ہوئے اسی کو محمدائیل قرار دیا جائے گا ورنہ الفاظ یا ہم دوسرے کی راہ تکیں کو اپنے فائدہ میں دلیل کرتے ہوئے کہہ دیا جائے گا کہ یہ وہ موعود نہیں ہے

فصل-۲ محمدائیل کی جگہ محمدائیلی کی پیدائش

جب وضع حمل کے دن قریب آئے تو مرزا صاحب سخت خوف و پریشان تھے۔ ان کا دل امید و بیم کی مختلف کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ بروقت اسی تردد میں مصروف تھے کہ دیکھیں پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے؟ ایام اضطراب میں بار بار فال نامہ کھول کر فال

دیکھنے لگتے تھے۔ کبھی جنتری کی کتابیں نکال کر ان کی ورق گردانی شروع کر دیتے۔ کبھی نماز شروع و ابتہال سے دعائیں مانگنے لگتے۔ عورتوں سے بھی برابر دعا کی فرمائشیں ہو رہی تھیں۔ عبداللہ سنوری ہم ایک عزیز کا بیان ہے کہ مرزا صاحب پر موعود کی بیٹی کوئی کے پیدا ہم سے کہا کرتے تھے کہ دعا کرو لڑکا پیدا ہو۔ ان ایام میں امیدواری بھی تھی۔ بارش ہوئی تو مسجد مبارک کے اوپر جا کر میں نے دعا کی۔ پھر قادیان سے مشرق کی طرف جا کر بغل میں دعا کی۔ سارا دن بارش میں دعا مانگتے گزرا۔ لیکن صصت (لڑکی) پیدا ہوئی تو معلوم ہوا کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ (سیرۃ المہدی جلد اول' ص ۱۵۱) لڑکی کی پیدائش پر لوگوں نے الہامی صاحب کا بڑا مذاق اڑایا اور ہر جگہ تمسخر و استہزاء کی گرم بازاری ہوئی۔ صاحبزادہ مبارک احمد ایم۔ اے اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ "عظیم الشان پیشگوئی کے بعد مبارک و جانگداز سب منتظر رہے۔ گھر میں امیدواری تھی مگر مئی ۱۸۸۷ء میں لڑکی پیدا ہوئی۔ (قادیان کے حق میں) یہ دوسرا زلزلہ تھا۔ مخالفوں نے استہزا کیا۔ (عزیزوں کے حق میں) یہ صدمہ اتنا تھا لیکن اعلان کیا گیا کہ الہام میں اس کی تعیین نہیں ہوئی تھی۔ اس بنا پر لوگ (مرد) مطمئن ہو گئے۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۵۱) لڑکی کی پیدائش پر چڑھ نیکرام نے لکھا کہ چونکہ مرزا صاحب کی بیوی حاملہ تھیں جس کے حمل سے لڑکا ہونا بھی آگاہ تھا اور مرزا صاحب غیب بھی ہیں۔ لڑکا پیدا ہونے کا یقین کر کے الہام سبحانی کا ہم نے کر اعلان شائع کر دیا۔ مگر یہاں ہر ایک کے آگے آتا ہے۔

ہر کہ گردن بہ جوئے افزاند خویشتن را گردن آزاد

اس معلوم ہوا ہے کہ مرزا صاحب کے گھر میں حمائل کے بجائے حمائلی پیدا ہوئی ہے۔ پس اے ناظرین! مبارک ہو بھوت کا بانس اور ست کا پہل ہوا۔ مرزا صاحب کو چاہیے کہ آئندہ ایسے جھوٹے دعووں سے باز آئیں۔ (نکذیب براہین' ص ۳۳۱) خود مرزا صاحب نے ایک اشتہار میں لکھا کہ "ایک اور صاحب ملازم دفتر ایگزامنر صاحب ریلوے لاہور جو اپنا نام نہیں بتلاتے ہیں' اپنے خط مورخہ ۲۵ جون ۱۸۸۷ء میں اس عاجز کو لکھتے ہیں کہ تمہاری پیش گوئی جھوٹی نکلی اور دختر پیدا ہوئی اور تم حقیقت میں بڑے فریبی اور مکار اور دروغ گو آدمی ہو۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۸۰)

ولادت دختر کے اعتراضوں کا جواب

جب ولادت دختر پر اعتراضات کی آندھیاں اٹل کناروں پر ہر طرف سے امڈ آئیں تو الہٰی صاحب نے ایک اعلان زیر عنوان "اشتہار نمک اظہار و اقرار" شائع کیا جس میں لکھا "واضح ہو کہ بعض ظالم نادان ترس جن کے دلوں کو زنگ تعصب و جہل نے سیاہ کر رکھا ہے ہمارے اشتہار مطبوعہ ۲۸ اپریل ۱۸۸۷ء کو بھوپوں کی طرح غرف و ہذیان کرکے اور کچھ کے کچھ سمجھ یا کر سادہ لوح لوگوں کو شاکے ہیں اور نیز اپنی طرف سے اشتہارات شائع کرتے ہیں تا دھوکہ دے کر ان کے یہ باطل نگین کریں کہ جو لڑکا پیدا ہونے کی پیش گوئی تھی وہ نکلا۔ ہم اس کے جواب میں صرف اتنا لکھ کر اطمینان کرتا کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم بطلوں پر بھی کرتے ہیں کہ ان بے خردوں اور روح فرسا کو بجائے خود رہنے کے جہل اور تعصب کے اب کسی کی اصلاح بالکل کا بھی کچھ طرف اور امید نہیں رہا۔ اور ہر شرم اور حیا اور خدا ترسی کو بالکل اٹھا بیٹھے ہیں۔ سب تک خصلتیں ایسی ان کی سرشت سے اٹھ گئی ہیں کہ گویا خدا نے خلق نے ان میں رکھی ہی نہیں تھیں۔ تعصب اور کینہ کے غلبہ جنون نے کیسی ان کی عقل مار دی ہے۔ نہیں دیکھتے کہ اشتہار ۲۰ مارچ ۱۸۸۶ء میں صاف صاف لکھا تھا کہ لڑکا موصوف کے لیے نو برس کی میعاد لکھی گئی ہے اور ۸ اپریل ۱۸۸۷ء کے اشتہار میں کسی بڑی یا بیسنے کا ذکر نہیں تھا۔ نہ اس میں یہ ذکر ہے کہ جو نو برس کی میعاد رکھی گئی تھی اب وہ منسوخ ہو گئی ہے۔ ہاں اس اشتہار میں ایک یہ فقرہ زائد درج ہے کہ مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ مگر کیا اس فقرہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مدت حمل سے حمل سوجانے کے ایام باقی ماندہ مراد ہیں کوئی اور مدت مراد نہیں۔ اگر اس فقرہ کے سر پر اس کا لفظ ہو تو بھی اعتراض کرنے کے لیے کچھ گنجائش نکل سکتی۔ مگر جب الہٰی عبارت کے سر پر اس کا لفظ ہو سکتا ہے واقع ہو سکتا ہے واقع نہیں تو اعتراض کرنا بے ایمانی اور بدذاتی نہیں تو اور کیا ہے؟ (نجم رسالت' جلد اول' ص ۳۸۰) اس کے جواب میں التماس ہے کہ مرزا صاحب کی الہٰی عبارت میں واقعی یہ فقرہ بھی درج تھا کہ "مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا"۔ لیکن اس فقرہ سے پہلے یہ الفاظ بھی تھے۔ "ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے"۔ اس پوری عبارت سے مرزا صاحب کا مراد "یہی دعویٰ ثابت ہوتا تھا کہ حمل سے بچہ پیدا ہوگا۔ حمل ہی ہوگا

عنوائیل کے لیے جھولے کی فرمائش

اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب نے واقعی نو ہی سال کی مدت معین فرمائی تھی تو پھر پسر موعود کا نام لے اس کے لیے لاہور میں جھولہ کیوں تیار کرایا گیا؟ شیخ محمد عبداللہ صاحب (متوطن کوٹ قاضی' تحصیل و ضلع گورداسپور) سوداگر برمن سلور انڈسٹری لاہور ۱۹۱۸ء سے لے کر کئی سال تک شیخ عزالدین' امیرالدین سوداگران انارکلی لاہور کے منیجر تھے۔ خاکسار راقم الحروف سے بیان کیا کہ ۲۸ فروری ۱۸۸۶ء کو مرزا صاحب نے عنوائیل کے ظہور کا بذریعہ اعلان شائع کیا۔ لاہور میں میرے ہی اہتمام سے چھاپا گیا تھا۔ اس اعلان کی طباعت کی فرمائش کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ بھی پیغام بھیجا تھا کہ الہامی فرزند کے لیے جو جھولا پیدا ہونے والا ہے۔ ایک اعلیٰ درجہ کا جھولا تیار کرا کر بھیجا جائے۔ میں نے فوراً شیخ عبدالقادر پرانی انارکلی لاہور کی دکان پر طلائی جھولے والے جھولے کا آرڈر دیا۔ اس جھولے پر سونے کا کام شروع کرا دیا۔ فوراً شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ لاہور کا ریٹ والا ہے۔ اب تک ۱۲۰۰ روپے ہے۔ جب گہوارہ تیار ہو گیا تو بقایا کی بابت کرائی گئی۔ اس وقت بقایا تک ہی رقم بنتی تھی۔ تھوڑے دن کے بعد قادیان سے خبر آئی کہ پسر موعود کی بجائے دختر حملہ ہوئی ہے۔ مرزا صاحب کی اس میں بڑی ذلت اور ہنسی ہوئی اور بہت سے مرید پھر گئے۔

فصل ۔ ۳ عنوائیل موعود کی پیدائش اور قادیان میں خوشی کی لہر

دارالامان دفتر کے صحنوں میں تک قادیان کے اہل پر انتظار کی جو گھڑیاں چھائی رہیں اور استبشار و خوشی کا جو بازار گرم ہوا تھا اس نے مرزا صاحب کے دل پر بہت کچھ افسردگی طاری کر دی تھی۔ اس لیے جونہی وہ سنا تھے کہ کسی طرح یہ ہی محمد حاملہ ہو کر لڑکا جنے اور وہ لوگوں کو عنوائیل کا جنم بتا کر سرخرو ہو سکیں۔

چہ خوش گل گل وخط خلن باز آید کہ ہمیں جاں دتن رفتہ بہ تن باز آید

آخر خدا خدا کر کے گوہر شاہوار صدف رحم میں منعقد ہوا اور حضرت حکیم صاحب نے ولادت کے بعد اپنی کوکب سے عنوانیل برآمد کر کے مرزا صاحب کے آغوش قبول میں ڈال دیا۔ یہ ایسی شادمانی تھی کہ شاید اس سے پیشتر مدت العمر رئیس لوہارو کو اس کا منہ نہ دیکھا ہوگا۔ زمین و آسمان مسرت کے گہوارے بن گئے اور عجب مزہ اپنے ہمراہ لیے ہوئے جہاں کی عالم آشوب ہوائیں دکھائی ہوئی" مرزا پیدائش سے قبل کر مرزا صاحب سے انکار ہوگیا۔ لوہارو میں ہر طرف مسرت کی خبر سنسنی خیز ہوا دے رہی تھی اور الہامی صاحب کا دل ہی ہی امنگوں سے ہر وقت معمور تھا۔ ۱۸۷۹ء کو عنوانیل پیدا ہوا اور مرزا صاحب نے اس تاریخ کو ایک اعلان اپنے عنوان منوانی خبری" شائع کر کے یہ مژدہ جاں فزا اہل کو سنایا۔ اسے الفاظ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ یہ لڑکا جس کے ولادت کے لیے میں نے بتاریخ ۱۸ اپریل ۱۸۷۹ء میں پیشین گوئی کی تھی اور خدائے تعالیٰ سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر یہ حمل سلامت میں پیدا نہ ہوا تو یہ سرے سے حمل ہی نہ تھا اس کے قریب ہے ضرور پیدا ہو جائے گا۔ سو الحمد للہ کہ آج ۱۸ اپریل ۱۸۷۹ء کو بارہ بجے رات کے بعد ایک بچے کے قریب ہے مولود مسعود پیدا ہوگیا۔ فالحمد للہ علی ذالک اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کس قدر بزرگ پیش گوئی ہے ہر ضرور میں آئی۔ کہ یہ لوگ بات بات میں یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم یہ پیش گوئی ظہور کریں گے جس کا وقت بتایا جائے سو اب پیشین گوئی انہیں ظہور کرنی پڑی کیونکہ اس پیشین گوئی کا مطلب یہ ہے کہ حمل تمام پایہ تک نہیں جائے گا ضرور لڑکا پیدا ہوگا اور یہ حمل کچھ دور نہیں بلکہ قریب ہے۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۹) جب عنوانیل یا بشیر کے لڑکے کی خبر حکیم نور الدین کے پاس جموں پہنچی تو وہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو لکھا کہ میرا سلام میاں بشیر احمد کو پہنچا دیجئے۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا کہ میں نے کبھی قدوم کا السلام علیکم بشیر احمد کو پہنچایا ہے۔ پہلے تو مجھے یہی خیال ہوا تھا کہ کیف تکلم من کان فی المہد صبیا (ہم اس بچہ سے کس طرح کلام کریں جو ابھی گہوارہ میں جھول رہا ہے) لیکن قلیل فرشتہ سے قدوم کی گئی۔ اس وقت طبیعت اس کی اچھی تھی۔ بار بار تبسم کر رہا تھا چنانچہ السلام علیکم کے بعد بھی یہی اتفاق ہوا کہ وہ تبسم

مرتبہ اس نے تسلیم کیا اور انگشت شہادت سے رکھ لی۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' ص ۳۳) عنوائیل کا حقیقہ بڑی دھوم دھام سے کیا گیا۔ اس تقریب میں تمام مرزائی جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی قادیان پہنچے اور بڑا جشن منعقد کیا گیا۔ لوگوں کی خدمت کے لیے متعدد خانمائیں رکھی گئیں۔ ایک مرغہ کی بھی تلاش کی گئی۔ اسی سلسلہ میں علی رحم علی کورٹ انسپکٹر جالندھر کو لکھا گیا کہ بشیر احمد کو ایک ایسی دودھ پلانے والی عورت کی ضرورت ہے جس کا بچہ پیدا ہونے پر برس سے زیادہ نہ گذرا ہو اور خوب طاقتور عورت ہو اور بچہ مر جانے کی اس کو بیماری بھی نہ ہو اور اس کے بچے بھی اور تو ہوتے ہوں۔ دبلے اور خشک نہ ہوتے ہوں۔ اگر کوئی ایسی دودھ والی عورت ملے تو اطلاع دیں۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' ص ۷۲)

فصل - ۴ عنوائیل کی وفات اور مرزائی حلقوں میں ماتم

رحیم قادیان کو عنوائیل عرف بشیر احمد کی بیماری کے دو ہفتہ قیام ہوئے ان کا یہی اشتغال تھا کہ مرزا صاحب اپنے تئیں اس کی خدمت و پرداخت کے لیے وقف کر دیتے۔ چنانچہ اس فرزند کی محبت مرزا صاحب کو پوری اپنی طرف مصروف رکھتی تھی۔ اور وہ مرزا صاحب اس کی بائیں لیتے اور اس کے رفع دنیا کے دیکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ عنوائیل قریباً سوا سال تک زندہ رہا۔ اس عرصہ میں وہ اکثر علیل رہتا تھا۔ مرزا صاحب نے ۱۲ نومبر ۱۹۱۸ء کو اپنے خط میں رحیم علی کورٹ انسپکٹر کو لکھا کہ لڑکا پھر دو سے بیمار ہے۔ تھوڑے دن سے اچھا بھلا تھا۔ کل شام باہر رات تک اور آج صبح کی سیر کرنے کے لیے جانا پڑتا ہے۔ اور آج ۱۲ نومبر ۱۹۱۸ء کے خط میں رحیم علی کو اطلاع دی کہ بشیر احمد سخت بیمار ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ ماجز ڈاکٹر کا علاج کرانے کے لیے قادیان سے بٹالہ میں آگیا ہے۔ شاید ۱۵ رمضان بٹالہ میں ہو۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' ص ۷۶-۷۸)

الہام کا وہ وقت آگیا جب کہ مرزا صاحب کو عنوائیل کی وفات کی اطلاع تار کی اسی طرح ملنی پڑی۔ جس طرح وہ اس سے پندرہ سولہ مہینے پیشتر اس کی ولادت کا مژدہ سنا چکے تھے۔ چنانچہ رحیم علی کورٹ انسپکٹر کو اطلاع دی کہ آج ۲۰ نومبر ۱۹۱۸ء کو میرا لڑکا بشیر

اس لیے انہیں سعد اللہ بیمار ہو کر دنیائے فانی سے کوچ کر گیا (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۸۸) اور حکیم نور الدین کو لکھا کہ آج صبح ۳ جنوری ۱۹۰۷ء کو بروز ۱۲ بجے احمد شہید سعد اللہ مر کر انتقال کر گیا۔ (ایضاً نمبر ۲ ص ۱۲۸) اس واقعہ پر کسی نے قادیانی حلقوں میں صف ماتم بچھا دی اور خود مرزا صاحب کی یہ حالت تھی کہ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے اور ظاہر ایسے تھے کہ گویا جنت مل گئی سے زیادہ قدر تھی۔ الہامی صاحب نے جس چٹھی میں حکیم نور الدین صاحب کو اپنے معتوب کی مرگ کی اطلاع دی تھی اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اس واقعہ سے جس قدر مخالفوں کی تباہی ہوگی اور مخالفین کے دلوں میں شماتت پیدا ہوگی اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص ۱۲۸) چنانچہ ایسا ہی ہوا ہر طرف سے طعن و تشنیع کے تیر چلنے لگے مرزا صاحب کی صداقت پر سوال بلند ہونے لگے ۲۶ فروری کے اخبار اہل حدیث میں ایک اعلان بعنوان "قادیانی ثبوت" شائع کیا جس میں لکھا کہ اس واقعہ کے ہوتے ہوئے کی وفات سے بعد ازاں ۱۸ جنوری ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوا اور ۷ اپریل ۱۹۰۷ء کو اپنی عمر کے ساڑھے تین مہینے میں پیوند خاک ہو کر اپنے سعید کی طرف واپس چلا گیا کہ سب ہی ۱۲ فرد نہایت ذلیل ذلیل کی الجھن اور رنگ رنگ کی باتیں لطیفوں میں سے گئیں اور طرح طرح کی باتیں اور بیچ ملا کی باتیں ظاہر کی گئیں۔ اور عام مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس کا برا اثر پیدا ہوا۔ (ملحق ۱۲۲ سعد مولوی محمد اللہ صاحب ص ۱۱۰)

پیشین گوئی پوری نہ ہونے کی رسوائی

مرزا صاحب جس شخص کو سے دنیائے رخصتی و عیسائی کا اعلان کیا یہ وہی پیشین گوئی ہے جس کے متعلق مرزا صاحب نے جنگ مقدس کے خاتمہ پر الہام پا کر کہا تھا کہ وہ عیسائیوں کی رسوائی کا موجب ہوگا اور دشمن کے کافروں تک شہرت پائے گا اور اس کی یہ شان ہوگی کہ گویا (معاذ اللہ) خود خدائے قدوس آسمان سے اتر آیا۔ لیکن کل اس کے بر عکس کا کوئی ہو کر نکلا اور وہ پیشین گوئی کے بموجب عیسائیوں کی رسوائی کا موجب بنی بلکہ خود مسیح موعود اور خود اہل ہو گئے کہ مرزا صاحب کی پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور انہیں سخت ندامت اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑا اور ظاہر ہے کہ یہ رسوائی کتنی شدید ہے

کہ کوئی دوسری دلیل و برہان اس کی حریف نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ مرزا صاحب خود فرماتے ہیں کہ کسی انسان کا اپنی بیٹی گھڑنی میں جھوٹا ثابت کرنا تمام دلیلوں سے بڑھ کر دلیل ہے۔ (فتح اسلام، ص ۱۸۶)

حضرات! آپ نے اسی باب کی پہلی فصل میں پڑھا ہوگا کہ الہامی صاحب نے عمرانیل کی پیشین گوئی کو اسلام کی حقانیت اور قرآن اور حضرت سید العرب والعجم امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی دلیل ٹھہرایا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ انہوں نے اس شرمناک جسارت سے اسلام کے ساتھ غداری اور دشمنی کی۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر بالفرض کوئی کرسچن یا عیسائی کسی مولوی پر اعتراض کرے کہ چونکہ مرزا جی نے اپنے الہامی فرزند کی پیدائش کو اسلام، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی دلیل ٹھہرایا تھا اور مرزا صاحب کی یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی۔ اس لیے اسلام، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی (معاذ اللہ) سچے نہیں تو وہ اس اعتراض کا کیا جواب دے گا؟ ایک مرتبہ الہامی صاحب نے کہا تھا کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری فلاں کوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی، جلد نمبر ۲۲، صفحہ ۵۸۱) ظاہر ہے کہ فرزند موعود کی پیشین گوئی ہر لحاظ ان کے سب سے پہلی پیشین گوئی تھی اور جس کی اساس پر مرزا صاحب نے اپنی عظمت کی بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر رکھی تھیں، جھوٹی نکلی۔ پس یہ ایک ایسی صریح ہار مرزا صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے کذب پر لگا دی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ کور چشم مولوی آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتے، دماغ رکھتے ہوئے نہیں سوچتے، کان رکھتے ہوئے نہیں سنتے۔ صم بکم عمی فھم لا یعقلون۔ (قرآن ۲/۱۷۱)

کون کون سے مرزائی تائب ہوئے

جب یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی تو اکثر مرزائی پھل ہو گئے اور انہوں نے تو خدا کے برتے توبہ کی ہی توفیق نہ ہوئی۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب سوداگر جرمن سلور انڈسٹری لاہور نے بیان کیا کہ مندرجہ ذیل مرزائی اس پیشین گوئی کے جھوٹا نکلنے پر مرزائیت سے تائب ہوئے۔ شیخ علی شاہ اپنی فکر ساکن ملہ چابک سواراں، لاہور، خواجہ محمد الدین و امیر الدین کوٹھی دار میں حکیل کشمیری بازار لاہور، میاں محمد چنڈ پنڈی دھن لاہور، مولوی فضل الٰہی محکمہ نہر محمد چنڈ پنڈی،

سوا کامل پیر محمد بخش پنڈی' حافظ محمد یوسف ضلع وار حافظ کمر امرتسری۔ یہ سب مرزائی مرزا صاحب کے بڑے معاون اور ان کے دست راست تھے۔ انہوں نے اپنی مال امداد سے قادیانی صاحب کو بہت کچھ قوی پشت کر رکھا تھا۔ جب یہ بلیغی ہو گئے' تو مرزا صاحب کی گویا کمر ٹوٹ گئی لیکن دنیا میں احمق اور بیوقوفوں کی کمی نہیں۔ آپ ہے کہ ان کی بلیغی کے بعد دوسری بھیلیوں نے ان کی جگہ لے لی ہوگی اور مرزا صاحب نے ان کی دان امانی شروع کر دی ہوگی۔

فصل-۵ پیر موعود کے متعلق الہامی صاحب کے عذر بائے لنگ

عزائیل یا شیر خول حر (مہر ۱۸۸۸ء) کو مرا تھا۔ اس بہت شکن اور کمر توڑ مرگ کے بعد اب بھی عزائیل یا شیر کی جانشین گھل پر اعتراضات ہوئے تو مرزا صاحب مختلف اوقات میں مختلف عذرات پیش کرتے رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قارئین کرام ان عذر بائے لنگ کی بھی ایک سیر دیکھ لیں۔ مرزا صاحب نے اپنی مقالی میں پیش کئے۔ الہامی صاحب نے سب سے پہلے کم دسمبر ۱۸۸۸ء کو یہ اشتہار زیر عنوان "حقیقی نقری بدلہ حالت اثیر" شائع کیا۔ اس میں یہ عذر لنگ پیش کیا کہ ۲۰ اپریل ۱۸۸۸ء اور ۲۰ اگست ۱۸۸۸ء کے اشتہار اس ذکر و تعلیمہ سے بالکل خاموش ہیں کہ لڑکا پیدا ہونے والا کیسا اور کون صفات کا ہے بلکہ یہ دونوں اشتہار صاف شہادت دیتے ہیں کہ لڑکے یہ اعتراض کے رد سے غیر متعلق اور غیر ضروری ہے۔ (تاریخ مرزا صاحب' مصنوی شاہ اللہ صاحب امرتسری' ص ۱۸)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بات کا حال معلوم کئے بغیر اس کا قبول یا رد کرنا اور آسمان سر پر اٹھا لینا عمل و حماقت کی دلیل ہے۔ ایسا جلد باز طبیعت بلاتحقیق کوئی کسی انسانی قول کا رد نہیں کر سکتا۔ اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ اگر ۱۸۸۸ء تک پیر موعود کا حال ابھی شروع مکشف نہیں ہوا تھا تو اس کے بعد کب ہوا اور وہ پیر موعود جو امیدوں کی رشکاری کا موجب ہونے والا تھا کہاں غائب ہو گیا؟ اسے زمین نگل گئی' یا جن بھوت اڑا لے گئے؟ اس سلسلہ میں مرزا جی نے جنوری ۱۸۸۸ء میں ایک اشتہار زیر عنوان "مستفین کے غور کے

واقعی" شائع کیا جس میں لکھا کہ اگر ہم اپنے ذہن سے کسی اپنے پیارے یہ خیال بھی کر لیں کہ شاید یہ وحی پیغمبر موعود ہے اور ہمارا ذہن غلط جائے تو اس میں الہام الٰہی کا کیا قصور ہے۔ (تلخیص رسالہ "جلد ۲ ص ۳۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم آپ کی اجتہادی غلطی کو تسلیم کئے لیتے ہیں لیکن ازراہ کرم اس عنوان اور تحریر کو تو واپس کیجئے۔ جس کے متعلق آپ کو مورخہ فروری" مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۱۱ء کو الہامات ہوئے تھے اور آپ نے اس کی مالکیر شہرت اور پبلسٹی کے متعلق پورے دو سال تک اہتمام پھیلائے رکھا تھا۔ قادیانی صاحب نے اس کے بعد کتاب "حقیقت فروغیہ" میں ۲۰ مورخہ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو شائع ہوئی تھی ۱۹۱۱ء کے الہامات اور اشتہارات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے مہدی معہود الحق فروغی کے اعتراض کے جواب میں لکھا اور لڑکا موعود کی نسبت یہ اعتراض تھا۔ سو خدا تعالیٰ نے جیسا کہ وعدہ فرمایا تھا لڑکے چار لڑکے عطا فرمائے پھر میں نہیں سمجھتا کہ اعتراض کیا ہوا؟؟ (حقیقت فروغیہ" ص ۳۴) اس کے متعلق التماس ہے کہ آپ نے چار لڑکوں کا وعدہ بھی ضرور ہوا ہوگا۔ لیکن ہمیں سوسائٹی ان سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو اس عنوان کی متعلق ہیں سرگرداں ہیں۔ جس کی نسبت آپ نے مورخہ فروری ۱۹۱۱ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ یہ صاحب علم و حکمت و دولت ہوگا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ یہ اس قدر جلد مرتبہ ہوگا کہ گویا بغل آپ کے (صلب) خود خدا تعالیٰ سے اتر کیا۔ پھر مورخہ مارچ ۱۹۱۱ء کے اشتہار میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ حسب وعدہ الٰہی فروری کے مہینہ میں ضرور پیدا ہوگا۔ فرض التماس یہ ہے کہ آپ کہیں سے اس پیشگوئی کا پتہ لگائیں کہ ہماری تسکین کر دیجئے جس کے لیے ہم ۱۹۱۱ء سے بیقرار و بیتاب پھر رہے ہیں۔ اس کے بعد کتاب "حقائق الفرقان" میں ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو شائع ہوئی قادیانی صاحب نے لکھا کہ اصل عنوان مل کے ادھر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کم فروری ۱۹۱۱ء کی پیشگوئی میں جو ایک پسر موعود کا وعدہ تھا وہ پورا نہیں ہوا کیونکہ پہلے لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا اور جس کا نام بشیر اول رکھا گیا تھا وہ سات مہینے کا ہو کر فوت ہو گیا۔ حالانکہ ۱۹۱۱ء کے اشتہار میں اسی کو بابرکت موعود فرمایا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اسی قسم کی خیانت ہے جو یہودیوں کے ضمیر میں تھی۔ اشتہار ۲۰ فروری میں جس لڑکے کی نسبت لکھا گیا تھا وہ بابرکت ہوگا۔

اس کی صفت میں استعمال ہوا ہے اور یہی کہا ہے کہ یہ عیسیٰ کو چار کرنے والا ہوگا جس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ چوتھا لڑکا ہوگا مگر پہلے لڑکے کے وقت کوئی عیسیٰ پیدا نہیں تھے جن کو وہ چار کرتے۔ (حقیقت الکتاب' مولفہ مرزا قاسم صاحب' صفحہ کتاب)

الہامی صاحب کا بیان کہ مبارک احمد ہی عمانوائیل ہے

عیسیٰ حقیقت الکتاب کی ایک اور عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس عیسیٰ کو چار کرنے والے مظہر جلال الٰہی اور دنیا کو راہ راست پر لانے والے قرار دیئے گئے تھے وہ پیدائش ۱۴ فروری ۱۸۸۸ء کو کی گئی تھی یہ مرزا صاحب کا چوتھا فرزند مبارک احمد تھا جو بتاریخ ۱۴ فروری ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوا گیونکہ اسی نے پیدا ہو کر مرزا صاحب کے تین بیٹوں کو چار کر دیا۔ چنانچہ مرزا جی نے حقیقت الکتاب میں ص ۱۰۵ سطر اخیر ۱۰۶ کو شائع ہونی تھی۔ میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے اس کی نسبت پیش گوئی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء میں کی گئی تھی۔ سو خدا نے میری تصدیق کے لئے اور تمام مخالفوں کی مخذولیت کے لئے اس پسر چہارم کی پیدائش کو ۱۴ فروری ۱۸۸۸ء کو پورا کر دیا۔ (حقیقت الکتاب' طبع اول' صفحہ ۲۳۲ و طبع دوم' صفحہ ۱۵) غرض مبارک احمد کی پیدائش کے بعد مرزا جی نے اسی کو ۱۸۸۸ء کا عمانوائیل قرار دینے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش سے اس کوشش میں بھی ناکام رہے کیونکہ اول تو اسے ۱۴ مارچ ۱۸۸۸ء کے اشتہار کے مطابق جس کا خلاصہ فصل اول میں درج ہو چکا ہے نو سال کے اندر اندر یعنی ۱۴ مارچ ۱۸۸۸ء تک پیدا ہو جانا چاہیے تھا لیکن مبارک احمد یہ معیاد سے چار سال بعد پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ یہ لڑکا بھی عالم طفولیت ہی میں مرزا جی کو داغ مفارقت دے گیا۔ چنانچہ خود مرزا جی لکھتے ہیں۔ میرا لڑکا مبارک احمد بقائمی ہوش کی عمر کو نہیں پہنچا تھا کہ فوت ہو گیا۔ (تبلیغ رسالت' جلد ۱۰ ص ۱۴۶) اور ظاہر ہے کہ ایک نابالغ بچہ اس بات کا کسی طرح اہل نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مظہر جلال الٰہی ہو اور دنیا کو راہ راست پر لا سکے۔ انسانوں کی رہنمائی کا منصب ہو اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے۔ غرض قادیانی نبوت کی بنیاد ہی غلط تھی۔ یہ پہلی پیش گوئی قادیانی نبوت کے لئے اساس کا حکم رکھتی تھی۔ جب خود ہی کنوئیں کی بنیاد ہی ٹیڑھی تھی تو نبوت کی عمارت کا ٹھکانا رہنا ناممکن تھا۔ پیش گوئی کے جھوٹا نکلنے کی اصلی وجہ انسان صاحب خود لکھ گئے ہیں چنانچہ

فرماتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ مدعی کذب کی جزا کھائی ہرگز پوری نہیں ہوتی؟ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور یہی توریت کی۔" (آئینہ کمالات، مرزا غلام احمد صاحب، صفحہ ۲۴۱)

فصل-۶ کیا مرزا محمود احمد ہی ضمائیل موعود ہیں؟

جب ضمائیل کی پیشین گوئی کے متعلق مرزائیوں کا پتہ بند ہو گیا ہے (وہ عالم ہے ہی میں اپنے معبود خلیفہ ثانی مرزا محمود احمد ہی کے سر پر ضمائیلیت کا تاج رکھ دیتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں مرزائی لڑکپن کی عمر ہونا تو شائع کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ الہامی صاحب نے مرزائیوں کے معبود خلیفہ کا نام لڑکا ہی صرف محمود اور رکھا تھا۔ (دیکھو تتمہ حقیقت رسالت، جلد اول، ص ۳۳) لیکن یہ کہ مبارک احمد کے بعد مرنے کی پر مرزا ہی اس اعتراض کی بوچھاڑ صاف تھی کہ آخر ضمائیل جس کا وعدہ تھا کہاں ہے؟ ان کا پتہ بند ہو جاتا تھا۔ اگر مجبور ہو کر بھی صاحب نے اس مشکل پر قابو کرنے کے لئے دو تدبیریں کیں۔ ایک تو یہ کہ محمود احمد صاحب کے ساتھ بشیر الدین کا دم بھی لگا دیا۔ دوسرے جب ۱۹۰۷ء میں دوسری بیوی کے اندر سے تیسرا بچا متولد ہوا تو اس کا نام بھی بشیر احمد رکھ دیا۔ اس کمبخت دل کا بھی اس کے اور کچھ مقصد نہ تھا کہ ضمائیل یا بشیر کی پیشین گوئی پر لوگ نہ ہنسیں تاکہ کچھ نہ کچھ لیا دیا تو فن قائل ہو جائے کہ آخر نسلیں اہل ہی کو اصل سمجھتی رہیں۔ غرض اس لحاظ سے کہ مرزا محمود احمد صاحب کے ساتھ بشیر الدین کا لفظ لگا دیا گیا ہے اکثر بے خبر مرزائی اسی مغالطہ میں پھنسے ہیں کہ مرزا محمود احمد ہی فی الحقیقت بشیر موعود ہیں لیکن ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔

مرزا محمود احمد بشیر موعود نہیں ہو سکتے

الہامی صاحب اپنا کل میں بشیر اول ہی کو ضمائیل موعود قرار دیتے اور لوگوں سے کہتے رہے کہ یہ لڑکا دین کا چراغ ہوگا اور اس کی شہرت روئے زمین میں پھیل جائے گی۔ جب وہ قریباً ایک سال کا ہوا تو مرزا صاحب کی الہامی گفتگو بند ہو گئی۔ جب اس عمل پر قریباً تین مہینے کی مدت گذری تو بشیر اول کے حق میں جلد ثانی ۱۸۸۸ء کو مرزا

صاحب نے یہاں محمود اور کے لفظ کی پیشین گوئی کی۔ اس پیشین گوئی میں شیر اول کی نسبت لکھا کہ وہ دین کا چراغ ہوگا اور محمود اور صاحب کے متعلق لکھا کہ وہ اپنے کاموں میں مستعد ہوگا۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ تھے۔ "خوشخبری وہ لڑکا بھی ہوگا جو دین کا چراغ ہوگا یعنی ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا۔ جس کا نام محمود اور ہوگا اور اپنے کاموں میں اولوالعزم لکھے گا۔" (تتمہ حقیقت الوحی' جلد اول' ص ۱۰۰) لیکن شیر اول اس پیشین گوئی کے سامنے تھی جیسے ہی یہ بچہ ۱۸۸۹ء کو طعہ اجل ہو گیا مرزا صاحب کو بڑا مفارقت دے گیا اور اسے دین کا چراغ ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی نظر میں دین کا مدوم چراغ وہی شیر اول تھا جسے ہمیشہ عرش میں شہرت و ناموری حاصل کرنی چاہیے تھی۔ لیکن یہاں محمود اور ان صفات سے عاری تھے۔ اس بنا پر مرزا جی نے انہیں صرف اس ایک صفت کا حامل بتایا کہ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ یہی یہاں محمود اور صاحب خنوائیل یا شیر موعود کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب شیر اول کی ولادت کے بعد برابر اس بات کے متمنی اور امیدوار رہے کہ خنوائیل موعود ان کے گھر میں پیدا ہوگا۔ مرزا محمود اور صاحب ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۱' ص ۱۵۱) اس کے بعد مرزا صاحب نے خنوائیل کی پیدائش کی پیشین گوئی ۱۸۹۱ء میں کی۔ مرزا محمود اور صاحب پورے دو سال کے شیر خوار بچے تھے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں بڑی الحاح کی۔ "خدائے تعالیٰ نے ایک فضلی اور فیلی بشارتی میں جو ہے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ آسمان سے اترے گا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کرے گا۔ وہ اسیروں کو رہائی بخشے گا اور ان کو جو شبہات کے زندانوں میں قید ہیں خلاصی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء" (ازالہ اوہام' ص ۱۸۸) پس ظاہر ہے کہ اگر مرزا محمود اور صاحب خنوائیل موعود ہوتے اور بقول مرزا صاحب ان کی یہ شان ہوتی کہ گویا (معاذ اللہ) خود خدا آسمان سے اتر گیا تو مرزا صاحب ان کی موجودگی میں خنوائیل موعود کے ظہور کی ہرگز پیشین گوئی نہ کرتے۔ مرزا محمود اور صاحب کے خنوائیل موعود نہ ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کی ولادت کے چار سال بعد مرزا صاحب نے اپنی کتاب "آئینہ کمالات"

میں ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء کو شائع ہوئی۔ تیسری مرتبہ عنوائیل کے نکاح کی پیشین گوئی کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی یہاں محمد اور مرزا صاحب کے نزدیک بشیر موجود نہ تھے۔ مرزا محمد اور صاحب کے بشیر موجود نہ ہونے کا پختا ثبوت یہ ہے کہ چونکہ مرزا صاحب عنوائیل یا بشیر موجود کے عدد کو پیش بان رکھتے تھے اور علامت مبارک یہ تھی کہ ہر تیسرے چوتھے سال اپنے مریدوں کو اس کی پیدائش کا مژدہ سنایا کرتے تھے۔ اس لئے جب الہامی صاحب کے تیسرے لڑکا یہاں شریف اور پیدا ہوئے تو لوگوں نے تذکرہ نزول یہ کہنا شروع کیا کہ مرزا صاحب کے گھر میں عنوائیل نے تو اب جنم لیا ہے۔ اس وقت بھی یہاں محمد اور صاحب چھ سات سال کی عمر میں ذی سلامت موجود تھے لیکن مرزا صاحب نے قضا پر دے کر کہا کہ بشیر موجود تو محمد اور ہے بلکہ اپنی کتاب انوار الاسلام میں ہو ۲۰ ستمبر ۱۸۸۸ء کو شائع ہوئی لکھتے "سچ ہے کہ ۸ اپریل ۱۸۸۸ء کو ہم نے اطلاع دی تھی کہ ایک لڑکا ہونے والا ہے" سو پیدا ہو گیا۔ ہم نے اس لڑکے کا نام مولود موعود میں رکھا تھا۔ اب لڑکے کے پیدا ہونے میں جنگلی تھی اور اگر ہم نے کسی الہام میں اس کا نام مولود موعود رکھا تھا تو ہم پر کیا الزام ہے جب تک یہ الہام بیان نہ کرے۔ وہذا لعمت اللہ علی الکاذبین" (انوار الاسلام" ص ۳۶) مرزا محمد اور صاحب کے بشیر موجود نہ ہونے کی پانچویں دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب کا آخری لڑکا مبارک احمد ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس وقت محمد اور صاحب کی عمر دس سال کی تھی۔ بارہا اس کے مرزا صاحب نے محمد اور صاحب کو پوچھا تھا۔ میں اور ایک عقل فہم شخص کو عنوائیل اور بشیر موجود کا رجوع نکل ہوا۔ چنانچہ مرزا صاحب نے تریاق القلوب میں لکھا "میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے اس کی نسبت جنگلی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء میں کی گئی تھی۔ سو خدا نے میری تصدیق کے لئے اور تمام مخالفوں کی تکذیب کے لئے اس پسر چہارم کی جنگلی کو ۱۸۸۸ء میں پورا کر دیا"۔ (تریاق القلوب" طبع اول" صفحہ ۳۰۲" طبع دوم" ص ۲۵۱) مبارک احمد الہامی صاحب کی امیدوں کا آخری سہارا تھا۔ جب دیکھا کہ نزول کرنے ہر طرح سے ناامید ہے تو ارادہ کیا کہ اس بچہ کی شادی کی خوشی بھی دیکھ لیں چنانچہ آٹھ ہی سال کی عمر میں اس کے لئے ایک دلہن پسند کی گئی اور اس بیچارے کو شادی سے پہلے ہی سخت اسہال میں مبتلا کر دیا۔ لیکن وہ اپنی شادی کے چند ہی روز بعد مر گیا۔ اگر مرزا محمد اور صاحب میں صلاحیت

ہوئی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مبارک احمد کے بعد مرزا صاحب انہی کو خدا تعالیٰ حسب تفہیم فرما کر اس کا اعلان نہ کر دیتے لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مرزا محمود احمد صاحب بشیر موعود نہیں ہیں۔

باب نمبر ۳

علمائے موافقین کی ہمدردانہ نصیحت

جب پسر موعود کی پیشین گوئی نے مرزا صاحب کی عزت کو خاک میں ملا دیا تو مولوی محمد حسین بٹالوی اور بعض دوسرے اہل حدیث علماء نے کامل ملی ہمدردی کے ساتھ مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ آئندہ اس قسم کی بیہودہ اور گمراہ کن پیشین گوئیوں کو بیان کر کے خواہ مخواہ اسلام کی رسوائی کا موجب نہ بنا کریں۔ لیکن مرزا صاحب بجائے اس کے کہ اس غیر خوشگوار حادثہ سے نصیحت حاصل کرتے الٹا ناراض ہونے لگے کیونکہ انہوں نے نفس اور رعب نبوتی کی جو دکان پھیلائی تھی اس میں اس جنس کے لئے کام نہیں چل سکتا تھا۔ بہرحال مرزا جی نے اپنے اشتہار میں جو "مقابل تقریر بمقابلہ مولوی محمد حسین بٹالوی" کے زیر عنوان یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو شائع کیا تھا ان ناصحین مشفق کی خوب خبر لی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "اس کل میں یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض اہل علم احباب کی ہمدردانہ تحریروں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ بھی اس عاجز کی پیشگوئی پر کماحقہ وارد نہیں کرتے کہ برکات دعا میں و کیفیات صلوٰۃ کو جو بذریعہ قبولیت دعا و مکالمات و مخاطبات جلیل القدر ہوتا ہے لوگوں پر ظاہر کیا جائے۔ بعض کی ان میں سے اس بارہ میں یہ بحث ہے کہ یہ باتیں تھی تھی ہیں خود ان کے ضرر کی امید ان کے فائدہ سے زیادہ تر ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ تمام بنی آدم میں مشترک و تساوی ہے۔ شاید کسی قدر فوقیت کی بیشی ہو بلکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ قریباً یکساں ہی ہیں۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ ان امور میں مذہب اور اعتقاد اور تعلق باللہ کو کچھ دخل نہیں بلکہ یہ خلقی خواص ہیں جو انسان کی فطرت کو لگے ہوئے ہیں اور ہر ایک بشر سے مومن ہو یا کافر صادر ہو یا فاسق کچھ تھوڑی سی کمی بیشی کے ساتھ صادر ہوتے رہتے ہیں۔

یہ قرآن کی کامل دلیل ہے جس سے ان کی صداقت کے اور عقلی خیالات اور صحیح علم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مگر فراست سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلقت اور جب دنیا کا کیڑا ان کی ایمانی فراست کو باطل کھا گیا ہے۔ ان میں سے بعض لیکھے ہیں کہ جیسے جہنم کا جذام انتہا کے درجہ تک پہنچ کر منتہا انتہا تک نوبت پہنچاتا ہے اور ہاتھوں پیروں کا گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ان کے روحانی اعضا و روحانی قوتوں سے مراد ہیں۔ باعث اس بیماری دنیا کے لگنے سڑنے شروع ہو گئے ہیں اور ان کا قصہ فقط ہنسی اور ٹھٹھا بن گیا اور بے کمالی ہے۔ دینی معارف اور حقائق پر غور کرنے سے بالکل بیزاری ہے۔ بلکہ یہ لوگ حقیقت اور معرفت سے بکلی بے خبر نہیں رکھتے اور کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ ہم دنیا میں کیوں بھیجے گئے اور ہمارا اصلی کمال کیا ہے؟ بلکہ جیسے دنیا میں دن رات غرق ہو رہے ہیں۔ ان میں یہ بھی ان باتی نہیں رہی کہ اپنی حالت کو ٹٹولیں کہ یہ کیسی سچائی کے طریق سے گری ہوئی ہے اور بڑی بدقسمتی ان کی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی اس خانہ خرابی کو پوری پوری محنت خیال کرتے ہیں اور ہر طبقی محنت و تگ و دو سے اس کو بظر تحسین و استحسان دیکھتے ہیں اور کمالات حاصلہ اور قرب الٰہی کی حقیقت بالکل ان کے دلوں پر سے اٹھ گئی ہے اور خودبینی اور خدا فراموشی کی یہ مصیبت پیدا ہو گئی ہے بلکہ اگر یہی حالت رہی تو ان کا ایمان قائم رہنا بھی بجز مرض الموت کے نظر نہیں آتا ہے۔" (کرامات الصادقین، مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی، ص ۱۲)

باب نمبر ۳۸

محمدی بیگم سے شادی کرنے کی پیشین گوئی

فصل-۱ ایک احسان کے معاوضہ میں لڑکی دینے کا مطالبہ

محمدی بیگم کے باپ احمد بیگ سے الٰہی صاحب کی مشتی گہری قرابت تھی۔

(۱) یہ مرزا صاحب کا بھتیجا تھا کیونکہ الٰہی صاحب کی عم زاد بہن عمر النساء

اس کی بیوی تھی۔

(۴) بنرلی کا بھائی تھا کیونکہ الہٰی صاحب کی حقیقی بہن امیر بیگ کے حقیقی بھائی امیر بیگ سے بیاہی گئی تھی۔

(۳) یہ مرزا صاحب کی بہو عزت بی بی کا حقیقی ماموں تھا۔

(۴) مرزا صاحب کے بڑے بھائی امام قلی کا سمدھی تھا۔

(۵) مرزا صاحب کے ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کا سسرالی بھائی تھا۔

(۶) امیر بیگ کی بھتیجی الہٰی صاحب کے ہم زاد بھائی امام حسین سے بیاہی گئی تھی۔

علی شیر بیگ الہٰی صاحب کے سسرالی بھائی بھائی بیوی کے برادر حقیقی بھی تھے جسے مرزا صاحب نے تادم وفات سسرالی رشتہ کو نہ نظر انداز کیا نہ فراموش کر دیا تھا۔ الہٰی صاحب کے برادر نسبتی امیر کی بیوی جس کا نام عزت بی بی تھا ان کے ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کی بیٹی تھی اور محمدی بیگم کی والدہ عمر النساء مرزا صاحب کے چچا غلام محی الدین کی بیٹی تھی۔ اس طرح محمدی بیگم مرزا صاحب کی بھائی لگتی تھی۔ اصل حقیقت نے مرزا امیر بیگ کو ہم خاندان کا ماموں زاد بھائی بھی لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حقیقی ماموں کا بیٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی حقیقی بہن الہٰی صاحب کے حقیقی ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کے عقد میں تھی۔ اغلب ہے کہ ماموں کا برادر زاد ہو گا۔

آسمانی نکاح اٹل ہے

عہد علی مندرجہ کے مراقی اشتہار میں آسمانی نکاح کی پوری تفصیل پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے اس اشتہار میں لکھا کہ محمدی بیگم کے ماموں (مرزا امام الدین وغیرہ) ہر مجھ کو مہیب دعوی الہام میں مکار اور دروغ گو تصور کرتے تھے یہ سے کوئی نشان آسمانی مانگتے تھے۔ اس وجہ سے کئی دفعہ ان کے لیے دعا کی گئی۔ سو وہ دعا قبول ہو کر خدا تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ والد اس دختر کا (مرزا امیر بیگ) ایک اپنے ضروری کام کے لیے ہماری طرف بھیجی ہوئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امیر بیگ کی ایک بھتیجی عرصہ سے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین نامی سے بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ سے کسی سال سے کہیں چلا گیا ہے اور

مقدور اکثر ہے۔ اس کی زمین کلیسیہ جس کا حق ہمیں پہنچتا ہے ہم یہ کی اکثیو کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرا دی گئی تھی۔ اب سال کے بندوبست میں ہر ضلع گورداسپور میں جاری ہے۔ مرزا امیر بیگ نے اپنی اکثیو کی نسبت سے یہ چاہا کہ یہ زمین ہر چار پانچ ہزار روپیہ قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرا دیں۔ چنانچہ ان کی اکثیو کی طرف سے یہ ہبہ لکھا گیا۔ چونکہ یہ ہبہ ہندو (انگریزی قانون کے بموجب) بچوں جاری رضامندی کے پایا گیا اس لیے مرزا امیر بیگ نے ناظر ان اکسار جاری طرف رجوع کیا۔ تاکہ ہم اس ہبہ پر راضی ہو کر اس ہبہ پر دستخط کریں اور قبضہ دلا کر دستخط کرنے تھے۔ ہمیں خیال کیا کہ جانب الٰہی میں استخارہ کرنا چاہیے۔ سو یہی جواب امیر بیگ کو دیا گیا۔ پھر امیر بیگ کے حوالہ امرار سے استخارہ کیا گیا۔ یہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی فرمان کی درخواست کا وقت آ پہنچا تھا جس کو خدا تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کردیا۔ اس ذوالجلال قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں (بڑی لڑکی) کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان سے کہہ دے کہ تمام سلوک اور محبت تم سے اسی شرط سے کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام خطرناک ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ بعد نکاح سے ۲ سال تک اور فیصلہ ہی واقعہ اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ پھر ان دنوں میں بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ یہ امیر بیگ کی دختر کلاں کہ جس کی نسبت یہ درخواست کی گئی تھی ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں آوے گا اور یہ بات خدا کو مسلمان جانے گا اور کرامتوں میں پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ عمل انجام اس بات میں یہ ہے کہ انہوں نے تمام شرائط کو بخوشی اور پہلے سے بڑھ کر پورا کیا تھا۔ سو خدا تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لیے ہر اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لاوے گا۔ کوئی نہیں ہر خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تمہارا رب وہ قادر ہے جو چاہے وہی ہو جاتا ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ گو ذلیل ہیں احمق اور نادان لوگ بدباطنی اور بدظنی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں لیکن آخر خدا تعالیٰ کی مدد کو دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور ہماری کے

کیلئے سے چاروں طرف سے مجری تحریف ہو گئی۔ (تاریخ رسالت' جلد اول' ص ۱۵۰-۱۵۱) فرقہ الہامی صاحب کو خود فرشتہ "سلطنت برادری اور یکسانی کا اولین شرعی موقع ہاتھ آیا۔ وہ کہ حقوق قرابت' شرافت نفس' شرف و بہر انسانی اور احسان و ایثار کے دینی مسئلہ کا انتظار تھا کہ مرزا صاحب یہ کام بلاتاخیر کرتے لیکن چونکہ قانون کے بہر صاحب ان مسئلہ عالیہ سے عاری تھے۔ اس لیے امیر بیگ سے اس سلوک و مروت کا صلہ لڑکی واپس دینے کی مثل ہی طلب کیا۔ حالانکہ مرزا صاحب اس عرصے نجوز کر چکے تھے جو لڑکی کے لیے مضر خیال ہے۔ امیر بیگ نے اس شرمناک مطالبہ کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اور حق قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے اس حرکت کا کوئی انتقام نہ لیا۔ حالانکہ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو جب تک اس غیر شریفانہ حرکت کی سزا نہ دے لیتا اس کے جذبات انتقام کو تسکین نہ ہوتی۔

خواتین ازدواج کا مقصد

لدھیانہ کے مسیحی رسالہ "نور افشاں" نے مرحوم ۱۹۰۸ء کی اشاعت میں لکھا کہ "جب مرزا صاحب کے فارغ میں پہلے ہی ۱۸ بیویاں ہیں اور ان کا ہونا موجود ہے تو پھر اس لڑکی کی تمنائے ازدواج محض خواہشات نفسانی کا نتیجہ ہے"۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے مورخہ ۱۹۰۸ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ "اس لڑکی سے عقد ہونے کی پہلی تجویز کرنا اس وجہ کی ہے کہ یہ لڑکی ہوز نابالغ تھی اور اس کی عمر آٹھ یا نو سال کی تھی۔ تو اس پر نفسانی اغراض کا گمان کرنا حماقت ہے"۔ (تاریخ رسالت" جلد اول" ص ۱۵۸) قادیانی صاحب نے اس اشتہار کے پانچ روز بعد ایک اور اعلان شائع کیا جس میں محمدی بیگم کی خانہ داری کے یہ وجوہ قرار دیئے۔

- ایک جگہ لکھا کہ "میرے سے یہ لوگ بد سلوکی کرتے ہیں اور اقارب میں کیا مرد اور کیا عورت مجھے میرے الہامی دعاوی میں کاذب اور دکاندار خیال کرتے ہیں۔ اس لیے خدا نے ان کی بھلائی (اور اصلاح) کے لیے انہی کے خاندان اور درخواست سے اس الہامی تجویز کو (اور نکاح کے) ظاہر فرمایا (تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ مرزا صاحب اپنے الہامی دعووں میں کاذب اور دکاندار نہیں

ہیں)۔

(۲) ایک اور وجہ یہ بتائی کہ محمدی بیگم کے اظہار رسم پرستی کی وجہ سے لڑکی کا غیر جنسی ماحول سے تعلق کرنا معیوب سمجھتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے (یہ تعلق) ایک ایسا امکان قرار دیا جس سے ان کے دین کی اصلاح و بدعت اور خلاف شرع رسم کی بیخ کنی ہو جائے مگر آنکھ اس قوم کے لیے اپنے رشتوں کے بارے میں کچھ کھلی اور حرج نہ رہے۔ (تبلیغ رسالت" جلد اول" ص ۱۸۱) لیکن ظاہر ہے کہ چونکہ مرزا صاحب دنیا میں محمدی بیگم کو سلک ازدواج میں منسلک کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس لیے مخالف لوگ یہ نتیجہ نکالنے میں برحق سمجھے جائیں گے کہ یہ تعلق کوئی آسمانی نشان تھا نہ اس سے کوئی اصلاح ممکن تھی بلکہ باغ حسن کی گل چینی کا اشتیاق اور نفسانی جذبات کی تکمیل ہی الہامی صاحب کے پیش نظر تھی۔ اسی طرح مرزا صاحب کے اقارب کا انہیں الہامی دعووں میں وکلاء دلیل کرنا بھی حقیقت پر مبنی تھا۔

خواہش ازدواج کا اصل محرک

اب رہا محمدی بیگم کا لطیف اثر ہے۔ جہاں تک اس پر خوش فہمی سے پردہ اٹھایا ہے لیکن سنا جاتا ہے کہ جب گلزار اخلاق میں بہار پر تھا تو چند اقارب طالب تھے۔ اسی بنا پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "مرزا صاحب وحی سے اس کے طبع رشتہ کا پروانہ پہلے ہو چکے تھے"۔ میرے نزدیک ممکن ہے کہ لڑکی کے حسن و جمال نے ابھی شادی کی سفارش کی ہو لیکن اصل محرک بلاشبہ اقارب تھے جن میں خاندان کے مسیحا صاحب کو تیسری بیوی سے حظ کرنے کی بشارت دی گئی تھی۔ محمدی بیگم الہامی صاحب کے عم زاد بھائیوں امام الدین، نظام الدین اور کمال الدین کی حقیقی بھانجی تھی اور ابتدائی واقعہ کے ساتھ زنانہ تو خاندان ہی میں رہا تھی۔ البتہ ماں بچی ان دنوں ہوشیار پور چلی جاتی تھیں جب مرزا احمد بیگ پولیس کی ملازمت سے تبادلہ کرا کر ہوشیار پور آتے تھے۔ چونکہ خاندان میں محمدی بیگم کے ماموں کا سلطان الہامی صاحب کے دولت کدہ سے بالکل ملا ہوا تھا اس لیے ہم صاحب کو اس لڑکی کے مطالعہ جمال کے مواقع بہت زیادہ حاصل تھے۔ پس ممکن ہے کہ لڑکی

کے حسن و جمال نے بھی کبھی ہوس فاسق کی شکایت و تحریک کی ہو لیکن اصل تحریک شیطانی
ہی الہام نے کی تھی ہو کچھ عرصہ سے مرزا صاحب کے دل و دماغ پر مسلط رہتا تھا کہ
تمہیں تیسری شادی سے بھی ہرگز نہ کیا جائے گا۔ تو جب تمہیں کہ تیری شادی کے
حالات بھی خواص حقانی کی مار پر گزرنے لگے ہوں۔

الہام دوحی آسمانی کے ٹیلے کیوں تراشے گئے؟

مرزا صاحب کو یقین تھا کہ اگر وہی خود یہ فاسق کی درخواست کریں گے تو منظور نہیں
ہوگی کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے بدبخت بدکاروں کو کنواری لڑکی دینا گوارا نہیں کرتا جس کی
پہلے بھی دو بیویاں اور داماد زندہ ہوں۔ خصوصاً ایسے شخص کو جو ۱۱ سال سے
اسلام سے خارج قرار دے چکے ہوں۔ اس لیے مرزا صاحب نے آسمانی وحی و الہام کو پیر
بنایا اور کہا خدا نے لکھ رکھا ہے کہ تمہاری نکاح تمہارے حلقہ میں کرے گی۔ یہ لفظ "تمہاری"
بڑی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ آسمان پر نکاح پڑھا گیا ہے۔ اب تو زمین پر
اس نکاح کی سلسلہ جنبانی کرنی تھی۔ لیکن آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ یہی آسمانی نکاح مرزا
صاحب کی حسرتوں کا خون خرابہ بن گیا۔ دوسری وجہ یہ اہل حلقہ رشتوں کی دریافت سے
ناکام راقم الحروف تک پہنچی ہے کہ الہامی صاحب نے تمہاری نکاح پر کتابیں لکھ اس کی
اپنی سیلیں چھوڑ رکھی تھیں وہ اسے مرزا صاحب سے شادی کرنے کی ترغیب دیتی
تھیں اور اسے اس قسم کی باتیں بھی سمجھائی جاتی تھیں کہ سینکڑوں ہزاروں روپے کی
یورپین کمپنی کے مالک مرزا صاحب کو اتنی بڑی عزت اور حشمت اور جاہ حاصل ہے کہ
بڑے بڑے لاٹ اور پادری اور دوسرے اعلیٰ عہدہ دار گاہوں آکر مرزا صاحب کے پیر چومتے
اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اگر تمہیں ان کی زوجیت کا شرف نصیب ہو تو مدت العمر
شاہزادیوں سے بڑھ کر عیش و راحت اور عزت و حشمت کی زندگی بسر کرو گی۔ یہ بھی تحریک
ہوتی تھی کہ تم اپنی ماں پر زور ڈالو کہ تمہاری شادی مرزا صاحب سے کریں۔ الہام کا زبان
مسلسل تحریکات نے تمہاری نکاح کو بھی مائل کر دیا اور اس نے وعدہ کر لیا کہ میں ماں سے اس
خواہش کا اظہار کروں گی۔ جب لڑکی نے اظہار کر دی تو آپ پر یہ مرحلہ باقی نہ رہا کہ کسی طرح
لڑکی کے باپ کو بھی قائل کیا جائے لیکن اس کی زندگی مشکل تھی۔ اس لیے اس کو مطلب

کرنے کے لیے خوفناک انتظامات کا حکم تجویز کیا گیا۔ اب لڑکی کا نکاح علی مسعود بیگ سے ہو چکا تھا۔ مرزا صاحب کی امیدوں کی بنیاد گوش صاحب سے سرگوشیاں کر رہی تھی اور انہیں اپنی کامیابی کا ہر طرح سے کامل وثوق تھا۔ اسی بنا پر ان کا ارادہ تھا کہ اگر محمودی بیگم کے داماد اور دوسرے اقربا کسی طرح نہ مانیں گے تو لڑکی سے کہہ دیا جائے گا کہ وہ اقربا سے قطع تعلق کر کے خود بلا مرزا صاحب کے حکم کے سسرال میں پہنچ جائے۔ انہی مشاورت کے ساتھ انہوں صاحب نے لفٹیننٹ بیگ کی سعید پر قدم رکھ کر انتظامات اور تلقین گزینوں کے طوفان بپا کر دیئے تھے۔ کوئی معلوم نہیں کہ آخر کیا کر کر محمودی بیگم کی رضا جوئی خلاق اصل پر کیوں رکھی رہ گئی اور مرزا صاحب کی اصلی حکومت کو پس منظر اور کا ایک نیا دور کیوں شروع ہو گیا۔ لیکن اس کی وجہ ایک اور راوی نے یوں بیان کی ہے کہ میاں محمود احمد کی والدہ محمودی بیگم کی ماں کے پاس ہر روز یہ پیام بھیجا کرتی تھیں کہ تم فوراً سے اپنی لڑکی کو میرے سپرد کر دو تاکہ میں اس سے ہر روز میں میرا علاج ہوا کریں گی۔ ان ہتھکنڈوں سے محمودی بیگم کو بھی بدظن کر دیا تھا۔ مولوی عبدالکریم کا بیان ہے کہ اسی بنا پر الہامی صاحب کے فرزند اکبر مرزا سلطان احمد صاحب کہا کرتے تھے کہ خواندہ نے محمودی بیگم کے لیے سارے جہان سے لڑائی مول لے رکھی ہے۔ لیکن اپنی بیوی کو نہیں سمجھاتے کہ اس قسم کے فتنہ انگیز پیام بھیج کر ان کے کام میں دخل نہ دیا کریں۔"

فصل - ۲ لڑکی والی الملاقات کا طوفان

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب نے پہلے پہل دعا کر دینے کے عوض میں لڑکی لینے کا شرمناک سودا کرنا چاہا تھا۔ الہامی صاحب نے اس خیر فروشانہ حرکت پر انکار کیا مگر اب محمودی بیگم کے عزم نے انکار اب اور دوسرے اقربا کو الہامی حربے چلا چلا کر خوف زدہ کرنے کا اقدام بھی شروع کر دیا۔ اسی سلسلہ میں چند روز کے بعد مرزا احمد بیگ کے نام ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "خدائے قہار نے اپنے کلام پاک سے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ اگر آپ اپنی دختر کلاں کا رشتہ میرے ساتھ منظور کریں تو وہ تمام خوشیاں آپ کی دور کر دے گا۔ اگر یہ رشتہ وقوع میں نہ آیا تو آپ کے لیے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز

مبارک نہ ہوگا اور اس کا انجام بد اور عاقبت خراب ہوگی۔ یہ دونوں طرف برکت اور سعادت والی ہیں کہ جن کو آزمانے کے بعد میرا صادق یا کاذب معلوم ہو سکتا ہے"۔ (اشاعۃ کلمات موقد مرزا غلام احمد صاحب' ص ۱۲۷) اس خط سے قومی نیچر کے الہام پر کچھ اسی طرف رجحان ظاہر نہ ہوا بلکہ الٹا مرزا صاحب کی تغلیط و تذلیل کے درپے ہو گئے۔ الہامی صاحب نے یہ خط کمال رازداری سے لکھا تھا اور مرزا صاحب تک کو تاکید کی تھی کہ یہ راز افشا نہ ہونے پائے لیکن مرزا غلام قادیانی نے حسب سابق صاحب کا خط زاد بھائی اور قومی نیچر کا حقیقی ماموں تھا یہ بھانڈا بازاروں کے چوراہے پر پھوڑ دیا۔ چنانچہ الہامی صاحب لکھتے ہیں۔ "نور القلب" نے اعتراض کیا کہ اگر یہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا اور اس پر کسی انکار تھا تو پھر پوشیدہ کیوں رکھا گیا اور کیوں اپنے خط میں پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک غائبی معاملہ تھا اور گو ہم شائع کرنے کے لیے مامور تھے مگر ہم نے دوسرے وقت کی انتظار کی۔ یہاں تک کہ اس لڑکی کے ماموں مرزا غلام قادیانی نے جو مرزا امام الدین کا حقیقی بھائی ہے۔ شدت غضب میں آکر اس مضمون کو چھپ کر شائع کر دیا اور پھر دیانی الشاعت پر اکتفا نہ کر کے اشتہاروں میں بھی چھپوایا اور بازاروں میں ان کے دکھلانے سے یہ خط چاہا چھپا گیا اور عورتوں اور بچوں تک اس خط کے مضمون کی خبر کی گئی اور مرزا غلام قادیانی کی کوشش سے بھی یہ خط "نور القلب" میں بھی چھپا۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی' جلد نمبر ۱۱' ص ۴۸۷)

آسمانی بشارت کہ محمدی بیگم انجام کار تمہاری بیوی بنے گی

الہامی صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا کہ "خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ خدا ایک لڑکا ہوا کر تجھ سے تباہ کرے گا۔ یہ ایک یقینی گوئی کی طرف اشارہ ہے جو پہلے شائع ہو چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں بطور کے طور پر پیش گوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے اگر وہ اپنی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس کے قریب فوت ہو جائے گا۔ اور وہ جو نکاح کرے گا وہ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہوگا اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں

میں داخل ہوگی"۔ (تبلیغ رسالت جلد اول' ص ۱۰ طبع جدید) جب مقدس آدمی کا کوئی دوست اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو شیطان اس خیال کے ذریعہ اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا دوست جنت میں داخل ہوگیا۔ اس کے برعکس جب کوئی شخص اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو شیطان اس خیال کے ذریعہ اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا دوست جہنم میں داخل ہوگیا۔ اس قسم کے الہام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مومن کو اس کے دوست کی موت پر غم زدہ کیا جائے۔ اس قسم کے الہام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مومن کو اس کے دوست کی موت پر غم زدہ کیا جائے۔ اس قسم کے الہام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مومن کو اس کے دوست کی موت پر غم زدہ کیا جائے۔

خدائی وعدہ میں شک نہ کرنے کا الہام

ایک مرتبہ کسی خطرناک بیماری نے مرزا صاحب کو زندگی سے مایوس کردیا۔ حالت ایسی ہوگئی کہ سخت اذیت دہ ہے اور کوئی تدبیر کی جائیں کوئی چارہ نہیں ہوتی۔ اس حالت میں آپ کو الہام ہوا کہ "اپنے رب کے وعدے کی پہلی میں قطعاً شک نہ کرو"۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔ "جب کہ ایسی بیماری پوری نہیں ہوئی تھی جیسا کہ اب تک بھی ۲۰ اپریل ۱۹۰۸ء پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری تھی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کردی گئی۔ اس وقت کچھ

بیگمؒ کی آنکھوں کے سامنے آ گئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جہاں چلنے والا ہے۔ تب میں نے اس بیگمؒ کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور بھی لڑکے ہوں گے جو میں نہ سکا۔ اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْتَدُّوْنَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔" (ازالہ اوہام مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب، مطبع نجم ہند، ص ۱۹۱)

موانع نکاح دور کرنے کے آسمانی ذریعے

محمدی بیگم کے پیام نکاح کے بعد الہاموں کے مالک خدا کی طرف سے مرزا صاحب کو اس قسم کے مسلسل پیام آتے رہے کہ میں ہر قسم کے موانع دور کر کے محمدی بیگم کو تمہاری بیوی بنواؤں گا۔ چنانچہ الہامی صاحب نے ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا "پھر ان دنوں میں اور زیادہ تصریح اور تفصیل کے لیے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ یہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا۔" (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص ۱۹۱) اس اعلان کے قریباً تین سال بعد اس جذبہ عشق کا لحاظ رکھتے ہوئے اور محمدی بیگم کے اقربا کے دلوں میں مرزا صاحب کے خیال کو نیا جذب الٰہی صاحب کو تعین ہوا کہ محمدی بیگم شوہر کی دوسری بیگ دیکھ جائے گی تو مرزا صاحب اس قسم کے الہام شائع کرنے لگے کہ یہ بیوہ ہونے کی حالت میں واپس ہونے کے بعد ہر حالت میں ان کے اندر تبدیل کی نوبت ہے گی۔ چنانچہ کتاب ازالہ اوہام میں ۱۸۸۸ء کو شائع ہوئی لکھا کہ "راقم رسالہ ہذا اس مقام پر خود صاحب تحریر ہے قریباً تین برس کا ہوا ہے کہ بعض گمنامی کی وجہ سے جن کا مفصل ذکر اشتہار دیم جولائی ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے۔ خدائے تعالیٰ نے بذریعہ کشفی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گامن بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں ایام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور یہ لوگ بہت حوالت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور زور کو مشتعل کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا یا کہ بیوہ ہونے کی حالت میں واپس کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اس کام کو ضرور

پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (ازالہ طبع پنجم ص ۱۵) اس پیشین گوئی میں مرزا جی کے الہام دہلی نے مرزا جی کو الہام کیا کہ محمدی بیگم یا تو کنوار پن کی حالت میں تمہارے وقت تصرف میں آئے گی یا بیوہ ہو کر۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ الہام بجائے خود مرزائی قصر عصمت کو پیوند خاک کر دیا ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا صاحب کو الہام کرنے والا اتنا جاہل اور بے خبر تھا کہ اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ یہ قانونی صاحب کی آسمانی حکومت کو شادی سے پہلے ان کے گھر عورتوں کی زینت بنائے گا یا شادی کے بعد بیوہ کر کے مرزا صاحب کے سپرد کرے گا۔

فصل - ۳ محمدی بیگم کے نکاح کو اپنے صدق یا کذب کا معیار ٹھہرانا

اصل وجائیں ظاہر ہونے سے پہلی جتنی ہیں اس لیے مخالف لوگ ان کی علمی رنگت اور درخشندگی کو دیکھ کر بلا تامل قبول کر لیتے ہیں لیکن ان کا اصل بطلان اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب صراف کے پاس پہنچ کر کسوٹی پر کسی جاتی ہیں پھر کہ مرزا صاحب بھی ان وحائیں ظاہر ہونے سے پہلی جتنی ہیں اس لیے مخالف لوگ ان کی علمی رنگت اور درخشندگی کو دیکھ کر بلا تامل قبول کر لیتے ہیں لیکن ان کا اصل بطلان اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب صراف کے پاس پہنچ کر کسوٹی پر کسی جاتی ہیں پھر کہ مرزا صاحب بھی الہام خود کے الفاظ کو الہام خداوندی خیال کرتے ہوئے اپنے تئیں بہ سرق اور بامور من اللہ یقین کیے بیٹھے تھے اس لیے ضرور تھا کہ وہ بھی اپنے سچا ہونے کے معیار قائم کرتے اور لطف یہ کہ جب بھی ان معیاروں پر انہیں پرکھا جاتا تو ان کا کذب ہی ظاہر ہوتا تھا۔ مرزا صاحب نے اپنے صدق و کذب کی ایک کسوٹی یہ بنائی تھی کہ اگر محمدی بیگم بکھے مل گئی تو سچا ہوں ورنہ جھوٹا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الہار "تذکرۃ الشہادتین" میں ان کا یہ الہام مرزا اور تک شائع ہوا اس میں لکھتے ہیں "خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک سے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ اگر آپ اپنی دختر کلاں کا رشتہ میرے ساتھ منظور کریں تو یہ تمام خوشیاں آپ کی دور کر دے گا۔ اگر یہ رشتہ وقوع میں نہ آیا تو آپ کے لیے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا اور اس کا انجام بد اور تکلیف دہ ہوگا۔ یہ دونوں طرف برکت اور سعادت کی پیش گوئیاں تھیں جن کو جانچنے کے بعد میرا صدق یا کذب معلوم ہو سکتا ہے۔" (البشریٰ کلاں ص ۲۰۱) اس کے بعد مرزائی حضرات کے اشتہار

میں لکھا کہ "جب مرزا غلام القادیانی کی شکل سے یہ فقرہ "اور الفضل" میں چھپ گیا اور عیسائیوں نے اپنی ماں کے سہاگ پر بڑا فخر کرنا شروع کیا تو ہم پر فرض ہو گیا کہ اپنی قسم سے اصلیت کو ظاہر کریں۔ بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ خدا صادق یا کذب جانچنے کے لئے دنیا میں کوئی سے بڑھ کر اور کوئی ٹیسٹ امتحان نہیں ہو سکتا"۔ (تحفۂ رسالت' جلد اول' ص ۱۸۷) مرزا صاحب نے قسمی نکاح کے حق نکاح کو اس حیثیت سے بھی اپنے حق و باطل کا معیار ٹھہرایا تھا کہ مرزا صاحب کے اتباء انہیں الہامی دعووں میں سچا اور راستباز خیال کرتے تھے اس لئے حسب بیان مرزا صاحب' فرمائے قبلی نے ان کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے یہ الہامی پیشگوئی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "ایک عرصہ سے یہ لوگ یہ بھید کھلے سے اور میرے اصحاب میں کیا مرد کیا عورتیں مجھے میرے الہامی دعووں میں سچا اور راستباز خیال کرتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے انہی کی ہدایتی کے لئے انہی کے لفظ سے انہی کی درخواست سے اس الہامی پیش گوئی کو ظاہر فرمایا ہے۔ تاکہ یہ پہلے مخالفوں کو کوئی شک اور شبہ یا ایک ساعت بھی مجھ پر بدظنی نہ کر سکے"۔ (تحفۂ رسالت' جلد اول' ص ۱۸) ظاہر ہے جو کچھ محترمہ محمدی بیگم مرزا صاحب کے نکاح میں نہ آئیں اور ان کا یہ بیان کہ خدا تعالیٰ نے اس لئے مرزا صاحب کو اپنی زبان سے راستباز ثابت کر دے۔

فصل - ۴ محمدی بیگم کے حصول کی مختلف تدبیریں

یوں تو مرزا صاحب کو دلی محبت میں قدم رکھے کئی سال گزر چکے تھے لیکن خصوص بعد اور الفرقۃ کلیت کے پیش نظر میں ۱۸۸۸ء اور ۱۸۸۸ء سے سال کو محبت و فراق کا فاصل موسم قرار دیتا ہوں۔ جس سے میں محبت کا سودا [redacted] ہے اس کی حالت کسی سے چھپی نہیں۔ بس علام الغیوب ہی جانتا ہے کہ ان دنوں حضرت مرزا صاحب کے دل محبت میں کیا گذر رہی تھی۔ عیاں ہی خوب بیاں ہے۔ الانسان حریص علی ما منع (جس کام سے انسان کو روکا جائے' اسی کی طرف اسی کا دماغ میلان ہوتا ہے) یہ عشق مرزا صاحب پر خوب صادق آتی ہے۔ لڑکی کے اتباء کی طرف سے بتلا دیا گیا تھا کہ مرزا صاحب کی طرف کوئی توجہ نہ کرے اور سر گشتہ ہوتی جاری تھی۔ آخر وہ وقت آگیا جبکہ

ملی کی سے کلی ساعت بساعت بوستے گی اور دام میرو شکیب ہاتھ سے بھرتی نکلتی گئی۔

رباعی:

عربے شکیب ای ستم خو ما — بد شیدا میر ای ستم خو را
چوں عشق کند کدام میرو پہ شکیب؟ — فلند فلد کاروم خو را

کامیابی کے مسلسل اطلاق دعدوں کے باوجود مرزا صاحب نے حصول مقصد کے لیے جدوجہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ترغیب و ترہیب، پاپاری اور لالچ کے تمام سوہ گرم اور رائج استعمال کیے۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب نے

(۱) لوگی کے ان اقرباء کے نام خطوط لکھے جن کے ہاتھ میں کامیابی کی کلید تھی۔
(۲) لوگی کے ہمشیر مرزا سلطان محمد حوالی قصبہ پل ضلع ہوشیار پور کے نام خصوصی پیغامات بھیجے جنہیں لکھ کر خواص کی کہ تم اس نسبت و رشتہ سے انکار کرو۔
(۳) جو لوگ اس کام میں کوشاں تھے ان کی خدمتیں گرم کیں یا گرم کرائے۔

وہ کیا تھا اب ہر دیاں کو بہ اختصار حوالہ قرطاس کیا جاتا ہے۔

(۱) مراسلات بنام اقربائے مطلوبہ

مرزا علی شیر بیگ کے گھرانوں کے متعلق ماضی و حال تھے۔ کے صاحب کی پہلی بیوی یعنی والدہ مرزا سلطان احمد و فضل احمد جنہیں کے صاحب نے کئی سال سے معلقہ کر رکھا تھا یعنی نہ طلاق دیتے تھے اور نہ گھر میں رکھتے تھے۔ انہی کی مطلقہ بہن تھیں۔ ان دونوں گھرانوں کے علاوہ مرزا علی شیر بیگ مرزا صاحب کے سسر بھی یعنی فضل احمد کے خسر بھی تھے۔ فضل احمد کی بیوی کا نام عزت بی بی تھا۔ عزت بی بی کی والدہ یعنی مرزا علی شیر بیگ کی بیوی مرزا احمد بیگ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ چونکہ الہٰی صاحب نے مرزا علی شیر بیگ کی بہن کو گھر سے علیحدہ کر کے بیچ چلے جانے اور اسی جگہ سے کسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رکھا تھا اور مطعون ہونے کے باوجود شفقات زنا شوئی اور بان الفت دینے سے اجتناب کیا اس لیے مرزا علی شیر بیگ اور ان کی بیوی اور دوسرے افراد الہٰی صاحب سے سخت

ہوش تھے۔ چونکہ آغا صاحب کا خیال تھا کہ تحریک تحکیم کے اخراج کا حل مرزا علی شیر بیگ اور ان کی بیوی کے باعث تصور سے حل ہو سکتا ہے۔ اس لیے مرزا صاحب نے باہمی ملاقاتی و مذاکراتی کے بارہ پہلے ان دونوں کو اور پھر مرزا احمد بیگ کے نام تحریری خطوط لکھے۔ چاچی فضل احمد صاحب لدھیانوی نے اپنی کتاب "مظہر فضل رحمانی" کے صفحات ۲۷۳-۲۷۸ پر یہ خطوط درج کیے ہیں۔ یہ خطوط مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے پاس تھے۔ جن کو انہوں نے مہربانی راہوں نے ان سے حاصل کر کے اپنے بھتیجے چاچی فضل احمد سلمہ کو دے دیں اور چاچی صاحب نے ان کو کتاب فضل رحمانی میں درج رقم کر دیا۔ (کتاب فضل رحمانی" کی ۲۷۳ تا ۲۷۸ یہ خطوط ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

پہلا خط سوہنی کے نام

مرزا صاحب نے اپنے سوہنی مرزا علی شیر بیگ کے نام جو تحریری تحکیم کے بھیجا تھا تاریخ ۲۰ مئی ۱۸۸۸ء یہ خط لدھیانہ سے جہاں صبح تک قیام فرما تھے لکھا۔ "مخلصی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ" السلام علیکم و رحمۃ اللہ! اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو آپ سے کسی طرح سے لڑائی و فساد نہیں آپ کو ایک خوب طبع اور نیک خیال کوئی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں۔ لیکن اب جو آپ کو ایک خط لکھتا ہوں آپ کو اس سے بہت رنج گزرے گا مگر میں اللہ جل شانہ کے فضل سے پھر ڈرتا چاہتا ہوں جو لکھے بغیر رہا نہیں جاتے ہیں اور دین کی پروا نہیں رکھتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے بارے میں ان لوگوں کے ساتھ کس قدر میری مدارت ہو رہی ہے۔ اب میں نے سنا ہے کہ میری دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور آپ کے گھر کے لوگ اس معاملہ میں شامل ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے مخلص دشمن ہیں مگر میرے کیا دین اسلام کے مخلص دشمن ہیں۔ عیسائیوں کو بنانا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اللہ اور رسول کے دین کی مگر کچھ بھی پروا نہیں رکھتے۔ اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے یہ بات طے کر لیا ہے کہ اس کو خوار و ذلیل کیا جائے" روسیاہ کیا جائے۔ یہ اپنی طرف سے ایک کوار چلانے لگے ہیں۔ اب مجھ کو بچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر میں اس کاموں کا تو ضرور بچا لے گا اگر آپ کے گھر

کے لوگ تھے مقابلہ کرکے اپنے بھائی کو چھڑانے کی کیوں نہ سمجھے شک کیا میں بڑا یا بدلہ لینا ہو کہ لڑکی دینا مدار یا تک تھی۔ بلکہ وہ تو اب تک ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور اپنے بھائی کے لئے بگڑ رہا تھا اب اس لڑکی کے نکاح کے لئے سب ایک ہو گئے۔ یوں تو مجھے کسی کی لڑکی سے کیا غرض کہیں جائے مگر یہ تھا یا کہ جن کو میں طریق سمجھتا تھا اور جن کی لڑکی کے لئے چاہتا تھا کہ اس کی اولاد ہو اور وہ میری وارث ہو وہی میرے خون کے پیاسے' وہی میری عزت کے پیاسے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ خوار ہو۔ اور اس کا وہ بیٹا ہو۔ خدا ہے جاہ ہے جس کو چاہے روسیاہ کرے مگر اب تو یہ بگڑ گئے میں ڈالنا چاہتے ہیں میں نے خط لکھے کہ پرانا رشتہ مت توڑو۔ خدائے تعالیٰ سے خوف کرو کسی نے جواب نہ دیا مگر میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نے جواب میں اگر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے؟ صرف عزت کی بات ہم کے لئے فضل احمد کے گھر میں ہے۔ بے شک وہ فضل دے دے ہم راضی ہیں ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے خلاف مرضی نہ کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں۔ پھر میں نے رازی کرایا کہ آپ کی بیوی صاحبہ کے نام خط بھیجا مگر کوئی جواب نہ آیا اور بار بار کہا کہ اس سے ہمارا کیا بات ہو گیا ہے جو چاہے وہ کرے۔ ہم اس کے لئے اپنے خویشوں سے اپنے بھائیوں سے جدا نہیں ہو سکتے۔ مرتا مرتا رہ گیا کہیں مرا بھی ہوتا ہے بائیں آپ کی بیوی کی لکھے لکھی ہیں۔ بے شک میں عاجز ہوں' ذلیل ہوں' خوار ہوں مگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں میری عزت ہے وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اب اب میں ایسا ذلیل ہوں تو میرے بیٹے سے تعلق رکھنے کی کیا عادت ہے' لہٰذا میں نے ان کی خدمت میں لکھ بھیجا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی کو اس نکاح سے روک نہ دیں پھر جیسا کہ آپ کی خوشی ہے۔ میرا دینا فضل احمد بھی آپ کی لڑکی اپنے نکاح میں رکھ نہیں سکتا۔ بلکہ ایک طرف جب میری آپ کسی شخص سے نکاح ہو گا تو دوسری طرف سے فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دے دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو میں اس کو طلاق اور وارث کر دوں گا۔ اگر میرے لئے احمد بیگ سے مقابلہ کرو گے اور یہ ارادہ اس کا بند کرا دو گے تو میں بدل و جان حاضر ہوں اور فضل احمد کو جو اب میرے قبضے میں ہے ہر طرح سے درست کرکے آپ کی لڑکی کی شادی کے لئے کوشش کروں گا اور میرا مال جن کا مال ہو گا لہٰذا آپ کو بھی لکھتا ہوں کہ اس دشت کو سنبھال لیں ورنہ احمد بیگ کو پورے اور

سے خط لکھیں کہ باز آجائے اور اپنے گھر کے لوگوں کو تاکید کردیں کہ یہ بھائی کو قتال کر کے روک دیں ورنہ مجھے خدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب جیٹھ کے لیے یہ تمام رشتے ناطے تڑوا دوں گی۔ اگر فضل احمد میرا فرزند اور وارث بنا چاہتا ہے تو اسی صورت میں کہ اپنی لڑکی کو گھر میں رکھے گا۔ جب کہ اپنی بیوی کی خوشی طبعیت ہو ورنہ جہاں میں رخصت ہوا ایسا ہی سب رشتے ناطے ٹوٹ گئے۔ یہ باتیں خلوص کی صورت لکھ معلوم ہوتی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کہاں تک درست ہیں۔ والسلام۔ راقم خاکسار غلام احمد از اردو جہاد اقبال گنج۔ ۲۰ مئی ۱۸۸۸ء۔

دوسرا خط محمدی بیگم کی پھوپھی کے نام

اس تاریخ کو مرزا صاحب نے یہ خط مرزا علی شیر بیگ کی بیوی کے نام لکھا جو محمدی بیگم کی پھوپھی تھیں۔ "آنجناب عزت بی بی کو معلوم ہو کہ بعد خیر یکجائی ہے کہ چند روز میں محمدی (مرزا احمد بیگ کی لڑکی) کا نکاح ہونے والا ہے اور میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا چکا ہوں کہ اس نکاح سے رشتے ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہے گا اس لیے نصیحت کی راہ سے لکھتا ہوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کرادو اور جس طرح تم سمجھا سکتی ہو اس کو سمجھاؤ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو نتیجہ میں نے مولوی نورالدین صاحب اور فضل احمد کو لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آؤ تو فضل احمد عزت بی بی کے لیے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو طلاق کیا جائے اور اپنے بعد اس کو وارث نہ سمجھا جائے اور ایک پیسہ اس کو دوانگا نہ دے۔ سو امید رکھتا ہوں کہ قرعہ فال بدر پر اس کی طرف سے طلاق نامہ لکھا جائے گا۔ بس آپ پر ظاہر ہوگا کہ اگر مرزا احمد بیگ محمدی کا نکاح غیر کے ساتھ کرنے سے باز نہ آئے تو پھر اسی روز سے ہر محمدی کا کسی اور سے نکاح ہو جانے سے عزت بی بی کو تین طلاق ہیں۔ سو اس طرح پر سمجھنے سے اس طرف تو محمدی کا کسی اور جگہ سے نکاح ہوگا اور اس طرف عزت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جائے گی سو یہ قرعی طلاق ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب بجز قبول کرنے کے کوئی راہ نہیں ہوگا اگر فضل احمد نے نہ مانا تو میں بی بی عزت کو اس کے نکاح میں نہ رہنے دوں گا اور پھر ہمیشہ کی رشتہ داری سے ایک رشتہ نہیں ہو سکتا

اور اگر آپ اس وقت اپنے بھائی کو سمجھا لو تو آپ کے لیے بہتر ہوگا مجھے افسوس ہے کہ میں عزت بی بی کی بہتری کے لیے ہر طرح سے کوشش چاہتا تھا اور میری کوشش سے سب ٹھیک بات ہو جاتی ہے۔ مگر قسمت پر تقدیر غالب ہے۔ یاد رہے کہ میں نے کوئی بات نہیں لکھی۔ مجھے قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں جھوٹ کہوں گا اور خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے جس دن فارغ ہوگا اسی دن عزت بی بی کا فارغ بھی دے رہے ہیں۔ (مکتوب مرزا غلام احمد از لدھیانہ بنام بیگ۔ سیرت ص ۱۱۱)

تیسرا خط ہوی کی طرف سے سید حسن کے نام

انہی کے ساتھ مرزا صاحب نے ایک خط ہوی کی طرف سے اس کی ماں کی طرف بھی بھجوایا۔ یہ تحریری قسم کی پہلی تھی۔ اس کا مضمون تھا۔ جناب عزت بی بی صاحبہ واضح اس وقت میری بیوی اور اپنی کی طرف خیال کریں۔ مرزا صاحب کسی طرح مجھ سے فرق نہیں کرتے (یعنی حسن سلوک سے پیش آتے ہیں) اگر تم اپنے بھائی (مرزا احمد بیگ) کو سمجھاؤ تو سمجھا سکتی ہو۔ دونوں خاندان ہو گی اور بڑا فرق ہوگا اس بگڑ نہیں ہوگی۔ اگر مقدور نہیں تو پھر جلد لکھ اس بگڑ سے لے جاؤ میرا اس بگڑ نہیں ہوگا۔ اس خط پر الہامی صاحب نے اپنے قلم سے یہ لکھا ہے جبکہ عزت بی بی نے بیگ سے کہا ہے کہ اگر فارغ رکھ نہیں سکتا تو بلاؤ تاکہ عزت بی بی کے لیے کپڑوں سے کوئی کوئی بھیج دو تاکہ اس کو لے جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوی بھی کپڑوں سے لدھیانہ گئی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں خطوط سے مرزا صاحب پر کتنے الزام قائم ہوتے ہیں۔ خدائے قدوس پر افترا، قطع رحمی، ظلم، ظلم کو قسم کے ساتھ موکد کرنا جھوٹی قسم کھانا، بے گھر سے مواقف طلاق بدی کا حکم، واردات فرق کو عوام الناس ثابت کرنے کی کوشش، الہام کا الہام وغیرہ۔

چوتھا خط بنام مرزا احمد بیگ

مرزا صاحب نے متذکرہ صدر خطوط کے قریباً اسی سید ہو یعنی مئی ۱۸۸۸ء کو ایک خط اپنی کے والد مرزا احمد بیگ کے نام بدیں الفاظ روانہ کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بخدمت گرامی قدر مرزا احمد بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کل میں جب واقعہ ہائلہ محمود فرزند اکرم کی خبر سنی تھی تو بہت درد اور رنج اور غم ہوا لیکن بعد اس کے یہ حالت جاتا رہا اور کچھ نہیں لگ سکتا تھا۔ اس لئے مرزا پر بھی سے مجبور رہا۔ صدمہ وفات فرزند اس حقیقت میں ایک ایسا صدمہ ہے کہ شاید اس کے برابر دنیا میں اور کوئی صدمہ نہ ہوگا۔ خصوصاً ایسوں کی ماؤں کے لئے تو سخت مصیبت ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو صبر بخشے اور اس کا بدل صاحب عطا فرمائے اور عزیزی مرزا احمد بیگ کو عمر دراز بخشے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی بات اس کے آگے انہونی نہیں۔ آپ کے دل میں جو اس لڑکے کی نسبت بیگ خیال ہو لیکن خداوند علیم جانتا ہے کہ اس لڑکے کا دل بالکل صاف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میں کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں تا میرے دل کی نیت اور خلوص اعتقادی جو آپ کی نسبت بھرا ہوا ہے آپ پر ظاہر ہو جائے۔ مسلمانوں کے ہر ایک نزاع کا آخری فیصلہ قسم پر ہوتا ہے۔ جب ایک مسلمان خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو دوسرا مسلمان اس کی نسبت فی الفور دل صاف کر لیتا ہے۔ اب میں خدائے تعالیٰ اور مشکل کی قسم کھا کر لکھتا ہوں تا کہ آپ کی دلجوئی کا رفع اس مادہ سے ہو گا اگر دوسری بیگ ہو گا تو خدا تعالیٰ کی نسبت ہوں گی اور آخر اسی بیگ ہو گا۔ کیونکہ آپ میرے حق اور پیارے تھے اس لئے میں نے بیگ خیر خواہی سے آپ کو جتلایا کہ دوسری بیگ اس رشتے کا کبھی ہرگز مبارک نہ ہو گا۔ میں نہایت یقین طبع ہوتا ہوں آپ پر ظاہر کرتا اور میں اب بھی عاجزی اور ادب سے آپ کی خدمت میں التماس ہوں کہ اس رشتے سے آپ انحراف نہ فرمائیں کہ یہ آپ کی لڑکی کے لئے نہایت درجہ موجب برکت ہو گا اور خدا تعالیٰ ان برکتوں کا دروازہ کھولے گا۔ اور آپ کے خیال میں نہیں کوئی غم اور فکر کی بات نہیں ہو گی۔ جیسا کہ یہ ہمیں کا حکم ہے جس کے ہاتھ میں تشنج و آسمان کی کنجی ہے تو پھر کیوں اس میں خرابی ہو گی اور آپ کو شاید معلوم ہو گا یا نہیں کہ یہ بیگ اس عاجز کی ذاتی لڑکیوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہو گا جو اس بیگ کی بڑی قدر و اعتماد رکھتا ہے۔ اور ایک جہان کی اس طرف نظر لگی ہوئی ہے۔ اور بزرگوں پر بدظنی شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منکر ہیں کہ یہ بیگ بھی نکلے تو پھر! ہماری ہے۔ لیکن جیسا خدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا

اور اپنے دین کی مدد کرے گا۔ میں نے استخارہ میں جاکر معلوم کیا کہ ہزارہا مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیش گوئی کے ظہور کے لیے صدق دل سے دعا کرتے ہیں۔ سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تقاضا ہے اور یہ جائز ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانا ہے ویسے ہی خدا تعالیٰ کے ان الہامات پر جو تواتر سے اس عاجز پر ہوئے ایمان لانا ہے اور آپ سے مخفی ہے کہ آپ اپنے ﷺ سے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے مامور ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں خدا تعالیٰ سے کوئی بدظنی نہیں کر سکتا اور ہر امر انسان پر ظہور پکڑتا ہے۔ لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ آپ کو دین اور دنیا کی برکتیں عطا کرے اور اب آپ کے دل میں وہ بات ڈالے جس کا اس نے انسان پر سے بکلی الہام کیا ہے۔ آپ کے سب غم دور ہوں اور دین و دنیا دونوں آپ کو خدائے تعالیٰ عطا فرمائے۔ اگر میرے اس خط میں کوئی کلام غلط ہو تو معاف فرمائیں۔ والسلام (خاکسار احقر عباداللہ غلام احمد عفی عنہ' عفا اللہ عنہ ۱۸۸۸ء بروز ہفتہ) مرزا صاحب نے اس پیش گوئی کا مرزا احمد بیگ کے نام ہونا کی تھی ایک اشتہار میں خود تصریح فرمائی ہے یہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء کو شائع کیا تھا۔ اس کا عنوان تھا "ایک پیش گوئی بابت وقوع کا اشتہار" اس کی ابتدائی یہ دو شعر تھے۔

پیش گوئی کا اب الہام ہوا ہوگا — قدرت حق کا عجب ایک تماشا ہوگا
بعضے اخبار میں ہو بے خبر و بے پروا ہوگا — کوئی پا جائے گا عزت کوئی رسوا ہوگا

اس کے بعد لکھا تھا کہ اخبار ستارہ قیصر" سورخہ ۲۰ مئی ۱۸۸۸ء میں ہو اس واقعہ کا ایک خط مشتمل درخواست شائع چھپایا گیا ہے اس خط کو صاحب اخبار نے اپنے پرچہ میں درج کرکے عجیب طرح کی زبان درازی کی ہے۔ یہ خط محض دروغ اشارہ سے لکھا گیا تھا۔ ایک بدنام زمانہ سے محض سرکش اور قریبی رشتہ دار کتاب الیہ کے جن کی عقلی بھیجنے زیادتی کی نسبت درخواست کی گئی تھی۔ خاندان آسمانی کے طالب تھے یہ لوگ مجھ کو میرے دعوے الہام میں مکار اور دروغ گو خیال کرتے تھے اور مجھ سے کوئی نشان آسمانی مانگتے تھے۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۱۱)

پانچواں خط بنام مرزا احمد بیگ

ایک اور اہم چٹھی جو خود مرزا صاحب نے "آئینہ کمالات" (ص ۵۷۳۔ ۵۷۴) میں درج کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ تب میں نے حق تعالیٰ کے الہام اور اشارے سے مرزا احمد بیگ کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں لکھا کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ میری سنجیدہ درخواست کو رد و ذلیل کرتے ہیں اور میری بات کا اقرار نہیں کرتے۔ بندہ میں آپ کو کسی طرح سے تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں آپ کے ساتھ کس قدر احسان کرتا ہوں۔ اگر آپ نے میرے خاندان کے خلاف مرضی میری درخواست کو قبول نہ کیا تو میں آپ سے قسمیہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی زمین اور باغ میں سے آپ کو حصہ دوں گا اور اس رشتہ کی وجہ سے آپس کی نزاع رفع ہو جائے گی۔ اگر میری بات مان لی تو آپ مجھ پر مہربانی اور احسان کریں گے اور میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا اور آپ کی درازی عمر کے لیے درگاہ خداوندی میں دعا کروں گا۔ اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی صاحبزادی کو اپنی زمین اور دوسرے مملوکات کی نسبتی کا مالک بنا دوں گا اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس میں سے جو کچھ مانگیں گے میں آپ کو دوں گا۔ اپنی حالت میں صلہ رحمی' عزیزوں سے محبت اور حقوق قرابت کی گہداشت میں آپ کو مجھ جیسا کوئی شخص نہ مل سکے گا۔ آپ مجھے اپنی ملاقات میں اپنا سادہ دل پائیں گے۔ آپ کے بروز جو کو اٹھاؤں گا۔ اس لیے اظہار میں اپنا وقت ضائع نہ کیجئے اور شک و شبہ کو راہ نہ دیجئے۔ میں یہ فعل اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کے حکم سے کر رہا ہوں۔ یہ فعل بھلے اور امن کی طرف سے ہے۔ اس کو اپنے مصدوق میں محفوظ رکھئے۔ حق تعالیٰ گواہ ہے کہ میں اس بیان میں صادق ہوں اور جو کچھ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ جو کچھ کہا ہے حق تعالیٰ نے مجھ سے اپنے الہام سے کہلوایا ہے۔ یہ مجھے میرے رب کی وحی تھی جسے میں نے پورا کیا۔ ورنہ مجھے آپ کی یا آپ کی لڑکی کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ اگر اس الہام کی مدت گزر جائے اور میری بات سچی نہ ہو تو میرے گلے میں رسی ڈال دینا اور مجھے ایسی سزا دینا کہ دنیا میں کسی کو نہ دی گئی ہو"۔ (اہل تحریر کا خلاصہ بمفہوم)۔

(۲) مرزا سلطان محمد کے نام تمدیدی خطوط کا سلسلہ

مندرجہ بالا خطوط کے علاوہ مرزا صاحب نے قوی کے شکیبر مرزا سلطان محمد کے نام بھی بعد سے خطوط لکھے اور اسے ڈرایا دھمکایا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تم پر خدا کا قہر نازل ہوگا اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے اور یہ نکاح تمہارے حق میں سخت زبوں ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "سو تیک کے داماد کا یہ قصور تھا کہ اس نے تحریف کا اختیار دیکھ کر اس کی پروا نہ کی۔ خلاف خلاف لکھے گئے۔ جس سے کہ وہ ڈرا۔ پیام بھیج کر سمجھایا گیا۔ کسی نے اس طرف ذرا التفات نہ کی اور احمد بیگ سے ڈرک نہ چاہا بلکہ وہ سب کمالی اور اشتراہی میں شریک ہوئے۔ یہی قصور تھا کہ بدگمانی کو بن کر پھر داد کرنے پر راضی ہوئے"۔ (اشتہار رسالت، جلد ۲، ص ۲۲۱)

(۳) زیرپائی کی قوت تسخیر سے حصول مقصد کی جدوجہد

زیر کی قوت تسخیر تمام عوامل سے زیادہ زبردست مانی گئی ہے چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

اے زر تو خدا نہ ای و لیکن بخدا ۔۔۔ سخت محبوب و قاضی الحاجاتی

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے زیرپائی سے بھی مطلب براری کی ہے کچھ کو عطیہ فرمائی تھی۔ چنانچہ یہاں نثیر احمد صاحب کا مندرجہ ذیل بیان اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ "ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود چاندھر جا کر قریباً ایک ماہ قصبے رہے۔ ان ایام میں حرمی بیگم کے ایک چچی ماموں نے حرمی بیگم کا حضرت صاحب سے رشتہ کرا دینے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ یہ غالباً دنوں کی بات ہے کہ ابھی حرمی بیگم کا مرزا سلطان محمد سے رشتہ نہیں ہوا تھا۔ حرمی بیگم کا یہ ماموں چاندھر اور ہوشیار پور کے درمیان یکے پر کیا جایا کرتا تھا اور یہ مرزا صاحب سے کچھ انعام کا بھی خواہاں تھا۔ اور چونکہ حرمی بیگم کے نکاح کا حق زیادہ تر اسی شخص کے ہاتھ میں تھا اس لیے حضرت (مرزا) صاحب نے اس سے کچھ انعام کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ جب شخص

اس معاملہ میں پڑنے تھا اور حضرت صاحب سے 125 روپیہ ادا کرا چکا تھا کہ بعد میں یہی شخص اور اس کے دوسرے ساتھی اس لڑکی کے دوسری جگہ بیاہے جانے کا موجب ہوئے۔ مگر حضرت (مرزا) صاحب نے بھی اس شخص کو روپیہ دینے کے متعلق بعض نکیاد اشیاء میں (پانچیاں اور چاقیاں) خود دیکھی ہوئی تھیں"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۵۲)

(۴) محمدی بیگم کے حصول کے لیے مرزا صاحب اور ان کی بیوی کی دعائیں

محمدی بیگم کے حصول کے لیے مرزا صاحب نے جہاں ایک طرف ظاہری تدبیر کی دعا پر کمر باندھ رکھی تھی تو دوسری طرف باطنی اور روحانی ذرائع سے بھی غافل نہ تھے۔ چونکہ مخالفت کے وقار اور ابہ کا سوال تھا۔ اس لیے نہ صرف خود مرزا صاحب ہر وقت بارگاہ رب العالمین میں سر بسجود تھے بلکہ ساری مراقبی مخالفت بھی اپنا دامن دعا پھیلا رہی تھی۔ اور تو اور حسب ذیل مرزا بشیر احمد اور مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ جہاں بیگم صاحبہ بھی اپنی اپنی سوکن کے خذلان اور اس کی جلد فنائی کے لیے بے قرار تھیں اور بیتاب ہو کر گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھیں۔ چنانچہ ان کے فرزند ارجمند جہاں بشیر احمد صاحب ایم اے "سیرۃ المہدی" میں رقم طراز ہیں۔ "ایک تاج کے متعلق حضرت کی پہلی گوئی کے پورا ہونے کے لیے حضرت کی بیوی مکرر نے بارہا رو رو کر دعائیں کی ہیں۔ ایک دو دفعہ یہی دعا مانگ رہی تھیں تو حضرت نے پوچھا کہ آپ کیا دعا مانگتی ہیں؟ جواب دیا یہ مانگ رہی ہوں (کہ محمدی بیگم آپ کو ملے) حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ سوکن کا آنا تمہیں کیونکر پسند ہے؟ کہا کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر اس بات کا پاس ہے کہ آپ کے منہ کی نکلی ہوئی بات (کسی طرح) پوری ہو جائے"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۵۲) اگر یہاں بشیر احمد کی یہ روایت صحیح ہے تو میرا خیال ہے کہ یہ سب تخیل تھا۔

باب نمبر۳۹

ہندو دوستوں پر عینی شاہد ہونے کا افترا

میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے ابن مرزا غلام احمد نے "سیرۃ المہدی" میں لکھا ہے کہ "قادیان میں لالہ ملاوامل اور شرمپت رائے سے مرزا صاحب کی زیادہ میل ملاقات تھی۔ یہی زیادہ آتے جاتے تھے کسی اور سے راہ و رسم نہ تھی"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۲۰۵) یہ دونوں سالہا سال قادیانی صاحب کی ناک کا بال بنے رہے اور الہامی صاحب بہت عرصہ تک ان کی دوستی پر بھروسہ کرکے طرح طرح کی امیدوں کو اپنے دل میں پرورش کرتے رہے۔ لیکن عاقل کو چاہیے کہ کسی دوست پر اتنا بھی بوجھ نہ ڈال دے کہ جس کے اٹھانے کا وہ متحمل نہ ہو۔ الہامی صاحب نے یہ دیکھ کر کہ ان دونوں سے میرے دوستانہ روابط بہت دیرینہ اور اچھے گہرے ہیں کہ جو نئی بات بھی ان کی طرف منسوب کردوں گا وہ اس سے انکار نہیں کریں گے۔ اپنی کتابوں براہین اور سرمہ چشم آریہ میں یہ لکھ مارا کہ لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل بھی میرے الہاموں کے گواہ ہیں۔ اس بہتان طرازی کو وہ کسی طرح برداشت نہ کرسکے اور بحالت مجبوری ۲۰ نومبر ۱۸۸۶ء کو ایک اعلان زیر عنوان "اشتہار واجب الاظہار" شائع کرکے بھرد صاحب کے الہامات کا بھانڈا قادیان کے چوراستے پر پھوڑ دیا۔ ان کے اشتہار کا ضروری خلاصہ حسب ذیل ہے۔ "ہم کو کسی قوم یا کسی شخص کے ساتھ بغض و عداوت نہیں بلکہ ہم اپنے دوست مرزا غلام احمد صاحب کے مقابلہ میں اشتہار شائع کرنا موجب شرم سمجھتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے یہ ان ہی کی عاقبت نااندیشی کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں ہمارے دل کو اس اشتہار کے شائع کرنے سے اس قدر تکلیف' رنج اور بوجھ ہے جو بجز دانائے حقیقی کے کوئی نہ جانتا ہوگا۔ ہماری غرض صرف راستی کا ظاہر کرنا ہے کیونکہ ہم نے معلوم کر لیا ہے کہ ہماری خاموشی سے راستی کا خون ہوا جاتا ہے۔

قادیانی کے لیے خرق عادت ناممکن ہے

اس کے بعد لکھا کہ ملاء اعلیٰ خدا کی بندوں اور غیر فانی اس کی مشیت ہے کہ ہم ہر سکوت توڑ دیں۔ کیونکہ ایک تو مرزا صاحب اپنے اوقات الہام اور نزول حادث کے دعوؤں میں جس کا ثابت کرنا محال ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا صرف کر رہے ہیں۔ دوسرے باقی لوگوں کی تکلیف دہ بیتابی کا موجب بنتے ہیں۔ کیونکہ لوگ دور دراز سے صعوبت سفر اور ہر طرح کا خرچ اور تکلیف برداشت کر کے قادیان آتے ہیں اور تمنائے دل سے محروم و نامراد ہو کر واپس جاتے ہیں۔ قریباً بارہ یا چودہ سال سے ہم دونوں (فضل اور شریعت رائے) کی مرزا غلام احمد سے ملاقات ہے۔ اس عرصہ میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہوگا جس میں تین چار مرتبہ ہمارا ان کے پاس جانا نہ ہوا ہو۔ طریق و آداب میں بھی کوئی شخص ایسی ان کے برابر تعریف نہ تھا اور ہم ان کی بہت عزت و توقیر کرتے تھے اور وہ بھی ایسی اپنے اعزا سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ پر سات سال کا عرصہ ہوا حکیم نور شریف کلانوری نے مرزا صاحب کے بیٹے ہوتے ہیں اور امرتسر میں مطب کرتے ہیں۔ ہم دونوں کے سامنے مرزا صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ آپ مہدی کا دعویٰ کریں کیونکہ اس زمانہ کے لیے بھی کوئی مہدی ضرور ہونا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے دل پر اس مشورہ کا بڑا اثر ہوا جس کا نتیجہ آج کا دعویٰ ہے۔ حکیم صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مرزا صاحب نے "براہین احمدیہ" کا حصہ شروع کر دیا اور اشتہاروں میں اعلان کر کے جا بجا خطوط روانہ کر دیے۔ وقتاً فوقتاً مرزا صاحب نے مکالمہ اور الہام اور نزول حادث کا دعویٰ شروع کیا۔ اس کے بعد براہین میں لکھا کہ میرے مکالمہ اور الہام اور نزول حادث کے گواہ فضل اور شریعت رائے ہیں۔ ہم بھی سلطنت تاج تک خاموش رہے لیکن افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے ہماری خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ صاحب موصوف آج "سرمہ چشم آریہ" میں کلمہ حق اخفر کے بارہ میں ہماری اسی خاموشی کو "سند" و "نظیر" پیش کرتے ہیں۔ ہم دو سند اور نظیر دیکھ کر حیران رہ گئے اور ہم پر یہ راز کھل گیا کہ اسلام کے بیٹوں اور بیٹیوں کا بھی (معاذ اللہ) یہی شیوہ ہوا ہے جو مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے۔ کاش کسی ایک امام حق سے ہماری قبلی کی ہوتی تو بھی ایک بات تھی۔ ہم یہاں یہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ مکتوبوں میں نام درج

کرتے وقت مرزا صاحب نے تم سے بالکل درست نہیں کیا ورنہ ہرگز ایسا نہ ہوتا۔ انہوں نے دل میں یہ خیال کیا ہوگا کہ یہ میرے اور میں ان کا ہوں۔ کیا یہ میرا کہنا نہ مانیں گے؟ آپ صاف باطن اور نیک تھے لوگ الہام اور فریب عادت کے دعوے کی حقیقت بخوبی معلوم کر لیں گے"۔ (مکتوب براہین' ص ۲۳۳-۲۳۵)

باب نمبر ۴۰

مسیح زماں کے سودی قرضہ کا افشائے راز

جب مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ ہر غیر مسلم براہین کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا تو پنڈت لیکھرام نے لکھا تھا کہ "آپ کا دس ہزار روپیہ انعام کا اشتہار محض فریب اور دجل ہے۔ کیونکہ آپ کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد بھی اس قیمت کی نہیں ہے۔ قادیان کے بعد مسلمان آریہ وغیرہ سب اس بات کے گواہ ہیں بلکہ تمام ضلع گورداسپور کے لوگ آپ کی مالی اور دیگر حالات سے آگاہ ہیں اور بخوبی جانتے ہیں "آپ یہاں مانگے اور باہر میرے دوست" بالکل آپ کے حسب حال ہے۔ خود قرضدار اور اعزا و احباب سے ہزار ہا روپیہ کے استمراری روپوں کے دعویدار ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ محض قرضوں پر تو بڑے بڑے کی مالی رقوم گھلے ہیں مگر در حقیقت عاجز ہے"۔ (مکتوب براہین' ص ۲۷۶-۲۷۳) پنڈت لیکھرام کے اس بیان کی تائید کہ مرزا صاحب مقروض تھے۔ اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ مرزا صاحب دوسری شادی کرنے کے بعد اپنے خسر الٰہی کا دم چھلا بنے ہوئے تھے۔ جہاں میر ناصر نواب تبدیل ہو کر جاتے یہ بھی وہاں جا پڑتے اور ان گلدوں پر بسر اوقات کرتے۔ جس طرح مرزا صاحب کئی سال تک لدھیانہ میں اپنے خسر کے در دولت پر پڑے ہوئے تھے اسی طرح اس سے پیشتر چھاؤنی انبالہ میں بھی میرزا صاحب کے گھر کی روٹیاں توڑتے رہے۔ انہی ایام میں الٰہی صاحب نے چھاؤنی انبالہ کے ایک مہاجن سے سودی قرضہ بھی لے رکھا تھا۔ جب "براہین احمدیہ" کے صدقہ سے فراخ

رقم طلب ہوئی تو الٰہی صاحب نے چھانگا مانگا کا قرضہ چکا دینا چاہا۔ آڑھیوں کے آدمیوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ مرزا صاحب دس ہزاری اختیار شائع کرتے وقت خود مقروض تھے اور بہت بڑی شرح سود پر قرض لے رکھا تھا۔ حالانکہ شریعت اسلام نے سود کا لینا اور دینا دونوں حرام قرار دیئے ہیں۔ کسی طرح الٰہی صاحب کی دو چٹھیاں حاصل کر کے شائع کر دیں۔ یہ چٹھیاں بلن داس ایلوی کے نام لکھی گئی تھیں۔ الٰہی صاحب نے اس پر بہت کچھ پیچ و تاب کھایا۔ آڑھیوں کی اس جسارت و دیدہ دلیری پر شکوہ و شکایت کا ہر سوار ان کے ذوق سلیم سے بچا اس سے ناظرین کو بھی محظوظ کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب رسالہ "مخلوق حق" میں لکھتے ہیں:۔

"اس اعتراض کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ الٰہ چھانگا میں کسی ایک خط میں ایک بنیا دکاندار کی طرف برائے تصفیہ ایک پرانے بیوپاری حساب کے جس کا پوری مدت تک طول پڑتے رہنا قرین مصلحت نہیں تھا لکھے تھے۔ اور اس دکاندار کو بلایا تھا۔ کہ اب حساب دیر کا ہو گیا ہے تم نوٹ (ہنڈیاں) ساتھ لاؤ اور ہو کچھ حساب نکلتا ہے لے جاؤ اور فیصلہ دے جاؤ۔ اگرچہ ٹھیک ٹھیک یاد نہیں مگر خیال کیا جاتا ہے کہ شاید ان الفاظ میں سے کسی لفظ میں یہ بھی لکھا گیا ہو کہ تم حساب کے لیے بلائے جانے کا حال ظاہر نہ کرنا۔ اب مخترع خیانت پیشہ جس نے سرقہ کے طور پر الٰہ بلن داس کتاب الیہ کے صندوق سے خط چرائے ہیں۔ اس اصل حقیقت میں تحریف و تبدیل کر کے اور اپنی طرف سے کچھ کا کچھ لکھ کر یا لکھا ہوا کر اور بات کو کہیں سے کہیں ملا کر یہ اعتراض کرتا ہے کہ گویا ہم نے یہ کہنے فریب کیا اور بھوت ■ اور بھوت کی ترغیب دی۔ جس بالبداہت طور سے یہ غلط حاصل کیے گئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ الٰہ بلن داس کتاب الیہ کی دکان پر ایک کھیوں والے آدمی نے جو اب بڑا ناک صاحب سے بیزار ہو کر وطن کی بانہ میں داخل ہو گیا ہے۔ ایک دو آدمی اعیاشوں کی راندگی اور تحریک سے بیساکر دکانداروں کی طرف ہے۔ اپنی دکان کو کلی بلوز کر کسی کام کے لیے بازار میں گیا۔ اس کے جانے کے ساتھ ہی منکو صاحب نے اس کے صندوق کو ہاتھ مارا۔ شاید اس دست درازی سے نیت تو کسی اور شکار کی ہو گی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بازار گوئی

ہے مگر لالہ بلن داس کی قسمت اچھی تھی کہ اس بلندی میں ذرہ تک بھی مخدوش نہیں پڑا ہوا تھا نہ پہنچا۔ صرف دو ہاتھ ہی آگے جن کو اس کے اپنی ہم سفروں یاروں نے ہی ایک ہی سانچے کے بنی ہمدردی خیانت اور بے گوئی کے ساتھ چھاپ رہا۔ لالہ بلن داس نے اپنی شرافت سے صبر کیا۔ وہ تو سکھ صاحب اور اس کے رفیقوں کو بیگانہ مخدوش میں ہاتھ ڈالنے کا کافی حد معلوم ہو جاتا۔ ناری واقعہ میں یہ مقدمہ اب بھی زائر ہونے کے لائق ہے کہ کہ لالہ بلن داس کے زیور و نقد کا کچھ نقصان نہیں ہوا مگر غلہ کی چوری بھی حسب قانون سودا اگر بڑی ایک چوری ہے۔ جس کی سزا میں شاید تین سال تک ہے۔ یہ صرف حمالی سفلہ کے غلہ کے بنی کا سہ بارہ کھولا جرم تھا"۔ (مقدمہ ص سوانح مرزا غلام احمد صاحب ص ۳۷۔۳۹)

باب نمبر ۴۱

مسیح قادیاں کا نام نامزد خریداروں کی فہرست میں

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں "پنجاب ریویو" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ پادری رجب علی کے زیر ادارت لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں تہذیب اخلاق اور عیسائیت کے علاوہ کبھی کبھی سیاسیات پر بحث ہوتی تھی۔ مظاہر کے سوانح حیات درج ہوتے تھے اور معلومات جدیدہ پر تبصرے شائع کئے جاتے تھے۔ اس کا سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔ اس رسالہ کا اپنا مطبع تھا جس کا نام سفیر ہند پریس تھا۔ اس رسالہ کی طرف سے ایک بک ایجنسی بھی قائم تھی۔ اس رسالہ نے ماہ اپریل ۱۸۸۶ء کی اشاعت میں اپنے ان نامزد خریداروں کی فہرست شائع کی تھی جو رسالہ کے چندہ اور کتابوں کی قیمت میں بڑی بڑی رقمیں بے ڈکار ہضم کر گئے تھے۔ اس نے صفحات ۳۶۳۔۳۶۴ پر ۵۵ نامزد خریداروں کی فہرست شائع کی اور باقی ۲۵ نامزدوں کی فہرست آئندہ نمبر میں شائع کرنے کا وعدہ کیا۔ ان نامزد ۸۰ خریداروں کی فہرست میں ساتویں نمبر پر ہمیں رئیس قادیاں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی "مسیح موعود" د

مسمی مسمہ" کا نام بھی نظر آتا ہے جس کے ذمے محمد دین کے لئے کی رقم نکالی گئی ہے (رسالہ بلاغ ربوہ) نے اشاعت بذکورہ کے صفحہ ۱۵ پر زیر عنوان "ہمارے نوٹ کا نوٹ" لکھا کہ ہم گزشتہ اشاعت میں نوٹ کے ذریعہ سے التماس کر چکے ہیں کہ سلیم الدین اپنے بعض غیر احمدیوں کی ہدایت اور بعض ہمدرد قارئین کے لئے وکیل کیوں مقرر ہوا۔ مولانا عطیہ صاحب کی تصدیق سے چھ ہزار روپیہ کا مطلوب ہو گیا تھا۔ اس میں سے کچھ تو پریس کے عملہ طبع کتب نے بیکدردی کرائی اور کچھ دیگر مخلص احباب بعض بیرونی جماعتوں نے مدد دی۔ پھر بھی دو ہزار روپیہ کے قریب قرض ہی کی گردن پر ہے۔ ہمارے دوست اور کرم فرما جن کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ناراض نہ ہوں کیونکہ ہم ان کو خطوط کے ذریعہ سے یاد دلاتے رہے مگر وہ بھول بھول گئے۔ رسالہ بلاغ نے فہرست غیر احمدیان امداد درج کرنے کے بعد صفحہ مذکور پر لکھا کہ اگر مولانا عطیہ صاحب کے ذریعہ سے ان امدادوں کو طلب ہی کرنی پڑے تو ہمیں مسلمہ کمیشن"۔ اس فہرست کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان کے نائب سفیر جناب سلیم الدین صاحب پریس اور تبلیغ کی خاطر پونے دو سو روپیہ کی رقم مختلف حلقے اور دیہات میں بھیج چکے تھے اور رسالہ بلاغ نے مجبور ہو کر اس خیال سے امدادیوں کی فہرست شائع کر دی تھی کہ اگر ان لوگوں کو خوف خدا نہیں تو کم از کم دیانت اور رسائی کا خیال ہی انہیں حلقہ احباب سے بیکدوش ہونے کی ترغیب دے سکے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے بنک بنک رسوائی کے باوجود حلقہ احباب کی طرف سے اس درجہ بے اعتنائی برتی تھی وہ حلقہ خط کیا لکھا کرتا ہوگا اور اس کی حلقہ بندی کی انگیٹھی کیا حیثیت رکھتی تھی؟

باب ۴۲

قادیان میں ذاتی مطبع قائم کرنے کی حیلہ گری

قدوس باب حضرت مسیح موعود صاحب کی عادت تھی کہ طرح طرح کے حیلے تراش کر

مردوں سے بڑی بڑی رقمیں قرض لیتے تھے اور پھر جہاں تک ناکسار راقم الحروف کی تحقیق کا تعلق ہے یہ قرض لوٹاتے نہیں۔ لوٹاتے تھے بلکہ اس قسم کی رقمیں منسلب دستاں در دل[۳۴] صدقات بن کر رہ جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ کانپوں میں ڈاکی ملیح قائم کرنے کا قصد کارکر کے مردوں سے بڑی بڑی رقمیں اٹھا لیں لیکن بھرتے تو پرس کایا ایسا نہ اس بات کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ لوگوں کی رقمیں ہی واپس دیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے طلب فرمانے کے لئے منشی رستم علی مراسلاتی اور تعلیم فرمانے کے لئے مولوی سلامت اللہ کے پاس دو خطوط بھیجے جو محفوظ ہیں۔ مورخہ ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء منشی رستم علی کو لکھتے ہیں "جو چند دن پہلے تمہارے دوسری جگہ کانپوں کے ملیح کرانے سے میری خوشنودی حاصل آگئی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ لیا ملیح تیار کر کے نام "سراج منیر" اور دیگر رسائل کا شروع کرا دوں۔ تمہید کیا گیا ہے کہ جس کام کے شروع کرانے میں چھ سو روپیہ خرچ کرنے کا جس میں خرید پریس وغیرہ بھی داخل ہے اور آپ نے اقرار کیا تھا کہ ہم تین ماہ کے عرصہ کے لئے دو سو روپیہ اور قرضہ دے رکھتے ہیں۔ سو اگر آپ بندوبست کر سکیں کہ چار سو روپیہ اور قرضہ چھ ماہ کے لئے تجویز کر کے بھیج دیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کو بہت جلد ہو سکے اگر خدا نخواستہ چھ ماہ کے اندر ہی یہ قرضہ ادا کر دے لیکن چھ ماہ کے بعد بہرحال بلاتوقف آپ کو دیا جائے گا اور باقی آٹھ سو روپیہ کسی اور جگہ سے قرضہ لیا جائے گا۔ اگر میں سمجھتا کہ آپ اور دوسرے لے کر بھی اور ایسا بندوبست کر سکتے ہیں تو میں باقی آٹھ سو روپیہ کے لئے آپ کو تکلیف دوسرے لوگوں کے پاس قرضہ کا بھی لیا جائے تو ساتھ ہی ان کی ملیح میں قبض شروع ہو جاتا ہے"۔ (مکتوبات امیر، جلد ۱، نمبر ۳، ص ۳۶) اس کے بعد ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء کو لکھا "کل دو ستوں کو جن پر کسی قدر امید چلتی ہے قرضہ کے لئے لکھ دیا ہے اور سب کو لکھا گیا ہے کہ بعد ملیح "سراج منیر" ایک برس کے بعد یہ قرض دیں۔ آپ کے ذمہ چار باقی کوئی ہیں اور چھ سو روپیہ قرضہ کا بندوبست کیا ہے۔ آپ مجھ کو بہت جلد اطلاع دیں کہ آپ ٹھیک اس بندوبست پر کس قدر قرضہ کا بندوبست کر سکتے ہیں تا میں روپیہ منگوانے کے لئے کوئی تجویز کروں اور پھر لاہور میں خرید ملیح کے لئے کوئی بھیجا جاوے"۔ (ایضاً ص ۳۷) اور ۲۸ مئی کی چٹھی میں منشی رستم علی کو لکھا "قرضہ کی بابت تجھ کار لوگوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس تجویز کی تحسین کی لیکن یہ کہا کہ جس حالت میں انہی

کتابوں کی فروخت سے قرض ادا کیا جائے گا تو اس صورت میں کم سے کم ادائے قرض کی میعاد ایک سال چاہیے۔ کیونکہ "سراج منیر" پانچ مہینہ سے کم میں نہیں چھپے گی۔ آپ کو میں نے چھ ماہ کے وعدہ کے لیے لکھا تھا مگر درحقیقت وعدہ ایک سال سے خوب ہے۔" ایک اور چٹھی میں لکھا "آپ نے ایک سال کے وعدہ پر تین سو روپیہ دینا کیا ہے لیکن اس بات کو بھی اپنے دل میں گوارا کر لیں کہ یہ وعدہ اس تاریخ سے ہو کہ جب "سراج منیر" چھپ کر تیار ہو جائے کیونکہ "سراج منیر" کی چھپائی کا کام پانچ یا چھ ماہ تک ختم ہوگا۔ پھر یہ روپیہ "سراج منیر" ہی کی فروخت سے ادا جائے گا۔" اس لیے صرف چھ ماہ ایک خطرناک حد ہے۔ بہتر ہوتا چاہیے کہ ایک سال یا چھ ماہ اور بڑھا دیے جائیں۔ بقیہ فروخت کتب کا روپیہ ہے اگر یہ آپ بہت جلد ساتھ بھیج دیں تو آپ کی امانت بھی ہو جائے اور روپیہ بھی آ جائے۔" (ایضاً صفحہ ۳۰) اسی طرح تاریخ عرضی بعنوان حکیم نورالدین صاحب کو ہر بوں میں خادم نے لکھا ہیں نے مطبع کے بندوبست کے لیے یہ قرین مصلحت سمجھا کہ کامل دوستوں سے بطور قرض کچھ لیا جائے۔ تا ایسے باتعلق لوگوں کے انتخاب کے لیے جب فہرست خریداران پر نظر ڈالی گئی تو ہزار کاپی میں سے صرف چھ کاپی پر تھوڑی تھوڑی فکر پائی گئی جن میں سے بعض تو بالکل ہی اور بعض کا حال کالعدم معلوم نہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ چھ کاپی منتخب کر کے سو سو روپیہ بطور قرض بوعدہ چھ ماہ ایک سال بعد طبع "سراج منیر" ان سے لیا جائے بجائے ابتدا چھ ماہ کی اس تاریخ سے ہو جب چھپ چکے کیونکہ طبع "سراج منیر" کے لیے چھ سو روپیہ تخمینہ کیا گیا ہے۔ میں یہ روپیہ لینا قرض کے طور پر چاہتا ہوں کہ مہینوں پر تھوڑا تھوڑا ادا ہو سو روپیہ سے زیادہ نہ ہو۔ جواب سے جلد مطلع کیا دیں کیونکہ میں نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ رسالہ "ترقی خاتون" کا جلد نکلے گا" جون کے ماہ میں شائع ہوگا سو میں چاہتا ہوں کہ اپنے ان مطبع میں سے رسالہ چھپنا شروع ہو جائے۔ (مکتوبات احمدیہ، جلد ۴، نمبر ۲، ص ۳۳) ایک اور خط میں لکھا کہ مجھ کو بندوبست مطبع و دیگر مصارف کے بارے میں بہت کچھ فکر اور خیال تھا جو آپ کے اس تشریف سے سب رفع ہوا۔ اگر یہ ممکن ہو کہ ماہ بماہ تین سو روپیہ تک آپ بھیج سکیں یہاں تک کہ چھ سو روپیہ پورا ہو جائے تو یہ نہایت ہی بات ہے۔ مگر اول جلد پانسو روپیہ بھیجنا ضروری ہے تا ضروری انتظام کیا جاوے۔ میرا ارادہ ہے کہ یہ کام ماہ رمضان میں جاری ہو جاوے۔ ایک شخص علی

رستم علی نام نے نہیں سو روپے ایک سال کی میعاد پر قرضہ دیا گیا ہے اور یہ الٰہی بخش صاحب (الکوشش) بھی کچھ دینا چاہتے ہیں"۔ (ایضاً ص ۲۷) اور ۲۵ جنوری کی چٹھی میں لکھا۔ "میرا ارادہ ہے کہ ایک مطبع تیار کر کے "مرزا خط" وغیرہ کتب اس میں چھپواؤں۔ سو اگر خدا تعالیٰ نے اس کام کے لیے سرمایہ مہیا کر دیا تو جلد پریس وغیرہ کا سامان ضروری خرید کر کتابوں کا چھپوانا شروع کیا جائے۔ (ایضاً صفحہ ۳۰) اور ۲۸ فروری ۱۸۸۸ء کی چٹھی میں لکھا۔ "آج صاف صاف لکھ دیتا ہوں کہ پانسو روپیہ بذریعہ رجسٹری شدہ پہنچ گیا۔ اب تک تخمیناً کی طرف سے پانسو ساٹھ روپیہ پہنچ گئے"۔ (ایضاً ص ۳۰) اور ۲۸ اکتوبر کی چٹھی میں لکھا کہ میں بیعانہ مطابق مطبع بنی سے تباہ چند تک بھیجی ہوگی۔ اس تک سے طبع نہیں ہو سکتا روپیہ بھی ضرور تھا۔ اس کے لیے خود جا کر آپ سے ملاقات کروں"۔ (ایضاً صفحہ ۳۱) اور ۲۸ دسمبر کی چٹھی میں لکھا کہ "آج صبح سو پچاس روپیہ ایک حساب سے پورا تین سو ہو گیا ہے کیونکہ پہلے ملغ پانسو روپیہ کے ساتھ روپیہ آپ کے زیادہ آ گئے ہیں اور کل روپیہ جو آج تک آپ کی طرف سے آیا آٹھ سو روپیہ ہوا۔ (ایضاً صفحہ ۳۲)

خلاصہ یہ کہ کاپی صاحب نے کس دقت کے ساتھ اپنے مطبع کے ارادے ظاہر کر کے لوگوں سے رقمیں وصول کیں لیکن پریس پھر بھی جاری نہ کیا۔ نتی بخش مرتب علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے ۱۸۸۸ء میں اعلان فرمایا کہ کاپیوں میں ایک مطبع جاری ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اس کے لیے سامان پیدا نہ ہوئے دیئے۔ (مکتوبات احمدیہ "جلد" نمبر ۲ صفحہ ۳۰) لیکن ظاہر ہے کہ کسی چیز کی فراہمی کے راستہ میں صرف دو چیزیں حائل ہوتی ہیں۔ ایک روپیہ کا انتظام دوسرے اس چیز کا میسر نہ آنا جس کے خریدنے کا قصد ہو۔ روپیہ تو مسیح صاحب نے بتکا فراہم کر لیا اس کا انہوں میں سے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک حکیم نورالدین نے آٹھ سو روپیہ بھیج دیا تھا۔ رہا پریس سو اس زمانہ میں چھاپہ کی مشینیں ابھی بہت سستی نہیں ملتی تھیں اور اطراف و اکناف ملک میں دیسی پریس ہی رائج تھے اور ایک دیسی پریس مع ضروری سامان کے تین چار سو روپیہ میں بہ سہولت قائم ہو سکتا تھا۔ پس جس صورت میں کہ کاپی صاحب نے یہ غرض پوری نہ کی کہ جس کے لیے لوگوں سے قرض لیا تھا۔ ثابت ہوتا ہے کہ قیام پریس کا جملہ مخل روپیہ بڑھنے کے لیے ترقی کیا تھا۔ چنانچہ کاپیاں فراہمی زر کے بعد بھی کئی سال تک مطبع سے

خلیل رہی آخر جب بھوپال میں مطبع پریس کا رواج ہوا تو محمد یعقوب علی مرزائی نائب الحکم نے "ضیاء الاسلام" پریس کے نام سے یہاں ایک مطبع پریس قائم کیا۔ (کمالات احمدیہ' جلد ۱' نمبر ۲' ص ۲۰۳) اب سوال یہ ہے کہ اگر شیخ عبدالرحیم قیام مطبع کے خلاف تھی تو لوگوں کا روپیہ تو واپس کر دیا ہوگا۔ لوگوں کا روپیہ اٹھا لیا اور پھر تقریر اور شیخ ابوبی کی آواز کہاں کی عاقلانہ ہے؟ پھر یہ بھی دیکھو کہ الہامی صاحب نے مطبع قائم نہ کرنے کا کوئی جرمانہ بھی پیش نہیں کیا۔ ان کے مستفتہ اور کمالات لوگوں کی رقمیں واپس دینے یا نہ دینے کی طرف سے بالکل خاموش ہیں۔ حضرت "مہدی" صاحب قرض لے کر ہضم کیا کرتے تھے ان کی ایک جھلک کمالات احمدیہ' جلد ۳' نمبر ۳ کے صفحات ۳۶ تا ۳۹ میں نظر آتی ہے۔ اس سے شیخ نظر الہامی صاحب نے اپنی حاشیوں میں لوائے قرض کو رسالہ "سراج منیر" کی طبع و اشاعت کے سال اپنے سال بعد پر معلق ٹھہرایا ہے حالانکہ رسالہ "سراج منیر" جس کی قیمت الہامی صاحب نے ۱۸۸۶ء میں ایک ایک روپیہ پیشگی وصول کر لی تھی کیارہ سال کے بعد ۱۴ صفحات کے چھوٹے سے رسالے کی شکل میں شائع کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جس رسالہ کی قیمت مرزا صاحب گیارہ سال پیشتر واجبی قیمت سے سادہ کاغذ حصہ زیادہ لوگوں سے پیشگی وصول کر کے اتم کر چکے تھے۔ اس سے اب اتنی ہی کمائی کی کیا امید ہو سکتی تھی کہ گیارہ بارہ سال کے پرانے قرضے چکا سکتے۔ قرض مرزا صاحب کی ساری کمروتی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قرض لیتے وقت اس بات کا عزم صمیم کر لیتے تھے کہ بہت اصرار ہوا کرنے کا نام نہ لیں گے۔ الہامی اور کی مذکورہ بالا تعلیم کا تعلق ۱۸۸۸ء سے ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود صاحب نے اس کے پانچ چھ سال بعد ہی اسی ارشاد تعلیم کا اعادہ فرمایا تھا۔ چنانچہ ضمیمہ ہی نمبر مرقوم ۱۸۹۱ء شدہ حصہ سوئم" میں رقمطراز ہیں۔ "دوسرا جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کے مطبع ۲۸ پر ایک اور اپیل شائع کی جس کے دو عنوان تھے۔ "درخواست چندہ" اور "سوال توجہ احباب" اس اپیل میں لکھا کہ مہمیں تین قسم کی بہت ضرورت ہے جس پر خلقی معارف کی اشاعت کا دارومدار ہے۔ (۱) دو پریس۔ (۲) ایک خوشخط کاتب۔ (۳) کاغذ۔ ان تینوں معارف کے لئے دعائی سو روپیہ چاہئے کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ ہر ایک دوست بقدر توفیق اس میں شریک ہو۔ چندہ دہندگان کے نام بطور ضمیمہ کے شائع ہونا چاہیے۔ تجویز یہ ٹھہری

ہے کہ جنت برابین اور ایک اشتہار جاری ہوا۔ منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ جس کے بعد "حصصائے سوئی" میں سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ خانہ خانہ اس وعید کے تحت میں نہیں آتیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سوئی کی تین حالتیں ہیں وہ کہ کے اس کے خلاف کرے۔ بات کرتے ہیں جھوٹ بولے اور جب کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالیاں دے؟ اور یہ تو وہ دے رہے ہیں ہر "تحریر" یک۔ تک پہنچ چکے ہیں۔ (الٰہی اور پرائیویٹ وعدوں کا تو کوئی حساب و اندازہ نہیں۔ (حصصائے سوئی" ص ۳۲۸۔۳۲۹)

باب ۴۳

امام زادہ کی صحت کا الہام

پنڈت لیکھرام نے "تکذیب براہین" میں لکھا ہے ایک سال کا عرصہ ہوا مرزا صاحب کی مسجد کے امام میاں جان محمد کا لڑکا جس کی عمر پانچ سال کی تھی بیمار ہوا۔ آخر مرض میں انکا اشتہار ہوا کہ بخار کے ساتھ ہی اسہال کرنے شروع ہو گئے۔ اور لڑکے کا خورد نوش بالکل بند ہو گیا یہاں تک ظاہر ہوا کہ ایک مشت استخوان رہ گیا۔ ایک دن لڑکے کی حالت بالکل غیر ہو گئی اور باہر نوع کے آثار نمایاں ہوئے۔ اس وقت ہر شخص کو یقین تھا کہ لڑکا کوئی دم کا مہمان ہے۔ اس حالت اضطراب میں میاں جان محمد صاحب مرزا صاحب کے پاس روتے گئے اس سے پیشتر مرزا صاحب نے لڑکے کو دیکھ لیا تھا۔ امام صاحب عرض پرداز ہوئے۔ حضور آپ مستجاب الدعوات ہیں اس فرزند کی صحت کے لیے دعا کیجئے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا "میاں محمد اسے دوا دینے قدم رکھنے سے پہلے مجھے الہی الہام ہوا ہے کہ اس لڑکے کے لیے خیر کھے"۔ یہ سن کر امام صاحب حواس باختہ ہو گئے اس بے چارے کا یہی اکلوتا بچا تھا اور وہ بھی خدا نے بچپن عمر میں عطا فرمایا تھا۔ غرض میاں جان محمد حالت یاس و اضطرار میں یا تھم پر قدم رکھ کر واپس آئے لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ لڑکا بدستور سخت ہے۔ میاں جان محمد کی جان میں جان آئی۔ لڑکا دم بدم اچھا ہونے لگا اور ایک ہفتہ میں بالکل تندرست ہو گیا۔ اب مرزا صاحب

فرماتے ہیں کہ الہام تو پاگل سچا ہے' شہد کبھی نہ کسی ملت پیدا ہو کر رہے گا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ آپ کے لیے ابھی جلد قبر کھودی جائے گی۔ (اکذب براہین' صفحہ ۱۵۲) لیکن مرزا صاحب نے اس بیان کی صحت سے انکار کیا اور یہاں جان محمد کی طرف سے ایک تحریر لکھ کر شائع کی جس میں مرقوم تھا "یہ بیان کرنا کہ گویا مرزا صاحب نے یہ کہا کہ درحقیقت تمہارے مرنے کے لیے مجھے الہام ہوا کہ تم اس کی قبر کھود سو سراسر افتراء ہے' جس کی بھی اصلیت نہیں اور میں جانتا ہوں کہ یہ ان پاگل لوگوں کی گفتگو ہے' جو نہ خدا کی عظمت اور نہ حقیقت کی عظمت سے ڈرتے ہیں۔ کیا خوب ہو کہ ایک جلسہ ہو کر ایسا شخص میرے سامنے کیا جائے اگر میں بھی اس کو بلا کر پوچھ لوں کہ تو نے کب مجھے یہ کہا تھا کہ میں کب تجھے یہ کہا مرزا صاحب نے ایسا الہام مجھ کو بتلایا تھا۔ الغرض فاکسار جان محمد نام سہو کاتباں۔ (اشاعۃ الحق مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' صفحہ ۳۰)

پڑھئے کہ یہاں جان محمد مرزا صاحب کی سہو کے نام اور ان کے زیر اثر تھے اور مرزا صاحب ہو جاتے ان سے کھودا بیکھ تھے۔ تاہم انہوں نے اپنے بیان میں اس سے انکار نہیں کیا کہ مرزا صاحب کو مرنے کے مرنے کا الہام ہوا تھا بلکہ صرف قبر کھودنے کے الہامی الفاظ ہونے کی نفی کی ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ پنڈت لیکھرام کے بیان کو غلط اور لایعنی اتہامات سمجھا جائے۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر کھودنے کا ذکر محض پنڈت جی کی ذاتی آرائی ہے۔ مرزا صاحب کو صرف یہ الہام ہوا تھا کہ "تو نہیں بچے گا"۔ لیکن وہ بچ گیا۔ ہاں اگر خدانخواستہ مرزا صاحب کو اس کی موت کا الہام ہوتا تو پھر اس پیشگوئی کی غیر نہیں تھی۔ وہ ضرور آخوش لحد میں جا پہنچا کرتا کیونکہ مرزا صاحب کی دعائیں اور ان کی "آسمانی اطلاعیں" پاگل اس شعر کا مصداق تھیں۔۔

مانگا کریں گے اب تو دعا ہجر یار کی ۔۔۔ آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

باب ۴۳

قادیان سے ہجرت کر جانے کا اعلان

مرزا صاحب خلاف معاصرت پیدا ہوتے رہتے تھے اور گاہ گاہ ان کا بھی ظہور تھا لیکن بسا اوقات اس گاہ گاہ کی مدت گھڑی بھر جاتے تھے اور عام اضطراب میں کتابوں کو انداز کر دینے کے خیال سے بہت سے حضرت کے فضائل بیان فرمانے لگتے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں انہی صاحب نے رسالہ "سفینہ نوح" شائع کیا۔ اس میں لکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں" لیکن میں کہتا ہوں کہ نہ صرف نبی بلکہ ہر اپنے وطن کے کوئی راست باز بھی بے عزتی سے نہیں بچتا۔ (صفحہ نوح" میں (۲) ۱۷ ستمبر ۱۹۰۸ء کو کشف ہوا (صفحہ ۱۰) میں مسیح علیہ السلام کے متعلق لکھا۔ حضور پر یا طوس کی حکومت میں یہودیوں کی بہت سی ایذا کے بعد اس کو خدا کی قدیم سنت کے موافق ان لوگوں سے ہجرت کرنی پڑی اور وہ ہندوستان میں گریز گئے"۔ اور فروری ۱۹۰۸ء کو تشحیذ الاذہان (صفحہ ۱۰) میں لکھا "ہجرت سنت الانبیاء ہے"۔ اور ستمبر ۱۹۰۸ء میں کتاب "تذکرۃ الرؤیا" شائع کی اس کے صفحہ ۳۰ پر لکھا کہ "ہر ایک نبی کے لیے ہجرت مسنون ہے اور مسیح نے بھی اپنی ہجرت کی طرف انجیل میں اشارہ فرمایا ہے اور کہا کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں۔

آریوں کی طرف سے قتل کی دھمکی

۱۹۰۸ء میں بعض آریوں نے مرزا صاحب کو قتل کی دھمکی دی۔ اس اندال کی تفصیل خود مرزا صاحب کی زبان قلم سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔ "آریوں نے میری نسبت گندے اشتہار چھاپے ہیں۔ بدنام کرنا مجھ کو چاہتے ہیں۔ خانہ گھڑی باتیں کہی ہیں۔ بار بار خطوط اور اشتہاروں کے ذریعہ سے مجھے قتل کرنے کی بھی دھمکی دی ہے۔ لیکھرام نے جس قدر گندے اور بد سے بدتر حملے ہماری طرف خط لکھے ہیں سب ہمارے پاس موجود ہیں اور تمام خطوط جو جان سے مار دینے کے بارے میں کسی پرتوش گروہ کی طرف سے پہنچے گو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس کمبخت کی طرف سے ہیں مگر یہ جانتے ہیں کہ خود پیشوں کے گروہ میں سے کوئی ایک ہے۔ ایسا ہی جن اشتہاروں کو یہ لوگ وقتاً فوقتاً جاری کرتے ہیں ان کے پڑھنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا بھرا ہوا ہے۔ تمام خط جس قدر آریوں کی طرف سے آتے ہیں وہ انگریز ہوتے ہیں اور ہمیشہ ایک گندہ مضمون خلاف

کرنے کے جب ہمدرد سے کہا جاتا ہے تو نرمی کلامیاں اور نفاست کلامی باتیں ہوتی ہیں۔" (اشفاق' سوانح مرزا غالم احمد صاحب' ص۔ ب' ج) اس کے بعد چونکہ یہ لوگ کسی طور سے خدائی کو چھوڑنا نہیں چاہتے' اس لیے بچ کہنے والے کے باغی و دشمن ہو جاتے ہیں۔ سو چونکہ ہمارے تعریک کہ حق سے خاموش رہنا اور ہر بچ خدا تعالیٰ نے صاف اور روشن علم دیا ہے نہ خلق خدا کو نہ جاہلانہ سب گفتوں سے بدتر گفتہ ہے۔ اس لیے ہم ان کی قتل کی دھمکیوں سے تو نہیں ڈرتے لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ کسی ظالم آپ کے اقدام قتل سے ہمارے ہم وطن اور ہم شہری نیس کی کمائی ہی کھائیں اس لیے اول تو انہیں ہم یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اس شخص سے جس کا ہم بکرام یا بچہ راج ہے پرہیز کریں۔ اس کے ساتھ ان کی دنیا خدا و کلفت اٹھی نہیں اور نہ ہمرے ہم یہ بھی واجب سمجھتے ہیں کہ اب ہم اپنے پیارے وطن کالوں کو صعوبت و کلفت کے خیال سے چھوڑ دیں اور کسی دوسرے شہر میں جا کر سکنی اختیار کریں۔ کیونکہ جس جگہ میں ہمارا رہنا ہمارے ہادیوں کے لیے دکھ کا موجب ہو ان کا رفع تکلیف کرنا بھتر ہے کیونکہ ہم بھائی وطنوں کے دلوں کو بھی صاف کرنا نہیں چاہتے اور ہمارا خدا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور خلط جل شانہ فرماتا ہے۔ ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ" یعنی ہر شخص اطاعت الٰہی میں اپنے وطن کو چھوڑے تو خدا کے فضل کی زمین میں اپنے آرام گاہ پائے گا جس میں بافراغ روزی خدمت بجا لا سکے۔ سو اے ہم وطنو! ہم تمہیں مغضوب الزوال سمجھنے والے ہیں۔" (اشفاق' سوانح مرزا غالم احمد صاحب' ص۔ ب' ج)

ہجرت کی توفیق کیوں نہ ہوئی؟

معلوم ہوتا ہے کہ بعض آپ نوجوانوں نے محض ول گی کے طور پر ہر چار تدبیر بھیجیں مرزا صاحب کے نام بھیج دی ہوں گی۔ مرزا صاحب کا ول خشہ کرنا قتل اس دھمکی کی تکمیل نہ کر کے پر آمادہ ہو گئے اور لکھا خوف نہ ہونے کہ ترک وطن کا اعلان کر جاتے یہ معلوم نہیں کہ الہامی صاحب نے کالوں سے کھرستان ہندی کے کسی دوسرے مقام کی طرف کوچ کرنے کا خیال کیا تھا یا دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کا قصد تھا۔ کھرستان سے کھرستان کی طرف جانا تو شرعاً ہجرت ہی نہیں۔ بلکہ دارالاسلام

کے قصد سے ترک وطن کیا جائے" تو واقعی ہجرت فی سبیل اللہ اور اعلیٰ درجہ کا عمل خیر ہے۔ مرزا صاحب نے بارہا ترک وطن کا حرم فرمایا لیکن اس حرم کو عملی جامہ کبھی نہ پہنا سکے اور اس سعادت سے ہمیشہ محروم رہنا بھی نصیب نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مرزا صاحب مرض نیت و عیسیت تھے اور ان کا یہ بھی مقولہ تھا کہ ہجرت کے لیے ہجرت ضروری ہے اس لیے غیر مرئی طاقتوں نے طرح طرح کے موانع و اسباب کے باعث ہجرت کی توفیق سلب کر لی تاکہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائے کہ یہ سچے نبی اور اصلی مسیح نہیں۔ علاوہ ازیں بھائی صاحب نے اس بنا پر کہ ہجرت کا قصد فرمایا کہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے مرزائیوں کے نام بابے پر رخصت و نواش کا حرم رکھنے کے بجائے ان کو قائم مقامی کی تھی اور کہا تھا کہ میں مقتدب تمہاری خبر لوں گا۔ اس واقعہ کی تفصیل میاں الہیر احمد ابن جناب مرزا غلام احمد صاحب نے یہ لکھی ہے۔ جناب مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین (قادیان کی) مسجد مبارک کا راستہ بند کر کے لگے (حضرت (اقدس) صاحب نے چند کوبیوں کو مرزا امام الدین کے پاس سمجھانے کے لیے بھیجا۔ مرزا امام الدین نے غصہ سے کہا کہ وہ کیوں نہیں گیا؟ اور میں تم لوگوں کو کیا جانتا ہوں؟ پھر ظلی سے کہا کہ اب سے آمدنی سے دی کمی شروع ہوئی ہے۔ اس وقت سے اسے خبر نہیں کہ کیا ہو گیا ہے"۔ یہ لوگ ناکام واپس گئے پھر حضرت صاحب نے ان کے ساتھ بعض اور مہمانوں کو بھیجا اور کہا ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس جاؤ اور کہو ہم لوگ دور دراز سے دین کی خاطر یہاں آتے ہیں اور یہ ایک بیجا ظلم کیا جا رہا ہے' جس سے ہم کو بہت تکلیف ہوگی کیونکہ مسجد کا راستہ بند ہو جائے گا۔ ان دنوں قادیان کے قریب ایک گاؤں میں ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس آئے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ایک گاڑی آگے ہوئی اور کہا ہم قادیان سے آئے ہیں اور اپنا حال وہاں کہنا شروع کیا۔ مگر ڈپٹی کمشنر نے نہایت غصہ کے لہجے میں کہا کہ "تم بہت سے گاڑی جمع ہو کر ملک پر رعب ڈالنا چاہتے ہو۔ میں تم لوگوں کو خوب جانتا ہوں کہ یہ جماعت کیوں بن رہی ہے۔ میں جلد تمہاری خبر لینے والا ہوں اور تم کو پتہ لگ جائے گا کہ کس طرح ذلیل جماعت بنایا کرتے ہیں (وغیرہ)"۔ غرض ناکام وہاں سے واپس آگئے اور حضرت صاحب کو سارا ماجرا سنایا۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۰۰-۱۰۱)

ترک وطن کا مکرر عزم اور سعادت ہجرت سے محرومی

یہاں بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ان دنوں جماعت کا حلقہ زور تھا اور انگریز حکام بھی جماعت پر مہربان تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کوئی سازش کے لیے سیاسی جماعت بن رہی ہے اور بٹالہ میں ان دنوں پولیس کے افسر بھی خت مخالف و مخالف تھے اور طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے اور قادیان کے ہندو بھی مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین وغیرہ اور ان کی انگیخت سے قادیان کے بنیے اور سکھ اور غیر احمدی خت ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے اور انہوں نے احمدیوں کو خت دکھ اور تکلیف دینا شروع کر دیا تھا۔ حضرت (مرزا) صاحب نے یہ حالات دیکھے اور جماعت کی تکلیف کا مطلب کیا تو جماعت کے کرتا دھرتا کے مشورہ کیا اور کہا اب یہاں اپنے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ یہاں رہنا مشکل ہو گیا ہے اور ایمن تو کام کرنا ہے۔ یہاں نہیں تو کسی اور جگہ۔ سو اور ہجرت ہی اختیار کی جانی چاہیے۔ پس ہمارا ارادہ ہے کہ کہیں باہر چلے جائیں۔ اس پر حکیم نور الدین، سیدی، مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اور شیخ رحمت اللہ گجراتی حال حکیم وزیر نے علی الترتیب بھوپال، سیالکوٹ اور لاہور ہجرت کرنے کی رائے دی۔ آپ نے کہا اچھا مشورہ کرتے ہیں تو جہاں اللہ لے جائے گا وہاں جائیں گے۔ (سیرۃ المہدی، جلد اول، ص ۱۰۰-۱۰۱) فرض اس مرتبہ بھی قطع مسافت کرنا پڑا اور ہجرت کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ لیکن سلسلہ کے لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا ارادہ ہجرت دارالاسلام کا کوئی فرضی قصہ نہیں تھا بلکہ قادیان سے اس نیت و ارادہ سے کسی دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونا مقصد تھا۔ اور اگر بالفرض دارالاسلام ہی کا قصد کیا جاتا تو بھی شرعی نقطہ نظر سے اس وقت تک کچھ حاصل نہ تھا جب تک مرزا صاحب اپنے دعوائے خلافت اور ہجوم الہام وغیرہ سے تائب ہو کر اسلام کے اصول و عقائد کا اقرار نہ کرتے اور اپنی الہامی بھول جلیوں سے نکل کر شریعت نبوت سے تمسک نہ کرتے وہ ہجرت وغیرہ کے قطعی حق پر نہ تھے۔

باب ۴۵

حکیم نور الدین صاحب کی دوسری شادی

حکیم نور الدین صاحب بھی حسن و جاہت کے بھی کم قدردان نہ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے مرید با وحدت مشفق مرزا صاحب بوجہ بے مثل دلکش جوانی اور نمایاں مردانہ حسن کی گرد کو بھی پوری نہ کر سکیں تو ان کی آتش شوق بھی ہمارے دلی اور دل میں ہمدان انگیز جذبات تلاطم کرنے لگے کہ کسی نوخیز صوفی کو حیطۂ تصرف میں لائیں۔

مرا عبرت سرائے دہر سازد ہر چہ بیند دل
گر ایں حالت نہ باشد زندگی بیکار می آید

اس وقت حکیم صاحب اپنی عمر کی قریباً ساٹھ منزلیں طے کر چکے تھے۔ الہامی صاحب کی طرح ان کی بھی پہلی بیوی موجود تھی اور ان کی طرح صاحب اولاد بھی تھے۔ لیکن فرق یہ تھا کہ الہامی صاحب نے اپنی پہلی بیوی کو عرصہ دراز سے بی بی کی سان سے معاف کر رکھا تھا اور وہ بدستور باآسانی تمام دلائیں اپنے میاں کے گھر میں اجنبی بنی رہیں لیکن حکیم صاحب اپنی رفیقۂ حیات سے نہایت شریفانہ سلوک کرتے تھے۔ یہ مرزا ہی تھا کہ جس صاحب نے اپنی پہلی اولاد سے قطع تعلق کر رکھا تھا لیکن حکیم صاحب اپنی اولاد کے حق میں مشفق پدری اور حسن سلوک کے تمام لوازم انجام دیتے تھے۔ سعادت کا یہ فرق شاید اس وجہ پر مبنی تھا کہ حکیم صاحب کسی تمہیدی حسب پر قانع نہیں تھے۔ اگر مرزا صاحب کی طرح وہ بھی مہد دان اور صبح مدعا ہوتے تو ان کا بھی اہل و عیال کے ساتھ شاید یہی برتاؤ ہوتا جو قادیان کے مہد اعظم کا حضرت اقدس سے روا تھا۔ بہرحال جب بوجہ میں لکھن نوجوانی کی گل چھبیلی کا خیال سر مرزا تو حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو لکھا کہ کہیں میرے لیے بھی اپنے حلقہ مریدین میں کسی "دردا سے" کا انتظام فرما دیجئے۔

لڑکی والوں کی طرف سے حنفی المذہب ہونے کی لازمی شرط

لدھیانہ میں امیر جان نام ایک شخص طبابت کی مہارت کرتا تھا۔ یہ شخص کسی طرح قادیان کے دام تزویر میں پھنس گیا اور قضا و قدر کے تھوڑے ہی دن بعد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس نے پانچ چھ سال کی ایک نوزائیدہ بچی لڑکی چھوڑی تھی۔ الہامی صاحب نے اپنے مرید خاص میر عباس علی لدھیانوی کو لکھا کہ "حکیم نور الدین صاحب کے لیے اس لڑکی کی بابت بیعت کرو"۔ میر عباس علی نے لڑکی کی ماں اور بھائی سے گفتگو کی اور

بہلا پھسلا کر ان کو راضی کر لیا۔ لیکن انہوں نے اس اخراج کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ حنفی ہوں۔ اگر وہابی ہوں گے تو ہمیں شکایت نہیں ہے۔ گو مرزائی ہو جانے کے بعد وہ کوئی خاص حنفی نہ رہا ہے' وہ اہل حدیث لیکن چونکہ اس وقت تک مرزا صاحب اور ان کے پیرو کی بہت کم لوگ مرتد اور خارج از اسلام گمان کرتے تھے' اس لئے اہل اہل لوگوں کو یہ خطا نہیں ہوئی کہ تقلید اور عدم تقلید کا بھی مرزائیت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ مرتد ہونے سے پہلے مرزا صاحب اور حکیم نور الدین صاحب دونوں اہل حدیث تھے۔ اور چونکہ اس وقت تک ان کے دعوی رسالت میں اسلام کی بھی دخل باقی تھی اس لئے یہ خود بھی اب تک اہل حدیث ہی کہلاتے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے اشاعۃ السنہ میں حکیم صاحب کی نسبت لکھا کہ اہل حدیث اور قادیانی کو اہل حدیث لکھ کر ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں' اس دعوائے تعریف کو ایمان و عقائد سے دیکھیں تو ان کو مگر صحت احادیث سے دیکھیں تو ان کو مگر صحت احادیث سے لیکن جان لیجیے (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۴ ص ۱۴۱) اور لکھا کہ "قادیانی صاحب اہل حدیث کہلا کر اصل احادیث سے انکاری ہوتے ہیں"۔ (ایضاً ص ۱۴۲) میر عباس علی لدھیانوی نے مرزا صاحب کو اطلاع دی کہ لوگ دعوائے حنفیت کی شہرت لگاتے ہیں۔ وہابی کو یہ لوگ ہرگز نہ دیں گے۔

اپنے تئیں حنفی ظاہر کرنے کی ترغیب

لیکن اہل حدیث کو حنفی ظاہر کرنا قادیانی صاحب کے لیے کون سا مشکل کام تھا؟ انہوں نے حکیم صاحب کو لکھ بھیجا کہ یہ اپنے حنفی ہونے کا (مطالعہ) اظہار کر دیں۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب نے میر ناصر نواب کو حکیم صاحب کے نام جو چٹھی لکھی وہ ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "میں عاجز نے حسن خدوم کے نام ایک چٹھی کی تجویز کے لیے کئی چٹھے روانہ کیے تھے۔ ایک چٹھے سے جو جواب آیا ہے وہ کسی قدر حسب مراد معلوم ہوتا ہے یعنی میر عباس علی شاہ لدھیانوی کا خط جو روانہ خدمت کرتا ہوں۔ اس میں ایک شرط عجیب ہے کہ حنفی ہوں غیر مقلد نہ ہوں۔ چونکہ میر صاحب حنفی ہیں اور میرے بعض دوست حنفی اور جان صاحب جن کی برکت لڑکی سے یہ تجویز پیش ہے پکے حنفی تھے اور ان کے سب جو اس علاقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں' سب حنفی ہیں اس لیے حنفیت کی قید

بھی فاروی گئی۔ یوں تو "حنفیہ" مسلما میں سب مسلمان داخل ہیں لیکن اس قید کا جواب بھی معلوم ہے ہو جاتا ہے تو بہتر ہے۔ حنفی اور جان مرحوم جب تک زندہ رہے خدمت کرتے رہے۔ دوسرے تیسرے مہینے کسی قدر روپے اپنے رزاق خداوند سے مجھے بھیج رہے۔ چونکہ وہ حنفی خیال اور صوفی تھے اس لیے ان میں تعصب نہیں تھا۔ میری نسبت وہ خوب جانتے تھے کہ یہ حنفی تقلید پر قائم نہیں ہیں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ خیال انہیں عہد اور التماس سے نہیں روکتا تھا۔ فرنگی کا یہاں صاحبزادہ انظار احمد صاحب بھی نوجوان صالح ہے۔ اب وہ باقی تھے طلب ہیں۔ اصل یہ کہ ان کی حنفیت کے سوال کا کیا جواب دیا جائے۔ دو برے اگر رضامندی (تحقیق کی ہو جائے تو فرنگی کے کاہلی طبع سے بھی اطلاع ہو جانی چاہیے۔ مجھ سے میر عباس علی صاحب نے اپنے سوانح عمری لکھنے کا بھی جلد جواب طلب کیا ہے۔ اس لیے مجبور ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو جلد تر جواب ارسال فرماؤں۔ ابھی میں نے تصریح سے کچھ کام ان پر ظاہر نہیں کیا۔" (مکتوبات احمدیہ" جلد ۱ نمبر ۲ ص ۱۵۰۔ ۱۵۱)

دوسرے خط میں لکھا کہ میں نے قاضی صاحب اسرار نور واقف لوگوں سے اس لڑکی کی بہت تعریف سنی ہے۔ صاحبزادہ انظار احمد صاحب اور ان کے تمام اہل حنفیین کے حق پر تقلید حنفی کا بڑا رعب طاری ہے اور بدون دلائل کی مداخلت ہو خلیفہ صاحب کا حکم پیش کر لیتے ہے اگر خدا نخواستہ چاہے تو "تذکرۃ" ہو سکتی ہے۔ یکایکی تبدیلی کو قلب ماہیت میں داخل ہے۔ اس موقع میں تمام ذکشنری حمل علم و رزق و درگزر، زیادت عہد و خلیفہ و خانوادہ تک میں ہے۔ میرے گھر کے لوگوں کے خیالات صوفیین (اہل حدیث) کے ہیں۔ اصل تو خیالات میں مثل صوفیین کی طرح ہے زیادہ نظر قلب مگر اب میں نے کوشش کی ہے کہ اس خیالی قلعہ کو کچھ گھٹا دیا جائے۔ چنانچہ میرے خیال میں یہ کسی قدر گھٹ بھی گیا ہے۔ میرے گھر کے لوگوں نے ذکر کیا تھا کہ انہوں نے (یعنی آپ کے گھر والوں نے) لودھیانہ میں کسی تقریب سے یہ ذکر کیا تھا کہ اب تک تو مولوی صاحب (حکیم نور الدین صاحب) کا حنفیوں کا طریق معلوم ہوتا ہے۔ مگر میں ڈرتی ہوں کہ کہیں وہابی نہ ہوں۔ اور اب تک تو میں نے وہابیوں کی بابت ان میں کوئی بدگمانی نہیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں مناسب نہ سمجھا کہ اپنی رائے ظاہر کریں۔ (یہاں سے مولوی ہاشم نورانی نے کچھ

عبارت حذف کر دی ہے۔ واقعی چونکہ عورتوں کی باتیں عورتوں کے دلوں پر بڑا اثر ڈالتی ہیں اس لیے آپ کے گھر کے لوگوں کی تغیر کی وجہ سے ملاقات تبع حسنات ہو سکتی ہے۔ (ایضاً ص ۱۹) گو تحقیقات امروہہ کے جامع نے الہامی صاحب کے ان الفاظ کو جو ساری پنچایتی کی جان لگے حذف کر کے ان کی ہنگ نکلے دے دیئے ہیں لیکن تعین ہے کہ مہدی صاحب نے حکیم صاحب کو لکھا تھا کہ تم حضرت اپنے تئیں مخفی ظاہر کرو۔ میرے اس خیال کی تائید صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک بار کسی دینی ضرورت کے ماتحت حضرت مسیح موعود نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کو یہ لکھا کہ آپ یہ اعلان کر دیں کہ میں فوت ہو گیا ہوں حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب خلیفۃ اہل حدیث تھے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں ایک یوسف کاغذ ارسال کیا جس میں لکھا تھا۔

؎ جاہ و تعین کن گرت ہیں باید گو ۔۔۔ کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اور اس کے نیچے نورالدین فوت کے الفاظ لکھ دیئے۔ (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۳۸) غرض غیر ملفوظ کو ملفوظ ظاہر کر کے الہامی اور اس کی بات کو واقعی کر لیا گیا اور حکیم صاحب ان کی نوکری کر بیٹھے۔ واقعی پندرھویں صدی کی مجددیت کو یہی زیبا تھا اور صداقت کیسے رونق پاتی۔

باب ۳۶

بند سوالوں کے جوابات کا مطالبہ

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مرزا صاحب پہلے تو بڑے طمطراق سے دشمن کو للکارتے تھے اور پہلوانوں کی طرح باقاعدہ تم ٹھونک کر اور اکھاڑے میں اتر کر حل من مبارز (کوئی مقابلہ پر کرنے والا ہے؟) کے نعرے لگاتے تھے لیکن جب بہ بات کرنے کو سچ مچ سامنے آ موجود ہوا تو پھر پینترے بدلنے کرنے لگے اور بجائے اور بالمقابل قبول شرائط پیش کر کے راہ گریز

اختیار فرمائے تھے۔ جن ایام میں عبدہ صاحب آسمانی فرزند (بشیر اول) کا ڈاکٹری علاج کرانے کے لیے بلاد آئے ہوئے تھے ان دنوں بھی انہوں نے ایک ایسی ہی حرکت کی تھی۔ تفصیل کے لیے تبلیغ رسالت جلد اول صفحات ۳۰۰ تا ۳۰۲ ملاحظہ فرمائیے۔ غلام صاحب نے ۲۰ مئی ۱۸۸۸ء کو بلاد میں ایک اشتہار چھپوا کر شائع کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مسیح موعود مسیحی واعظ نے دعویٰ کیا تھا کہ مجھے ہی الہام ہوتا ہے اور میں کسی پیش از وقوع الہامی پیش گوئی کو ٹال بھی سکتا ہوں۔ چنانچہ اس دعویٰ کے پرکھنے کے لیے ۲۰ مئی ۱۸۸۸ء کو اس عاجز کے لیے ایک جلسہ قرار پایا۔ دس بجے کے بعد یہاں مسیح مسیح چند مسیحی عیسائیوں کے ساتھ جلسہ میں تشریف لائے اور چاہئے اس کے کہ وہ کوئی پیش گوئی کرتے دوسری پارٹی نے سراسر دلیلات اور خارج از مضمون تھیں شروع کر دیں۔ اب اس اشتہار کے جاری کرنے سے یہ غرض ہے کہ اگر کوئی مسیحی یورپین عیسائی صاحب علم ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں تو انہیں ہماری طرف سے اجازت ہے کہ بمقام بلاد جہاں ہم اکثر رمضان تک رہیں گے کوئی جلسہ مقرر کر کے ہمارے مقابل اپنی الہامی پیشگوئیاں پیش کریں تو اس اشتہار میں پادری رائٹ یا رجنلڈ صاحب ہر اس علاقہ کے ایک معزز یورپین پادری ہیں' ہمارے بالمقابل مخاطب ہیں۔ اور ہم پادری صاحب کو یہ بھی اجازت دیتے ہیں کہ اگر وہ صاف طور پر جلسہ عام میں اقرار کر دیں کہ یہ الہامی طاقت عیسائی کو دے سکتے ہے تو ہم ان سے کوئی پیشگوئی بالمقابل طلب نہیں کریں گے بلکہ حسب درخواست ان کی ایک جلسہ میں صرف اپنی طرف سے ایسی الہامی پیش گوئیاں پیش از وقوع پیش کریں گے جن کی نسبت ان کو کسی طور کا شک و شبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اور اگر ہماری طرف سے اس جلسہ میں کوئی ایسی قطعی و یقینی پیش گوئی پیش نہ ہوئی جو عام بندگان اور مسلمانوں اور عیسائیوں کی نظر میں انسانی طاقتوں سے بالاتر متصور ہو تو ہم اسی جلسہ میں دو سو روپیہ نقد پادری صاحب موصوف کو انعام ہرجانہ یا تاوان تکلیف دہی کے دے دیں گے اور اگر پادری صاحب اقرار کریں کہ اگر اس پیش گوئی کا مضمون سچ اور سچا نکلا تو میں بلاتوقف مسلمان ہو جاؤں گا اور اگر پیشگوئی کا مضمون سچ نہ نکلا تو پادری صاحب کو دو سو روپیہ دیا جائے گا۔

یورپین پادری نے تو مرزا صاحب کو بالکل التفات نہ کی کہ اس چیلنج کا کچھ جواب دیتا۔ البتہ پادری رجنلڈ نے عید الاضحیٰ ۱۸۸۸ء کے "نور افشاں" اخبار میں دو عیسائیوں کا

بابو اور رسالہ تھا اس کے جواب میں لکھا کہ ہم تحقیق الحقائق کے لیے اس طور پر جلسہ کر سکتے ہیں کہ چار سوال بند لفافہ میں حاضرین جلسہ میں سے کسی کے ہاتھ میں دے دیں گے۔ مرزا صاحب اسی جلسہ میں بیان کریں کہ وہ کیا کیا سوالات ہیں۔ اور مرزا صاحب منظور کریں تو ہمیں اختتام جلسہ میں کوئی عذر نہیں ہے"۔ ظاہر ہے کہ ایک عقد سادہ علم کے لیے یہ ایک بڑا سہل اور آسان طریقہ تھا جس سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لیے مرزا صاحب نے پہلے مرحلوں کے اختیار میں سے وہ بروقت سمجھ ریچھ کھیلنا شروع کیے اور پادری کے سامنے ایسی شرائط پیش کیں جو حد تو من نقل ہوگا نہ بڑھا ہوگا کے مصداق تھیں۔ مرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں لکھا کہ پادری ٹھ سو کسی فرع قابل خطاب ہی نہیں۔ البتہ اگر پادری دانت پر مٹھ جمے مقابلہ پر آئیں تو میں مندرجہ ذیل شرائط پر چند سوالات کے جواب دینے پر لکھتا ہوں۔

(۱) پادری دانت پر مٹھ کسی معزز کمپنی بنک والے کے پاس نقد ہزار روپیہ جمع کرا دیں۔

(۲) چند سوالات کے جواب اسی مجلس میں نہیں [illegible] بلکہ اس کے لیے دس بجے کی میعاد رہے گی۔

(۳) پادری دانت پر مٹھ پہلے ہی ایک جلسہ عام منعقد کریں اور اس میں علانیہ اقرار کریں کہ اگر دس بجے کے بعد فلاں کا سوال [illegible] تو وہ بلاتوقف دین مسیحی سے بیزار ہو کر مسلمان ہو جائیں گے۔

(۴) اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کا ہزار روپیہ ضبط کر لیا جائے گا"۔

ظاہر ہے کہ ان شرائط کے بعد کسی منصفانہ کی امید معدوم تھی۔ اس واسطے معاملہ یہیں تک ختم کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ہر دو پادری مرزا صاحب کو مدعی تو نہیں پاتا تھا اس سے بھلا کیوں امید ہو سکتی تھی کہ ان کی اشتہار بازی سے مرعوب ہو کر انہیں قابل خطاب سمجھ لگے۔ شملہ سے پہلے واپس آتا ہزار روپیہ جمع کرانا اور جلسہ عام منعقد کرا کر علانیہ ان کے جواب میں مضمون ہے۔ پھر اپنے سوالات پیش کرنا اور ان کے جوابات کے لیے دس بجے تک پہلے میں پڑا رہنا اور مرزا صاحب کو موقع دینا کہ کسی سازش کے ذریعہ سے بند لفافہ کے مضمون پر اطلاع پا لیں۔

باب ۴۷

مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے انتقال کی پیشین گوئی

مرزا صاحب نے اپنی پیشین گوئیوں کو بھی اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تھا۔ چنانچہ ایک اشتہار میں لکھا تھا "ہر خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق و کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔" (تبلیغ رسالت' جلد دہم' صفحہ ۱۸۸) اس بنا پر حق و خلق کی قدرت کاملہ نے مرزا صاحب کی بیشمار ہزارہا پیشین گوئیوں میں سے کسی ایک پیشین گوئی کو بھی پورا نہ ہونے دیا۔ گو سب نہیں کہ بعض ایسی پیشین گوئیاں پوری ہو گئی ہوں کہ قرائن حالیہ ان کے غلبہ کے موید تھے۔ لیکن میں ایسی خبروں کو پیشین گوئیوں کے بیان میں سے خارج سمجھتا ہوں کیونکہ شواہد و قرائن کی موافقت میں تو زید عمرو بکر ہر شخص پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ مثلاً راجپال جس نے ۱۹۲۷ء میں نانی علم دین شہید کے ہاتھوں لاہور میں زندگی کی رسوائی سے نجات پائی تھی اس کے قتل کی خبر صرف خاکسار راقم الحروف نے بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی پیشین گوئی کر رکھی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ البتہ مرزا احمد بیگ کے انتقال کی پیشین گوئی ایسی ہے جس کے متعلق مرزائیوں کا دعویٰ ہے کہ پوری ہو گئی اور اس پر وہ بہت کچھ اترایا کرتے ہیں۔ اس لیے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہوا۔ پیشین گوئی کے الفاظ یہ تھے۔ "میں نے کل کا واقعہ (مرزا احمد بیگ) ایک ضروری کام کے لیے ہماری طرف تھی ہوا۔ نام بنام (مرزا احمد بیگ) کی ایک لڑکی جو ہمارے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین خاں کو بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ تخمیناً سات سال سے کہیں چلا گیا اور مفقود الخبر ہے۔ اس کی زندگی میں کا حق (انگریزی قانون کی رو سے) ہمیں بھی پہنچتا ہے لڑکی (مرزا احمد بیگ) کی لڑکی کے نام کے انتقالات سرکاری میں درج کرا دی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے لڑکی بھتی ہمارے خلاف کے کھتیب لیے (مرزا احمد بیگ) نے اپنی لڑکی کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ تین سو پانچ روپے قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے

نام الور بھیجا گیا۔ چنانچہ ان کی تشفی کی طرف سے یہ خط لکھا گیا۔ چونکہ (انگریزی تاریخ کی رو سے) یہ خط علیحدہ ملازمت رضاکاری کے بیکار تھا۔ اس لیے مکتوب الیہ (مرزا احمد بیگ) نے تمام تر تجرد اختیار ملازمت طرف رجوع کیا تاکہ ہم راضی ہو کر اس خط پر دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے لیکن یہ خیال کیا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ملازمت ہے کہ جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیے۔ وہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی خان کی درخواست کا وقت آ پہنچا تھا جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنی درگاہ میں ظاہر کر دیا۔ اس خدا تعالیٰ منعال نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (مرزا احمد بیگ) کی دختر کلاں (مراد بیگم) کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا اور یہ فتح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے۔ یہ استخارہ ۲۰ فروری ۱۸۸۷ء میں درج ہے لیکن اگر فتح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ بعد فتح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی داماد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر میں تنگدستی اور مفلسی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔ مگر ان دنوں میں یہ زیادہ تشریح اور تفصیل کے لیے ہرگز توجہ نہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقدر کر رکھا ہے کہ یہ مکتوب الیہ (احمد بیگ) کی دختر کلاں کو ہر ایک روک دور کرنے کے بعد الہام کلمہ اسی مانع کے خارج میں ہو دے گا۔ اس بات میں یہ تمام ہوا ہے۔ انہوں نے ہمارے نشانوں کو نہ دیکھا اور نہ پہلے سے خبر کر رہے تھے سو خدائے تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لیے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور الہام کلمہ اس کی اس فتح کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ گو اہل بیت اور نادان لوگ بدباطنی اور بدبختی کی راہ سے بدگمانی کرتے ہیں لیکن آخر خدائے تعالیٰ کی مدد کو دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور سچائی کے کھلنے سے جاہلوں طرف سے تعریف ہوگی"۔ (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۱۵۰)

سانحہ چشمین گویئں جھوٹی نکلیں

الٰہی صاحب کا یہ بیان سات پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مرزا صاحب سے نکاح نہ ہوا تو لڑکی کا انجام نہایت بُرا ہوگا۔

(۲) لڑکی کا شوہر اڑھائی سال تک مر جائے گا۔

(۳) مرزا احمد بیگ (لڑکی کا باپ) تین سال تک یعنی لڑکی کے شوہر کی وفات کے چھ مہینے بعد دنیا سے گزر جائے گا۔

(۴) محمدی بیگم پر بالغ کے ہونے کے بعد الہام کہ مرزا صاحب سے ملائی جائے گی۔

(۵) وہ لوگ محمدی بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کے نکاح میں مزاحم ہیں خدا خود ان کی مداخلت کر کے مرزا صاحب کی مدد کرے گا۔

(۶) بدگوئی کرنے والے خدا کی لعنت کو دیکھ کر شرمسار ہوں گے۔

(۷) شادی ہو جانے کے بعد مرزا صاحب کی ہر طرف فتوحات و توصیف ہوگی۔

ظاہر ہے کہ ان سات پیشین گوئیوں میں سے مرزا صاحب کی کوئی بات بھی پوری نہیں ہوئی۔ یہ سچ ہے کہ مرزا احمد بیگ نے پیشین گوئی کے چھ سہ بعد انتقال کیا لیکن اگر اس عارضہ مرگ میں مرزا صاحب کی پیشین گوئی کو کوئی دخل ہو تو مرزا احمد بیگ کو اپنے داماد کے بعد انتقال کرنا چاہیے تھا۔ حالانکہ محمدی بیگم کا شوہر سلطان محمد آج تک زندہ موجود ہے۔

داماد اور خسر کے مرنے کی ترتیب کو بدل دیا

محمدی بیگم سے شادی ہونے کا اولین چرچا ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء کے اشتہار کے حاشیہ پر پایا جاتا ہے۔ (دیکھو تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۲) مرزا صاحب نے اس کے قریباً اڑھائی سال بعد اس پیشین گوئی کی تکمیل میں ۱۰ جولائی ۱۸۹۰ء کے اس اشتہار میں درج کی جو اوپر نقل ہو چکا ہے۔ اس اشتہار میں سات پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ان دونوں اشتہاروں میں مرزا احمد بیگ کے داماد کی موت کا ذکر پہلے تھا جس کی مدت اڑھائی سال بتائی تھی۔ اس کے بعد مرزا احمد بیگ کی وفات کا ذکر تھا جس کی میعاد تین سال تھی۔ یہ ترتیب صاف

ہا ہوں ہے کہ پہلے داماد کو مرنا تھا اور اس کے بعد خسر کے رخصت سفر باندھنے کی تیاری تھی لیکن جب قضائے کردگار سے ۱۹۰۷ء کے اواخر میں مرزا احمد بیگ کا انتقال ہو گیا تو مرزا صاحب نے اس کے بعد کتاب "شہادۃ القرآن" میں ۲۰ دسمبر ۱۹۰۷ء کو شائع ہونی داماد اور خسر کے مرنے کی ترتیب کو بدل دیا۔ یعنی مرزا احمد بیگ کی وفات کو اول اور مرزا سلطان محمد کے انتقال کو دوسرے درجہ پر کیا تاکہ لوگ سابقہ الہاموں کی اس ترتیب کو بھول جائیں' جن میں داماد کے مرنے کو مقدم اور خسر کی موت کو موخر رکھا تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کی موشگافی ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔ "وہ پیش گوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں کہ

(۱) مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔

(۲) اور پھر داماد اس کا یعنی اس کی دختر کلاں کا شوہر ہے ۱۵ ماہ کے اندر فوت ہو۔" (شہادۃ القرآن صفحہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ ۵۶)

حالانکہ پہلے الہاموں اور الفاظوں کی رو سے داماد کو پہلے رخصت ہونا چاہیے تھا اور اگر ارباب اقتدار کے پاس خاطر سے مرزا صاحب کی قائم کی ہوئی ترتیب کا لحاظ نہ رکھا جائے تو بھی یہ پیش گوئی پوری نہیں سمجھی جا سکتی کیونکہ پانچ سات باتوں میں سے ایک آدھ بات تو لوگوں اور بازاری لفظوں کی بھی پوری ہو جاتی ہے۔ سال اور مہینہ بھی بعد میں بڑھا لیا کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پوری ہو جاتی ہے۔ اور ہر شخص اسے صداقی والہام سمجھتا ہے۔

احمد بیگ کی موت کا آخری مصیبت ہونا

علاوہ ازیں حسب تصریح الہامی صاحب مرزا احمد بیگ کو سلطان محمد کی زندگی میں نہیں مرنا چاہیے تھا کیونکہ الہامی صاحب نے پہلے لکھ دیا تھا کہ احمد بیگ کی موت گھر والوں کی آخری مصیبت ہوگی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے "آئینہ کمالات" کے صفحہ ۵۷۳ پر ایک عربی الہام لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "خدا نے مجھے وحی کی کہ احمد بیگ سے اس کی بڑی لڑکی کے لیے بات چیت کرو اور اس سے یہ بھی کہہ دے کہ اگر تو نے اس پیغام کو ٹھکرا دیا تو اس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا تو لڑکی کے لیے بابرکت ہوگا اور نہ تمہارے لیے اور

اگر تو اس سے متنبہ نہ ہوا تو تجھ پر بہت سی مصیبتیں نازل ہوں گی۔ جن میں سب سے آخری مصیبت تیری موت ہوگی"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان محمد سے تیری قسم کی شادی ہو جانے کے بعد خانوادہ کے سلسلہ مصائب کی آخری کڑی مرزا احمد بیگ کی موت ہوگی بلکہ قہر الٰہی سے پہلے خود اجل ہو گیا۔ اس لئے پیشین گوئی کا یہ جز بھی پورا ہوا۔

باب ۳۸

مرزا سلطان محمد کے ہلاک ہونے کی پیشین گوئی

الٰہی صاحب نے ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ اگر احمد بیگ نے اپنی لڑکی کی شادی کر دینے سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ دو سال کے اندر فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر میں فقر اور فاقہ اور مصیبت پڑے گی۔ (تبلیغ رسالت' جلد اول' ص ۱۴۱) اس اعلان کے بموجب چاہیے تھا کہ مرزا سلطان محمد خاوند بنی ۱۹۰۰ء اور (جس سے لڑکی منسوب تھی) اور اس کے دوسرے طریق و اقارب خوف زدہ ہو کر منگنی چھوڑ لیتے لیکن وہ مطلق ہراساں نہ ہوئے اور یقین کر لیا کہ حضرت غلام دستگیر رسول دراز اور نقدس مآب کی آڑ میں فائدہ کمانا چاہتے ہیں۔ جب پہلا اشتہار ان پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوا تو الٰہی صاحب نے مزید تین اور اشتہارات شائع کئے اور خطوط میں طرح طرح کی دھمکیاں دیں تاکہ کسی طرح منگنی سے دست بردار ہو جائیں۔ ایک خط میں لکھا کہ تم اس تعلق کو قطع کر دو۔ تمہاری دوسری جگہ شادی کرا دی جائے گی۔ تمہاری جوانی پر مجھے رحم آتا ہے۔ تم اس ارادہ سے باز آ جاؤ۔ اس کے بزرگوں کو بھی خطوط بھیج بھیج کر ڈرایا دھمکایا۔ مگر وہ لوگ دل کے مضبوط تھے۔ ان پر ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا"۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۹' صفحہ ۱۸۶) مرزا صاحب نے اپنے چار ہزاری اشتہار میں بہ رسالہ "انوار الاسلام" کے ساتھ منسلم ہے" صفحہ ۳ پر لکھا ۳۰ مرزا بیگ کے داماد کا یہ تصور تھا کہ اس نے تخویف کا اشتہار دیکھ کر اس

کی پرواہ نہ کی۔ خلاف ورزی کرتے گئے۔ ان سے بگاڑ نہ ہو" پیام بھیج کر سمجھایا گیا۔ کسی نے اس طرف ذرا التفات نہ کی اور اسی تک سے ترک تعلق نہ چاہا بلکہ وہ سب گستاخی اور اسراف میں شریک ہوئے۔ یہی تھا کہ جشن گوئی کو سن کر پھر بلا کرنے پر راضی ہوئے"۔

مرزا صاحب کو "سراج الاخبار" کا مشورہ کہ الٰہی سے کوئی تاویل گھڑلو

مرزا صاحب نے سلطان محمد کی بیاہ جانے پر شادی سے ڈھائی سال بعد تک کی تھی۔ شادی ۱۰ اپریل ۱۸۷۸ء کو ہوئی۔ اس حساب سے مرزا سلطان محمد کی زندگی کا آخری دن ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۰ء تھا لیکن لطف یہ کہ مرزا سلطان محمد تاج سر تیرہ ۱۳ سال تک اپنی ریاست صفحہ ہستی پر اپنی موت کے بعد چوالیس سال سے زیادہ تک دنیا کی سیر کر رہے ہیں اور عالم آخرت میں جانے کا نام نہیں لیتے۔ مرزائی لوگ نام خود پر "الہام اجراء موتی" کے قائل نہیں۔ حالانکہ ان کے سامنے مرنے والے ہونے کی ایک اور مثال موجود ہے۔ جب اپنی آخم ضربتی کے متعلق الہام صاحب کی جشن گوئی غلط نکلی اور انہوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ باری تعالیٰ نے دل میں رجوع کر لیا ہے تو اس مدعی پر تاز گھڑنے کے متعلق مدیر "سراج الاخبار" جلم نے لکھا۔ "مرزا صاحب کو چاہیے کہ مرزا امام بیگ کے مارنے کی پیشین گوئی کی نسبت بھی الٰہی سے کوئی تاویل سوچنا شروع کر دیں کیونکہ اس کی میعاد کے ایام میں صرف چند روز رہ گئے ہیں اور یہ فرمان اس وقت زلزلہ ہی میں درج ہوا ہے"۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ ص ۱۱) لیکن "سراج الاخبار" کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ قادیان شریف میں الہام میعاد کے وقت کسی میعاد بچانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ مرزائی محمل میں ہر قول اور ہر پیشین گوئی کی تاویل اسی وقت تیار کر لی جاتی تھی جبکہ مرزا صاحب کا تیر مدعا کسی پیشین گوئی کو تموج کرنا یا بیچ بیچ کی کسی اطلاع کے ہو جب کسی پیشین گوئی کے بطلان کا فیصلہ کیا جاتا۔

الٰہی صاحب کی مضحکہ خیز سازباں

جب مرزا سلطان محمد کی ہلاکت کی ڈھائی سالہ پیشین گوئی بھولی گئی تو سر یا ہر اکتوبر

سلطان کو قتل میں چاروں طرف سے اٹھ گئے اور مرزا صاحب کے اردگرد تحویل کاری کا تماشہ دیکھنے کے لیے کٹرے ہو گئے۔ مرزا صاحب نے اپنے کیسۂ تحویل میں سے ایک عدد تحویل پچھوندر نکال کر باہر پھوڑ دی۔ لوگ اس کو دیکھ کر حش حش کر گئے کہ کیسی بدیع و غریب پچھوندر ہے۔ آپ بھی اس پچھوندر کی طی توزی اور حسن و جمال کی داد دیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "اکبر بیگ کا داماد جو ماحاق سال کے اندر فوت نہ ہوا تو اس کی یہی وجہ تھی کہ اس عبرت انگیز واقعہ کے بعد جو اکبر بیگ اس کے خسر کی وفات تھی ایک شدید خوف اور حزن اس کے دل پر وارد ہو گیا اور نہ صرف اس کے دل پر بلکہ اس کے تمام متعلقین کو اس خوف و حزن نے گھیر لیا۔ ایک داماد سوچ سکتا ہے کہ اکبر بیگ کے مرنے کے بعد اس کے داماد کا کیا حال ہوا ہو گا کہ وہ بیچارا ہی مر گیا ہو گا۔ چنانچہ اس کے بزرگوں کی طرف سے دو خط ہمیں بھی پہنچے ہیں ایک حکیم صاحب ہاشمہ داماد، (جس کا دنیا میں کہیں داماد نہ تھا۔ راقم) کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے جن میں انہوں نے اپنے قرب و انتظار کا حال لکھا ہے۔ سو ان تمام قرائن کو دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ تاریخ واقعہ سلطان محمد قائم نہیں رہ سکتی"۔ (تحقیق رسالہ' جلد ۳ ص ۱۵۲) اب ذرا اکبر بیگ کے حالات کا بیان سنیے لکھتا ہے۔ "جب اکبر بیگ بیماری میں ہلاک ہو گیا تو سلطان محمد پر خوف طاری ہوا۔ اس نے حضرت مسیح موعود کو دعا کے لیے خط لکھے اور نہایت تضرع و ابتہال سے جناب باری میں دعا کی تو خدا تعالیٰ غفور رحیم نے سلطان محمد کی زاری کو دعا کے جواب بنا لیا"۔ (اکبر بیگ' ص ۱۰۰۔ ۱۰۱) لیکن سوال یہ ہے کہ جب محمدی بیگم کی شادی کے چھ مہینے بعد مرزا اکبر بیگ نے وار آخرت کی راہ لی اور مرزا سلطان محمد پر خوف و ہراس طاری ہوا تو الہامی صاحب نے اسی وقت کیوں اعلان نہ کر دیا کہ سلطان محمد نے توبہ کر لی ہے اس لیے اس کی موت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے؟ مرزا صاحب اس کے بعد دو سال تک خاموش کیوں بیٹھے رہے۔ بعد اس سے پیشتر کہ مرزا سلطان محمد کی موت کا انتظار کرتے کرتے ۱۹۰۷ء سال کی مدت معہود گزار دیں۔ انہوں نے پیشین گوئی کے فسخ کا کیوں اعلان نہ کر دیا؟ جب ایسا نہ کیا تو بعد از وقت فسخ سازی کرنا "بعد از جنگ یاد آید" کا مصداق ہے۔ اس سے قطع نظر کر کے چل کر آپ کو معلوم ہو گا کہ الہامی صاحب نے سلطان محمد کی موت کو اگلی بنا بلکہ ۱۹۰۷ء سال کی مدت میں توسیع کر دی۔ دیکھیے کہ سلطان محمد نے

مرزا جی کو خط لکھے "پاکل سفید بھوت اور کھل الناظر غلام قادر ہے۔

مرزا سلطان محمد کا بیان کہ میں ہرگز نہیں ڈرا

جب مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے مرزا صاحب کی یہ تحریر چھپی کہ مرزا سلطان محمد ڈر گیا اس لیے اس کی صحت خراب ہو گئی تو انہوں نے اس بیان کی تنسیخ کا قصد کیا۔ اس وقت مرزا سلطان محمد ڈلہوزی میں سرکاری فوج کے رسالہ میں ملازم تھے۔ مولوی محمد حسین مرحوم نے اپنے ایک دوست شیخ محمد سعید اللہ لودیں کو خط لکھا کہ مرزا سلطان محمد سے مل کر ان سے اس کے متعلق دریافت کریں۔ شیخ محمد سعید رسالہ میں جا کر ان سے ملے اور ڈرنے کے متعلق ان کے خیالات معلوم کیے۔ انہوں نے ڈر جانے کے دعوے کی صداقت سے انکار کیا اور یہ تحریر لکھ دی۔ "میں مرزا غلام احمد کو جھوٹا اور دروغ گو جانتا تھا اور جانتا ہوں اور میں سلطان محمد ہوں۔ خدا کا بروقت شکر گزار ہوں"۔ (سلطان محمد بیگ۔ قلم خود) (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۲ ص ۱۸) رسالہ "اشاعۃ السنہ" نے مرزا سلطان محمد کا یہ بیان اخباروں کے سپرد صاحب کے میں جلد نمبر ۱۲ سنہ ۱۸۸۹ء میں شائع کیا تھا لیکن سپرد صاحب نے اس کی کوئی تردید شائع نہ کی۔ اس کے بعد بھی مرزا غلام احمد صاحب چھ سال تک اس حیثیت کہ عالم میں موجود رہے لیکن سلطان محمد بیگ کے اس بیان کی تردید کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔ آخر ماہ مئی ۱۸۹۷ء کو مرزا سلطان محمد کی تصدیق ذیل چھپی جو ۱۳ مئی ۱۸۹۷ء امرتسر میں چھپی تھی "جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی مومنہ کی چھپی کوئی تردید تھی میں نے اس میں ان کی تصدیق کبھی نہیں کی۔ نہ میں اس چھپی کوئی سے کبھی ڈرا۔ میں پیشہ سے اور اب بھی اپنے بزرگان اسلام کا پیرو ہوا ہوں"۔ (سلطان محمد بیگ۔ مہر مارچ ۱۸۹۷ء)

اس چھپی کی تصدیق حسب ذیل پانچ گواہوں نے کی۔ ■ مولوی عبداللہ امام مسجد مبارک چھپی ضلع لاہور۔ (۲) مولوی مولا بخش خطیب جامع مسجد چھپی۔ (۳) مولوی عبدالمجید ساکن چھپی۔ (۴) منشی محمد حسین منشہ نویس چھپی۔ (۵) مولوی امیر اللہ صاحب' امرتسری۔ (اشاعۃ السنہ" مورخہ مہر مارچ ۱۸۹۷ء) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے "اشاعۃ السنہ" میں لکھا تھا کہ اگر مرزائی اس چھپی کو غیر صحیح ثابت کر دے

اسے دی گئی سو روپیہ انعام دیا جائے گا جو میں نے اشتہار میں میر قاسم علی مرزائی سے جیتا تھا اس اعلان پر تمام مرزائی دم بخود رہ گئے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کے خلاف لب کشائی یا خط ارسال کرتا۔ (تحریر پاکٹ بک ص ۲۸۸)

خوف اور توبہ کا انتظام طلاق دیتا تھا

یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ مرزا سلطان محمد کے خوف اور توبہ کا مرزائی اشاعت اسی صورت میں قابل التفات ہو سکتا ہے جب کہ مرزا سلطان محمد صاحب اپنی بیوی کو طلاق دے کر صاحب کے لیے حق طلاق کا راستہ صاف کر دیتے اور مرزا صاحب کے الہام "جس طلاق" کی عملی تصدیق کرتے جو انیس ماہ دسمبر ۱۸۸۸ء کو ہوا تھا (البشریٰ جلد ۲ ص ۱۸) کیونکہ قادیان کی بارگاہ عدل کی طرف سے جو فرد قرارداد جرم مرزا سلطان محمد کے خلاف جاری کی گئی وہ یہی تھی کہ انہوں نے قوی بیگم کی عملی پیروی کر کے مرزا صاحب تک سے قطع تعلق مقدور کیا تھا۔ چنانچہ خود مرزا صاحب فرماتے ہیں "سلطان محمد اور اس کے اتحاب اس لیے ملزم ٹھہرے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ان کو ہم نے بار بار سمجھایا اور ان طلسموں اور نیز خطوط کے ذریعہ سے بہت کچھ کہا کہ ان کا ترک کر دینا اچھا ہے یہ باتیں گویا ایک قوم سرکش کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تم ان کے ساتھ مل کر ویسے ہی مستوجب عذاب ہوئے اگرچہ تم کہ وہ بھی غفلت دل اور دنیا پرستی تھے اس لیے انہوں نے نہ مانا اور اسی طرح غفلت اور فسق کی اور اپنی بے باکی سے اس درشت سے دست کش نہ ہوئے"۔ (تتمہ حقیقت جلد ۳ ص ۳۸) اور توبہ کی حقیقت خود مرزا صاحب نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ "اگر یہ شخص اس تاثیر عذاب کی وجہ سے کہ جو سر پر ہے اخلاص سے تائب ہو تو یہ توبہ مسلمان ہو جائے اور اگر ایک جرم کا مرتکب ہے تو یہ توبہ اس جرم سے دست بردار ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے فضل میں آ جاتا ہے"۔ (ایضاً ص ۳۸) پس جس صورت میں کہ مرزا سلطان محمد صاحب اپنے جرم سے دست بردار نہ ہوئے اور قوی بیگم مرزا صاحب کو تفویض نہ کی تو ان کی توبہ اور خوف و خشیت محض غلط فہمی ہے۔ اور اگر بفرض محال مرزا سلطان محمد ارتکاب جرم سے باز آ جاتے اور وہ خدا تعالیٰ اپنی لیلیٰ کبریٰ کو طلاق بھی دے دیتے تو کچھ مفید نہ ہوتا کیونکہ حسب بیان صحیح قادیان مرزا سلطان محمد کی موت مقدر ہو چکی تھی۔ چنانچہ

مکتوب لکھا جائے کہ الہٰی صاحب نے اور اکثر معاملہ کے دستخط میں یہ بھی لکھا تھا کہ سلطان محمد کے بزرگوں کی طرف سے یہ ملک ہمیں بھی پہنچتا ہے ایک حکیم صاحب باشعور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے جن میں انہوں نے اپنے قبضہ و استقرار کا حال لکھا ہے"۔ لیکن یہ بیان غلط" ظاہر اور بے گزشت ہے۔ اگر الہٰی صاحب اس بیان میں سچے تھے تو انہوں نے اس حکیم کا نام اور پتہ کیوں نہ لکھا اور یہ غلط کیوں شائع نہ کیا؟ اگر مرزا صاحب کے پاس واقعی اس قسم کے کوئی خط آئے ہوتے تو وہ اپنی عادت مستمرہ کے بموجب بالکل ظاہر کر دیتے اور بڑے طمطراق سے ان کو اپنی سچائی میں پیش کرتے لیکن جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ داستان محض مرزا صاحب کا دماغی اختراع ہے۔ چنانچہ جب شیخ صاحب نے لکھا کہ سلطان محمد کے بزرگوں نے انعام قسمہ کیا ہے تو مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس کے جواب میں لکھا کہ مرزا سلطان محمد بیگ نے اپنی اس تحریر میں ہماری طرف روانہ کی ہے اس سے بھی انکار کیا ہے کہ ان کے کسی رشتہ دار نے کوئی خط تحسین یا قبضہ و استقرار مرزا غلام مرتضیٰ کے نام لکھا ہو"۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ ص ۱۴۴) جب مولوی محمد حسین صاحب کا یہ ترددی بیان شائع ہوا تو اگر اس وقت بھی مرزا صاحب کے ہاتھ کچھ ہوتا تو ضرور اپنی دلیل کے طور پر شائع کر دیتے لیکن مرزا صاحب نے اپنی عادت ہی نہیں کہ قلم پر سکوت کو ترجیح دیں۔

باب ۳۹

مرزا سلطان محمد کی مدت حیات میں کرم گستران توسیع

جب اپیل گرائی کی واپسی سے مدت گزر گئی اور مرزا سلطان محمد کو نصیب خدا کسی قسم کا کوئی چشم زخم نہ پہنچا تو مرزا صاحب نے فیصلہ کی سازی اور تکمیل کاری سے فراغت پانے کے بعد مرزا سلطان محمد کی جوانی پر رحم کھا کر یا تعین وقت ان کی زندگی میں بدیں شرط توسیع فرمادی کہ یہ مرزا صاحب کی زندگی ہی میں مرزا کو شائع کر دیں تاکہ ان کی حکومت اور ریاست کے موہوم رسوخ کے ساتھ ایک بڑے سے رقابت نہ رکھیں چنانچہ مرزا

صاحب فرماتے ہیں۔ "جس کوئی کا یہ مرا حصہ ہو اس کے داماد کی موت ہے وہ الہامی شرط کی وجہ سے دوسرے وقت پر جا پڑا اور داماد اس کا الہامی شرط سے اس طرح متبع ہوا جیسا کہ اعظم ہوا۔ کیونکہ اعظم کی موت کے بعد اس کے وارثوں میں خلط ملط ہوا ہوئی۔ سو ضرور تھا کہ وہ الہامی شرط سے فائدہ اٹھاتے۔ پس اس کا داماد تمام کہہ کے خوف کی وجہ سے اور ان کے قہر اور رجوع کے باعث سے اس وقت فوت نہ ہوا۔ (البتہ آٹھ کئی سال ضرور فوت ہوگا) مگر یاد رکھو کہ خدا کے فرمودہ میں تخلف نہیں اور الہام وہی ہے جو ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ خدا کا وعدہ ہرگز ٹل نہیں سکتا۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ مرزا غلام احمد صاحب۔ صفحہ ۳)

تقدیر مبرم اور مرزائی صدق و کذب کا معیار

الہامی صاحب نے مرزا سلطان محمد کی زندگی میں یہ توسیع فرمائی تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ الہامی صاحب کے رخصت ہونے کے بعد بھی دنیا میں موجود رہے بلکہ غرض یہ تھا کہ یہ مرزا صاحب کی زندگی ہی میں توبہ جہالت کی پاک صاف کی طرف پھر کر اپنی عاقبت کو مرزا صاحب کے حق میں درست کر لیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "میں بار بار کہتا ہوں کہ جس پیش گوئی داماد اور بیٹے کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی"۔ (ایضاً ص ۳) اسی طرح فرمایا "یاد رکھو کہ اس پیش گوئی کی دوسری جزو (سلطان محمد کی موت) پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر سمجھا گیا۔ اے افترا پر انسان کا افتراء نہیں۔ نہ یہ کسی ضعیف مخلوق کا کلمہ ہے۔ بلکہ سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خدا جس کی باتیں ٹلتی نہیں"۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۵)

مرزا جی کے حامی خدا کی تفویضیاں

الہامی صاحب نے ۲۵ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ اگر فاتح سے انحراف کیا تو اس لڑکی (محمدی بیگم) کا انجام خطرناک ہی ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے

بیان جائے گی وہ روز بروز ترقی سے ۲۰ سال تک قوت ہو جائے گا اور ان کے گھر میں تفرقہ اور نفاق اور عیسیٰ پڑے گی"۔ (تبلیغ رسالت" جلد اول" ص ۱۱۱) لیکن آگے چل کر واقعات نے دکھا دیا کہ مرزا جی کے باقی تمام پیشگوئیوں کی طرح یہ بھی سراسر لغو و بے بنیاد تھیں۔ اور یہ بھی شاید سیلہ کذاب کی طرح تحریفی سچ کا مجھ تھا کہ ہو سکتا ہے انہوں نے اپنے رقیب اور اس کی دلہن کے مستقبل کے متعلق جو برا سراسر اس کے برعکس ظہور میں آیا۔ محمدی بیگم نے شادی کے بعد بہت اطمینان کی زندگی اور طویل اقبال دیکھی کہ جس کی نظیر بہت کم گھرانوں میں پائی جاتی ہے۔ آج سے قریباً ساٹھ سال پیشتر یہ خوش صاحب ساکن گڑھی شاہو لاہور کے مخلصات کے جواب میں مرزا سلطان محمد نے سید صاحب کے نام مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

"مکرم بندہ جناب شاہ صاحب! السلام علیکم میں بحکم قادر حکیم تندرست اور بفضل خدا زندہ ہوں۔ خدا کے فضل سے عافیت کے وقت بھی تندرست رہا ہوں۔ میں اس وقت بعد رسائی داری جالندھر ہوں۔ ایک سو پچیس روپیہ ماہوار جائیداد ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے پانچ سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔ قصبہ پٹی میں میری بڑی زمین بھی ہے۔ بہت سے حصہ میں قریباً سو بیگھہ کنی ہے۔ ضلع گورداسپور میں بھی میری کچھ زمین ہے۔ بہت سے لڑکے ہیں' جن میں سے ایک لاہور میں پڑھتا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس کو پچیس روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے۔ دو مرزا فوج پٹی میں افسری میں تعلیم پاتا ہے۔ میں خدا کے فضل سے اہل حلقہ والجماعت ہوں۔ میں محمدی بیگم کو برا سمجھتا ہوں' میں اس کا خاوند نہیں ہوں' اس کا دیور ہوتا ہوں۔" (السلام (سلطان محمد) بیگ مقیم پٹی ضلع لاہور۔ (اظہار متعلق صفحہ "مہر قمر" سورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۰ء)

باب ۵۰

مرزا محمود احمد صاحب کے تولد کی پیشین گوئی

مرزا صاحب کا معمول تھا کہ جب محترمہ حضرت بیگم صاحب حاملہ ہوتیں تو آپ

طب کی ورق گردانی شروع کر دیتے اور علامات حمل کے بیان کو بغور پڑھتے تھے کہ معلوم کرنے کی کوشش فرماتے کہ حمل لڑکے کا ہے یا لڑکی کا۔ اگر کتاب و علامات اس بات پر دلالت کرتے کہ حمل لڑکے کا ہے تو مہینوں کے طلوع و غروب کے بعد حمل کے چھٹے یا ساتویں مہینے بیٹھن گوئی فرما دیتے کہ میرے یہاں لڑکا متولد ہوگا۔ چونکہ اس بیٹھن گوئی کے وقت لڑکے کا نام بھی تجویز کر لیتے تھے اس لیے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کرتے کہ اس کا نام یہ ہوگا۔ اس کے بعد اگر حسب مراد لڑکا پیدا ہوتا تو اس پر افتخار تھا اور اس بیٹھن گوئی کو اپنے تجربات کی فہرست میں درج کر لیتے۔ اتفاقی بھید کے یہاں دوسری بیوی کے بطن سے پہلے لڑکے بھی متولد ہوئے ان کی پیدائش کی بیٹھن گوئیاں بھی یہی حیثیت رکھتی ہیں۔ گو بعض اوقات بیٹھن گوئی کے خلاف لڑکے کی بجائے لڑکی بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ تاہم ہر ایک کی ولادت کی اطلاع مرزا صاحب کا ایک مخلص یا محبوب" فقہ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔ "ہمارا ایک اور نشان یہ ہے کہ ہر ایک لڑکے کا جو ہمارے ہی ہر ایک کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ محمود جو پہلا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اس سے پیشتر اس عاجز نے مرتبہ اپنی کھلی کھلی بیع محمود کے نام کے ساتھ ہے' جو پہلے لڑکے کی ولادت کے بارے میں شائع کیا گیا تھا" اور رسالہ کی طرح کی دونوں کا اشتہار سبز رنگ کے دو ورقوں پر ہے اور شیر خدا دربیان لڑکا ہے" اس کی خبر ایک سلیم اشتہار میں موجود ہے جو سبز اشتہار کے نام سے الگ شائع کیا گیا تھا اور شریف جو سب سے پہلا لڑکا ہے' اس کے لڑکے کی نسبت اپنی کتاب "انجام آتھم" اور "اشتہار الاسلام" میں موجود ہے۔ اب دیکھنا کہ کیا یہ خدائے عالم الغیب کا نشان نہیں ہے کہ ہر ایک بشارت کے وقت میں قبل از وقت یہ بشارت دیتا ہے" (انجام آتھم' صفحہ ۵۵) مرزا صاحب ہمیں مصنف براہین احمدیہ ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے (دیکھو کیفیت امریہ' جلد ۵' نمبر ۳' ص ۳۳) اس سے ٹھیک چھ مہینے پہلے مرزا صاحب نے اپنے ایک اشتہار میں جو ۱۵ جولائی ۱۸۸۷ء کو شائع کیا تھا لکھا کہ "خدائے متعال نے ایک اور لڑکا ہونے کا قریب ۱۸ مہینے تک وعدہ دیا ہے جس کا نام محمود ہوگا اور اپنے کلاموں میں اولوالعزم لکھے گا۔" (تبلیغ رسالت' جلد اول' صفحہ ۱۵۰) جب کبھی اس قسم کی بیٹھن گوئی پوری ہوتی تو الہامی صاحب کو پریشان کرنے اور اپنے "مخلصوں" کا سکہ بٹھانے کی ایک اچھی دستاویز ہاتھ آ جاتی تھی۔ چونکہ دعوی کا سارا دار و مدار پیشگوئی پر تھا اس لیے الہامی

صاحب اس قسم کے دعوے کو صرف ایک قصہ بلکہ استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ اس سے بار بار کام لیتے تھے۔ مثلاً اسی مرزا محمود کی ولادت کی پیشین گوئی کو لیجئے۔ مطبع ضیاء الاسلام کے اشتہار میں بھی اس پر فخر و مباہات کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "پانچویں پیشین گوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ لائق پیدا ہوگا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیش گوئی کی اشاعت کے لیے بیس سو روپیہ کے اشتہار شائع کیے گئے تھے۔ وہ لائق لڑکا تمام لوگوں کی اطلاع کے لیے ہزارہا آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیش گوئی کی میعاد میں پیدا ہوا اور اب تیرہ سال میں ہے"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی' جلد ۲۲ ص ۴۷۰) اسی طرح دوسری کتابوں اور اشتہاروں میں بھی یہی پیشین گوئی درج کر کے اس کا خوب ڈھنڈورا پیٹا ہے۔

باب ۱۵

اخذ بیعت کا عام اعلان

طریقہ "محمدیہ" صاحب گرگٹ کی طرح ہر موسم میں رنگ بدلتے رہتے تھے۔ شروع شروع میں تو عرصہ تک بیعت کو لغو اور بے سود بتاتے رہے۔ چنانچہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں کہ "جب کبھی بیعت اور ہجرت اور ہجرت کی تحریک ہوتی تھی تو مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو خود سوچ و فکر کرنی چاہیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ مولوی محبوب علی صاحب اس سے کہیں ہجرت کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۵۵) اس کے بعد الہامی صاحب نے خود ہی تجویز محمود کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اقراری حیثیت سے لوگوں سے بیعت لینے لگے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ دور گیا جبکہ الہامی صاحب نے لوگوں کو اپنی بیعت کی عام دعوت دی۔ مرزا صاحب نے اس قسم کی عام بیعت پہلی مرتبہ ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۲۰ رجب ۱۳۰۶ھ کو لدھیانہ میں لی۔ دعوت بیعت کے متعلق مرزا صاحب نے اشتہار بھی چھپوا لئے۔ (ایضاً ص ۱۵۳) ۱۸۸۹ء میں الہامی صاحب نے

مرحلی رئیس ہوشیار پور کے لڑکے کی تقریب شادی میں ہوشیار پور گئے۔ اور اپنے ساتھ بیعت کے بعد سے اشتہار لیتے گئے۔ انہی دنوں ہوشیار پور میں مولوی محمد شاہ نزاری کا وعظ تھا۔ بقول زبان کے نشتر تیز، مثل واعظ تھے۔ غلبہ حال سے پیشتر مرزا جی نے مولوی محمد شاہ کو اپنی بیعت کا اشتہار دیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ دوران وعظ میں میرا یہ اشتہار بیعت پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں۔ انہوں نے یہ اشتہار اپنے وعظ میں تو پڑھ کر نہ سنایا البتہ جب اکثر لوگ منتشر ہو گئے تو اس وقت معدودے حاضرین کو پڑھ کر سنایا۔ حاضرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو اس سے بہت رنج ہوا اور فرمایا۔ "ہم اس کے بھلے کے خیال سے ہی اس کے شہر میں لے گئے تھے کہ ہماری تبلیغ ہوگی مدد ہمیں کیا خوبصورت تھی"۔ (ایضاً) اس کے کچھ دنوں بعد جب کتاب موجود ہونے کا دعویٰ کیا تو لدھیانہ میں از سر نو اشتہار کی طرح ڈالی۔ سب سے پہلے تجم الدین نے بیعت کی تھی۔ (ایضاً ص ۳)

باب ۵۲

علی گڑھ کا سفر اور اپنی بجز بیانی پر پردہ ڈالنے کی کوشش

۱۸۸۸ء میں امراؤ صاحب علی گڑھ گئے۔ سید عباس علی لدھیانوی اور شیخ علی ساتھ تھے۔ سید متقی حسین سپرنٹنڈنٹ دفتر ضلع کے مکان پر فروکش ہوئے۔ ایک تعمیل دار نے دعوت کی۔ کھانے کے لئے میز پر کرسیاں بچھ گئیں۔ لوگ کرسیوں پر بیٹھ کر میزوں کے اردگرد بیٹھ گئے۔ چاچا کالج کے گھاس میں گدے رکھے ہوئے تھے۔ میر صاحب نے فقہ سلیمان نوشوی رحمۃ اللہ علیہ اور یہ سرے اکبر کو رکھا ہوا تھا اور جانتے تھے کہ ان لوگوں کے اطوار میں کس طرح بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ جب کھانا شروع ہوا تو میر عباس علی نے ہر اس وقت تک مرزا صاحب کو بیٹھنے دیا اور خود بیٹھا رہا۔ لوگ کھانے بیٹھ گئے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا بلکہ خاموش بیٹھے رہے۔ امراؤ صاحب نے کہا میر صاحب! آپ کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے کہا حضرت! یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے اور نصاریٰ کے طریقے

کی تاویل ہے۔ مرزا صاحب نے کہا اس میں کچھ قباحت نہیں۔ میر صاحب نے کہا میرا جی نہیں مانتا۔ مرزا صاحب نے فرمایا میر صاحب آخر ہم تو کھاتے ہیں۔ میر صاحب نے کہا آپ شوق سے کھائیے میں تو نہیں کھاتا۔ غرض میر صاحب نے کچھ نہ کھایا۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۳۴) اور شاید یہ پہلا موقع تھا جب میر صاحب کے دل سے مرزا صاحب کی بزرگی کا اعتقاد اٹھ گیا۔

دعوہ خلافی اور الہام کی حیلہ گیری

چونکہ مرزا صاحب اپنی سے پیش انگار بازی کے بدولت آسمان شہرت پر چمک رہے تھے' مسلمانان علی گڑھ کو خیال ہوا کہ مدافعت اسلام پر ان کی تقریر سنیں۔ مرزا صاحب سے درخواست کی گئی اور انہوں نے منظور کر لیا۔ اس منظوری کے بعد لیکچر کا اعلان عام کر دیا گیا۔ اب تیاری مکمل ہو گئی تو الہامی صاحب سید متقل حسین سے فرمانے لگے کہ "مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ میں لیکچر نہ دوں"۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب بھلے بیٹے کھڑی گھوڑے تو دوڑا لیتے تھے لیکن تقریر و بیان کے میدان سے عاری تھے اور ان کا معمول تھا کہ گھر میں اطمینان سے بیٹھ کر کتابوں کی مدد سے لیکچر لکھ لیتے اور اپنی طرف سے کسی کو کھڑا کر کے پڑھوا دیا کرتے تھے۔ لیکن اس موقع پر معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ہو گا اور الہامی صاحب نے اس چیز کو اپنی توہین سمجھے علیحدہ کتابیں جن کی مدد سے مضمون تیار کیا جاتا ہے سفر میں ساتھ ہیں وعدہ کر لیا۔ لیکن اس کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بطریق الہام کا حیلہ کر کے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔ اور اگر ایسا نہ کرتے تو خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو معلوم ہو گا کہ قوت بیان سے عاری ہیں تو نئی بنائی عزت خاک میں مل جائے گی۔ سید متقل حسین جو اس وقت تک مجددانی صاحب سے بہت کچھ حسن عقیدت رکھتے تھے عرض پرداز ہوئے "حضور اب تو سب کچھ ہو چکا ہے اس لئے اگر آپ انکار کریں گے تو بڑی دقت ہو گی"۔ مرزا صاحب نے فرمایا "خواہ کچھ ہو ہم تو خدا کے حکم کے مطابق کریں گے"۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی باصرار تمام کہا کہ آپ ضرور تقریر کریں۔ لیکن ایک نہ سنی اور کہا کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں خدا کے حکم کو چھوڑ دوں۔ غرض لیکچر نہ ہوا اور قریباً ایک ہفتہ علی گڑھ میں قیام فرما کر قادیان کو

مراعات فرمایا ہے۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۲۵)

انتقامی جذبہ

جب علی گڑھ میں مرزائی تحریر کے متعلق لوگوں کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں تو مولوی اسماعیل صاحب علی گڑھی کے کسی عزیز نے ڈاکٹر جمال الدین کے حوالے سے لکھا کہ مرزا صاحب طبی قابلیت سے محروم ہیں۔ اور اپنی نالائقی اور نااہلی کی وجہ سے تحریر سے انکار کر رہا ہے۔ یہ سن کر مجدد صاحب "ہم دم بریدہ" کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے اور اس کا غصہ مولوی اسماعیل صاحب کو برف وشام بلا کر انکو اس کے ٹھونسے دلوں اور جب مرزا صاحب نے رسالہ "سچ اسلام" تالیف کیا تو اس میں مولوی صاحب کے خلاف ان الفاظ میں دعا دل اور ابتہال کی۔ "ہمیں یہ بات کہ آپ کی عالمانہ عظمت اور عبقریت سے میں اثر کیا ہوں" تو اس کے جواب میں آپ لکھتا کیوں کہ ہر لوگ تاریکی اور اضمحلال کے ظلمتوں میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ دعا کے تمام الفاظ اور طبی کے جامع ہی ہوں تب بھی میری نگاہ میں ایک مرعوب ہونے کیلئے سے ان کی زبان واقعہ نہیں۔ مگر آپ اس مرتبہ علم کے کوئی بھی نہیں۔ مرزا پر لے ذہیل کے ایک ملنگ ملا ہیں اور دل کیفیتی و تاریک خیال آدمیوں میں ہوا کرتی ہے آپ کے اور موجود ہے اور آپ کو یاد ہے کہ اکثر میرے پاس ایسے خلق اور جامع الفاظ اور مطالعات وسیع رکھنے والے آتے اور امریکہ و سماٹرا سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں کہ اگر میں ان کے مقابل پر آپ کو مثل کتب بھی کہوں تو اس قدر کہنے سے بھی آپ کو وہ عزت نہیں ملتی جس کے آپ مستحق نہیں"۔ (رسالہ "سچ اسلام" مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' ص ۲۵)

بیٹے کو باپ کی علمی بے بضاعتی کا اعتراف

الہامی صاحب کے بیٹے صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے "سیرۃ المہدی" میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود ظاہری کسی علوم کے لحاظ سے کوئی بڑے عالموں میں سے نہ تھے اور نہ علم مناظرہ میں آپ کو کوئی خاص دسترس تھی۔ بلکہ شروع شروع میں تو آپ

یک جلسوں میں کھڑے ہو کر تقریر کرنے سے بھی گھبراتے تھے اور طبیعت میں جاب تھا مگر جب آپ کو خدا نے اس مقام پر کھڑا کیا تو آپ کے اندر یہ قابلیت پیدا ہو گئی کہ آپ کے ایک ایک وار سے دشمن کی کئی کئی صفیں کٹ کر گر جاتی تھیں۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' ص ۱۸۱) اس تحریر میں یہاں بشیر احمد صاحب نے یہ حقیقت تو تسلیم کر لی کہ ان کے والد محترم قوت بیان و تقریر سے محروم اور علمی استعداد میں کورے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہاں بشیر احمد اس کے بھی مدعی ہیں کہ بچپن عرصہ کے بعد ان کے والد میں ایسی غیر معمولی استعداد پیدا کی گئی کہ ان کے ایک ایک وار سے دشمن کی کئی کئی صفیں کٹ کر گر جاتی تھیں۔ لیکن یہاں بشیر احمد صاحب نے اس مسئلہ نیز متعلق کی کوئی دلیل پیش نہیں کی اور اگر کوئی دلیل پیش کی ہے تو یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بدو متعلق غلام طراز مواری گاؤں گیا (بلاب میں انقطاع حجت اگر وعدہ کے باشندوں کو بدو متعلق کہتے ہیں۔ راقم) اور حضرت مسیح موعود کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں ایک عداوت کی طرف سے لڑائی پر کر آپ کے دعوی کی تحقیق کرنے آیا ہوں۔ پھر اس نے انتخابی سائل کے متعلق گفتگو شروع کی۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود نے بھی تقریر فرمائی۔ وہ آپ کی بات کو کاٹ کر کہنے لگا کہ آپ کو مسیح اور مہدی ہونے کا دعوی ہے لیکن آپ تو اللہ کا نام بھی اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر مواری عبداللطیف کابلی نے بدو بدو کو بلوم لہ قدار کابل میں مکالمہ ہوا۔ راقم) بلکنا شروع کر دیا۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۱۸۲) یہاں بشیر احمد نے یہ واقعہ اس زاویہ کا لکھا ہے بلکہ ان کے والد احمد بخش ان کے ہی مقام پر کھڑے تھے جا چکے تھے۔ بہرحال مسیح و فیصوب بحر بن چکے تھے۔

باب ۵۳

دعوائے مماثلت مسیحؑ کی لغویت

الہامی صاحب نے مخالفین کی دلوں کو توڑ بیٹھنے کے لیے اپنے دعووں اور عملیوں کا جو سلسلہ عمل ابتدا میں جاری کیا تھا اس میں نبوت یا مسیحیت کی کوئی کمی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے

کہ "براہین" میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات اور آمد ثانی کا اقرار کیا اور اپنے لئے مثیل مسیح ہونے کا منصب ہی کبھی کبھار مرزا جی نے "براہین" میں اپنے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ان الفاظ میں کیا تھا۔ جس ماخذ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی طبیعت اور انکسار اور ذلت اور فقر اور افتقار کے رو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے اور اس ماخذ کی خلوت اور مسیح کی خلوت باہم نہایت ہی مشابہ واقع ہوئی ہیں۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بھدے الفاظ ہے کہ فکر محل میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا اور اس کی انجیل توریت کی نوع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے اخیر خلفاء میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ ملتے ہیں تو وہ احمد ہے اور اگر وہ کہتے ہیں تو وہ احمد ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتدا سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے"۔ (براہین ص ۴۹۸)

مولوی محمد حسین بٹالوی کا تبصرہ

مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے مولانا محمد کے متعلق مرزا صاحب کو اشاعۃ السنہ ۱۸۸۸ء کی جلد میں لکھا کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ طبیعت انکسار طبعی طور پر ایسی جلیل ہو جاتی ہے کہ جہت سامنے نظر آتی ہے اور آپ کی مثل سے اسی حالت میں ملتا ہیں۔ آپ کی یہ حالت آپ کے دعوائے مثیل مسیح کو توڑ دیتی ہے۔ مثل اور مثیل ہونے کے لئے جو وجہ اور پوری مشابہت کا ہونا شرط ہے اور آپ خود "براہین" کے صفحہ ۴۹۸ میں اس مشابہت تامہ کے دعویٰ ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ وہ بالکل اللہ تعالیٰ کو ذلیل کرتے۔ خود ذلیل اور عوام اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے۔ آپ کیسے مثیل مسیح ہیں کہ اپنے آپ کو بھی اچھا نہیں کر سکتے۔ آپ کے مرید اور آپ خود اسی موعود مشابہت تامہ کے پیش نظر آپ کی شان میں اشعار ذیل لکھ چکے ہیں۔۔۔

سب مرزائیوں کی ہے تمہیں پہ اللہ تم سچا ہو خدا کے لیے
کیا لک ہے مانتے ہیں تمہیں اس سچ کے جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
مانتے مطلب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب۔ خوبیوں کو بھی تو تم نے سچا بنا دیا

مگر اپنا حال دیکھ کر کہ آپ کو اور آپ کے مریدوں (یا معتقدوں) کو اب یہ مصرع چسپاں معلوم ہوتا ہے۔ ع مرزہ بازار مرگ! یعنی آپ ہی بیمار ہے۔ میرے مخدوم! پہلے آپ اپنے لیے سچ بنیں اور خود صحت حاصل کریں۔ پھر دوسرے بیماروں کے لیے سچ ہونے کا دعویٰ کریں اور اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ میں صرف روحانی سچ ہوں۔ روحانی امراض کا علاج کرنے کیا ہوں۔ لہٰذا جسمانی خود بیمار رہنا رہوائے سیحائی کے منافی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں آپ کو چاہیے تھا کہ مطلقاً سچ کہلانے سے توبہ کرتے۔ حالانکہ آپ فی الحقیقت مثیل سچ ہونے کی کوشش میں اصلی نشان دکھانے کے بھی مدعی ہیں۔ ایسی حالت میں آپ کو اصلی نشان کہاں سے دکھانے کہ خود بیمار نہ ہوں اور صحت و تندرستی حاصل کر کے اس ایک کام کو بھی پورا کریں جو آپ کے ذمے مسلمانوں کا قرض چلا آتا ہے یعنی "براہین احمدیہ" کا اتمام اور رسالہ جات "سراج منیر" وغیرہ کی اشاعت جن کے عوض میں آپ مسلمانوں سے ہزارہا روپیہ وصول کر چکے ہیں۔ یہ اصلی نشان دکھانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے تو آپ اصلی نشان دکھانے کے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں اور مثیل سچ ہونے کے دعویٰ کی غلطی کا اعلان کر دیں۔ حضرت سچ علیہ السلام سے کسی خاص امر میں مشابہت ہے تو صرف شبیہ یا مشابہ کہلانے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی طرف رجوع فرما کر خود سمجھ لیں کہ مماثلت کے لیے مقتضیات کا پایا جانا ضروری ہے۔ (اشاعۃ السنہ "نمبر ۲" ص ۳۷)

مماثلت کن امور میں ثابت کرنی چاہیے تھی؟

الٰہی صاحب نے "براہین" میں جو دعوے مماثلت لکھے ہیں وہ نہایت لغو ہیں۔ مشابہت و مماثلت تو ایسی صاف اور بین ہونی چاہیے جس میں کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہ رہے اور احمق سے احمق انسان بھی پہچان کر سکے تسلیم کرے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب "ایام الصلح" میں لکھتے ہیں۔ "مماثلت کیونکر اور کس صورت سے ثابت ہو۔ مماثلت تو امور

بدیہی اور محسوس اور مشہود ہی ہونی چاہیے مگر لوگ اس کو یقینی طور پر مشاہدہ کرنے کے بعد اس سے مخلص مثیل کو مشاہدہ کریں۔ کیا اگر کوئی ایک شخص مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ کرے اور معائنہ پر پیش کرے کہ میں درحقیقی طور پر قوم کا چرواہا ہوں اور نہایت دبلے کی کمی محسوس اور مشہود علامت نہ دیکھ کے، تو کیا یہ حقیقی علامتیں اس کو قبول کر لیں گے کہ درحقیقت یہی مثیل موسیٰ ہے (ایام الصلح، ص ۱۸۸) مگر مرزا صاحب اس دعویٰ میں سچے تھے تو ان کو چاہیے تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق اپنی جگہ خصوصیات میں اپنی مماثلت ثابت کرتے۔

(۱) حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے۔ (حقہ گولڑویہ، ص ۱۰۰)۔

(۲) مسیح علیہ السلام نے مدت عمر میں بیاہ نہیں کیا۔ (تریاق القلوب، ص ۱۳)

(۳) مسیح علیہ السلام صاحب شریعت و صاحب کتاب نبی تھے (تفسیر حضرت المسیح، ص ۱۸۸-۱۸۹)

(۴) مسیح علیہ السلام نے چالیس لاکھ مردے زندہ کئے (براہین احمدیہ، ص ۲۴۲)

(۵) مسیح کا باپ خدا کوئی چیز نہ تھی، نہ بیٹا خدا (ریویو اگست ۱۹۰۲ء، صفحہ ۳۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی کارروائی نہیں تھی (الفضل ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء، صفحہ ۲) یہودی رشتوں کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی نسل نہیں تھی (تریاق القلوب، ص ۱۳)

(۶) بقول مرزا صاحب عیسیٰ علیہ السلام سارے تناقض ملی کی عمر میں صلیب پر چڑھائے گئے۔ (حقہ گولڑویہ، نجم الہدیٰ، ص ۲۰۱)

غلام احمد صاحب کس مسیح کے مماثل تھے؟

لیکن ہم اپنے مماثلی دعوؤں کی تائید سے تھوڑی دیر کے لیے مان لیتے ہیں کہ غلام احمد صاحب مثیل مسیح تھے تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس مسیح کے مثیل تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ اس مسیح کے تو مثیل نہیں ہو سکتے۔ جس کے متعلق انہوں نے لکھا کہ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی ذاکر اور کئی عورتیں تھیں جن کے طفیل سے آپ کا وجود تھہرنے پر ہوا۔ آپ کا گھر میں (ماشاء عورتوں)

سے بیان اور تعجب کی بات اس کی وجہ سے ہے کہ جہاں مناسبت درمیان ہے وہاں کوئی پرہیزگار انسان ایک دوسرے کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ہاتھ رکھ دے اور ذلالت کی کمائی کا پیسہ حلال اس کے سر پر لے اور اپنے ہاتھوں کو اس کے دونوں پر ملے۔ سمجھ والے سمجھ لیں کہ کیا کوئی کس جاہل کا کوئی ہو سکتا ہے (تفسیر اظہار الحق' مولفہ مولانا رحمت اللہ' صفحہ ۶۷) ہاں آپ (عیسیٰ) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی عادت تھی۔ لوگ اوئی بات ہی غصہ آ جاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے مگر میرے نزدیک آپ کے یہ ترک جائز نہیں کیونکہ آپ (گالیاں دینے والے اور بدزبانی سے کنارہ کش نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ (تفسیر اظہار الحق' صفحہ ۶۷) کیا تمہیں خبر نہیں کہ عیسیٰ اور روایت انسان کے مناقب محبت ہی سے ہے۔ بغض اور کینہ کبھی اچھی صفت نہیں ہو سکتے برا اور گوشا ہونا کسی خوبی میں داخل نہیں۔ ہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں اور صفت کی اچھی تریں مناقب سے ہے غصب کھل ہونے کے باعث الزامات سے بچی اور کامل حسن معاشرت کا کبھی عمل نہ دکھا سکے۔ (مکالمات امرتسر' جلد ۲ صفحہ ۲۸) اب سوال یہ ہے کہ ان کے مسیح موعود صاحب اس مسیح کے مثیل تھے جن کی گالیوں اور بدزبانی (نعوذ باللہ) زبانِ تھی خود کہیں اور تھی جن کے سر پر ہاتھ رکھ تھے اور انہیں کس قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی اور میں صفت کی اچھی تریں مناقب سے بے نصیب تھے؟

باب ۵۳

مسیح کے صلیب دیئے جانے میں
یہود و نصاریٰ کی ہمنوائی

یہود اور نصاریٰ کا بیان ہے کہ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا اور

قتل کیا تھا لیکن خدائے ذوالجلال نے اپنے کلام پاک میں یہود و نصاریٰ کے اس دعوے باطل کی تردید کی اور فرمایا۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم (اور نہ یہود نے مسیح کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا) لیکن اس ارشاد ربانی کے خلاف قادیان کے خانہ ساز مسیح موعود کا یہ دعویٰ تھا کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے۔ چنانچہ رسالہ "نزول المسیح" میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح بعد از بوقت عصر صلیب پر چڑھائے گئے۔ جب وہ بہت گھنٹہ کی تکلیف اٹھا کر بیہوش ہو گئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱) اور "حقیقۃ الوحی" میں لکھا "مسیح کو نازیانے لگائے گئے اور جس قدر گالیاں سننا اور طمانچے کھانا اور تھپڑے سے لانے جانا اس کے حق میں مقدر تھا سب دیکھا۔ تب یہودیوں نے مسیح کو دو چوروں کے ساتھ صلیب پر چڑھا دیا اور ہاتھوں اور پیروں پر کیلیں ٹھونکیں (ازالہ اوہام' طبع پنجم' ص ۱۵۸۔ ۱۵۹) قادیانی صاحب اسی عمل ۱۸۸۸ء کو طبعی اجل سے ہلاک ہوئے تھے۔ مرنے سے ایک دن پہلے انہوں نے احمدیہ بلڈنگ لاہور میں اپنی امت کو یہ بشارت دی تھی "ہم خدا کو ہر رات دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے مخالف قوموں کا جو ایک دوسرے کی سخت دشمن اور خون کی پیاسی ہیں اتفاق کسی ایسے امر میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ دیکھو یہود اور عیسائی دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح صلیب دیا گیا۔ پس صلیبی واقعہ کا ہم کیونکر انکار کر سکتے ہیں۔ قرآن سے جو بات ثابت ہے اس کو ضرور ماننا پڑتا ہے۔ (نور القرآن نمبر ۱ ص ۱۸۸۸ء صفحہ ۷)

مسیح قادیاں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے آہنی چنگل میں

لاہور میں یہ خبر آناً فاناً مشہور ہو گئی کہ قادیاں کے خانہ ساز مسیح نے حسب معمول کل ہی بروج فی القصہ حضرت مسیح علیہ السلام کی معلومیت کا فیوضی مشیدہ قلی مدس الاشارہ تسلیم کر لیا ہے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی ان دنوں لاہور آئے ہوئے تھے۔ ان ایام میں مولوی صاحب کی رگوں میں حمیت اسلامی کے ساتھ جوانی کا خون جوش مار رہا تھا۔ یہ انقطاع سن کر جبلا نہ کر سکے۔ اور سیدھے قادیانی صاحب کے قیام گاہ (واقع احمدیہ بلڈنگ لاہور) میں پہنچ کر پورے اسلامی جلال کے ساتھ بازپرس شروع کر دی۔ خود ساختہ موعود نے بچنے کے لئے کہ کسی طرح یہ بلا ٹل جائے۔ لیکن مولوی صاحب کی

گرفت بہت سخت تھی' کسی طرح نجات نہ ملی۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب نے یہ روایت کیا تھا کہ کلام الٰہی کی اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ (اے عیسیٰ ابن مریم اس احسان کو بھی یاد کر جب میں نے بنی اسرائیل کو آپ پر ہاتھ نہ پانے دیا) مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر کے ستانے لگائے' طمانچے مارے اور ہر طرح سے تنگ و سوائی کے بعد آپ کو سولی پر چڑھایا اور آپ کے ہاتھوں اور پیروں پر میخیں ٹھونکی گئیں تو خدائے وحدہ لا شریک کیا معنی رکھتا ہے"۔ اس سوال پر قادیانی صاحب کا ہاتھ بند ہو گیا اور نگاہ نیچی ہو گئی کہ چار آدمی کے چارپا کر نہ دیکھ کر کہا کہ اس اعتراض کا کل جواب دیا جائے گا۔ لیکن فوق حسنی سے دوسرے دن رات تک قدم نہ کر جواب کی تاب نہ لا سکے اور خفیہ طور سے لاہور نکل کر لیا۔

قادیانی نے نصب صلیب کو کسر صلیب سے تعبیر کیا

مرزا کی کو اپنی صلیب شکنی کا بڑا گھمنڈ تھا۔ اس صلیب شکنی کے متعلق لاہور کے ایک مسیحی رسالہ "نور افشاں" نے کیا خوب لکھا کہ "نبی تخیلات کے لحاظ سے دو باتیں ہیں جن کا تعلق اسلام کے ساتھ ہے اور یہ مرزا ہی کی طرف منسوب ہوگئیں۔ ایک مسیح کا زندہ صلیب دیا جانا جس کا تذکرہ انجیل میں وضاحت سے کیا ہے۔ مرزا ہی نے قرآن کی مبہم ما صلبوہ (صلیب نہیں دی گئی) کی متواتر تاویل کی اور اس کو صلبوہ (صلیب دی گئی) قرار دے کر بڑے زور شور سے اس کی حمایت کی اور اس پر اپنے تمام باطل دعووں کی بنیاد رکھی۔ مرزا ہی نے مسیح کے صلیب دیئے جانے کے عقیدہ کو اس وجہ تسلیم کیا کہ ما صلبوہ سے نفی ■ کر کے اس کی ایسی تاویل کی کہ جس سے ماننے والے زید بن گئے یہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان بعد یہ اختلاف ہے آیا تھا۔ مرزا ہی نے بلاشبہ عیسائیوں کی حمایت میں اپنی ساری قوت تاویل صرف کر دی اور لطف یہ کہ وہی بات جسے عیسائی صلیب کا قائم کرنا سمجھتے ہیں۔ مرزا ہی نے اس کا نام کسر صلیب رکھ دیا اور عرصے سے ایک دن پہلے تک برابر اسی کے نصب و قیام میں مصروف رہے۔ لیکن ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ اس میں مرزا ہی کی کوئی جدت تھی بلکہ یہ لفظ وہی تخیلات تھی جو سرسید مرحوم اپنی تفسیر میں بیان کر چکے تھے غور اس میں قادیانی اور تبتی امر کا تفاوت

رفیق ۲۰۰۔ (لاہور)

کلوانی صاحب کے صلیبی عقیدہ پر اہل صلیب کا بدیہ تفکر و اتقان

جب مرزا جی نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے عقیدہ میں نصاریٰ کی ہمنوائی اختیار کی تو یہ بڑی نامناسبی اور قدر ناشناسی تھی۔ اگر مسیحی حلقوں سے مرزا جی کے شکریہ میں کوئی صدا بلند نہ ہوتی۔ اہل صلیب نے اپنے مسیح اعصاب و دیدان کا ثبوت دیا اور لاہور کے مسیحی رسالہ مسیحی کی ایک بار شائد نے کہا ہیں کہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا مگر مسلمانوں کو اپنے مذہبی جال میں پھانس کر ایک فائدہ ضرور پہنچا دیا ہے وہ فائدہ یہ ہے کہ مسلمان مذہب و دین و ایمان کو کھو کر اپنے بھائیوں کو ان کی اجازت سے بھی فائدہ پہنچا کہ انہوں نے مسیح کے مصلوب ہونے کو قرآن سے ثابت کر دکھایا۔ پس عیسائیوں پر یہ احسان کے لیے مسیح کی صلیب کو ضروری خیال کرتے ہیں' واجب ہے کہ مرزا جی کی اس صلیبی خدمت پر ان کے مرہون احسان ہوں کیونکہ مرزا جی حقیقی معنوں میں صلیب کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے عیسائیوں کے خیالات پر بلکہ کہنا چاہیے دراصل ان کے دماغی خیالات میں نے بلکہ دلوں کے اعتقادات کو اپنی طرف سے پختہ کر دیا تھا۔ پس وہ اس صلیب کی تائید سے کیسے انہوں نے فی الحقیقت نصب کیا تھا۔ سو جب مرزا صاحب کا قصور معاف کر سکتے ہیں بلکہ ہم اپنی طرف سے ان کی خدمت میں اس صلیب نوازی پر بدیہ تفکر و اتقان پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی رائے میں اظہار شکریہ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جناب کے عیسائی بھائی جمع کر کے خاص کلوانی میں ایک صلیب نصب کریں۔"

انجمائی عقیدہ کے منکر پر کلوانی لعنت

حضرات! آپ نے دیکھا کہ کس طرح کلوانی کے الہامی صاحب نے اسلام کے انجمائی عقیدہ کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی حمایت اختیار کی۔ حالانکہ خود کلوانی صاحب نے اپنی کتابوں میں اسلام کے انجمائی عقیدہ کے چھوڑنے والے کو ملعون قرار دیا ہے' چنانچہ لکھتے

ہیں بگواہ رہو کہ میرا تمسک قرآن شریف ہے اور میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہوں اللہ جل شانہ جن و صفات ہے اور تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو خیر القرون میں بالاتفاق مسلم تھیں ہے اور تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو خیر القرون میں بالاتفاق مسلم تھیں ہے۔ ان پر کوئی زیادتی کرتا ہوں نہ ان میں کوئی کمی اور اسی اعتقاد پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میرا خاتمہ اور انجام ہوگا اور جو شخص شریعت محمدی میں ذرہ بھر بھی کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدہ کا انکار کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ آمین۔ (انجام آتھم' مندرجہ مرزا قادیانی' ص ۱۴۳)

باب ۵۵

سرسید احمد خاں علی گڑھی کی شاگردی

میں کتاب "آثار قادیان" میں "مرزائیت کے بانی اور اصل مذہب" کے عنوان سے لکھ گیا ہوں کہ مرزا قادیانی نے یہود' نصاریٰ' کتب و حرم' شیعہ' فلاسفہ' اہل نجوم' باطنی فرقہ' صوفیہ' بابی' بہائی اور نیچری کے کون کون سے اصول و عقائد اپنے مسلک میں داخل کئے؟ ان فروعی مسائل میں الہامی صاحب نے نیچری مذہب کے بانی سرسید احمد خان علی گڑھی کی شاگردی اختیار کی' ان میں ایک مسئلہ وفات مسیح علیہ السلام بھی ہے۔ سرسید ان دو بزرگ میں جنہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے وفات مسیح علیہ السلام کی بدعت نکالی تھی۔ یہ حقیقت اس کی تفصیل دیکھنا چاہیں' وہ "آثار قادیان" (ص ۱۳۵۔ ۱۵۵) کا مطالعہ فرمائیں۔

"الفضل" کا اعتراف

خود مرزائی جریدہ "الفضل" قادیان کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ سب سے پہلے سر سید نے وفات مسیح کا اعلان کیا چنانچہ "الفضل" نے دور حق ہندو کی اشاعت میں لکھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود نے تاکر کوئی نیا کام نہیں کیا جس سے ان کی صداقت ثابت ہو سکے۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے' ان سے بہت پہلے سرسید وغیرہ کر

گئے ہیں۔ اس لیے مرزا صاحب کے دعاوی کو قبول کرنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے اور ہم کیوں کریں؟ اس کے متعلق میں صرف یہی کہوں گا کہ اگر ایسے لوگ آنکھیں، کان اور دل رکھتے تو اپنے لیے کبھی یہ فیصلہ نہ کرتے۔ سب سے بڑا مسئلہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے سرسید کی تائید میں بیان کیا ہے "وفات مسیح" کا مسئلہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سرسید نے اس کا اعلان کیا اور بعد میں مرزا صاحب نے اسی کو قبول کر لیا۔ لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سرسید نے جس رنگ اور جس طرز سے اس مسئلہ کا اقرار کیا ہے "اس میں اور جس رنگ میں حضرت مسیح موعود نے اس کو صاف کیا ہے اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

الفضل نے یہ بھی لکھا ہے "اس سے بھی صاف بجواب ملتا ہے۔ گو سرسید نے اپنے اور قلم سے مسیح علیہ السلام کو زندہ آسمان میں داخل کیا لیکن اس سے یہ کوئی ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی یہاں سولی کے بعد کب کو یوں ہی بے گور و کفن چھوڑ دیے رکھے آخر کئی سال کے بعد ٹائٹس نے حرم الہوم کیا کہ جس لاش کو اسقف نے لوحدا پھینکوا دیا ہے" اس کی تکمیل کی بابت چنانچہ قادیانی صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کا موقف تجویز کرنے کے لیے بھی یہاں کوری شروع کی۔ پہلے تو انہیں تحصیل میں دفن کیا (ازالہ اوہام" طبع چہارم" ص ۱۸۱) پھر بدلے تین سال کے بعد ان کی نعش مطہر کو وہاں سے نکال کر طرابلس کے حدود میں دفن کیا" چنانچہ لکھا کہ حضرت عیسیٰ کی قبر بلاد شام میں موجود ہے اور ہم زمانہ صلیبی کے لیے بس تجربہ حاشیہ میں الہوم لحی لی لفظ سماوی محمد الصیبی طرابلس کی شہادت درج کرتے ہیں اور یہ طرابلس بلاد شام کے رہنے والے ہیں اور انہی کی حدود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اور اگر کوئی یہ قبر جعلی ہے تو اس جعل کا ثبوت دینا چاہیے اور ثابت کرنا چاہیے کہ کس وقت یہ جعل بنایا گیا ہے اور اس وقت سے برابر اہالیان کی قبروں کی نسبت بھی قطعی نہیں رہے گی اور لوگ اٹھ جائے گا اور کہا جائے گا کہ شاید یہ تمام قبریں جعلی ہی ہوں۔ (الحکم الجزء" مورخہ مرزا غلام احمد صاحب" ص ۱۸۰ ۱۸۱) حضرت مسیح علیہ السلام آٹھ سال تک طرابلس ہی میں مدفون رہے۔ آخر قادیانی صاحب نے ارادہ کیا کہ ان کے جسد اطہر کو طرابلس سے ہندوستان کے کسی مقام میں منتقل کر دیں۔ چنانچہ بہت کچھ غور و خوض کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ اسے سری نگر (ریاست کشمیر) کے کریز اسلا

کی قبر میں سپرد خاک کر دیا جائے۔ چنانچہ یوزآسف کی قبر کھول کر اس کی بوسیدہ ہڈیاں باہر پھینک دی گئیں اور حضرت مسیح علیہ السلام یوزآسف کی خالی لحد میں تا دیر لیٹے رہے۔ جب قادیانی مسیح نے اس کام سے فراغت پائی تو ۱۸۹۹ء کو رسالہ اعجازی شائع کیا جس کے صفحہ ۱۳ پر لکھا کہ قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ نے ملک کشمیر کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد اللہ نے آپ کو اپنے فضل سے ثبات دی اور اس ملک میں بہت مدت تک رہے یہاں تک کہ مر گئے اور یہیں جا بسے اور آپ کی قبر شہر سری نگر میں اب تک موجود ہے۔

اس تفصیل کے بعد ہم تیسرے کرام بتلائی کہ گئے ہوں گے کہ قادیانی صاحب نے جس رنگ میں مسئلہ وفات مسیح علیہ السلام کی گتھی کو سلجھایا' سرسید کا دماغ یہاں تک نہ پہنچ سکا تھا۔

مسیح قادیان سے ایک نیچری کا مناظرہ

جریدۃ الفضل قادیان نے ۱۹۳۲ء میں اسلام کی اشاعت میں لکھا کہ اگر بالفرض سرسید نے اسلام کی خدمت کی ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اس نے حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا کیونکہ اس کی قوم کو تعلیم اور سیاسی حد اس نے اپنے خیال میں اسلام کے متعلق کی' وہ اس کے ساتھ ہی اس کی قبر میں داخل ہو گئی۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس گفتگو کا ذکر کر دیا جائے جو ایک مرتبہ قادیان کے خانہ ساز مسیح موعود سے کسی نیچری کی ہوئی تھی۔ چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرسید احمد خاں بہادر کے ایک مرید سے مرزا غلام احمد کی ملاقات ہو گئی۔ دوران گفتگو میں قادیانی صاحب نے اپنی مسلمہ خوبصورتی سے کام لیتے ہوئے نیچری سے کہا کہ تمہارے پیر مرشد سر سید احمد خان نے مدت العمر اسلام کی کیا خدمت الہام دی؟ کونسا اہم کام کر دکھایا؟ قوم مسلم کی کیا اصلاح کی؟ اس پیرو نے جواب دیا کہ سرسید نے یہ ایک نمایاں یادگار کارنامہ الہام دیا کہ اپنی "تفسیر القرآن" میں مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کر کے آپ کی حیثیت کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ یہ ایسا احسان ہے جس کے بدلے سے آپ مدت العمر سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ مرزا صاحب لاجواب ہو گئے اور بغلیں جھانکنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ

کیا۔ (مکمل فضل رحمانی" صفحہ ۵۸) کہا جاتا ہے کہ شاہ غلام کا سوتیلا بھائی اپنی انتہا درجہ کی خوشامد اور چاپلوسی کے باوجود شاہ صاحب کے ساتھ کوئی اور کام نہ لے سکا تھا لیکن بیچ عرصہ کے بعد کسی اور شخص نے اس سے بڑھ چڑھ کر خوشامد کا کام بھی لیا۔ اسی طرح سرسید احمد خان بہادر نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو انبیاء اسرائیل میں داخل کر کے مسلمہ علمائے اسلام کی تکفیر جیسی کی تھی لیکن انگریزوں نے سرسید کی اس انتہا سے بڑھے بڑھے کام لیے۔ اس بنیاد پر اپنی مسیحیت کی بنیاد قائم کرلی۔ اس کے ذریعہ سے لاکھوں روپیہ کمایا اور بڑا عیش و عشرت کی اور نہ صرف باپ دادے کے قریبے اگلے بلکہ اپنی اولاد کے لیے ایک ریاست قائم کر گئے۔

باب ۵۱

مولوی محمد حسین بٹالوی سے کشیدگی

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ نانا جان صاحب مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کے بچپن کے دوست اور ہم سبق تھے یہ کہ جس زمانہ میں مرزا صاحب کے والد حکیم غلام مرتضیٰ صاحب بٹالہ میں مطب کرتے تھے" انہی دنوں مرزا غلام احمد بھی کئی سال بٹالہ میں باپ کے ساتھ رہ کر مولوی محمد حسین کی رفاقت میں تحصیل علم میں مصروف رہے۔ یہ ایک مسلم امر ہے کہ مقدس فروشی کی دکان کھولنے میں مولوی صاحب نے مرزا صاحب کی بڑی مدد کی تھی۔ گو مرزائیہ کے فروغ دینے میں حکیم نور الدین کا اقتدار بھی بہت کچھ بڑھنے کا گیا لیکن اصل یہ ہے کہ اگر مولوی محمد حسین کا بہت اعانت مرزا صاحب کی یاری نہ کرتا تو مقدس کا کاروبار حکیم نور الدین کی جوڑ توڑ کے باوجود بمشکل چل سکتا تھا۔ اس اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ جن ایام میں اہل حدیث کی جماعت نے ہندوستان کے اندر نیا نیا جنم لیا تھا۔ یہ حضرات بعض اختلافی مسائل کی بناء پر حنفیوں سے بالکل منقطع ہو گئے تھے اور اس جماعت میں نیا نیا جوش اور ولولہ تھا۔ ان دنوں مولوی محمد حسین نے جو بٹالہ کے علمائے اہل حدیث میں اعلم العلماء مانے جاتے تھے اور حکومت کی طرف سے بھی "شمس العلماء"

کا خطاب دیا تھا "شاعت الحق" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کر رکھا تھا جس میں مسلک اہل سنت کی تبلیغ کی جاتی تھی اور پروفیسر فولادالعلوم اہل سنت اس رسالہ کی سرپرستی کو اپنا فرض اولیں سمجھتے تھے اور ہندوستان بھر میں بمشکل کوئی ایسا گھرانا اہل سنت ہوگا جو اس رسالہ کا خریدار نہ ہو۔ چونکہ مرزا صاحب مولوی محمد حسین ہی کے ساتھ پروان چڑھے اس لیے مولوی صاحب نے سمجھا کہ کھوکھلی صاحب کو مسلک سے سالک تک پہنچا کے دم لیں گے' چنانچہ انہوں نے اپنے کثیر الاشاعت رسالہ "شاعت الحق" میں مرزا صاحب کے حق میں سب سے پہلے پروپیگنڈا کیا کہ تحریف ہی دنوں میں کھوکھلی صاحب کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا۔

پہلی نشانی کا ظہور

ایک بلاواسطہ ذریعہ نے خاکسار راقم الحروف سے بیان کیا کہ "مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ میں نے سراج منیر کے نام سے ایک کتاب اعلان اسلام پر لکھی ہے۔ اس کی طباعت پر چھ سو روپیہ لاگت آئے گی۔ اور اپیل کی کہ اگر مجھے چھ سو روپیہ مل جائیں تو میں اس کتاب کو چھپوا دوں۔ لوگوں نے خوب چندہ دیا لیکن مرزا صاحب نے ایک ظہور رقم وصول کر لینے کے بعد بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ چونکہ "براہین احمدیہ" کی رقمیں ابھی کھانے پینے تھے۔ اس لیے ایک مرتبہ مولوی محمد حسین نے سمجھایا کہ "پہلے براہین کی رقمیں تمہارے ذمہ واجب تھا تھیں۔ اب تم نے "سراج منیر" کا نام لے کر چھ سو روپیہ وصول کر کے چپ سادھ لی ہے یہ بددیانتی کی بات ہے"۔ مرزا صاحب نے کچھ ٹال مٹول کر کے بات کو ٹال دیا۔ کسی قدر وقفہ کے بعد مولوی صاحب نے پھر سمجھایا کہ جب لوگ رقمیں مدت سے دے چکے ہیں تو تم کتاب چھپوا کر لوگوں کی شکایت کیوں دور نہیں کر دیتے؟ یہ ایک مدت بعد روداد مشہور ہوئی۔ لیکن الہامی صاحب نے اس کو ہنس کر ٹال دیا اور فرمایا میں نے کہا تھا میں نے تمہاری وساطت سے روپیہ نہیں لیا تھا جو تم خواہ مخواہ لوگوں کو چڑاتے ہو۔ اور کہا کہ چندہ دینے والے تو خاموش ہیں اور تم تقاضا کیے جاتے ہو اور اگر ان لوگوں نے تمہیں اپنا وکیل مقرر کیا ہے تو اپنا وکالت نامہ دکھاؤ"۔ یہ سنا جواب سن کر مولوی صاحب کچھ مایوس کر گئے اور مرزا صاحب سے قطع تعلق کر لیا۔ اس سے

بہادر" کا ایک مضمون بالتفصیل کارندہ تحریک کرام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

مرزائی الہام "دولت برطانیہ تاہشت سال بعد ازاں آثار ضعف و اضمحلال"

جس طرح تھانوی مسیح کی مجلس میں علمائے حق کی غیبت اور عیب جوئی کا ناپاک مشغلہ جاری رہتا تھا اسی طرح تھانوی صاحب اگرچہ کی مخالفت کا براگ بھی الاپتے رہتے تھے لیکن بایں ہمہ اس وحشت سرائی کے اپنی خاص پرائیویٹ مجلسوں میں بھی کبھار فرنگیوں پر بھی برس پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ الہامی صاحب نے ایک خاص رازداری کی گفتگو میں اپنے اخص الخاص چیلوں سے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ سلطنت برطانیہ بس آٹھ سال تک برسراقتدار ہے۔ اس کے بعد نظام حکومت کے کل پرزے بگڑ جائیں گے اور ضعف و اضمحلال رونما ہوگا۔ الہام کے اصل الفاظ یہ تھے۔ "دولت برطانیہ تاہشت سال بعد ازاں آثار ضعف و اضمحلال" لیکن اس الہام کو رہ کہن کی طرح پردہ خفا میں مستور رکھا اور اپنی بوقلمونی نہ ہوئی کہ اپنے دوسرے الہاموں کی طرح اس کو بھی شائع کرتے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ الہامی صاحب کا ایک خاص مرید حاجی علی جام کسی مسئلہ میں مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی سے بالمشافہ گفتگو کر رہا تھا۔ اثنائے گفتگو میں یہ مولوی صاحب سے اس الہام کا بھی تذکرہ کر بیٹھا۔ حالانکہ یہ ایک سربستہ راز تھا اور الہامی صاحب نہیں چاہتے تھے کہ اس کی بھنک اغیار کے کانوں میں پڑے کیونکہ ان الہام کا عام اعلان ان کی عمر بھر کی انگریز پرستی کو نامبارک کر رہا تھا۔ مولوی محمد حسین مرحوم نے اس مرزائی چیلے کی تائید اپنے حلقہ احباب میں بالکل روا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا ہر جگہ چرچا ہونے لگا۔ یہ سمجھ کر کہ شاید یہ خبر ارباب حکومت کے کانوں تک بھی پہنچ جائے گی الہامی صاحب کے بدن پر مارے خوف کے لرزہ طاری ہوگیا۔ حواس جاتے رہے اور فوراً قسم میں دست تاسف ملنے لگے کہ ہائے میں نے اس الہام کا لوگوں سے کیوں ذکر کیا جو ابھی تک مخفی تھا۔ مگر یہ الہام ہنوز کسی قید میں نہیں آیا تھا اس لئے مرزا صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ بہادر جرأت پر قدم رنجہ کر اس سے بالمشافہ ملیں کر جائیں۔ کیونکہ تنقیح کر لینے کی صورت میں انگریز بہادر کی نیلی نیلی آنکھوں کا ان تک فیض کس طرح مرزا نے بتایا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے یہ

پیشتر سالہا سال سے مرزا صاحب کی عادت تھی کہ جب اور جہاں کہیں بٹالہ کی راہ سے جاتے مولوی محمد حسین صاحب کے پاس ایک آدھ دن ٹھہر کر حق صحبت کا راستہ لیتے چنانچہ مرزا صاحب کے حقیقی بھائی مرزا غلام قادر صاحب کے ہاں ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کا بیان ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے حضرت مسیح موعود کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ مجھے یاد ہے کہ کتابوں سے لدا ہوا چھکڑا جاتے ہوئے آپ مع اہل و عیال کے مولوی محمد حسین صاحب کے مکان پر بٹالہ میں ایک رات ٹھہرے تھے اور مولوی صاحب نے بڑے اہتمام سے حضرت (مرزا) صاحب کی دعوت کی تھی۔ (سیرۃ المہدی جلد ۱ ص ۳۰)

باب ۵۷

حکومت برطانیہ کے زوال کی ہشت سالہ پیشین گوئی

کیا علم بدل گیا ہے؟

تھانوی صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ماضر اور مرسل میں غلط ہوں اور اپنی کتاب مواہب الرحمٰن (ص ۲۲۱) میں لکھا ہے کہ "مرسل کو خواب نہیں"۔ مرزا صاحب کا یہ بیان خواب پر مبنی ہے کہ مرسل ہونے کی حیثیت سے انہوں نے انگلستان کی طرف سے بھیجی گئی ہوئی ملاقات اور مدح اس کی سچی ہونے پر یہی وجہ تھی کہ انبیائے کرام علیہم السلام دنیا کی کسی بادشاہ غلط کی ملاقت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے اور کلمہ حق اور قول صدق سے کبھی دست برداری مظہر نہ کی۔ گو بادشاہ کا عظیمہ اپنی تمام تر دولت باکیوں کے ساتھ ہو کھولے سامنے کیوں نہ ہو۔ تھانوی صاحب کی علمیں اور خود ستائیں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا خدا کی خدائی (نعوذ باللہ) ان کی سرور عظمت کے سامنے ہیچ تھی لیکن ان کے حالات و واقعات زندگی پر نظر کی جائے تو ان کی بوکھلاہٹ کا یہ عالم تھا کہ سلاسل و اغلال اور گھڑ دار تو بڑی بات ہے اگر کسی عدالت کا بند بھی بلایا جاتا تو سہم جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کسی بڑی بلا نے آکر ہمارا تو ناطقہ بند کیا۔ یہی حواسی اختلافات و

امام اپنے باوقار رسالہ "اشتہار قسم" میں شائع کر چکا ہے۔ یہ سن کر الہامی صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ عالم اضطراب میں اتفاق کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ بڑی مشکل کے ساتھ "کشف الغطاء" نام ایک رسالہ تاس اس موضوع پر لکھ کر شائع کیا جس کے ٹائٹل پیج پر بخوف جان لکھا "یہ مولف تمام عزت جناب لکھ سلطنت قیصرہ ہند دام اقبالہا کا واسطہ ڈال کر بخدمت گورنمنٹ عالیہ انگلشیہ کے اہل الرائے اور معزز حکام سے باصد گزارش کرتا ہے کہ بروئے غریب پروری و کرم گستری اس رسالہ کو اول سے آخر تک پڑھا جائے یا سن لیا جائے۔

مکر کر حکام کے عتاب سے بچنے کا عزم

الہامی صاحب نے مولوی محمد حسین کی مرتبہ شکایت کے جواب میں "کشف الغطاء" کے مقدمہ میں لکھا کہ میرے پاس وہ الہامات ہیں جن سے میں اپنی بیگناہی ثابت کر کے گورنمنٹ پر ظاہر کروں کہ مجھے اس شخص کے ان خلاف واقعہ شکایت سے کس قدر صدمہ پہنچا ہے اور کیسے درد ناک زخم لگے ہیں۔ افسوس کہ اس شخص نے عمداً اور دانستہ گورنمنٹ کی خدمت میں میری نسبت ایسا خلاف حکم سے بڑھا ہوا بیان دیا ہے اور میری تمام خدمات کو برباد کرنا چاہا ہے۔ اس وجہ سے میرے پاس بکثرت وہ آیات اور کامل شہادتیں اور گواہ موجود ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ بوجہ اس کے کہ میں ایک بیگناہ شاکی ہوں اور ظالموں نے اپنے ظلم سے جان سے گورنمنٹ پر اپنی مظلومیت ثابت کی ہے۔ میری اس دردناک فریاد کو یہ محسن گورنمنٹ فوراً سے توجہ فرمائے گی اور جھوٹ بولنے والے کو تنبیہ کرے گی۔ دوسرا اشتہار بھی اسی رسالہ میں محمد حسین نے لکھا ہے جو یہ ہے کہ گویا میں نے کوئی الہام اس مضمون کا شائع کیا ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی سلطنت آٹھ سال کے عرصہ میں تباہ ہو جائے گی۔ میں اس بہتان کا جواب بجز اس کے کیا لکھوں کہ خدا جھوٹے کو تباہ کرے۔ میں نے ایسا الہام ہرگز شائع نہیں کیا۔ میری تمام تسلیمیں گورنمنٹ کے سامنے موجود ہیں۔ میں باصد گزارش کرتا ہوں کہ گورنمنٹ اس شخص سے مطالبہ کرے کہ کس کتاب یا خط یا اشتہار میں میں نے ایسا الہام شائع کیا ہے۔" الہامی مولوی محمد حسین کو مخاطب کر کے لکھا کہ "آپ نے ایک واہیات بات بنا رکھی ہے کہ بعثت سابقہ میں کوئی ایسی تھی مگر آپ قانونی مواخذہ

سے نہیں ڈرتے۔ کیا آپ کی یہی دیانت ہے کہ اس بارہ میں نہ آپ نے میری کوئی تحریر دیکھی اور نہ تقریر سنی۔ بالکل ایک غلط اور بے اصل خیال دل میں جما لیا۔ میں آپ کو بطور نصیحت کہتا ہوں کہ خدا سے ڈرا کریں کہ یہ باتیں نہ آپ کے منہ سے نکلتی ہیں آپ کے لیے حق خطرناک ہیں۔ میں گورنمنٹ کا ایسا خیرخواہ ہوں کہ اگر آپ کے والد اور آپ کے بزرگوں کے بعد میں کوئی شخص اس خیرخواہی کا ثبوت طلب کرنا چاہے تو قبیح لوگا ہے"۔ (تبلیغ رسالت' جلد ۲' ص ۲۵) حضرات آپ نے دیکھا کہ الہامی صاحب نے کس طرح حقیقت حال پر پردہ ڈالنے اور سچ کو بھوت بننے کی کوشش کی؟ کیا کوئی ایک گواہ اس حق پوشی کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ ہر چالاک ایسا شخص ہر عہد وقت اور جس دوران ہوسکتا ہے کہ ہی ہو اس کا مرتکب ہو۔

الہامی صاحب کی دوسری جسارت

الہامی صاحب نے مندرجہ بالا الفاظ میں کہ "نہ آپ نے کوئی میری تحریر دیکھی اور نہ تقریر سنی بالکل ایک غلط اور بے اصل خیال دل میں جما لیا"۔ اپنے جانشین مولانا الہام کی اتباعت اور زبانی بیان دونوں کی نفی کی ہے اور بالکل دیگر سرے سے اس الہام کے وجود ہی سے مکر گئے ہیں لیکن اس انکار کے بعد الہامی صاحب کو خیال آیا کہ گو مولوی محمد حسین بارگاہ حکومت میں میری کوئی تحریر پیش نہیں کر سکے گے لیکن احتمال ہے کہ کوئی زبانی شہادت پیش کر دیں اس لیے ضروری ہے کہ زبانی بیان سے بھی مسلک الفاظ میں مکر جائیں۔ چنانچہ بلا پیش بندی "کشف الغطاء" میں یہ بھی لکھ دیا ہے "میں امید رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ عالیہ محمد حسین کے اس فریب سے خبردار رہے کہ یہ شخص اپنے اس جھوٹے بیان کی تائید کے لیے یہ تجویز کرے کہ اپنی جماعت اور اپنے گروہ میں سے چند آدمی سے اشتہارات غریب کی وجہ سے ملی حفظ رکھتے ہیں جھوٹے بیان گورنمنٹ تک پہنچائے۔ اس شخص اور اس کے ہم خیال لوگوں کی میرے ساتھ کچھ دوستی اور ملاقات نہیں۔ تا میں نے ان کو زبانی کچھ کہا ہو"۔ (کشف الغطاء "مولفہ مرزا غلام احمد صاحب" ص ۲۸)

اس عبارت میں الہامی صاحب نے اپنے جانشین مسلک الہام کے زبانی بیان سے عام طور پر انکار کیا ہے اور اس کے باطل کو حصراً کر قرار دیا ہے۔ حالانکہ الہامی صاحب نے

بلکہ اپنے خاص مریدوں کے ذمہ میں اس الہام کا ذکر کیا تھا اور یہ کہ مولوی محمد حسین مرحوم اپنے بیان میں باطل پر تھے۔ مگر سچ کو جھوٹ ثابت کر دکھانا مسیح قادیانی کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ مولوی محمد حسین کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہ تھا' ناچار اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ چونکہ مسیح موعود صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور حکومت کو یقین دلایا کہ "مجھے ہرگز اس قسم کا کوئی الہام نہیں ہوا اور نہ میں نے اس کا کسی سے کوئی تذکرہ کیا بلکہ دشمنوں نے مجھ پر افتراء پردازی کی ہے"۔ اس لیے حکومت کو مرزا صاحب کے بیان کی صحت اور مولوی صاحب کی غلط بیانی کا یقین ہو گیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس واقعہ کو طاق نسیاں پر رکھ دیا کیونکہ مرزا صاحب کے خلاف اس قسم کی کوئی تحریری شہادت موجود نہ تھی۔

باپ کے خلاف بیٹے کی شہادت

مرزا صاحب نے لباس تصنع پہن کر بیانگ دہل جو غلط بیانی کی اس پر برابر پچیس سال تک پردہ پڑا رہا تاآنکہ ان کے پچھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے نے شاید ۱۹۲۳ء میں کتاب "سیرۃ المہدی" کی پہلی جلد شائع کر کے جھوٹ اور فریب کا پردہ چاک کر دیا اور مرزائی روایات سے ثابت کر دکھایا کہ مولوی محمد حسین اپنے بیان میں صادق اور ان کے والد مرزا غلام احمد غلط گو اور حق پوش تھے۔ میاں بشیر احمد لکھتے ہیں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا ہم سے حاجی عبدالمجید صاحب نے کہ ایک دفعہ جب "ازالہ اوہام" شائع ہوئی ہے حضرت لدھیانہ میں باہر چہل قدمی کے لیے تشریف لے گئے ہیں اور حافظ حامد علی ساتھ تھے۔ راستہ میں حافظ حامد علی نے مجھ سے کہا کہ آج رات یا شاید کہا ان دنوں میں حضرت صاحب کو الہام ہوا ہے کہ سلطنت برطانیہ تابشت سال بعد ازاں ایام ضعف و اختلال" خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس مجلس میں جس میں حاجی عبدالمجید صاحب نے یہ روایت بیان کی میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ میرے خیال میں یہ الہام اس زمانہ سے بھی پرانا ہے۔ حضرت صاحب نے خود مجھے اور حافظ حامد علی کو یہ الہام سنایا تھا اور مجھے الہام اس طرح پر یاد ہے کہ "سلطنت برطانیہ تابشت سال بعد ازاں باشد خلاف و اختلال" میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ دوسرا مصرع تو مجھے پتھر کی لکیر کی طرح یاد ہے کہ یہی تھا

اور ہاشم کا لفظ بھی یاد ہے جب یہ الہام ہمیں حضرت صاحب نے سنایا تو اس وقت مولوی محمد حسین بٹالوی حاضر نہیں تھا۔ شیخ مہر علی نے اسے بھی یہ سنایا۔ پھر جب وہ حاضر ہوا تو اس نے حضرت صاحب کے خلاف گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لئے اپنے رسالہ میں شائع کیا"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۱۰۱)

مرزا صاحب نے غیر کتب ۱۸۸۷ء میں مولوی محمد حسین مرحوم کی نسبت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ "اسے سوائے پر کیوں اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کو کیا کہتا ہے اور مسلمانوں کے کان میں کچھ پھونکتا ہے"۔ اور لکھا "بیشک یہ قابل بھوت ہیں نے اظہار کیا ہے تو کیوں کر الہیمین ہو کہ وہ دوسری باتیں گورنمنٹ تک پہنچا ہے اس میں کچھ ہو"۔ لیکن اب مولوی انصاف سے فائیں کہ مرزا صاحب کی اس تحریر کے بموجب صادق اور دروغ گو مولوی محمد حسین صاحب ہوئے یا کوئی اور؟

دام افتادن کی دروغ بافی

مذکورہ بالا عبارت میں آپ پر یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو چکی ہوگی کہ کاپرائی صاحب اپنے ہاشم سالہ الہام سے کیا "کر گئے تھے۔ جب کبھی الہامی صاحب پر الہام سے کر جانے کا اعتراض ہوتا ہے تو مولوی کم کردگان راہ ان کی طرف سے بگڑ کر لغو صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ قاضی محمد یوسف پشاوری نام کسی مرزائی نے ۲۸ اگست ۱۹۳۸ء کے پیغام الصلح لاہور میں لکھا کہ "حضرت مسیح موعود نے الہام سے انکار نہیں کیا بلکہ اس کی عام اشاعت اور اس کی تشریح سے۔ مولوی محمد حسین نے کی تھی انکار کیا ہے"۔

تحریر قاضی صاحب موصوف سے درخواست کرتا ہوں کہ ان اپنے خدا آنکھیں کھول کر اپنے مسیح کے الفاظ پر غور کریں اور عہد بیعت کی حقیقت سمجھ لیں۔ مولوی محمد حسین مرحوم نے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں ہرگز یہ نہیں لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد نے اپنا ہاشم سالہ الہام شائع کیا ہے اگر مرزائیوں میں حوصلہ ہے تو رسالہ "اشاعۃ السنہ" سے مولوی صاحب کے یہ الفاظ نکال کر پیش کریں۔ ورنہ اس صریح بہتان گوئی پر کچھ شرم کریں۔ مولوی صاحب نے تو صرف یہ لکھا تھا کہ کاپرائی کو اس حقیقت کا ایک الہام ہوا ہے"۔ اس کے

جواب میں الہامی صاحب معاف کر گئے۔ اور لکھنا شروع کیا کہ اگر مجھے ایسا الہام ہوا ہے تو میری کوئی تحریر پیش کرو۔ حالانکہ ہر کس و ناکس جانتا تھا اور جانتا ہے کہ مرزا جی اس خوف کی وجہ سے جس نے پچاس الماریاں کتابیں انگریز کی حمد و ثنا میں بھروائیں ایسا الہام شائع کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ میں حضرات قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مرزا جی کی تحریر کو کھوج کریں اور دیکھیں کہ الہامی صاحب نے "تحریر" و "تحریر" میں کل الہام اپنے ہفت سالہ الہام کی نفی کی ہے یا اس کا اقرار کیا ہے؟

کیا ہفت سالہ برطانوی زوال کی پیشین گوئی پوری ہو گئی؟

سچ گلہواں کی الہامی زبان نے حال ہی میں اپنی تحقیقاتی دلی کی تلاش کرتے ہوئے زوال برطانیہ کا بعد دلیپ السلطنت سالہ" اس کی تہ میں فی الحقیقت یہ جذبہ کارفرما تھا کہ برطانوی زوال کے بعد مرزائی خلافت و زبان روحانی کا بعد ہوگا لیکن نہ حکومت برطانیہ کو زوال آیا اور نہ مرزائی سلطنت کا خواب پریشان پورا ہو سکا۔ ۱۹۱۸ء کی عالمگیر جنگ میں ایک بڑی حد تک امکان پیدا ہو گیا تھا کہ برطانوی سلطنت سرنگوں ہو جائے لیکن اختتام جنگ کے بعد برطانوی اقبال و شوکت کو اور زیادہ ترقی نصیب ہوئی اور انگریزی اقتدار اور حلقہ اثر کل کو جنگ کی نسبت فزوں تر ہو گیا۔ پس الہامی صاحب کی پیشین گوئی اور ان کے الہام کا منحوس اثر ظاہر ہوا لیکن عقل کی جگہ ترقی و عروج ہوا۔

باب ۵۸

ڈاکٹر جگن ناتھ سے حکیم نور الدین کی شرط اعجاز نمائی

حکیم صاحب کی ہلاکت آفرین زود اعتقادی

کمزوری، خلافتاری اور غلط روی انسان کا خمیر ہے اس لئے کوئی بشر کمزوریوں سے خالی نہیں۔ جہاں اخلاقے بھر میں حکیم نور الدین کا شمار چوٹی کے حکیموں میں تھا وہاں ان

کے امور پر بیباکانہ گفتگو کی بھی بدولت اہم حیثیت تھی کہ انتظامیہ کے حلقوں میں "واقع ہوئے تھے۔ ان کی طبیعت کا تقاضہ تھا کہ جہاں کہیں کسی نے اپنی جہالت یا ہوں کی طرح بے سوچے سمجھے اس کی کلائی پر انگوٹھا رکھ دیا تو کل ہی حنثی تھے۔ جب تک ہیں ذہنی تقلید کا شکار رہا تو "مقلد" تقلید کی بیڑیوں سے آزاد ہو کر اہل حدیث بن گئے۔ چند روز کے بعد سرسید احمد خاں بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ سے تجدید کا علم (ورثہ) بلند کیا (جمعیت اس کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد جب مرزا غلام احمد نے مراجعت کے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے لبیک کہتے ہوئے انہی تھے۔ غرض حکیم نور الدین نے بھی اس قسم کا کوئی اور فضیلت شامل حال پایا تھا کہ بدوت ہر صدا پر لبیک کہتے اور اس کی عظمت کے سامنے جھک جانے پر تیار رہتے تھے اور اس پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے تھے کہ سلف صالح کا مسلک جن کیا تھا۔ یہی نقطہ نظر سے الہامی صاحب اور حکیم صاحب بالکل ہم پیالہ اور شیرازی وکان کرایل کے دو میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔ گو حکیم صاحب کو بخل معلوم تھا کہ شیرازی الہام و وحی کا سرچشمہ کیا ہے تاہم حسن ظن اور خوش اعتقادی کا "جوہر" رکھتے تھے۔ اس لیے جب الہام ہوں کے دوران میں شیرازی صاحب نے یہ کہا شروع کیا کہ مجھے اجتہاد فعلی کی قدرت بخشی گئی ہے تو اس پر بھی عقیدت نے ٹیلی تجلیں کر لیا۔ شیرازی صاحب ۱۹۱۵ء سے پہلے تین چار مرتبہ ہوں گئے تھے۔ ہر مرتبہ اپنے کمالات اور کرامات کی داستانیں سنا کرتے تھے۔ حکیم صاحب کو کامل وثوق تھا کہ جب کبھی ضرورت ہوگی اجتہاد فعلی کی خرابی کر دی جائے گی اور مرزا صاحب طبیعان بارگاہ کی طرح کوئی تازہ بات حل و کھائیں گے۔

حکیم نور الدین کا اقرار کہ مرزا جی مردہ زندہ کر دیں گے

راجہ امر سنگھ پرائیویٹ کونسل ریاست پٹیالہ ہوں و کشمیر کے عہد حکومت میں حکیم نور الدین کا طوطی بول رہا تھا۔ ان ایام میں ڈاکٹر جگن ناتھ سابق سرجن ہوں بھی ہر حکیم نور الدین کی طرح راجہ صاحب کے مصاحبِ خاص تھے" دونوں میں بڑا وسوخ رکھتے تھے۔ ڈاکٹر جگن ناتھ تمام خیالات کے پیرو تھے اور حکیم نور الدین سے ان کی کبھی ذہنی ٹوک جھونک بھی ہو جاتی تھی۔ جن دنوں ہوں میں مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت کا چرچا ہوا تو ایک

ڈاکٹر ہگن ہاتھ نے حکیم صاحب سے اندر ہی اندر کہا کہ حکیم کپ کے مرزا صاحب واقعی مشکل کیس ہیں (کھلی وجہ نہیں کہ حضرت کینسر کی طرح سوجے زدہ کریں)۔ حکیم صاحب نے کہا دیکھا جائے گا۔ بے ساختہ بول اٹھے "ہاں مرزا صاحب سوجے زدہ کر سکتے ہیں"۔ ڈاکٹر ہگن ہاتھ ان کا مذاق اڑانے لگے۔ یہ سن کر حکیم صاحب کی رگ غیرت پھڑک میں آئی اور کہنے لگے ایسا شرط باندھ لو۔ آخر یہ شرط ٹھہری کہ اگر مرزا صاحب سوجے زدہ کر دکھائیں تو ڈاکٹر صاحب مع اہل و عیال بھوکی (مرزائی) ہو جائیں گے اور اگر سوجے زدہ نہ کر سکیں تو حکیم صاحب پانچ ہزار روپیہ جرمانہ دیں گے۔ بہت اچھا فائل شاہد ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ یہ تحریر لکھی گئی اور اس پر تین صاحبوں کی شہادتیں ثبت ہوئیں۔

(۱) خان بہادر غلام علی خان صاحب رئیس کھر کو مسل ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) علی سراج الدین احمد پریذیڈنٹ و اعزاز کمیٹی بابت ریاست جموں۔
(۳) سرکار منشی تجمل حسین ایڈیٹر حکیم صاحب پر پیڈنٹ کو مسل۔

مرزا صاحب کے نام عرضداشت کہ جموں آکر سوجے زدہ کر جائیے

جب اقرار نامہ مکمل ہو چکا تو حکیم صاحب نے اطباء صاحب کو لکھا کہ میں نے ڈاکٹر ہگن ہاتھ سے اس قسم کی شرط کی ہے۔ آپ اس کے لیے جلد تشریف لائیے۔ جب مرزا صاحب کو یہ خبر ملی تو حضرت پریشان ہوئے کہ یہ ہاتھ کی صنعت سر پر آسوار ہوئی۔ سوچنے لگے کہ نجات کی کیا صورت ہے؟ آخر کہ خط تشریف لے جانے میں اعجاز فائل کا پول کھلتا تھا اس لیے وہاں جانے کی تو جرأت نہ ہوئی لہٰذا مورخہ ۱۸۹۸ء کو حضرت اول تلوی بھیج کر محض فنی ترانی کے بل پر سرت پا بانی چاہی۔ مسعودی و کمالی العلوم سلطانی حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ اس وقت نے لکھا کہ یا تو تک جناب الٰہی میں اس بارہ میں توجہ کروں لیکن وہ مرض اور ضعف بلغ اور ایک امر پیش کہ کی وجہ سے اس میں تاخیر ہے اور امید رکھتا ہوں کہ جس وقت خدا تعالیٰ چاہے گا اس توجہ کے لیے توفیق بھی جائے گی۔ اول حضرت احدیت جل شانہ سے اجازت لینے کے لیے توجہ کی جائے گی۔ پھر بعد اس کے جیسے فرقہ فریقین امر خلق خلت کے لیے توجہ ہوگی۔ بات مسلم اور واضح

رہے کہ راست باز انسان کے لیے ایسے امور کی فراہمی سے کسی قسم جھجھک ضروری ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ جہاد' حلت طلاق بہت بوجھ اور ہے اگر یہ مقابلہ صحت اور طلاق باقی کے ایام میں ہوتا تو یقین تھا کہ فریقین ہی کافی ہوتے۔ مگر اب فریضہ قتل شدائد جہاد نہیں رکھتی اور قبل دیہ کی حفاظت اور خوف اور ڈر سے جلد گذر جاتی ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو شک ہوگی تو وہ تین بائیں ضرور قبول کریں گے۔

(۱) بیعہ توبہ یعنی وہ بیعہ جس کے اندر کوئی امر خلاف حالت ظاہر ہونے والا نہیں تو وقوع ۱۸۹۱ء ہوئے۔ اس کے مطابق ہو جو خدا نے قبول ظاہر کیے۔

(۲) جو امر ظاہر کیا جائے یعنی جناب خط لکھا جائے اس کی بیعہ کا انکار کریں جو جناب خط لکھا ہے۔ ہاں بیعہ ایسی ہونی چاہیے جو مخالفت کے ہام مخالفت میں قبول کے قابل سمجھی گئی ہے۔ اور عام طور پر لوگ اپنے گھروں میں ایسی بیعتوں کے انکار کے عادی ہیں اور اپنے پاس مخالفت کو ان بیعتوں پر چھوڑتے ہیں یا اپنے جو مرے کنبہ ان بیعتوں کے لغو سے کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہ ہو۔

(۳) امر خلاف پر کوئی بیعہ اور بیعہ سے فرض نہ نکلی ہائیں۔ بلکہ خلاف حالت صرف اس طور سے سمجھا جائے جو اصلی حالتیں اس کی تغیر پیش کرنے سے قبل ہوں۔ مگر یہ سب اس وقت سے ہوگا کہ جب پہلے اجازت اعلیٰ اس بارے میں ہو جائے۔ فاقط مرزا غلام احمد بانکھانہ امرتسر' جلد ۱' نمبر ۲' ص ۳۰۔

حکیم صاحب کا دوسرا معرکہ

جب امرتسر میں یہ بحث ہو رہی تھی جس میں مرزا صاحب نے فتح نمایاں کی تو امرتسر کے اخبار نگار نے حکیم نور الدین کو لکھا تو حکیم صاحب پر حواس ہو گئے کہ ڈاکٹر بگن ہاتھ سے بالکل شرط نکل گئی۔ اب حکیم صاحب نے بہ طرف اپنی طرف سے ایک نئی بحث نکالی تھا مرزا صاحب کے نام لکھا مگر ڈاکٹر بگن ہاتھ کی طرف سے بھی اسی شرط کے متعلق ایک چٹھی مرزا صاحب کے نام بھیجی گئی۔ یہاں تک عوام کے سامنے کیا تھا۔ الغرض صاحب

نے ان خطوط کے جواب میں کئی دن "سرینی کی ایک ڈاک" وقتاً فوقتاً روانہ کی اور بتاریخ ۱۵ اپریل ۱۹۱۲ء حکیم صاحب کو ان دونوں خطوں کے جواب میں لکھا۔

"مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ڈاکٹر صاحب کا خط پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے امور کو دکھانے کے لئے لکھے مجبور کرتے ہیں مگر میرا دل قلب شہادت نہیں دیتا کہ میں ان کے لئے جناب الٰہی میں دعا کروں۔ گو یہ مانتا ہوں خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کو غیر محدود جانتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ ہر ایک قدرتی کام وقت پر ہوتا ہے اور جب کسی امر کے ہو جانے کا وقت آتا ہے تو اس امر کے لئے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے اور امید بندھ جاتی ہے۔ اور اب ایسی باتوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کا خط ہے کہ کوئی مرید نہ رہے یا کوئی اور زور آور اچھا ہو جائے پیدا نہیں ہوتے۔ ہاں اس بات کے لئے جوش پیدا ہوتا ہے کہ کوئی امر جو انسانی طاقتوں سے باہر ہو خواہ مرید رہے یا نہ رہے ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے خواہ مخواہ میں دلیری کی شرمیلی کا دی ہیں۔ الہامی امور اگر ایسے کھلے کھلے اور اپنے اختیار میں ہوتے تو ہم ایک دن میں کیا تمام دنیا سے منوا سکتے ہیں لیکن الہام میں ایک ایسا امر بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات صاحب حق کہلا جاتا ہے کہ یہ امر جناب الٰہ ہے اور منکر کو مقدرت رکھتے کی گنجائش بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دنیا میں خدائے تعالیٰ ایمان بالغیب کی رہ کو توڑنا نہیں چاہتا۔ پس جب تک ڈاکٹر صاحب اصل ایمان کے مطابق درخواست نہ کریں میری نظر میں ایک قسم سے یہ رفع وقت کرتے ہیں۔" فاکسار غلام احمد از قادیان (مکتوبات احمدیہ 'جلد ۵' نمبر ۲ ص ۱۰۵)

راجہ امر سنگھ نے حکیم صاحب کو کیا کہہ کر نجات دلائی؟

جب یہ سری چلی جس میں الہام تھا سے صاف جواب ملا تو حکیم صاحب نے پڑھی تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ خوب سٹ پٹائے اور عالم انسوگی میں اپنی حماقت پر خوب خجالت ہوئے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اتنے بڑے مدت معہود بھی منتفی ہو گئی' ڈاکٹر بیچن ہاتھ نے رقم کا مطالبہ کیا۔ حکیم صاحب لیت و لعل کرنے لگے۔ ڈاکٹر نے تنگ کرنا شروع کیا اور جب دیکھا کہ حکیم صاحب جل جلال اور فتح فوقی سے کام لے رہے

ہیں تو حاضر شعراء اور اخبار بلد کے گواہوں کو ایک مجلس میں جمع کیا۔ حکیم صاحب بھی بلائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے معاہدہ مجلس میں پڑھ کر سنوایا اس کے بعد حکیم صاحب سے رقم کا مطالبہ کیا۔ حکیم صاحب بہت کچھ حیل حوالی سے کام لیتے رہے مگر کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ ڈاکٹر نے حکیم صاحب اور ان کے وکیل مسیح صاحب کا بڑی طرح مذاق اڑایا اور آخر میں کہا کہ جب تک حسب قرارداد مرزا صاحب آکر عہد نامہ نہ کر دکھائیں گے پانچ ہزار روپیہ ہرگز نہ دیا جائے گا چاہے نالش کریں۔ آخر یہ جلسہ برخاست ہوئی اور حکیم صاحب بعد داشتہ و رسوائی واپس گئے۔ جب رائے اعزیز کو معلوم ہوا کہ حکیم پر خدا کی زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی ہے اور ڈاکٹر نجن ہاتھ نے انہیں بڑی طرح شکنجہ میں کس رکھا ہے تو ڈاکٹر صاحب کو بلا کر معاملہ رفع دفع کرایا اور معاہدہ لے کر چاک کر دیا لیکن حسین خان اور خواجہ احتشام کا کمال دیکھو کہ اس واقعہ سے حکیم صاحب کے پائے عقیدت میں کوئی تزلزل نہ ہوا اور باوجودیکہ نقصانی صاحب کی وجہ سے خفت اٹھانا پڑا۔ پھر بھی حکیم صاحب نے ان سے تعلقات منقطع نہ کئے لیکن یاد رہے کہ مسیح صاحب بھی بالکل کم قصور نہیں تھے۔ انہوں نے حکیم صاحب کی اعتماد کی طرف تعریف کی اور مہمانوں کو حکم دیا کہ سب لوگ حکیم سماوی نورالدین کی "قوت ایمانی" کی مثال کا اجراء کریں۔ جب اس واقعہ کے قریباً پانچ مہینے بعد مرزا جی کی کتاب "ازالہ اوہام" شائع ہوئی تو اہل جموں اور دوسرے واقف کار اصحاب یہ دیکھ کر کہ حیرت ہو گئے کہ الہامی صاحب نے اپنے ازالہ میں ڈاکٹر نجن ہاتھ کی صورت واقعہ کو بالکل مسخ کر کے نہایت بیہودہ طریق سے الٹا ڈاکٹر صاحب کو ملزم گردانا ہے۔ چنانچہ مولوی کو ہر التفاتی ظاہر ہو۔ فرماتے ہیں۔ "سماوی نورالدین صاحب کے اعتقاد اور ایمانی مدعے کی قوت ایمانی کا ایک یہ بھی نمونہ ہے کہ ریاست جموں کے ایک جلسہ میں سماوی صاحب کا ایک ڈاکٹر صاحب سے جن کا نام نجن ہاتھ ہے اس عاجز کی نسبت تذکرہ ہو کر سماوی صاحب نے بڑی قوت اور اعتماد سے یہ دعویٰ پیش کیا کہ خدائے تعالیٰ ان کے لئے اس عاجز کے ہاتھ پر کوئی آسمانی نشان دکھلانے پر قادر ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر سماوی صاحب نے ریاست کے بڑے بڑے ارکان کی مجلس میں یہ شرط قبل کی کہ اگر یہ عاجز یعنی یہ عاجز کسی مدت مسلسلہ تعریفیں پر کوئی آسمانی نشان دکھلا نہ سکے تو سماوی صاحب ڈاکٹر صاحب کو پانچ ہزار روپیہ جرمانہ دیں

کے لیے ڈاکٹر صاحب کی طرف سے یہ شرط ہوئی کہ اگر انہوں نے کوئی نشان دیکھ لیا تو بلاوقف مسلمان ہو جائیں گے مگر انہوں کہ ڈاکٹر صاحب باطل قبول انواعی صورتوں کو پیش کر کے ایک حکمت عملی سے گزر کر گئے۔ (ازالہ اوہام" ص ۱۰۰۲)

مرزا جی کی غلط بیانی پر بہنوں میں غیظ و غضب کا طوفان

جب اہل بہنوں کو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان کو غیر مسبوق علم ہوا کہ کھوکھر صاحب نے "ازالہ" میں فرار و گریز کا الزام ڈاکٹر کے سر تھوپ دیا ہے تو بہنوں میں ہل چل مچ گئی اور حکیم صاحب اور ان کے خوشامدی خیل صاحب پر تھوکنے کہنے لگے۔ حکیم صاحب نے پہلے ہی ہزار مشکل سے جان چھڑوائی تھی اور اگر مرزا صاحب نے مداخلت نہ کی ہوتی تو پانچ ہزار روپیہ کے علاوہ سیالکوٹ سے کسی طرح روانگی ہی نہ تھی لیکن اب پھر حکیم صاحب کے سر پر ایک نیا طوفان مصیبت اٹھ کھڑا ہوا۔ شہر کے رؤسا اور سرکاری عہدہ دار حکیم صاحب کے پاس جا جا کر حیرت سے پوچھنے لگے کہ کیا مرزا صاحب نے یہ کہا کہ ہر واقعی کی ہے؟ بیچارے حکیم صاحب من کر بہت خجل ہوتے تھے ان کے پاس بجز اس کے اور کچھ جواب نہ تھا کہ مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ سمجھے۔ حکیم صاحب کو اس بات کا یقین تھا کہ مرزا صاحب نے ایک خط خلیفہ کو ارسال فرما کر ہوا۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خان نے حکیم صاحب سے کہا کہ "بھائی! پہلے تو میری طرف سے ضماد سرقی کا سوال تھا لیکن اب کہتا ہوں کہ مرزا صاحب یا تو میرے کوئی ہی نوٹ سے فوٹو نکلوا کر اور مجھ بھی دکھا دیں گے تو میں اسی کو قبول کر لوں گا۔ اب حکیم صاحب نے مرزا صاحب کو لکھا کہ پہلے ہی ہزار مشکلوں سے جان چھوٹی تھی اب آپ نے ڈاکٹر عبدالحکیم خان پر الزام لگا کر ہمارے بہنوں کے پیچھے کو پھیر دیا ہے لہذا لکھا کہ اب ڈاکٹر کہتا ہے کہ مرزا صاحب جب تک ہی اصلی نشان دکھا دیں گے میں اسی کو قبول کر لوں گا"۔ مرزا صاحب نے اپنے رسالہ "اصلی فیصلہ" میں ان واقعات کو کسی قدر کانٹ چھانٹ کے بعد یوں لکھا ہے "میرے مخلص دوست مولوی حکیم نور الدین صاحب فاضل و صلحائے ریاست جموں نے ایک خفیہ خط بھیجا جس میں یہ لکھا تھا کہ اس پادری عبداللہ کو اس بات کی طرف لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "میں نے ایک عرصہ تک خدمت میں روانہ کی تھی اس کے بعد یہاں جموں میں ایک عجیب طوفان بے تمیزی کی خبر پہنچی"۔ (ازالہ اوہام میں

حضور والا نے ڈاکٹر نجفی جیسے سائنس دانوں کی خدمت کو سراہا ہے کہ وہ گرج کر سمجھے۔ اب ڈاکٹر صاحب نے بہت سے ایسے لوگوں کو جو اس مسئلہ سے آگاہ تھے کہا ہے کہ یہ بات سیالکوٹ سے لکھی گئی ہے سرخی سے اس پر قلم پھیر دیں اور یہ کہ میں نے ہرگز گرج نہیں کیا اور نہ کسی خان کی تھپکیوں پلا۔ یہ کا زندہ کہا میں نہیں چلتا اور نہ خشک درخت کا ہرا ہونا بقول مرزا صاحب یا تھپکیوں کوئی ایسا خان دکھائیں جو اخلاقی طاقت سے بالاتر ہو۔ اب پھر ڈاکٹر صاحب نے خان دکھانے کی خواہش ظاہر کی۔

اشاعت اسلام کے لیے ایک سالہ انکار کی بیع اور دوسری بے ۱۱۱۱ شرطیں

اس کے بعد تھوڑی صاحب لکھتے ہیں کہ آج ۱۵ جنوری ۱۹۱۱ء کو ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ایک خط بھیجا گیا کہ آپ یا تھپکیوں کسی خان دکھانے پر سچے دل سے مسلمان ہونے کے لیے تیار ہیں؟ تو جناب گورنر سیالکوٹ، رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور، ناظم الندوہ لاہور، اخبار عام اور وکیل امرتسر میں علانیہ یہ اقرار اپنی طرف سے شائع کر دیں کہ اگر میں کوئی ایسا خان دکھاؤں جس کی تکفیر مطلقہ کرانے سے میں باز آ جاؤں اور اخلاقی حالتوں میں اس کا کوئی نمونہ تام اسلام کے ساتھ دکھا دے سکوں تو بلاتوقف مسلمان ہو جاؤں گا۔ اس اشاعت اور اس اقرار کی اس لیے ضرورت ہے کہ خدائے قیوم، بازی اور کھیل کی طرح کوئی خان دکھانا نہیں چاہتا جب تک کوئی انسان پوری انکسار اور ہدایت یابی کی غرض سے اس کی طرف رجوع نہ کرے۔ چونکہ اس عاجز نے خدا تعالیٰ کے الہام سے اپنے مخالفوں کے ظہور کے لیے ایک سال کے عرصے پر انتظار کیا ہے سو وہی میعاد ڈاکٹر صاحب کے لیے قائم رہے گی۔ طالب حق کے لیے یہ کوئی بڑی میعاد نہیں۔ (اعجاز احمدی ص ۱۳۸، ۱۳۹، تبلیغ رسالت، جلد ۲، ص ۱۸۵)

کیا سید کو نبی نے بھی کوئی شرطیں لگائی تھیں؟

ڈاکٹر نجفی صاحب نے اس تجویز کو قابل التفات نہ سمجھا اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی یہ مستحق تھی۔ انکسار اور ہدایت یابی کی غرض اور تھوڑی کے ایک سالہ عرصہ

انکار کے متعلق التماس ہے کہ ابو جہل اور دوسرے اعیان قریش نے انکار اور ہدایت پانے کا ہرگز قصد نہیں کیا تھا بلکہ انہیں محض معجزہ طلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست اظہار خلق کے بعد ایک سال تک انکار کرنے کی بھی کوئی شرط نہ لگائی بلکہ سوا الگ کے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ دونوں ٹکڑے نشان کی طرف گئے اور پہاڑ کی دونوں جانب سے ہو کر اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔ اگر کسی مرزائی کو میری بات کا اعتبار نہ ہو تو وہ مرزا صاحب کی کتاب "سرمہ چشم آریہ" شروع سے آخیر تک پڑھ جائے۔ یہ کتاب خواص اکثر حصوں کے قصہ میں لکھی گئی تھی۔

باب ۵۹

تدبیروں کی نارسائی اور آسمانی منکوحہ سے

مرزا سلطان محمد کی شادی

ایک مرتبہ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا تھا۔ الحمد وارحم من السماء وما عاج (یعنی آسمان سے فضل مانگ اور رحم کر خدا رب عالی ہے۔) مرزا صاحب نے ہما عاج کا ترجمہ کیا تھا کہ خدا رب عالی ہے (براہین احمدیہ" ص ۱۵۱) عاج لغت میں اعوان طلب یا گریہ کو کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ مرزائی کا خدا ان پر وہی کیفیت طاری کرتا ہے جو عاجز پر طاری ہوتی ہے۔

عالی خدا کا کوئی وعدہ سچا نہ نکلا

مرزا جی کے اس عالی خدا نے ان سے بیسیوں وعدے کر رکھے تھے۔ اس نے کہہ رکھا تھا کہ تیری بیٹم تمہاری ہے" ہم نے خود اس سے تمہارا نکاح باندھ دیا ہے" یہ بھی وحی کی تھی کہ تمہارے وعدہ کی سچائی میں شک نہ کرو اور یہاں تک بھی وعدہ کر رکھا تھا کہ شادی کی رات میں جس قدر موانع ہوں گے میں ان سب کو دور کر دوں گا۔ انہی وعدوں

کے بھروسے پر بیٹھے مرزا صاحب نے اس فلاح کو سچ صدق یا کذب کا معیار بھی ٹھہرا رکھا تھا۔ لیکن افسوس کہ ملک خدا کے یہ تمام دعوے دعوے کی حد تک ہوئے اور بعد پہلی معاملہ کو پانچ سال گزر گئے ایک دن مرزا سلطان محمد نام ملک کے نام مراسلہ کے جواب سرے بالکہ کر ایک شکایت نامہ بارات کے ساتھ بھیجا کہ وہ تیار ہو جائیں اور عدالتی حکم کو بجا لائیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ مرزا صاحب کے ملک خدا نے آسمان پر تو عدالتی حکم کا فلاح مرزا صاحب سے بالکہ رکھا تھا لیکن زمین پر یہ مرزا صاحب کے رقیب کے اختیار میں چلی گئی۔ اس بارے کسی شاعر نے کہا کہا ہے۔

میں مختار رسل ہو اختیار میں قدرت خدا کی حد کہیں اور ہو کہیں

لیکن اس میں بیچارے مرزا صاحب کا کچھ قصور نہ تھا ساری شرارت قرآن کے ملک خدا اور اس کے وحی رسالت پناہی کی تھی۔ جنہوں نے بھولے بھولے کر کے بیچارے مرزا صاحب کی بیک بینی کرائی اور خود پس گئے پٹے اور تماشہ دیکھتے رہے۔ اہل ان تماشوں کو مرزا صاحب پر ہنسی رہم کیا ہوگا۔

فرقہ فرقان

صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود صاحب شعر بھی کہتے تھے۔ مگر فرقہ ایک کتابچہ پر حضرت موصوف کا یہ شعر درج ہے۔

خلق کا دوست ہے کوئی نہ اس کی سوا	اپنے یار کا ہمیشہ یار ہوتا ہے
یہ کہ جو پاؤں میرے دل میں اسی کے ہو کے	تم بھی کہتے تھے کہ اللہ میں جو مرتا ہے
پاؤں کہیں اور کے تم میں ہے	خلق جھکے خاک تم میں ہے
اس کے جانے سے دل سے سیر گیا	دل بھی اسی خاک دم میں ہے
سب کوئی خاکہ جا دے	کسی صورت سے یہ صورت دکھا دے
کرم فرما کے آ میرے پیارے	بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے

(سیرت المہدی جلد اول ص ۱۰۰)

حضرت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے والد بزرگوار نے یہ اشعار کس کے فرقہ میں کہے تھے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کو بہت اصر

عمری بیگم کے سوا کسی کی پوتے نہیں نکلا تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رشتہ تمام تر اسی بدمزگی کے نتیجہ انگیز واقعہ کی نذر ہو گیا۔

باب ۳۰

پہلی بیوی کی تعلیق اور خانہ بربادی

الٰہی صاحب کی پہلی بیوی کا نام حرمت بی بی تھا۔ یہ ان کے حقیقی ماموں مرزا جمیت بیگ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ لوگ ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ وہیں گاؤں کے کھلے بیچ میاں غلام احمد ایم اے نے کتاب سیرۃ المہدی کی دوسری جلد میں اپنے باپ کی پہلی شادی ۱۸۸۸ء یا ۱۸۸۹ء لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی شادی کے وقت الٰہی صاحب کی عمر صرف بارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ کیونکہ انہوں نے کتاب الہیہ میں اپنی ولادت ۱۸۷۶ء یا ۱۸۷۷ء میں بتائی ہے۔ بہرحال حرمت بی بی وہی بیاہ کر لائی تھیں جنہیں خاندان بھر نے عمری بیگم کی خانہ آبادی کے نام سے محفل اس "بزم" میں مدعو کر رکھا تھا کہ یہ اپنے برادر حقیقی مرزا علی شیر بیگ کو اور عمری بیگم کے بھائی تھے۔ اس بات پر کیوں نہ بھیجتیں کہ یہ عمری بیگم کے باپ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری سے لڑ جھگڑ کر عمری بیگم کا نکاح خود حافظ بھیجہ صاحب سے کرا دیں۔ حالانکہ یہ بیماری حرمت بی بی کے بس کا روگ تھا اور نہ مرزا علی شیر بیگ صاحب ہی کی وہاں دال گلتی تھی۔ کیونکہ عمری بیگم گاؤں میں اپنے حقیقی ماموں مرزا امام الدین اور نظام الدین کے قبضہ میں تھی اور مرزا نظام الدین صاحب کے حکم کو ٹال نہ سکتے تھے اور چونکہ الٰہی صاحب نے ان سے سخت پنگا کر کھا تھا اور بیحد معاندانہ سلوک روا رکھتے تھے اس لیے یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بھانجی الٰہی صاحب کے نکاح میں جائے۔ اس کے علاوہ الٰہی صاحب نے بیٹھیں کوئی کر رکھی تھی کہ "میرے لڑکی ضرور ہوگی، جو میرے نکاح میں آئے گی کیونکہ آسمان پر اس سے میرا عقد ہو چکا ہے"۔ اس لیے مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین چاہتے تھے کہ اس پیشین گوئی کو پورا نہ ہونے دیں اور عملاً ثابت کر دیں کہ مرزا

نظام امر کو خدائے برتر کی طرف سے انعام نہیں ہوتے بلکہ ان انعامات کا سرچشمہ وہی "آیات فرقان" ہے' جس نے بنی نوع کو گمراہ کرنے اور ہر طرح سے گمراہ پھیلانے کا عہد کر رکھا ہے۔ واقعی عوامی نظم کے آہنی شکنج کی انتظامی اگر جناب حضرت ہوتی تو زمین و آسمان ہی ادھر ہو سکتے تھے مگر یہ شکنج نہیں مل سکتا تھا۔

بہائی دین اقتباس سے مکمل جدل رکھنے کا الزام

غم گاروں کے لئے معاذیر میں جناب امر نیم نے لکھا ہے کہ "مسیح موعود (مرزا علی) کو لوگ ان سے مرزا غلام احمد کی وفات (۱۹۰۸ء) سے جن کو لوگ عام طور پر "بہت بڑی باں" کہا کرتے تھے بے شکلی ہی تھی' جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے علیحدہ رہنا تھی اور اس کا ان کی طرف میلان فطرتاً اور وہ اسی رنگ میں رنگیلی تھی۔ اس لئے حضرت مسیح موعود نے مداخلت ترک کر دی تھی"۔ (بہائی الہدیٰ' جلد اول' ص ۳۹) یہاں جناب امر صاحب نے اپنی سوتیلی ماں پر یہ الزام لگایا ہے کہ مسیح صاحب کے اتباء کی طرف جنہیں دین سے بیزار رہنا تھی ان کا میلان فطرتاً تھا لیکن انہوں نے اس بیزار رہنے کی فرع میں کی بنا کہ اتباء کی مرحومہ بیزار رہنا ابی کے ساتھ کر دی تھی کہ یہ بھی عہد صاحب" کو دوسرے مسلمان عالم کی طرح ان کے دعووں میں راست گو نہ سمجھتے تھے۔ مرزا صاحب کے دعوے و اکاذیب کو جو فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کے ہی تھے' دین سے انحراف نہ جانتا رہا بلکہ خلاف ساز عہد صاحب نے ہی اسلام کے شکنج عام کو پھوڑ کر اور مسلمانوں کے متفقہ قوم سے علیحدہ کر دینے اور بیزار رہنے کی بالجبر راہ کی جانبیرا کیا تھا۔ قرآن خود فرماتا ہے۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى و يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى و نصله جهنم و ساءت مصيرا ○ (۴ : ۱۱۵)	اور کوئی شخص راہ کا ظاہر ہو جانے کے بعد رسول اللہ کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسرے راستے ہو لے تو ہم اس کی رخی دے کر اسی طرف پھیر دیں گے۔ اس کے بعد اس کو جہنم داخل کریں گے' جو نہایت برا ٹھکانہ

اور اگر ہارفرض محال مرزا صاحب کے قرابت داروں کو دین سے بے رغبتی تھی اور محترمہ عزت بی بی کا ان کی طرف میلان تھا تو بھی ظاہر ہے کہ تمام لوگ مذہب کی طرف یکساں راغب نہیں ہوسکتے۔ پس یہ کس دین و آئین کی تعلیم ہے کہ جس الزام کو مذہب سے متنفر و انحراف نہ ہو اس کا متکلم کرہا جائے اور اگر بیوی خدا اور اس کے برگزیدہ رسول کے احکام کے باوجود اپنے اقربا سے قطع تعلق نہ کرے تو اس کو گھر سے نکال کر بدر الدر ہے کسی اور کمبخت کے دامن میں ڈال دیا جائے تاہم یہاں شیر امر ایم اے کا یہ کہنا بھی انتہا درجہ کی بیوقوفی اور شرمناک غلطی ہے کہ "واقعہ سلطان احمد اپنے ہے دین الزام کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ کیونکہ مقدمہ کے مدعی بھائی مرزا علی شیر بیگ رحمۃ اللہ علیہ مقلد حافی محمد صاحب بہاولپوری نقشبندی قدس سرہ کے تلمیذ تھے۔ قاضی فضل احمد صاحب نے کتاب "مکمل فضل رحمانی" میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں مرزا علی شیر بیگ جیسے بااثر لوگ کیونکر احمدیت کا حکم رکھتے تھے اور پھر یہ کہ وہ ایک خدا ترس بزرگ تھے "کیونکر ممکن کا پھر رکھ کر خاموش رہ سکتے اور بہن کی مظلومی کو بیوہ کے بیٹے اکرم الدین کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ ان کی جگہ کوئی دنیا دار کوئی ہوتا تو "محمد صاحب" کو قتل کرا دیتا معلوم ہوجاتی۔ فرض ایسے فرشتہ خصال عارف باللہ کی پاک سرشت محترمہ پر دین سے منحرف ہونے کا الزام لگانا ہی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کا دل حضرت خواجہ کی بدولت سے بالکل بیگانہ ہو اور اگر ہارفرض محال یہ ایسی ہی تھیں جیسا کہ ان پر بہتان باندھا گیا ہے تو اس حالت میں بھی بیوی کو معلق کر رکھنا اور کمبخت کی حالت میں چھوڑ دینا کہاں کی انسانیت تھی؟ اگر صاحب اس جرم بالکل کو اپنے گھر میں کبھی رکھنا نہیں چاہتے تھے تو ان کا دینی اور اخلاقی فرض تھا کہ دین مہر دے کر کنارہ کر دیتے لیکن افسوس کہ انہوں نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ جس جرم بے دلیل کے وہ خود مجرم تھے ان کے فرزند نے اپنے عہد میں اس کا الزام الٹا محمد صاحب کے اتباع اور ان کی بے گناہ بیوی کے سر تھوپ دیا۔

بیوی کے معلق کر رکھنے کا جرم

یہاں شیر امر صاحب لکھتے ہیں کہ واقعہ نے قریباً تیرہ سال کے بعد حضرت صاحب

نے انہیں (بیگم بیوی کی) کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح (ظلم و ستم) ہوتا رہا ہوتا رہا مگر اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے اس لیے اب دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا تو میں گنہگار ہوں گا۔ اس لیے اب وہ باتیں ہیں یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حق بخش دو۔ میں تم کو خرچ دیئے جاؤں گا۔ انہوں نے کہلا بھیجا۔ "اب میں بیوہ پنے میں کیا طلاق لوں گی' میں مجھے خرچ نہ دیئے میں اپنے باقی حق بخشتی ہوں"۔ اس کے بعد تیسری بیگم کا سوال اٹھا اور آپ کے رشتہ داروں نے مطالبہ کر کے تیسری بیگم کا طلاق دوسری جگہ کرا دیا اور فضل امیر (اور مرزا سلطان احمد) کی والدہ نے ان سے طلاق حاصل نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ رہیں۔ تب حضرت صاحب نے ان کو طلاق دے دی۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۱۴۱) حضرت مرزا بشیر احمد کی اس تحریر کا ایک ایک لفظ قطع برید اور قطع سادی سے ہمکنار ہے۔ جب ناظر سلا بھوہ صاحب کو خواکل ہی سے اس مقدمہ سے بے تعلقی تھی اور خاندان شیخ اعتاب کی عقد گیریوں سے بے خبر ہو کر تعلقات زنا شوئی سے دست بردار تھے تو اطلاق صاحب کا یہ کہنا کس درجہ لغو ہے کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے اس لیے اب دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا' تو میں گنہگار ہوں گا"۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اطلاق صاحب دوسری شادی سے پہلے تو پہلی کے ازواج' خانہ بربادی اور ترک مباشرت کے مجرم اور گنہگار نہیں تھے فقط اس وقت سے ان کی گنہگاری کا سلسلہ شروع ہوا جب دل سے بی بی دلمن آئی۔ لیکن یہ خیال حد سے معمول ہے' ہر شخص ایک عقد کے لیے بھی اپنی منکوحہ سے بے التفاتی برتتا ہے اور اسے تارکہ و بے کسی کے عالم میں چھوڑتا ہے یہ احکام الٰہی کا مجرم شریعت حقہ کا چور ہے اور قیامت کے دن اس سے سخت باز پرس ہو گی۔

یہاں بشیر احمد ایم اے کا بیان ہے کہ مرزا صاحب والد" فضل احمد کی طفولیت کے بعد بن و فکر دیتے رہے اور انجام کار ان کو طلاق دے دی"۔ لیکن یہ دونوں بیان مرزا غلط ہیں۔ میاں محمد حسین صاحب ساکن راہوں نے جو مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے ہم مکتب تھے کہا کہ مرزا غلام احمد نے والدہ سلطان احمد و فضل احمد کو جو ہمارے ہادی و رہبر کی حقیقی ہشیریں طلاق نہیں دی تھی اور جب سے ان کی الحاقی و اضافی منکوحہ (تیسری بیگم) کا بطن مرزا سلطان محمد سے ہوا ان کو اپنے سے علیحدہ کر رکھا تھا۔ کسی طرح کا کوئی تعلق رکھا

اور نہ حکم شریعت کے بموجب ان کو قتل ہی دیتے تھے بلکہ مرزا سلطان احمد ہی اپنی والدہ کی خلوبات کے تمام دا بھی شامل ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ مرزا نظام احمد تو مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک نہیں ہوئے"۔ (کلکہ فضل رحمانی' صفحہ ۳۲)

محترمہ حرمت بی بی حق فراموش شوہر کو خدا یاد دلاتی ہیں

جب خان ساز محمد صاحب نے مرزا سلطان احمد مرحوم کی بلند محترمہ کو حکم دیا کہ وہ تمام الزامات سے منقطع ہو جائے تو اس عالی خلوت خاتون نے اپنے حق فراموش شوہر کو سمجھایا کہ "یہ فعل مرتد" شریعت حقہ کے خلاف ہے اس لیے نہ خود ایسا کرو اور نہ مجھے اس کے لیے مجبور کرو"۔ لیکن "محمد" صاحب کو بھلا شریعت حقہ سے کیا واسطہ تھا؟ ایک نہ سنی اور کہا کہ حویلیت والوں نے تمہاری بیگم کو دوسری جگہ بیاہ دیا ہے اس لیے اگر تمام رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرو گی تو گھر سے نکال دوں گا۔ یہ دیکھ کر اس نیک اور پارسا خاتون نے انہیں خدا یاد دلایا اور کہا کہ "دنیا کی زندگی جب کا حکم رکھتی ہے تم بھی یہ حکم کر کے اپنے لیے خسران ابدی کے سامان مہیا نہ کرو"۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور ان کو گھر سے نکال دیا۔ وہ بیچاری بے کسی کی حالت میں اپنے اہل مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے ہاں خلوت و انزوا کے غم کدہ میں جا بیٹھیں۔ حضرت "محمد" صاحب کی یہ قساوت قلبی و بیدلی کے فولاد حضرت کی پرستش تھی' جس نے عمل خانہ بربادی اور شریعت مطہرہ کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا۔ جن ایام میں الماس صاحب نے اس نیک نہاد خاتون کو گھر سے علیحدہ کر کے تھری بیگم کے آنسوؤں کی تاک لڑا رکھی تھی۔ ان دنوں مرزا سلطان احمد صاحب لاہور میں نائب تحصیلدار تھے۔ لیکن اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۸۸ء میں جبکہ مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پی ضلع لاہور محترمہ تھری بیگم صاحبہ کو بیاہ کر پی ضلع لاہور میں لائے مرزا سلطان احمد صاحب شاہراہ آباد ضلع ملتان کے تحصیل دار تھے۔ (کلکہ فضل رحمانی' ص ۳۰) اس کے بعد خدائے برتر نے مرزا سلطان احمد صاحب کو بیاہ عروج عطا۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء میں جبکہ نائب میں بادشاہ کی سے آخری گا پنجشہ بیا تھا خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب تھانے ضلع (گوجرانوالہ) کے ایک کشنر (انگلش) تھے۔

سوتیلی ماں اور ان کے والد کی توہین

آپ نے لکھا کہ مرزا بشیر احمد ایم اے نے بنام برادر مرزا سلطان احمد مرحوم اور مرزا فضل احمد مرحوم کی والدہ محترمہ کو انداز تحقیر "چھوٹی بی بی" لکھا ہے۔ اسی طرح "سیرۃ المہدی" میں ان کے لئے مرزا صاحب تک کے متعلق بیان کیا ہے کہ ان کے طرائق میں خلل تھا۔ تعجب ہے کہ میاں بشیر احمد صاحب نے ایسی بیہودہ اور کار باطل لکھتے وقت بزرگوں کا ادب اور شرم و لحاظ کیوں محسوس نہ کیا؟ اصل میں بزرگوں کی توہین و بے ادبی مرزائیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور یہ وہ چیز ہے جو "شعائر اللہ" کو اپنے "مسیح موعود" سے ورثہ میں ملی ہے۔ محترمہ موصوفہ بی بی تو خیر والد بشیر احمد کی سوکن تھیں اس لئے ان کی توہین قابل کے "کفارہ ذنوب" سے کچھ بعید نہ تھی لیکن کم از کم مرزا صاحب تک کو تو نظر انداز کر دیا ہوتا؟ جو بشیر احمد صاحب کی اپنی دادی یعنی بی بی صاحب کے حقیقی بھائی تھے اور اگر یہ کہیں کہ صاحب ہم تو بچہ صاف گوئی سے کام لیں گے "کوئی چھوٹا ہو یا بڑا" گی لپی رکھے بغیر حقیقت نفس الامر کو واشگاف کریں گے تو میں ان سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے والد کرم مرزا امام احمد صاحب کے متعلق صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کیوں نہ لکھا کہ یہ مرزائی تھے اور مرزا صاحب تک کی طرح ان کے طرائق میں بھی خلل تھا؟

ایک پرانا مرزائی الہام

مرزا صاحب نے محمدی بیگم سے شادی کرنے کی الہامی پیشین گوئی کے متعلق لکھا تھا "براہین احمدیہ" میں بھی اس واقعہ سے متعدد برس پہلے اس پیش گوئی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو اس وقت ہمارے پیش کیا گیا۔ یہ الہام یہ ہے۔ یا ایہا المکذبون ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ اس جگہ تین جگہ لفظ کا لفظ کیا ہے اور تین ہم اس ماخذ کے رکھے گئے' یہ ہم کہتے ہیں یہ ابتدائی ہم ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس ماخذ کو مسلسل رکھا اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر

فرمایا۔ پھر دوسری دفعہ کے وقت میں مریم بیگم کہا کہ اس وقت مبارک فرما دی گئی۔ جس کو حضرت مسیح سے مشابہت ہے۔ تیسری دفعہ جس کی اطلاع ہے اس کے ساتھ اسود کا لفظ شامل کیا گیا اور یہ لفظ اسود اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت غم اور حزن ہوگا۔ یہ ایک نجومی ہندی تشخیص کوئی ہے' جس کا تیر اس وقت خدا تعالیٰ نے کھل کھول دیا۔ (شحنہ الہام ۱۲ قسم' صفحہ ۳۰) ظاہر ہے کہ پہلی دفعہ بالکشافیہ جس کو مرزا صاحب نے گھر سے نکال دیا اور دائمی مفارقت اختیار کر لی۔ حسب بیان مہاں تیجر اور حاملہ ہوگئی۔ پس مرزا صاحب کا الہام من گزشت ثابت ہوگیا کہ طلاق کے بعد مرزا صاحب سے اس کی الفت میں کسی طرح مغائرت نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مرزا صاحب اس بیوی کو (مسلمانوں) سے دیر فرار دے چکے تھے اور اس کے مقابلہ میں ملت موحدین کے تمام مسلمانوں نے مسیح صاحب کے دعوے و اندار کا قبول ہوا تھا پس الہامی صاحب کا یہ الہام بھی غلط اور من گزشت ثابت ہوا۔

باب ۶

رئیس قادیاں کا قدوم دہلی اور
مولانا نذیر حسین کو دعوت مناظرہ

اس سیاحت میں بیعت و رسولی کا بعد وہ مرزا صاحب کے دامن عزت پر ۵ اس کی تفصیل انشاء اللہ العزیز دوسری جلد میں پیش کی جائے گی۔ اس بیعت نے مولوی میں ہلچل کی لہر دوڑا دی تھی۔ اس لئے الہامی صاحب شب و روز اس ٹوہ جوئی میں مصروف رہتے تھے کہ کسی طرح اس داغ رسولی کو دھویا جائے۔ اس کوشش میں انہوں نے مولوی محمد حسین کو مسئلہ حیات و وفات مسیح علیہ السلام پر بحث کرنے کا چیلنج دیا تھا مگر مولوی صاحب رئیس قادیاں کی طبی بے مائگی اور ان کی ترکیب مزاج سے واقف تھے۔ انہوں نے اس چیلنج کو عمداً انداز کیا اور سادہ مزاجی منصب اس لئے کسی کے ایک ہی جھونکے سے طبی و

چلتا کی طرح اڑ گیا۔ ادھر سے جاتی ہوئی تو ٹیلیفون کیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کریں اور تعین ہوا کہ گئی ہوئی دعوت دیں جا کر دعوت قبول کر سکتی ہے کیونکہ وہاں مولوی محمد حسین کے استاد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کو دعوت مناظرہ دی جائے گی تو وہ اپنی بزرگی اور مرزا کی بچپن کے پیش نظر انہیں مقابلہ نہ کریں گے اور مفت کی شہرت و ناموری حاصل ہو جائے گی۔ اس فیصلہ کے بموجب مرزا صاحب لاہور سے ۱۸۹۱ء میں دہلی جا پہنچے۔

دہلی میں صور پھونک کی پہلی گرج

مرزا جی نے دہلی جا کر جو اشتہار ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو شائع کیا وہ حسب ذیل مرزائیوں تپ کا ایک گولہ تھا جس نے دہلی کی پرسکون فضا میں حاکم برپا کر دیا۔ اس اشتہار کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ "اے برادران مسلمانان دہلی! میں عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی' کافر کا مکفر' ملحد و دجال کا الکاری اور ایسا ہی دیگر بیہودہ اقتراء اور بیجا تکفیر اور تکذیب اور تمسخر کی ہے بکلی غلط ہے یہ الزام سراسر افتراء ہے میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ کفر اور کافر کہنے اور بیجا تکفیر و تکذیب سے منکر بلکہ ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ حسن عقائد کا مقتضا ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی اور یہ کہنا کہ مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں مسیح کا قائل ہوں بلکہ یہ کہنے کا منشا مسیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔ مقصد کلام یہ کہ میں محدث ہوں اور مامور من اللہ ہوں۔ چودھویں صدی کے لئے مسیح ابن مریم کی خصلت اور رنگ میں مجدد بن کر آیا ہوں۔ میں حقیقت مسیح ابن مریم کو ثابت شدہ اور داخل موتی یقین رکھتا ہوں اور جو آنے والے مسیح کے بارے میں پیش گوئی ہے وہ اپنے حق میں ظنی اور قطعی اعتقاد رکھتا ہوں۔ چونکہ میں اسی وقت اس شہر دہلی میں وارد ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس شہر کے بعض علماء جیسے حضرت سید مولوی نذیر حسین صاحب اور جناب مولوی

مولوی محمد عبدالحق صاحب حقانی اس مکتوب کی مکتوب الیہ کی تحریر کے بتاتے ہیں اور اسے اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لیے انتظام فیصلہ حضرات موصوف کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ حیات مسیح ابن مریم کی نسبت جتنے اقرار ہے اگر یہ دونوں حضرات مجھے مغلط خیال کرتے ہیں یا محض قصور فرماتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ حامد علی کو فکر سے چھاپنے کے لیے اس مسئلہ میں میرے ساتھ بحث کریں۔ میں شرائط ہوں گی۔

(۱) امن قائم رہنے کے لیے یہ طے سرکاری انتظام کرادی۔ یعنی ایک انگریز افسر مجلس بحث میں موجود رہے کہ میں اپنی قوم کا موید منتخب ہوں۔

(۲) بحث تحریری ہو۔ ہر ایک فریق مجلس بحث میں اپنے ہاتھ سے سوال لکھ کر اور اس پر اپنے دستخط کر کے پیش کرے۔

(۳) بحث رفع حیات مسیح میں ہو۔

میں اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد ایک ہفتہ تک جواب کا انتظار کروں گا۔ اگر دونوں حضرات فریقانہ بحث کو منظور کر کے مجھے طلب کریں تو جس جگہ چاہیں میں حاضر ہو جاؤں گا۔" (خاکسار غلام احمد قادیانی' حال ساکن دہلی' بازار چتلیاں' کوٹھی نواب لوہارو۔ تبلیغ رسالت' جلد ۲ ص ۲۰۰-۲۰۱)

دہلی کے وہ علماء جنہوں نے مرزا جی کو مناظرہ کا چیلنج دیا

جب مرزا صاحب کا اشتہار مولانا سید نذیر حسین صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے یہ شرط لگائی مرزا صاحب کے ثبوت کو رد کرنا چاہا۔ چنانچہ تم رجب ۱۳۱۷ھ مطابق ۲۵ اکتوبر کو اس مضمون کا ایک خط مرزا صاحب کے نام لکھا کہ "آپ بے تکلف میرے مکان پر آ جائیے اور تکلف بحث کر کے فیصلہ کر لیجئے"۔ اس خط کے جواب میں مرزا صاحب نے بحث سے انکار کیا اور جواب میں لکھا کہ جب تک یورپین افسر موجود نہ ہوگا میں آپ سے گفتگو نہ کروں گا۔ (اشاعۃ السنۃ' جلد ۱۳ ص ۵) مولانا صدیق کے علاوہ دہلی کے اہل دوسرے سربرآوردہ علماء نے بھی مرزا صاحب سے مناظرہ کرنے کی خواہش کی اور ان کی تمام شرطوں کو منظور کر کے گفتگو کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک مولوی عبدالمجید صاحب واعظ تھے۔ انہوں نے حسب اشتہارات چھپا کر مرزا صاحب کو مناظرہ کے لیے مدعو کیا اور

اعلان کیا کہ اگر وہ اپنا دعویٰ ثابت کر دیں تو انہیں ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ از انجملہ مولوی رحیم بخش صاحب مدرس مدرسہ الرحمٰن نے استفتاء مشتمل بر شرائط انہیں مدرسہ میں بھیجا مگر مرزا صاحب نے اوتھ کا درج نہ کیا۔ اسی طرح مولوی محمد علی خان صاحب ہر اکتوبر کے اشتہار میں مشتمل بر شرائط مسجد حج پوری میں مقابلہ کی دعوت دی لیکن مرزا صاحب مسجد حج پوری میں بھی نہ پہنچے۔ اسی طرح مولوی عبدالمجید صاحب نے مرزا صاحب کو مقابلہ پر کرنے کے لیے دعوت کیا اور اپنے اشتہار مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں مرزا صاحب کے تمام بزرگان اور جملہ حواریوں کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ "آپ اپنے تمام گلہ کی جمعیت پر بلند بانگ دعوے میں اس کے بالمقابل دو تین کوسے پر بیٹھ کر مقابلہ کریں گے تو میں بازار بلیماراں عالی دیکھ لوں گا اس طرح آپ کو کسی طرح کا اعتراض نہ رہے گا"۔ غرض اسی طرح مرزا صاحب کے مقابلے میں یہ اشتہارات شائع ہوئے مگر انہیں کسی سے مقابلہ و مباہلہ کا حوصلہ نہ ہوا اور اپنے تمام گلہ کے دروازے سے بس پر بیس کا پورا فائدہ اٹھا کر رکھتا ہوں۔ (اشاعۃ السنہ" جلد ۱۲ ص ۵)

مولوی عبدالحق غزنوی حنفی کے مقابلہ سے گریز

اس اثناء میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو معلوم ہوا کہ قادیانی نے دلی جا کر اللہ اکبری شروع کی ہے تو یہ بھی بجلت تمام دلی پہنچے۔ جب الہامی صاحب کو اپنے قدیم دوست کی آمد کا علم ہوا تو بہت گھبرائے اور یہ سوچ کر کہ مولوی عبدالحق غزنوی حنفی کو بلایا جائے دے کر حنفیوں سے بالمقابل مباہلہ کی درخواست کیا کہ حنفی صاحب سے مصافحہ کر کے صرف اہل حدیث جماعت سے بچنے حنفی کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ مگر قادیانی صاحب کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ مرزائی عقائد و دعوت سے متفق اور غیر متفق یکساں بیزار تھے۔ اس لیے یہاں حنفی اور غیر حنفی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال مرزا صاحب یہ نفس نفیس حنفی صاحب کے مکان پر پہنچے اور کہنے لگے کہ "حافظ اور بٹالیا نے دعوا دے کر آپ کا نام بھی لکھوا دیا ہے میں تو صرف غیر مقلدین سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ آپ حنفی ہیں اس لیے مجھے آپ سے مقابلہ کرنا منظور نہیں"۔ مولوی صاحب نے یہ خیال کر کے کہ کرانے سے بھاگتا ایسا ہے کہا کہ آپ بذریعہ اشتہار اس مباہلہ سے انکار کر دیں تو ہم بھی اپنے مقابلہ سے

دست بردار ہو جائیں گے۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۰ ص ۳) اس ملاقات کے بعد مولوی صاحب نے ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ اس عاجز نے ۲۰ اکتوبر کے اشتہار میں حضرت مولوی ابو محمد عبدالحق کا نام بھی درج کیا تھا مگر حسب الملاقات اور باہمی گفتگو سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب موصوف ایک کوشہ گزیں قوی ہیں اور ایسے جلسوں سے جن میں عوام کے خلل اور اشتعال کا اندیشہ ہو بہت کم جاتے ہیں اور اپنے تمام تر قرآن کریم میں مصروف ہیں اور اشتہار کے شرائط پورے کرنے سے معذور ہیں کیونکہ گوشہ نشین ہیں۔ عام سے تعلق ملاقات نہیں رکھتے اور بیعت وغیرہ صفت کے ایسی ملاقاتی سے کراہت بھی رکھتے ہیں لیکن مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد غزنوی صاحب جو اب دہلی میں موجود ہیں ان کلاسوں میں قول وجود کا قبول رکھتے ہیں۔ لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر یہ دو مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ کھلے میدان میں حق پر ہیں تو جیسے ساتھ پابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۸ء باستقبال بحث کر لیں۔ (تبلیغ رسالت' جلد ۱۰ ص ۱۲۷) مگر موحد صاحب کا یہ بیان کارگر نہ ہوا کیونکہ مولوی عبدالحق صاحب نے ۲۰ اکتوبر کو مطبع پرنسی دہلی میں اس مضمون کا ایک اشتہار چھپوا کر مشتہر کیا کہ قادیانی صاحب نے میرے ساتھ مباحثہ کرنے کا جو طریق کیا ہے وہ سراسر دروغ آمیز ہے۔ میں واقعی حکام سے تعلق نہیں رکھتا لیکن باقی انتظام کے لیے ان کے لوگ موجود ہیں۔ پس قادیانی صاحب ۲۰ اکتوبر کو مکان پال میں آئیں اور مجھ سے مباحثہ کر لیں۔ ورنہ جھوٹے سمجھے جائیں گے۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۰ صفحہ ۳)

تمام مرزائی شرائط کی منظوری

دوسری طرف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے الہٰی صاحب کو اقرار مباحثہ کے جواب میں ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ایک اعلان شائع کیا جس میں قادیانی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ "آپ نے خاکسار اور حضرت میاں صاحب (مولانا نذیر حسین صاحب) کو مقابل و مباحث بلایا ہے اور یہ حقیقت ظاہر ہے کہ مباحثہ میں ایک ہی شخص بول سکے گا دونوں مل کر آپ سے بالکلام نہ ہوں گے۔ لہٰذا یہ اقرار چاہا ہے کہ پہلے خاکسار آپ سے گفتگو کرے۔ اگر خاکسار آپ کو ساکت نہ کر سکے تو پھر میاں صاحب سے گفتگو

کے جواز ہوں گے۔ یہی امر مقتضی حال سوالوں و جواب ہے۔ شاگردوں کے ہوتے ہوئے ایک شیخ اکمل اور امام وقت کو زیبا نہیں ہے کہ آپ جرس کو اپنا قائد بنائے اور اگر آپ اپنی ہی غرض یا حکم و حکمت مقصد کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس امر کے لیے بھی حاضر ہیں۔ لیکن ۱۸۱۶ء اکتوبر ۱۸۱۶ء بوقت ۹ بجے دن کے چاندنی گل ہی گزرنے لے آئیے' اور خاکسار سے گفتگو کر لیجئے۔ ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں ہے آپ کی تمام غرضیں مقصد ہیں"۔ یہ اختتام پیغام کر مقصد قوانین سے قاطعانی صاحب کے پاس بھیجے گئے اور زبانی پیام بھی پہنچائے گئے۔ قاطعانی صاحب نے اس اختتام کو پڑھ کر اور بیانات سن کر کوئی جواب و انکار نہ کیا۔ جس سے ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ وہ وقت مقررہ پر چاندنی گل پہنچ جائیں گے اس لیے قرعہ فال کا اہتمام کیا گیا۔ اب مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی عبدالحق صاحب حقانی کی طرف سے ایک مشترکہ چٹھی مرزا صاحب کے نام کی بھیجی گئی جس کا مضمون یہ تھا کہ مولوی عبدالحق صاحب نے آپ کو اجلاس میں مباحثہ کے لیے بلایا تھا کہ آپ نے قرار دیا ہے کہ بالفعل ایک ہی مناظرہ چاندنی گل میں ہو۔ آپ وقت مقررہ پر ضرور تشریف لائیں کیونکہ قرعہ فال دیوبند پر بنام مولوی محمد آیا ہے"۔ وقت مقررہ پر مرزا صاحب کا خط انتظار شروع ہوا لیکن انہیں نہ آنا تھا نہ آئے اور جلسہ مباحثہ عوام برخاست ہوا (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۰ ص ۳)

الہامی صاحب کی عہد شکنیاں اور مقابلے سے گریز

مرزا صاحب نے ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب دو لاکھ مال میں مخاطب ہیں۔ ان لفظوں میں تحدی و چیلنج کا طرز رکھتے ہیں لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ وہ میرے ساتھ پابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۶ء بحث کریں۔ (تبلیغ رسالت' جلد ۱۰ ص ۷۰، ۷۱) لیکن مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین کے ساتھ مباحثہ کرنے سے صاف انکار کر کے الٹا عہد کیا اور کہا کہ میں خاص مولوی نذیر حسین صاحب سے گفتگو کروں گا کیونکہ مجھے ابوسعید محمد حسین کی گفتگو سے بالطبع کراہت ہے ہاں وہ مولوی سید نذیر حسین صاحب کے ہمراہ ہوں۔ اس اصرار کی وجہ سے میاں صاحب مجبور ہو گئے کہ بذات خود قاطعانی صاحب سے گفتگو کریں۔ اس فیصلہ کے

جو جب ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ایک بار پھر چراغی گئی میں تشریف لائے اور میاں صاحب نے قادیانی صاحب کو ایک چٹھی میں اطلاع دی کہ "میں بذات خود آپ سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہوں۔ آپ ۲۰ اکتوبر کو ضرور وقت چراغی گئی میں آ جائیے"۔ لیکن قادیانی صاحب اس روز کے بھی پابند نہ رہے اور اپنی سابقہ بے کسی سے صاف انکار کیا اور اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ "میں نہیں جانتا ہوں کہ جوش عوام کا ہے سے پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا یہ تجویز قرار پائی ہے کہ امام علی صاحب شیخ اپنی کمشنر کے پاس جا کر اطلاع دیں تو پھر ایک تاریخ مقرر کر کے جلسہ ہو"۔ اس پر چراغی گئی کا جلسہ برخاست ہوا اور اہل ملی کو یقین ہو گیا کہ قادیانی کو مباحثہ کی مطلق نہیں ہے۔ یہ محض ٹیلے حوالے خود رفع الوقتی سے کام لے رہے ہیں۔ مرزا صاحب کے اس فرار و گریز کا نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں شہرہ ہوا اور ان کے دامن شہرت پر خفت و ناداغ لگا۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۰ ص ۵)

میاں صاحب کی شان میں دریدہ دہنی

مولانا نذیر حسین صاحب ہندی سنن کے بڑے نامور محدث تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں ان کی شان میں سخت دریدہ دہنی کی اور لکھا کہ "ظاہر آپ بدیں قرآن و حدیث میں دخل و بصارت رکھتے ہیں مگر آپ کو کسی استاد نے حقیقت تک نہیں پہنچایا اور قال اللہ و قال الرسول کے مغز سے دور رکھا اور بے نصیب رکھا۔ آپ کو شرم کرنی چاہئے کہ مسیح باطل ہونے کا دعویٰ اور پھر اس شیخیت کی شکل کہ مسیح علیہ السلام کو قرآن اور حدیث صحیح کے رو سے زندہ رکھ رہے ہیں۔ اگر آپ کو یہ شرم ہے تو اب بالمواجہ مباحثہ کے لیے میدان میں آ جائیے۔ غائب رہ خود ہو کہ دوسرا غش باشد۔ میں حیران ہوا کہ آپ کس بات کے مسیح باطل ہیں۔ اگر آپ بحث نہیں کرنا چاہتے تو ایک مجلس میں صرف تین بار کہہ دیجئے کہ مسیح بن مریم علیہ السلام جسد عنصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ تب میں آپ کی کتابیں اور حق پوشی اور بدمعاشی اور جھوٹی گواہی کے فیصلہ کے لیے جناب الٰہی میں تضرع اور ابتہال کروں گا۔ اور اگر آپ تحریری کا طریق پسند کر کے یہ کتابیں کریں گے تو ایک سطر

تک اس گفتگو کا کسی پر بھید کھلا کھلا اثر پڑے گا جو دوسروں کے لیے باعث نشان کے ہو جائے گا۔ (تبلیغ رسالت' جلد ۶' ص ۲۷)

جامع مسجد دہلی میں مجلس مباحثہ

مولوی محمد حسین بٹالوی اور دوسرے علمائے اسلام کو اس بات پر کامل یقین تھا کہ مرزا صاحب اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہیں گے اور مباحثہ نہ ہوگا اور وہ حضرت میاں صاحب کی قسم پر راضی نہ ہوں گے۔ مگر اکثر عوام کو مسلمانان دہلی کی طرف سے اس مضمون کا ایک اشتہار شائع کیا گیا کہ مرزا صاحب بدکھلی اور بزدلی کی وجہ سے جو انہوں نے حضرت میاں صاحب کی شان میں کی اس قابل نہیں رہے کہ حضرت میاں صاحب ان کو اپنا مخاطب بنائیں۔ ہاں مولوی محمد حسین بٹالوی اور میاں صاحب کے دوسرے علماء میں سے جس کسی سے وہ مخاطب پسند کریں ان سے مباحثہ کریں اور اگر مباہلہ کرنا چاہے تو مولوی عبدالحق امرتسری یا مولوی عبدالجبار صاحب سے کر لیں۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۶' ص ۲۱) لیکن اس کے بعد فیصلہ ہوا کہ ۲۰ اکتوبر کو جامع مسجد میں مجلس مناظرہ منعقد ہو اور عوام الناس اور بعض خواص نے میاں صاحب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ جامع مسجد کے اجلاس میں تشریف لے جائیں۔ مرزا صاحب کو بھی اس کی اطلاع کر دی گئی۔ مرزا صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ اب میں نے جگہ امن کا انتظام کر لیا ہے۔ میں جامع مسجد میں وقت مقررہ پر پہنچ جاؤں گا۔ ۲۰ اکتوبر کو نماز عصر سے پیشتر بڑا مسلمان جامع مسجد میں پہنچ گئے۔ مولانا نذیر حسین صاحب اور دوسرے علمائے دہلی بھی تشریف لے آئے۔ قاضی صاحب بھی اپنے بارہ گواہوں کے ساتھ آ موجود ہوئے۔ چونکہ نماز عصر کا وقت ہو گیا تھا مسلمانوں نے نماز باجماعت ادا کی۔ مرزا صاحب اور ان کے حامی مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوئے اتنے میں اگرچہ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی مع مرزائیوں کی دعوت پر گیا تھا جامع مسجد میں آ موجود ہوا۔

نماز کے بعد نواب سید قدیر احمد خان صاحب رئیس لوہارو مولوی عبدالجبار صاحب اور سید بشیر حسین انسپکٹر پولیس مولانا نذیر حسین صاحب کے ایماء سے مرزا صاحب کی جگہ پر گئے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی ساتھ ہو لیا۔ ان لوگوں نے جا کر مرزا صاحب سے کہا کہ

آپ لکھ دیجئے کہ اگر مولانا ذبیح نبیل صاحب میرے بارے کی کو حلف اٹھا کر مسترد کر دیں تو میں اسی لمحے ہی توبہ کر لوں گا۔ مرزا صاحب نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ان کے سکوت سے مخاطب ہو کر ایک مرزائی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں ایک سال کے بعد توبہ کر لیں گے بشرطیکہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی اس عرصہ میں پوری نہ ہو۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس:	(اس کی یہ تو کوئی بات نہیں۔ اس کو کوئی مقرر نہیں کر سکتا۔
مولوی عبدالحق:	(سپرنٹنڈنٹ صاحب سے مخاطب ہو کر) صاحب! ہم آپ ہی کو حکم ٹھہراتے ہیں۔ آپ ان سے دریافت کیجئے کہ آپ نے بعد اکتوبر کے اشتہار میں لکھا ہے کہ مولوی ذبیح نبیل صاحب ایک مجلس میں میرے تمام دلائل حقانیت سچ سن کر قسم کھائیں۔ (مخلص رسالہ' جلد ۶ ص ۳۸) سو کیا آپ ایسے دلائل حقانیت سچ پیش کر سکتے ہیں؟ اور اگر مولانا موصوف آپ کے دلائل کو سچ نہ تسلیم کریں اور ان کے بطلان پر حلف اٹھا لیں تو کیا آپ توبہ کر لیں گے؟ مرزا جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اگرچہ سپرنٹنڈنٹ مرزا صاحب اور ان کے دیگر حامیوں کو دیر تک سمجھاتا رہا کہ تم کیوں بات بڑھاتے ہو؟ ایک تقریر ہونے دو۔
مرزا صاحب:	ہم صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔
مولوی عبدالحق:	ہم نہ صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح ؑ بلکہ آپ کے تمام دعاوی کا ابطال کرنا چاہتے ہیں جس صورت میں کہ آپ کے ہر دعوے کے لئے دعاوی بھی اسلام کے خلاف ہیں۔ ہم کیوں ایک ہی مسئلہ کا فیصلہ کریں۔ بلکہ دعوی تو آپ کو مسیحائی کا ہے آپ اس کا کچھ ثبوت بھی کر سکتے ہیں؟
سپرنٹنڈنٹ پولیس:	نواب صاحب' جتنی تکرار فضول بڑھ رہی ہے

وکیل نواب سید سلطان مرزا آخری مجلس اور تمام
سوالوں و فراکین جلسہ ویگ اپیل ہونا چاہیے۔

مرزا صاحب: ہم صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر نواب سید سلطان مرزا صاحب اور مولوی عبدالحق صاحب نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں مرزا صاحب کے سامنے کر دیا اور کہا پکڑو یہ مولوی صاحب حاضر ہیں۔ ان سے مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر ہی گفتگو کر لیجئے۔ مرزا صاحب مولوی صاحب کو دیکھ کر سہم گئے اور گفتگو سے انکار کر دیا۔

مولوی عبدالحق: اچھا مرزا صاحب اگر آپ کو مباحثہ سے انکار ہے تو پہلے کی رائے پر کیوں قائم نہیں رہتے؟

مرزا صاحب کے وکیل: یہ تو آپ کے ساتھ ہے۔

پریذیڈنٹ پولیس: (مرزا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس کا ثبوت پیش کیجئے۔ (نیز کہا کہ مسیح انتقال کر گئے تو اس حالت میں سب برابر ہیں۔ آپ تو دو سو سے زیادہ کا انتقال ہے کہ آپ کو مسیح کہا جائے۔ بہرحال آپ کو اپنے دعوے کا ثبوت دینا ضرور ہے۔

مرزا صاحب: جناب عالیہ

مولوی صاحب: (یہ کہہ کر بلند) صاحبو! ناظرین! ہم ہر مسئلہ میں گفتگو کے لئے تیار ہیں۔ (مرزا صاحب سے مخاطب کر کے) آپ کے پاس کوئی شرعی دلیل ہے تو پیش کیجئے۔

خواجہ محمد یوسف: وکیل مدعی کہ جناب قریشی صاحب (مولوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) حضرت ایک شخص مسلمان ہوتا ہے۔ اسے کیوں مسلمان نہیں کرتے؟

مولوی صاحب: اگر تو یہ کرے تو ہمارا مقابل ہے۔

خواجہ صاحب: میں انکی ان سے توبہ کھواتے ہیں۔ وہ لکھ دیں گے کہ ہم کچھ قرآن و حدیث کے خلاف میں نے لکھا ہے وہ سب ہے لہذا میں مسلمان ہوں۔

مولوی صاحب: اگر کسی حلفاً کے بغیر ایسا لکھ دیں تو ہم انکی تصدیق کرتے ہیں۔ مرزا صاحب تو یہ لکھتے ہیں کہ میری طرف سے ہر اکثر کے اشتہار میں شائع کر چکے تھے۔ لیکن مجھ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ "معجزات" کا منکر اور اپنے الہام کا منکر ہے۔ حالانکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں۔ یہ امور حلفیہ میں داخل ہیں۔

مولوی صاحب: مرزا صاحب! یہ تو آپ پہلے ہی شائع کر چکے ہیں۔ کہنا تو یہ چاہئے کہ میں نے اپنی کتابوں "فتح اسلام" "توضیح مرام" اور "ازالہ اوہام" میں جو عقیدے اسلامی حلفیہ کے خلاف لکھے ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں۔

خواجہ صاحب: مرزا صاحب نے کوئی امر خلاف اہل اسلام نہیں لکھا مگر لکھنے کا فرق ہے۔

مولوی صاحب: اچھا مرزا صاحب اسی موضوع پر محفلہ کر لیں کہ ان کے حلفیہ قرآن و حدیث کے خلاف ہیں یا نہیں؟ ہم بھی ان کی کتابیں دیکھ کر بھیج دیں۔

مرزا صاحب: ہم محفلہ نہیں کرتے۔

اراکین جلسہ: یہ اختلاف اس لئے ہوا ہے کہ آپ اپنے حلفیہ کا ثبوت دیں۔ یا اگر مولانا نور حسین صاحب بحث آپ کے حلفیہ کا خلاف قرآن و حدیث ہونا بیان کر دیں تو آپ توبہ کریں۔

مرزا صاحب: ہم صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح کا تحریری

نہیں چاہتے ہیں اور کوئی مقدمہ نہیں کرتے۔

اراکین جلسہ: مرزا صاحب! یہ جج تمہارے لئے نہیں ہوا ہے یہ کام تو گھر بیٹھے ہی ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے۔ جب آپ اپنے دعوے کا ثبوت نہیں دے سکتے تو بہتر ہے لوگوں کو رخصت کر دیا جائے۔

نواب سید الدین خان: (اراکین جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے) اور کچھ نہیں تو مرزا صاحب بانی مسیح علیہ السلام کے متعلق اپنے خیالات پیش کریں۔

مرزا صاحب: ہم تو صرف مولانا صاحب سے حیات مسیح کا ثبوت چاہتے ہیں۔

اراکین جلسہ: اگر واقعی آپ کی خواہش ہے کہ مقدمہ ہو اور یہ مقدمہ کسی منصف کے سامنے ہو تو صرف مولانا صاحب بلکہ ان کے علاوہ بھی آپ سے مقدمہ کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن یہ جلسہ خصوصی تقریروں کے لئے ہے جلسہ نہیں ہے۔

پریذائیڈنٹ: (مولوی عبدالحی صاحب کو مخاطب کر کے) آپ پڑھ کر کر دیجئے کہ مرزا صاحب مقدمہ نہیں کرتے لہٰذا جلسہ برخاست۔ سب لوگ خاموشی کے ساتھ رخصت ہو جائیں۔

مولوی صاحب: صاحبو! جلسہ برخاست۔ مرزا صاحب اپنا دعوے کا ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔

پریذائیڈنٹ: مولوی نور حسین صاحب سے بھی پڑھ کر کہہ دیجئے کہ جلسہ برخاست۔ مولوی صاحب اور غیر جانبدار حسین کوٹوی شہر یاں صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ مرزا صاحب مقدمہ نہیں کرتے اس لئے جلسہ برخاست ہے۔ اس کے بعد کوٹوی نے مرزا صاحب کے پاس جا کر کہا کہ اب تمہیں لے جانے کا حکم ہے۔ مرزا صاحب اس کو نہیں سمجھے کہ

بات پکی ہو گئی ہے۔ جبکہ مولانا سرسید مرزا صاحب اس شعر کا
مصداق تھے۔

جب چل سے کام نہ چلتا ہے ۔۔۔ تب ناچار ہر بچھوتا مولانا آتا ہے
(حیات النذیر' جلد ۲' ص ۹۰۶)

واپسی کا عبرت ناک منظر

صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب ایم اے ابن مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جامع مسجد سے واپسی کا یہ عبرت ناک فوٹو اکٹھا ہے۔ لہٰذا اس کو بھی ایک نظر دیکھ لیجئے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں:

"جب لوگ مسجد سے نکل گئے تو حضرت (مرزا) صاحب بھی اٹھ کر باہر تشریف لائے اور بعد سے پہلی اور پولیس افسر آپ کے ارد گرد تھے۔ جب آپ شمالی دروازہ پر آئے تو عوام نے اپنی گاڑیاں حاضر کیں کہ آپ ان پر بیٹھ کر تشریف لے جائیں۔ مگر آپ نے انکار فرما دیا اور پیدل چلتے رہے۔ مگر پولیس کی گاڑی آپ کے ساتھ رہی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم گاڑی پاس نہ آنے دیں گے۔ اس طرح حضرت کو قریباً پون میل دور پیدل چلنا پڑا۔ اس اثناء میں لوگوں کے گروہ در گروہ مسجد کے باہر کنوئیں تک پہنچ کر حضرت کی طرف لوٹنے لگے۔ پولیس کا افسر ہوشیار تھا اس نے حضرت سے کہا کہ آپ فوراً میری گاڑی میں بیٹھ کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ لوگوں کا خیال فاسد ہے۔ چنانچہ حضرت اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی دونوں اس گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور باقی لوگ پیدل مکان پر پہنچے۔ اس موقع پر حضرت کے ساتھ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی' سید امیر علی' نظام الدین صاحب' شیخ محمد حسن صاحب کیسر تھلوی' حکیم فضل الدین بھیروی' اور سراج الحق اور بھی بہت تھے"۔ (سیرۃ المہدی' جلد ۲' ص ۵)

مولوی محمد بشیر سہسوانی سے مناظرہ

مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے شاگردوں میں مولوی محمد بشیر سہسوانی بھی ایک بلند پایہ عالم تھے۔ الہٰی صاحب نے ۲۰ اکتوبر اور ۲۱ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو جو اشتہار دہلی میں شائع کئے وہ کسی نے مولوی محمد بشیر صاحب کے پاس بھی بھوپال بھیج دیئے۔ انہوں نے حاجی محمد سوداگر دہلی کے توسط سے ان اشتہاروں کا جواب ثناءاللہ صاحب کے پاس بھیجا جس میں ان کی تمام شرطوں کو قبول کرتے ہوئے صرف تیسری شرط میں کسی قدر ترمیم چاہی۔ الہٰی صاحب نے بھی اس ترمیم کو منظور کر لیا۔ ترمیم کے بعد یہ چار شرطیں قرار پائیں۔

(۱) حکم امام اسی کے لیے سرکاری اسلام ہو۔

(۲) مباحثہ تحریری ہو۔ ہر فریق اپنی بحث میں سوال لکھ کر اور اس پر اپنا دستخط کر کے پیش کرے۔ اسی طرح فریق ثانی جواب لکھ کر دے۔

(۳) پہلی بحث مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر ہو۔ اگر حیات ثابت ہو جائے تو مرزا صاحب دعوائے مسیحیت سے دست بردار ہو جائیں گے اور اگر وفات ثابت ہو تو ثناءاللہ صاحب کا اصل دعویٰ یعنی دوم نزول حضرت مسیح علیہ السلام اور ثناءاللہ صاحب کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ ہوگا۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور مرزا جی کے مسیح موعود ہونے پر بحث کی جائے گی۔

(۴) فریقین میں سے جو شخص قبل از تصفیہ مباحثہ سے روگردانی کرے گا اس کی گرج سمجھی جائے گی۔

جب یہ شرطیں طے ہو گئیں تو ثناءاللہ صاحب کی طرف سے حاجی محمد اسمٰعیل نے مولوی محمد بشیر صاحب کو بھوپال سے طلب کیا۔ مولوی صاحب ۱۷ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ کو دہلی پہنچ گئے اور مرزا جی کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔

ثناءاللہ صاحب کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

اب الہٰی صاحب نے اپنے سابقہ معاہدہ کو پائے حلق رکھ کر شرائط میں مندرجہ ذیل

تبدیلی فرمائی۔

(۱) مولوی محمد بشیر صاحب مدعی ہوں گے۔ حیاۃ مسیح علیہ السلام کا بار ثبوت انہی پر ہوگا

(۲) بحث اس مادہ (مرزا قادیانی) کے قیام تک ہوگی۔

(۳) جلسہ عام مشتہر نہیں ہوگا

(۴) مولوی صاحب زبانہ سے زبانہ رس کوئی دو اشخاص ہوں اپنے ساتھ لا سکتے ہیں لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالحق غزنوی آنے کے مجاز نہ ہوں گے۔

(۵) پرچوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہوگی۔

مولوی محمد بشیر صاحب کے ارادہ کی رائے تھی کہ ان تین شرطوں کو مسترد کر دیا جائے مگر مولوی صاحب نے محض اس خیال سے کہ لاہوری صاحب کو مناظرہ سے گریز کرنے کا کوئی حیلہ نہ مل سکے سب شرطیں بلا کم و کاست منظور کر لیں۔ بعد رفع الفاصل کو بعد از نماز عصر مناظرہ شروع ہوا۔ مولوی صاحب نے مرزا جی کے مکان پر جا کر محفل مناظرہ میں حیاۃ مسیح علیہ السلام کے پانچ بال کھول کر حاضرین کو سنا دیئے اور دکھا کر کے لاہوری صاحب کے حوالے کر دیئے۔

محفل بحث میں جواب لکھنے سے گریز

لاہوری صاحب پر لازم تھا کہ اسی وقت جواب لکھواتے لیکن اتنی قابلیت نہیں تھی کہ اپنے مدعا سے بھی کوئی بات نکال سکیں۔ محفل بحث میں جواب لکھوانے سے انکار کیا۔ پرنسپل عبدالحی محمد اکبر وغیرہ حضرات نے مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ محفل عدد اور شرائط مقررہ کی خلاف ورزی نہ کریں مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ اسی بات پر مصر رہے کہ میں جواب لکھوا رکھوں گا آپ لوگ کل دس بجے آکر جواب سن لیجئے۔ ناچار محفل مناظرہ برخاست ہوئی۔ یہ حضرات دوسرے دن دس بجے دوبارہ پہنچے اور اطلاع دی گئی تو الہامی صاحب باہر نہ آئے اور کہلا بھیجا کہ ابھی جواب تیار نہیں ہوا جب تیار ہوگا آپ کو بلا لیا جائے گا۔ دو بجے کے بعد ان حضرات کو بلا کر جواب سنایا اور کہا کہ اس محفل بحث

میں عذاب گھلنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے مکان پر جا کر عذاب گھلا رکھئے۔ اسی طرح پانچ دن تک سلسلہ بحث جاری رہا۔

خسر کی بیماری کا حیلہ تراش کر مناظرہ سے گریز

چھٹے دن جانبین کے علماء تمام پہنچ چکے تو مرزا صاحب پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مناظرہ سے دست بردار ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب مجھے زیادہ قیام کی گنجائش نہیں ہے اور وجہ یہ بتلایا کہ میرے خسر عذاب حاضر ہیں اس لیے جلد جانا ضروری ہے۔ چونکہ مولوی نور حسین اور ابن عذابہ نے مرزا قادیانی صاحب کی ترکیب مزاج اور اندرونی حالت سے واقف تھے اس بات کی پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ مرزا صاحب بحث کے انجام تک پہنچنے سے پیشتر ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس لیے مرزا صاحب کے فرار کے متعلق پہلے سے ایک مقالہ لکھ رکھا تھا۔ جو مضمون مرزا صاحب کی روانگی میں سب حاضرین کو سنا دیا گیا۔ اس میں مرزا صاحب کے فعل حمد پر طنز لے دے کی گئی تھی۔ حاضرین جلسہ نے مرزا صاحب کو ان کی وعدہ خلافی اور گریز پر بیحیائی بلاست کی "مگر السلی نے کسی بلاست اور خلیہ و تلبیح کی پروا نہ کی اور اسی روز قیمہ مراجعت کر کے رات کو ہی چلے گئے۔ اب الٰہی صاحب کے فرار کی اصل وجہ سنئے۔ مرزا صاحب ہی سمجھتے تھے اور علماء کی طرف سے بھی یہ معاملہ ہو رہا تھا کہ آپ مسیح موعود ہونے کا ثبوت دیں اس لیے اس جھنجٹ سے بچنے کے لیے یہ سوچی قائم کر رکھی تھی۔ ایک مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام دوسرے نزول جناب مسیح علیہ السلام جب الٰہی صاحب نے مولوی محمد بشیر کے مناظرہ میں دیکھا کہ پہلا بند ہی ان کے دعوٰی میں زبردست مضبوط اور ناقابل تغیر قائم کرنے والا ہے اور وہ مرزا بند ہر بالکل کمزور ہے اس میں مداخلت کی زیادہ قوت نہیں وہ ساقط ہو جائے گا پھر اصل نقطہ پر حملہ ہوگا جو پہلی کے مقابلے سے زیادہ کمزور ہے اور قادیانی عیسیٰ کا نقطہ چشم زدن میں پاش پاش ہو جائے گا تو مرزا ہی کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ فیصلہ کے تصفیہ کرنے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوں۔ اس مناظرہ کی مفصل روداد انہیں دنوں ایک رسالہ میں شائع ہوئی تھی جس کا نام "الحق المریح فی اثبات حیوۃ المسیح" ہے۔ یہ تصریح اسی رسالہ سے ماخوذ ہے۔ (تاریخ مرزا ص ۳۲۔ ۳۳)

میاں بشیر احمد ایم اے کی طبع سازی

مرزا بشیر احمد نے اپنے باپ کو فرار کی رسوائی سے بچانے کے لیے ایک حیلہ تراشا ہے اور نہایت دور دلیری سے ان الفاظ میں طبع سازی کی ہے۔ "مولوی محمد بشیر صاحب کے مباحثہ میں ہاتھ لہرا رہا تھا کہ فریقین کے ہاتھ پانچ پر ہیں ہوں گے لیکن جب حضرت مسیح موعود نے دیکھا کہ مولوی محمد بشیر صاحب کی طرف سے اب الٹی پرانی دلیلوں کا اعادہ ہو رہا ہے' تو آپ نے فریق مخالف کو یہ بات بتلا کر کہ اب مناظرہ کو آگے جاری رکھنا شیخ لوقات کا موجب ہے' لمبی بحثوں کی بحث کو ختم کر دیا اور فریق مخالف کے ضعف و کمزوری کی پروا نہیں کی۔" (سیرۃ المہدی' جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر میاں بشیر احمد صاحب سچے ہیں' تو اس دعوی کی کوئی دلیل پیش کریں کہ مرزا صاحب نے فریق مخالف کو بھگا دیا تھا کہ اب مباحثہ جاری رکھنا بیکار ہے۔ اگر واقعی مولوی محمد بشیر صاحب کا کیسہ ملکل خالی ہو چکا تھا اور وہ بار بار پرانی دلیلیں ہی پیش کر رہے تھے تو بھی الہامی صاحب کو چاہیے تھا کہ مناظرہ کو اختتام تک پہنچا کر فریق مقابل کو جواب اور مغلوب کر دکھاتے تاکہ حاضرین پر بحث قائم ہو جاتی اور کسی کو ضعف و کمزوری بزعم نہ ہوتی۔ اس سے قطع نظر اس میں نہایت اہم بالغین فائدہ یہ بھی تھا کہ مرزائی حضرات کے اس مرزا صاحب کی ساری تاریخ میں ایک کلیر ابی بھی موجود نہ ہوتی' جس میں مرزا صاحب کو فرار و ہزیمت سے دوچار نہ ہونا پڑا ہوتا۔

باب ۳

میر عباس علی لدھیانوی کا داغ مفارقت

میر عباس علی لدھیانوی شاہ سلیمان تونسوی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد میر صاحب کو کسی سچے پیر کی تلاش ہوئی۔ ان ایام میں مرزا صاحب نے شہرت و نمود کی دنیا میں نیا نیا قدم رکھا تھا۔ ان کی جلیلی اور لن ترانیاں گوش

نہ ہو سکیں' تو اصل اور نقل میں امتیاز کئے بغیر اس بحث کلمہ کے گرد ار بن گئے۔ میر صاحب کے سلسلہ ارادت کا آغاز ۱۸۸۸ء میں ہوا جبکہ مرزا صاحب نے براہین کا تیسرا حصہ شائع کیا تھا اور اغلب ہے کہ میر عباس علی بن الہی صاحب کے سب سے پہلے مرید تھے۔ انہوں نے اس وقت ان کی طرف کوئی التفات نہ کی تھی بلکہ ہنوز کسی شخص نے مرزا صاحب کی طرف رسمی ارادت نہ پیدا کی تھی۔ کتابت الہیہ کی سب سے پہلی اور ضخیم ترین جلد انہیں خطوط پر مشتمل ہے' جو الہی صاحب نے میر عباس علی کے نام روانہ فرمائے تھے۔ میر صاحب نے اپنے خلوص و اخلاص کی خدمت گزاری اور جاں و محنت میں وہ کمال دکھایا کہ تمام مریدوں سے گوئے سبقت لے گئے۔ اس اثنا میں کئی مرتبہ اپنے عزائم بھی ظاہر کئے' جنہوں نے بالآخر ان کے پائے ثبات کو متزلزل کر دیا۔ تاہم اس دام ریا کی توفیق نہ ہوئی۔ اگر تو سال تک بابہ خلافت میں سرگرداں رہنے کے بعد بالآخر کوئی سعید روح پہچان' سعادت ازلی نے رہ نمائی فرمائی اور میر صاحب مرزائیت سے تمام علائق توڑ کر از سر نو دامان اسلام میں داخل ہو گئے۔

میر صاحب کے خلوص کا اعتراف

مرزا جی نے اپنی پہلی ۱۸۸۸ء کی چٹھی میں میر عباس علی کو لکھا تھا کہ جس ذات قدیم نے آپ کو یہ اخلاص بخشا ہے اس نے مجھ کو آپ کا محب بنا لیا ہے"۔ پھر اکتوبر ۱۸۸۸ء کے خط میں لکھا "الحمدللہ والمنہ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو سب سے زیادہ اس باب کے انصار میں سے بنایا۔ اس باب کو آپ کے وجود سے فخر ہے اور شیخ خدا نور کریم سے آپ کو ایک رحمت مجسم خیال کرتا ہے"۔ اور پہلی جنوری ۱۸۸۹ء کی چٹھی میں فرمایا۔ "سعید وہ انسان ہے جس پر نیک ظن غالب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ٹھوکر کھانے سے بچتے ہیں اور اس کا خدائی نور ان کو شیطانی تاریکی سے بچا لیتا ہے اور ٹھوکر وہ ہیں' جو ایسے ہیں اور الحمدللہ کہ میں آپ کو ان ٹھوکروں کے محل سے بہت دور دیکھتا ہوں"۔ پھر اپریل ۱۸۸۹ء کو لکھا کہ آپ کا اخلاص اور باوفا محبت اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ من بندہ اور ایک اور خط میں جس پر تاریخ درج نہیں لکھتے ہیں کہ جس قدر میں خدام نے اشاعت دین اور اعلاء کلمہ اسلام کے لیے رنج اٹھایا ہے خدا تعالیٰ اس کے عوض میں آپ پر اس طور سے

راضی ہو کر جیسا اپنے سچے خادموں اور عقیدوں پر راضی ہوا کرتا ہے"۔ (مکتوبات احمدیہ، جلد اول، ص ۲۱، ۲۲، ۲۰، ۲۱)

اسی طرح مرزا صاحب نے میر عباس علی کے متعلق اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں لکھا کہ یہ میرے وہ اوّل دوست ہیں جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جب سب سے پہلے تکلیف سفر اٹھا کر قبول انکار کی سند پر ملزم تھی۔ فصل خط کتابوں میں میرے ملنے کے لئے گئے، وہ بھی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ جب سچے بزرگوں کے ساتھ انہوں نے بیقراری دکھلائی اور میرے لئے ہر ایک قسم کی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کے حق سے ہر ایک قسم کی باتیں سنیں۔ لوا گی لیام میں ان پر برس تک انگریزی دفتر میں سرکاری ملازم رہے مگر ہیاقت خوبی و دینداری ان کے چہرہ پر نظر ڈالنے سے ہرگز خیال نہیں آتا کہ یہ انگریزی خواں بھی ہیں لیکن وہ دراصل بڑے عالی اور مستقیم الاحوال اور دیندار آدمی ہیں۔ (ازالہ، ص ۲۲۳)

میر صاحب کی استقامت کا مرتبہ

میر عباس علی کے بہ مناقب و محامد ایسے نہیں تھے کہ ان سب سے بڑھ کر انہیں یہ شرف بھی حاصل تھا کہ مرزا صاحب کو ان کی شان میں ایک الہام بھی ہوا تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں میر عباس علی مرحوم کے تذکرے میں فرماتے ہیں۔ جن کے مرتبہ اخلاص کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو ان کے حق میں الہام ہوا تھا اصابہ اجابت و فرحہ فی الحسنہ (ان کی یہ نیکی مضبوط ہے اور ان کی شاخیں آسمان تک چلی گئی ہیں۔ (ایضاً ص ۲۲۲) اس الہام کا یہ مطلب تھا کہ میر صاحب مرزائیت میں ایسے مضبوط اور راسخ ہیں کہ ان کی حالت میں کبھی تزلزل اور تذبذب نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب میر صاحب مرزائیت سے تائب و بیزار ہو کر از سر نو حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تو مرزیوں نے پوچھنا شروع کیا۔ "حضور خدا نے تو اطلاع دی تھی کہ ان کی جڑ بڑی مضبوط ہے۔ اب ان کی جڑ اکھڑ کیسے گئی؟" الہامی صاحب کے پاس تاویل نکالی اور تحن سازی کی بکھ کی نہ تھی، باتیں بنانی شروع کر دیں، جو حضرات اس گلشن تحن سازی کی بہار دیکھنا چاہیں وہ الہامی صاحب کے "تحفہ بغداد" (ص ۱۱۱۔ ۱۱۲) یا (تبلیغ رسالت، جلد

۲ ص ۷۸۔ ۷۵) کا مطالعہ فرمائیں۔ جب سید عباس علی شیعی ایجنٹ کی مدد سے مرزائیت کے علمبردار سے مل کر اسلام کے بحر ذخار میں داخل ہوئے تو مسیح صاحب نے اپنے چلے دل کے کچھ لے ان الفاظ میں پڑھ دیے۔ "ان مرتد ہو گیا" اس کا انجام بد ہوا" جب انسان پر شقاوت کے دن آتے ہیں تو وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتا"۔ (فصل الخطاب ص ۲۳۰)

شعبدہ کی قدر شناسی

میر صاحب کی علمی اور ذہنی کے مختلف اسباب تھے ان میں ایک سبب تو بنارسی دوست سے یہ بنا کہ ایک مرتبہ لدھیانہ میں ایک مسلمان شعبدہ گر آیا۔ ان ایام میں الہامی صاحب اسی جگہ اپنی سکونت کی وجہ سے تھے۔ شعبدہ گر الہامی صاحب کے پاس آکر کہنے لگا کہ یا تو اپنا کوئی کمال دکھائیے یا دیکھئے۔ انہوں نے کہا اچھا اپنا کمال دکھاؤ۔ شعبدہ گر نے کھڑکی لے کر تھوڑی سی زمین نرم کی۔ پھر چند تخم کر کر سے پانی کے چھینٹے دیئے۔ تھوڑی دیر میں پھولے پھولے پودے نکل آئے" ہر دیکھنے والے نے اپنے اپنے لئے باندھ لئے۔ ہر ہر ایک کو پانچ پانچ سات سات قسم کے پھول ملے۔ ہر پھول میں طرح طرح قسم کی خوشبو تھی۔ یہ عظیم دیکھ کر سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ جب شعبدہ باز لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا چکا تو الہامی صاحب سے کہنے لگا۔ "اگر آپ بھی کوئی عجیب دکھائیں تو میں سمجھوں گا کہ کمال بھی دکھایا ہے"۔ مرزا صاحب نے کہا "بھئی ہم تو صرف دعا کرنا جانتے ہیں اس کے سوا ہم میں کوئی کمال نہیں"۔ اس کے بعد مرزا صاحب میر عباس علی سے کہنے لگے کہ اگر تو دعا سے بھی فارغ ہو جائے" تو یہ کمال حاصل کرنا چاہیے۔ یہ سن کر میر صاحب کے دل میں گر چوٹ لگی اور یقین ہو گیا کہ یہ شخص دنیا پرست ہے۔ اگر اس کے دل میں عشق الٰہی کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو کسی شعبدہ پر نہ رکھتے۔ میر صاحب کے منحرف ہونے کی دو وجہیں خود مرزا صاحب نے یہ لکھی ہیں کہ

(۱) میر صاحب کے دل میں دنیا کے معاشقت کا دل خلاف واقع جم گیا ہے۔

(۲) میر صاحب کے دل میں سراسر کاذب قلبی سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گویا میں ایک نیچری کوئی ہوں" تجربت کا منکر اور بالقصد سے انکاری اور نبوت کا دشمن اور اغواء علیم السلام کی اہانت کرنے والا اور عقائد اسلام سے متنفر بنانے والا۔

(تلخیص رسالت، جلد ۶، ص ۱۵۲)

میر صاحب کا تبصرہ

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ میر صاحب نے طبیعت کے بعد ان کے اوصاف اشتہار ہی شائع کیا ہے جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا ہے۔ میر صاحب نے اس اشتہار میں اپنے کمالات ظاہر کرکے تحریر فرمایا ہے کہ گویا ان کو رسول نمائی کی طاقت ہے۔ چنانچہ وہ اس اشتہار میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ میں نے مرزا صاحب سے کہا تھا کہ ہم دونوں کسی مسجد میں بند جائیں پھر اگر تجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا کے اپنے دعوی کی تصدیق کرا دے یا میں زیارت کرا کے اس بات میں فیصلہ کرا دوں گا۔ مگر مرزا صاحب نے اس بات میں میرا مقابلہ نہیں کیا۔ اگر میر صاحب کو یہ قدرت اور کمال حاصل تھا تو پھر انھوں نے اس عاجز سے بدیں تصدیق نبوی کیوں بیعت کر لی اور کیوں دس برس تک برابر ظلوم نراس کے گروہ میں رہے۔ تعجب ہے کہ ایک دفعہ بھی رسول کریمؐ ان کے خواب میں نہ آئے اور ان پر ظاہر نہ کیا کہ اس کذاب اور مکار اور بے دین سے کیوں بیعت کی ہے؟" (ایضاً ص ۱۵۲)

اگر واقعی میر صاحب نے مسیح نصاریٰ کو اس قسم کا کوئی چیلنج دیا تھا تو معلوم نہیں میر صاحب نے الہامی صاحب کی اس تحریر کا کیا جواب دیا ہوگا لیکن ظاہر ہے کہ جب میر صاحب نو دس سال کی طویل مدت تک اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہوئے رہے تھے، تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس خواب میں قدم رنجہ فرماتے؟ اگر جب میر صاحب نے بادی کلمہ سے قبل کر دائرہ اسلام میں قدم رکھا تو بیعت رسولؐ کی سعادت یا رسول نمائی خود کر لیتے۔

مظہریت و اقرنیت

مرزا صاحب کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف نبوت کی طرف مائل تھے بلکہ ان کی ہر ادا میں تشریع اور مظہریت کی شان ہویدا تھی۔ مرزا صاحب نے میر صاحب کے جس اشتہار کا ذکر کیا ہے وہ انھوں نے جب اقبال بیگ پٹیالہ

لدھیانہ میں پھیلایا تھا۔ میر صاحب نے اس میں لکھا تھا کہ میں اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ مرزا صاحب قطعی نجومی ہیں۔ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء کے قطعی منکر ہیں۔ معجزات اور کرامات کو سرپوم خواہ مخواہ علم یا دعاکاری پر حمل جانتے ہیں۔ ان کے اوپر کوئی خوارق عادت جس کو تمام اہل اسلام خصوصاً اہل تصوف نے مانا ہے کوئی چیز نہیں۔ سر سید احمد خان اور مرزا غلام احمد کی تصنیف میں بجز اس کے کوئی فرق نہیں کہ یہ لباس جنٹلمین و پتلون ہیں اور یہ لباس جبہ و دستار اور صوفیائے عظام کے وضع کو درہم برہم کرنے والے۔ (اشاعۃ السنۃ، جلد ۱۳ ص ۲۸۲)

یہاں ضمناً یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مولانا صاحب نصابی کی طرح یہ لوگوں کے بھی قائل نہ تھے۔ چنانچہ حسب بیان میاں شیر احمد صاحب ایک مرتبہ "مسیح" صاحب کسی سفر میں تھے۔ اسٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ واکنگ اور اس کی مہم کی طرح بیوی صاحب کے ساتھ مشین کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالکریم سیالکوٹی جن کی طبیعت نیچر اور ہر نئی شی علیم مولوی نور الدین صاحب کے پاس آنے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور بار غیر لوگ اور غیر لوگ آتے جاتے ہیں۔ آپ حضرت سے عرض کر دیں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ ٹھہرایا جائے۔ مولوی نور الدین صاحب نے کہا کہ میں تو نہیں کہتا آپ خود کہہ کر دیکھ لیں۔ آخر مولوی عبدالکریم صاحب خود حضرت کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ حضور! لوگ بہت ہیں بیوی صاحبہ کو کہیں جگہ الگ ٹھہرایا جائے۔ حضرت نے فرمایا جاؤ میں ایسے پردے کا قائل نہیں ہوں۔ مولوی عبدالکریم سر جھکائے مولوی نور الدین کی طرف گئے۔ انہوں نے کہا مولوی صاحب! جواب لے آئے؟ (سیرۃ المہدی، جلد اول، ص ۳۹)

باب ۴۳

علمائے ملت سے نشان صدق دکھانے کا مطالبہ

الہامی صاحب کی عادت تھی کہ مریدوں کو مطمئن اور خوش اعتقاد رکھنے اور اپنی گرمی

بازار کے لیے وقف کر دیا تھا اپنی انتھک قوت کی داغیں بڑا کرتے اور طلبے امت کو طرح طرح کے فتنے دیا کرتے تھے۔ مرزا صاحب کی یہ لن ترانیاں عوامی لنگر میں پیش کے لیے رہ گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عوامی کج فہمیوں اور خوشامدیوں کو پڑھ کر کہتے ہیں کہ تمام رنگا رنگ مرزا صاحب کے متعلق سے ماخوذ تھی۔ لیکن وہ چاہے اس حقیقت سے بالکل غافل اذہان ہیں کہ اہل حق کی طرف سے ان حیلوں کا کیا جواب دیا گیا تھا اور مرزا صاحب کا ہر مرتبہ کس طرح دفاع ہو رہا تھا؟

الہامی صاحب کا تضاد

الہامی صاحب کی کتاب "حوالہ الہام" میں ہر تیسرے صفحہ کو تضاد ہوتی ہے اسے علی خد میں مرزا صاحب کا یہ تضاد نظر آتا ہے۔ "اے حضرات مولوی صاحبان! آپ لوگوں کا یہ خیال کہ ہم مومن ہیں اور یہ شخص کافر اور ہم صادق ہیں اور یہ شخص کذاب اور ہم شیخ اسلام ہیں اور یہ شخص ملحد اور ہم خیل الٰہی ہیں اور یہ شخص مبتدع اور ہم متبع ہیں اور یہ شخص جہنمی۔ اگرچہ ایسا کرنے والوں کی نظیریں قرآن کریم کی رو سے بلاشبہ فیصلہ پا چکا ہے اور اس رسالہ کے پڑھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ لیکن ایک اور ایسی طریق فیصلہ ہے جس کی رو سے صادقوں اور کاذبوں اور حیلوں اور مبتدعوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر خیل اور مبتدع اپنی اپنی جگہ پر خدا تعالیٰ سے کوئی آسمانی نشان چاہیں تو خیل کی خیر مدد کرتا ہے اور کسی نہ کسی امر سے عالم الغیب کی طاقت سے بڑھ کر ہے اس خیل کی فضیلت ظاہر کر دیتا ہے۔ سو چونکہ آپ لوگ اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لہٰذا آپ پر واجب ہے کہ اس آسمانی ذریعہ سے بھی دیکھ لیں کہ آسمان پر خیل کس کا نام ہے اور مبتدع کس کا نام۔ میں اس بات کو منکر کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتہ تک اس بات کے فیصلہ کے لیے احکم الحاکمین کی طرف توجہ کریں۔ تا اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی سچائی کا نشان یا کوئی اپنی روحہ کی بیچ گوئی بہ راست باتوں کو ملتی ہے آپ کو دی جائے۔ میں بھی دوسری طرف میں بھی توجہ کروں گا اور مجھے خدا کی طرف سے تعلیم دلایا گیا ہے کہ اگر آپ نے اس طور سے میرا مقابلہ کیا تو میری فتح ہوگی۔ میری اس تحریر کے مخاطب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور عبدالرحمن صاحب لکھو والے

اور میاں عبدالحق صاحب خوشی اور مولوی محمد حسین صاحب باغی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی عبدالجلیل صاحب خوشی (سرتسی) اور مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں اور باقی انہی کے زیر اثر آجائیں گے۔" (اشاعۃ السنہ، جلد ۱۲، ص ۲۷۹)

مولوی محمد حسین کی طرف سے فتح کا دعوان تمکن جواب

اس کے جواب میں مولوی محمد حسین صاحب مرحوم باغی نے اپنے اخبار رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں لکھا "طالبان صاحب! پہلے آپ خدا ہی اپنا کوئی نشان دکھائیں کسی کوڑھی کو اچھا کر دیں، یا کسی کانے کو دو سری آنکھ دیں، یا کسی کا سانپ کاٹا دیں، یا کسی مہمان سے من و سلویٰ یا مائدہ اتارائیں۔ یا بجلی آگ میں کود پڑیں اور بچ جائیں۔ یا کسی فلک درخت کو ہوا کر دکھائیں۔ یا ایسا ہی کوئی اور نشان ہو انبیاء اور اولیاء سے ظاہر ہوا ہو اور اگر یہ طے ہو کہ ایسے نشان دکھانا نشان قدرت کے خلاف ہے چنانچہ حال ہی میں آپ نے ہمارے مشہور ڈاکٹر صاحب کو یہی جواب دے کر ٹالا ہے تو یہ طے فیصل اور گرین کا ایک حیلہ ہے۔ یہ طے انہی لوگوں کے سامنے چل سکتا ہے جو اپنے خیالی نکمے نشان قدرت کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مسلمان ایسے بندروں کو کب کا خیر باد کہہ چکے ہیں۔ آپ اس کے قبضے کے لیے پہلے ہم سے بحث کر لیں۔ اگر ہم نے آپ پر ثابت کر دیا کہ ایسے نشان دکھانا نشان قدرت کے خلاف نہیں اور اس کا ثبوت آپ ہی کی کتابوں سے نکال دیا تو پھر آپ کو ایسے نشان دکھانا ہوں گے۔" (اشاعۃ السنہ، جلد ۱۲، ص ۲۷۹) اس جواب کے شائع ہونے پر مولوی صاحب چپ سادھ گئے۔ اگر الٰہی صاحب طبیعت کے لیے ہوتے تو اس موقع پر خاموش رہنا کچھ نہ کچھ ان کو اپنی طبیعت اس میں دیکھی کہ مقابلہ کا رفقہ گزشت کچھ لیں۔

باب ۲۵

ایک صوفی صاحب کی طرف سے

قادیانی چیلنج کا کلہ توڑ جواب

آپ حضرات نے گزشتہ باب میں پڑھا کہ قادیانی صاحب نے کتاب "ازالہ اوہام" طبع اوّل ۱۸۹۱ء میں چند علماء سے دس ہفتہ تک خلاف صدق و کذب قادیان اور ان کے مقابلہ میں خود بھی نشان دکھانے کا دعویٰ کیا تھا۔

صوفی صاحب کا دعویٰ کرامت قبولی

کسی صاحب نے "ازالہ اوہام" میں یہ طبع چھپ کر ایک صوفی صاحب کو جا دکھایا انہوں نے کہا "مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو لکھ دو کہ یہ "اشاعۃ السنہ" میں شائع کر دیں کہ اگر مرزا کو دو ماہ تک دعوت میں اپنے قبول ہونے اور خلائے اسلام کے مہدی ہونے کا دعویٰ ہے تو اس کو واجب ہے کہ کوئی ایسی کرامت دکھلائے جو اس کے دعویٰ کی مصداق ہو۔ کرامت ایسی ہونی چاہیے جس کو دیکھ کر انسان کے ہی علم اور طبعی و عاشر ایسی کرامت تسلیم کر لیں اور دکھانے سے پہلے یہ ضروری شرط ہے کہ اس کے تحدی و کل مقامات ایسی وضاحت سے مشتہر کیے جائیں کہ عام و خاص، جاہل و عالم ہر شخص اس کی کیفیت اور صورت واقعہ اچھی طرح سمجھ لے۔ حتیٰ کہ کھلے میدان میں اس کی کیفیت کے اندر کسی کو اختلاف نہ ہو۔ اگر مرزا اس شرط کے ساتھ کوئی آسمانی کرامت دو نشان دس ہفتہ کی میں دکھلا دے تو اس کی بڑی فتح ہوگی اور اگر اس میعاد کے اندر ایسی کرامت دکھلانے سے عاجز آ جائے تو اس کے اختتام بحث کے بعد اشتہار نظر الخبر میں وہی کرامت اور آسمانی نشان جو مرزا طلب کرے گا دس کے بجائے پانچ ہی ہفتہ کے اندر دکھا دیں گے اور ایسا آسمانی نشان دیکھنے کے بعد مرزا پر صرف یہ واجب ہوگا کہ وہ اپنے متبوعانہ خیالات سے توبہ کر لے گا اور توبہ بھی شائع کر دے گا۔" مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے ہمدرد رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں صوفی صاحب کا یہ پیغام درج کر کے ساتھ ہی لکھا کہ "میں نے بالفعل صوفی صاحب کا نام گم اظہار کر دیا ہے۔ ان کا نام اور پتہ اس وقت شائع کیا جائے گا جب قادیانی صاحب اس شرط سے نشان دکھانا یا دکھانا منظور کر کے کسی اخبار میں اس کا اعلان کر دیں گے مگر پہلے سے ان کا نام مشتہر کیا جائے تو قادیانی صاحب اس میں کسی قسم کی جمع

نکال کر علی علی شروع کر دیں گے جیسے کہ ان کی قسم ہوتی ہے۔ ہم ان کی حکمت عملیوں سے خوب واقف ہیں"۔

میر عباس علی لدھیانوی کی طرف سے یاد دہانی

جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں صوفی صاحب کا پیغام شائع ہوا تو لوگ بہت دن تک یہ سلام کرنے کے منتظر رہے کہ مرزا صاحب میدان میں کر مقابلہ پر آتے ہیں یا نہیں؟ لیکن جب مرزا نے کئی دن تک کوئی توجہ نہ دی تو میر عباس علی صاحب لدھیانوی نے مرزا صاحب کے نام یہ رقعہ لکھ کر روانہ کیا۔ "از جانب عباس علی۔ بخدمت مرزا غلام احمد قادیانی۔ عرض ہے کہ جواب فیصلہ آسمانی "مندرجہ اشاعۃ السنہ" جلد ۱۰ نمبر ۷ پر ایک صوفی صاحب بالمقابل آپ کے دعوے کی کرامت دیکھنے یا دکھانے کی درخواست کرتے ہیں۔ سمجھ کر التماس ہے کہ آپ کو اس میں جو کچھ منظور ہو تحریر فرما دیں۔ تاکہ اس کے مطابق عمل درآمد کیا جائے اور مضمون جلد ۱۰ الوہ ظاہر ہو کہ فریق ثانی آپ کے مقابلہ ہونے پر کام شروع کرے گا"۔ (الراقم عباس علی" از لدھیانہ" ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء)

نام نہاد فیصلہ آسمانی کے تضحیک کا انداز

مرزا صاحب نے اس رقعہ کے جواب میں مباہلہ اور تحدی کا ظاہر کرنے کی بجائے میر صاحب کے نام یہ چٹھی بھیج کر جان بچانے کی کوشش کی۔ حالانکہ بعد میں میر عباس علی صاحب پر واضح ہو کر اگر درحقیقت کوئی صوفی صاحب اس مائنڈ کے مقابلہ پر اترے ہیں اور وہ کچھ فیصلہ آسمانی" میں اس مائنڈ نے لکھا ہے اس کو قبول کر کے تصفیہ حق اور باطل کا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے وہ پیروں کی طرح گدی نشینی نہ کریں۔ یہ سے اپنا حجرہ باہر نکالیں اور مرد میدان بن کر ایک اشتہار دیں۔ اس اشتہار میں بتریح اپنا نام لکھیں اور اپنا دعویٰ بالمقابل ظاہر فرمائیں اور پھر اس طرز پر لکھیں جس طرز پر اس مائنڈ نے فیصلہ آسمانی" میں لکھنا چاہا ہے۔ اگر یہ طرز منظور نہ ہو تو ترجمہ میں جلد شروع ہو جائیں جو کچھ وہ

واسطہ حسب ارشاد اللہ و رسول کے دعوتی کام کی طرح پیش کریں وہی منظور کیا جائے۔ چوہدری' ماسٹروں اور ملکوں کی طرح کلمہ دعوتی کہیں صوفی سلفی کا کام نہیں ہے بلکہ اس فاجر نے علاوہ اپنی طرف سے دو بزرگ جلد "علمائے اہلحدیث" کی تیار کرانے کی غرض سے تقسیم کی ہیں۔ اگر اس فرقہ کلمہ میں کوئی صوفی اور اہل صلاح موجود ہے' تو میدان میں باہر آ جائے' تو پھر پردہ کے اندر بیٹھا کس بات پر بغاوت کر رہا ہے۔ کیا یہ شخص موجود یا موجود ہے اپنے نئی صوفی کے نام سے ظاہر کرتا ہے"۔ (الراقم کلام اہلحدیث' عدد کی ۱۴۰۰ھ)

میر عباس علی کی طرف سے جواب الجواب

اس کے جواب میں میر عباس علی صاحب نے لکھا۔ "بعد الحمد و الصلوٰۃ خدمت مرزا غلام احمد صاحب! آپ کا مطبوعہ جلد مورخہ عدد کی جمعہ نماز جلد کے جواب میں وارد ہوا۔ اسے اول سے آخر تک پڑھ کر حیران ہوا کہ آپ نے دانستہ ٹالنے کے واسطے سوال از کہاں جواب از دیگراں" کے مطابق عمل کر کے چھپا دیا ہے۔ اصل مطلب تو آپ نے چھپا دیا۔ یعنی کان ناک کے واسطے وقت اور مقام مقرر نہیں کیا بلکہ پھر آپ نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق گالیوں کی بوچھاڑ شروع کر دیا۔ جناب من جس طرح آپ نے "علمائے اہلحدیث" میں لکھا تھا اسی طرح "اشاعۃ السنہ" میں ابن صوفی صاحب نے جواب ترکی بہ ترکی ارسال کر دیا ہے۔ آپ کو تو نصیحت کرنے کا تو فیق ہوگا۔ دیگرے خود ہی تیار ہو جانا چاہیے تھا۔ پر کس منہ سے آپ کو تحریک کرنے پر بھی آپ جلد کرتے ہیں اور ٹالتے ہیں۔ صوفی صاحب نے خود قصداً اپنا نام مخفی نہیں رکھا بلکہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی مصلحت سے ظاہر نہیں کیا تاہم آپ نے کلمہ گو کہلانے صوفی صاحب کی نسبت لکھ کر ارتکاب حرام کیا۔ سو آپ کو اس سے کیا بحث ہے؟ آپ کو تو اپنے دعویٰ کے موافق تیار ہونا چاہیے۔ مولوی محمد حسین صاحب خود ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا مطالبہ بہ موجود کریں گے لہٰذا اب آپ ٹالیں نہیں۔ سو میدان بحث اور مقام گفتگو کہ فلاں وقت اور فلاں جگہ پر موجود ہو کر کان ناک و انگشت شہادت عوض شروع کیا جائے گا اور یہ عاجز بعد نماز ظہر عرض کرتا ہے کہ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہو تو جلسہ جلد کیوں کرتے ہو؟ میدان میں آ کر دیکھ یا دکھا۔ صاف باطن لوگ دغل باز نہیں ہوتے۔ جلسہ جلد نہیں کیا کرتے۔ کیا

کہاں برکت والے معجزات کہیں ظہور کیا کرتے ہیں؟ یا رعب کھلوایا کرتے ہیں؟ اس قسم کی کارروائی صرف دھوکہ دینا اور دفع الوقتی پر مبنی ہے۔ الیس اللہ بکاف عبدہ' اللہ سے امید قیاست ایسی نظر رکھو ایسی ہی سودی پر خاک ڈالو۔ (مرتبہ نیاز محمد عباس علی از لدھیانہ' روداد قلمبہ ۸ مئی ۱۹۰۰ء)

میدان مقابلہ سے مرزا صاحب کی شاندار پسپائی

مرزا صاحب لوگوں کے غیرت دلانے کی پروا نہیں کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا مطمع نظر یہ تھا کہ مہارت فریبوں کو چند شرطوں ہی کی بھول بھلیوں میں الجھائے رکھیں۔ مقابلہ مہارت کی حتی الامکان نوبت نہ آنے دیں اور گرد بیٹھنے ہی تک اخبار دام الفاظ کے سامنے اپنی عظمت و برتری کی ڈینگیں مارتے رہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ الہامی صاحب اس غیرت دلانے کے باوجود مقابلہ پر کمر نہ باندھتے۔ لیکن خانہ ساز مسیح صاحب نے حسب معمول اب کی مرتبہ بھی مقابلہ پر فرار کو ترجیح دی اور بار بار لکھ بھیجا تھا کہ مولوی محمد حسین' صوفی صاحب کو مقابلہ پر لانے کے لیے خود ذمہ دار ہیں۔ لیکن الہامی صاحب نے کمر مہ کر بھی دیدی تھی کہ صوفی پیسے سے باہر کیوں نہیں آتے۔ تاہم اس مقابلہ کے بعد مرزا صاحب کو خیال کیا کہ فریق مقابل کیسے ہی ہو مگر اپنی شاندار پسپائی پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ کمر دائم رہے کہ اب اتمام حجت کر دیا گیا آئندہ ہماری طرف ایسی پر نصب تحریریں ہرگز ارسال نہ کریں۔ جب یہ تحریریں پہنچ جائیں گی تو منصف لوگ خود معلوم کر لیں گے کہ کس کی بات انصاف پر مبنی ہے۔ (مرزا غلام احمد' ۸ مئی ۱۹۰۰ء)

کرامت نمائی مرزا صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا

مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں لکھا کہ "کرامتی کے ہاتھ سے کسی آسمانی نشان کا ظاہر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا سوئی کے سوراخ میں سے اونٹ کا نکل جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ آسمانی نشان بلکہ اہل اسلام کے کوئی نہیں رکھا

سکتا اور یہ حقیقت بالکل جسے علمائے بدعت بھی مسلم ہے کہ قادیانی مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ پس اس کا آسمانی نشان دکھانا بالکل ناممکن ہے اگر اس کو آسمانی نشان دکھانے کی ضرورت ہوتی تو وہ آج تک لاکھوں کروڑوں مسلمان اور عیسائیوں کو مسلمان کر لیتا اور نہیں تو لاکھ تک ضرور ہوتا۔ جس پر دعویٰ تسلیم و تصدیق کو ہی کوئی نشان دکھا کر دائرہ اسلام میں لے آتا لیکن اس سے آج تک عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آسمانی نشان اس کے پاس کا روگ نہیں۔ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ محض لفاظی اور افترا پردازی ہے۔

باب ۲۲

شاہ نعمت اللہ کی پیشین گوئی میں

مفید مطلب قطع و برید

ہر شخص کسی بڑی فرقہ کا مقتدا ہو اسے تخلیق اور ریاضت کی رو سے نہیں تو کم از کم اس طویل سے طویل سلسلہ سے باور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ مبادا اس کے پیرو گمان کر جائیں لیکن ہمارے ہاں کے "تخلیقی عقیدہ" نے سب کچھ دیکھ بھالنے کے باوجود اپنی آنکھیں بلا اس کے آنکھ اٹھا کر دیکھ لیے اور قرآن کی بجائے ہر واقعہ تائید و نصرت کے لیے کھولا رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مرزا صاحب کے لیے ہر قسم کی بے اعتدالیوں کا ارتکاب آسان ہو گیا تھا۔ رسالہ "نشان آسمانی" میں غلامی صاحب نے جو حرکت کی وہ اسی مثال فیل کی حامل ہے۔

اپنی صداقت کے ثبوت میں ایک مخترع شہادت

دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ علماء کرام جیسے ہمارے اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے معجزات پیش کیا کرتے تھے لیکن چونکہ ہمارے ہاں کو تائید ربانی حاصل نہ تھی

اور بادجود بڑی بڑی لمبی تراشوں اور خودتاشیوں کے اپنے دعووں کی تائید میں کوئی قابل شہادت پیش نہیں کر سکے تھے اس لیے ان کے نفوس کا سارا زور قابلی فتح خرچ اور ممکن تراشوں پر تھا۔ ایک مرتبہ ان کو شوق چرایا کہ اپنے مہدی ہونے کی کوئی قابل شہادت پیش کریں۔ اس کوشش میں بہر حال جماعت کو تسکین کاملی کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں اپنے مہدی آخر الزمان ہونے کے ثبوت میں شاہ نعمت اللہ کرمانی کا قصیدہ پیش کیا اور اس کے سرورق پر لکھا "مصدقہ حافظ محمد شاہ کے رسالہ شافیہ کاملیہ و قاطعین پر حجت اللہ اور موافقین کے لیے موجب زیادت ایمان و عرفان ہے"۔ اسی کے ساتھ حسب ذیل نقشہ بھی اور بالائے اس کے نیچے پر بخوف طی نسب رقم فرمایا

ابو	احمد	کاظم	کاملی
یا	صاحبی	خیال	نا

شاہ نعمت اللہ کے قصیدہ میں اختلافات

شاہ نعمت اللہ ایک بلند پایہ صوفی گزرے ہیں۔ ۷۳۰ھ میں بمقام حلب پیدا ہوئے اور ۸۳۴ھ میں بمقام ہرات ہرکان کے مضافات میں بے رحمانہ ماری گئی۔ شاہ صاحب کی تالیف میں ایک قصیدہ بھی ہے انہوں نے حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور اور مسیحیل کے اصل دو سرے اہم واقعات کے متعلق بہ کثیل کلمات کچھ پیشین گوئیاں کی ہیں جو مشہور ہے۔ یہ قصیدہ غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے اس وجہ کمیاب تھا کہ ہندوستان بھر میں اس کے چار یا پانچ نسخے پائے جاتے تھے اور بھریہ ہو چکے تھے ان میں بھی کسی قدر اختلاف تھا۔ ان اختلافات کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ صدیوں تک قلمی نسخوں کی نقل در نقل ہوتے ہوتے کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ہو جاتی رہیں۔ شاہ صاحب نے ان اشعار میں حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کا سال بھی حروف ابجد میں بتایا ہے لیکن بدقسمتی سے قصیدہ کے مختلف نسخوں میں یہ حروف ابجد بھی مختلف ہیں اس وجہ سے کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا مشکل ہے لیکن ہے کہ اصل مرعیان مہدویت اور ان کے پیرو ان اختلافات کے اصل ذمہ دار ہوں اور وہ اپنی معنوی سہ پیلی مصلحتوں کی بنا پر ان میں تغیر و تبدل کرتے رہے ہوں۔

قصیدہ کا مصداق بننے کے لیے لفظ محمد کو احمد سے بدل دیا

جس طرح بعض دوسرے مترجمین حضرات اس قصیدہ کو اپنا کارنامہ بتاتے رہے ہیں۔ اسی طرح مرزا صاحب نے بھی اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس غرض کے لیے تحریف و تبدیل کے کئی حربوں سے اس کا حلیہ بگاڑا لیکن فرق یہ ہے کہ کاظمی صاحب نے جس حد تک سے اس قصیدہ پر دست تصرف دراز کیا تھا ان کے بیشتر مقلدین میں سے کسی سے بھی نہ ہو سکا۔ مرزا صاحب نے تو صرف اشعار کی ترتیب منسوخ مراد بدل ڈالی اور بعض الفاظ و تراکیب کو حذف و اضافہ کر دیا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اسم گرامی میں بھی تحریف کر دی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ابی محمد بن عبداللہ ہوگا چنانچہ حضرت جبرئیل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذہب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اہل بیتی یواطی اسمہ اسمی وفی روایۃ الترمذی و ابوداؤد فی روایتہ قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ تعالیٰ ذلک الیوم حتی یبعث اللہ فیہ رجلا من اہل بیتی او من اہل بیتی یواطی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی یملأ الارض قسطا و عدلا کما ملئت ظلما و جورا و عن ام سلمۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المہدی من عترتی من ولد فاطمۃ (رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا اس وقت تک خاتمہ نہ ہوگا جب تک میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک نہ ہوگا اس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے اور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر (بالفرض) دنیا کے اختتام میں صرف ایک دن باقی رہ گیا ہوگا تو بھی حق تعالیٰ اس دن کو طویل کر کے میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو مبعوث کرے گا جس کا نام میرے نام (محمد) سے اور جس کے والد کا نام میرے والد (عبداللہ) کے ہم گرامی سے موافقت رکھتا ہوگا وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح

اس سے پیشتر غم و بکر سے بھری ہوگی اور حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری عترت سے یعنی فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اس حدیث کو حضرت ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

شاہ نعمت اللہ کے قصیدہ میں بھی اسامت نبی کے مطابق حضرت مہدی علیہ السلام کا نام نامی محمد ہی مذکور ہے۔ چنانچہ پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران میں جہاں یہ قصیدہ نقل کیا ہے اس میں یہ شعر یوں درج کیا ہے۔

نیم نامیم دل ی خرامم نام نو شادی نیم

خواجہ عبداللہ صاحب انصاری کے پاس اس قصیدہ کا جو نسخہ ہے اس میں یہ شعر یوں درج ہے۔

نیم دے نیم دل ی خرامم نام نو شادمان ی نیم

غرض دونوں نسخے محمد نام میں متفق ہیں۔ لیکن قادیان کے الہامی صاحب نے قصیدہ آپ کو اس بشارت کا مصداق ثابت کرنے کے لئے اس شعر کو یوں بدل دیا۔

ا ح م د دل ی خرامم نام نو شادمانی نیم

اور اس کی شرح یوں کی کہ کھلی خدا پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ نام میں نام کا احمد ہوگا۔ (انجام آتھم، مؤلفہ مرزا غلام احمد، ص ۱۵)

مرزائیوں کے "سلطان القلم" نے تحریف نوکی لیکن تحریف و تصرف کے لئے بھی جلد درکار ہے۔ الہامی صاحب اس بدد بال کے وقت تک بھی احساس نہ کر سکے کہ اس سے شعر کا وزن درست نہ ہوگا اور اپنی کم سوادی سے نیم دے الف کو نیم دل سمجھ لیا۔ جب الہامی صاحب پر اس تحریف و تبدیل کا الزام لگایا جاتا ہے تو مرزائی لوگ اپنے مقلدانہ سے یہ فلسفی سی منطق پیش کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جس نسخہ سے یہ قصیدہ نقل کیا ہے اس میں نیم کے بجائے الف ہی ہوگا۔ مگر یہ منطق بالکل لغو اور بے دلیل ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جہاں یہ لفظ دوسرے تمام نسخوں میں محمد ہے۔ اس نسخہ میں جس سے مرزا صاحب نے نقل کیا احمد ہو۔ گو قصیدہ کے مختلف نسخوں میں بعض اختلاف پائے جاتے ہیں مگر مرزا صاحب کے سوا کسی نے اس کو محمد کی بجائے احمد نقل نہیں کیا اور اگر بفرض محال مرزا صاحب کے مقابل جس نسخہ میں الف ہی تھا تو پھر بتانا پڑے گا

کہ مرزائیوں کے مامور من اللہ صاحب نے ایک دیے سلائی میں صحت و سقم کو تجزیہ کر کے مدد کی کہاں جس کا تعلق خود ان کے ذہنی دعوی سے تھا ایسی حالت میں یہ اعتراض ہی ہوگا کہ جب الہامی صاحب کی فراست کا یہ عالم تھا تو انہوں نے اپنی اجمیل کو کیوں جانچا اور کس برتے پر کتاب کے سرورق پر یہ نقطہ لکھ کر صوفیائے سامرین کو خلیج کیا۔

این است نقش آبادی نقش بنا اگر دانی
یا صوفی طریق را بیدار کن یا قلب بگو و بگذار

شاہ صاحب کو بعد متنبی ثابت کرنے کی کوشش

مرزا صاحب نے حضرت شاہ نعمت اللہ کو کہیں نہیں لکھا کہ انہیں بعد متنبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ اپنے رسالہ "تحقیق آبادی" میں لکھا نعمت اللہ علی رہنے والے دلی کے نواح کے اور بعد متنبی کے زمانہ کا لیکن میں سے مشہور ہیں۔ ان کا زمانہ پانچ سو سال ہجری ان کے دیوان سے ثابت کیا گیا ہے۔ (تحقیق آبادی" ص ۹) ظاہر ہے کہ مرزائی صاحب نے اس بیان میں اپنی قیاس سے کام لیا ہے۔ چونکہ دکھن صاحب خود بعد متنبی کے رہنے والے تھے اس لئے شاہ صاحب کا وطن اصلی بعد متنبی بتایا تاکہ تحقیق کرنے والے کو یہی خیال ہو کہ یہ کشف کسی دہلی صوفی سے متعلق ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے یہ شعر۔

بنگ و گلیب و نقد و بیدر ہندیان بر کنار ی جنم

کی جو تشریح کی ہے وہ اس خیال کی مؤید ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "یعنی بعد متنبی کے درمیان میں اور اس کے کناروں میں بڑے بڑے ملک انہیں کے اور بنگ ہوگا اور قلم ہوگا۔" (تحقیق آبادی" ص ۱۰) حالانکہ بعد متنبی کو ان حالات و واقعات سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں۔ الہامی صاحب قصیدہ ذکر کردہ میں جن بڑے تصورات اور تخیلات کے مرکب ہوئے اس کی تفصیل کے لئے چودھری محمد حسین صاحب کا رسالہ "کشف متنبی الہامی فی بعد متنبی" کا مطالعہ فرمائیے۔ خاکسار راقم الحروف نے بھی رسالہ مذکورہ سے مدد لی ہے۔

مولوی غلام دستگیر قصوری کے مقابلہ سے فرار

ان ایام میں الٰہی صاحب کے خسر میر ناصر نواب مولوی اللہ دتہ صاحب سررشتہ کے دفتر واقع چھاؤنی فیروز پور میں کام کرتے تھے۔ الٰہی صاحب وقتاً فوقتاً فیروز پور جا یا کرتے تھے۔ گو بڑی الفکر میں اس تعدد دفعہ کی غرض غیری ظاہر ہوتی تھی لیکن اس کا حقیقی مقصد مسلمانوں کو مرتد کرنا تھا۔ الٰہی صاحب فیروز پور جا کر وہاں کے رؤسا کو مرزائیت کی دعوت دیتے اور اپنے قیام گاہ پر قوم و قبیلہ کے لیے دعوت کیا کرتے تھے۔ لیکن باوجود یہ لوگ مرزائی صحبت کی خباثت سے پوری طرح باخبر تھے ان کی طرف سے ہر دعوت کا یہ جواب ملتا تھا کہ ہمارے علماء تمہیں مرتد اور خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ہم اس وقت تک تمہاری بات پر کان نہیں دھر سکتے۔ جب تک تم ہمارے علماء کو قائل نہ کرو"۔ آخری دعوت کے بعد مرزا صاحب نے کہا اچھا تم اپنے کسی مولوی کو بلاؤ۔

ان ایام میں مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علمائے پنجاب میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان کا داماد چھاؤنی فیروز پور میں ایک سررشتہ دار تھا۔ داماد نے فیروز پور سے مولوی غلام دستگیر صاحب کے داماد سے کہا کہ مولوی صاحب کو اس کی اطلاع کرو کہ مرزا غلام احمد نے اپنے مقابلہ میں کسی مسلمان عالم کو طلب کیا ہے۔ مولوی صاحب کے پاس پیغام بھیجا گیا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ کوئی قرین تاریخ تجویز کر کے لکھ اطلاع دو۔ چنانچہ اتوار کا دن مقرر ہوا اور صبح صادق فیروز پور میں اس مناظرہ کے اشتہار بصورت کر بڑی تعداد میں تقسیم ہوئے۔ تمام مناظرہ مسجد مولوی غلام نبی قرار پایا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب تاریخ مناظرہ سے ایک دن پہلے کتابیں لے کر فیروز پور پہنچ گئے اور وقت معہود میں مسجد غلام نبی کے صحن کی ایک جانب کتابوں کا ڈھیر لگا کر جا متمکن ہوئے۔ لیکن الٰہی صاحب وقت مقررہ پر مسجد مولوی غلام نبی میں تشریف فرما نہ ہوئے۔ آخر ایک چھاؤنی فیروز پور مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے حضرت والا آپ کی خواہش کے بموجب ہمارا ایک عالم تمام مناظرہ میں پہنچ کر آپ کا انتظار کر رہا ہے" جلد تشریف لے چلئے۔ مرزا صاحب نے ٹیلے حوالے شروع کیے اور رؤسا کو بہ تمثیل و مرام واپس آنا پڑا۔

آخر مولوی غلام دستگیر کی تحریک سے یہ لوگ مباہلہ سے باز رہے لیکن الہٰی صاحب مقابلہ پر کسی طرح رضامند نہ ہوئے۔ تیسری بار جب زیادہ اصرار ہوا تو فرمانے لگے۔ "مجھے الہام ہوا ہے کہ آج کل کے مولویوں سے مباہلہ کرنا لاحاصل ہے"۔ لیکن قاضی فضل احمد کھوکھر نے کسی طرح ان کی جان نہ چھوڑی آخر جب "مسیح موعود" صاحب نے دیکھا کہ یہ لوگ ٹلنے کا نام نہیں لیتے تو فرمانے لگے کہ میں خیوڑ پر نہیں بلکہ کسی اور جگہ میں بحث کرنا مناسب نہیں خیال کرتا البتہ اگر تمہاری خواہش ہو تو کسی مرکزی مقام مثلاً لاہور میں مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔ مسلم مناظرین نے کہا اچھا آپ لاہور ہی میں مناظرہ کیجئے لیکن کچھ ضرور کیجئے کہ ہمیں آپ کے برسر مقابلہ رہنے کا یا اشتیاق ہے۔ آخر مولوی رمضان لاہور کی مسجد پاتھ پی واں میں بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ مناظرہ قرار پایا مسلمانوں کی طرف سے اس مناظرہ کے متعلق برابر اعلان ہوتے رہے آخر مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے کر تاریخ معین پر مناظرہ گاہ میں پہنچ گئے۔ قصور، خیوڑ پور اور بٹالہ کے سوا سے انتظام کے اچھی خاصی تعداد مناظرہ دیکھنے کے لیے لاہور آموجود ہوئے لیکن الہٰی صاحب نے لاہور کا پتہ نہ دیا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب پانچ چھ دن تک مرزا صاحب کے انتظار میں لاہور ہی مقیم رہے۔ قادیانی صاحب نہ خود آئے نہ کسی کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا اور نہ ہی اور دعوی شدہ خدا کا کوئی جواب دیا۔ بالآخر مولوی صاحب قصور واپس چلے گئے۔ یہ واقعات مولوی قمرالدین صاحب خطیب مسجد جامع واقع بھاٹی دروازہ نے خاکسار راقم الحروف سے بیان کیے تھے، اور ان ایام میں ضلع صدیقی خیوڑ پور کے ممتحن تھے۔

مرزا صاحب کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیانی صاحب نے اس کے بعد ۱۵ جون ۱۸۸۸ء بروز بدھ کو پھر لاہور ہی میں مولوی غلام دستگیر صاحب سے مناظرہ کرنا منظور فرمایا۔ چنانچہ ایک چٹھی میں منشی رحیم علی کورٹ انسپکٹر کو لکھا کہ (مولوی) عبدالحق (غزنوی) نے بدستور منشی محمد یعقوب صاحب ایک خط اس مضمون کا لکھا ہے کہ اس وقت تم عیسائیوں سے مباحثہ کر رہے ہو اس لیے میں مباہلہ صاحب نہیں کرتا جس وقت لاہور میں مولوی غلام دستگیر سے بحث ہوگی اس وقت مباہلہ کروں گا۔ لیکن اس کے جواب میں لکھا گیا کہ جو شخص ہم میں سے مباہلہ سے اعراض کرے اور تاریخ مقررہ پر مقام مباہلہ پر حاضر نہ ہو اس پر خدائے تعالیٰ کی لعنت ہو"۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۱۱۱) اور

عدالی اللہ سے کی تھی میں ہو مولوی عبدالحق خوشی کو کبھی تھی مرزا ہی نے کہا کہ
"میں ہو جون سے کے بعد میں لاہور نہیں جاؤں گا بلکہ میری طرف سے اقوام
حضرت نعیم اور قدیر صاحب یا حضرت مولوی سید اور احسن صاحب بحث کے لیے جائیں
گے"۔ (تاریخ مرزا" صفحہ ۳۱۹) لیکن نہ تو حضرت مسیح موعود کو مولانا غلام دستگیر کی طرف نظر
اٹھا کر دیکھنے کی ہمت ہوئی نہ اقوام حضرت نعیم اور قدیر صاحب ہی نے لاہور کا رخ کیا
اور نہ حضرت مولوی سید اور احسن صاحب نے بحث کے لیے لاہور آنے کی جرأت کی'
قرض لاہور کے مرزائی ذلیل و خوار اور شرم سار ہوئے اصل مسلمان لاہور نے ان سے
کہا کیا ہم نہیں کہتے تھے

ہے جرم ہو جائے گا ثابت کہ بگڑ کر کہتے ہو تم اک شریر

رئیسِ قادیان

آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کے مستند حالات

جلد دوم

تالیف:

ابوالقاسم مولانا رفیق دلاوری

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

فہرست مضامین "رئیس قادیان" جلد دوم

	عنوان	صفحہ
باب ۱	قادیانی مسلک اختیار کرنے کا مختصر جائزہ	۳۱۱
باب ۲	لواے کلیر کی تلاش	۳۲۱
باب ۳	علامہ عبدہ کا مصر جانا اور قادیانی کے کفر و اسلام کا فرق	۳۲۱
باب ۴	علامہ عبدہ کا لواے کلیر	۳۲۸
باب ۵	دعواے مسیحیت اور حقیقت ابن مریم کی تشریح کرنا	۳۸۲
باب ۶	ابن مریم بننے کی مختلف شکلیں	۳۸۹
باب ۷	مریم بننے اور حاملہ ہونے کے گیلن کا قادیانی بننا	۳۹۸
باب ۸	عقیدۂ حیات مسیح کو شرک قرار دینے کی جسارت	۴۰۳
باب ۹	حکیم نور الدین سے مولانا ہزاروی کا پہلا مناظرہ	۴۰۰
باب ۱۰	مولانا ہزاروی کے مقابلے سے علم قادیانی کا فرار	۴۰۳
باب ۱۱	علامہ عبدہ کو مناظرہ کا چیلنج	۴۰۵
باب ۱۲	علامہ عبدہ کا مصر جانا کہ قادیانی علم اپنے اسلام کا تحفظ پیش کرے	۴۰۷
باب ۱۳	مولانا ہزاروی کی طرف سے قادیانی مناظر کو راہ راست پر لانے کی جدوجہد	۴۱۹
باب ۱۴	مولانا ہزاروی کا مصر جانا عبدہ اور قادیانی مناظر کو مناظرہ کا چیلنج	۴۲۱
باب ۱۵	مناظرہ عبدہ	۴۲۳
باب ۱۶	مولانا ہزاروی کو لاہور میں مناظرہ کرنے کا قادیانی چیلنج	۴۳۱
باب ۱۷	مسیحائی رکھنے کے مطالبات اور معجزات مسیح کا انکار	۴۳۷
باب ۱۸	مولانا گنگوہی پر دشنام دہی کی قادیانی کوشش	۴۳۸
باب ۱۹	اہل انگلستان کے قبول اسلام کی تشریح کرنا	۴۴۰
باب ۲۰	وائسرائے کو قتل کی دھمکی سے پانچ سو روپیہ کی وصولی	۴۴۷
باب ۲۱	مصر شام اور فلسطین کے سفر کا مقصد	۴۴۹
باب ۲۲	خلد بریاں اور خلیل پاشا سے فتح تعلق	۴۴۰

باب ۲۳	علم کتابوں کا کشف کرنا میرے سوا تمام اہل کتاب کی کتابوں کی تکذیب	۳۲۹
باب ۲۴	مہدی کی تحریک اور صحیح کتابوں کی طرف سے قبل نقل	۳۳۱
باب ۲۵	بشارت صحیح ہونے کے دعویٰ سلطانوں میں عام بیان	۳۳۲
باب ۲۶	کتابوں کے کمی اور زیادتی علامہ کا تحقیق	۳۳۳
باب ۲۷	لقائے کبیر کے جواب میں علامہ کمال کی دعوت	۳۵۱
باب ۲۸	دجال اکبر کے ظہور سے انکار	۳۵۳
باب ۲۹	کتابوں علم کا بیان کہ آنحضرت کو دجال کی حقیقت مکشف نہ ہوئی	۳۵۵
باب ۳۰	کتابوں کے متعلق امیر المومنین عمر فاروق کی پیشین گوئی	۳۵۷
باب ۳۱	فرنگیوں کے دجال ہونے کا مسودہ تکمیل	۳۵۸
باب ۳۲	مولانا محمد زمان خان مہدی آبادی کے ایک اور خط کا مسودہ	۳۶۱
باب ۳۳	مولانا بخاری صحیح زمان کے مخاطب میں	۳۶۲
باب ۳۴	مولانا عبد الحکیم کلاوری سے مکالمہ	۳۶۸
باب ۳۵	عبد اللہ اب ہادی کا خوفی مرتد ہونے میں	۳۸۲
باب ۳۶	مولوی محمد احسن امروہی کے ایمان و اسلام کی تحریر اری	۳۸۸
باب ۳۷	رجوع الی مسودہ کی اجمالیں	۳۹۵
باب ۳۸	مظہر ظہور مہدی علیہ السلام اور ابی مسودہ کے خلق، نفس کتابوں کی نگہبانیاں	۳۹۸
باب ۳۹	ایک مہدوی کا قبول پانا کہ اصل انجیل سے افضل بننے کی کوشش	۵۰۰
باب ۴۰	ابی خود ساختہ مسودہ کے متعلق کتابوں کے مشکوک غیر معیار	۵۰۱
باب ۴۱	مہدی بننے کے لیے اپنے نسبی عمر کو کم کرنے کی کوشش	۵۰۷
باب ۴۲	حضور سید المرسلین پر مہدی موعود کے چودھویں صدی میں ظاہر ہونے کا افترا	۵۰۹
باب ۴۳	صاحب القران حضرت مہدی علیہ السلام کے نویں ہونے کا مقصد	۵۱۰
باب ۴۴	تمام سلطنت کے لیے حکیم نور الدین بھیروی کی تگ سرگرمیاں	۵۱۱
باب ۴۵	لعنتیوں کی کتابی تشیین گن	۵۱۱
باب ۴۶	مولانا بخاری کی مہدوی کا باطل ہونا الہام	۵۱۳
باب ۴۷	اپنے مکذبین کو مباہلہ کا الہامی چیلنج	۵۲۱

باب ۴۸	مولوی جلال الدین اور کرنل کو اشتہاروں کے بھیجنے کا	۵۲۸
باب ۴۹	مسیح کلیساؤں کے ذکر مباہلہ پر محمد علی نقاب کی بیتابی	۵۳۰
باب ۵۰	مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ محمد یوسف سرائی کا مباہلہ	۵۳۲
باب ۵۱	شیخ عبدالحق کے خلاف کمالی بہ اللہ میں استعفاء	۵۳۱
باب ۵۲	مولانا بٹالوی کو عربی تحریر قرآن لکھنے کا چیلنج	۵۳۹
باب ۵۳	حکیم نور الدین سے مولانا بٹالوی کی عربی گفتگو میں مقابلہ	۵۴۲
باب ۵۴	مباہلہ کا تاریخی فیصلہ اور مولوی عبدالحق کا دین شکن ہونا	۵۴۳
باب ۵۵	مولانا بٹالوی کے مرتد ہو جانے کی پیشین گوئی	۵۴۷
باب ۵۶	غم زدہ مسلمانوں کی دلجوئی کے بیان	۵۵۰
باب ۵۷	گلاب شاہ مسیحیہ کے متعلق شیخ عبدالرحمن مہتمم کا کشف	۵۵۲
باب ۵۸	حکیم نور الدین سے مولانا صفدر علی دہلوی کی ایک علمی تقریب	۵۵۵
باب ۵۹	رسالہ "کرامات الصادقین" میں غلطیاں نکالنے والے کو انعام کا اعلان	۵۵۸
باب ۶۰	محمدی بیگم کا پہلا ہلڑانے کے لیے مولانا محمد اسمٰعیل کی ایک عربی تحریر	۵۶۰
باب ۶۱	بابا اسمٰعیل گرزے کے قدوم کی مباہلہ پیشین گوئی اور مسلمانوں کا کرب عام	۵۶۲
باب ۶۲	مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ	۵۶۹
باب ۶۳	مسیح کلیساؤں کا اعلان کہ کوئی پادری ہمارے مقابلہ پر نہیں آسکتا	۵۷۲
باب ۶۴	اظہار نہائی کا کلیساؤں کے اعتصم کی طرف سے قبول اسلام کا مشروط قبول قرار	۵۷۴
باب ۶۵	مجلس دکھانے کی حالت میں بیہوشی ہو جانے کا ذکر	۵۷۶
باب ۶۶	مولانا بٹالوی کی پیشین گوئی کہ پادریوں کے مقابلہ میں مرزے کلیساؤں کو شکست ہوگی	۵۷۸
باب ۶۷	کلیساؤں صاحب کا مباہلہ کہ میرے مقابلہ میں کوئی بڑا سے بڑا پادری کھڑا کیا جائے	۵۸۲
باب ۶۸	پادری کلارک کلیساؤں کہ کوئی مرتد شخص اسلام کا مناظر نہیں بن سکتا	۵۸۳
باب ۶۹	پادری اعتصم کے مقابلہ میں کلیساؤں عظم کی ہزیمت و رسوائی	۵۸۵
باب ۷۰	مباہلہ امرتسر ملانے اسلام کا نتیجہ	۵۸۷
باب ۷۱	ڈوئی عبداللہ اعتصم کی ہلاکت کی پیشین گوئی	۵۹۱
باب ۷۲	پیشین گوئی کی جزئیات کا علمی مراد	۵۹۳

باب ۷۳	جشن گولی پوری کرنے کے لیے اعظم کے ہوا کرنے کی ضرورت	۵۵۵
باب ۷۴	اعظم کی ہوا کرنے کے لیے "مسیح موعود" صاحب کا ایک دلچسپ کرامتی نوٹکہ	۵۶۱
باب ۷۵	جشن گولی کے جھوٹا ہونے پر سرکاری عقلوں میں ماتم	۶۴
باب ۷۶	عیسائیوں کا جلوس اور مسیحی تہذیب کا افسوس ناک مظاہرہ	۶۷
باب ۷۷	الدین سرکاری کا اعلان کہ سرکاری ایک دکان ہے	۶۹
باب ۷۸	جشن گولی کے جھوٹا ہونے پر اسلامی برادر کا تبصرہ	۷۰
باب ۷۹	اعظم کی طرف سے اس سرکاری دوستانہ کی تردید کہ اعظم نے رجوع کیا ہے	۷۲
باب ۸۰	گورنمنٹ علم سے بڑا کر ہندی پرتھی کا رک کا دلچسپ مطالبہ	۷۵
باب ۸۱	مرگ اعظم کی پیشین گوئی کے متعلق گورنمنٹ علم کی تضاد بیانیاں	۷۷
باب ۸۲	پاک اعظم کی پیشین گوئی کے جھوٹا ہونے پر قومی حلقوں کا اضطراب	۷۱
باب ۸۳	نام نہاد صلیب شکن کا تعلق بدھ مت اور نہ سرے سرکاری آلہ قتل صلیب میں	۷۵
باب ۸۴	سماوی عہد الفت گورنمنٹ سے مبارکباد کرنے کا الہام	۷۸
باب ۸۵	رمضان المبارک میں لفظ "کسوف" کا اخراج اور نئی گھڑیوں کی موجد شاہی	۸۰
باب ۸۶	گھڑیوں کی الہامی دکشنری میں "صرام زلی" کے الہامی لفظ کی ایجاد	۸۱
باب ۸۷	سرکاری دشمن دین پر سماوی بادی کا دلچسپ تبصرہ	۸۵
باب ۸۸	گاہ رشی دیوتا اور ریوڑ کا ہاں میں نفی	۸۶
باب ۸۹	نکذ و کذبا اور اس کی نیلام کے قبیل اسلام کی پیشین گوئی	۸۹
باب ۹۰	مسلمی حکومت کو اپنی بیان بازی کا تعین بتانے کی جرأت	۹۱
باب ۹۱	گھڑیوں کی کمیت میں مرزائیوں کا تعلق اور اس کا زوال	۹۳

باب ۱

قادیانی مطلق العنانی پر علماء لدھیانہ کا احتجاج

قادیان کے الہامی صاحب پہلے پہلے "مسیح نہیں بن بیٹھے تھے بلکہ بعض بعض حوالوں میں تبدیل دعویٰ کی صلاحیت پیدا ہوتی گئی' یہ بھی بتدریج اپنے لئے نت نئے روحانی منصب تجویز کرتے گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے دعوائے مجددیت کے ساتھ اپنی عظمت کا راگ الاپنا شروع کیا۔ چونکہ مجددیت علماء امت ہی کا حصہ ہے۔ سابقین شریعت میں سے کسی نے اس دعویٰ کی تکذیب نہ کی اور اگر قادیانی صاحب اسی دعویٰ پر اکتفا کر کے رجوع خلق کی کوششوں میں مصروف رہتے تو کسی کو تعرض کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی مدح سرائی کے ساتھ ہی مسلمانوں میں تکفیر و تردید کے جراثیم بھی پھیلانے شروع کر دیئے۔ اس لئے ان وارثان علوم نبوت کے لئے خاموشی سے بیٹھ رہنا ممکن نہ تھا۔ ان پر قادیانی لٹریچر کا اصل کھل چکا تھا۔

مجدد قادیان ایک عالم دین کی نظر میں

قادیانی صاحب ۱۸۸۴ء میں اپنے دعاوی لے کر لدھیانہ گئے اور پہنچتے ہی اپنی مجددیت کا نعرہ بلند کیا۔ میر عباس علی صاحب' شیخ احمد جان صاحب مولوی محمد حسن' مولوی شاہ دین' مولوی نور محمد معلم مدرسہ حنفی نور اور مولوی عبدالقادر وغیرہ علماء نے اس دعوے کو تسلیم کر کے ہر طرح سے اس کو اپنا لیا۔ شاہزادہ مظفر بیگ کے مکان پر مدرسہ اسلامیہ کے اراکین کے اجتماع میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں شیخ احمد جان' مولوی شاہ دین' اور مولوی عبدالقادر صاحبان نے بیان کیا کہ مسمی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی لدھیانہ تشریف لائیں گے" اور جن کی مدح و ستائش میں خطبہ سنایا کرتے ہوئے کہا کہ "جو شخص ان پر ایمان لائے گا وہ گویا اہل المسلمین ہوگا"۔ یہ سن کر ایک اور عالم دین مولوی عبداللہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ گو اہل مجلس پر میرا بیان شاق گزرے گا لیکن اس وقت جو بات حق تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمائی ہے اس کے ظاہر کئے بغیر میری

طبیعت کا اضطراب دور نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ "مرزائے قادیان جس کو تم اس درجہ بڑھا چڑھا رہے ہو وہ اتنا درجہ کا علم اور تدریجی شخص ہے"۔ مفتی امیر جان بولے کہ میرا پہلے ہی خیال تھا کہ کسی نہ کسی مولوی صاحب یا صوفی صاحب کے دل میں مرزا صاحب کی طرف سے ضرور حسد پیدا ہوگا"۔

جلسہ برخاست ہونے کے بعد مولوی عبداللہ کے بھائی مولوی محمد صاحب نے" مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی سابق صدر مرکزی انجمن احرار اسلام لاہور کے پاس جا کر بلکہ داتا صاحب اور مولوی ذکریا صاحب کے واقعہ سنائے" انہوں نے بھائی مولوی عبداللہ سے کہا کہ جب تک کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو" کسی شخص کے خلاف زبان طعن نہ کھولنی چاہیے۔ مولوی عبداللہ مرحوم نے کہا کہ میں نے اپنی طبیعت کو بہت روکا لیکن آخر قادر خدائے برتر نے اس موقع پر یہ الفاظ میرے منہ سے نکلوا دیئے اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ الہام خداوندی ہے"۔ مولوی عبداللہ اس وقت بہت مغموم تھے" مگر رات کو کھانا بھی نہ کھایا۔ مولوی صاحب نے اس رات قادیانی کے متعلق دو شخصوں سے استخارہ کرایا اور خود بھی استخارہ پڑھ کر سو گئے۔

مولوی عبداللہ کا خواب

مولوی عبداللہ مرحوم نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بڑے مکان پر اپنے بھائی مولوی محمد اور خواجہ امین شاہ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ دور سے کچھ آدمی دکھائی دیئے۔ جب نزدیک پہنچے تو انہیں میں سے دو آدمی تھا اس نے دھوئی کھول کر اس کو دو بند کی طرح باندھ لیا۔ خواب ہی میں غیب سے آواز آئی کہ مرزا غلام احمد قادیانی یہی ہے۔ اسی وقت خواب سے بیدار ہوئے۔ دل کی پراگندگی یک قلم دور ہوئی اور یقین ہو گیا کہ یہ شخص اسلامی دنیا میں مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ دوسرے دن خواب کے متعلق قادیانی صاحب سے بھائی کی رفاقت میں لدھیانہ واپس ہوئے۔ دوسرے دو پرہیزگار آدمیوں سے بھی استخارہ کیا تھا ان میں سے ایک نے دیکھا کہ مرزا غلام احمد ایک بڑا ظالم آدمی ہے۔ دوسرے نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بڑھیا عورت کو گود میں لے کر اس کے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہے جس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ دنیا جمع کرنے کے درپے ہے" اسے دین کی طرف

اسلام" اشاعت نہیں۔ (فتوائے تکفیر' مرتبہ مولوی محمد صاحب لدھیانوی' مطبوعہ مطبع قیصر ہند لدھیانہ' صفحہ ۲۰۰)

مولوی محمد صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اس بات کا ثبوت کہ مرزا غلام احمد بال عرام اپنے کمانے پیٹے میں صرف کرتا ہے اور اس کی زندگی کا اصل در اصل ہے' کتاب "براہین احمدیہ" کی شہادت ہے۔ اس کتاب کے تین چار حصے چھ اجزاء میں طبع کر کے دس دس اور بیس بیس روپیہ میں فروخت کیے حالانکہ ان تین چار حصوں کی قیمت سو تین سو روپیہ سے کسی طرح زائد نہیں ہو سکتی اور وعدہ یہ کیا کہ یہ بہت بڑی ضخیم کتاب ہوگی۔ باقی جلدیں وقتاً فوقتاً طبع ہو کر خریداروں کو پہنچتی رہیں گی۔ جب بیس سے کم روپیہ وصول کر لیا تو باقی اس کتاب کا طبع کرانا ایک لخت موقوف کر دیا کیونکہ ان لوگوں سے باقی رقمیں وصول کرنی نہیں ان کو اب کی قیمت وصول کیے بغیر کتابیں بھیجا گویا ایک تماشا تھا اس لیے باقی اس کتاب کی بجائے اس کی تبلیغات شروع کر کے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ (فتوائے تکفیر' صفحہ ۲۰۰)

فتوائے تکفیر کی اشاعت

اس روز لدھیانہ صاحب لدھیانہ میں قدم فرما ہوئے" مولوی محمد" مولوی عبداللہ اور مولوی اسمٰعیل صاحبان نے کتاب براہین کا نظر غائر سے مطالعہ کیا۔ اس میں کفریات کلیہ کی بڑی کثرت و فراوانی پائی۔ اس کے بعد شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ زندیق اور خارج از اسلام ہے اور فتوے چھپوا کر گرد و نواح کے شہروں میں روانہ کیے کہ یہ شخص مرتد ہے۔ آئندہ کوئی شخص اس کی کتاب نہ خریدے۔ (فتوائے تکفیر' ص ۱۰۰)

باب ۲

فتوائے تکفیر کی مخالفت

جب کسی شخص کے کفر و ارتداد کا فتویٰ لگایا جاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ

ہ شخص مباح الدم ہے اسے کسی سلمہ عدالت سے علاج کرنے کا حق نہیں اور وہ مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جا سکتا۔ اس بنا پر علمائے امت حتی الامکان کلہ گروں کی تکفیر سے حتی الامکان احتیاط برتتے رہے ہیں۔ جب نوصیاند کے تین مولوی صاحبان ۱۲ نواحے تکفیر علمائے دیار و امصار کے پاس بھیجا تو بعض نے تکفیر کی رائے کو صحیح تسلیم نہ کیا کیونکہ براہین کے اقتباسات ان کی نظر سے نہیں گزرے تھے اور جن علماء نے کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کیا تھا انہوں نے اقتباسات کو خود سیاقی اور یوں بیگانہ باری پر محمول کر کے یا کسی تاویل کے ساتھ ظاہراً توکر دیا تھا۔

مولانا گنگوہی کا مکتوب

ان حضرات نے نواحے تکفیر سے انتساب کیا ان میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ہر ان دنوں علمائے حق میں امامت علمیہ عظیمہ رکھتے تھے اور اطراف و اکناف ملک کے اہل ثالثین علم صحیحہ اس فن کی تکمیل کے لیے ان کے جامعہ فیض پر قبلہ کر تکمیل سعادت سے سیراب ہو رہے تھے سب سے پہلی تحقیق انہوں نے علمائے نوصیاند کے نواحے تکفیر کی حقانیت میں ایک مفصل مکتوب لکھ کر تھانوی صاحب کو ایک مبلغ صالح قرار دیا اور اس کو حضرات مکفرین کے پاس نوصیاند روانہ کیا۔ اور اس مضمون کی ایک مثل مولوی شاہ دین نوصیاوی اور مولوی عبدالغفار نوصیاوی کے پاس بھی روانہ فرمائی ہو مولانا موصوف کے مرید تھے مولوی شاہ دین نے یہ خبر ہر سربازار لوگوں کو سنا دی۔ اس سے یہ افتراد ہو مرزا صاحب کو پہچان چکے تھے اور ان سے حسن اعتقاد رکھتے تھے بہت خوش ہوئے۔ مولوی عبداللہ صاحب نوصیاوی کو معلوم ہوا کہ مولانا رشید احمد صاحب نے ایک مرتد شخص کو مبلغ صالح لکھ دیا ہے تو انہیں سخت تعجب ہوا۔ تاہم مولوی عبدالعزیز نے ہمدم کے بعد مولانا رشید احمد کی تحریر کے مدلل جواب دیے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی اس تحریر کے ضروری اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جس میں مرزا صاحب کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کی علت کی گئی تھی۔

مولانا موصوف نے لکھا کہ کتاب "براہین احمدیہ" کے بعض اقوال میں بظاہر کچھ ایسا ہوتا ہے مگر تھوڑی سی تاویل سے اس کی تصحیح ممکن ہے۔ لہٰذا کب تک اہل علم سے بعد

تعجب ہے کہ ایسے امر تاویل المتنازع کو دیکھ کر تکفیر و ارتداد کا حکم فرمایا۔ اگر تاویل قبول فرما کر اس کو اسلام سے خارج نہ کرتے تو کیا حرج تھا؟ تکفیر مسلم کوئی ایسا سہل امر نہیں کہ ذرا سی بات پر کسی کو بہت کافر کہہ دیا جائے۔ خیال فرمائیں کہ قرطبہ مالکیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا فرماتے ہیں۔ مفکوٰۃ قرطبی کی کتاب الایمان میں ہے۔

ثلث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الٰہ الا اللہ لا نکفرہ بذنب و لا نخرجہ من الاسلام بعمل (الحدیث۔)

تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں پہلی یہ کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے سے زبان کو روکے رکھنا نہ تو اسے کسی گناہ کی وجہ سے کافر کہیں اور نہ کسی عمل کی بنا پر اسلام سے خارج قرار دیں۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ جو کوئی مسلمان کی تکفیر کرتا ہے تو یہ تکفیر والوں میں سے ایک پر ضرور وارد ہوتی ہے۔ اور صاحب مذہب امام الائمہ ابو حنیفہؒ سے منقول ہے۔

لا نکفر احدا من اھل القبلۃ۔ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے۔

اسی بنا پر علمائے حنفیہ نے تکفیر متکلم وفیہ اہل اھواء سے اجتناب کیا ہے۔ اگرچہ علمائے متکلمین آپ کو معلوم ہیں کہ کس درجہ کے ہیں" فی بدا بعض علماء کو شبہہ کی تکفیر میں تردد ہے۔ صاحب براہین کا کہنا ایسا قول ہے جو متکلم فیہ شبہہ کے کسی مقلد اور قول کے برابر ہو اور اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو کہ جس کی بنا پر آپ نے کفر و ارتداد کا قول کیا ہے۔ بلکہ اس کے متکلمین کو بھی کافر کہہ دیا۔ اگرچہ یہ لوگ فقط تاویل مذہب اسلام کے متکلم ہیں۔

مولانا اس صورت میں اولیں و آخرین میں سے شاذ کوئی بھی آپ کی تکفیر سے نجات نہ پا سکیں۔ علماء متکلمین متکلم کی تکفیر نہیں کرتے۔ علامہ تفتازانی نے ابن قدامہ حنبلی پر بھی" جو اہل قدرت کی تبدیعت کفریہ نقل کیے ہیں" تکفیر میں تامل کیا ہے۔ **وذلک لتطاوی من اصحابنا لا یخرج الرجل من الایمان الا بجحود ما ادخلہ فیہ ثم ما کان اللہ ورسولہ یحکم بہا وما یشک انہ رسولہ لا یحکم بہ۔** مولانا سوء ادب کا انتقال تزلزف وی و الہام پر ہے۔ صاحب ناموس نے وحی کا ترجمہ الہام سے کیا ہے اور بخاری وفیہ نے و اوحینا الی موسیٰ کی تفسیر میں الہمنا فرمایا ہے۔ **وحی الاعلام ثم الواقع فی القلب بغیر**

حیاته یقسم الی ملا یاوی الله کیف یصل و الی ما یطلع علی السبب الذی به استغنا ذلک العلم وهو مفاتحة الملک الحق فی القلب و الاول سمی الهاما و القی وبما یخص به الانبیاء والاول یخص بالاولیاء و الاصفیاء القوی۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ خواہ مخواہ کام کو پھیل پھیل کیا کرنا۔ القاء کسی ملا جلسک الہام کو القی کہنے کے یہ معنی ہیں کہ علم کے نزدیک جو الہام فرشتہ متکلم کے ساتھ ہو وہ القی ہوتا ہے وہ کہ دیگر خلق کے نزدیک بخلاف وحی کے۔

مرزا کے بیان کردہ کلام یا فسہ یعنی فسک والعلم اسی کے معنی القاء کر لے جائیں تو اس تاویل میں کیا حرج ہے۔ دوسرے معنی لے کر کیوں تغیر کی جائے کہ خدا القاء کے نام کو ناتمام کھا اور اپنے نام کو تمام بتا۔ اسی پر ان تمام امور کو قیاس کرنا چاہیے جن کو یہ انبیاء کے افعال کفایت کہے کرتا ہے۔ مولانا بندہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ حضرات یا دوسرے لوگ آپ کی مشابہت کو حق تصور کریں یا ان پر اسی طرح اعتقاد رکھیں جس طرح وہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ہرگز مطلب نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے یہ سب افتراء کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کو یہ امور بطور القاء شیطانی یا نفسانی ہوں یا حدیث النفس کی قسم کے خطرات ہوں یا واقعی الہامات من اللہ نفاق ہوں مگر اس میں ان کے مفید اور انہوا جس کا اعتقاد ہو گیا ہو یا اعتقاد نہ ہوا ہو مگر ان کی کیفیات سچے اور ہوں یا حق ہوں اور اس کے معنی درست اور صحیح ہوں کہ جس سے کوئی غیر مشروع امر مراد نہیں۔ بہرحال تغیر کسی وجہ اور شک پر جائز نہیں۔ اگر القاء شیطانی بھی ہو تو بھی ارتداد اور تغیر کی کوئی وجہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ اس کا دعویٰ الہام سے بڑھ کر ہے یہ بیان بھی سچے سے باہر ہے۔ کسی مسلمان کی تغیر کر کے اپنے ایمان کو داغ لگانا اور مواخذہ الٰہی سر پر لینا عقل بعید ہے۔ یہ بندہ جیسا اس بزرگ (مرزا صاحب) کو کافر و فاسق نہیں کہتا اس کو مجدد و ولی بھی نہیں کہتا صالح مسلمان سمجھتا ہوں اور اگر کوئی پوچھے تو ان کے ان کلمات کی تاویل مناسب سمجھتا ہوں اور خدا اس سے اغماض و سکوت ہے۔ فقط والسلام (رشید احمد)۔

مولانا گنگوہی کے مراسلہ کا جواب

اس کے جواب میں مولوی محمد صاحب غزنویاری اور ان کے بھائیوں کی جانب سے مولانا رشید احمد مرحوم کو لکھا گیا کہ آپ کا ارشاد بلفظہ تحریف صاحب "تبیین الحق" پہلے عاری رائے میں علماء کا ایسے موقع پر توقف کرنا عوام کو گمراہی میں ڈالنا ہے کیونکہ عوام تاویل کا نام تک نہیں جانتے۔ اسی بنا پر علماء شریعت نے حسین بن منصور حلاج کو قتل کرا دیا حالانکہ اس سے کوئی ایسا کفر صادر نہ ہوا تھا جو قابل تاویل نہ ہو۔ آپ جیسے اہل فضل اور صاحب کمال سے تعجب ہوا کہ تحریف کلمہ کی تحریف کے دھوکہ میں آ گئے اور مرزا قادیانی کے مقالات سے کفر کا نتیجہ حاصل کیا۔ اخیر اس کو مسلمان قرار دیا اور بدانست عوام کو گمراہی میں ڈالا۔ صاحب طریقہ محمدیہ لکھتے ہیں۔ ما یدعیہ بعض المتصوفۃ فی زمننا فانا انکر بعض امورھم المخالف الشرع فان عرضت ذلک لی اعلم الظاھر و انا اصحاب العلم الباطن وانت جاھل و حکم الجاھل من الکاذب و انا ناظر من جانبہ محمد علیہ الصلوٰۃ و السلام فانا انکل علیہ سبحانہ انشاء اللہ تعالیٰ متصل لقائہ فیھا ولا رابعا الی اللہ تعالیٰ ناظر سبحانہ و تعالیٰ فانک بین ھذہ الدرجات کلھا الجاھل و غافل و عدم الاعتماد علی الشریعۃ المطہرۃ بالکلیۃ من ذلک فلزوا جب علی کل من سمع مثل ھذہ الاقاویل الباطلۃ الانکار علی القائل و الفرار بجانبہ بالکلیۃ بلا شک ولا تردد ولا توقف ولا تاخیر و لا التفات من جانبہ یمنۃ علیہ بالزجر علیہ۔ اور صرف اتنا کہنا ضعیف قال لا الہ الا اللہ کے ظاہری معنی کو آپ کے کلام کے سوا بھی لیکن یہ معنی کسی محدث نے مراد نہیں لیے' ورنہ ہر غیر مسلم توحید خداوندی کے تو قائل' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکاری ہی کافر رہے۔ اسی طرح ہر مدعیان اسلام الہام اور اولیاء اللہ کو علم الغیب اور حاضر و ناظر تسلیم کرنے ہی کافر نہ ہوئے اور نیز قیاس اہل مکہ ابوبکر صدیق کا منکرین زکوٰۃ کے حق قتال صحابہ جہاد کرنا اس تعلیم کو اٹھا لے۔ غرض اس تعلیم کو دور کرنے والی آیات و احادیث بکثرت ہیں۔ آپ کو یاد دلانا کیا الدین کو تحکم نکھانا ہے اور اسلام تو ایسی شے ہے کہ خدا کی بابت کا انکار کرنے سے باقی نہیں رہتا۔ جو شخص الہام اور بعثت کے بعد میں بڑا انبیاء کرام سے بعد کر دعوی کر دیا ہے اور صدہا آیات تصریحات کو اس تعلیم میں پس پشت ڈال دیا ہے وہ کیوں کافر نہ ہو۔ اور لا تکفر احدا من اھل القبلۃ کے یہ معنی ہیں کہ جب تک اہل قبلہ سے کوئی موجبات کفر ظاہر نہ

ہوں اس وقت تک اس کی تکفیر جائز نہیں۔ علامہ علی قاری رقمطراز ہیں۔

المراد بعدم تکفیر احد من اھل القبلۃ مستحل السنۃ و الجماعۃ اما لا تکفر مسلم یوجد فی من اھانات تکفر و علامات تدل علی انہ مستخف فی من موجبات

اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ ہم اس وقت تک کافر نہیں کہتے جب تک اس میں کفر کی علامتیں موجود نہ ہوں اور اس کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو موجب کفر ہو۔

اسی بنا پر علماء اسلام نے فرقہ ہائے اہل اہواء کو' جو ضروریات دین سے منکر ہیں' بدعتی کافر کہا ہے اور صاحب مواقف نے مختار' بدائع' خلاصہ' ذخیرہ کے اقوال نقل کر کے اہل سنت و جماعت کی طرف سے ان کی تکفیر و عدم قبول کا خلاف نقل کیا ہے۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ وہ اہل قبلہ اہواء فرقے کافر کیوں نہ ہوں جو خدا ہونے کا اور تمام محامد کے کفر کا اور ابوطالب کی بیعت اور ایمان جہنم کتاب باطل ہونے کا اور ترک عبادت اور ارتکاب محرمات کو مستحب سمجھنے کا قائل ہو اس کو مسلمان کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ مرزا غلام احمد کے بارے میں کتاب ھو سمی المسلمین من قبل و فی ھذا و ذخیرہ بدائع الخ اس قبیل سے ہیں کہ تاویل سمجھ کو ہرگز قبول نہیں کرتے۔ عمدۃ الرعایہ جلد سوم کے دوسرے ورق کا مطالعہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص نے کلمات تکفیر سے قطعی انکار کیا ہے۔ اور اگر باغی فرقہ کی شرح تاویلوں کا دعوی کیا جائے جیسا کہ شارح مواقف نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں کہ وضو کا مطلب امام سے ملاقات کرنا' نماز سے مراد رسول' اغتسال سے اتصال بالنبی سے تیمم سے عہد' زکوۃ سے تزکیہ نفس' حج سے نبی اور رب سے علی مراد ہے تو اہل بیت کا کوئی کلمہ کفر کیا کہا ہی نہیں تھہر سکتا علماء متکلمین ان فرقہ ہائے ضالہ کی' جو ضروریات دین سے منکر ہیں' بدعتی تکفیر کرتے چلے آئے ہیں۔

محقق دوانی شرح عقائد جلالی میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تشدد پر اصرار کرے کہ بعض کلمات کفر جو فتاوی میں لکھے ہیں ان میں کوئی ایسی علت و مناط کفر نہیں پائے جاتے جو علماء متکلمین نے بیان کیے ہیں۔ مثلاً کہا ہے کہ جو شخص کہے کہ میں نے خدا کو دنیا میں ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس سے کلام کیا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس کے

مذاہب میں تعلق مانتے ہیں کہ اس کی وجہ کر کوئی کہتا تمہارا ایسا قصور نہیں ہے۔ اور دنیا میں روز روز خدائے تعالیٰ سے کلام کرنے کا دعویٰ ہوتا مراد "نبوت" کا دعویٰ ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا جو نص قرآن سے ثابت ہے باطل ہوتا ہے۔ اسی پر باقی گفتگو کو قیاس کر لو۔ البتہ جس مقام پر کسی کلمہ سے معلق میں تردد ہو یعنی معلق کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس سے قائل کی کیا مراد ہے تو اس صورت میں کفر کا فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں لیکن ہو کلمہ قائل کی مراد کا دلیل قطعی ہونا ہرگز دلیل نہیں بن سکتا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نص ہے تو بطلان اس نبوت کا یہ کر صدق ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے خصوص نص کو بدون تاویل کلی تسلیم کیا جائے تو حضور سید کون و مکان علیہ والسلام کی فاتحیت تو درکنار آنحضرت کی نبوت کا ثبوت دینا بھی اہل اسلام کو متعذر بلکہ محال ہو جائے گا۔ صاحب تاویل نے وحی کا تعلق صرف الہام سے نہیں کیا بلکہ الہام کو معانی وحی کے ملک میں منسلک کیا ہے۔ حیث قال الوحی الاشارۃ والکتابۃ والمکتوب والرسالۃ والالہام والکلام النفسی اور بخاری وغیرہ کا والوحی الی ام موسیٰ کی تفسیر میں الہما بیان کرنا تراوف پر دال نہیں ہے بلکہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں لفظ وحی اپنے معنی متعارف میں مستعمل نہیں۔ بخاری نے وحی متعارف کو نبوت وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا کی تفسیر میں وحی متعارف کو الہام کے مقابلہ میں قرار دیا ہے۔ حیث قال قیل لمجاہد یہ الاشارۃ والا اللہ الوحی الرسول یوحی الیہ ملک الہام روحانی جیسا الف الہی جاہلی اہل کتاب باطل و کم بین گفتہ ہیں: فرق درمیان این ہر دو ظاہر کس سند کہ وحی قطع است و در الہام ظن زیرا کہ وحی بتوسط ملک است و ملائکہ کہ معصوم اند احتمال خطا در ایشان نیست و الہام اگرچہ قطعی دال باشد و لیکن ظنی است و قلب از عالم امر است لہا قلب را با عقل و نفس نوعے از تعلق مستقل است و نفس چونکہ بہ تزکیہ سلمت گشتہ است بیت چونکہ کہ سلمت گردد و ہرگز دسلمت فرد نہ گردد۔ پس خطا را دراں موطن احتمال پیدا شود۔

یا اعلم فسلک والفہم فسلی کے دوسرے معنی اس واسطے لے جاتے ہیں کہ یہ مقام الہام کی مدح کے متعلق ہے۔ اس سے الہام کرنے والے کی عظمت بیان کرنا مقصود

نہیں۔ نیز مرزا نے دوسرے مقام میں خود ہی دوسرے سبق کیے ہیں۔ حافظ ہو جلد چہارم' صفحہ ۱۱۴' سطر ۱۰ عفو عنک وغفر لک ونعم السمک (خدا تجھ سے راضی ہوگا اور تیرے اسم کو پورا کرے گا) اب آپ انصاف فرمائیں کہ ہم قسم اور علم کے باوجود سبق و دلیل و تشریح کو کس طرح پس پشت ڈال کر سبق اول اختیار کریں۔ اگر صاحب براہین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلیات قرآنی کا مصداق فرماتا تو بدل اعتراض نہ تھا لیکن یہ شخص تو ہر کلمت کے ذیل میں بلاتامل اپنے آپ کو اس کا مصداق فرماتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کے دعویٰ کا انتہاء کے دعویٰ سے ہے کہ ہمارا ہی گھر میں نبی آیا لیکن مرزا کا یہ دعویٰ الارض وانسماء معک کما ہو معی علیین کے دعویٰ سے ہے کہ نہیں تو اس مضمون کی کوئی آیت ہو کسی علیین کی شان میں نازل ہوئی ہو دلیل پکڑے۔ ہر شخص نازل شدہ ہر کہ خرد باشد دین سے انکار کرے یا دوسرے کلمات کفر زبان پر لائے اس کی تضلیل و تکفیر سے اعراض کرنا اور اس کو مسلمان قرار دینا بڑی غلطی ہے۔ اسی بنا پر علماء شریعت قدیم الایام سے اسی طریقہ پر چلے آتے ہیں کہ جب کسی شخص سے کوئی کلمہ خلاف شریعت سرزد ہوا' اسی وقت تکفیر و تضلیل کر کے لوگوں کو متنبہ کر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ توقف و سکوت کی صورت میں عامۃ المسلمین کی گمراہی کا خطرہ رہتا ہے۔ دیکھئے حسین بن منصور حلاج کو علماء وقت نے باوجود غلبہ حال کے قتل کرا دیا۔

جس شخص کی عالمیت میں شک نہ ہو اور جو دنیا لینے دنیا سے بالکل دور رہتا ہو' اگر ایسے بلند بزرگ سے کبھی کوئی کلمہ غلبہ حال میں خلاف شرع صادر ہو تو اہل تحقیق اس کو معذور سمجھ کر اس کی تاویل کرتے رہے ہیں لیکن ان خلاف شرع کلمات کی پیروی اہل تحقیق کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات' جلد اول' مکتوب بست و سوم فرماتے ہیں: وما وقع من بعض المشائخ فی الشکر من مدح الکفر لمسلوک من الکفار وانهم معذورون وغیر الشکاری غیر معذور فی تقلیدهم لا بعدم ولا بعد اهل التصوف۔ یعنی جب اہل تصوف غیر مکلف اہل حق کے کلمات پر یہ تنقید فرما رہے ہیں' تو علماء شرع ایسے شخص کے مقالات پر جو اہل کفر اور اہل رفض کی تعریف پر مبنی نفع دنیاوی اس شد و مد سے کر رہا ہے کہ ان کو اپنا مقدم اور پیشوا قرار دیتا ہے اور جو مسلمان اس کی کتاب خریدنے سے احتراز کرتے ہیں اس کتاب میں اظہار ناراضی کی شرح ان کی

دعوت کرتا ہے کیوں تعجب نہ کریں۔ آپ کی تحقیق اس امر کی متقاضی ہے کہ امام بخیر کو بھی معاذ اللہ مدعی بلکہ اصلح مسلمان قرار دیا جائے کیونکہ اس کے بالمقابل محض عقلی قیاس آرائیوں پر قائم ہیں اور نہ مرزا کی طرح اللہ تعالیٰ پر افترا نہیں کرتا کہ مجھ پر یہ کلام حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ (رقیم محمد لدھیانوی' عبداللہ لدھیانوی' اسماعیل لدھیانوی۔ (الکلمات الفاروق' ص ۵۰)

باب ۳

علماء لدھیانہ کا وفود دیوبند اور قادیانی کے کفر و اسلام کا مذاکرہ

جب علماء لدھیانہ نے مولانا گنگوہیؒ کے جواب کا جواب بھیجا ہے تو اس کے تھوڑے دنوں بعد دیوبند میں دوبارہ بحث کا مناظرہ جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا محمد' مولانا عبداللہ اور مولوی اسماعیل صاحبان لدھیانہ سے اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو دیوبند پہنچے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی دیوبند تشریف لائے تھے۔ ایک کمیٹی میں جہاں بڑے بڑے علماء موجود تھے علماء لدھیانہ نے مرزا غلام احمد کا کچھ حال بیان کیا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان دنوں دیوبند کے شیخ الحدیث تھے فرمایا کہ اگر مرزا غلام احمد پر بعد ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم السلام کا دعویٰ ہوا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے"۔ مولوی محمد لدھیانوی نے کہا کہ اگر بالفرض بعد ثبوت تصادق یہ اعتراض کریں کہ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی پر بعد ثبوت آیات قرآنی نازل ہوتی ہیں اسی طرح تمہارے ہادی و رہبر (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تو کوئی مستقل نبی نہیں تھے بلکہ ان پر بعد ثبوت ابراہیم علیہ السلام بھی طور پر قرآن نہیں الہام نازل ہوا ہوگا تو پھر آپ کیا جواب دیں گے؟ مولانا محمد یعقوب نے فرمایا کہ میں غلام احمد کو ذاتی تحقیق میں ایک کذاب دجال فریب جانتا ہوں۔ اور چونکہ آپ قریب الوطن ہونے کی وجہ سے اس کے تمام حالات سے بخوبی واقف ہیں اس کی تکفیر سے منع نہیں

کرنے اس کے علاوہ آپ نے اس شخص کی کتاب "تزئین الحسنہ" پڑھی ہے اور میں نے اور مولانا رشید احمد صاحب نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔

اس کے بعد ایک اور علمی مجلس میں علامہ لاہیاد نے اپنا یہ مضمون جو مولانا رشید احمد کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شیخ الطریقت نے فرمایا کہ جہاں تک میری تحقیق کو دخل تھا میں نے آپ کو لکھ بھیجا تھا۔ مولوی عبداللہ لاہیاری نے اس مضمون کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ "آپ مدعے بالکل کا جواب تو دے دیجئے"۔ مگر مولوی عبداللہ صاحب کا یہ مطلب ہے یا تھا یہ کہ مولانا گنگوہی نے علمائے دیوبند کی تکفیری فرض کی بنا پر فتوائے تکفیر کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ دلیل یہ ہے کہ قادیانی صاحب اس وقت تک اپنے پورے رنگ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے اس لیے جامعین شریعت ان کے من گھڑت الہامات کی تحویل کر کے ان کو جواب کفر دے چاہتا تھے۔ بہرحال مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب ہم سب میں بڑے ہیں "جو کچھ یہ فرمائیں گے سب کو بلا تامل قبول ہوگا۔ مولوی محمد صاحب نے مولانا محمد یعقوب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے قادیانی کے متعلق ہر زمانے کل ظاہر فرمائی تھی کیا آپ اس کو گھر میں بھی وا نہیں کہیں گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں لکھ دوں گا کہ قادیانی کے الہام "لولاک لما خلقت الافلاک" کے الفاظ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے تاہم بالفعل کامیاب جانے کی وجہ سے میں عدم الظرفیت ہوں۔ یہ بھی بڑے کے بعد لکھ کر روانہ کر دوں گا۔

علامہ لاہیاد دیوبند سے مراجعت فرما ہونے کے بعد بھی دن کے بعد مولانا محمد یعقوب نے ایک فرزند اپنے ہاتھ سے لکھ کر بذریعہ ڈاک لاہیاد بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ "میں محض میری رائے میں قادیانی مسلم ہوتا ہے۔ اس شخص نے اہل حق کی صحبت میں رہ کر فہم دانش حاصل نہیں کیا۔ معلوم نہیں اس کو کس دعوے کی ہمت ہے مگر اس کے الہامات کو الہام لولاک کے الفاظ سے کچھ مناسبت اور علاقہ نہیں رکھتے"۔ اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب سارنپوری سے علامہ لاہیاد کی ملاقات ہوئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے قادیانی کے متعلق استفتاء کیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ شخص پہلے پر اس طرح سوار ہے کہ حدوث کی طرف ہے۔ جب غور سے دیکھا تو اس کے آگے میں دقر نظر آیا جس سے

اس شخص کا بے دین ہونا ظاہر ہے اس کے بعد شیخ صاحب نے فرمایا کہ جو علماء اس کی تردید میں لب ہلائیں گے عرصہ کے بعد وہ بھی اسے خارج از اسلام قرار دیں گے۔ (الفوائد القدسیہ)

چنانچہ مولانا شاہ عبدالرحیم کی تشفی کوئی طرف بالکل پوری ہوئی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور علم دوسرے اکابر امت' مولانا تھانوی کی تکفیر سے پہلوتہی کرتے اور لوگوں کو اس سے منع کرتے تھے' آخر کار اس کو مرتد لعنہ خارج از اسلام قرار دینے لگے۔

باب ۴

علماء حرمین کا فتوائے تکفیر

مولوی محمد صاحب فرمانی الفوائد القدسیہ میں لکھتے ہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے' جو اہل حدیث کے مشہور مقتدا ہیں' تھانوی کی تائید و حمایت کا بیڑا اٹھایا اور اپنے اخبار رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں جاری مقالہ لعنہ تھانوی کی تائید کرتے رہے۔ یعنی مولوی محمد حسین صاحب نے مولانا گنگوہی کو سلطان المناظرین قرار دیا۔ جو بزعم خود تمام دنیا کے مقابلہ میں مولوی محمد حسین صاحب نے مولانا شام اور کے کمالات شائع کرتے رہے تو اس سے ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ اکابر اہل علم کو تھانوی کے کمالات کتنے معلوم ہوں گے اور ہر طرف سے ہمارے فتوائے تکفیر کی تائید میں صدائیں بلند ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے تھانوی کے متعلق ایک مقالہ علماء حرمین کی خدمت میں روانہ کیا۔ ان دنوں مولانا رحمت اللہ صاحب مکہ معظمہ میں قیام فرما تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ نے براہین اسلام اور رسالہ اشاعۃ السنہ کے فاضل ۲ مدیر اصلاح مقالہ نما کر تھانوی کے کفر کا فتویٰ تیار کیا جس میں لکھا کہ مولانا شام اور تھانوی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے دوسرے علماء نے بھی اسی مضمون کے مطابق اپنی اپنی رائے ظاہر کی۔ (الفوائد القدسیہ' صفحہ ۵۰)

مکہ معظمہ کے مفتی اعظم زینی الاعظم شیخ عبداللہ بن حسین کے فتویٰ کا ترجمہ یہ ہے:

مشق تھانے کی مہر و نشان کے بعد ہم کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا اس لیے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ جو شخص قادیانی کے دعوے کی تصدیق کرے یا اس کی متابعت کرے وہ بھی مدعی نبوت کی طرح کافر ہے۔ اور اہل اسلام سے اس کا رشتہ ناطہ درست نہیں۔ (فتاویٰ علمائے حرمین' صفحہ ۳۰۰)

علمائے حرمین کے فتوائے تکفیر کی تائید

حضرات! ہمیں یقین ہے کہ مسلمہ اور مرزا صاحب کے فتوائے تکفیر کو کوئی غیر اہم چیز نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ حرمین مقدس اسلام کا اولین و آخرین مرکز و گہوارہ ہے' اس لیے جس شخص کو علمائے حرمین بالاتفاق کافر قرار دیں وہ کبھی دائرہ اسلام میں داخل نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور مرزا غلام احمد صاحب نے کہا کہ کہ اسلام کا مرکز ہے۔ لاکھوں صلحاء' علماء اور اولیاء اس میں مدفون ہوئے ہیں۔ (حمامہ بشریٰ' مصنفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۱۳) اور میں نے علماء (حرمین) میں قابل اور معتمد پایا تو اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ ان لوگوں سے اعراض کروں اور کہ مسلمہ کی طرف بھاگ جاؤں اور علماء عرب کی طرف توجہ کروں کیونکہ کہ اہل عرب آزادی کی ملی سے پیدا کیے گئے ہیں اور انہوں نے غلامیت کے عہد سے بہت دل پائی ہے۔ (اور الفرقان' مصنفہ مرزا غلام صاحب' حصہ اول' صفحہ ۳۰) اسی طرح رسالہ تبلیغ اور میں کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دین کی شوکت اور دین جلیل کی عظمت کا زوال کہ' عہد اور مخالفت کی طرف اس طرح واپس آگیا ہے جس طرح صاحب شریعت کے وقت اپنے سوراخ کی طرف منہ کرتا ہے۔ دین کی عظمت اور حمیت الٰہی کی قوت کہ مسلمہ اور عہد حاضر کے سوا کسی جگہ باقی نہیں رہی اور تم ان دونوں شہروں میں عبادت دین کے آثار بالکل اسی طرح دیکھو گے جس طرح نہ قبیل خواہ باقی نہ رہا ہے۔ ہم قوت اسلام کی خوشہ اسی پاک سرزمین میں پاتے ہیں اور ہمیں وہ سری نہیں نہ نہیں مخالفت کی شرح وکھلائی دے رہی ہیں۔ (ایضاً' مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب' صفحہ ۱۸۔ حاشیہ) اور جب مولوی عبدالحق مرزا محمود احمد صاحب ۱۹۱۴ء میں یورپ جاتے ہوئے عدن کے سامنے سے گزر رہے

تھے تو انہوں نے جلاد بن کر کہا کہ کہ سکتے والی رات نہیں پا سکتا۔ (بدر الفضل قادیان ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء)

مرزا صاحب کی طرف سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی

مولوی محمد صاحب لکھتے ہیں کہ علمائے حرمین کا فتویٰ کفر کے چند روز بعد قادیانی نے بٹالہ کی سرائے میں قیام کر کے مولوی عبداللہ کی وساطت سے یہ کہہ کر صلح کا پیغام بھیجا کہ پادری لوگ مجھ پر معترض ہیں کہ جب علماء اسلام تمہاری تکفیر کے فتوے شائع کر رہے ہیں تو ہم کو تمہارا اسلام کی طرف دعوت دینا خلاف بادی ہے۔ جس کو خود گمراہ سمجھتا ہو۔ مولوی عبداللہ صاحب نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر مصالحت مقصود ہے تو جمعہ کے دن جامع مسجد میں تمام مسلمانوں کے سامنے اپنے کفریات کفریہ سے تائب ہو جاؤ۔ اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو ہم سے مناظرہ کر کے ہم کو ساکت کرو۔ اور اگر مناظرہ بھی منظور نہیں تو ہم سے مباہلہ کرو"۔ مرزا قاسم بیگ نے اس کا کچھ جواب نہ بھیجا اور لدھیانہ سے قادیان کا راستہ لیا۔ اب مولوی ثناء اللہ اور مولوی عبدالقادر نے' جو مولانا گنگوہی کے سند یافتہ' لدھیانہ کے علمائے اہل حدیث کے اشتعاب دلانے سے مولوی محمد شاہ بازیدی کو لدھیانہ بلا بھیجا۔ یہ بابل زبان کے ایک لاجواب مناظر تھے۔ انہوں نے آکر مولوی محمد صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کی موجودگی میں تقریریں شروع کر دیں۔ اس سے یہ لوگ زچ ہو گئے۔ لیکن ان تقریروں کا یہ اثر نہ ہوا کہ اب ہر کس و ناکس کو مرزائی کہلانے کا حوصلہ پڑ جاتا۔ (اشاعۃ السنہ جلد ۱۹)

باب ۵

دعوائے مسیحیت اور حضرت ابن مریمؑ کی پیشین گوئی

قادیانی صاحب نے دیکھا کہ تمام اسلامی دنیا کے علمائے حق کی تکفیر ان کے دام افتراء کی حقیقت مبدی کو مضمحل نہیں کر سکی تو ان کی سرپرستی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسلامی

صاحب سیدنا کے حضرت کو ہر وقت گرد و پیش دیکھ کر بھانپ گئے تھے کہ اس عرش اقتداری کی بنیادوں پر ہر جے سے بڑے ضرب لگنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے انہوں نے مجددیت سے ترقی کر کے دعوائے مسیحیت کو اپنی دکان کمالی اور ذریعہ کا وسیلہ بنایا اور برملا کہنا شروع کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سے تیرہ سو سال پہلے جس عیسیٰ ابن مریم کے نزول اجلال فرمانے کی اطلاع دی تھی وہ میں ہوں' حالانکہ اس سے پیشتر بانی اس انکار پر جازم تھے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام آئندہ زمانہ میں اسلام کی تائید و ترویج کے لیے تشریف لائیں گے۔ چنانچہ "براہین" میں لکھا تھا کہ جس طرح اللہ دین اسلام کا زندہ کیا ہے' وہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں لائے گا اور جب حضرت مسیح دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ (براہین احمدیہ "صفحہ ۴۹۸)

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی

قادیانی صاحب نے مجددیت سے ترقی کر کے مثیل مسیح ہونے کی اساس طرازی شروع کی۔ پھر حیات مسیح علیہ السلام کا انکار کیا' اس کے بعد خود مسیح ہونے سے پہلے اس دعوے کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا کہ حیات مسیح علیہ السلام کا انکار اسی دعوے کی تمہید تھی۔ بہرحال اس دعوائے مسیحیت نے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی عملاً پوری کر دکھائی کہ جس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں (مثلاً قادیان میں) ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کریں۔ (انجیل متی باب ۲۴' درس ۲۳-۲۴)۔ چنانچہ احادیث نبویہ میں بھی مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کا تذکرہ موجود ہے لیکن الہامی صاحب نے اپنی خانہ ساز مسیحیت کا روپ دھارنے کے بعد ان احادیث کی نئی نئی تاویلیں کر کے اصولی تعلیمات کے پرخچے شروع کیے۔ اور لطف یہ ہے کہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح علیہ السلام کی جو نشانیاں بیان فرمائی ہیں' قادیانی صاحب کو خود تسلیم تھا کہ وہ نشانیاں ان میں نہیں پائی جاتیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "اگر ظاہر پر ہی ان بعض الفاظ حدیث کو" جو بظاہر شان حضرت عیسیٰ سے مطابقت نہیں

رکھتیں" کھول کیا جائے تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ ان عیسیٰ گونیوں کو اسی عاجز کے کسی ایسے کامل فیض کے ذریعہ سے کسی زمانے میں پورا کر دے جو منجانب اللہ مثیل مسیح کا مرتبہ رکھتا ہو۔" (ازالہ "صفحہ ۱۵۱)۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کے متعلق کی تفصیل بیان فرمانے سے پیشتر مطلق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غرض ہی یہ تھی کہ کوئی غلط ساز مسیح بنا کر مسیحیت پر قدم نہ رکھے۔

مرزائی بیان کہ میں بارہ سال تک حکم الٰہی کو چھپاتا رہا

نبی اور مامور وہی ہی اپنی نبوت اور وحی کے اصل الوحی ہوتے ہے لیکن اس کے خلاف قادیانی کے سیدنا صاحب کو بارہ سال تک حکم الٰہی ہوتا رہا کہ تو ہی مسیح موعود ہے لیکن یہ برابر حکم الٰہی کو چھپاتے اور اس سے انحراف کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں لکھا کہ دس سال یعنی ۱۸۷۸ء سے مجھے اپنا مسیح موعود ہونا معلوم تھا لیکن میں نے اپنا عقیدہ تبدیل نہ کیا۔ خدا کی قسم میں ہمیشہ دن سے جانتا تھا کہ میں مسیح ابن مریم بنایا گیا ہوں اور مسیح کی بجائے نازل ہونے والا شخص میں ہی لیکن میں نے اس کو چھپایا" (تتمہ ہکہ میں نے اپنا عقیدہ بھی نہیں چھپایا میں اس پر مضبوطی سے قائم رہا ہوں اور میں نے اس کے اظہار میں دس سال تک توقف کیا۔ (انجام آتھم "صفحہ ۵۵) اس کے بعد ۱۸۹۰ء میں لکھا کہ "میں قریباً بارہ برس تک' جو ایک زمانہ دراز ہے' بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے اس صدی سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے رکی عقیدہ پر رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تب یہ وقت آگیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے۔ تب آواز سے اس بارہ میں الہام شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے' پس جب اس بارہ میں اتنا تک خدا کی وحی پہنچی اور مجھے حکم ہوا کہ فاصدع بما تؤمر یعنی جو تجھے حکم ہوتا ہے وہ کھول کر لوگوں کو سنا دے۔ تب میں نے یہ پیام لوگوں کو سنا دیا۔ اگر یہ کوئی اصلاحی منصوبہ ہوتا تو میں "براہین احمدیہ" کے وقت میں ہی یہ دعویٰ کرتا کہ میں مسیح موعود ہوں مگر خدا نے میری نظر کو پھیر دیا۔ میں براہین کی اس وحی کو نہ سمجھ سکا کہ وہ مجھے مسیح موعود بناتی ہے۔ یہ میری سچائی کی دلیل تھی۔ صدہا میرے مخالف لکھے چکے ہیں کہ میں نے بارہا لکھا کہ "براہین احمدیہ" میں مسیح موعود بنایا گیا تھا بارہ برس تک یہ دعویٰ کیوں نہ کیا

اور کیوں براہین میں خدا کی وحی کے خلاف لکھا ہے؟" (ایڈیٹر الحکم" مرقومہ مرزا غلام احمد" صفحہ ۷)

بارہ برس تک عدم وحی ماننے کا افسانہ کہاں سے اڑایا؟

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قادیانی صاحب نے بارہ برس تک عدم الہی کے ماننے والے رسالے کی داستان سید محمد علیخیری سے "مدد و معاونہ صدیقہ" میں قادیانی صاحب کے ویژن اور ہم سلسلے "ازالہ اوہام" چاپنچ کتاب ہذا صدیقہ میں صدیق کی کتاب مطلع الولایت سے نقل کیا ہے کہ "قبل بارہ برس تک امر الہی ہوتا رہا اور میرزا جی دوسرے شیطان سمجھ کر ٹالتے رہے۔ اور بعد بارہ برس کے خطاب واقع ہوا کہ ہم وعدہ سے فرماتے ہیں تو اور تو اس کو غیر نظر سے سمجھتا ہے۔ بعد اس کے بھی سید موصوف اپنی عدم لیاقت و نجیبی کا اظہار فعل کر کے کامل برس تک ٹالتے رہے۔ بعد تین برس کے خطاب واقع ہوا کہ تقاضائے الہی جاری ہوگیا' اگر قبول کرے گا بلند ہوگا ورنہ مخذول ہوگا"۔ (دیباچہ صدیقہ' صفحہ ۳۴) آگے چل کر لکھا ہے کہ حضرت سید محمد علیخیری صدیقی موصوف نے فرمایا کہ مجھ کو الہام بارہ برس سے بار بار عدم خدا کا بلاسلسلہ ہوتا ہے کہ وحی کو لکھنے میں ٹالتا چلا جاتا ہوں۔ اب مجھ کو حکم ہوا ہے کہ "اے سید محمد! وحی صدیقہ کو لکھتا ہوں تو کیا نہیں تو نکالوں میں کاکروں گا"۔ اس واسطے میں صدیقہ عمل و حواس وحی کرتا ہوں کہ فاسبحان سبحی مراد اللہ (ایضاً' صفحہ ۳۸)

باب ۶

ابن مریم بننے کی مضحکہ خیز کوشش

جب الہامی صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ احادیث میں جس مسیح کے آنے کا وعدہ ہے' وہ تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں' آپ کس طرح مسیح موعود بن سکتے ہیں؟ مرزا صاحب نے اس کا جواب ازالہ اوہام میں' جو

ہر تبصرہ نگار کو تسلیم ہوئی تھی' یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعض روحانی صفات طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ خدا تعالیٰ نے میری طبیعت میں بھی رکھی ہیں۔ اور جو مشابہت کی امور میں' جس کی تشریح اپنے رسالوں میں کر چکا ہوں' میری زندگی کو مسیح ابن مریم کی زندگی سے اللہ مناسبت ہے' اس بنا پر میں مسیح موعود ہوں"۔ (الحق' طبع دوم' صفحہ ۱۱۷)

لیکن جب کہا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعض روحانی صفات طبع اور عادات و اخلاق تو خدا تعالیٰ نے بہت سے اہل علم کی بھی طبیعت میں رکھے ہوئے ہیں اور ان کی زندگی کو "مسیح علیہ السلام سے اللہ مناسبت ہوتی ہے تو پھر یہ خاص فضیلت بھی "مسیح موعود" ہونے چاہئیں۔ اس میں آپ کی کونسی خصوصیت ہے؟ کوئی وجہ نہیں کہ آپ تو کسی من گھڑت مشابہت کی بنا پر مسیح بن جائیں اور دوسرے اہل بصیرت حقیقی اشتراک صفات کے اس منصب جلیل کے اہل نہ سمجھے جائیں۔ بات معقول تھی' مرزا صاحب سے اس کا کوئی جواب نہ بن سکا اور سوچنے لگے کہ کوئی ایسی بات بنانی چاہیے کہ وہ مسیحیت میں دوسروں سے ممتاز ہو سکیں۔ مگر فکر کی بہتیری خراش کی لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ اسی سوچ بچار اور توجیہوں میں گیارہ سال کی طویل مدت گزر گئی۔

مریم" بننے اور حاملہ ہونے کی فسانہ تراشی

اس عرصہ میں اس عقدہ کے حل کرنے کے لیے کتب قصص کی طرف بھی رجوع کیا۔ آخر گیارہ سال کی فکر کاوشوں کے بعد ایک ایسی نئی حکمت فکر آگئی جس پر کسی مدعی نبوت مسیحیت کی تعبیر نہیں رکھائی دی۔ چنانچہ اپنے ایک خاص فکر و سخن کا نتیجہ اپنی کتاب "کشتی نوح" میں' جسے ۱۹۰۲ء کو شائع کیا تھا' ان الفاظ میں بیان کیا "اگر خدا نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا' پھر جیسا کہ "براہین احمدیہ" سے ظاہر ہے' بیس برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور یہ میں نشو و نما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر بیس برس گزر گئے تو جیسا کہ "براہین احمدیہ" کے حصہ چہارم' صفحہ ۴۹۷ میں درج ہے' مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں پھونکی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھ حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد' جو دس مہینے سے زیادہ نہیں' بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر "براہین احمدیہ" کے حصہ چہارم' صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے' مجھ سے مریم سے

عیسیٰ بنایا گیا۔ بس اس عورت سے ہی ابن مریم کہلوا۔ (کشتی نوح' مولفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۱۳) اہل صلیب کی تشکیک تو مشہور ہی تھی' الہامی صاحب نے عورت بنے اور حاملہ ہونے کی فضیلت طرازی میں صلیب پر ستوں کے بھی کان کاٹے۔ الہامی صاحب پہلے مرد سے عورت بنے' دو سال تک حاملہ رہے' پھر بچہ جنا اور اس طرح بعینہ عیسیٰ ابن مریم بن گئے۔ مرزا صاحب شروع میں تو نر و مادہ تھے لیکن اس کے بعد سے کلی حیثیت اختیار کر لی۔ خدا ہی ہو (الہام ہوا) خود ہی عورت (مریم) اور خود ہی بچہ (عیسیٰ) بن گئے۔ ع

خود کردہ را دوا نہ کردند خود کردہ را علاج نیست

لیکن اس سے بھی بڑھ کر الہامی صاحب کے ایک مرید خاص قاضی یار محمد نے۔ انہوں نے جہالت خاندانی سے بے خوف ہو کر اور حیا کو بالائے طاق رکھ کر اپنے مقتدا کو (معاذ اللہ) خاوند کہہ کر اپنی بیوی قرار دے دیا اور اپنے ٹریکٹ نمبر ۲۲۲ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۱۷ء بعنوان "سلسلہ رواج بدعت اور تحریف" کلمہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت پر ظاہر فرمایا ہے کہ کشف کی حالت میں آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا انکار فرمایا۔ سمجھ والے کے لیے اشارہ کافی ہے"۔ (خطوط بالا) اور لطف یہ کہ الہامی صاحب نے "کشتی نوح" میں تو اپنے زائد مقامات اور عمل و فیوض کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے پیشتر "کتاب البریہ" میں' جو ۱۹۰۰ء کو شائع کی تھی' اپنے تئیں "نہ اہلیت سے بالکل پاک قرار دیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے (ترجمہ) "ایک لڑکی و بعینہ ساتھ تھی' وہ چند دنوں کے بعد فوت ہو گئی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس طرح پر خدا تعالیٰ نے اہلیت کا بقیہ مجھ سے بالکل الگ کر دیا"۔ (کتاب البریہ' مولفہ مرزا غلام احمد صاحب' صفحہ ۱۸۶ حاشیہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلیت کا بقیہ الگ ہونے کے کچھ عرصہ بعد پھر حاصل کر لیا ہوگا۔ لیکن الہامی صاحب نے اس پر بھی دل نہیں بھرا کہ جب ۱۹۰۸ء میں وہ بالکل عیسیٰ بن چکے تو اہلیت کا یہ بقیہ بھی ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا یا آخر دم تک حامد "صفحہ" میں موجود رہا؟

باب ۷

مریم بننے اور حاملہ ہونے کے تخیل کا قادیانی ماخذ

اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ الہامی صاحب نے مریم بننے کے مقام حاصل کرنے اور حاملہ ہو کر عیسیٰ بننے کا تخیل کہاں سے لیا؟ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی معنوی میں فرمایا تھا۔

جان گل پیش جان ہمچو گل — خلق او در خلق حق مضمر کنو
گل چو مریم جان ازاں آمد عجیب — حامله شد از مسیح دل فریب
آن مسیحے نے کہ بر فلک رفت است — ایں مسیحے کو ز عالم برتر است
ایں دو جان جاں چو حامل گشت جان — او نبیں چرا نہ حامل جاں جہاں
ایں جہاں زاید جہان دیگرے — ایں حشر او را نباشد آخرے
تا قیامت گر بگویم شرح ایں — من نہ شرح ایں قیامت یابم

مثنوی شریف میں ان اشعار کو پڑھا تو مرزا صاحب کی رگ الہام پھڑک اٹھی۔ رومی سے پوچھنا کہ جہت اپنی خود ساختہ مسیحیت کا ظلیہ قائم کر لیا۔ حالانکہ ہر فصیح و بلیغ کلام میں مجاز و استعارات لسان اور عرف عام کے ساتھ ساتھ استدراک' ایہام' اور تخیلات کی جانچ بھی ضرور ہوتی ہے اور جس کلام میں یہ خوبی نہ ہو' نہ فصیح و بلیغ نہیں سمجھا جاتا۔ مثل مشہور ہے کہ "چور کے ہاتھ بلدی کی گئی" وہ بھی پنساری بن بیٹھا" مرزا بی کو یہ استعارہ کیا ہاتھ آگیا ان پر اپنی الہامی مسیحیت کی سرٹیفکیٹ عمارت کھڑی کرنی شروع کر دی۔ مرزا بی کے اس استدلال کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کسی کو یہ کہتے سن کر کہ "مقابلے حریف کا نچلا بیٹھ نہیں رہتا ہے" دوڑ کر پہلے یہ تحقیق کرنا شروع کر دیا تھا۔ نہ غریب یہ سمجھا تھا کہ حریف و مزاحم بھی کوئی پرند ہوگا جس نے گھونسلے میں انڈے بچے دیے ہوں گے۔ اسی طرح کسی نے یہ کہا کہ "تیر گدھا ہے" تو وہ فوراً زید کی چار ٹانگیں' دو بڑے بڑے کانوں اور ایک دم کی تجسس کرنے لگا تھا اور خیال کیا تھا کہ زید کسی دن گدھے کا بھی ہوگا۔ خوب ہوشیاری بھاڑ ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ الہامی صاحب محض ایک الفاظ پرست ملا تھے۔ وہ معرفت کے رموز و اسرار اور فصاحت کے حقائق و معارف سے ایسے ہی بے خبر تھے جس طرح بہت سے دوسرے ظاہر پرست اس

کرنے سے خالد ہیں۔ بلکہ "مولانا بکار خویش واستاد" کے حسب مصداق ہر چیز سے اپنا الو سیدھا کرتے اور ہر چیز کو اپنے لیے میں انسیں یدطولیٰ حاصل تھا۔ اور یہی وہ چیز تھی جس نے میاں محمد علی" خواجہ کمال الدین اور اس قسم کے دوسرے گرگوں کو بام مولانیت میں اسیر کر رکھا تھا۔

مولانا رومیؒ کے اشعار کا مطلب و مفہوم

اب مولانا رومی کے اشعار کا مطلب و مفہوم لکھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

جان گل بانان ز کیب کند　　عقل را و دوے سد در جیب کند

حالت حق انسان پر جب طاری ہوتی تو اس نے تجلی گل کا ایک موتی لے کر دل کے گریبان میں ڈال لیا۔ یعنی خالق کائنات نے انسان پر تجلی فرما کر اس کو منور و مستنیر فرمایا اور انسان نے اس نور تجلی کو اپنے قلب میں جگہ دی۔ اسی کیفیت و استغراق کو تجلی باظہار اللہ اور تخلق باخلاق اللہ کہتے ہیں اور یہی خالق کونین کے ساتھ بندہ کی نسبت و مجانست ہے"۔

اس کے بعد مولانا رومی اس وحی کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں۔

بچہ مریم چوں ازاں کیب جیب　　حاملہ شد از مسیح بی نصیب

روح اس تاثر قلب کے بعد حضرت مریم کی طرح مسیح بی نصیب سے حاملہ ہو گئی یعنی جس طرح حضرت مریم علیہ السلام کے گریبان میں روح حق کے نفخ کیے جانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام متولد ہوئے تھے اسی طرح جب حق تعالیٰ کی تجلی قلب پر منعکس ہوتی ہے تو اس سے ولی متولد ہو جاتا ہے۔ مسیح کو ولی غریب اس لیے فرمایا کہ لوگ ان کے بے پدر ولادت اور تکلم فی المہد اور دوسرے اعجاز روزگار امور پر خوب تھے۔ اب مولانا رومیؒ اس عیسیٰ کی تعیین فرماتے ہیں۔

ایں مسیحے نے کہ بر فلک رفتست　　ایں مسیحے کو ساعت بر رفتست

اس سے یہی مراد ہے مسیح علیہ السلام نہیں جو آسمان پر کر دنیا کے بڑے بڑے سکوت فرما چکے ہیں بلکہ یہ وہ مسیح ہے جو کم و کیف سے بالاتر ہے۔ یعنی جس مسیح علیہ السلام سے حضرت مریم علیہا السلام حاملہ ہوئی تھیں وہ تو ایک انسان تھے لیکن عارف الٰہی کا دل جو بار

کائنات خداوندی کا حال ہے وہ نہ تو ناری ہے اور نہ اس کا تعلق مقدار اور مساحت سے ہے بلکہ محض اور محض حق ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

پس ز جان جاں چو حال گفت جاں　　از تنزل جانے شد حال جہاں

جب روح اس جان جاں یعنی مطلب حقیقی کی حال ہو گئی تو ﷺ حکمت و برتری کے اس درجہ علیاء پر فائز ہوئی کہ جس سے سارا جہان منور ہو گیا یعنی چونکہ انسان کامل تجلیات الہیہ کا مظہر ہے' تمام دنیا اس سے اقتباس انوار کرتی اور فیض یاب ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

پس جہاں ایں جانے دیگرے　　ایں حشر او را ایں محشرے

یہ جہان اپنی تعلیم و تربیت کے بدولت ایک نئی دنیا پیدا کر دیتا ہے۔ یہ علامت اس کو اپنے فیوض اور نوازشات سے نوع قیامت بنا دیتی ہے یعنی اہل نظر کی ایک علامت دوسری علامت سے متعلقہ ہوتی ہے۔ پہلی مقدس علامت دوسری کو اپنے روحانی کمالات سے اس شدت و کثرت کے ساتھ منور فرماتی ہے کہ ان کے باطنی تصورات سے اخلاقی و روحانی دنیا میں اطلاع و تہذیب کا ایک حشر بپا ہو جاتا ہے۔

تا قیامت گر بگویم شرح ایں　　من و شرح ایں قیامت قاصرم

اگر میں قیامت تک بھی بیان کرتا اور شمار میں لاتا رہوں تو اس مختصر تصورات کی تفصیل سے ہرگز عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا یعنی جس طرح اہل نظر کے کمالات غیر محدود ہیں' اسی طرح ان کے فیوض و برکات بھی بے پایاں ہیں۔ یہ فیوض قدسیہ بندگان خدا کو کس طرح' کس قدر اور کب تک فیض پہنچاتے ہیں؟ اس کی شرح و تفصیل قیامت تک بھی ممکن نہیں۔

ظاہر ہے کہ مثنوی شریف کے یہ اشعار اس قسم کے سنی و مسموع سے بالکل عاری ہیں کہ کسی مرد میں بنا صفات پیدا ہوتے ہیں اور وہ مریم بن کر حاملہ ہوتا ہے اور اس حمل سے بچہ پیدا ہو کر عیسیٰ بن جاتا ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ تعلیمات نبیہ میں جس مسیح کے آنے کی بشارت دی گئی ہے وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ الیاس صاحب نے محض طرازی و بیان درازی کے زور سے عیسیٰ ابن مریم بن جانا چاہا۔ لیکن یاد رہے کہ صرف باتوں کے بل بوتے پر کوئی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ کبھی نہ دیکھا یا سنا گیا ہوگا کہ گدھا

انسان یا انسان پر دیا۔ بیگرام" غلام احمد بن کیا ہے۔ ایسی باتیں فاتر العقل مرزائیوں کو تو مطمئن کر سکتی ہیں لیکن دنیا کا کوئی ذی فہم صحیح الدماغ انسان ان خرافات کو ایک منٹ کے لیے بھی سنا گوارا نہ کرے گا۔

اہل اللہ پر حقیقت بھوی" کا فیضان

ہاں بات لوگوں پر حقیقت بھوی" کا فیضان ہوا کرتا ہے۔ مولوی محبوب عالم گجراتی مجلہ محبوب میں لکھتے ہیں کہ ایک روز خواجہ توکل شاہ لاہوری حقیقت بھوی" کا فیضان اللہ کر رہے تھے۔ اس حالت میں ایک شخص نے آکر کوئی بات دریافت کی تو اس سے فرمایا کہ دست پیدا کرو۔ اس نے دست پیدا تو اس پر جذب و استغراق کی ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے بعد تین دن تک اس کی یہ حالت رہی کہ جس مریض پر بھی پھونک دیتا وہ مریض شفا پاتا۔ اور اسے خواب میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زیارت ہوتی۔ پر کہ جناب مسیح کا یہ تصرف تھا اور ان کے لوگ کی یہ تاثیر تھی اس لیے وہی تاثیر اس سے بھی صادر ہوتی رہی۔ تین دن کے بعد یہ حالت جاتی رہی۔ مولوی محبوب عالم لکھتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اس تاثیر کی کیا وجہ تھی" تو فرمایا کہ جس وقت یہ شخص میرے پاس آیا تھا اس وقت میں حقیقت بھوی" کا فیضان لے رہا تھا۔ ایسی حالت میں اس پر بھی وہی فیضان وارد ہو گیا۔ فیضان جاتا رہا تو یہ کیفیت بھی مختفی ہو گئی۔ (مجلہ محبوب" مطبوعہ حسنی پریس دہلی" صفحہ ۱۰۰)

توکل شاہ سے درخواست دعا

مولوی محبوب عالم مجلہ محبوب میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواجہ توکل شاہ لاہوری سے عرض کیا کہ میں تو سوائے غلام احمد قادیانی کو برا جانتا ہوں" آپ کے نزدیک یہ شخص کیسا ہے؟ ان دنوں مرزا صاحب کا دعوائی مجددیت و مسیحیت سے متجاوز نہ ہوا تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ایک وقت میں نے دیکھا کہ گویا توکل کی حیثیت سے شمر لاہور گشت کر رہا ہوں۔ ایک مقام پر غلام احمد کو دیکھا کہ گندگی اور گندگی میں پڑا ہے۔ میں

نے اس کے ہاتھ کو جنبش دی اور دریافت کر کہا "میرے پاس جہالت اور حماقت کا کیا علاج ہے؟" وہ خفہ ہوا اور غم نہ دکھلایا بلکہ میرے سوال کا کچھ جواب نہ دے سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی عمل کیا تھا مگر کچھ کسی بد پرہیزی کے باعث اس عمل سے گر گیا"۔ مولوی محبوب عالم لکھتے ہیں کہ یہ تو میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ اس کے آکثر خلفاء خواجہ فضل شاہ کی خدمت میں کیا کرتے تھے" جس کا یہ مضمون ہوتا تھا کہ "حضور میرے حق میں دعا فرمائیں"۔ خدا کے بندے ہی خواجہ صاحب کے چہیتے خلیفہ کے مارے گھن کھا جاتے تھے مگر جہاد کر کے ناموس ہو جاتے تھے۔ (ایضاً صفحہ ۲۱۸)۔

باب ۸

عقیدۂ حیات مسیح کو شرک قرار دینے کی جسارت

اسماعیل علائی کا سرائی وہ قبیل صلح حدیبیہ اور بالکل شرائط کی بنیادوں پر قائم تھا اور وہ کس کتابوں کے مختلف دعووں کی تدریجی رفتار بھی انہی بنیادوں و حقیقتوں سے وابستہ تھی۔

براہین میں مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کا اقرار

"براہین احمدیہ" کی تکمیل و اشاعت کے وقت خود مسیح موعود بن جانے کا ہنوز کوئی خیال نہ تھا اس لئے جہد کتابوں نے "براہین" میں حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات اور آمد ثانی کا اقرار کیا اور لکھا کہ "یہ عقیدہ جو الفی قرنی و سوا ہے جسمانی اور سیاست ملی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس علیہ کلمہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے' وہ مسیح کے ذریعے ظہور میں آئے گا۔ مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور ان کے ہاتھ سے اسلام جمیع ادیان باطلہ پر غالب ہو جائے گا۔ (براہین احمدیہ' صفحہ ۴۹۸' حاشیہ) اور اسی "براہین" میں آگے چل کر صفحہ ۵۰۵ کے حاشیہ پر اس عقیدہ کی مزید وضاحت ان الفاظ میں کی "یہ زمانہ بھی آنے والا ہے جب خدا تعالیٰ تمام دنیا کے لئے

شدت اور غضب اور قہر اور تخی کو استیلا میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے"۔ لیکن جب خود مسیح بچنے کا قصہ کیا تو پہلے حیات مسیح علیہ السلام کا انکار کیا۔ چنانچہ کتاب ازالہ اوہام (طبع پنجم) صفحہ ۳۰۴ میں لکھا کہ "قرآن شریف قطعی طور پر اپنی آیات بینات میں مسیح کے فوت ہو جانے کا کامل اور وضاحت کے لیے اس کو رخصت کرتا ہے"۔ اور "ازالہ اوہام" (اردو) صفحہ ۳۵۷ میں لکھا کہ "قرآن شریف میں مسیح بن مریم کے دوبارہ آنے کا کہیں بھی ذکر نہیں"۔ ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے "براہین احمدیہ" میں تو مسیح علیہ السلام کی کہ حیاتی کو لازمۂ قرآن ضروری قرار دیا لیکن جب کچھ زمانہ کے بعد سرسید کی تقلید سے ہوا و ہوس ہوئے اور دل میں خود مسیح بننے کا سر چشمہ موجیں مارنے لگا تو قرآن ہی کے دو سے حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے سے انکار کیا۔ اس سے نہ صرف الہامی صاحب کی استکاف بیانی ثابت ہوئی بلکہ ان کی قرآن دانی کی بھی اچھی طرح قلعی کھل گئی۔ اور استکاف بیانی کے متعلق خود ان کا قول موجود ہے کہ جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور پیدا ہوتا ہے۔ (براہین' حصہ پنجم' صفحہ ۱۸۱) اور سمجھتے ہیں کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نہیں نکل سکتیں کیونکہ ایک چشمہ سے ایک ہی قسم کا پانی نکلتا ہے"۔ (مسیح بھی' مولفہ قادیانی صاحب' صفحہ ۱۳۷)۔

مرزائی بیان کہ پہلے محض رسمی عقیدہ کی بنا پر عقیدۂ حیات مسیح کو تسلیم کیا تھا

اس اعتراض کے جواب میں مرزائی کہتے ہیں کہ "مرزا صاحب نے براہین میں محض رسمی عقیدہ کی بنا پر حیات مسیح کا خیال ظاہر کیا تھا لیکن بعد نزول کے بعد وحی الٰہی کی بنا پر اس عقیدہ سے دست بردار ہو گئے اور قبل از علم الہام سے عقیدہ کی غلطی ممکن ہے جس طرح سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قریباً دو سال تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تھے"۔ لیکن یہ خیال مرزائیوں کی بد اعتقادی ہے کیونکہ بیت المقدس انبیاء علیہ السلام کا قبلہ ہے اور قرآن پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے فبھداھم اقتدہ یعنی اے نبی آپ ہدایت میں انبیاء علیہ السلام کا اقتداء کیجئے۔ پس سید عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس کو قبلہ بنانا اجتہاد کا مقام تھا جو عمل صالح اور موجب ایمان تھا۔ ہاں کعبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قبلہ تھا اور آپ کی خواہش تھی کہ ہم کعبہ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ سو حق تعالیٰ نے اور وہ شفقت آپ کی اس خواہش کو پورا کر دیا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

قد نری تقلب وجهک فی السماء فلنولینک قبلة ترضاها فول وجهک شطر المسجد الحرام۔ (۲/۱۴۴)

ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف متوجہ کیے دیتے ہیں جس کے آپ خواہشمند ہیں۔ پھیر لیا منہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے

پس یہ کہنا کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبلی سے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے' اللہ و رسول کی شکایت اور بے ادبی ہے۔

براہین بمقابل خود علم و ماموریت ہو کر لکھی تھی

اور یہ خیال کرنا بھی غلط ہوگا کہ براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے محض وحی خفیہ کی بنا پر حیات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ کافر کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے بمقابل خود براہین علم و ماموریت ہو کر لکھی تھی اور اسے (بسند اللہ) کلام الٰہی قرار دیتے تھے اور جس وقت انہوں نے یہ کتاب لکھی تھی اس وقت بھی وہ بزعم خود مرسل چلے تھے۔ چنانچہ ان کے بیانات ناطقہ ہیں۔ سرمہ چشم آریہ (صفحہ ۲۰۴) میں لکھا کہ کتاب "براہین احمدیہ جس کو مولف (مرزا غلام احمد) نے خدا تعالیٰ کی طرف سے علم و ماموریت ہو کر لکھا ہے" اور واقع البلاء (صفحہ ۹) میں لکھا کہ "براہین احمدیہ" میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں آخری دنوں میں عالمگیر تجلیوں کا" اور "ازالہ اوہام" کے صفحہ ۱۰۰ پر لکھا کہ "خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں بھی اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی" اور رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" میں لکھا کہ "براہین احمدیہ" میں بھی یہ الفاظ کچھ تھوڑے نہیں۔ چنانچہ براہین کے صفحہ ۴۸۹ میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کہہ کر پکارا گیا۔ پھر اسی کتاب میں اس عاجز کے قریب ہی

ہے وہی ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔ اسی طرح "براہین احمدیہ" میں نور کی جگہ رسول کے لفظ سے اس ماجز کو یاد کیا گیا" اور حقیقت الوحی میں لکھا کہ میری کتاب "براہین احمدیہ" جو پانچ سال بعد میرے مامور اور مبعوث ہونے کے چھپ کر شائع ہوئی ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان کہتا ہوں کہ ٹھیک پانچ سو نوے ہجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا پھر سات سال بعد کتاب براہین احمدیہ" جس میں میرا دعویٰ مسطور ہے" تالیف ہو کر شائع کی گئی۔ (حقیقت الوحی" ص ۶۰۰)۔

پس ظاہر ہے کہ جو شخص بزعم خود رسول ہو اور اس نے کوئی کتاب علم و امور ہو کر لکھی ہو اور سات سال سے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہو چکا ہو وہ کبھی فقہ رسمی حنفیہ کا پابند نہیں ہو سکتا اور براہین احمدیہ تو وہ کتاب ہے جو بحسب زعم قادیانی صاحب جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بھی پیش ہو کر قبول ہو چکی ہے۔ چنانچہ الہامی صاحب براہین کے صفحہ ۴۸۸ حاشیہ ۱۱ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں" محمد عین کے ایک خواب ہے جس میں اس عاجز کو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ اس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک مرتی کتاب تھی جو خود اس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تم نے اس کتاب کا نام کیا رکھا ہے؟ خاکسار نے عرض کیا فلمی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب انکشاری کتاب (براہین احمدیہ) کی تالیف ہونے پر یہ کھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قلب بتاری کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے۔ جس کے کامل استحکام کو ثابت کرنے کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے"۔ الغرض ان سرچشمی بیانات سے ظاہر ہے کہ براہین میں کسی ایسے فقہ حنفیہ کا اندراج ناممکن تھا جو محض عوام کی تقلید میں قادیانی صاحب کے دل و دماغ میں جاگزین ہو گیا تھا۔ بلکہ جو کچھ لکھا حسب بیان خود خدا کی طرف سے علم و امور ہو کر پوری بصیرت کے ساتھ لکھا۔

کیا عقیدۂ حیات مسیح مشرکانہ عقیدہ ہے

قادیان کے الہامی صاحب نے ازالہ اوہام (طبع پنجم" ص ۳۳۰) میں لکھا کہ "حال کے

نجیبی' جن کے دلوں میں کچھ بھی حکمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی' یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ابن مریم کے کفنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام غلیں ہی اللہ ہیں۔ شاید ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس دعوے کی تحقیر کر کے کسی طرح اس کو باطل ٹھہرایا جائے لیکن یہ اس قدر حوالہ سے انکار کر کے اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تواتر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر غیر قوموں کی تاریخ کے رو سے بھی پایا جائے تو تب بھی ہمیں قبول کرنا ہی پڑتا ہے جیسا کہ ہندوؤں کے بزرگوں' رام چندر اور کرشن وغیرہ کا وجود تواتر کے ذریعہ سے ہی ہم نے قبول کیا ہے۔ گو تحقیق و تنقیح میں بعض لوگ شک بھی کرتے ہیں مگر باوجود اس قدر تواتر کے' جو ان کی مسلسل تحریروں سے پایا جاتا ہے' ہرگز یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ راجہ رام چندر اور راجہ کرشن فرضی نام ہیں"۔ اس کے بعد الہدیٰ صاحب ازالہ کے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں "یہ کمال درجہ کی بے حیائی اور بے شرمی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں اور ایسی تواتر بیان کو جو غیر الہامیوں میں بھی تمام ممالک اسلامیہ میں قبول کی گئی تھیں اور مسلمات میں سے سمجھی گئی تھیں' بے موضوعات داخل کر دیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے کفنے کی پیش گوئی ایک اعلیٰ درجہ کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں' کوئی پیش گوئی اس کے ہم پلہ اور ہم دوش ثابت نہیں ہوتی۔ تواتر کا اعلیٰ درجہ اس کو حاصل ہے۔ انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔ اب اس قدر تحقیق پر بھی کہنا اور یہ کہنا کہ یہ تمام موضوع ہیں' درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو خدا تعالیٰ نے بصیرت دینی اور حق شناسی سے کچھ بھی حظ اور حصہ نہیں دیا اور بباعث اس کے کہ ان لوگوں کے دلوں میں قال اللہ و قال الرسول کی عظمت باقی نہیں' اس لئے ہر بات ان کی اپنی سمجھ سے باہر ہو اس کو غلط اور تصنع میں داخل کر دیتے ہیں"۔ (ازالہ' ص ۳۳۶)

الہدیٰ صاحب کی ان تحریروں سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن مریم علیہ السلام کے نزول کی پیشین گوئی ایسی تواتر پیشین گوئی ہے جو غیر الہامیوں میں تمام اسلامی ممالک میں شائع و مشتہر تھی اور مسلمات اسلامیہ میں داخل تھی۔ یہ پیش گوئی صحاح کی تمام دوسری پیشین گوئیوں سے فائق و برتر ہے اور اس کو تواتر کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور بائبل بھی اس کی

صادق ہے۔ لیکن یہ تعجب ہوتا ہے کہ جب الٰہی صاحب نے خود سچ بولنے کا قصد کیا تو حضور نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کی صحت سے' جس کو بخاری و مسلم کا درجہ حاصل ہے' انکار کر دیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول کو نزول کی بجائے نکالی شروع کر دی اور اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ جہل خود نوشتی سے بے خوف ہو کر کمال دیدہ دلیری سے اس مسئلہ اسلامی عقیدہ کو کفر و شرک قرار دیا۔ چنانچہ "استفتاء" (ضمیمہ حقیقۃ الوحی) کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھا کہ "یہ کہنا بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے" یہ ایک شرک عظیم ہے جو لوگوں کو کھا جاتا ہے"۔ اور "توضیح المرام" صفحہ ۱۵ پر لکھا کہ تمہم نے لکھا ہے کہ یہ عقیدہ اہل حق اسلام بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں ہیں کہ کسی طرح عقیدہ مسیح ابن مریم کو موت سے بچا لیں"۔

کسی نبی نے کبھی شرک نہ کیا

اور لطف یہ کہ الٰہی صاحب ۱۹۱۸ء سے پہلے تک بلکہ انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور بلکہ ان کی عمر پانچ (۵۰) سال کی تھی' خود بھی اسی عقیدہ شرکیہ میں مبتلا تھے حالانکہ کوئی نبی نہ قبل از دعوائے نبوت شرک میں مبتلا ہوا اور نہ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد۔ چنانچہ خود الٰہی صاحب لکھتے ہیں "یہ کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ انبیاء کے آنے کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کے احکام پر چلائیں۔ اس لئے اگر وہ خود ہی احکام کی خلاف ورزی کریں تو وہ نبی نہ رہے"۔ (ضمیمہ "جلد اول" صفحہ ۱۸) اور خلیفۃ المسیح مرزا محمود احمد صاحب نے ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء کے خطبہ جمعہ میں بیان کیا کہ "ہر امام کو بچپن سے ہی شرک کے خلاف جہاد سکھایا گیا تھا۔ پیشتر اس کے کہ آپ نبی ہوتے اور پیشتر اس کے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پاتے" آپ کا نفس ہی ان باتوں سے متنفر تھا اور دراصل ہر نبی خدا تعالیٰ کی اسی قسم کی برکت پایا کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے ہر قسم کی شرکانہ باتوں سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھے۔ (الفضل' ۱۸ اپریل ۱۹۱۴ء) بہرحال چونکہ الٰہی صاحب حسب بیان خود چالیس سال کی عمر تک شرک رہے خود کوئی نبی شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتا' اس لئے

مرزا صاحب کاذب ہی تھے۔

اس کے جواب میں مرزائی لوگ اپنے مسیح اور عبدہ المسیح کے بیانات کو پیش کر دیا کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی غیر اللہ کی قسم کھانا شرک کا ارتکاب کرتے ہیں' چنانچہ صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھانا شرک ہے مگر کسی دوسرے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے باپ کی قسم کھانی جیسا کہ صحیح مسلم' صفحہ ۸۴ پر ہے۔ افلح وابیہ ان صدق (اس کے باپ کی قسم کہ اگر اس نے سچ کہا ہے تو نجات پا گیا ہے) مگر مرزائیوں کو یاد رہے کہ اس حدیث میں اللہ "رب" محذوف ہے یعنی حقیقت میں یوں ہے: افلح وورب ابیہ (اس کے باپ کے رب کی قسم کہ یہ نجات پا گیا۔ اس قسم کے محذوف کلام عرب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ یوسف میں ہے واسئل القریۃ (گاؤں سے پوچھ لے) حالانکہ نہ کوئی قابل اختصار اشیاء نہیں۔ پس اس آیت میں ایک لفظ "اہل" محذوف ہے۔ چنانچہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اہل والی سے پوچھ لے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط "غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی۔

اسلام پر قادیانی کا شرم ناک حملہ

نیز الہامی صاحب کا یہ کہنا کہ (علیہ) حیات مسیح علیہ السلام شرک ہے' اسلام پر اکثر دنیا کا شرم ناک حملہ ہے۔ اگر یہ بیان صحیح ہو تو اسلام میں ایک بھی صداقت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جب (سبحان اللہ) یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام میں ایسے عقائد شرکیہ (کفریہ) بھی موجود ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں نور ہر غیر الثبوت میں تمام ممالک اسلامیہ کے اور اسلامی مسلمات میں داخل تھے' ہر طبقہ کے مسلمانوں نے ان کو قبول کیا اور کسی خود دار کان کو ان مشرکانہ عقائد کی اطلاع نہ ہوئی اور ساری امت تیرہ سو سال تک مشرک چلی آئی۔ ہے شرم بھدین دین کے لیکن کسی کو احساس نہ ہوا کہ (علیہ) حیات مسیح شرک ہے تو ایسے دین کا (سبحان اللہ) کیا اعتبار ہے۔ کاش قادیانی حق فراموش جماعت ان نتائج و عواقب پر غور کرے۔

حکیم نورالدین سے مولانا بٹالوی کا پہلا مناظرہ

مفتی صدرالحق ابن مفتی صدر، مفتی ہادی علی ابن مفتی الٰہی بخش لاہور اور حافظ محمد یوسف ضلع وار گھمر تینوں نامور حدیث تھے۔ یہ تینوں دنوں سے مرزائی ہو گئے تھے۔ یہ کہ یہ تینوں حضرات نہایت متقدر و سرگرم قوی کارکن تھے اور لاہور کی مسلمانی تحریکوں میں سب سے پیش پیش رہتے تھے' اس لئے مولوی محمد حسین بٹالوی کو' جو ان دنوں لاہور میں ہی قیام فرما تھے' ان کے مرزائی ہو جانے کا بڑا قلق تھا۔ مولوی صاحب نے ان کو راہ راست پر لانے کی بیحد کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ جس طرح مولوی صاحب کی یہ دلی خواہش تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مرزائیت سے متنفر ہو جائیں اسی طرح ان کی بھی یہ آرزو تھی کہ کسی موقع پر مولوی صاحب کو حکیم نورالدین سے مقابلہ کرائیں اور ان پر ثابت کریں کہ مرزا صاحب کے دعاوی حق پر ہیں۔ (اکمالات الدین' جلد ۵' نمبر ۲' صفحہ ۱۸۱) اسی خیال کے ماتحت ایک مرتبہ حافظ محمد یوسف ضلع وار' مفتی صدرالحق ابن مفتی الٰہی بخش کو ساتھ لے کر جموں پہنچے اور اپنے حکیم صاحب سے درخواست کی کہ مولوی محمد حسین سے مناظرہ کریں۔ لیکن حکیم صاحب نے اس پیشکش کو قبول نہ فرمایا اور یہ لوگ ناامید واپس آ گئے۔

حکیم نورالدین کا دوبارہ لاہور اور مولانا بٹالوی سے مسئلہ حیات مسیح پر گفتگو

کچھ دنوں کے بعد حکیم نورالدین صاحب جموں کے ساتھ لاہور گئے۔ اس وقت حافظ محمد یوسف لاہور سے باہر گئے ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین نے سرے لوگوں کے توسط سے طالب مباحثہ ہوئے۔ مگر حکیم صاحب کچھ عذر کر کے امیر الدین سیالکوٹ کے پاس لدھیانہ چلے گئے۔ ۲۵ اپریل ۱۹۰۱ء کو مولوی فضل الدین گجراتی نے لدھیانہ سے آ کر مولوی محمد حسین کو بتایا کہ مرزا غلام احمد آپ سے مقابلہ کی زبردست تیاریاں کر رہے ہیں۔ دوسرے دن حافظ محمد یوسف بھی لاہور پہنچ گئے۔ اور حکیم نورالدین بھی لدھیانہ سے لاہور آ کر غلام امیر الدین مرزائی کے مکان پر فروکش ہوئے۔ رات کے دس بجے حافظ محمد یوسف نے مولوی محمد

حسین صاحب کو پیغام بھیجا کہ حکیم صاحب لودھیانہ سے واپس آ گئے ہیں۔ آپ صبح کو ملنی امیر الدین کے مکان پر ان سے گفتگو کر لیں۔ مولوی صاحب علی الصبح وہاں پہنچے۔ بعض متذکرہ علماء پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ مولوی صاحب نے دیکھا کہ مجمع کثیر ہے۔ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر حضرات تھے۔ مفتی محمد عبداللہ پروفیسر اورینٹل کالج لاہور' مولوی عبدالرحمٰن مفتی مولوی محمد بن یارک اللہ حنفی مفتی محکمہ کے ملیح نیوز پیپر' سید امیر علی امیر آنریری مجسٹریٹ کشمیر لاہور' شیخ خدا بخش جج دولت خانیہ لاہور' مولوی عبدالعزیز رکن انجمن حمایت اسلام لاہور۔ مولوی محمد حسین نے کہا بہتر ہے کہ اصل گفتگو سے پہلے بنیادی اصول طے ہو جائیں تاکہ اختلاف بحث میں ہاں کل کے رد و قبول میں اختلاف نہ ہو۔ حکیم نورالدین نے اس کو قبول کیا۔ مباحثہ کے بعد اصل گفتگو کا کوئی یوں ہوا۔

مولوی محمد حسین: ☐ عیسیٰ بن مریم اور دجال کا مفہوم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانوں میں کیا سمجھا گیا؟

حکیم نورالدین: ☐ تمام لوگوں کے کل دجال کی اطلاع نہیں۔

مولوی صاحب: ☐ میں نے تمام حوالہ کے اقوال پڑھے ہیں اور وہ کل اقوال۔ جن لوگوں کے اقوال پر آپ مطلع ہیں ان کا کیا خیال تھا۔

حکیم صاحب: ☐ لوگ ہیں ابن مریم سے عیسیٰ بن اللہ اسرائیلی مراد ہے اور دجال کے متعلق مختلف خیال ہیں۔ حضرت عمرؓ ابن صیاد کو دجال سمجھتے اور اس پر قسم کھاتے تھے۔

مولوی صاحب: ☐ اچھا یہ تو بتائیے کہ ابن مریم کا ☐ واحد ہے اس کے متعلق صحابہ و تابعین اور حوالہ بالا سے جہاں تک آپ کو علم ہے کیا سمجھا؟ دجال کے متعلق آپ نے ایک رائے تو بیان کی ہے' دوسری ظاہر نہیں کی۔ سوال یہ ہے کہ صحابہ و تابعین نے ابن صیاد کے سوا کسی دوسرے کو بھی دجال سمجھا

ہے یا نہیں؟

حکیم صاحب: مجھے یاد نہیں کہ ابن عباد نے کسی دوسرے کو بھی دجال کہا ہے۔

مولوی صاحب: عمدہ تیری ہی ابن مریم کا اللہ قرآن میں اور شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام مبارک میں اور صحابہؓ کی محفل میں جب بھی بولا جاتا تھا کیا وہی اسرائیلی عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہوتے تھے یا کوئی اور بھی کسی کے خیال میں آتے تھے؟

حکیم صاحب: قرآن میں جہاں کہیں عیسیٰ بن مریم کا اللہ کیا ہے وہاں وہی اسرائیلی ابن مریم سمجھے جاتے تھے لیکن احادیث میں جو ابن مریم کا اللہ وارد ہوا ہے' میں نے صحابہؓ کی جانب سے اس کی تشریح نہیں دیکھی کہ وہ اس سے عیسیٰ ابن مریم مراد لیتے تھے یا واقعی اسرائیلی نبی عیسیٰ بن مریم سمجھتے تھے۔

مولوی صاحب: آپ پہلے تسلیم کر چکے ہیں کہ ہر سچی بشارتی اللہ سے سمجھے جاتے ہیں وہاں قرآن و حدیث میں مراد ہیں۔

حکیم نور الدین کی شاطرانہ چالبازی

جب محفل یہاں تک پہنچی تو حکیم صاحب نے بھانپ لیا کہ مولوی صاحب نے ان کے گلے کا رسہ بد کر لیا اور وہ اپنی چالبازی چھوڑ کر ان کی چھاتی پر سوار ہونے والے ہیں تو بہت کچھ حیلہ بہانا تراش کر جلدی سے باہر نکل بھاگے۔ تھوڑی دیر تک حکیم صاحب کا انتظار کیا گیا مگر وہ نہ آئے۔ آخر انتظار شروع کے بعد مولوی محمد حسین اور متقی عبداللہ کے سوا تمام لوگ چلے گئے۔ جب حکیم صاحب کو گئے کافی ایک گھنٹہ گزر گیا تو مولوی محمد حسین نے حافظ محمد یوسف سے فرمایا بہت دیر ہو گئی' ہم بھی جاتے ہیں۔ اگر حکیم صاحب جماعت تحریف لائیں اور مباحثہ کرنے پر رضامند ہوں تو ہمیں اس کی اطلاع کر دینا۔ حکیم صاحب چار بجے تک واپس نہ آئے۔ بعض حضرات نے حکیم صاحب کی تلاش میں

حاضر ہو کر بیعت کی ترغیب دی لیکن حکیم صاحب جو گفتگو پر کسی طرح راضی نہ ہوئے اور مرزا صاحب کے پاس لدھیانہ چلے گئے۔ ۲۷ اپریل ۱۸۹۱ء کو مولوی صاحب نے مرزا صاحب کو تار دیا کہ آپ کے حواری حکیم نورالدین صاحب نے مباحثہ شروع کیا اور بھاگ گئے یا تو ان کو واپس بھیجئے یا خود مناظرہ کے لیے آئیے۔ سنا گیا ہے کہ آپ نے انکسار کمائی۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۴' صفحہ ۳۱۔۳۶)

حکیم نورالدین کے فرار کے متعلق "اظہار حکم" کا سفید جھوٹ

مفتی یعقوب علی "اظہار حکم" سابق مکرمات احمدیہ نے حکیم نورالدین کے فرار پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

"مرزا امان اللہ صاحب' مفتی امیرالدین صاحب' مفتی عبدالحق صاحب' پیر الٰہی بخش صاحب' حافظ محمد یوسف صاحب' مفتی محمد یعقوب صاحب وغیرہم کا مجمع احباب تھا۔ یہ پہلے سب کے سب اہل حدیث تھے اور حضرت مسیح موعود کے ساتھ دانیس' قل اور دعوی مسیحیت میں شریک تھے۔ آپ کی خدمت دین کے بدل معترف اور مالی خدمت اور اعانت میں حصہ لیتے تھے۔ دعوی مسیحیت پر بھی ان کے حسن ظن میں فرق نہیں آیا۔ لاہور میں مخالفت کا زور تھا اور مولوی محمد حسین صاحب کو اپنی اس پارٹی ریاست کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا صدمہ تھا' اس لیے ان لوگوں نے چاہا تھا کہ مولوی محمد حسین سے حضرت حکیم خلیفہ (حکیم نورالدین) کی گفتگو ہو جائے۔ اس جلسہ احباب میں قبولیت کے لیے حضرت حکیم خلیفہ نے حضرت مسیح موعود کو' جو لدھیانہ میں مقیم تھے' لکھا تھا۔ مولوی صاحب لاہور میں گفتگو کر کے لدھیانہ چلے گئے تھے اور ان احباب کی اجازت سے گئے تھے مگر مولوی محمد حسین نے قرار کا نہ دیا۔ غرض یہ بڑے معرکہ کا مجمع تھا۔" (مکرمات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' صفحہ ۱۸)

مولانا بٹالوی کے مقابلہ سے ملہم قادیانی کا فرار

مولوی محمد حسین کے مکر کے جواب میں قادیانی صاحب نے ۱۸ اپریل ۱۸۸۸ء کو اپنے ایک خاص قاصد کے ہاتھ مولوی صاحب کے نام ایک مکتوب روانہ کیا جس میں بہت سے طول طویل دلائل کے بعد لکھا تھا کہ اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ ضرور بحث ہونی چاہیے تو یہ عاجز ہر وقت حاضر ہے۔ مگر تحریری بحثوں میں عموماً طرح کا تکلف ہوتا ہے' مرزا تحریری بحث ہونی چاہیے اور وہ یوں ہو کہ مساوی طور پر چار دن تک ہر آپ جو چاہیں لکھ کر پیش کریں اور لوگوں کو بلا تردد شائع کر دیں۔ اور ایک مجلس اس کی اپنے دستخط سے لکھ دے دیں۔ پھر بعد اس کے بھی چار دن پر اس کا جواب لکھوں اور لوگوں کو سنا دوں۔ ان دنوں پرچوں پر بحث ختم ہو جائے۔ اور فریقین میں سے کوئی شخص ایک لفظ بھی تحریری طور پر اس بحث کے بارہ میں نہ لکھے۔ اور یہ تحریر بھی ہو اور یہ مرزا ہو اور انہی دنوں پرچوں پر بحث ختم ہو جائے۔ اگر آپ کو ایسا منظور ہو تو میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ امن قائم رکھنے کے لیے انتظام کرا دوں گا۔ اگر آپ نہ مانیں تو آپ کی طرف سے گریز متصور ہوگی۔ مکرر یہ کہ یہ مرزا ہو ہوں گے۔ اول آپ کی طرف سے جو ہے ان دنوں میں بحث کو بند ہوگا تو میں نے لکھا ہے کہ میں مسیح نہیں ہوں اور نہ یہ کہ حقیقت مسیح ابن مریم در حقیقت ثابت ہو گئے ہیں۔ اور پھر اس بند کے لیے میری طرف سے شرط ہوگی۔ اور بلکہ اس طریق کے جس کے انصاف کی بناء اور نیز امن رہنے کے لیے احسن انتظام ہے اور کوئی طریق اس عاجز کو منظور نہیں۔ اگر یہ طریق منظور نہ ہو تو پھر ہماری طرف سے یہ آخری تحریر تصور فرمائیں اور خط بھی لکھنے کی تکلیف روا نہ رکھیں اور بجائے اظہار ہر گز کوئی تحریر یا کوئی خط میری طرف نہ لکھیں۔ اگر پوری اور کامل طور پر بلا کم و بیش میری ہی رائے منظور ہو تو صرف اس حالت میں جواب تحریر فرمائیں ورنہ نہیں۔ فاکسار غلام احمد عفی عنہ۔

مولانا بٹالوی کو جواب الجواب کا موقع نہ دیے جانے کی حیلہ گری

اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنے ایک اشتہار مورخہ ۲۰ مئی ۱۸۸۸ء میں (جو تبلیغ

رسالہ' جلد ۲' صفحہ ۵۸۔۵۹ میں درج ہے ـــــ راقم)۔ شرائط اور یہ ہیں:

(۱) مجلس بحث میں کوئی پریذیڈنٹ یا صدر مجلس نہ ہو اور نہ کوئی پولیس کا سپرنٹنڈنٹ بھی ہو۔

(۲) سوال جواب لکھنے والا کوئی تیسرا شخص ہو۔ (اشاعۃ السنۃ' جلد ۱۰' صفحہ ۵۲)

لاہوری صاحب کی اس تحریر کا ماحصل یہ ہے: "جب یہ مولوی صاحب کی تحریر کا جواب دے چکیں تو مناظرہ ختم کر دیا جائے اور مولوی صاحب کو جواب الجواب کا حق نہ دیا جائے"۔ ظاہر ہے کہ یہ کس قدر غیر منصفانہ تجویز تھی اور لاہوری صاحب نے اپنی کہ انگریزی عدالتوں میں بھی جا کر دیکھو تو آپ کو معلوم ہوگا کہ پہلے مدعی یا مدعا علیہ گواہ یا وکیل تقریر کرتا ہے' پھر فریق ثانی اس کو جواب دیتا ہے۔ پھر فریق اول کو جواب الجواب کا موقع دیا جاتا ہے۔ جب انہاں صاحب مولوی صاحب کو اس بات کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے کہ ان کے دلائل کی تردید کریں تو پھر مباحثہ ہی بے معنی تھا اور اس پر کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا تھا۔

باب ۱

علماء لدھیانہ کو مناظرہ کا چیلنج

انہاں صاحب نے ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں علماء لدھیانہ کو مناظرہ کا چیلنج تھا۔ اس اشتہار میں لکھا ہوا تھا کہ اکثر یہ بات سنا ہے کہ لدھیانہ کے بعض مولوی صاحبان' جیسے مولوی عبداللہ صاحب' مولوی محمد صاحب' مولوی عبدالحق صاحب' مولوی عبدالرحمٰن صاحب' مولوی عبدالرحیم اشرف صاحب' مولوی شمس دین صاحب اس مسئلہ میں اس عاجز سے مخالف ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور آنے والا مسیح جس کی خبر دی گئی ہے وہ حقیقت مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ مثیل اور بمعنی ظلی ہے مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہے اور اس عاجز نے یہ بھی سنا ہے کہ بعض مولوی صاحبان موصوفین اکثر اوقات منبر پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ کہتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ کا ہم سے بحث کرے۔ ہم بحث

کے لئے تیار ہیں۔ لیکن افسوس کہ تحریری بحث کو بھی بعض طرح سے اس پر قبول نہیں کرتے۔ بلکہ ایک خود طریق سہل و آسان تجویز کر کے اختیار بھی شائع کیا جاتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم وہ طریق لکھیں پہلے اس بات کا ظاہر کرنا ضروری ہے کہ سب سے اول بحث کرنے کا حق مولوی عبدالحق صاحب کو ہے کیونکہ وہ شہر کے علمی اور اکثر لوگوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں' وہ بار بار جامع مسجد میں ہر سہ خبر اخبار بھی دے چکے ہیں کہ ہم بحث کو تیار ہیں' کیوں ہم سے بحث نہیں کرتے۔ اور در حقیقت ان سے بحث کرنا نہایت ضروری بھی ہے کیونکہ تمام شرفہ میلاد کی نظر انہی پر ہے۔ سو یہ حاجز بطلان ان کے بحث کے لئے بطرز اخبار حق تیار ہے۔ اب ان کے مریدوں اور معتقدوں کو بھی صاحب بلکہ یہی فرض ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو بحث کے لئے تیار کریں اور اگر کسی کمزوری کی وجہ سے وہ گریز کریں تو اس گریز سے ان کی اصلی حالت اور علمی کمالات کا اندازہ اہل بصیرت خود ہی کر لیں گے۔ باری طرف سے تو مولوی صاحب موصوف کو بحالت ان کے حاجز ہو جانے کے یہ بھی اجازت ہے کہ اگر آپ بحث کرنے کا حوصلہ نہ رکھیں تو اپنے برادر حقیقی مولوی محمد صاحب سے بحث کرنے کے لئے مستعد ہوں۔ اور اگر وہ بھی بوجہ اپنے کسی حالت بیماری کے جس کو وہ خود لکھ بھیجیں گے جواب دے دیں تو پھر اپنے دوسرے بھائی مولوی عبداللہ صاحب کی خدمت میں اٹھا لے جائیں۔ اور اگر وہ بھی نہ مانیں تو پھر بحالت بیماری مولوی حکیم احمد صاحب مدرس بالی سکول کی خدمت میں دوڑیں اور اگر وہ بھی حالت جواب دیں اور وقت پر کام نہ آئیں تو یقین ہے کہ درجہ دوم کے علمی صاحب یعنی مولوی شاہ دین صاحب ایسے اضطراب کی حالت میں ضرور کام آئیں گے اور اگر وہ بھی گریز کر جائیں تو پھر مولوی شاہ دین صاحب اپنے استاد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں درخواست کریں اور اگر وہ بھی خاموش رہیں تو پھر کہہ قال حدیث کے بیچ و برگشت حضرت مولوی محمد حسین صاحب رئیس اعظم لدھیانہ ہیں' ان کی طرف سب کو رجوع کرنا چاہیے۔ ان کو اختیار ہوگا کہ چاہیں تو بذات خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی طرف سے مولوی سید محمد حسین صاحب بٹالوی کو بحث کے لئے مقرر کر دیں۔ (مرزا غلام احمد لدھیانہ' اشاعۃ السنہ' جلد ۷ صفحہ ۵۸-۵۹)

باب ۲

علماء لدھیانہ کا مطالبہ کہ قادیانی پہلے اپنے اسلام کا ثبوت پیش کرے

اس اعلان کے جواب میں جو باب سابق میں درج ہوا علماء لدھیانہ نے ایک اشتہار زیر عنوان فیصلہ وللہ والا بھیجا شائع کیا جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھا:

"مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اس مضمون کے اشتہار شائع کر رہے ہیں کہ میری موجودگی میں مولوی محمد اور مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالحق دیوبندی مجھ سے مناظرہ کر لیں۔ اس کے جواب میں التماس ہے کہ ہم نے بمعہ میں قبول کیا تھا کہ مرزا صاحب دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اس کے مقابلہ اپنے رسالہ تصریف الابرار اور فیصلہ کن میں بدلائل قویہ متین ثابت کر چکے ہیں کہ یہ شخص اور اس کے ہم مشرب لوگ دائرہ اسلام میں داخل نہیں اور مرزا یہ قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ یہ لوگ مرزا صاحب کے مقابلہ پر مناظرہ کرنے جائیں وہ شرعاً کافر ہیں۔ پس قادیانی صاحب کو لازم ہے کہ مناظرہ کے لیے کسی دیکھ شخص مثلاً شاہزادہ محمد صاحب یا خواجہ حسن نظامی یا کسی اور دیکھ کا مکان تجویز کر کے ہمیں بھی مطلع فرمائیں کہ ہم اس مقام پر آکر ہم سے مناظرہ کر لیں۔ چونکہ ہمارے نزدیک قادیانی صاحب دائرہ اسلام سے خارج ہیں لہٰذا ان کو سب سے پہلے اپنا اسلام ثابت کرنا پڑے گا۔ اور اگر انہوں نے اپنا مسلمان ہونا ثابت کر دکھایا تو پھر ان کے بیعتی موجود ہونے پر مناظرہ ہوگا۔ اگر مرزا صاحب بوجہ علمی بے بضاعتی کے خود مناظرہ کر سکیں تو اپنے جنیسوں کو ساتھ لے کر میدان مناظرہ میں آئیں۔ اور اگر میدان کی تصریف و تیاری کافی نہ ہو تو پھر ان اہل علم حضرات کو ساتھ لے کر میدان مباحثہ میں تشریف لائیں جو ان کو دائرہ اسلام میں داخل سمجھتے ہیں۔ سب سے پہلے جلسہ اول میں مباحثات بحث لے کی جائیں گی اس کے بعد اصل موضوع پر مناظرہ ہوگا۔ اگر مرزا صاحب کو اپنا

اسلام ثابت کرنے میں دشواری ہو تو ہم ان کی خدمت میں نہایت آسان طریقہ پیش کرتے ہیں' اس کو اختیار کر لیں۔ اس میں ان کا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ کلوانی صاحب ہمارے خرچ پر ہمارے ساتھ مکہ معظمہ یا مدینہ چلے چلیں اور وہاں دریافت کریں کہ جس شخص کے یہ عقیدے ہوں وہ تمہارے نزدیک دائرۂ اسلام میں داخل ہے یا خارج؟ اگر مرزا صاحب کو یہ پابندی شرائط منظور کرنا منظور ہو تو عید یا بعد کے حج میں حاضر ہو کر مختلف کر لیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی بات بھی منظور نہ ہو تو لازم ہے کہ اپنے اشتہار کلیتہ سے تائب ہوں اور اپنی توبہ کا اعلان کر دیں۔ الغرض ہماری تحریر اتمام حجت و جھوٹ کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ شخص مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اہل اسلام کو ایسے شخص سے ارتداد رکھنا حرام ہے۔ جیسا کہ ہر ایک دیکھنے کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے اسی طرح وہ لوگ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں جو اس کے معتقد یا حامی ہیں اور ان کے نکاح باقی نہیں رہے۔ کتب فقہ میں یہ مسائل باب مرتد میں مرقوم" ذکر ہیں۔ جب ہم نے مضمون میں کلوانی صاحب کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا تھا تو لوگ کہتے تھے کہ یہ مولوی خود ہی ہیں مگر خدائے قدوس نے ہمارے قول کی صداقت خود مولوی محمد حسین بٹالوی کی تحریروں سے ظاہر کر دی ہے ان ایام میں کلوانی کے سب سے بڑے حامی تھے اور جملہ علماء مکہ معظمہ نے بھی باتفاق کلوانی کو کافر و بے دین قرار دیا۔ اب وہ باشکم کلاں لاہور' جو مرزا صاحب سے حسن اعتقاد رکھتے ہیں یا وہ لوگ جو مرزا صاحب کے کفر و ارتداد میں متردد ہیں' کلوانی صاحب کو ہمراہ لے کر ہمارے پاس آئیں اور گفتگو کر لیں"۔

المشتہرین: مولوی محمد' مولوی عبداللہ' مولوی عبدالحق' ساکنین لودھیانہ'
۲۰ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ

مشورہ کے لیے حکیم نورالدین کی طلبی

جب علماء لودھیانہ کی طرف سے مندرجہ بالا اشتہار شائع ہوا تو مرزا صاحب سب سے

بھول گئے اور عالم اضطراب میں اپنے دست راست حکیم نورالدین صاحب کو جنہیں سات سال کی عمر میں قادیانی صاحب کے ذریعہ سے غلبی امر جان ساکن لدھیانہ کی دادی سلمہ دختر ہاتھ لگی تھی فوراً قرار دینے کے لیے لاہور سے طلب فرمایا۔ حکیم صاحب نے مرزا صاحب کا اشتہار چھپا اور اس کا لکھ توڑ جوابی اشتہار کا بھی مطالعہ کیا تو علاقہ لدھیانہ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے کہا کہ ان مولویوں کو قائل بنانے میں آپ سے تو گفتگو ہوگی۔ ان مولویوں سے ہم کسی طرح صدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ جب تک کہ صداقت کی صداقت میں آپ کے ایمان اور اسلام پر مباحثہ ہوگا اور قائلوں کی طرف سے علماء دین کا تواتر سے تکفیر بھی چلی ہوگا تو جماعت ہمارے فریق پر کفر اور زندقہ کا حکم لگا کر فریق ثانی کو کامیاب قرار دے گا اور اس طرح ہمارے سب کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ پھر کوئی شخص ہم سے مسئلہ حیات و ممات مسیح اور دعوائے مسیح موعود کے متعلق بھی مخاطب نہیں کرے گا کیونکہ یہ ایمان کا صحیح ہونا دانا امکان سے خارج ہے۔ البتہ ان مولویوں سے مخاطب کرنے میں حرج نہیں ہے ہم کو مسلمان جانتے ہیں کیونکہ ہم ان سے بالمقابل حیات و ممات مسیح علیہ السلام کے مسئلہ پر بحث کر سکتے ہیں اور بہترین صورت یہ ہے کہ آپ کسی طرح مولوی محمد حسین بٹالوی سے مباحثہ کریں کیونکہ وہ آپ کے اسلام کا اقرار کر چکے ہیں۔ (حقائق نادر، صفحہ ۲۲)

باب ۳

مولانا بٹالوی کی طرف سے قادیانی صاحب کو راہ راست پر لانے کی جدوجہد

دعوی مسیحیت کے بعد جب مرزائی ان زنجیروں سے نجات کرنے لگیں تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بحیثیت پرانی سوسائٹی کا لحاظ کر کے اور بگڑے ہوئے کو سنبھالنے کی کوشش کی اور کہ کسی طرح کہ راہ کو راستے پر لگانا بہت بڑا کار ثواب ہے۔ فرمایا کہ مرزا صاحب کو راہ راست پر لانے کی از سر نو کوشش کی جائے۔ ان ایام میں مولوی صاحب لاہور میں اشاعت السنۃ اور سہ

مجلس کے مطلب تھے ایک دن کسی کام سے امرتسر گئے تو کسی نے بیان کیا کہ مرزا غلام احمد نے اپنے دعوی کے متعلق ایک نیا رسالہ لکھا ہے جس کا نام "فتح اسلام" ہے اور وہ رسالہ امرتسر کے مطبع "ریاض ہند" میں چھپ رہا ہے۔ مولوی صاحب نے اس کے پروف منگوا کر پڑھے تو معلوم ہوا کہ یہ کمبخت تو ایمان کفر اسلام کے شارع عام سے اور بھی بڑھ چلا ہے اور عزم مصمم کر لیا کہ اس شخص پر اس کی قلعی کو واضح کریں۔ چنانچہ لاہور واپس آ کر ۲۰ جنوری ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب کے نام ان کے دعوی کے متعلق ایک چٹھی لکھی۔ الہامی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا بائیس پائیں۔ مولوی صاحب نے پھر جواب الجواب لکھ بھیجا۔ غرض اسی طرح یہ دعائی سید لکھ لکھ کر لکھتے رہے۔ لیکن لکھا پڑھی میں بھی بھلا کب چوکنے والے تھے ثناءاللہ صاحب پر اس الہام و تفہیم کا کچھ اثر نہ ہوا۔ یہ رسالہ "اظہار الحق" جلد ۲ نمبر ۲ کے صفحہ ۲۳۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۸۸ تک چلی گئی ہے۔ آخری الفاظ میں مثیل صاحب کے اخلاق بھی ظاہر ہونے لگے اور یہ گالیوں پر اتر آئے اور غضب تھا یہ کہ مولوی صاحب کو الجھ کیا کہ یہ ان سے مباہلہ کر لیں۔

ثناءاللہ صاحب کا بیان ہے کہ انہی ایام میں مولوی محمد حسین نے بعض احباب کے سامنے عالم برہمی و تنگی میں کہا کہ میں نے ہی اس شخص کو بلند کیا تھا اور اب میں ہی گرا دوں گا۔ (فتنہ گولڑویہ، مباحثہ مرزا غلام احمد صاحب، صفحہ ۹) اگر ثناءاللہ صاحب کا بیان سچ ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب ہی کے پیدا کئے ثناءاللہ نے مرزا کو یہ عروج دلایا تھا لیکن مولوی صاحب کی یہ توقع پوری نہ ہو سکی کہ یہ اس کو سرنگوں بھی کر سکیں گے۔ کیونکہ جن لوگوں کے مزاج میں ہو جانے سے مرزا صاحب کو دعوی و مجادلہ اور مباہلہ نصیب ہوئی وہ مولوی صاحب ہی کی زبان قلم سے مرزا صاحب کی مدح و توصیف سن کر مرزا خیف کے حلقہ بگوش ہوئے تھے اور تعجب کی بات ہے کہ مولوی صاحب سے اتنا بڑا کی خیانت اور حسن اعتقاد رکھتا ہے۔ پس یہ ایک موہوم امر تھا کہ مرزائی ہو جانے کے بعد یہ لوگ ثناءاللہ صاحب کے دام تزویر سے نکل جاتے۔

مولانا بٹالوی کا ورود لدھیانہ اور
قادیانی صاحب کو مناظرہ کا چیلنج

مرزا صاحب نے لدھیانہ سے کوچ نقل کرتے ہوئے مولوی محمد علی مراد کو انہیں مناظرہ کا جو چیلنج دیا اس میں یہ بھی لکھا کہ مولوی محمد حسین لدھیانوی بذات خود بحث کریں یا اپنی طرف سے مولوی محمد حسین بٹالوی کو بحث کے لیے وکیل مقرر کر دیں۔ جب مولانا بٹالوی کو اس چیلنج کا علم ہوا تو انہوں نے مولوی محمد حسین کو لکھا کہ آپ مرزا غلام احمد کو تحریری اطلاع دیں کہ سچ حسین بٹالوی مرحوم کی جگہ کو پہنچ جائے ہوئے لدھیانہ آئے گا اگر اس سے مناظرہ کرنے کی تو فعل ہو تو جہاں سکتا ہے آجائیے گا۔ اور اگر آپ خود نہ آسکیں تو جس کو آپ کے وکالت کردہ پر لے آئیں گے اگر مرزا غلام احمد مقرر کریں تو بلا مناظرہ کے لیے حاضر ہے"۔

اس کے بعد مولوی محمد حسین صاحب مرحوم کی جگہ کو دھیانہ پہنچ گئے اور جاتے ہی مولوی محمد حسین کو مرزا صاحب کے پاس اپنا سفارت بنا کے کر بھیجا اور انہی کی طرف سے اس مضمون کا رقعہ لکھوا کر ان کے ہاتھ بھیجا کہ حسین الفاظ سے مولوی محمد حسین لدھیانہ آئے ہیں ہر سچ کی گیارہ بجے ان کی کوٹھی سے پہنچ جائیں گے۔ اگر آپ ان سے مناظرہ کرنا چاہیں تو جہاں سکتا ہے تشریف لے چلئے مگر مولوی صاحب مناظرہ سے پہلے آپ سے چند بنیادی اصول طے کرائیں گے۔ آپ کو اس اعتبار ہے کہ جو اصول چاہیں ان سے تسلیم کرا لیں۔ موضوع بحث یہ ہوگا کہ کیا وہ مسیح جس کے قدوم کی احادیث میں بشارت دی گئی ہے' آپ ہیں۔ مولوی محمد حسین نے تاکید کر دی تھی کہ مرزا صاحب اس کا جواب دن سے لکھوا لیجئے تاکہ کوئی زبانی پیغام نقل اختلاف نہ ہو سکے

مرزا صاحب کی ضد کہ گفتگو مسئلہ حیات و ممات مسیح پر ہو

اس کے جواب میں مرزا غلام احمد نے یہ رقعہ لکھا کہ "یہ عاجز بغرض تحریری مناظرہ

کے لیے صحیح ہے۔ اصل بحث کرنے کو بھی میں مانتا ہوں۔ چند سوال آپ کی طرف سے' چند سوالات میری طرف سے ہوں اور امر بحث حیات یا حیات مسیح ہو۔ کیونکہ اس عاجز کا دعویٰ اسی بنا پر ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ دعویٰ خود ثابت ہو جائے گا۔ اصل امر رہی ہے' اس وقت بار بار تک لکھنے یا بحث کے کاموں کے بالمثل فرصت نہیں۔ بہتر ہے کہ آں مکرم عید کے بعد یعنی قلیل کا دن بحث کے لیے مقرر کریں' تا فرصت اور فراغت سے ہر ایک شخص حاضر ہو سکے"۔ اس کے جواب میں مولانا ہادی صاحب نے الہامی صاحب کو لکھوا بھیجا کہ "آپ کے اشتہار میں دونوں دعوے ہیں۔ حضرت مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعت کا دعویٰ خود آپ کے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ۔ ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ ثابت ہو جائے جیسا کہ آپ کے خط میں مرقوم ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ کے مسیح موعود ہونے پر بحث ہو۔ پھر حضرت ابن مریم کی حیات و ممات پر گفتگو ہو۔ آپ اشتہار میں یہ دونوں دعوے کر چکے ہیں تو آپ دوسرے دعوے کی بحث سے ہی کیوں پرانے ہیں۔ آپ کو لازم ہے کہ اپنے اعلان کے بموجب دونوں دعاوی پر بحث کرنے کو مستعد رہیں اور ہماری اس تجویز کو کہ پہلے آپ کے مسیح ہونے پر بحث ہو منظور کریں۔ کیونکہ علم اصول مناظرہ کا یہ التزام ہے کہ آپ کے جس دعوے پر چاہیں پہلے بحث کریں۔ ہاں اگر آپ اپنے دوسرے دعوے سے دست بردار ہو جائیں اور اس دست برداری کے متعلق عام اعلان کر دیں تو ہم آپ کے اسی پہلے دعویٰ پر بحث کرنے کو تیار ہیں"۔

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے صرف اتنا لکھ بھیجا کہ "آپ مسیح کا زندہ ہونا کلام الٰہی سے ثابت کریں گے تو میں اپنے دوسرے دعوے سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ اور اپنے الہام کو کہ مسیح فوت ہو گیا ہے شیطانی القاء سمجھوں گا"۔ مولانا نور حسین صاحب نے اس کے جواب میں لکھوا بھیجا کہ "آپ نے اپنی تمام تحریروں اور اشتہاروں میں یہ دونوں دعوے الگ الگ مستقل حیثیت سے کیے ہیں بلکہ اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ دوسرے سے مقدم رکھا ہے۔ تبھی آپ اس دعوے کو پہلے دعوے کی فرع اور اس کے تابع قرار دیتے ہیں' پس آپ صاف لفظوں میں کہہ دیں کہ ہم نے اس دعوے کو مستقل ٹھہرانے میں غلطی کی۔ اس اقرار و اعتراف کے بعد آپ کا فرض ہوگا کہ آپ بمقابلہ مسیح علیہ السلام کو

[illegible] کریں۔ ہم آپ کے دعوے کو تسلیم کر لیں گے"۔ مرزا صاحب نے اس خط کا جواب دینے سے صاف انکار کیا اور ۱۸ مئی تک مرزا صاحب کی زبان پر مہر سکوت لگی رہی۔ اس بنا پر ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ مرزا صاحب نے مناظرہ پر فرار کو ترجیح دی ہے۔ (اشاعۃ السنہ، جلد ۱۳، صفحہ ۱۸۱)

پٹیالوی عہدیدار کے مجبور کرنے سے اپنے دعوائے مسیحیت پر بحث کرنے کے لیے کادیانی

جب الٰہی صاحب کے پٹیالوی عہدیدار کو اپنے مقتدا کی گرج و فرار کا علم ہوا تو انہوں نے لودھیانہ آ کر مرزا صاحب کو مباحثہ پر مجبور کیا۔ انہوں نے خواہ مخواہ کادیانی کا پیر اور بزرگ بنا کر ۱۸۸۸ء مولوی محمد حسین بٹالوی کو لکھ بھیجا کہ لکھ اپنے دعوائے مسیحائی پر مناظرہ کرنا منظور ہے لیکن اس مرتبہ بھی یہ کہہ کر اپنی گرج کا ایک راستہ نکال لیا کہ درمیانی شرائط کا فیصلہ مناظرہ سے ایک روز پیشتر ہو گا۔ مولانا بٹالوی کو سارا اس کی اطلاع دی گئی۔ انہوں نے ۲۰ مئی کو مولوی محمد حسین لودھیانوی کے نام قبول مناظرہ کے متعلق خط لکھ دیا اور اس میں مرزا صاحب کی دو گرج بھی مولوی محمد حسین کو یہ ہدایت کر کے ارسال کر دی کہ مرزا صاحب سے شرائط چاہتے ہیں یہ مناظرہ سے ایک دن پہلے آپ کے ساتھ طے کر لیں۔ لیکن ہو کر یہی موقع پر کسی شرط کی ناضروری کے حیلے سے انہیں بھاگ فرار کا موقع مل جائے۔ (اشاعۃ السنہ، جلد ۱۳، صفحہ ۱۸۱-۱۹)

باب ۱۵

مناظرہ لدھیانہ

مرزا صاحب پر آخر مرتبہ ۱۸۸۸ء کل شرطیں طے کر کے مباحثہ کو ٹالتے رہے۔ مگر آخری مرتبہ مولانا بٹالوی صاحب نے مولوی محمد حسین سے کہہ دیا کہ آپ جن کی ہر شرط

منظور کر لیں۔ (مرزا صاحب جو پہلے شرائط پیش کر کے مباحثہ کو ٹالتے رہے' ان کی تفصیل اشاعۃ السنہ' جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۲ میں ملاحظہ فرمائیے) آخر ۲۷ جولائی ۱۸۹۱ء کو مولانا محمد حسین بٹالوی نے جلسہ میں مرزا صاحب کے قریبی عزیز نواب دلاور کے مکان پر' جن کے پاس مرزا صاحب اقامت فرما تھے' جا پہنچے اور انہیں مقابلہ پر مجبور کر دیا۔ یہ مباحثہ تحریری تھا جو ۲۸ جولائی سے شروع ہو کر ۱۴ دن تک جاری رہا۔ پہلے تین دن مولوی صاحب مرزا صاحب کے خسر کے مکان پر جاتے رہے اور پھر تین دن تک مرزا صاحب کو مولوی صاحب کے قیام گاہ پر بلایا گیا۔ دوران مباحثہ میں مرزا صاحب نے یہ حیلہ نکال کر بڑا شور مچایا کہ مولوی محمد حسین بحث سے باہر نکل گئے لیکن انہیں اس کوشش میں کامیابی نہ ہوئی۔

قادیانی صاحب اس سوال کو بارہ دن تک ٹالتے رہے کہ صحیحین کی تمام حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں؟

مولانا بٹالوی نے مرزا سے ایک یہ سوال پیش کر رکھا تھا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں؟ مرزا صاحب قال قیل کرتے رہے اور صاف لفظوں میں اس کا جواب نہیں دیتے تھے۔ مرزا صاحب بارہ دن تک برابر غیر متعلق باتوں میں جواب کو ٹالتے رہے کیونکہ انہوں نے پہلے سے طے کر رکھا تھا کہ اصل سوال کا جواب نہیں دیں گے۔ آخر جب عام طور پر ظاہر ہوا کہ قادیانی صاحب ۱۱ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہے ہیں تو ان کا ہر طرف سے رد ہونا شروع ہو گیا اور ہر جائی اور رسوائی نے مرزائیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جب امرتسر اور لاہور کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے سے جی چرا رہا ہے تو قادیانی صاحب کے ایک حواری حافظ محمد یوسف ضلع جالندھر صاحب نے مرزا صاحب کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں' ان سوالات و جوابات میں تو آپ ذلیل ہو رہے ہیں اور فریق ثانی آپ کی آبرو ریزی میں لگا ہوا ہے۔ ان سوالات و جوابات سے مولوی محمد حسین کا مقصد ہی یہی ہے کہ آپ کو ذلیل کریں۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کو جلد بند کر

رہتے ورنہ اور زیادہ ذلت ہوگی۔

ثناءاللہ صاحب کا میدان مناظرہ سے فرار

حافظ محمد یوسف کے الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ ثناءاللہ صاحب نے بارہویں دن کی تحریر کے ساتھ موقوفی بحث کی درخواست بھی پیش کردی اور مولانا محمد حسین سے خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ آپ بھی بہت کچھ بعد تحریر میں دیکھ چکے ہیں' میں نے بھی بہت کچھ لکھ لیا' اب میں اس بے سود بحث کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ثناءاللہ صاحب وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اس فرار کے بعد مذکورہ بالا فرقہ اپنے "اشتہار" مورخہ یکم اگست ۱۸۹۱ء میں اور اپنی کتاب "ازالہ اوہام" کے صفحہ ۸۸۸ (طبع پنجم' صفحہ ۳۳۳) میں پیش کیے ہیں' مولوی صاحب نے ان کا جواب باصواب اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۳ میں دیا ہے۔ اس مناظرہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب تک امور متنازع فیہ کا تصفیہ نہ ہو لے گا' مناظرہ برابر جاری رہے گا۔ اور فریقین اپنی اپنی تحریروں کی تصحیح فریق مخالف کو دیتے رہیں گے۔ لیکن مولانا صاحب نے اس شرط کی بھی خلاف ورزی کی اور نہ صرف مقابلہ سے فرار اختیار کیا بلکہ اپنی آخری تحریر کی نقل دینے سے بھی انکار کیا اور مباحثہ کا تصفیہ منقطع کردیا۔ نقل نہ دینے اور مناظرہ ختم کردینے سے بہت سے مولوی بددل ہوگئے (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۴' صفحہ ۱۴۳) لیکن پھر بھی بیس کر نقل کا بھی ہر ایک کا حق ہے۔ مناظرہ لدھیانہ کی مفصل کارروائی اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ کے صفحات ۱۴۳ تا ۱۴۳ پر درج ہے۔

مرزا صاحب کی افترا پردازی کہ مولوی محمد حسین خارج البلد کیے گئے

مباحثہ لدھیانہ کے بعد ثناءاللہ صاحب نے بقول مولانا ہاشمی یہ سفید جھوٹ اڑایا اور اخبار لدھیانہ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۸۹۱ء میں شائع کرایا کہ مولوی محمد حسین اپنے دجالانہ طریق بحث کی شامت سے شرمندہ کیے گئے اور ڈپٹی کمشنر علی شاہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لدھیانہ انہیں اپنی کمشنر کے حکم سے ریل پر سوار کرا گئے۔ حالانکہ یہ بیان بالکل بے اصل تھا

اور مولوی صاحب کے فرشتوں کو بھی اس اخراج کا کوئی علم نہیں تھا۔ جب مولوی صاحب کو اس مراسلہ پر دستخط کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی کشتر لہ حیاۃ سے اس بہیمہ گم کے اخراج کے متعلق دریافت کیا لیکن اپنی کشتر نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ مولوی محمد حسین نے اپنی کشتر لہ حیاۃ کی پچھلی کی قسط رسالہ اشاعۃ السنہ (جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۲) میں چھاپ دی۔ مولوی محمد حسین کے خلاف اپنی کشتر کے گم کے اخراج کی روداد پڑھ کر مرزا صاحب کے مخلوط اشتہارات میں کمی ہوتی ہے۔ چنانچہ ۲۰ اگست ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھا "یہ بھی ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنی دعوتِ حق کی شامت سے دعا سے غیر رہ رکھے گئے"۔ (تبلیغ رسالت، جلد ۲، صفحہ ۱۵۰)

باب ۱۱

مولانا بٹالوی کو لاہور میں مناظرہ کرنے کا قادیانی چیلنج

مرزا صاحب کی یہ عادت و خواہش قابل داد ہے کہ جب وہ دشمن کے مقابلہ میں ہاروں ٹانے چت کرتے تو پہلوان کی منت بھاتے اور ذرا سنبھلنے سے پہلے ہی اسے اٹھ کر مقابلہ کو میدان پر مستعد ہونے کے لئے للکارتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس ہزیمت کے بعد ان کا دم کس بل نکل گیا ہے۔ چنانچہ مناظرہ لدھیانہ میں ہزیمت کھانے کے بعد مرزا صاحب نے ۲۰ اگست ۱۸۸۸ء کو پھر ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ مولوی محمد حسین حیات و ممات مسیح کے مسئلہ پر میرے ساتھ کیوں بحث نہیں کرتے؟ وہ جانتا ڈرتے ہیں کہ اگر اصل مسئلہ میں بحث شروع ہوگی تو جنگی رسوائی کے ساتھ انہیں مغلوب ہونا پڑے گا۔ میں ایک دفعہ پھر بابت پبلی کرنے کے لئے یا کوئی اور جلسہ مولوی صاحب کو دعوت کرتا ہوں کہ وہ اصل مسئلہ کے متعلق ضرور اور ضرور میرے ساتھ بحث کریں۔ مگر یہ بحث لاہور جیسے بڑے مقام میں ہونی چاہئے جہاں اعلیٰ درجہ کے فہیم، ذکی، فہیم پڑھے اور متین اشخاص اور رؤسا شامل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اہل لاہور میں سے بعض نے یہ درخواست بھی کی ہے۔ امن و خیر کا انتظام بھی ہمارے ہیرو ہوگا۔ (تبلیغ رسالت، صفحہ ۱۵۰

(۱)

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے اعلان کیا کہ ہم کسی کے مطالبہ کے لیے ہر وقت حاضر و مستعد ہیں' لاہور میں کیچڑ خواہ پتھر ہیں۔ اور اگر خاص مسکن و سکنہ شریف گلیان میں ہو تو زیادہ سہولت ہے بلکہ خط مطالبہ موصول کرتا کافی ہے ہمارا پتہ معلوم ہو جائے گا"۔ اس جواب کے بعد مرزا صاحب میں کوئی تجلی نہ ہوئی' حرکت بند نہ رہی۔ (الحکم قادیان' جلد ۱۰ نمبر ۲۰)

باب ۱۷

مسیحائی دکھانے کے مطالبات اور معجزات مسیح کا انکار

جب تک خود مسیح بننے کا کوئی خیال نہ تھا قادیانی صاحب حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ براہین میں لکھا۔

"اگر اب مخالف بد اخلاق پر کچھ عذاب کر کے دکھلائیں کہ الہام سے ہر ایک بات اس قسم کے کام ہوتے ہیں کہ کسی نے دعوی کا ساتھ ہاتھ کر دکھلایا اور کسی نے سوسے کو زندہ کر کے دکھلایا۔ اس قسم کی دسیوں باتیں ہیں جو ہر شعبدہ باز لوگ کیا کرتے ہیں"۔ (براہین احمدیہ' حاشیہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۲۲۲۔ ۲۲۳)

لیکن جب پہلے مثیل مسیح اور بعد کو مسیح ہونے کا دعوی کیا تو ہر طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی حضرت روح اللہ کی طرح کوئی مسیحائی دکھلاؤ"۔ لیکن یہاں تھی ساری اور دعوی مسیح فریح کے سوا کیا رکھا تھا۔ لہذا مسیح علیہ السلام کے معجزات سے انکار کر دیا۔ پادریوں کو معلوم نہ تھا کہ یہ حضرت معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کر بیٹھے ہیں۔ اس قسم کے آخری مطالبہ ہوا تو فاضل مطیب نے بعد اعتذار کوڈھی اور ہوا میں تیر کر کے قادیانی مسیح سے ان کے بچانے کا مطالبہ کیا۔ قادیانی صاحب نے جواب میں لکھوایا کہ "میں تو اس تجربہ کا اس طرح قائل ہی نہیں ہوں"۔ غایت تمہارا مقولہ ہے کہ جس کسی میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو وہ اپنے بچاؤ ان اشتہارات کو پڑھ کر

سکتا ہے۔ تم ذرا اپنی حرکتوں پر کنٹرول کرو" ہم دیکھیں گے کہ تمہارا دعویٰ کہاں تک سچ ہے"۔ یہ سن کر صاحب القاب اور بھی غضب ناک ہوئے۔ (الحق" جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۹)۔ بہرحال اظہار الحق کا دعویٰ صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا اس لیے ان کی عافیت اسی میں تھی کہ کفریات مسیح علیہ السلام کا انکار کر کے دائرہ دین کی فہرست میں اپنا نام درج کرا لیتے۔

باب ۱۸

مولانا گنگوہی پر دشنام دہی کی قادیانی غلاظت

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے قادیانی صاحب کو لعنت کفر سے بچانے کی ہر کوشش کی اس کا یہ مقصد نہ تھا کہ صاحب موصوف قدالخوامد عرا باطل کا ساتھ دے رہے تھے بلکہ حقیقت یہ تھی کہ انہیں ابھی تک مرزائی کفریات کی اطلاع نہیں ملی تھی اور جیسا کہ علماء حق کا شیوہ ہے خلوص دل سے کہہ رہے تھے کہ مرزا صاحب سے بھی اسی طرح کی لغزشیں ہو گئی ہوں گی جس طرح بعض سلف طریقت سے قلیہ حال میں صادر ہوئی ہیں۔ آخر جب مولانا گنگوہی پر قادیانی کفر و زندقہ کا حال پوری طرح منکشف ہو گیا تو انہوں نے بھی وہ سزا جو علماء امت کی طرح انہیں مرتد اور خارج از اسلام قرار دے دیا۔ قادیانی بارگاہ سے اس جزم حق کی آواز ۱۹۰۰ء میں اٹھی۔

لعنہم شیطان الامیر والقادیان الاخری بالل ۔ وعبد الصمد الجہنمی وہو علی کلا الدارین ومن المخلدین۔ مکتوب مرزا "الہام اکثم" صفحہ ۱۰۰

ان میں سے آخری شخص وہ ابوجہل شیطان اور بدبخت گمراہ ہے جس کو رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں اور وہ اسودی مولانا احمد حسن" کی طرح شقی اور ضالین میں سے ہے۔

مومن پر لعنت کرنے کی وعید

یہاں یہ ظاہر کر دینا بھی مناسب ہے کہ کسی پر لعنت کرنا سخت مذموم فعل ہے۔

خصوصاً مسلمان پر لعنت کرنا یا اس کو ملعون کہنا کیسا گناہ اور کتنا بڑے درجہ کی شیطانی حرکت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کا قتل کفر ہے۔ (بخاری و مسلم) اور ظاہر ہے کہ کسی مومن کو ملعون کہنے سے بڑھ کر اور کیا فسق ہو سکتا ہے۔ اور ابوالدرداؓ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعنت کرنے والوں سے نہ تو قیامت کے دن شفاعت کی جائے گی اور نہ وہ کسی کے شفیع ہو سکیں گے۔ (صحیح مسلم) ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ جس اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام پر لعنت کی۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے جناب صدیقؓ سے فرمایا کہ آپ نے کبھی صدیقوں کو بھی لعنت کرتے پایا ہے؟ رب کعبہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حضور کی مراجعت کے بعد حضرت صدیقؓ نے اپنا غلام آزاد کر دیا اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی "یا رسول اللہ! میں آئندہ کبھی کسی پر لعنت نہیں کروں گا۔ (الحاوی فی الحسب) اس حدیث سے یہ پتا چلتا ہے کہ لعنت بڑی ہی قبیح اور طبیعت شناس ہے۔ یہ عادت اسی جانب کا رخ کرتی ہے جو اس کا حقیقی محل ہو۔ چنانچہ جعفر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی ایسی چیز پر لعنت کرے کہ جو اس کی اہل نہیں تو یہ لعنت لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔ (ترغیب) اور فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے لیکن اس کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر یہ لعنت زمین کی طرف اترتی ہے۔ یہاں بھی ہر طرف دروازے بند پاتی ہے" پھر دائیں اور بائیں جانب کا رخ کرتی ہے اور جب کسی طرف راہ نہیں پاتی تو اس شخص کی طرف رخ کرتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہو۔ اگر وہ مستحق ہو تو اس پر نازل ہوتی ہے ورنہ لعنت کرنے والے پر جا پڑتی ہے۔ (ابوداؤد) غرض لعنت کرنا ایک سخت قبیح اور رذیل فعل ہے" خصوصاً مسلمان پر لعنت کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس درجہ کی معصیت اس صورت میں ہے کہ جس پر لعنت کی گئی ہو وہ حالت المسلمین میں سے ہو۔ لیکن اگر وہ طاغیہ حق میں سے ہو تو پھر اس پر کرداری کا تو کوئی خطرہ ہی نہیں۔ قادیانی نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی پاک باز ہستی کو سلطان ملعون کہہ کر اپنی زبان درازی کا جو ہدف بنایا تو اس کی سزا خود خدائے قادر و ذوالانتقام کی طرف سے ملے گی لیکن جیسا

کہ اہل حق کا شیوہ ہے" حضرت مولانا مرحوم نے قادیانی کتابوں کا جواب تلوار کے سوا کچھ نہ دیا۔

علمائے حق کی عظمت شان

اور مولانا رشید احمد صاحبؒ تو ان جلیل القدر علماء میں سے تھے جن کے متعلق حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کے باشندے یعنی فرشتے اور جن و انس یہاں تک کہ پانی کے اندر مچھلی بھی مغفرت مانگتی ہے اور "عبادت گزار سفیر عالم" کوئی پر عالم کی دیگر ہی فضیلت ہے تمام بندوں پر جیسے چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر۔ عالم انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے علم کے سوا کوئی وراثت نہیں چھوڑی۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور فرمایا کہ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ کوئی پر۔ عالم پر لطف خدا رحمت کھیلتا ہے اور اس کے ملائکہ اور آسمان اور زمین کے رہنے والے یہاں تک کہ چیونٹی بھی اپنے سوراخ میں اور مچھلی پانی کے اندر ایسے شخص کے حق میں دعاگو ہے جو لوگوں کو بھلی کی تعلیم دیتا ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی) اس تشریح کے بعد ہر شخص بہ سہولت اندازہ کر سکتا ہے کہ قادیانی علم کی امت سوادِ اعظم، ملت حقہ پر یا خود قادیانی دجال گروہ پر؟

باب ۱۱

اہل انگلستان کے قبول اسلام کی پیشین گوئی

وہابی اور قادیانی مرزائی جماعت ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ مغربی یورپ و امریکہ کو اسلام سے روشناس کرانے کی طرف سب سے پہلے ان کے مسیح موعود نے توجہ کی۔ چنانچہ وہابی مرزائیوں کے شیخ الاسلام یہاں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ خیال کہ علوم اسلامی کو اور خصوصاً قرآنی کو تمام قوموں کے اندر اور بالخصوص مغرب میں پھیلانے کی ضرورت ہے" اس زمانہ میں سب سے پہلے اس شخص کے دل میں القا جس کو لطف خدا نے

اس چھاپہ خانہ کے سرپرست محمد علی کرانچی تھے۔ انگلستان میں تبلیغ اسلام یا اسلام کا دفاع کرنے والے مولانا محمد علی مونگیری (متوفی ۱۹۰۸ء) تھے جبکہ یہاں محمد علی صاحب کا یہ بیان سراسر غلط اور قابل گرفت ہے۔ مرزا غلام احمد نے قادیانی امت کا نظام درہم برہم کرنے والے اور اسلام کی روحانی اور سیاسی ہیئت کو کرہ ارض کا میں غرق کرنے کے ذمہ دار تھے۔ ان کی ذات سے علوم اسلامی اور تعلیمات قرآنی کی اشاعت کا کیا امکان تھا۔ اسی مرزائی پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر اکثر مخلص لوگ خصوصاً نوجوان تعلیم یافتہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ انگلستان میں اسلام کی تم دنیا انہی مرزائیوں کی بدولت ہے۔ حالانکہ یہ خیال قطعاً غلط اور بالکل خلاف واقعہ ہے۔ مرزا کا حال تو معلوم نہیں البتہ انگلستان کے اخبار "آبزرور" نے ۱۸۸۸ء میں انگلستان کے شہر لورپول کے اندر مسلمانوں کے وجود کا ذکر کیا تھا اس وقت مرزا بیچارہ بالکل ایک گمنام نوجوان کا نام رکھتا تھا۔

خلیفہ نذیر کی لیورپول کو روانگی

۱۸۸۸ء یا ۱۸۸۹ء میں جریدہ "آبزرور" کے جس مضمون کا اوپر ذکر ہوا وہ مختلف اخبارات میں شائع ہوا تھا اس کا مضمون حسب ذیل ہے۔ اخبار نویس نے لکھا تھا کہ "کچھ دنوں سے یہ افواہ مشہور تھی کہ انگلستان میں دین اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے اور اصل لوگ اس اشاعتی مذہب کو قبول کرتے جاتے ہیں۔ پہلے کوئی شخص ان افواہوں پر یقین نہیں کرتا تھا۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ لورپول میں اسلام بہت ترقی پر ہے"۔ ہم نے ان حالات کی تحقیق کے لیے اپنا خاص نامہ نگار لورپول بھیجا۔ وہاں ہمارا نامہ سب سے پہلے اس مکان میں پہنچا جس سے مسجد کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ وسط ایشیا طرز کے بالکل واقع ہے۔ مسجد کے باہر ایک بڑا خوش رنگ (بشارت کا گنبد) بنا ہے جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس کے نیچے نوافل نماز کی تشریح ہے۔ اندر کے ایک کمرے میں کتب خانہ ہے۔ ایک وارالمطالعہ ہے۔ ایک کمرہ وعظ کے لیے مخصوص ہے۔ مکان کا ایک حصہ مستورات و خدام کے لیے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ پشت کی طرف ایک بہت بڑا مکان ہے جس میں مدرسہ نمازیوں کی رہائش ہے۔ دیوار سے باہر لگا ہوا ایک تختہ کوبیاں ہے اس پر ایک عربی عبارت لکھی ہوئی ہے اور اس عبارت کے نیچے اس کا انگریزی ترجمہ بھی درج

ہے۔ گن میں بے شمار چھوٹی چھوٹی جالیاں لگی ہیں۔ اس کمرے سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس میں کھونٹیوں پر لمبی لمبی نالیاں لگی ہیں۔ اس سے کمرے کے ایک کنارے پر ایک چھوٹا سا پلیٹ فارم ہے' اس پلیٹ فارم پر ایک میز لگی ہے۔ اس پر ایک پر تکلف گلدستہ ہے جس پر قرآن رکھا ہوا ہے۔ حافظ صاحب یہاں کے ماحول بنانے میں بہت تامل کرتا ہے اور اجنبی شخصوں کو اس حلقہ تلاوت کے پاس نہیں آنے دیتا' اس لیے ہمارے ساتھ کار نے صدر انجمن احمدیہ کا پتہ دریافت کیا اور اس کی تلاش میں روانہ ہوا۔

مسٹر عبداللہ کو علم نو مسلم

انجمن احمدیہ اور ہال کے صدر مسٹر ولیم' جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس طرح سے مسٹر (عبداللہ) ہیں۔ مسٹر کو علم اس وقت دلچسپی تھے۔ انہوں نے ہمارے تعارف کو ہر طرح کی اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کیا۔ مسٹر کو علم کی خوب لیں مسلمان ہوا ہے' وہ اپنے سر کے بالوں کو پیچھے کی طرف جھاڑتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ آپ نے دین اسلام کب سے قبول کیا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ۱۹۲۱ء میں ولنگٹن فرقہ کے عیسائیوں میں تعلیم پائی تھی۔ میں دسمبر ۱۹۲۵ء میں تعلیم مکمل ہوئی۔ ڈاکٹر نے حصول صحت کے لیے مجھے اچھی جلنے کا مشورہ دیا۔ میں جوانا (ٹاپل الفلاق) آیا اور کچھ عرصہ سے یہاں کے ایک مطب کے فرم علیم میں ملازم ہوا۔ مجھے دنوں یہاں مقیم ہوا۔ میں نے پہلے پہل اسی جگہ اسلام کی جھلک دیکھی۔ مجھے یہاں اسلام پر بحث میں تلخی نظر آئی۔ مجھے اسلام کی طرف عجیب سی کشش ہوئی۔ میں شرائع اسلامی کی تحقیقات کرنے لگا۔ جس درجہ میری تحقیقات ترقی کرتی گئیں' اسی قدر میرا میلان قبول اسلام کی طرف بڑھتا گیا۔ جب میں حصول صحت کے بعد آکلینڈ پہنچا تو میں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ خریدا۔ میں نے اس ترجمہ کو خود بغور دوسری اسلامی کتابوں کو' جن پر میں کسی طرح دسترس پا سکا' اور پڑھا اور دین اسلام کی حقانیت کے متعلق میرے دل پر شبہ نہ رہے۔ پھر میں نے خیال کیا کہ تعجیل میں عجلت کسی طرح قرین مصلحت نہیں ہے۔ لہٰذا کیا کہ مزید مذاہب اور ان کی تعلیمات پر بھی غور حاصل کرنا چاہیے۔

جس قدر مطالعہ بڑھا اسی قدر یہ امر اسلام کی حقانیت کا یقین ہوا

میں نے مسیحی مذہب کی بہت سی کتابیں پڑھیں۔ اسی طرح یہودیوں' بدھوں' پارسیوں' ہندوؤں کنفیوشس (چینی مذہب کا بانی) کی مذہبی کتابوں کے بھی ترجمے اور قدیم مصریوں کی کتاب الموتی اور اس قسم کی بہت سی دوسری کتابیں میری نظر سے گزریں اور میں نے جس قدر یہ کتابیں پڑھیں اسی قدر مجھے یقین ہوتا گیا کہ مذہب حق صرف اسلام ہے۔ اس لئے میرے دل نے اس مذہب کے قبول کرنے پر مجھ کو راغب کیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ میری دو بیویوں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ میری شادی ہوئی تھی اور بچوں اور بچوں کے بچوں کے ہاں رخصت کا مجھ پر بار تھا اور میں سب کی کفالت کا ذمہ دار تھا۔ میرا وظیفہ "کفالت" تھا۔ مجھے دنوں تک تو میں تذبذب میں رہا۔ ایمان اور الہام فرض کا خیال مجھے ایک طرف کھینچتا تھا اور تعلقات اقربا اور ذاتی منافع دوسری طرف۔ آخر کرتے کرتے میں نے ایک دن دوست سے اس کے متعلق مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ اگر تم شریعت کو نہیں مان سکتے اور توحید ہی سے دل بھرتا ہے تو پھر آخری (موجودہ عیسائی) کیوں نہیں ہو جاتے؟ یہ بھی ایک معزز مذہب ہے۔ میں نے کہا مجھے اسلام ہی سب پر فائق نظر آتا ہے' اس لئے اب مجھے تذبذب کی حالت میں رہنا پسند نہیں۔ "اب مجھے صحبت سے دست بردار ہی ہونا ہے تو بہتر ہے کہ اسے پوری طرح خیرباد کہہ دوں"۔ اب میں نے اپنے خاندان اور اہل و عیال سے کہہ دیا کہ اب میں عیسائی نہیں ہوں بلکہ مسلمان ہونے والا ہوں۔ یہ سب میرا مذاق اڑانے لگے اور لوگوں کو مطلع کیا کہ اس شخص کو کسی پاگل خانہ میں بھجوا دینا چاہیے۔

۴۴ عیسائیوں کا قبول اسلام

اب میں علانیہ مسلمان ہو گیا اور اسلامی طریقہ پر رہنے اور فریضہ صلوٰۃ ادا کرنے لگا۔ اور پہلی میں ترک سکونت کی جتنی الجھنیں تھیں وہ میرے قبول اسلام سے پہلے کسی نہ کسی وقت میری خدمت سے مستفید ہو چکی تھیں۔ میں نے خیال کیا کہ مجھے "ملیک کرشنہ دکار" حاصل کرنے کا اچھا موقع ہے۔ یعنی یہ کہ ترک سکونت اور اسلام پر ایک ہی ساتھ

تقریر کردی۔ اس کے بعد میں نے ہر انجیر دا اس میں رسول خلیل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات بیان کیے اور آنحضرتؐ کے تعلیمات کی تعریف کی اور پھر اس بات کو لوگوں کے ذہن نشین کیا کہ اسلام میں بے غلامی اور قمار بازی ممنوع ہے۔ غرض چند ہی روز میں چار گوئی مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ جب ہم ایک سے پانچ ہوگئے تو جمعہ کے دن کلیسا میں وعظ کہنے کے لیے جلسے منعقد کرنے لگے۔ اسی طرح اتوار کے دن ایک عام جلسہ وعظ کا منعقد کرنا شروع کیا۔ اکثر ایسا ہوا کہ خود ہم لوگوں کے سوا دوسرا کوئی شخص شریک جلسہ نہ ہوتا اور اس پر مستزاد یہ کہ اسلیے کے پادریوں نے ہماری کھڑکیاں توڑ ڈالیں اور جب ہم لوگ اپنے کمرے میں جاتے تو اس سے باہر کھڑے ہوکر ہم پر کیچڑ اور گندی چیزیں پھینکتے تھے۔ لیکن ہم لوگوں نے ثبات و استقلال کی خلق متین کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا' یہاں تک کہ گوشتہ سال کے اخیر میں اب ہماری تعداد بڑھ گئی تو ہم اس مکان میں' جہاں ہم آج کل مقیم ہیں' چلے گئے۔ اس وقت ہماری انجمن کے چوالیس ممبریں تھیں جن میں بارہ خواتین ہیں۔ یہ لوگ مسیحیت کو چھوڑ کر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ مدیر اخبار کے بعض سوالات کے جواب میں مسٹر کوٹم نے فرمایا کہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے کوئی فیس نہیں ہے۔ امیر غریب' بھوکا یا سب ہی کو اسلام پڑھاتے ہیں۔ کسی کے لیے کچھ تخصیص نہیں ہے۔ کسی سے کوئی چندہ نہیں لیا جاتا۔ ہر ممبر اپنی استطاعت کے بموجب خیراتی کچھ دے دیتا ہے اور اس طرح ہمارے مبلغ میں کبھی کمی نہیں ہوتی۔ بعد سے اخلاص ایسے ہیں کہ انھوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا مگر وہ ہم سے ہمدردی رکھتے ہیں اور امید ہے کہ وہ بہت جلد مشرف بہ اسلام ہوں گے۔ گوشتہ اخبار کے نمائندے نے دوسرے پادری سے اسلام کے متعلق بہت معلومات حاصل کیے اور قبول اسلام کے مسئلہ پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ ایک سوال کے جواب میں مسٹر کوٹم نے کہا کہ واقعی میں نے محاسن اسلام پر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے جس کا نام "تحفۃ الاسلام" ہے۔ یہ دراصل میرے تین لکچروں کا مجموعہ ہے جو میں نے اپنے ہم مذہبوں کے سامنے دیے تھے میں نے اس کو رسالہ کی شکل میں اس لیے طبع کرایا تھا کہ مسلمان کو اپنے اعتقادات پر اچھی طرح عبور ہو جائے اور وہ غیر مسلموں کے سوالات کے جواب بہ سہولت دے سکیں۔ آٹھ مہینے میں طبع اول کی دو ہزار جلدیں فروخت ہو گئیں۔ چونکہ اس کی مانگ روز بروز بڑھ

رہی تھی' میں نے نظرثانی کر کے متن سلطان کا انتظار کیا تو اسے دوسری مرتبہ شائع کیا جس میں سے نصف کے قریب بک چکی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے کرائے گئے ہیں جو پڑھنے والوں کی توجہ کا مرکز بن رہے ہیں۔

سب سے بڑا مانع انگریزوں کی کشیدگی ہے

علامہ نیاز نے سوال کیا کہ کیا آپ سارے افغانستان کو مسلمان بنا لیں گے؟ اس کے جواب میں مسٹر عبداللہ نے کہا کہ "میں تو یہ سمجھتا ہی ناممکن کی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر خدائے برتر کی مرضی اس امر کی متقاضی ہوگی کہ یہاں کے باشندے شرف اسلام سے سعادت اندوز ہوں تو اس قلیل تعداد کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے"۔ اس کے بعد علامہ نیاز نے کہا تعجب ہے کہ اس سے پیشتر افغانستان میں کبھی کسی کو اشاعت اسلام کا خیال نہیں ہوا۔ اس کے جواب میں مسٹر عبداللہ نے کہا کہ "اشاعت اسلام کی راہ میں ایک بڑا سنگ گراں حائل ہے کہ انگریز مختلف طور پر غیر ملک والوں کی طرف سے کھٹکتے رہتے ہیں"۔ (الناظر لندن' نمبر ۱' جلد ۱۲' بابت ۱۹۲۷ء بحوالہ مراسلہ ۱۹۲۸ء' صفحہ ۲۲۲-۲۲۳) ان حالات میں اصحاب تعلیم خود دیکھ سکتے ہیں کہ افغانستان کو اسلام سے روشناس کرانے والے نیز اہل کے مسٹر کو غم مرحوم تھے یا کہ آج کل کے مرزائی ہیں؟

جب اہل میں شعبہ اسلام کے نشر و اشاعت کی غیر ہندوستان پہنچیں تو مسلمانوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ ہر شخص کو مسٹر کو غم کی کتاب "لیکچز آف اسلام" کے مطالعہ کا شوق ہوا۔ اس وقت تک اس کے اردو ترجمہ "دین اسلام" کے نام سے شائع کیا۔ مسلمانان ہند کی طرف سے ایک وفد بدیں غرض اہل پہنچا تجویز ہوا کہ یہاں کے مسلمانوں کی حالت افغانستان کی جائے اور مسلمانان اہل سے رابطہ حاصل و اتحاد استوار کیا جائے۔ نشر اسلام کو تقویت دینے کے لیے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں فنڈ کھولے گئے۔ مسلمانان حیدرآباد دکن نے پہلے ہی جلسہ میں دس ہزار روپیہ فراہم کر لیا۔ مولوی عبداللہ نامی ایک عرب سوداگر نے پچاس ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ نظام نے دکن کے وسائل بڑھانے کے بھی سلطنت آصفیہ کی قدیم روایات کے بموجب گراں قدر اعانت کا وعدہ فرمایا۔ (ایضاً' صفحہ ۲۲۳)

قادیانی صاحب کی سورج شناسی

لیکن نہ جانے کیوں مرزا صاحب' ہر وقت سورج کی تاک میں لگے رہتے تھے' اس مقصد کے تحت کبھی کشف' الہام اور پیشین گوئی کی ٹکریں مارتے رہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے سورج شناسی سے کام لے کر اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں مغرب سے سورج کا طلوع ہونا بتایا تھی' ایک ہی پیشین گوئی کر ڈالی۔ جب ہم یہاں مرزا علی صاحب کی اس دوسری پیشین گوئی کا مرزا صاحب کی صداقت کا ایک نشان قرار دے رہے ہیں ہم اس پیشین گوئی کا اس وقت نقل کرتے ہیں جس کے لئے مسلمان علماء پہلے مغرب سے اسلام کے ظہور کی بات کرتے تھے اور مسلمانوں کے لئے اس طرح سے ظاہر ہو رہے ہیں مرزا صاحب نے کچھ کے کشف سے یہی بات اپنا خاص الہامی رنگ میں لکھی تھی یعنی "ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں' آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔" (ازالہ اوہام' مرزا غلام احمد صاحب' صفحہ ۵۱۵)

اس کشف و الہام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ عنقریب انگریز مغرب میں پھیلی کی طرف سے انگریز مسلمان ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی بھی بالکل غلط ہوئی کیونکہ ابھی تک انگریز قادیانی صاحب کی آرزو کے مطابق مسلمان نہیں ہوئے

باب ۲۰

والئی مالیر کوٹلہ کی والدہ سے پانچ سو روپیہ کی وصولی

جب مہدی دوران حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی پیروی مہدی اور پیشوائی کوئی بھولی بھٹکے لگی تو لوگ بد گمان ہو گئے۔ اور بعض بد نصیب افراد کے علاوہ ہر حلقہ میں اپنی قسمت کاملوں سے وابستہ رکھنے کا عہد کر چکے تھے کوئی بھی بار خاطر نواب علاؤالدین صاحب کے تعلق باللہ کا قائل نہ رہا۔ اور نہ اس سے پہلے انہوں نے اشتہاری پیشگوئیوں کے زور سے لوگوں کو اپنا اس درجہ گرویدہ بنا لیا تھا کہ کچھ عرصہ تک یہ جماعت رہی کہ دعوی مباہلہ کے بعد جو لوگوں میں سے جس کسی کو حصول مقصد میں زیادہ انعام دیا تھا مرزا ہی کی دعا کو فوز مرام کا وسیلہ پایا تھا مالیر کوٹلہ میں مرزا ہی کے بعد سے فقیر تھے اور رات دن ان کے حق میں پیشگوئیاں کر رہے تھے۔ اتفاق کہ نواب صاحب والئی مالیر کوٹلہ کو دلی خلش ہوئے اور علالت طبع ہو گئی۔ علاؤالدین نے نواب صاحب کی والدہ سے کہا کہ اگر مرزا صاحب دعا کریں تو نواب صاحب کی علالت دور ہو سکتی ہے۔ علاؤالدین صاحب کو لکھا گیا تو انہوں نے دعا کا وعدہ کرتے ہوئے پانچ سو روپیہ خدام کیلئے کا حکم دیا۔ چنانچہ نواب صاحب کی والدہ سے پانچ سو روپیہ کی رقم وصول کر لی اور دعائیں کرتے رہے لیکن کوئی دعا موافق اجابت تک نہ پہنچی۔ نواب صاحب دل برداشتہ ہوئے اور دار الہجرت کو چل گئے۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۱' نمبر ۳۶)

یہاں ضمناً مہدی صاحب کی چند دوسری "مقبول" دعاؤں پر بھی روشنی ڈال دی جائے۔ ایک مرتبہ مرزا صاحب نے ایک اشتہار زیر عنوان "سرم چشمی" شائع کیا جس میں بڑے طمطراق سے لکھا کہ "بارش ہو گی اور اگر بارش نہ ہوئی تو جھوٹے مہدیوں پر لعنت نازل ہو گی" اس اشتہار کے بعد مرزا صاحب نے خیل یاران کے لیے خوب دعائیں کیں۔ مگر ان دعاؤں کا اثر یہ ہوا کہ خوب آسمان برسا اور بادلوں نے قسم کھائی کہ ایک قطرہ آپ کے دشمن پر نہیں گرنے دیں گے اور مہدی پر لعنت یہ ہوئی کہ جب اپنی گشتر لاہور کو اس اشتہار کا علم ہوا تو وہ بجائے لعنت بر اشتہار "سرم چشمی" کو شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں

سے اترانے میں حیران و پریشان ہوا (حصائے سوئی' صفحہ ۱۷۱ ۳) اسی طرح مرزا صاحب نے مباہلہ میں مخالفوں پر موت پڑنے کا اعلان کیا اور لکھا کہ چونکہ لوگوں نے لکھے مسیح موعود نہیں ■ اس لئے ان پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب مخالفوں کے لیے خوب دعائیں کرتے رہے لیکن مخالفوں نے بھی عہد کر لیا کہ چشمہ کرمی کے دامن میں مگر اس کے بعد عرصہ بہت تک مباہلہ کا ذکر نہیں کرے گے۔ غرض چشمہ کرمی کی الہامی سیاہ سیاہ ۱۹۰۰ء میں ختم ہو گئی اور خلق خدا بفضلہ تعالیٰ ہر شر سے امن و امان میں رہی۔ (حصائے سوئی' صفحہ ۱۷۱ ۳) اسی طرح مفتی محمد رمضان کے فارغ کے متعلق چشمہ کرمی کی اور خوب دعائیں کیں مگر چشمہ کرمی بجھائی گئی۔ (حصائے سوئی' صفحہ ۱۷۱)

مرزا صاحب کا الہام اللھم اھلک ذریۃ فلان و فلان فی لیلۃ عبد عباس علی مرحوم اور عبداللہ کے حق میں اللہ اللہ نتیجہ یہ ہوا کہ مرحوم مرزا صاحب سے مخرف ہو کر مقابلہ کے لیے للکارنے اور ان کے خلاف اشتہار شائع کرتے رہے۔ (حصائے سوئی' صفحہ ۱۷۱) الہامی صاحب کا مرزا صاحب کے الہام اول' فرزند کی نسبت ثانی کی دعا۔ جب تک ہی بقل الفاظ شدہ مولف کتاب "حصائے سوئی" نے ہر دو دلوں نام الفاظ کتابوں کی مثل اول میں لکھے اور تمہیں مرزا صاحب سے کہا کہ کتب لے تو لوگ کا طبیہ ہی لکھ سے بیان کیا تھا تو جواب دیا کہ علم تعبیر میں لکھا ہے کہ اگر لوگا لکھا جائے تو لڑکی مراد ہوتی ہے۔ (حصائے سوئی' صفحہ ۱۷۱) الہامی صاحب نے مرحوم محمد بخاری کے داماد شیخ رحیم بقل مرحوم کے متعلق پیش گوئی کی کہ "یہ ایک سال کے عرصہ اس مرنے بقل سے کوچ کر جائیں گے" اور پھر ان کے مرنے کی خوب دعائیں کیں لیکن یہ سیاہ بہت طویل ہو گئی اور مرحوم نے گورنمنٹ کی طرف قدم اٹھانا کسی طرح منظور نہ کیا۔ مرزائی کہتے ہیں کہ چشمہ دابیہ کی مار ہے ان کی عمر بڑھ گئی ہوگی" مفتی محمد بقل نے اس حملہ کرنی کا یہ جواب دیا ہے کہ مرزا صاحب کی فرمودہ سیاہ میں تو انہوں نے رفعت عمر بڑھ جانے کا ذکر نہیں کیا بلکہ "بقل باقی" کی رہ میں یہ طبیہ مرنے بقل میں پڑے رہے۔ (حصائے سوئی' صفحہ ۱۷۱) الہامی صاحب نے سردار بہادر سید امیر علی بیشتر کے لیے فکر فرزند کی دعا کی اور اس کے عوض میں اپنے لاہوری مخالفوں مفتی محمد صادق بیشتر الفاظ شدہ اور مفتی محمد بقل الفاظ شدہ مصنف حصائے سوئی کے قبضہ سے ہو اس وقت تک مرزائیت کے جال میں پھنسے ہوئے تھے پانچ سو روپیہ

کی رقم قبل وصول کر لی تھی یہ اسرائیل کی جاسوسی کر رہا تھا۔ فرزند محمد قادیانی
(ہفت روزہ ختم نبوت جلد ۱۸ شمارہ ۳۱)

باب ۳۱

مصر، شام اور فلسطین کے مفتیان عظام کا فتویٰ

عرب کی سعودی حکومت کے اعلان کے کچھ عرصہ بعد مصر، شام اور فلسطین کے مفتیان عظام کے بورڈ کی جانب سے متفقہ طور پر بھی یہ فیصلہ کیا گیا کہ قادیانی مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا گیا تھا۔ مصر کے فتویٰ پر مفتی اعظم الشیخ حسنین مخلوف کے دستخط تھے۔ اس فتویٰ کا ترجمہ حسب ذیل ہے: "علامہ احمد ہادی کی کتاب "مصباح الرحمن" کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتا ہے مگر آپ کے خاتم الانبیاء ہونے سے وہ یہ نہیں مانتا کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ اس کے نزدیک ختم نبوت سے مراد کمالات نبوت کا ختم ہونا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا سوائے اس کے جو آپ کی امت میں سے ہو اور آپ کا کامل پیرو ہو اور اس نے آپ کی متابعت سے پورا پورا فیض اور آپ کی روحانیت سے کامل روشنی حاصل کی ہو۔ ایسے کامل پیرو کے لئے حضرت کا ختم نہیں ہوتا اور وہ نبوت کسی سے الگ کوئی مستقل نبوت نہیں ہے بلکہ یہ نبوت محمدی ہی ہے جو دوسرے رنگ میں ظاہر ہوا ہے۔ کامل شخص نہ اپنی صفت نبی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہی وحی کی اور ظاہر کیا ہے لیکن نبوت کی بنا پر ہی نہیں یہ شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ہے۔"

اس فتویٰ کے مفتی لکھتے ہیں کہ مصنف مذکور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نبوت کے جاری رہنے کا قائل ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ باب ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے ظہور سے نبی ہے اور اس کی نبوت صرف کمالات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے مستفاد ہے، بلکہ وہ بعینہ وہی ہے" یہ بلکہ یہ عقیدہ صریحاً کفر ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ما کان محمد ابا احد" کے خلاف ہے جو محمد ابن عبد اللہ کے ہے

ہ امام احمد بدوی کے کشف پر دلالت کرتے ہیں۔ صفتی کامل پاشا مرحوم رحمی جب الوطن اور مالک اخبار اعلام طابوسے اس کی کتاب مناقب الرحمن کا رد لکھا تھا اور امام احمد کو ذلیل و خجل بنایا تھا اور اس کے اخلاق کو نجاست کی طرح بیمار پر دلیل دینے کے لائق لکھا تھا۔

تمام کا خلق جس کا نام "نفحات الربانی الطیب نسیم الحضرۃ" ہے۔ علامہ شیخ محمد ہاشم الرشید الطیب الحسنی المکناسی کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کتاب ہے وہ اور اس کے مؤلف اسلام میں داخل نہیں۔ انکہ رباط نے اور تمام جزائر نے اس کا رد کیا ہے اور تمام مسلمان اس تعین پر جازم ہیں کہ تجانی کفر اور کالر ہے۔ (ہدایت طالبے ربانی' صفحہ ۱۸۴، ۱۸۵) سید الطائفہ کے خلق پر شیخ اکبر سید محمد امین صفتی کے دستخط ہیں۔ اس خلق کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب اللہ اس پر صریح ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اس عقیدہ پر ساری امت کا اجماع ہے اس کے خلاف اعتقاد رکھنا کفر اور اسلام سے خروج ہے۔ پس ہر شخص بیعت کے جاری رہنے کا عقیدہ رکھے وہ مرتد ہے۔ اس ارتداد کی وجہ سے اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ (ہدایت طالبے ربانی' صفحہ ۱۸۴)

باب ۲۲

اہل و عیال اور خویش و اقارب سے قطع تعلق

قرابت داروں سے میل جول رکھنے اور حسن سلوک سے پیش آنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔ صلہ رحمی بھی شریعت اسلام کے موکد ترین احکام میں داخل ہے۔

احادیث نبویہ میں خویش نوازی کی تاکید

سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خالق کون و مکان خلق کو پیدا کر چکا تو رحم نے اٹھ کر خواست کی بلی ایسا مقام ہے جہاں پناہ چاہنے والا قطع رحمی سے پناہ چاہے۔ رب

اعمالیں نے فرمایا کیا تو اس امر پر راضی نہیں ہے کہ میں اس کو ملاؤں جو تجھے ملائے اور اس سے قطع کروں جو تجھ سے قطع کرے؟ رحم نے اثبات کی بات کہی چاہتا ہوں (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ قاطع رحم (یعنی رشتہ کو کاٹنے والا اور اقرباء سے بیزار رکھنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا (ایضاً) اور فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں اور میں رحمان ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اس کو اپنے نام رحمٰن سے مشتق کیا۔ پس جو کوئی رحم کو ملائے گا (یعنی اس کے حق کی رعایت کرے گا) میں اس کو اپنی (رحمت کی طرف) ملاؤں گا۔ اور جو کوئی رشتے کو کاٹے گا تو میں اس کو کاٹوں گا (یعنی اپنی رحمت خاص سے محروم کردوں گا) (ابو داؤد) اور فرمایا رحم عرش کے ساتھ معلق ہو کر کہہ رہا ہے کہ جو کوئی مجھے ملائے اللہ تعالیٰ اس کو ملائے گا اور جو مجھے کاٹے اللہ تعالیٰ اس کو قطع کرے گا (بخاری و مسلم) اور فرمایا کہ اپنے نسب نامے یاد رکھا کرو تاکہ اس کے ذریعہ سے صلہ رحمی کر سکو۔ کیونکہ صلہ رحمی میں تین قائدے ہیں باہمی محبت و الفت، کثرت مال اور عمر میں برکت (ترمذی)

اقرباء سے صحابہ کرام کا حسن سلوک

یہاں موقع کی رعایت سے بتلا دیا جائے کہ صحابہ اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے اقرباء سے کس درجہ حسن سلوک کرتے تھے۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں سیدنا کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جب امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو زینت بخشی تو انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں سیدنا کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر جرار روانہ فرمایا۔ جناب فاروق اعظمؓ کے اخیافی حضرت زیدؓ بن خطاب نے اسی لڑائی میں جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ ان کا داغ مفارقت بیت الحزن سے تعبیر فرمایا کرتے تھے کہ جب پروا ہوا چلتی ہے تو اس سے مجھے زیدؓ الشہید کی خوشبو آتی ہے۔ (اسد الغابہ) ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ نے اپنا گھر اپنے عم محترم حضرت زیدؓ بن خطاب کی صاحبزادی کو بیاہ کے لیے دے دیا تھا (سوائے امام مالک) امیر المومنین عثمان بن عفانؓ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے اقرباء کے ساتھ جو فیاضیاں کیں ان کی بناء پر ہی صلہ رحمی تھی۔ اس غیر

معمول صلہ رحمی کا یہ انجام ہوا کہ آپ کے جناب الٰہی میں افلاک بلند ہوئی کہ اسی میں آپ نے شربت شہادت پی لیا۔ اور جب آپ سے اپنے اعزاء و اقارب پر غیر معمولی نوازشات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے ایسا نہیں کیا لیکن میں تو حکم خدا کے مطابق صلہ رحمی کرتا ہوں (طبقات ابن سعد) امیر معاویہؓ نے حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ بنت امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ کو ایک لاکھ درہم دیے تھے۔ اسی طرح ایک جائداد حضرت عائشہؓ سے وراثتہً پائی تھی۔ حضرت اسماءؓ نے ایک لاکھ کی رقم اور وہ جائداد اپنے برادر زادے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب بن ابو قحافہ پر بیچ کر دی (بخاری) امیر المومنین عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں امہات المومنینؓ کا باره باره ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ام المومنین زینبؓ بن جحش کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم بھیجا تو انہوں نے ساری رقم اپنے اقرباء میں تقسیم کر دی۔ (اسد الغابہ)

غیر مسلم اقرباء سے حسن سلوک کی اسلامی تعلیم

مسلمان تو مسلمان ہی اسلام نے اپنے غیر مسلم اقرباء سے بھی اچھا برتاؤ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ کی ماں قریب الجہاں سے محروم رہی تھی اس لیے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت اسماءؓ کی والدہ ان ایام میں مدینہ منورہ کے قریب سے مدینہ منورہ گئی جب کہ معاہدہ حدیبیہ کی بنا پر قریش سے باہمی معاہدہ تھا۔ حضرت اسماءؓ حرم نبوی میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں یا رسول اللہ! میری ماں کہ مدینہ سے میرے پاس والپس گئی ہے لیکن وہ اسلام سے بیزار ہے۔ کیا ایسی حالت میں اس کی کچھ خدمت اور اس سے حسن سلوک کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس سے ایسا سلوک کرو جس سے اس کا حق ادا کرو (بخاری و مسلم) ام المومنین حضرت صفیہؓ خیبر کے یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔ جنگ خیبر کے قیدیوں میں یہ بھی داخل تھیں۔ حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان کی خواہش کے بموجب ان سے عقد کر لیا تھا۔ عہد فاروقی میں ایک مرتبہ ام المومنین صفیہؓ کی لونڈی نے امیر المومنین عمرؓ سے جا کر یہ بات نقل کی کہ صفیہ تو یہ اب تک یوم سبت

(سنی) کا احترام کرتی ہیں۔ سنی بہنوں میں یہ تقسیم کا بن فقہ اولادی کا یہ مطلب تھا کہ مسلمان ہو کر بھی ان میں اپنے کرائی دین کا اثر ہے۔ وہ سوئے بھوپر سے نواز شیں کرتی ہیں۔ ان کو عبادات سے نوازتی ہیں" حضرت الدیقؓ نے ام المومنین سے دریافت کرایا کہ آپ کی نندوں نے یہ شکوہ کیا ہے۔ ام المومنین صفیہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جب سے حق تعالیٰ نے مجھے ہدہ کا مبارک دین عطا فرمایا میں نے بھوپر سے کبھی عبد نہیں کی ہے بھوپر سے ان سے بھری قرابت ہے۔ میں عطر رکھی کے خیال سے ان کو عید دیتی ہوں اور ان پر نوازشیں کرتی ہوں" اس کے بعد ام المومنین نے اولادی سے دریافت فرمایا کہ اس شکایت کا منشی کیا تھا اولادی نے کہا مجھے شیطان نے ورغلایا تھا کوئی اور ماکہ ہوتی تو اس بات پر جیسا کہ سلوک کرتی خارج نہیں۔ لیکن برگزیدہ خلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحابیت نے اصحاب المومنینؓ میں اخلاق حمیدہ کے وہ جوہر پیدا کر دیئے تھے کہ جن کی تھیر کسی زمانہ کی خواتین علیہ میں نہ پائی جائے گی۔ ام المومنینؓ نے بجائے اس کے کہ اولادی کو کچھ سزا دیتیں فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا" (شہاب) ایک مرتبہ حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الدیقؓ اعظم کو ایک رقم عطا فرمایا تو انہوں نے اس کو اپنے ایک مشرک بھائی کے پاس بھیج دیا کہ مسلمہ میں رہنا تھا۔ (ابو داؤد)

تھانوی صاحب کی ہمسایہ دشمنی

مولانا علی شیر بیگ کہ تھانوی کے حقیقی ماموں کے بیٹے اور حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ وہ برس سے بھی کچھ اوپر عمر کے تھے بھی تھے۔ اپنے حقیقی قرابت کے علاوہ ہمسایہ بھی تھے کہ دونوں کے گھروں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ اسی طرح مولانا امام الدین اور مولانا کمال الدین کم از کم بھائی ہونے کے علاوہ ہمسایہ بھی تھے۔ تھانوی صاحب کی ان سب سے دشمنی تھی۔ اگر یہ حضرات سے حقیقی قرابت کو نظر انداز کر دیتے تھے تو کم از کم ان صاحب حقوق ہمسائگی کو تو نظر رکھتے تھے جن کی رو سے حضرت مسیح موعود کو کسی تعلق کا پاس و لحاظ نہ تھا۔ شریعت حقہ نے ہمسایہ کے جو حقوق مقرر فرمائے ہیں اس کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک بکری ذبح کی۔ یہودی

میں ایک بیوی رہتا تھا۔ گھر والوں سے پوچھا کہ بیوی صاحبہ کے پاس گوشت بھیجا یا نہیں؟ اور خدا کے بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جبریل امین نے مجھ کو ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس شدت سے تاکید کی کہ میں سمجھا کہ شاید ہمسایہ کو بھی شریک وراثت بنا دیا جائے گا۔ (بلوغ المرام) علماء نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ حق مسلمان ہمسایہ رشتہ دار کا ہے کہ حق ہمسائگی اور حق اسلام اور حق قرابت اس کے تین حقوق ہیں۔ دوسرے درجہ پر مسلمان ہمسایہ ہے کہ اس کو حق ہمسائگی اور حق اسلام ہے اور جس کا ایک حق ہے وہ کافر ہمسایہ ہے۔ شیخ کاندھلوی صاحب نے جن حضرات سے یہ سلوکی اور دشمنی کی انہیں حق قرابت، حق اسلام اور حق ہمسائگی نہیں تینوں قسم کے حقوق حاصل تھے۔ احادیث میں یہ بھی ہے کہ ہمسایہ سے بد سلوکی کرنے والا جہنم میں جائے گا چنانچہ صحیح امام احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ حضور خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا "یا رسول اللہ! ایک عورت رات کو روزہ رکھتی ہے اور رات بھر عبادت کرتی ہے لیکن اپنی بد اسلوبی ہمسایہ کی ہتک کرتی ہے" فرمایا جہنم میں جائے گی۔ یاد رہے کہ ہمسایہ کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو ایذا نہ دی جائے کیونکہ یہ بات تو اعلیٰ درجہ میں بھی پائی جاتی ہے کہ ان سے کوئی ایذا نہیں' بلکہ سچا مسلمان وہ ہے جس کو مسلمان ایذا دے تو یہ نہ صرف خیال و فعل سے بلکہ عفو و احسان سے پیش آئے۔ ایک بزرگ نے کسی سے ذکر کیا کہ ہمارے گھر میں چوہے بہت ہو گئے ہیں اس نے کہا کہ آپ بلی کیوں نہیں پال لیتے۔ انہوں نے فرمایا بلی پالنے میں یہ خطرہ ہے کہ ہمارا بلی کی خوراک بن کر چوہے ہمسایوں کے گھروں میں پہنچ جائیں۔

قطع رحمی کا عام انسان

مرحمی ۱۹۸۸ء کو مرزا غلام احمد نے اپنی سگی بیوی اور اس کے دونوں جوان مرد سلطان احمد اور فضل احمد کے حق کرنے کا اعلان زیر عنوان اشتہار ضرورت دین و قطع تعلق از اقارب جائداد دین متین" شائع کیا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ شیخ صاحب اپنے خاص مخلصانہ انداز میں لکھتے ہیں۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس عاجز نے ایک دینی خصومت کے پیش آجانے کی وجہ سے

ایک شخص کے معاملہ کے وقت اپنے ایک قریبی رشتہ دار مرزا احمد بیگ ولد گھمن بیگ ہوشیار پوری کی دختر گھمن کی نسبت الہام و الہام الٰہی یہ اشتہار دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مقدر اور قرار یافتہ ہے کہ یہ لڑکی اس عاجز کے نکاح میں آئے گی۔ اب باعث تحریر اشتہار یہ ہے کہ میرا بیٹا سلطان احمد نام جو جانب خسر مذکور میں ہے اور اس کی نسبت صاحب جنہوں نے اس کو پیدا کیا ہوا ہے وہی اس نالائق پر ناراض ہو گئی ہیں۔ اور یہ سارا کام اپنے ہاتھ میں لے کر اس تحریر میں ہیں کہ عید کے دن یا اس کے بعد اس لڑکی کا کسی سے نکاح کیا جاوے۔ اگر یہ لوگوں کی طرف سے نالائق کارروائی ہوئی تو ہمیں درمیان میں دخل دینے کی کیا ضرورت اور کیا غرض تھی۔ اور پھر خدا تعالیٰ اور وہی اس کو اپنے فضل و کرم سے ضرور بچاتا مگر اس کام کے درپے اقدام ہو لوگ ہو گئے ہیں جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی۔ اور پھر سلطان احمد کو سمجھایا اور بہت تاکیدی خط لکھے کہ تو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں ورنہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ اور تمہارا کوئی حق نہیں رہے گا مگر انہوں نے میرے خط کا جواب تک نہ دیا۔ اور بکلی ہاتھ سے ہماری ناراضگی کی اگر ان کی طرف سے ایک تیز تلوار کا بھی زخم پہنچا تو بندا میں اس پر صبر کرتا لیکن انہوں نے دین کی مخالفت کر کے اور دینی مقابلہ سے انکار دے کر مجھے بہت مبتلا اور اس سے تنگ میرے دل کو توڑ دیا کہ میں جان نہیں کر سکتا۔ سلطان احمد ان سب بڑے گناہوں کا مرتکب ہوا۔ اول یہ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مخالفت کرنی چاہی اور یہ چاہا کہ دین اسلام پر تمام مخالفوں کا حملہ ہو۔ اس نادان نے یہ نہ سمجھا کہ خدا اور قدیر و قیوم اس دین کا حامی ہے۔ ہر دم سلطان احمد نے مجھے جو میں اس کا باپ ہوں حقہ ناچیز قرار دیا اور میری مخالفت پر کمر باندھ لی۔ سو چونکہ اس نے دونوں طور کے گناہوں کو اپنے اوپر جمع کیا اور ایسا ہی اس کی والدہ نے کیا۔ سو چونکہ انہوں نے کوئی تعلق مجھ سے باقی نہ رکھا اس لیے میں نہیں چاہتا کہ اب ان کا کسی قسم کا تعلق مجھ سے باقی رہے اور ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیار رکھنے میں معصیت نہ ہو لہٰذا میں قبح کی تصریح سے کہ دوسری حق ۱۹۱۹ء ہے عوام اور خواص پر بذریعہ اشتہار یہ ظاہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے باز نہ آئے اور یہ تحریر جو اس لڑکی کے بلانے اور نکاح کرنے کی اپنے ہاتھ سے یہ لوگ کر رہے ہیں اس کو موقوف نہ کر دیا اور جس شخص کو انہوں نے نکاح کے لیے تجویز

کیا ہے اس کو رد نہ کیا بلکہ اس شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا تو اسی نکاح کے دن سے سلطان امر حال اور محروم الارث ہو گئے اور اسی روز سے اس کی والدہ پر بھی طرف سے طلاق ہے۔ اور اگر اس (مرزا سلطان احمد) کا بھائی فضل احمد جس کے گھر میں محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ کی بھائی ہے اپنی اس بیوی کو اسی دن یا اس کو نکاح کی خبر ہو طلاق نہ دے تو پھر وہ بھی حال اور محروم الارث ہو گا۔ اس نکاح کے بعد تمام تعلقات طریق اور قرابت اور ہمدردی دور ہو جائیں گے۔ اور کسی نیکی بدی' دیکھ و راحت تکلیف اور ماتم میں اس سے شراکت نہ رہے گی۔ (تبلیغ رسالت)

بیٹے کی نماز جنازہ پڑھنے سے پہلوتہی

المیہ ہے کہ الہامی صاحب کو اس ہولناک انجام کے بارے الہام نازل نہ کیا کہ لوگ اس اشتہار کو پڑھ کر عبرت حاصل کریں گے کہ پیشگوئی میں ایک لڑکی کے متعلق میں اس درجہ کیسے سے باہر ہوئے کہ بیٹوں سے بھی بڑی گئی ہو رہی ہے۔ حقیقت میں اس الہام کا خلاصہ تھا کہ کسی طرح یہ لوگ جن کے ہاتھ میں محمدی بیگم کی عقل اور نکاح کا معاملہ ہے' مرعوب ہو کر احمد بیگ کو مجبور کریں کہ یہ ناقص بگڑ الہامی صاحب کے حوالے کر دے۔ اس اشتہار میں مرزا سلطان احمد صاحب کو ان پر جھوٹے الزام لگا کر اس لیے نکاح ساقط بتایا گیا کہ کسی طرح محمدی بیگم کی عقلی حالت جس نے مرزا سلطان احمد کو بیاہا رکھا تھا خراب ہو جائے۔ اسی طرح اپنے جھوٹے بیٹے فضل احمد کی منکوحہ حرمت بی بی کو طلاق دلانے کی اس لیے دھمکی دی کہ حرمت بی بی کی ماں محمدی بیگم کی عقلی بدحالی تھی اپنی بیٹی کی خانہ بربادی کے تصور سے گھبرا اٹھے اور اپنے بھائی کو مجبور کرے کہ محمدی بیگم کو اس بڈھے کے پلے باندھ دے۔ اگر الہامی صاحب نے اس نکاح کو اپنے صدق و کذب کا معیار نہ ٹھہرایا ہوتا تو گمان غالب تھا کہ اپنی اس چال سے کامیاب ہو جاتے۔ لیکن چونکہ خدائے کریم کی رحمت نوازی کو جو اپنی مخلوق پر مرکوز تھی الہامی صاحب کے کذب پر مرتبہ ثبت کرنا منظور تھا اس لیے مدعا بامراد رہا۔ اور شقاوت قلبی کا کمال دیکھو کہ حضرت "مسیح موعود" صاحب نے بیٹے تک کی نماز جنازہ پڑھنے سے احتراز کیا۔ چنانچہ تذکرہ میں ہے کہ آپ (مرزا صاحب) کا ایک بیٹا (فضل احمد) فوت ہو گیا تو

کپ کی ذاتی طور پر تصدیق کرتا تھا جب یہ مرزا تک پہنچے ہیں کہ آپ ٹیلے جاتے اور آتے جاتے تھے کہ یہ بھی بڑی عزت کیا کرتا تھا لیکن آپ نے اس کا جواب دے دیا حالانکہ یہ اتنا ذی اثر تھا کہ اعلیٰ افسری بھی اسے نہ دیں گے۔ (اشاعۃ السنہ ص ۲۸۹)

خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت

الٰہی صاحب نے عمر بھی ۱۸۸۵ء کو اپنے سرپرستی مرزا علی شیر بیگ کے نام ایک خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔ میں نے خدا کو گواہ کر کے تم لوگوں سے توڑ' خدا تعالیٰ سے خوف کرو۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مرزا صاحب کے شریک رشتہ توڑنا بڑی گناہ کی بات تھی لیکن آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں کہ میں خدا کی قسم ہے کہ اب ہمیشہ کے لیے یہ نام رشتے ناطے توڑ دوں گا اسی طرح مرزا سبحانی صاحب کے نام ایک چٹھی روانہ کی اس میں لکھا کہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا چکا ہوں کہ اس تاریخ سے سارے رشتے ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہنے دوں گا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ دوسروں کے لیے قطع رحمی حرام تھی لیکن مسیح صاحب کے لیے جائز تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مسیح صاحب نے اپنے کی پوری اس عادت کا مرتکب کیا اور حرم قوم اور عزیز و اقارب قوم پر بار بار لعنتیں کھائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت" بھی قادیانی کی فاذ ذو عجیب کا جز و لاینفک تھا۔ غرضیکہ یہ اور یہاں سے قطع تعلق کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ قادیانی عجیب کی نفسیات کی واضح تفسیر ہے۔

قطع رحمی کے جواز کا مرزائی عذر لنگ

مسیح صاحب نے اپنی خواہشات نفسانی کے حرم محمل میں قطع رحمی کا بار وسیع اور ہم و مسلسل کندھا شروع کر رکھا تھا اسے دنیا کے کسی مذہب و ملت کا کوئی ادنیٰ عقل انسان کبھی پسند نہ کرے گا۔ ظاہر ہے کہ جب اپنوں کے ساتھ ایسا معاندانہ سلوک تھا تو غیروں کے ساتھ تو کیسی خوشگوار ہوں گی؟

تو ہو ستاں پہ کرمی کہ کی بہ دشمناں ہم ۔۔۔ خدا کرے تو ہو احرار کریں

اس قطع رحمی کے متعلق مرزائی لوگ اپنے کچھ مواقع کی طرف سے یہ صفائی پیش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کے "اعزاء و اقارب ان سے خفہ رہتے تھے اور ہر وقت دسپے کیب و ایذا رہتے تھے"۔ اس طرز عمل کا سبب یہ ہے کہ الہامی صاحب کا "مشرب" طرز عمل تو خود ان کے اختیار میں تھا مگر ۱۸۸۸ء سے جو الہام ہوا اور ان خطوط سے جو انہوں نے ۱۸۸۸ء کو مرزا علی شیر بیگ اور ان کی بیوی کے نام روانہ کیے صاف ظاہر ہے۔ اور اگر الزام کی طرف سے بھی کچھ کمی بیشی عمل میں لیا یا بالفرض محال الہامی صاحب الزام دہی کے مظلوم تھے' جنہیں ہر وقت ستایا جاتا تھا تو بھی مسلمان کہلانے کی صورت میں انہیں حضرت رحمت عالم و ہادیاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات گرامی پر عمل پیرا ہونا چاہیے تھا۔

عن ابن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الواصل بالمکافی و لکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہ۔ رواہ البخاری۔

حسب روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں' جو احسان کے بدلے احسان کرے (کیونکہ غیر مسلم بھی ایسا کرتے ہیں) بلکہ واصل رحم وہ شخص ہے جو قطعیوں کے باوجود رحم کے متقابلہ میں ان سے بھلائی اور احسان کرے۔

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص عرض پرداز ہوا "یا رسول اللہ! میں اپنے اقارب سے اچھا سلوک کرتا ہوں لیکن وہ مجھ سے قطع کرتے ہیں۔ میں ان سے احسان کرتا ہوں وہ برائی سے پیش آتے ہیں۔ میں ان سے درگزر کرتا ہوں وہ جہلہ حق میں تجاوز کرتے ہیں"۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہی حال ہے تو گویا تم راکھ گرم راکھ پھانک رہے ہو اور جب تک تم اس حالت پر ثابت قدم رہو گے حق تعالیٰ کی جانب سے حضرت ان کے مقابلہ میں تمہاری مددگار رہے گی۔ (رواہ مسلم)

مسیح نکتہ چیں کی انصاف پسندی

مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں حکم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن ان کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ مطلب کے حصول کی خاطر اپنے فرزند اکبر کو بھیجا کہ وہ اپنی

محمد (عزت بی بی) کو طلاق دے دی اور جب فضل احمد نے انتقال کیا تو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے سے پہلو تہی کی (اس سے قبل فضل احمد نے اپنی بیوی کو طلاق دینے سے بھی قبل محمدی بیگم کو اپنی ماں کی موت ماننے میں کوئی عملی اقدام نہ کیا) تو انہیں طلاق اور محروم الارث کر دیا حالانکہ یہ حضرت مرزا کی مصیبت تھی۔ اسی طرح مرزا سلطان احمد و فضل احمد کی والدہ کی کوشش محمدی بیگم کو اپنے شوہر کے پہلو میں لا بٹھانے میں بار آور نہ ہوئیں یا اس حقیقت نے سرے سے اس قسم کی جدوجہد ہی نہ کی تو ان کے بھی دشمن ہو گئے۔ اور جب یہ محترم خاتون اسلامی تعلیمات کے بموجب اپنے ایک سرشتہ دار کی اور دوسرے افسر سے فسخ نکاح کرنے پر رضامند نہ ہوئیں تو شیخ صاحب نے ان کو گھر سے نکال دیا یا بقول یہاں غیر احمد طلاق دے دی۔ یہ دردناک حالات رکھنے والیوں کی پہلی جلد میں پانچسو گذر چکے ہیں۔ اسی قسم کے تیسویں واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قادیان کے شیخ صاحب کس قسم کے حکم اور کس درجہ کے انصاف پسند تھے۔

باب ۱۳

ملہم قادیان کا کشف کہ دنیا میں میرے سوا
غلام احمد قادیانی کسی کا نام نہیں

قادیان کے رئیس صاحب کی عادت تھی کہ محض تخیل و تخمین یا قرائن عامہ کی بنا پر دعوائی قلمبند کرتے اور اسے الہام و کشف کا لباس پہنا کر پبلیکیشن شروع کر دیتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ دعوی محض خیال آفرینی کی خیالبندی پر قائم ہوتا تھا پھر کوئی جماعت اور دلیل اٹھانے کے لیے کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے کتاب ازالہ اوہام میں غیر احمدیوں کو شائع کی تھی۔ اس کتاب میں لفظ کے ذریعہ ایک نرالا مسئلہ غیر کشف کھول کر یار لوگوں کے لیے چٹنی بولنے کا سامان فراہم کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ چند روز کا ذکر ہے کہ میں

ماجد نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا یہ اضافہ بھی ثابت ہے ایک یہ بھی خطا ہے کہ تیرھویں صدی کے اوائل میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا اور کیا اس حدیث کے مفہوم میں بھی یہ ماجد داخل ہے' تو مجھے کسی طور پر اس حدیث ذیل نام کے اندر حرف کی طرف توجہ دلائی گئی کہ دیکھ یہی صحیح ہے کہ یہ تیرھویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا پہلے سے یہی تحریر ہم نے نام میں مشہور کر رکھی تھی اور یہ نام ہے غلام احمد قادیانی"۔ اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس ماجد کے اور کسی شخص کا نام احمد نام نہیں' بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس ماجد کے تمام دنیا میں نام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں"۔ (ازالہ طبع ہفتم' ص ۱۰۰)

لیکن قاضی فضل احمد لودھیانوی نے کتاب کشف فضل ربانی میں اس کشف یا الہام کی خوب علی بابہ کی اور کہا کہ "مرزا صاحب کو کوئی کے سیدک کی طرح اپنی قادیان کے سوا دنیا میں کوئی اور موضع قادیان نظر نہ آیا۔ حالانکہ ان کی قادیان کے علاوہ خاص ضلع گورداسپور میں ہی قادیان کے نام سے دو اور گاؤں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک میں غلام احمد صاحب قریشی مرزا صاحب کے ایک ہم عمر اور ہم عصر موجود تھے۔ اسی طرح ضلع لدھیانہ میں بھی قادیان نام کا ایک گاؤں موجود ہے۔ وہاں کے ایک نمبردار کا نام غلام احمد تھا پس جس وقت مرزا صاحب کو یہ الہام ہوا یا کشف ہوا اسی وقت کم از کم دو اور غلام احمد قادیانی دنیا میں کیا خود پنجاب میں موجود تھے"۔

پس ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کا الہام یا کشف بالکل غلط اور جعلی تھا۔ اب ذرا مرزائیوں کی مضحکہ خیز خوش سازی ملاحظہ ہو۔ حضرت محمد مرزائی نے کتاب کشف الحدیث (صفحہ ۸) میں بتے اور پھر انجمن اشاعت اسلام لاہور نے حاشیہ میں شائع کیا تھا لکھا ہے کہ آپ (مرزا صاحب) کا خطا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ دنیا میں آپ (مرزا صاحب) کے سوا کوئی دوسرا شخص غلام احمد قادیانی کے مرکب نام سے موسوم نہیں۔ اس نام سے کوئی اور شخص بھی رہتا تھا تو اس سے آپ کے دعوے کی تکذیب نہیں ہوتی کیونکہ آپ نے دنیا میں کسی اور گاؤں کی نفی کی ہے اور نہ وہاں غلام احمد نام سے کسی شخص کی موجودگی کا انکار کیا ہے۔ انکار اگر ہے تو غلام احمد قادیانی کے مرکب نام رکھنے والے شخص کا ہے"۔

لیکن یہ بیان محض اہلِ قریش اور اہلِ تلی کی حیثیت رکھتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ نظام احمد قادیان کا رہنے والا ہے یہ نظام احمد قادیانی نہیں یا اگر بالفرض محال یہ مدعی مرحوم کا بیان قابلِ قبول تسلیم کیا جائے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ نمبردار اور قریشی صاحب اپنے تئیں نظام احمد قادیانی کے مرکب نام سے موسوم و معروف نہ تھے؟

باب ۲۳

مباہلہ کی تحریک اور مسیح قادیاں کی طرف سے قبول مقابل

قادیانی صاحب اور ان کے حواریوں نے دوسرے عاجز و ناتواں انسان کی طرح اپنے دعویٰ اور کارِ منصب کو اپنی نفسانی خواہشات کے باعث موم کی ناک بنا رکھا تھا اس لیے مولوی عبدالحق غزنوی امرتسری اور بعض دوسرے حضرات کی خواہش تھی کہ طریق بحث و مناظرہ سے قطع نظر قادیانی صاحب سے مباہلہ کریں اور ان پر اور ان کے جھوٹے دعووں پر حجت قائم کر دیں۔ مگر مباہلہ کا نام سن کر قادیانی صاحب کی روح فنا ہوتی تھی۔ اس لیے جب کبھی کسی طرف سے مباہلہ کی صدا بلند ہوتی تو مرزا صاحب بلاتکلف ٹال جاتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ انہوں نے محض نظام وغیرہ کی خاطر تسمیہ اور حمدیہ کا دعویٰ کر رکھا ہے اور ان کے نفس کی ساری کائنات قلابی اور خیالی ہے۔ اسی بنا پر ڈرتے تھے کہ کہیں مباہلہ کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان مہیا نہ کر لیں۔ آخر جب مولوی محمد علی نامی مہاجر کولمبی نے ۱۰ ہو حمید اسی مدعا پر بھیج کر قادیانی صاحب کی تسلی گرم کیا کرتے تھے، دیکھا کہ قادیانی صاحب مباہلہ سے جی چراتے ہیں تو ان کے ہم ایک انجمن بنا کر مباہلہ کی تحریک کی۔ خاکسار راقم الحروف مولوی محمد علی نامی کی انجمن پر تو دعویٰ نہیں یا سکتا البتہ اہل حق قادیانی صاحب کے جواب کا خلاصہ کمالات احمدیہ' جلد ۵' سے نقل کیا جاتا ہے۔ انہوں نے لکھا تھا

میرے پیارے دوست جناب محمد علی خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ

لطف و برکات آپ کا بہت بڑا حصہ ہیں انتظار ہیں بلکہ کوئی جس کو میں نے تعلیم سے دیکھا اور ہمدردی اور اخلاص کے جوش سے حرف بحرف پر عمل پیرا ہے ماجز پایا ہے کہ ایک مخلص جماعت کی جمع ہو اور ان میں وہ لوگ بھی جمع ہوں جو مباہلہ کی درخواست کرتے ہیں۔ پہلے یہ ماجز انبیاء کے طریق پر شرائط نصیحت بجا لائے اور صاف صاف بیان سے اپنا حق ہونا ظاہر کرے۔ جب اس وعظ سے غفلت ہو جائے تو درخواست کرے مباہلہ اللہ کر یہ کے کہ وعظ میں نے سن لیا مگر میں اب بھی سمجھتا ہوں کہ یہ شخص کذاب اور مفتری ہے اور اس یقین میں شک و شبہ کو راہ نہیں بلکہ روشنی کی طرح قطعی ہے۔ ایسا ہی مجھے اس بات پر بھی یقین ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ایسا شک و شبہ سے خالی ہے کہ جیسے روشنی' تب اس کے بعد مباہلہ شروع ہو۔ مباہلہ سے پہلے کسی قدر مخالفوں کو ہوشیار ہونا چاہیے تا حجت پوری ہو جائے۔ کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی نبی نے ابھی تبلیغ نہیں کی اور مباہلہ پہلے ہی شروع ہو گیا۔ غرض اس ماجز کو مباہلہ سے ہرگز انکار نہیں۔ یہ ماجز اس شرط سے ایک ماہ تک کتاب اشاعۃ السنہ کے دو رسائل مشتہر کرنے کے لیے طلب کرے گا مگر شرط یہ ہے کہ ابھی آپ کسی پر ان کو ظاہر نہ کریں۔ اس کا حصہ آپ تک خالص رہے۔ (تائید اسلام مجموعہ اشتہارات امیر' جلد ۱' نمبر ۳' صفحہ ۳۵۰)

مختصراً آپ نے دیکھا کہ الہامی صاحب نے کس ہوشیاری سے بالکل فعل فعلہ بیش کر کے مباہلہ سے بچنا چاہا۔ جب قادیانی صاحب کو اپنا پیشگوئی کرتے کئی سال گزر چکے تھے اور ملک کا ہر اعلیٰ ادنیٰ باشندہ ان کی فراڈ تعلیمات سے واقف تھا تو پھر مباہلہ سے پہلے کسی نے وعظ سامعین کا سوال بالکل لغو بات تھی۔ بہرحال یہی معمول و قابلیت شرائط تھے' جنہوں نے الہامی صاحب کو دو سال تک مباہلہ کی مصیبت سے بچائے رکھا۔

باب ۲۵

بشارت مسیح ہونے کے دعویٰ پر

مسلمانوں میں عام ہیجان

الہامی صاحب نے اپنے رسالہ "مسیح اسلام" میں ۲۰ جنوری ۱۹۱۵ء کو شائع ہوا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس سے مسلمانوں میں بڑی شورش پیدا ہوئی اور جامعۃ المسلمین میں ان کے خلاف جذبہ نفرت پیدا ہو گیا۔ اس سے خائف و خائر ہو کر الہامی صاحب نے اپنے دعوے کی وضاحت شوریٰ خلیل کی چھاپنی اس فرض سے "توضیح مرام" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ اس سے اہل اسلام میں اور زیادہ ہیجان پیدا ہوا کیونکہ "مسیح اسلام" میں تو الہامی صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا "توضیح مرام" میں نبوت کے بھی مدعی بن بیٹھے۔ اس کے علاوہ اسی سے دوسرے عقائد کفریہ کا بھی انکشاف کیا۔ اس رسالہ کی اشاعت سے اور زیادہ اشتعال پھیلا۔ "مصور اسلام" نام کی ایک کتاب شائع کی۔ اس کتاب نے نبوت و خلافت کی آگ پر تیل کا کام دیا کیونکہ اس میں دوسرے مرزائی عقائد کے علاوہ رسالت کا دعویٰ بھی موجود تھا اور پھر رسالت بھی وہ جس کا سرچشمہ اللہ کی کتاب و سنت یا رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہیں ایک رسول کی بعثت کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمد ہوگا) میں ذکر ہے۔ اس کے علاوہ اسی سے دوسرے کفریات کا بھی انکشاف ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول سے ان کا قرنی مزرع میں مقصد مخالفت پر مبنی ہے اظہار کیا اور یہ سوال حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام سے فریضہ کا دعویٰ کیا بلکہ دوسرے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی علم و فہم میں فائق ہونے کے مدعی ہوئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ خود حضرت سید المرسلین فخر بنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب اطہار اور جمیع انبیاء پر بھی فوقیت کی رٹ لگانی شروع کی۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان تمام نفوس کی توہین و تذلیل کے بھی مرتکب ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اسلام میں قادیانی کے خلاف دور دور سے تکفیر و توہین کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

باب ۲۱

قادیانی کے کفر و ارتداد پر علماء ہند کا اتفاق

یہ شخص نقشبندی لباس میں زندگی گزار رہا ہو' علم و تحقیق کی عبائے فریب پہن کر بے دینی اور بے حقیقی پھیلا رہا ہو' علمائے امت کا فرض عینی ہے کہ خدائے جلیل کی کتور تحقیق کو گمراہی اور کج روی سے بچانے کے لیے اس کے خبائث علم و فضل کی قلعی کھول دیں۔ جب تھانوی صاحب نے خلق خدا پر شب و روز دام تزویر پھیلانا شروع کیا تو مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی نے تھانوی صاحب کی تحریروں کی خلاصہ خود ان کی عبارتیں نقل کر کے ایک رسالہ مرتب کیا اور اطراف و اکناف تک اسے بھیج کر جلیل القدر علمائے امت کے آراء و خیالات دریافت کیے۔ تمام مایہ ناز شخصیتوں نے بالاتفاق تھانوی صاحب کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا اور انہیں ملت اسلامیہ سے خارج اور مرتد قرار دیا۔ بعض علماء کے اسماء گرامی اور ان کے فتووں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مولانا لطف اللہ علی گڑھی

مولانا لطف اللہ علی گڑھی نے کہا کہ جس شخص کے یہ عقیدے ہیں وہ بے شک دائرہ اسلام سے خارج' کفر و زندیق ہے۔ فتویٰ بالکل صحیح ہے۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی

تھانوی نے جو مذہب علماء سے الگ اختیار کیا ہے اور خصوصی کتاب و سنت کو ان کی جگہ سے ہٹایا ہے۔ جس پر کوئی مسلمان توقف نہیں کر سکتا۔

مولوی محمد صدیق دیوبندی

جس ملحد نے کہ تھانوی وہ ناپاک سے منکر ہے۔ مستقل ختم نبوت کا قائل نہیں۔ صرف زمانی ختم نبوت کو مانتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔

مولوی محمد عادل لکھنوی

یہ علماء تھانوی کے سوال میں مشتمل ہیں وہ بالکل ہیں۔ اس کے متعلقہ کلمہ

برسام اور سرسام والوں کے سے ہیں۔ یہ شخص بے بصیرت ہونے کی وجہ سے حق اور باطل میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس کے بارے قرآن و اسلام کے خلاف ہیں۔ یہ بچنا ملت اسلام کے واجب ہے۔

مولانا حسین علی

مولانا حسین بن اکبر انصاری علی پوری ثم بھوپالی نے کہا مرزا قادیانی دجال' کذاب کا طریق گمراہوں کا طریق ہے' جو اس کے گمراہ ہونے میں شک کرے وہ بھی ویسا ہی گمراہ ہے۔ میں نے اس کے مفتریات کی رد میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ خدا اس کو اس کے مفتریات کی سزا دے۔

مولانا امیر حسن کالپوری

مولانا امیر حسن دریں مورد مناصب کالپہ نے لکھا کہ قادیانی کی تحریریں ظاہر دل سنت و عقائد کے خلاف ہیں۔ یہ اس شیطان سے بھی زیادہ حق سے دور ہے جو اس سے نکل رہا ہے"۔

مولانا اشرف علی تھانوی

ایسے عقائد کا معتقد کتاب اللہ کی تبدیلی کو لازم کرنے والا' سنت رسول اللہ کو خاک میں ملانے والا' اجماع مسلمین کا مخالف کرنے والا ہے۔

مولانا عبدالغفار گلھوڑی

قادیانی ملحد جملہ اسلام کے عقائد کے خلاف ہیں اس کے نیات ایسے ہیں' جیسے نحل یہودی کے راشد۔ خدا اس کو مرزا معتقیم پر چلنے کی توفیق دے اور مسلمانوں کو اس کے اور تمام شیاطین انس کے مکائد سے بچائے۔

مولانا عبدالجبار عمرپوری متیم آگرہ

تھانوی کہنے نے بدعت خلافت قائل ہے۔ قسوس میں تحریف کی ہے اور ان باتوں کا جو دین میں بداعت" ثابت ہی انکار کیا ہے۔ یہ اور اس قماش کے دوسرے لوگ دین کے چور اور دیانوں میں سے ہیں۔ خدا اس کو قبر کی توفیق دے یا دلت آخری عذاب میں ■ کرے۔

مولانا امیر حسن دہلوی تلمذ حیدر آباد دکن

ایسے اعتقادات رکھنے والا خود اپنے ظاہر شریعت کا منکر ہے اور اس کا حکم قتل نہیں ہے۔

مولانا نذیر حسین دہلوی

مرزا غلام احمد قادیانی اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کے اکثر عقائد و خیالات یونانی فلاسفہ کے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو ان دو بیٹی ہاتوں سے لیے گئے ہیں۔ بعض نصاریٰ سے ماخوذ ہیں۔ اس کا طریقہ تعریف بالضد و تبدیل اصطلاح کا ہے۔ اس کے دعوائے نبوت اور اثبات اکثیب اور خواندہ طریق کی وجہ سے وہ بالیقین ان میں دجالوں میں سے ہے' جن کی اطلاع حضرت سید صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور اس کے ہم مشرب ارتداد دجال ہیں۔ اگر اس عمل و اعتقاد کا شخص خدا کا علم و غالب ہو تو انبیاء و مصلحین سابقین کا الہام پر اعتماد ساقط ہو جاتا ہے۔ قادیانی کا کواکب و سیارات و افلاک کے لیے نحوس و ارواح تجویز کرنا یونان کے فلاسفہ متقدمین اور ہند کا مذہب ہے۔ چنانچہ قادیانی نے توضیح المرام کے صفحہ ۳۳ پر لینا یہی عقیدہ لکھا ہے قادیانی کا بلور استناد ابن اللہ کہلانے کو تجویز کرنا یہودی نصرانیت ہے۔ بائبل سے ثابت ہے کہ عیسائیوں نے بھی استناد کے طور پر خدا کے پیارے اور مقرب بندوں کو ابن اللہ کہا ہے اور قرآن میں بھی اس قول کی حکایت کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ تحریری استناد ان لوگوں کے مشرک ہونے اور خلق کو خلقت" خدا کا بتا

قرار دینے کا سبب ہوا" تو قرآن و اسلام کیا اور اس عقیدہ کو رد کیا۔ اب قادیانی نے پھر اس عقیدہ کو رائج کرنا چاہا ہے۔ اور قادیانی کا حضرت عیسیٰ کے وفات ہونے کا دعویٰ کرنا اس لیے ہے ایک قسم کا نبی کھلانا اور نبوت جزئی کے دروازے کو مفتوح کرنا بھی قرآن کا انکار ہے۔ قادیانی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صلیب پر چڑھایا جانا تحریف کرنا نص قرآنی وما قتلوہ وما صلبوہ سے انکار ہے اور اس میں اس نے عیسائیوں کی تقلید کی ہے اور عیسائیوں کے مقلد ہیں۔ قادیانی کا حضرت مسیح کے تجلوہ سے انکار کرنا قرآن کا انکار ہے۔ قادیانی کا صحف نبوی کو مفسر قرآن نہ ماننا ضلالت ہے۔ اہل سنت و جماعت میں مسلم ہے کہ صحف قرآن کی مفسر اور اس کے اجمال کی مبین ہے۔ قادیانی کا اپنی بیوی کو مادر ملت ٹھہرانا بھی انتہا درجہ کی گمراہی ہے کیونکہ ایسا دعویٰ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو نہیں پہنچتا۔ قادیانی کا یہ کہنا کہ حیات مسیح علیہ السلام کا اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ اس کا ان تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کے تمام مسلمانوں کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ مانتے ہیں اور قیامت سے پہلے ان کے نزول کے معتقد ہیں مشرک بنانا ہے۔ قادیانی کا یہ عقیدہ ایسا کفر ہے جس سے کوئی مخرج نہیں" لہٰذا یہ شخص اسلام سے خارج ہے۔

مولانا عبدالحق مفسر حقانی دہلوی

یہ شخص محمد ابن وہابیہ کے ایک دجال ہے جس کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ مگر یہ ہمارے دجال بلکہ اس کا کم دخل ہے۔ اگر جناب میں آزادی اور الحاد کا دروازہ اسی طرح مفتوح رہے گا اور اس کے بعد کوئی مدعا نبی دعوائے نبوت قادیانی کا دعویٰ کر دیگا تو بیشمار سادہ لوح جنابیں اس کے بھی مرید ہو جائیں گے۔ خدا قادیانی کو ہدایت نصیب کرے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی

ہم نے مرزا غلام احمد کے رسالے "فتح اسلام" "توضیح المرام" دیکھے اور ان میں یہ

عقائد و عقائد پر مشتمل ہیں قابل کفر ہیں بلکہ علماء کے نزدیک ان عقائد کا معتقد اور ان عقائد کا قائل اسلام سے خارج اور دجال کذاب ہے۔

مولانا محمد عبداللہ تماپوری

میں نے اوراق سوال کو آخر تک پڑھا اور مرزا کے عقائد و مقالات کو اس کی اصل تصانیف میں بھی دیکھا۔ یہ شخص دجال کذاب اہل ملت و جماعت سے خارج ہے۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی

مرزا قادر اور اہل صلاح کا لباس پہن کر خلق خدا کو گمراہ کر رہا ہے۔ جو لوگ اس کی طبع سازیوں کا ابطال کر رہے ہیں وہ اس کا اجر حق تعالیٰ سے پائیں گے۔

مولانا محمد بشیر سہسوانی مہتمم بھوپال

مرزا قادیانی ان عقائد و مقالات کی وجہ سے اسلام سے خارج اور دجالین کذابین کی جماعت میں داخل ہے۔ ایسے عقائد و اقوال کے ساتھ کوئی شخص فقہاء و علماء فہم و فہیم نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کذاب پیدا ہوں گے" تم کو ایسی باتیں کہیں گے جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے نہ سنی ہوں گی۔ خبردار ان سے بچتے رہنا ایسا نہ ہو تم کو گمراہ کر دیں۔

مولانا محمد ادریس حنفی دہلوی

جس شخص کے ایسے عقیدے ہوں" جو مرزا غلام احمد کے بیان کئے ہیں" وہ شخص کافر بلکہ اکفر ہے۔

مولانا غلام محمد بگوی خطیب شاہی مسجد لاہور

جس شخص کے ایسے عقیدے ہوں وہ کافر ہے۔ اس قسم کے عقیدے پہلے بھی سنے

بن نہ گئے تھے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے عقائد و اقوال سے بچیں اور شریعت حقہ کی پیروی کا التزام کریں۔

مولانا غلام احمد مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور

میں نے مرزا غلام احمد کو تحریرات و کرامات اور مکالمات الہیہ علیم السلام کا منکر پایا۔ وہ قرآن و حدیث کی تحریف کرنا بلکہ اس کے بیچ پھاڑنا ہے۔ میرے نزدیک یہ شخص ملحد و زندیق ہے' جو اس کا مصدق و مؤید ہے وہ بھی گمراہ ہے۔ لہذا مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے۔

مفتی محمد عبداللہ ٹونکی اورینٹل کالج لاہور

میں نے قادیانی کے وہ اقوال جو استفتاء میں درج ہیں پڑھے اور ان کو اس کی اصل کتابوں میں بھی ملاحظہ کیا۔ یہ اقوال شریعت اسلام کے خلاف ہیں۔ میرے نزدیک یہ شخص اسلام سے خارج اور قرآن و حدیث کے انوار سے باہر ہے۔

مولانا رحیم بخش مصنف سلسلہ تعلیم اسلام لاہور

جس شخص کے یہ عقیدے ہیں وہ اسلام کے شائع عام سے دور ہے۔ جن لوگوں کو ایسے علماء کی طرف سے بیان ہو گیا ہے انہیں چاہیے کہ نجات اخروی کے لیے اپنے شبہات علماء سے حل کریں۔ رسالہ فتح الاسلام' توضیح المرام و ازالہ اوہام مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی میں' جو یہ اعتقاد و مسائل درج ہیں کہ مسیح موعود میں ہوں۔ فالیکہ بذات خود اپنے دعوٰی سے ذرہ بھر نہیں آگے اور اتباع پر نہیں اترے' صرف ان کی تاخیر نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم مبارک کے ساتھ معراج نہیں ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام مردہ کو بإذن اللہ زندہ نہیں کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا حقیقی سانپ نہیں بنا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پر چار جانور زندہ نہیں ہوئے' جن کا قرآن پاک میں تذکرہ ہے بلکہ یہ سب کا محض قصہ ہے۔ غرض اس قسم کے دوسرے عقائد قرآن و حدیث اور سلف

مدارج کے طریقہ کے خلاف ہیں۔

مولانا احمد علی مدرس مدرسہ اسلامیہ بنگلہ

علامہ محمد تھانوی علامہ حق جمہور اہل اسلام کے خلاف ہیں۔ میں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان کی تردید کرے۔ بچے مہدی کی یہ علامت ہے کہ ان کے زمانے میں زر و مال کی اتنی بہتات ہوگی کہ کوئی شخص زکوٰۃ قبول کرنے والا نہ ملے گا تھانوی کے بعض حواری اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مرزا صاحب بھی بذریعہ اشتہارات انعام کا وعدہ کرتے ہیں اور کوئی قبول نہیں کرتا مگر اس تاویل کی بیہودگی بالکل ظاہر ہے۔ ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ لوگوں کو مال و دولت سے محبت اور عبادت کی بڑی رغبت ہوگی۔ لیکن آج کل تو یہ حالت ہے کہ ہر شخص پیٹا کیٹے میں مبتلا ہے یہاں تک کہ نماز ایک وقت سے بھی ساقط کیا جاتا ہے۔ ایک اور بڑی علامت یہ ہے کہ لوگوں میں باہمی بغض و عداوت اور کینہ و حسد بالکل نہ ہوگا۔ جناب تحویل میں مرزا صاحب نہیں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں تک سے عداوت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان علامات کے علاوہ اور بھی بہت سی علامتیں ہیں جن پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

مولانا محمد اسحاق مفتی پٹیالہ

ہم نے تھانوی کے رسالے توضیح الحق اور ازالۃ الشبہات اور دیکھے۔ تھانوی کے علائد مخترعہ قرآن و سنت کی تعلیم اور صحابہ کرام و سلف صالح کے عقائد کے خلاف ہیں۔ ایسا شخص بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج اور سنت نبوی من خالف فلیس منا کا پورا مصداق ہے۔

مولانا محمد حسن فیضی ساکن بھین ضلع جہلم

تھانوی کے عقائد مخترعہ اور فاسدہ کفر سے خالی ہیں۔ اہل حق و عدالت ایسے عقائد سے کوسوں دور ہیں۔

حافظ عبدالمنان وزیر آبادی

میں نے قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو ان کو کفر و الحاد اور استہزاء علی اللہ و الرسل سے مملو پایا۔ اس کا مسلک علی اللہ و رسلہ کا طریق ہے۔ اس کا مذہب کفر و الحاد ہے۔ وہ ان دجالوں میں سے ہے' جن کی تکفیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔

مولانا محمد عبدالقادر لدھیانوی

قادیانی لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ خدا اور اس کے برگزیدہ رسول پر استہزاء کرتا ہے۔ اسلام کا دین بن کر کفار کے طور طریقے پیدا کرتا اور اس طریق سے دنیا کماتا ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی گمراہانہ باتوں اور خلاف واقعہ کی وجہ سے دجال کذاب اور طریق اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔ اس کے پیرو بھی اسی کی مانند ہیں۔

مولانا محمود حسن دیوبندی

جن مسائل کو قادیانی کی طرف منسوب کیا گیا ہے ان کو بلا شک شبہ اس فرقہ ضالہ مبتدعہ بد کردار نے ایجاد کیا اور یہ بلاشبہ المسلمین ہیں۔ جہال یا گمراہ کے سوا ایسے حالات کا متلاشی کوئی نہیں ہو سکتا۔

مولانا عزیز الرحمٰن دیوبندی

قادیانی اور اس کے پیرو جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ بلاشک کفر اور شریعت کا ابطال ہے۔ اس پر کتاب و سنت کی شہادت نہیں پائی جاتی۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری

علامہ موصوف سوال ہوا کہ کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسائل اجماع امت ہیں اور تحقیقات ذکر ان قبیل تحریرات و تقریرات ہیں۔ اگر تحریرات کا بدان اسی طرح کیا جائے تو تمام دین درہم و برہم ہو جائے۔ مرزا کی سب تحقیقات و تلبیسات محض نوکیں قلم اور تسویل شیطان ہے۔ ابن عساکر کا لقب ثقہ و عقل مگر دجالیت میں سے پاس رکھی ہے۔ حق تعالیٰ اپنے دین کی اپنے لوگوں سے حفاظت فرمائے اور ان کو رجوع الی الحق کی توفیق بخشے۔

مولانا محمد انتظام الدین مرزا گیلانی

مرزا قادیانی کے حق میں اقبال' علامہ اسلام کے خطاب ہیں۔ یہ شخص تحقیقات مسیح علیہ السلام کا منکر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے حق میں اقبال بڑھنا اور بعض کفر تک پہنچ ہیں۔

مولانا فقیر اللہ شاہ پوری

مرزا قادیانی اہل دغل و دھل ہے۔ کتاب اللہ دین میں فساد ڈالنے والا ہے اس کے کفر و ارتداد میں کوئی شبہ نہیں۔

مولانا محمد لقمان اللہ داری

جس شخص کے یہ خیالات ہوں وہ اسلام میں داخل ہی نہیں۔ وہ نہ صرف اہل حق و صداقت سے خارج بلکہ خلاف زندیق و ملحد ہے۔

مولانا محمد اسماعیل علی گڑھی

یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ قادیانی بدعتی ملحد اور دجل جہل کا منکر ہے۔ اور اس امر کا قائل ہے کہ ملائکہ ستاروں کی ارواح اور قوتوں کا نام ہیں۔ اور اس کا عقیدہ ہے کہ لیلۃ القدر سے مراد وہ تاریک رات ہے جس میں آسمانی برکات جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ

قائل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر جانا اور نازل ہونا قائل ہے۔ اور وہ قائل ہے کہ ختم نبوت سے تو شریعت والی نبوت کا ختم ہونا مراد ہے' نہ مطلق نبوت کا ختم ہونا۔ اور وہ قائل ہے کہ مطلق نبوت کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسیح کے آنے کا وعدہ دیا تھا اس سے عیسیٰ بن مریم مراد نہیں بلکہ اس کا مثیل قادیانی مراد ہے' جس کو خدا نے قادیان میں نازل کیا ہے۔ اور قائل ہے کہ قرآن و حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں اور خدا تعالیٰ اپنی مراد کو وحی و استعارہ میں بیان کرتا ہے۔ اسی قسم کے اور بھی خرافات بکتا ہے جن سے ثابت ہے' لہٰذا میرے نزدیک اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ وہ کافر ہے دین اور شریعت محمدیہ کا دشمن ہے اور اس کو باطل کرنا چاہتا ہے۔

مولانا محمد ایوب ساکن کنل

قادیانی شریعت محمدیہ کے اصول کا منکر ہے اور جو کوئی ان کا منکر ہو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ الٰہی ہمیں باطل سے بچائے رکھے۔

مولانا وصیت علی غازی پوری

ہم نے یہاں تک مولانا قادیانی کے اقوال دیکھے اور سنے ان کے رد سے وہ اظہر من الشمس ہے۔

مولانا عبدالجبار خرخوی

ان امور کا دعویٰ جو سوال میں مذکور ہے۔ رسول رب العالمین کا مخالف اور اس رد کا رد ہے جو مولانا کی رد نہیں۔ علامہ علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاتفاق کفر ہے۔ قادیانی کے بعد نصاریٰ کے پادری ہے۔

مولانا عبدالغفور غزنوی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کذاب دجالوں کے ظہور کی اطلاع دی تھی قادیانی بھی انہیں میں سے ایک ہے۔ یہ شخص پکا مرتد اور باغی اور قرمطی اور ان لوگوں میں سے ہے' جن کے حق میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے' جن میں قرمطی خاصیتیں ضرور اثر کر جائیں گی' جس طرح زہر کا اس شخص پر اثر ضرور ہوتا ہے جسے یہ کاٹ کھاتا ہے۔ اور اس کی کوئی رگ یا ریشہ اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہتا اور ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے کذاب پیدا ہوں گے ان کے فریب سے بچنا۔

مولوی عبدالحق غزنوی

قادیانی مرتد ہے۔ دجال' مضل' ملحد و ضال' وسوسہ ڈالنے والا اور اہل کو پیچھے ہٹنے والا ہے۔ جس کو میرے بیان کی صحت میں شک ہو وہ مجھ سے مباہلہ کر لے۔

سید ظہور حسین قادری سجادہ نشین بٹالہ

مجھے اپنے اہل بھائیوں پر خاص افسوس ہے کہ مرزا غلام احمد کی کتابیں بالخصوص توضیح المرام' فتح الاسلام' ازالہ اوہام کا مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں جابجا علماء سلف خلف پر طعن و ملامت بیشمار درج ہیں اور پھر اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی دوستی و محبت کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ ایسے عقائد رکھنے والا شخص بالاجماع مرزا اسلام سے خارج اور مرزا کفار میں داخل ہے۔ پھر ہمیں کیا حق ہے کہ اپنے بھائیوں کو ایسے اشخاص کی صحبت اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے باصرار و سختی نہ روکیں۔

مولانا عبدالرحمٰن ساکن لکھوکی

یہ علماء کفر مرزا کے متعلق سوال میں مذکور ہیں ان میں سے ہر ایک کفر اس کے کافر ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میرے الہام بھی کتاب اللہ کی طرح قطعی

ہیں لہٰذا یہ احادیث جو مرزا کے متعلق ہیں سراسر کلام کرتا ہے۔ ہر حدیث صحیح مرفوع ہے جس کو علماء حدیث نے باتحقیق ثابت کیا ہے باتفاق راجب القبول ہے اس کا مکذب کافر و مرتد ہے اس میں کسب یا اجتہاد کا حیلہ قابل قبول نہیں ہے۔ اگر حدیث جواز ہے تو اس کا منکر قطعی کافر ہے۔ رد حدیث بھی کفر ہے۔ یہی معنی تحقیق میں قاضی خاں اور اشباہ الزرقین ہے۔ اس نے ارتداد کے سطر ۲۸۴ میں تمام اہل اسلام کو جو حملہ سے کہ کر آج تک ہوئے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کی وجہ سے (معاذاللہ) قابل از ایمان قرار دیا ہے۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی مثل حضرت زکریا علیہ پر چڑھا کر نص قرآنی سے انکار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ و ملائکہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو یہود بہتان کا پتا لکھا ہے۔ قرآن کے صریح دلیل کا انکار کیا ہے جو صریح کفر ہے اور یہ معلوم ہے اس کفر کو کہ قرآن پاک کلام الٰہی نہیں ہے۔ ان ھذا الا قول البشر کیونکہ اس قول کے مرتکب نے کوئی جبریل کیا اور نہ خدا کا کلام زبان پر لایا۔ صریح یا صریح کا انکار بھی کفر صریح ہے۔ صریح دلیل سے مسیح کذاب کا انکار، نبی اللہ ہونے اور اس حشر بالقرآن ہونے کا دعویٰ بھی کفر صریح ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا اس لعنہ کی نصرانیہ ہے اور اپنی ذات کو ابن اللہ کا لقب دینا اس کی یہودیت ہے۔ چنانچہ یہود بھی کہا کرتے تھے نحن ابناء اللہ و احباءہ، اور یہ لوگ ان کفریات مرزا کو سچ مانتے ہیں یا مرزا کی بزرگی کے قائل ہیں ان میں بھی رائی برابر ایمان نہیں اور اس کی فراواں خوابیں خدا اور رسول سے استہزاء و مسخر ہے۔

سید اکبر شاہ حنفی نقشبندی پشاوری

تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ قادیانی پر کفر و ارتداد کا حکم لگائیں اور اس سے کنارہ کش رہیں۔ اس کے اور اس کے پیروؤں کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔

مولوی محمد ایوب حنفی پشاوری

قاضی عیاضؒ نے ۱۱ میں لکھا ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

نبوت کا دعویٰ ہو اور دلائل اور عقلی قلب کے ذریعہ سے حصول نبوت کو جائز رکھے وہ کافر بے دین ہے اور اس کے کفر پر اجماع ہے۔ امام جلالی نے کفایہ میں لکھا ہے کہ کرامات و خوارق کے ظاہر ہونے سے یہ ضرورت حاصل کرنا الحاد ہے۔ یہ خط قادیانی حضرت مسیح کا نہیں بلکہ سیدھا کذاب اور امت حق کا شیطان ہے۔

مولوی رحمت اللہ پشاوری

علاوہ ازیں سوال کے سنڈ کو شیطان نے پکا رکھا ہے۔ لوگ اس کو ہدایت کی طرف لاتے ہیں مگر وہ نہیں آتا۔ اس کے لئے اعتقاد کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کے دلائل اور رسول کے دلائل میں امتیاز نہیں کر سکتا اور اپنے خرافات و ہذیان کی قرآن' حدیث اور اجماع امت پر عرض کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ توبہ کرے۔

مولوی تاج الدین گجراتی

علاوہ نے قادیانی کی جو تکفیر کی ہے وہ صحیح ہے۔ اس کا کفر ثابت ہے اس کے علاوہ کتاب و سنت کے خلاف بھی ہے۔ اسی لئے کہ جس نبی علیہ السلام کا سنڈ ہوں۔ ایک باطل دعویٰ ہے۔ یہ شخص اسلام سے خارج ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں قریباً تیس جھوٹے دجال پیدا ہوں گے" وہ نبوت کا دعویٰ کریں گے حالانکہ میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں"۔ یہ انہی تیس میں سے ایک ہے۔

مولوی ہدایت اللہ حکیم راولپنڈی

مجھ قادیانی کے بعض مریدوں سے مباحثہ کا اتفاق ہوا اور خط مرزا سے بھی الہام کے متعلق بالمشافہ ایک سوال کیا تھا جس کے جواب میں وہ بھونڈا جواب دے گیا تھا۔ علاوہ نے مرزا اور اس کے پیروکاروں کے متعلق جو فتویٰ دیا ہے وہ بجا ہے۔ یہ گمراہ فرقہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق ہے۔ حق تعالیٰ ان کو توبہ نصیب کرے اور اپنی مخلوق کو ان کے بد اثر سے بچائے۔

مولوی امام الدین کپور تھلوی

مرزا امام الدین کی بعض تصانیف خاکسار کی نظر سے گزری ہیں۔ ایسے عقیدہ والا شخص اسلام سے خارج ہے۔ گزشتہ سال میں نے ان پر یہ اعتراض کیا تھا۔ علاوہ کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کے سامنے قادیانی کے حامیوں نے کہا کہ سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ ایسا شخص بالکل اسلام سے خارج ہے۔

مولوی اشرف علی ساکن سلطان پور ریاست کپور تھلہ

احقر الناس کو قادیانی کی نسبت اس کے ابتدائے امر میں بہت کچھ حسن ظن تھا۔ لیکن جب اس کی کتابیں فتح اسلام، توضیح المرام، اور ازالہ اوہام کے اکثر مضامین کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور طریق سلف صالح کے خلاف نظر آئے تو معلوم ہوا کہ اس شخص کو فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں نے قادیانی کے کفر حال کے لیے ضرورت سمجھا۔ فقیر اہل تحقیق سے درخواست کی کہ باقی طور پر ثابت فرما کر ارشاد فرمائیں۔ انہوں نے اپنا مکاشفہ تحریر فرمایا کہ اس کا حال مثل فتنی کا سا بتایا گیا ہے، اور مرزا کی طرح ایک فاسد سلاسلی کہا ہے۔ حاجی نے خود قادیانی کے متعلق یہ رائے اختیار کیا۔ پہلی مرتبہ اس کی صورت کو ایسی صورت میں دیکھا کہ اس کا رخ شمال کی طرف اور پشت جنوب کی طرف ہے جس میں اندازہ سے جنوب کی طرف جھکا ہوا ہے۔ دوسری مرتبہ قادیانی صاحب پر اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت میں دکھلا دیا کہ سوئیں قدر سنون سے بہت بڑی ہوئی ہیں۔ گویا کسی سکھ کی سوئیں ہیں۔ تیسرے ایک دوست میاں گلاب علی سلطان ساکن کپور تھلہ حال وارد سلطان پور نے بھی اس کی نسبت استفتاء کیا تو جواب میں ایک ہولناک اور موذی جانور دکھلایا گیا۔ علاوہ کتاب کے علماء اہل کشف و شہود بھی اس کے متعلق خیالات سے خوب تھے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ بمصداق من لا یتبع فقیہ شیطان غیر کسی متبع کامل کے والی طریقت ہی قدم رکھنے سے شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو گیا ہے اور اس کے وساوس کو الہامات ربانی سمجھ لیا ہے۔ العیاذ باللہ اس کی کتابوں سے اس کا

مدعی نبوت و رسالت ہونا ظاہر ہے اس لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بموجب کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تیس دجال کذاب ظاہر ہو کر دعوائے نبوت نہ کر لیں (بخاری و مسلم) یہ شخص بھی ان تیس میں سے ایک ہے اس نے (مسیح الزمان کے خطاب پر) صرف ہونے کے پردے میں اپنا ہی دعوا صاف بیان کیا ہے۔ ایک جگہ یہ بھی لکھ دیا ہے ان قاضی محدث و المحدث ہیں لکھے اس شخص کی حالت پر رحم آتا ہے حق تعالیٰ اس کو راہ راست پر لائے اور دشمن اسلام کو اس کے فتنہ سے بچائے۔

مولوی عبدالغفار ساکن بیگم پل ریاست کپورتھلہ

ہمارا اعتقاد ہے اس کی نسبت ہے جملہ ہے قرآن' حدیث' اجماع صحابہ و تابعین و آثار بزرگین رحمہم اللہ کے خلاف ہے۔ اس کی نسبت میں اظہار ذکر قرآن کا صاف انکار پایا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے ہدایت کرے۔

مولوی عبدالرحمن دیو بندی

مرزا غلام احمد مسیح دجال کا مثیل و نظیر ہے۔ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو اسے کبھی اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ حدیث رسول اللہ کو غلط قرار دینے کے درجہ سے بھی گرا ہوا ہے اور اپنے الحاد پر اڑا رہا ہے کہ اس کی بدولت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کا انکار کرے اور قرآن میں تحریف و تبدیل کرے۔ کیا اس نے قرآن میں یہ قول خداوندی نہیں پڑھا کہ عیسیٰ علیہ السلام گہوارہ (جھولا) میں کلام کریں گے؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے تین دن کی عمر کہوارہ میں کب کلام کیا ہے جب تک حضرت مسیح علیہ السلام کی عمر تین دن نہ ہو جائے قرآن پاک کا یہ ارشاد صادق نہیں آسکتا۔ تعجب ہے کہ یہ شخص آیات و احادیث میں استدلال بالظہر تجویز کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ اپنے باطل الحاد میں کیسے استدلال کیوں جائز نہیں رکھتا کہ اس کو ان متشابہات سے نجات ہو اور خدا کی آیات بینات پر ایمان نصیب ہو۔

مولوی گل محمد خان دیوبندی

قادیانی کے علاوہ فرقہ نیچری سے بالکل بیگانہ ہیں۔ اس نے اکثر علماء اپنے زمانہ حوالی سے ابعاد کیے ہیں، جو نہ کسی دینی حلقہ کے مخالف اور نہ کسی شاہد حق کے تحت میں داخل ہیں اور بعض علماء دیوبندی دیوبندیوں کے قائد و اصول پر تھی ہیں۔ حقل از رسالہ الشاہد محمد۔

باب ۲۷

فتوائے تکفیر کے جواب میں فیصلہ آسمانی کی دعوت

مرزا جی نے اپنے مسلمان ہونے اور الزام کفر و ارتداد سے بچنے کے لیے ۱۰ رمضان ۱۳۱۴ھ کے اخبار رسالے میں ان پر قائم ہونے پر دعوت مباہلہ کو "فیصلہ آسمانی" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ اس رسالہ کا جواب مولوی محمد حسین نے اپنے ماہوار رسالہ "الشاہد محمد" میں درج کیا۔ فقط خاکسار نے یہ باب تمام تر اس سے اخذ کیا ہے۔

کفر و اسلام کا دلچسپ معیار

قادیانی صاحب کے نبوت کاملی کا معیار یہ ہے کہ مومن و کافر کا امتیاز تمام تر ان چار علامتوں سے ہوتا ہے۔

(۱) بشارات سے۔ یعنی مومن کو اس کی موافق اور اس کے مخالفوں کے متعلقات قبل از وقوع بتلائے جاتے ہیں۔

(۲) اطلاع غیبیات سے۔ یعنی مومنوں کو دنیا کے واقعات خفیہ غیبیہ قبل از وقوع اطلاع دی جاتی ہے۔

(۳) قبولیت دعوات سے۔ یعنی مومن کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(۴) کشف الاجابت قرآن سے۔ یعنی موسن کو ایسے الاجابت مطلوب و مقاصد سوجھائے جاتے ہیں جو پہلے کسی مسلمان مضر حال یا ناجس یا نام کو نہ سوجھے ہوں اور کسی تحریر میں بیان نہ ہوئے ہوں۔

الہٰی صاحب کے ان چار نکات اضافت ایجابی اور ذوالفقار حیدری میں ذرا دور اور اجنبی ایک استثناء اور قید بھی لگا دی۔ اور صاف صاف لکھ دیا کہ یہ اضافت (اکثری ہیں' کلی نہیں چنانچہ بعض مقاموں میں یہ مقاصد موسن میں نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں کافر کے اندر پائی جاتی ہیں۔ بعض بشارتیں موسن کو نہیں بلکہ کافر کو مل جاتی ہیں۔ مستثنیٰ کے بعض وقائع موسن پر نہیں کھلتے کافر پر کھل جاتے ہیں۔ موسن کی بعض دعائیں اس بنا پر کہ تقدیر مبرم میں ان کی قبولیت نہیں لکھی گئی' شرف قبول سے محروم رہتی ہیں اور کافر کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات موسن پر قرآن کے الاجابت نہیں کھلتے۔ صفا باطنی لکھتے ہیں کہ عاملانی صاحب نے یہ قید استثناء اس غرض سے لگائی کہ انہوں نے یہ شمار الخواص کے لیے دعائیں کیں اور ان کے عوض میں یہ فرما دیا ہے کہ اسم کر لکھے۔ چنانچہ رسالہ "نفع الانام" کے صفحہ ۴۴ (طبع چہارم' صفحہ ۱۳۲) پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ دعاؤں کے خواستگاروں سے یہ فرما دیتے تھے۔ حالانکہ اب تک یہ لوگ اپنے مقصد کو نہیں پہنچے اور عاملانی صاحب کی دعاؤں نے ان کو کچھ نفع نہ پہنچایا۔ عاملانی صاحب کو لیکن آجہانی لکھتے وقت یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں یہ لوگ اس ذریعہ احسان کو سن کر عاملانی صاحب کو کافر نہ بنا لیں اور دعائی دینے کا مطالبہ نہ کریں اور چاروں طرف سے دیوانی باتوں کی بھرمار نہ ہو۔ اس استثناء سے ان کا حد بند کر دیا گیا اور ان کو بتلا دیا کہ تقدیر مبرم میں حصول مقصد ان کی قسمت میں نہ لکھا تھا اس لیے ان کے حق میں دعاؤں کا اثر نہ ہوا۔ یہ ان کی قسمت کی خرابی ہے نہ کہ الہٰی صاحب کی دعاؤں کا قصور۔

دعاؤں کے معاوضہ میں کتنی کتنی رقمیں وصول کیں؟

مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی لکھتے ہیں کہ الہٰی صاحب نے ایک معزز رئیس اور دارے سردار دوست محمد سیالہ اور رسالدار بشیر ہیں' ان کے گھر پیدا ہونے کی دعا کے لیے پانچ سو روپیہ ایک مشت فیس کی متعدد رقمیں اپنے ایک وکیل کے ذریعہ سے وصول

حدیث کہلاتے' لیکن باہر اور رفع یدین کرتے ہیں' وصل کی ہیں لیکن لڑکا پیدا نہ ہوا
اسی طرح بعض حنفیین نواب محمد ابراہیم علی خاں والئی ریاست بشہر کو لے ہیں' جن سے
نواب صاحب کے لیے ولیعہد کے بدلہ پر پانچ سو روپیہ وصل کیا مگر وہ اب تک صحت
یاب نہیں ہوئے۔ اسی طرح ہمارے ایک دوست مولوی جلال الدین صاحب ساکن پرگنہ
ہلاقہ ضلع گورکھپور میں دو مرتبہ فیل پاہ سے محروم ابھر ہو کر بڑی بڑی
رقمیں لے کر کلکتہ حاضر ہوئے اور اب تک اس مرض سے نجات نہیں پائی حالانکہ وہ
اگر کسی ڈاکٹر کے پاس جا کر علاج کراتے تو غالباً اچھے ہو جاتے۔ اسی طرح اور لوگوں سے
بھی بڑی بڑی رقمیں وصل کیں لیکن دعاؤں کا اثر خاک بھی ظاہر نہ ہوا۔ کلیانی صاحب
نے اپنے اور اپنے حلقہ کے ممبران کے اطمینان کی یہ تجویز پیش کی کہ لاہور میں ایک بڑی
انجمن قائم ہو۔ جس کے ممبر بننے کی درخواست کلیانی صاحب کے حلقہ ہی سے نہ ہو سکے بلکہ
مرزا صاحب کے حلقہ بگوش اور موافقین کی بھی ہو۔ اس کمیٹی کی شاخیں اور دوسرے
ممالک میں قائم ہوں۔ یہ کمیٹی یا کمیشن دفتر اور رجسٹر رکھے۔ اس دفتر میں مرزا صاحب
اور ان کے حلقہ حلقہ اپنی اپنی تحریریں' مناظرات' بشارات و پیشین گوئیاں چار چار گواہوں
کے دستخطوں کے ساتھ بھیجتے رہیں اور کمیٹی ان تحریروں کے مطابق کو اپنے رجسٹروں میں
درج کرے ان تحریروں کی رسیدیں تمام بھیجنے والوں کو کم از کم پانچ اشخاص کے دستخطوں کے
ساتھ فریقین کو دیتی رہے۔ اور ان تحریروں کے نتیجہ کے ظہور پر اس کو اپنے رجسٹروں میں
درج کرے اور اس پر تمام یا کم از کم پانچ ممبر دستخط کیا کریں۔ ایک سال کے بعد وہ کمیٹی
فریقین کے سامنے ان کی بشارات اور پیشین گوئیوں کے نتائج کا موازنہ و مقابلہ کرے۔ پس
جس فریق کی جانب کثرت ہو' یعنی اس کی بشارتیں اور پیشین گوئیاں فریق مقابل کی نسبت
زیادہ صحیح نکلیں اس کو صادق کامل تصور کیا جائے۔

ملک کے کونسلیوں اور اخباروں کو لاہور میں جمع کرنے کی تجویز

اس کے بعد الہامی صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ ہر کمیٹی مختلف مذاہب کے اہل
عالیات اور مختلف صاحب میں جتنا (مثلاً کونسلی' اخبار' مکتوب یا پمفلٹ یا جس دوام
پیدر دوسرے شہر کے مرزا یا مذہب یا اپنے فریق مخالف کے قتل ہونے یا ہلاک ہونے کی صورت

میں (۵۵) لوگوں کو اشتہارات کے ذریعہ سے طلب کرکے اکٹھا کرے۔ اور ان سب کے نام قید ولدیت، سکونت، پیشہ، مذہب و نوع سکونت اپنے رجسٹروں میں درج کرے اور ایک مہینہ یا جس قدر مدت کے بعد کمیٹی حساب تکمیل کرے وہ خواست کرنے والے اہل حساب کی دو فہرستیں بنائے۔ اور ان کو قید اجرائی کے ذریعہ سے مرزا صاحب اور ان کے مخالف علماء میں تقسیم کردے۔ جس فریق کے حصہ میں جس فرد کے اہل حساب آئیں مدت تقسیم سے ایک سال تک وہ فریق ان کے حق میں دعا کرتا رہے۔ پھر جس فریق کی دعا سے کثرت سے لوگ اچھے ہوں وہ فریق حق پر سمجھا جائے۔ تھانوی صاحب نے لکھا کہ اس کمیٹی کے سامنے وہ اور مخالف علماء فریقین فریق کے اپنے اپنے ثابت شدہ بیان کریں جو پہلے کسی تحریر میں بیان کرچکے ہوں' یعنی پہلے کسی مسلمان کو نہ کہتے ہوں۔ پس جس فریق کے بیان کردہ معارف کمیٹی کے جلسہ میں صحیح اور عقل کے مخالف ثابت ہوں وہ مومن کامل اور صاحب علم لدنی سمجھا جائے۔ تھانوی صاحب نے اس اخلاق مقابلہ کی دعوت پر عملی کے اگر یہ کارروائی نہ دکھائیں تو ان کے مخالف علماء یاد رکھیں گے' اور عام لوگ چونکہ مرزائیوں کے کاٹے ہوتے ہیں لہٰذا وہ بھی ان کتابوں کو دیکھیں گے۔ ہاں اگر علماء لوگ وعدہ کریں کہ ہم مرزا صاحب کا ایک طرفہ نشان دیکھ کر ان کو مسلمان مان لیں گے تو تھانوی صاحب ایک طرفہ نشان دکھانے کو بھی حاضر ہیں۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۳' صفحہ ۱۳۰)

مولوی محمد حسین صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ جب تھانوی صاحب اپنے تحمیلی مباہلہ کے اشتہار چھپا چکے تو تھانہ بھون میں ایک جلسہ منعقد کیا اور اپنے سرکردہ مریدوں کو بلا کر یہ اشتہار سنایا اور اس کے ذریعے سے بہت سا روپیہ بھی وصول کیا اور جب مریدوں نے اس تحمیلی مباہلہ کی تجویز کی تو مرزا صاحب کا پکڑا جانا یقینی ہوا (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۳' صفحہ ۱۳۰) مولانا ہاشمی نے تحمیلی مباہلہ" کے ان مزاحیہ خرافات پر جو سیر حاصل و محققانہ تبصرہ کیا ہے رسالہ اشاعۃ السنہ' جلد ۱۳ میں (صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۲) ملاحظہ فرمائیے۔

باب ۲۸

دجال اکبر کے ظہور سے انکار

احادیث سے ثابت ہے کہ قرب قیامت سے پہلے ایک زبردست یہودی فتنہ سوار ہو کر ایک دنیا کو تباہ اور تہس نہس کر ڈالے گا ظاہر ہو کر دعوائے نبوت کرے گا اور آخرکار حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دجال کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ لفظ دجال دجل سے مشتق ہے اور دجل مکر و خدع اور کذب و تلبیس کے معنی میں مستعمل ہے۔ پس دجال بمعنی ہر قسم جھوٹے' فریبی اور تلبیس کرنے والے کے ہیں اور دجال کا ابن صیاد میں پایا جانا ظاہر ہے کیونکہ وہ ربوبیت کا جھوٹا دعویٰ کر کے خلق خدا کو فریب دے گا۔ دجال کے کئی اور بھی نام تلبیس میں لکھے ہیں اور مسیح کا لفظ حضرت روح اللہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور کانے دجال میں اسم مشترک ہے یعنی دونوں کو مسیح کہتے ہیں۔ نیز لفظ مسیح اضدادی ہیں اور موئر لفظ مسیح اضداد کو لگتا ہے۔ عینی علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ جب آپ اندھے یا کوڑی کو مسح کرتے تو وہ اچھا ہو جاتا۔ اس کے علاوہ اور وجہیں بھی بیان کی گئی ہیں اور دجال اس لیے مسیح کہلاتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ ممسوح اور ہموار ہوگی' چنانچہ حدیث میں ممسوح العین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے منہ کی ایک جانب ہموار ہو اور آنکھ اور بھنویں نہ ہوں اور نیز بڑی وجہ کہ وہ روئے زمین کا مسح کرے گا۔ یعنی قلیل مدت کے اندر مشرق و مغرب میں پہنچے گا۔ صاحب تلویحی نے لکھا ہے کہ مسیح کی وجہ تسمیہ میں ہمارے پاس کوئی اقوال صحیح نہیں ہوئے ہیں۔ اسی طرح جھوٹے مدعیوں کو بھی دجال کہتے ہیں' کیونکہ ایک تو وہ دجال اکبر کے پیرو ہیں' دوسرے خلق خدا کو دجل و فریب سے گمراہ کر کے مسلمانوں کے جامۂ ایمان پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ ان دجالوں کے متعلق بھی حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی موجود ہے۔

خروج دجال کی موجودہ شکلیں

ظہور دجال کے متعلق یہ تمام حدیثیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ قاضی عیاض نے شفا میں سو احادیث اپنے نقل کی ہیں اور ان کے آخر میں لکھا ہے کہ خروج دجال کی حدیثیں متواتر ہیں اور کوئی اور کم تعداد سے بھی ثابت ہوتا ہے' تاہم میں نے سو حدیثیں نقل کر دی ہیں اور بہت سی دوسری حدیثوں اور بے شمار آثار صحابہ کو ترک کر دیا ہے۔ اسی طرح میاں محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور اپنی کتاب "تحریک احمدیت" میں لکھتے ہیں کہ احادیث دجال اس کثرت کے ساتھ ہیں اور اس قدر صحابہ سے مروی ہیں کہ ان کی مجموعی حیثیت پر کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا۔ ان احادیث کو صحیح ترین کتب حدیث نے لیا ہے۔ بخاری اور مسلم میں بھی یہ احادیث موجود ہیں اور صرف مسند احمد میں ہی ایک سو کے قریب ایسی احادیث ہیں۔ (تحریک احمدیت' صفحہ ۱۵)

نصاریٰ یا پادری مدعی الوہیت نہیں

لیکن حق فراموشی کا کمال دیکھو کہ مجرد مخالفت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر تصریحات اور بیم تفہیمات کے باوجود قادیان کو حق و صداقت کی راہ نظر آئی اور یہاں محمد علی اور ان کے گم کردہ راہ متبعین (نصاریٰ اور ان کے پادریوں کو دجال بناتے رہے' حالانکہ دجال خدائی کا دعویٰ کرے گا' لیکن اگرچہ نصاریٰ یا ان کے پادری کبھی مدعی الوہیت نہیں ہوئے اس کے علاوہ دجال کو حدیث نے (کافر خدا) کہا گیا ہے' پس اگر اگرچہ دجال ہیں تو انہوں اللہ کی حمد و ثنا میں بیاس اخباریں کتابیں لکھیں اور ان کو لوگوں میں بانٹا' حالانکہ خدائے برتر نے فرمایا ہے۔ لا تحمدوا حمدی وحمدوا کم فانہ (میرے اور اپنے وصفوں سے وصف نہ کرو) مزید کہتے ہیں کہ دجال عیسائی اور ان کے پادری ہیں' حالانکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فالدجال ھو المنتظر (دجال ایک مرا غائب ہے کہ جس کا انتظار کیا جا رہا ہے ـــــ مراد الشیوخ والضلال) پس جس صورت میں کہ نصاریٰ اور ان کے پادری سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں بھی موجود تھے' سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانا کہ یہ ایک غائب شخص ہے جس کا انتظار ہے' الوہیت کے تصور الحاد کو بالکل بیخ و بنیاد سے اکھیڑ دیتا ہے۔

باب ۳۹

قادیانی علم کا بیان کہ آنحضرتؐ پر دجال کی حقیقت منکشف نہ ہوئی

حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء و رسل کے سردار اور خاتم النبیین ہونے کی حیثیت سے علوم اولین و آخرین سے نوازا گیا تھا اور چونکہ آپ پر وقتاً فوقتاً وحی الٰہی سے متعلقہ دینی تعلیمات میں آپ سے کسی خطا کا کوئی احتمال بھی نہ تھا' اسی بنا پر رب دوجہاں کی زبان وحی نے فرمایا ہے۔

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (۴-۶۵)

(اے نبیؐ) ہم کو آپ کے پروردگار کی (پاک) قسم ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلاف و نزاع میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس سے دل میں بھی تنگ ملال و جان سے اس کو قبول کر لیں۔

غرض جو کوئی آپؐ کے فیصلوں کو اور آپؐ کے اختیارات گرامی کو تسلیم نہیں کرتا یا ان میں آپؐ کو خطاکار سمجھتا ہے' وہ اسلام کی نسبت کفر سے زیادہ قریب ہے' لیکن بعد دعوئی اسلام اور اس اعتراف کے کہ۔

بڑا ہے ان سے ہم نے کچھ کہا ہوا ہے کلام اکثر

(در ثمین)

مرزا کی بدقسمتی دیکھو کہ اس نے نبیوں کے سردار جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کو پہچانا اور نہ اللہ کا یہ حقیقت شناس فرستادہ اور یہ سمجھ سکا اس نے ذرا شرم محسوس نہ کی کہ:

مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کھلنا ہو
نہ معلوم ہونے کسی امر کے موجب مخالف نہ ہونا ہو تو پھر تم کی بات
نہیں۔ (ازالہ اوہام، طبع جدید، صفحہ ۲۲۲)

اس کے بعد لکھتے ہے کہ جس بات کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نہ سمجھ
سکے تھے' مرزا نے اس کی حقیقت کھلنا بلکہ [illegible] قاتل' اعظم دجال' اکبر اعراض'
اکبر صلوٰۃ' اکبر صوم' اکبر زکوٰۃ' اکبر حج' اکبر جہاد' اکبر جہاد ہونے
اور دجال کوفی' دجال طلی' صلیب پر قتل کے بعد کذاب اور اس قتال کے بعد سرحد دجالیوں
کے فسادوں کی مہارت کے باعث موجب مخالف ہو گئی تھی۔ مرزا پر دجال کی حقیقت کھلنا کا
یہ موجب مخالف ہوا اس کی حقیقت مندرجہ ذیل مرزائی عبارات سے ظاہر ہوگی۔

نمبر شمار	کیا مخالف ہوا؟	حوالہ
	دجال کی حقیقت کا مخالف ہونا	
۱	دجال سے مراد حج پر آنا بیت اللہ ہے۔	حج اکبر، صفحہ ۵
۲	کفر ہے کہ دجال سے یاجوج ماجوج مراد ہیں۔	حجج، صفحہ ۳
۳	ایک بیماری (جذام) دجال ہے۔	حجج، صفحہ ۳
۴	دجال پادری لوگ (عیسائی) ہیں۔	دجال، صفحہ ۲۰۱
۵	دجال جاہل لوگ اور نئی تعلیم کرنے والے لوگ ہیں	اکذب الہی، صفحہ ۲۰
۶	دجال یہود کے لاکھ ہیں۔	اکذب الہی، صفحہ ۲۰
۷	دجال فساد کے پیدا نہیں ہوسکتا اگر دجال فساد کا	
	اعظم ہے۔	فتح اسلام، صفحہ ۲۰
۸	دجال بعد کے ساتھ آتا ہے۔	حقیقت الوحی، صفحہ ۲۰
۹	دجال بیماری کا نام ہے۔	حقیقت الوحی، صفحہ ۲۰
تتمہ حقیقت الوحی	دجال سبعہ (۷) کے حق میں ہے۔	تتمہ سنہ ۱۹۰۱ء
۱۰	دجال تمام کفروں کو جمع کرتے ہے۔	حقیقت الوحی، صفحہ ۲۰
جزو اکمل اکبر	نہ دجال ہے۔	اکمل، سنہ ۱۹۰۱ء
بیان سیالکوٹ ۱۹۰۱ء	دجال سے مراد ریل ہے۔	تحریک ہجرت، صفحہ ۲۰

حاشیہ سرائی اور ... دجال دجالی انعام ہے۔ ... نبی ہونے کا دعویٰ

دجال واضح دجل آدم علیہ السلام ہے۔

یہ چند نکتہ چینیاں ہیں جو مرزا صاحب اور ان کی امت پر شیطان لعین سے دوگردان ہونے کے بعد نبی کریم کے بارہ میں اللہ سے مختلف ہوئے۔

باب ۳

قادیان کے حنفی امیر المومنین

عمر فاروقؓ کی جانشین کوئی

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے عالم کائنات خلق ہوئی ہے کوئی نوع انسان کو دجال کے فتنہ کے برابر نہ کبھی کسی فتنہ سے متعلق پتا ملا نہ دیکھا سنا کبھی سابقہ پڑے گا۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ دجال کو مادرِ خلق خود ہی اصل اپنی اپنی قدرتی دی جائیگی کی بنا نامہ باری خالق ہے۔ اسی بنا پر دجال تعویذ و فریاد کا دعویٰ ہوگا۔ مرزائی حنفی نصیبوں نے یہ حیلہ نکال کر ان تمام مخالفتوں کا انکار کر دیا ہے کہ کسی تخلیق میں ایسا خدائی اختیارات کا وعدہ کسی طرح ممکن نہیں۔ مثلاً اگر خدائے قدیر کبھی کسی مصلحت کی بنا پر کسی نبی مرسل علیہ السلام سے یہ ایک ایسی قابلیتی مادرِ خلق خود ہی عطا کر دے، اور سب انبیاء کے سوا کسی کو حاصل نہیں، تو اس سے اس کا شریک خدائی ہونا لازم نہیں آتا، چونکہ دجال کی قابلیتیں گو نبوت میں انکو ذاتی عقلی عمل کی رسائی سے باہر ہیں اس لیے مرزا غلام احمد اور ان کے زور بند چیلوں کو ان کی صحت سے انکار کرنے کا حیلہ ہاتھ آگیا۔ انہی مکروہ خلق بد کے متعلق امیر المومنین حضرت کے منہ سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر ایک پیشین گوئی نبوی تھی، جسے شیخ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے۔

عن ابن عباس قال خطبنا عمر قال فقلنا إنكم ستكون قوم من بعدنا لا نعلم ما يكون ما يكون ما يكون ما يكون ما يكون ما يكون ما يكون ما يكون ما يكون

(مصنف ابن شیبہ، جلد ۱۵)

حضرت ابن حواس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین عمر نے خواب میں دیکھا کہ اے لوگو! اس امت مرحومہ میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو دجال کے ظہور اور اقتاب کے مغرب سے طلوع کرنے سے قبل عیسیٰ دجالی کے لیے رجم کی سزا کے مشروع ہونے سے انکار کرے گی۔

دیکھو حضرت فاضل اعظم کی یہ پیشین گوئی فاضلانی صاحب اور ان کی جماعت پندرہ امت کے حق میں کس صفائی سے پوری اتر رہی ہے۔ مرزائی لوگ جن طرح قسمہ دجال کے منکر ہیں اسی طرح انہیں قیامت کے قریب آفتاب کے مغرب سے طلوع کرنے اور عیسیٰ دالی کے لیے رجم کی سزا کے مشروع ہونے سے بھی انکار ہے۔ میرا خیال ہے کہ خود حضرت محمد صادق صلی اللہ علیہ وسلم بہ بلکہ حضرت فاضل اعظم سے دفعۃ مرزائیت کی اس سرشاری حقارت کا ذکر فرمایا ہوگا

باب ۳۱

فرنگیوں کے دجال ہونے کا مسروقہ تخیل

ناکارہ راقم الحروف نے اپنی کتاب "حقیقت دجال" میں یہ ثابت کیا ہے کہ مغربی دنیا کے مشہور علماء قدیم سے یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ فرنگیوں کو حدیث دجال سے کوئی تعلق نہیں۔ فرنگی ہمارے ملک دکن اور اس نواحی اطراف میں وارد ہوئے ہیں اور ریاست ہے پور میں حدیثی لوگ اب تک بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ حدیث نے تاجدار حدیث کے خزائن میں بڑی گرانی پائی تھی اور آج کل کے مولویوں کی طرح اہل حدیث و عداوت کے علاوہ تحفہ و تکلف کا بازار گرم کیا تھا۔ جب ان کی ثروتمندیوں سے بھر گئیں تو مولانا عبد الحق حقانی صاحب نے مولانا عبد الحق مرحوم گنگوہی کے شاگرد اور اپنی حضرت شاہ دکن کے استاد تھے، حدیث میں مشکوٰۃ کی تدریس میں ایک کتاب نام "پوپ حدیث" لکھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا مرحوم کو ہمیشہ میں ایک حدیثی کے ہاتھ سے جام شہادت پینا پڑا۔ یہ حدیث تھے جب کہ فرنگیوں کا معاملہ چودھویں صدی کے انگلیہ دار کیسے و

صدیقہ کی عبارت لکھنے کے لیے بیکنی اور گلوا صاف کرنے میں مصروف تھے۔ مرزا ہی کو کتاب "بوے صدیقہ" کیا ہاتھ لگی، ایک پارس کا کھوا ہاتھ آگیا جس کی مدد سے انہوں نے اپنے ہر کمبخت کو سونا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اس کتاب میں صدیقہ کے تمام خرافات اقوال درج ہیں۔ مرزا جی نے ان اقوال کو لیکر ان کے نیچے اپنی عیسائیت کی دلیلیں استوار کرنی شروع کر دیں اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ مولانا محمد زمان خاں شہید کے اصل مقصد پر بھی ہاتھ صاف فرمایا" لیکن سرقہ کے الزام سے بچنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کی عبارتیں بدل دیجئے" چنانچہ ایسا ہی کیا" فرنگیوں کے دجال ہونے کا مسئلہ بھی ہمارے صاحب نے "بوے صدیقہ" سے چرایا تھا" البتہ الزام سرقہ سے بچنے کے لیے مولانا شہید کے قول میں تھوڑی سی ترمیم کر دی۔ مولانا زمان خاں نے لکھا تھا

"دجال کلاں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کے قتل سے پیشتر اس کے کارندوں کے ہاتھ سے [illegible] شروع کیا"۔ (بوے صدیقہ "صفحہ ۵")

مولانا زمان خاں نے اس عبارت میں فرنگیوں کو دجال کے کارندے لکھا تھا" مرزا جی نے خود فرنگیوں کو ہی دجال بنا دیا اور لطف یہ کہ کتاب صاحب نے اسی ترجمہ دجال کی مدد حاشیہ میں بڑی بڑی کتابیں بھی لکھ ڈالیں اور اس پر فخر کیا۔

باب ۳۲

مولانا محمد زمان خان حیدر آبادی کے

ایک اور نظریہ کا سرقہ

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں صرف لفظ یشبہ مستعمل ہیں اور اگر احادیث صحاح ثابت ہو جائیں (جیسی کہ ہیں) البتہ اگر کوئی صدیث متعدد طرق سے مروی ہو اور یہ طرق تواتر معنوی کی حیثیت اختیار کر لیں (اس وقت یہ حدیث بھی قطعی ہو جائے گی۔ (شرح فقہ اکبر مجتبائی، ص ۱۳۲) لیکن دجال کے گدھے کی یہ حالت ہے کہ صحاح ستہ یا حدیث کی دوسری معتمد کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ ہاں ابوداؤد لیس اور مجمع زوائد

کے بعد یہ دو روایتیں لکھی ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال ایک سفید گدھے پر سوار ہو کر نکلے گا گدھے کے کانوں میں ستر ہاتھ کا فاصلہ ہوگا (ابوداؤد الطیالسی فی کتاب الجامع الصغیر)

(۲) ابو یعلیٰ الموصلی نے کسی صحابی سے سنا کہ دجال ایک نیلگوں گدھے پر سوار ہو کر نکلے گا۔ (تفسیر ابن ابی شیبہ)

ظاہر ہے کہ ان دو روایتوں پر جن کا خارج میں کہیں وجود نہیں اور جن کی صحت مشکوک ہے، باب عقائد میں کسی طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر یہ گدھا حقیقت خلق سے موجود ہوتا اور ۲۰ سو سال کا زمانہ حاصل کر لیتا تو شاید اعتماد کیا جاتا لیکن اس کو کسی طرح یہ درجہ حاصل نہیں، اس لئے ہم تو دجال کے حلیہ کو عقائد ضروریہ کی فہرست میں داخل نہیں سمجھتے۔ اس تحقیق کے بعد یہ تمام دجالی گدھے پیوند خاک ہو جاتے ہیں۔ مگر کچھ علماء نے دجالی گدھے کی بابت یہ تغیر کیا ہے۔ مگر صاحب کی طبیعت تھی کہ جہاں کہیں اپنے دعوے کی تائید مقصود ہوتی تھی وہاں باطنی فرقہ کی طرح خصوص میں تحریف کر کے اس کو حسب ضرورت عموم کی شکل میں لایا کرتے تھے اور اگر کوئی روایت خلاف ہوتی تو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث سے بھی انکار کر دیتے یا اس پر تاویل و تحریف کا روغن مار لیتے تھے اور یہ تو کہ خر دجال کے متعلق کانی کی حدیث صدر روایت سے کچھ مشابہ برآری ہو سکتی تھی۔ تاہم صاحب نے اس کی صحت سے انکار نہ کیا بلکہ اس کو حدیث صحیح کا درجہ عطا کیا۔

تاویلی بیان کہ ریل گاڑی ہی دجال کا گدھا ہے

تاویلی صاحب لکھتے ہیں:

"مدت ہوئی کہ گدھا دجالی ظاہر ہو گیا ہے اور جب سے اس کا ظہور ہوا ہے اور اس کا گدھا پن، بلحاظ حقیقت اس کا ہلا ہوا ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ کا مقتضا ہے، مشرق و مغرب کی سیر کر لیا ہے اور وہ گدھا دجال کا ہلا ہوا" ہر حدیث کے مقتضا کے موافق ہے" اس جملہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کیا

گدھا حقیقی طور پر کسی گدھی کے شکم سے پیدا ہوتا تو اس قسم کے بچے سے گدھے اب بھی موجود ہوتے' کیونکہ بچے کی مشابہت' قد و قامت اور سیرہ سیاحت اور قوت و طاقت میں اس کے والدین سے ضروری ہے' لہٰذا احادیث صحیحہ کا مطلب اسی بات کی طرف ہے کہ یہ گدھا دجال کا پیدا کیا ہوا ہوگا پھر اگر یہ دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟"

(الاذاعۃ لما کان و ما یکون بین یدی الساعۃ' صدیق حسن خان صاحب' طبع قدیم' صفحہ ۱۲۲)

قادیانی صاحب اپنے اسی اخبار میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ایک بڑی بھاری علامت دجال کی اس گدھا ہے' جس کے دونوں کانوں کے بیچ کا ابھار شروع کیا گیا ہے اور دجل کی گدھیوں کا اسی کے موافق سلسلہ خرابی ہوتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ دھکن کے قدر سے بالغ ہے' جیسے بادل ہوا کے زور سے تیز حرکت کرتا ہے۔ اس لیے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے طور پر دجل گائی کی طرف اشارہ فرمایا ہے' چونکہ یہ دجالی قوم لا ابالی ہے' جس کا نام و نشان دجالی کہا گیا ہے' اس لیے ان گائیوں کو دجال کا گدھا قرار دیا گیا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ علامات ظاہر دجال کے انہی لوگوں میں پائے جاتے ہیں' انہی لوگوں نے کہیں اور کہیں کا اپنے دعوے پر خاتمہ کر دیا ہے اور دین اسلام کو یہ ضرر پہنچایا ہے جس کی تلافی دنیا کے ابتدا سے نہیں پائی جاتی اور انہی لوگوں کے متبعین کے پاس یہ گدھا بھی ہے جو دھکن کے قدر سے بڑا ہے جیسے بادل ہوا کے زور سے۔" (الاذاعۃ' صفحہ ۱۲۸)

مولانا محمد زمان خاں کا نظریہ

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ حضرت "مسیح موعود" نے تو دجال کے ریل گاڑی ہونے کا نظریہ مولانا محمد زمان خاں مرحوم عید گاہی سے سرقہ کیا۔ مولانا مرحوم نے اپنے رسالہ میں' جو ۱۳۱۵ھ میں تالیف ہوئی' لکھا تھا:

"روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ دجال اس مدت قلیل میں کہ کل چالیس دن ہیں

ہوتا زمانہ ہوا ہے' تمام بلاد دنیا کو سوائے حرمین شریفین کے روند ڈالے گا اور یہ غیر ممکن ہے کہ جب تک چل سواری کی بار دلدار نہ ہو' اس واسطے لیا کہ جیسا کہ ہوا ابر کو اڑانے والی ہے' ایسی اس کی سرعت رفتار ہوگی۔ اب فکر قرار کیا جائے کہ اس کی سواری کا گھوڑا اس قدر تیز رفتار ہو' کیونکہ یہ گھوڑا بھی مانند دجال کے عجائب المخلوقات میں سے ہوگا کہ اس کے بھی دونوں کانوں کے درمیان ستر ہاتھ کا ہوگا جیسا کہ ابن ابی نے روایت کیا ہے اور بلغ چار ہاتھ کو کہتے ہیں۔ سوا اس سے کرامت یہ ہے' یعنی تمام لشکر کو بھی شہید ہے کہ کسی سواری پر اس شیطانی ہوا کے برابر نہیں' دیدہ اگر دجال پر لشکر خود سوار کر کے ایک بلی دہ گرفتار کسی طرف تک پر بھیجا کیا کر سکتا ہے؟ بلکہ یہ گھوڑے شہید کے کی صفت بڑا جائے اور لکھا" بھی یہ بات ظاہر ہے اس واسطے کہ روایات احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع قدم و عظم و سلاح و سامان بڑا کرے گا۔ اب ایسا مرکب دنیا میں کون سا ہے کہ اس سامان فرحتی اور لشکر شیطانی کو کہ لاکھ فوج رکاب ہاں ستر ہزار بھی ہیں' سوائے ہوا کی اڑنے و سکتے ہیں کے اس کے ہمراہ جائے' مگر دجالی گاڑی کو حضرت صہیب الاسباب نے اس کے ظہور سے پیشتر اس کے کاریگروں کے ہاتھ سے 1111 شروع کیا کہ بکمال سعی چاہتے ہیں کہ کسی پر کہ دجال تمام دنیا میں گھل جائے۔ الغرض کہ ایک سو برس میں تمام دنیا میں گھل جائے اور کیا عجب ہے کہ چودھویں صدی کے اختتام پر' جس وقت نصاریٰ روم تمام کر لیں' یعنی کہ ہند میں لے کر یہ کہ ہند اور اس کو ابر ہوا سے عجیب حکایت ابی ہریرہ اتم ہے کہ پچاس ساٹھ گاڑیاں ایک جسم ہو کر ہواؤں کے بل کی مانند ہوتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ سوائے فرمانے حضرت صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گاڑی کی چال ہوا کی چال کے مشابہ معلوم ہے' اس واسطے کہ ہندوستان کی گاڑی کہ ابھی مشابہ تیز نہیں چلتی ہوگی' ایک گھنٹہ میں تین میل چلتی ہے اور ولایت میں ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے اور سمرلند اسکندریہ کی گاڑی کو بھی راقم سطور نے مشاہدہ کیا کہ مشابہ تیز رو ہے' یعنی ولایت کی رفتار

کے بموجب صبح سے دوپہر تک چھ گھنٹے میں تین سو ساٹھ میل چلی کہ یہ حساب بارہ سو میل کہ اس کے سفر کی لمبائی چال ہے' ایک مہینے کی راہ طے ہوئی اور دوپہر سے شام تک بھی ایک مہینے کی راہ طے ہوئی غرض ہوا کی بھی رفتار ہے' چنانچہ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی سواری کی چال کے متعلق ذکر ہے۔ ولسلیمان الریح غدوها شهر ورواحها شهر یعنی ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے واسطے ہوا کو مسخر کیا کہ ان ہوا کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ تھی۔ حضرت سلیمان کا تخت اس قدر بڑا تھا کہ اس پر تمام لشکر ہوتا تھا اور ہوا اس کو اڑا لے جاتی تھی"۔

(پیر صفحہ "مولانا محمد حسین کی زبان میں مسیح" سفر ۱۵۔ ۲)

ہمیں تعجب ہے مولانا ذبان ہاں مرحوم کے اس تخیل کو اس مثال سے ایسا کہ کاش کسی کو یہ معلوم نہیں کہ دجال کے ریل گاڑی ہونے کا تخیل خود قادیانی صاحب کے دماغ کی پیداوار ہے یا کسی اور جگہ کا مسروقہ تخیل ہے۔

مسیح قادیاں دجال کے گدھے پر کیوں سوار ہوتا تھا؟

الہامی صاحب کی عادت تھی کہ انگریزوں کو دجال اور ان کی ریل گاڑی کو دجال کا گدھا کہا کرتے تھے اور بالفعل خود انگریز کی شاہ حضرت میں پچاس طمانچاں کھائی بھی کہ ڈالی تھیں۔ ایک مرتبہ ان پر اعتراض ہوا کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام تو دنیا میں تشریف لا کر دجال کو قتل کریں گے' لیکن یہ خاکسار مسیح دجال کی مخالفت کرتا اور اس کے گدھے (ریل گاڑی) پر سوار ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں الہامی صاحب نے لکھا:

"ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر مسیح دجال کے گدھے سے مراد ریل گاڑی ہے تو جس کو مسیح سوار ہونے کا دعویٰ ہے وہ بھی اس پر سوار ہوتا ہے۔ پھر یہ دجال کا گدھا کیونکر ہوا؟ جواب یہ ہے کہ یہ خلافت اور تبلیغ اور تصرف تام اور اظہار دجل کرنے کے یہ دجال کا گدھا کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کہ مسیح موعود قاتل دجال ہے' یعنی روحانی طور پر تو جو جو چیز من قبل الشیطان کہ ہو مسیح کا ہے"۔ (ازالہ اوہام' طبع پنجم' ص ۳۳۱)

حدیث نبوی میں ہے من قتل قتیلا فلہ سلبہ (جو قتل کرے اس مقتول کے کپڑے' سواری' اسلحہ اور دوسرے اسباب کا مستحق ہوگا) اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قادیانی صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے دجال گروہ (انگریزوں) کو روحانی طور پر قتل کر دیا ہے' اس لئے میں ہی دجال انگریزوں کے مال و منال کا مالک ہوں۔ ایسی حالت میں ملکہ ان کی ریل گاڑی پر قبضہ کرنے اور سوار ہونے کا ہر طرح سے حق پہنچتا ہے' لیکن جس طرح ایک بے خانہ کا مسئلہ نشہ کی حالت میں بھی بھگی ہانکی کرتا ہے' اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ الہامی صاحب بھی یہ بھاری ہانکی شاید اس سبب کی ترنگ میں کہہ گئے تھے اگر یہ خیال صحیح ہے تو کیا یہ خدا اس نے ارخیال (ورث وائیں) کا تو نہیں تھا جسے حضرت "مسیح موعود" صاحب لاہور کی پولیس فورس پلس کمیٹی سے سکھوایا کرتے تھے؟ جب علم صاحب یہ خرافات بیہودہ تحریر کر رہے تھے تو فی الحقیقت ان کی روحانی حال پر ہنس رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان انگریزوں کی مخالفت میں انہوں نے پچاس الماریاں کتابیں لکھ ماریں لیکن ان کا اصل قوار روحانی عمل و تصرف نرم و نیا کا سہ چلتا ہے۔

ایک مسیح کذاب کی امت کا مقولہ

قادیانی علم کا مقولہ ہے۔ لوگوں کے بزرگیت کی یاد تازہ کرتا ہے' جس وقت قادیان کا "مسیح موعود" جناب کی سرزمین نے پیدا کیا اسی زمرہ کا ایک "مسیح موعود" کیا ہے قریباً تین صدیاں پیشتر ترکی ملک روم میں ظہور فرما تھا یہ شخص سموا کا رہنے والا اور سباتی سموی کے نام سے مشہور تھا اس نے ۱۶۶۶ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس شخص کے متعلق مصنف کتاب "مفتاح التواریخ" میں بسط سے لکھ چکے ہیں۔ اس کے پیرو ان سے کہلاتے ہیں۔ موحدائیں کی طرح یہ لوگ بھی بڑی سخت کوشی ادا کرتے ہیں' جس طرح قادیانی "مسیح موعود" نے فرمایا کہ انگریز کی برتری ہے' اسی طرح ترکی گروہ کے "مسیح موعود" کی امت بھی کہا کرتی ہے کہ ساری دنیا پر ان سباتی کے لیے ہے اور ترک صرف اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ یہ ان سباتی کی حفاظت کریں۔ ان کا مقولہ ہے کہ جس طرح رب کریم نے انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے پیدا کیا اسی طرح اس ذات برتر نے ترکوں کو ہماری حفاظت کے لیے موجود رکھا ہے' یہ قوم یہ ان سباتی اصل ابدال اور

ترک تکفیر اس کو چھٹا ہے۔ تھانوی حکم کے قائل دجال ہونے کی دلیل اس فتوی کی ہی ہے جس میں ڈاڑھی منڈانے کی کل کو فتوی میں بند کر کے دوائر پوسٹ میں بھیجوں پینے کا حکم دے دیا گیا حکم کی تعمیل میں اخبار چھپا جائے' لیکن ساتھ ہی کوفتوی کے آگے سے گزرنے والوں سے یہ بھی کہا جائے کہ دیکھنا ہیں کس طرح ڈاڑھی کو بھوں کر کے اس سے اخبار چھپا رہا ہوں۔ مسیح صاحب کی یہ بھونڈی بدا اس شاعر کی ہی یاد تازہ کرتی ہے جس نے اس شعر میں اسپ شیرازی محبوب کی دل جوئی کی خاطر سرقہ اور عقل کو چھوڑ دینے کا دعوی کیا تھا۔

اگر ہمی ترک شیرازی بدست آرد دل مارا بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

تمام طلاق امت قائل دجال ہیں

اگر تھانوی کی خود ہی ایک کہہ کتب کو دیکھ سے کوئی شخص دجال کا قائل ہو سکتا ہے تو پھر ہزاروں لاکھوں علماء امت بھی قائل دجال ہونے کی وجہ سے ریل گاڑی اور دوسرے تعمیراتی ڈیپارٹمنٹ کے مالک تھے اور ہیں۔ اسی مسئلہ میں تھانوی صاحب کو علماء اسلام سے نزاع ریل گاڑی پر سفر اور تصرف کا کیا حق تھا؟ اور اگر بالفرض ریل گاڑی کے مالک تھانوی صاحب ہی تھے تو بعد حضرت کے لاکھوں کروڑوں مسلمان' ہندو' سکھ' بنگالی' پارسی' عیسائی اس پر کیوں سوار ہوتے تھے اور کیوں ہوتے ہیں؟ نیز پھر اس ظلم بیانی کی ضرورت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ تھانوی صاحب کے لیے بلاشبہ مالک ہونے کے عوام کے گروہوں کی طرح نہ کوئی خصوصی گاڑی (جیسا کہ زعیم) چلائی جاتی تھی اور نہ کوئی ایسا ہی ان کے لیے مخصوص ہوتا تھا' بلکہ عام مسافروں کی طرح یہ بھی گھنٹوں ہی لمبی کر ریل میں سفر کرتے تھے اور اگر قتل دجال کی وجہ سے انگریز کی ہر چیز تھانوی صاحب کی ہو گئی تھی تو اپنی جیب خاص کا نشان انگریزی حکومت کے کارندوں کو کیوں دیا کرتے تھے اور پھر ریل گاڑی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیوں یہ دعوی نہ کیا کہ ہندوستان' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ' جاپان افریقہ اور انگریزوں کی دوسری نوآبادیوں پر "تھانوی خاندان" کا پرچم لہرا رہا ہے اور یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ تمام انگریزی جہاز اور پولیس بھی' جس کے خوف سے "مسیح موعود صاحب" ہر وقت لرزاں براساں رہتے تھے' ہماری ٹھیکہ دار ہے اور پھر یہ اچھا قتل ہے کہ مقتول سب تک زندہ ہے اور اس کی سلامت و

جیوت پر سرزنش ہے' لیکن قابل صاحب ۲۰ سال سے شکر قتل کا اظہار ہو چکے ہیں۔

فرضی دجال اور نقلی گدھا

اصل یہ ہے کہ جب مولانا صاحب عوامی حلقوں میں مسیحیت کا دعویٰ کر بیٹھے تو انہیں اپنی مسیحیت کا ثبوت بہم پہنچانا مشکل ہو گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تین قابل کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ دجال کو قتل کریں گے۔ قابل صاحب نے چاہے دجال کہاں سے لائے اور اس کا گدھا کس طرح پیدا کر لیا۔ انہوں نے ایک نقلی دجال بنایا اور اس کا ایک مصنوعی گدھا بھی۔ مولانا زمان خاں مرحوم کے تصدق سے تجویز کر لیا اور لطف یہ ہے کہ بلاف الدارع مرزائی اس پورے سوانح کو حقیقت نفس الامر قرار دیتے ہیں۔

باب ۳۳

مولانا ثناءاللہ مسیح زمان کے تعاقب میں

ایک مرتبہ یہ خبر مشہور ہوا کہ قابل صاحب قصور جا کر اپنا علم مسیحیت بلند کرنے اور مولوی محمد حسین بٹالوی کو مباہلہ کا چیلنج دینے والے ہیں۔ یہ سن کر مولوی صاحب' حسب عادت اپنے قابل فخر کی مدد مقصد کے لیے مستعد ہو بیٹھے' فوراً خبر کر کے قابل صاحب کو قابل قابو میں اور تعاقب کیے اور خبر ہوئی قابل میونسپل کمشنری کو فتح میں لے کر چل دیئے' لیکن یہ ہے چارے ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ مولوی محمد حسین کا پیام مباہلہ پیام اجل کی طرح آ پہنچا۔ اس پر انہوں نے قابل صاحب اور ان کے حامیوں نے پیچھا چھڑا دینے اور مباہلہ سے انکار کر دیا' لیکن باایں ہمہ انکار و اعراض دوسری مجلسوں میں مناظرہ کرنے کی شیخیاں بھی بگھارتے رہے۔ یہ سن کر مولوی محمد حسین صاحب نے تین دن مہلت اور بھی دی۔ اس طرف سے بھی مباہلہ کا نوٹس بھیجا گیا۔ قابل صاحب نے نوٹس لینے سے انکار کیا۔ مولوی صاحب نے وہی نوٹس بھیجا کر قابل صاحب کے دروازے پر

چاہیں کرا دیا۔ یہ دیکھ کر کہ کالج والوں نے تمام انتظام کر کے مسجد خیرن کیا اور کرایہ مکان بھی ادا کر دیئے تھے' مالک مکان سے وہیں لے کر فوراً چاہیں کے جانے کے دن' رات کے دو بجے سیالکوٹ کا راستہ لیا' وہاں جا کر کئی پرائیویٹ جلسوں میں دعوائے مباحثہ کا چرچا کیا' اس لئے عام فریق کو انتظار سے ایک اور فوراً اس کے نام بھیجا گیا لیکن اس فریق تک اس کا کوئی جواب نہ آیا تو مولوی محمد حسین صاحب حسب درخواست اہل شہر بذات خود سیالکوٹ جا پہنچے۔ مولوی محمد حسین لکھتے ہیں کہ فوراً پہنچنے کے ساتھ ہی مرزا جی کو یہ الہام ہونے لگے کہ اب سیالکوٹ سے کوچ کرنا مناسب ہے' چنانچہ مولوی صاحب کے پہنچنے پر یہ الہام "انا اتینک فاتح" ہوگیا اور وہاں سے رات کی گاڑی سے کوچ کر دیا۔

مرزا صاحب کا مباہلہ سے انکار پر انکار

ان کی روانگی سے پیشتر بعض معززین شہر کا ایک وفد مرزا جی کے پاس پہنچا اور درخواست کی کہ مولوی محمد حسین صاحب سے ایک آدھ مناظرہ کرتے جائیے' مگر الہامی صاحب نے یہ عذر کر کے مناظرہ سے انکار کر دیا کہ مولوی محمد حسین بڑے کاذب لکھتے ہیں اور بڑے گالیاں دیتے ہیں' اس لئے میں ان سے بحث نہیں کرتا چاہتا۔ لوگوں نے سمجھایا کہ جن گالیوں کا آپ کو گلہ ہے' اگر یہ گالیاں مناظرہ میں دی گئیں تو وہ سب دوسروں کی گنی جائیں گی اور آپ کا دامن پاک رہے گا' مگر پھر بھی انہوں نے مباحثہ منظور نہ کیا۔ تب انجمن حمایت اسلام سیالکوٹ نے حافظ محمد یوسف کے ذریعہ سے مباحثہ کی یہ تجویز پیش کی کہ فریقین اپنا اپنا انتخاب کردہ ایک ایک سوال اور جواب بذریعہ تحریر پیش کریں۔ ثالثان اور ہر فریق کی ایک ماہانہ مقررہ رقم جمع ہو کر پیش کئے جانے سے پیشتر دیکھ لے کہ یہ سوال یا جواب جائز و موزوں ہے یا نہیں اور اگر وہ غیر موزوں یا بحث سے خارج ہو تو رقم کو واپس دے دے اور اس کو ملزم قرار دے۔ ثالثان صاحب نے بھی مولوی صاحب کے سیالکوٹ پہنچنے سے پہلے اس تجویز کی تائید کی تھی' لیکن مولوی محمد حسین صاحب کے سیالکوٹ پہنچنے کے بعد الہامی صاحب پر ان کا کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ مباحثہ رضامندی کو بالکل کر دیا اور بجائے بحث کے اشتہار سے شرائط کا راستہ لیا۔ ثالثان صاحب نے جلد کوچ کرنے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی تھی کہ مناظرہ نہ کرنے سے مخالف مسجد خراب ہو رہی ہے' مگر سیالکوٹ

سے مل کر کیرانہ جانا چاہئے' جہاں ان کی کوئی زمین نہیں تھی۔ علامہ بلگرامی مولوی محمد حسین سے ملنا نہیں چاہتے تھے لیکن اخلاق اور مروت کے طور پر مولانا صاحب کی زمین تھانہ بھون سے مل کر کیرانہ پہنچ گئی تھی۔ مولانا بلگرامی نے بہت ایک اشتہار چھپوا کر مسلمانان کیرانہ کے پاس بھیجا جس میں تھانوی صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا گیا تھا۔ علمائے کیرانہ و مضافات کے علاوہ مولوی نظام الدین اور مولوی عبداللہ صاحبان نے مولانا صاحب کو جا بلایا اور مناظرہ کی دعوت دی۔ اب تھانوی صاحب نے کیرانہ میں نواب امام بخش صاحب کے ہاں قیام کیا اور عام راستہ چھوڑ کر دوسری راہ سے بلاطہر کا قصد کیا۔ اب بلاطہر کے اہل دیوبند اسلام نے تھانوی صاحب کے مقابلہ کے لیے مولوی محمد حسین کو دعوت دی' لیکن مولوی صاحب نے جواب دیا کہ پہلے تھانوی صاحب سے مباحثہ کرو کہ یہ جیسے ساتھ مناظرہ کریں گے' اگر مقدر کریں تو میں حاضر ہوں' مگر تھانوی صاحب تو مولوی صاحب سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے شیر سے ثعلب۔ آخر بلاطہر سے بلا مرح تھریف لے گئے اور مثل بدھاریں کا ہوا مولوی صاحب کے پاس پہنچ گیا کہ مولانا صاحب آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ (اشاعۃ السنۃ' جلد ۱۰ صفحہ ۵۰)

باب ۳۳

مولانا عبدالحکیم کلانوری سے مناظرہ

گو اس وقت تک رکیس قصبوں نے علی الاعلان دیوبند کا دعویٰ نہیں کیا تھا' مگر دیوبند (ضلع) ہونے کے مدعی تھے' تمام دیوبند کی تشریح کرتے ہوئے اس کے لیے یہ مقصد مناظرہ دیوبند کر جاتے تھے' اور بلاوجہ کے کسی دیوبند میں نہیں پائے جا سکتے۔ گنگوہی صاحب ان دنوں دیوبند کی اصلی شی کی آڑ میں خلاف سنت دیوبند کا اظہار کیا کرتے تھے اور کبھی تھانوی صاحب اس لفظ کی یوں تفسیر کرتے تھے کہ دیوبند ایک حیثیت سے اچھی خاصی دیوبند اعتبار سے بھی ہوتا ہے' چنانچہ "شہاب ثاقب" میں لکھا

"حیثیت مقصد ان میں پائی جائے گی وہ دیوبند کہلائے گی جو حیثیت کمالی ہے

اور نبوت محمدیہ کی شاخوں میں سے ایک شاخ اپنے کمال پر رکھی ہے سو یہ بات کہ
اس کا اتنی ہی کام اور ہی تھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شاخیں
امامت اور نبوت کی اس میں پائی جائیں گی' جیسا کہ مسیح میں دونوں شاخوں کا
پایا جانا ضروری ہے۔ قرآن مجید دونوں رنگوں سے رنگین ہوا ہے' اس
لیے عربی محاورہ سے مہدی اور مسیح' میں کئی اس کا نام امتی بھی رکھا اور
نبی بھی۔ (ملفوظ الہام' مرزا غلام احمد صاحب' ص ۱۹۰)

حضرت سید عبد الحق علی کی مجالس میں گستاخ

رئیس قادیان مرزا غلام احمد کے اشتہارات سے یہاں تک بے تکلف کے ترکیب اعتقادات اور علمائے دین کی مجالس میں شرکت کر کے مسیح کا دعویٰ کرتا ہے حضرت شیخ
امام ربانی عبد الحق علی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں مسیح کے متعلق لکھا
ہے۔ وما ہو بمثابہ السلام من الکلام مع عامۃ سعتہم حتی سمعتہ کما قال امیر المومنین
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس قسم کا کلام انبیاء علیہم السلام کے کامل پیرؤں میں سے
کسی کے ساتھ کثرت واقع ہو تو اس کو محدث (یعنی پرکشش والا) کہتے ہیں' جیسا کہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ (مکتوبات امام ربانی' جلد ۲ مکتوب ۵۱) اب ذرا قادیانی صاحب
کی طرف سے تحقیق سنئے وہ فرماتے ہیں "مجھ کو بھی ہم کلامی اور مخاطبت کا شرف حاصل
ہے مگر اس میں کا فرق یہ ہے کہ وہ قدر ان کی تعداد کرتے ہیں۔ اور ہم اس کے قائل
ہیں جو کہتے ہیں کہ جن لوگوں کا کثرت سے مکالمہ مخاطبہ ہو وہ نبی کہلاتے
ہیں کہلاتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی' مرزا غلام احمد' ص ۳۹۰)

مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری کا قلع

جناب "شیخ فانی" مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ایک تحریک کے وقت اہل لاہور کو
اپنے خیال مبارک سے مشرف کیا اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھے جب شیخ صاحب نے
اپنے آپ کو نبی اور رسول کے نام سے ظاہر کیا تو مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری نے

عدم تسلیم کر لیا کہ اب کی دفعہ ٹال صاحب مقصد پاکستان میں تو ان کی اگلی طرح
مرزائی پر بھی کی جائے۔" چنانچہ جب وہ کسی طرح سے اس کے بعد لاہور میں قدم رکھ لیا تو
مولوی صاحب ان کے قیام گاہ واقع چینیاں والی مسجد میں جا دھمکے اور فوراً مباحثہ ان کی
تحریروں پر گرفت کر کے طریق تحقیق کی دھجیاں بکھیری شروع کیں۔ اب الہامی صاحب
نے اپنی عادت و طبیعت پر چھپ لگاتے اور پچھلی کا عار مٹانے کے لیے زبانی مناظرہ کی
خواہش کی۔ مولوی صاحب تو اسی کی چاہت میں تھے انہوں نے اس دعوت کو فوراً قبول کیا
اب الہامی صاحب نے یہ شرط لگائی کہ مناظرہ تحریری ہو۔ مولوی صاحب نے اس سے انکار
کیا اور اس انکار کی وجہ ظاہر کی کہ تحریری مباحثہ سے وہ حق مقصد حاصل نہیں ہو سکتا
جس کے لیے اس قسم کی مجلس ہوا کرتی ہے۔ لکھی کروائے تو اس صورت میں بھی
ملاقات ہو سکتے تھے۔" غرض مرزا صاحب قادیان میں اور مولوی صاحب بدستور لاہور اپنے اپنے
قیام گاہ میں ڈٹے رہے۔ تحریری مباحثہ میں یہ دلیل ہو کہ نہایت ضروری قول ۲۲ سے اور
دوام کی سمت تو وہاں میں انکار کرتے ہیں اور تحریر کے لیے کسی قابلیت و حافظہ
کی بھی ضرورت نہیں۔ تاہم ضد دی گئی کی کتابیں کا مطالعہ کر کے کسی جگہ پر کچھ
لکھ دیں۔ مولوی صاحب کے انکار پر الہامی صاحب نے کہا کہ میں کسی حالت میں تحریری
مباحثہ نہ کروں گا اور اس کے لیے میں خدا کی قسم کھایا ہوں مجھ کو الہام ہوا ہے کہ کیا کرتے
ہیں" چنانچہ مولوی صاحب کی بات کہاں تھی کہ جس طرح اسی حال چاہیے "حق مرزا"
صاحب کو اپنی طرح ختم کر کے ان کی جماعت کی قلعی کھول دی" تاہم تحریری مباحثہ نہ
منظور کیا۔

الہامی صاحب تحریری مناظرے سے کیوں ہی چڑ گئے؟

مرزا صاحب ہر میدان میں تھے ان کی جماعت کی ساری کتابیں یکجا تک موجود
تھیں کہ اطمینان اور تحمل کی حالت میں حوالہ و حقائق کی تحقیقات بیچ کر کچھ نقل کر کے کوئی
مضمون تیار کر لیں یا اشتہار کا جواب لکھوا دیں جس کو صد قسم حافظ سے ہو اصل ساری
کتابیں کی وجہ تھی کہ تحریری مناظرے ان کی مرضی کا حال تھی۔ علمائے اسلام نے جماعت
سال اکثر یہ بھی کہا کہ کسی طرح الہامی صاحب بر میدان میں آ کے مقابلہ پر آئیں اور اگر کوئی

ہو رکھتے ہیں، ان کا کھلی تحریف دیں" مناظرہ میں کچھ کہیں اور کچھ لکھیں" لیکن اس کا الٹا بھی حوصلہ نہ ہوا" بلکہ جب بھی فریق مخالف نے تحریری مناظرہ پر اصرار کیا تو مناظرہ ہی سے انکار کر دیا۔ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے لکھا تھا:

"مرزا صاحب کا حوصلہ تحریر کا ہے مناظرہ سے گھبرا جاتے ہیں۔ دوسرے لوگوں نے بھی جو اس بیان کی تصدیق کی ہے، جس سے مرزا صاحب کو بالالتزام مناظرہ کرنے کا مخالف بتایا ہے کہ یہ مناظرہ میں گھبرا جاتے ہیں"۔

(رسالہ اشاعۃ السنہ، جلد ۱۲، صفحہ ۲۷۳)

مولوی محمد حسین مرحوم کے بیان کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ الہٰی صاحب نے جب یہاں یہاں تحریر امرتسر آئے۔ اور بہت اصرار کیا مناظرے کیلئے:

(۱) باطل مرزا دھرم کرنے کے ساتھ بمقام ہوشیار پور، مارچ ۱۸۸۶ء میں۔

(۲) مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ بمقام لدھیانہ، جولائی ۱۸۸۶ء میں۔

(۳) مولوی محمد بشیر بھوپالی کے ساتھ بمقام جمال اکتوبر ۱۸۸۶ء میں۔

(۴) مولوی عبدالحکیم کلانوری کے ساتھ بمقام امرتسر بٹالوی و قرولی ۱۸۹۱ء میں۔

(۵) پنڈت عبداللہ آتھم صاحب کے ساتھ بمقام امرتسر جلسہ دن ۱۸۹۳ء میں۔

(سیرۃ المہدی، جلد اول، صفحہ ۲۲۰)

اور یہ پانچوں مناظرے تحریری تھے۔ اگر الہٰی صاحب کو قوت گویائی سے کچھ بھی حصہ ملا ہوتا تو آخر کبھی تو تقریری مناظرہ بھی اپنے مرضی مرضی پر گوارا فرماتے، لیکن یہ تقریری مناظرہ سے اس طرح بھاگتے جس طرح شیر کو دیکھ کر لومڑ بھاگ جاتا ہے۔ غرض بارہا بڑے بڑے بلند بانگ دعووں کے مرزا صاحب کا تحریری مناظرہ پر حاضر ہونا اور تقریری بحث سے اعراض کرنا بجز اس کے اور کوئی معنی نہ رکھتا تھا کہ تحریری مباحثہ مرزا صاحب کی اعلیٰ کا پیدا کار تھا۔

مناظرہ کا موضوع بحث

مولوی عبدالحکیم صاحب کے مناظرہ کا موضوع بحث یہ تھا کہ عیسیٰ کس حیثیت سے

ہی ہوتا ہے یا نہیں؟ مرزا صاحب والی تھے کہ یہ ایک حقیقت سے ہی ہوتا ہے' لیکن مولوی صاحب کو اس سے انکار تھا۔ الغرض مناظرہ شروع ہوا' مولوی صاحب نے اس حدیث سے استدلال کیا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یکن فی امتی احد فانہ عمر (بخاری و مسلم)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں محدث یعنی ملہم لوگ ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ملہم ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی امتی منھم احد فعمر۔ (بخاری)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے مرد ہوتے تھے جو نبی نہ ہونے کے باوجود کلام کیا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں ایسا کوئی شخص ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔

یاد رہے کہ ان روایتوں کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد انکار ملک نہیں بلکہ محض تاکید و تحسین ہے' جیسے کہا کرتے ہیں کہ اگر کوئی میرا بھی خدا ہے تو اللہ ہے۔ اس قول سے کامل کی مزید نفی نہیں ہوتی کہ اللہ کے سوا میرا کوئی اور خدا نہیں' بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ وہ سب سے بڑا خدا ہے۔ تین چار پرچوں کے بعد جب صبح صاحب کا کیس نقل ہو گیا اور تعین ہوا کہ اب مولوی صاحب چادریں اٹھائے چند گواہ کر چھاؤنی پر سوار ہو جائیں گے تو جناب حضرت صبح موجود صاحب نے اشتہار اکمال دیں اور صبح کا پیام الہام مولوی صاحب نے کہا کہ ایسا کلمہ ہے کہ آپ بھی کافر اپنے حق میں کبھی استعمال نہ کریں گے۔ مرزا کیا نہ کرتا؟ مرزا صاحب نے اٹھ معزز گواہوں کے دستخط ایک اخبار میں لکھ دیئے کہ یہ اخبار غلط یا قبیح غلط خود مرزائیوں نے تسلیم کیا ہے' چنانچہ مہر قاسم علی سوداگر لیتھو گرافک کتابوں کی کتاب تحفہ رسالت سے' مولوی ثناء اللہ صاحب کے

اشتہار ذیل کا مجمل ہے' یہ اشتہار مفصل ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۲ جمادی الاول میں مولوی عبدالحکیم صاحب اور مرزا قاسم علی صاحب قادیانی کے درمیان چند روز سے بعض مسئلہ و مباحثہ تھا جو مدرجہ کتب مرزا صاحب کے ہو رہا تھا' آج مولوی صاحب کی طرف سے تیسرا پرچہ جواب الجواب کے جواب میں لکھا جا رہا تھا لکھتے لکھتے میں مرزا صاحب کی عبارت مدرجہ ذیل کے بیان کرنے پر جلسہ عام میں فیصلہ ہو گیا وہ عبارت صبح ذیل ہے۔ (اشرفیہ' مہر فروری ۱۹۰۰ء' صفحہ اخیر مہر رجب ۱۳۱۷ھ)

الشہد	الشہد	الشہد
برکت علی وکیل بلاف کورٹ	محمد الدین الشہد صدر	محمد اسلام رحیم بخش
الشہد	الشہد	
فضل عمر پلیڈر	رحیم بخش	
الشہد	الشہد	
ابوبکر محمد مبارک علی	صحیح لفظ	

الجواب والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین۔ اما بعد۔ تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ حج اسلام و اتمام و اتمام برہان اسلام میں جس قدر الہامی الفاظ مرقوم ہیں کہ صرف ایک جگہ میں ہی ہوتا ہے یا یہ کہ صرف تعدی نہیں ہے یا یہ کہ صرف نہیں ہے' یہ تمام ۱۸۸۸ حقیقی معنوں پر محمل نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں جو صرف عاجز کا لکھنے نہیں ہے حقیقی کا پرگزہ عربی نہیں ہے' بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۰ میں لکھ چکا ہوں' میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیاء ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرتا ہوں کہ اگر یہ الہامی لفظ سے اعتراض ہیں تو ان کے دلوں پر ۱۸۸۸ نقل ہیں تو یہ ان لفظ کو زنیم ہی تصور کیا جائے اس کے صحت کا لفظ میری طرف سے کہہ لیں' کیونکہ کسی طرح بھی کہ مسلمانوں میں تفرقہ اور نقل لفظ منظور نہیں ہے۔ جس حالت میں خدا سے میری نیت میں' جس کو لفظ جل شانہ' خوب جانتا ہے اس لفظ ہی سے مراد نیت حقیقی نہیں ہے' بلکہ صرف صحت مراد ہے' جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم مراد لے ہیں یعنی

عورتوں کی نسبت فرمایا ہے۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی امتی منھم احد فعمر۔ (صحیح بخاری' جلد اول' صفحہ ۵۱۸' باب ۲۷ باب مناقب عمرؓ) پھر لکھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دل جوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے رویے میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے' سو یہ دوسرا رویہ یہ ہے کہ بخاری کی حدیث کا لفظ ہر ایک سمجھ لیں اور اس کو بخشی اللہ کی کرامت خیال فرمائیں اور نیز مخلوب یہ عاجز ایک رسالہ مستقل لکھنے والا ہے' جس میں ان شبہات کی تفصیل اور بسط سے تشریح کی جائے گی' جو عملی کتابوں کے پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوئے ہیں اور بعض تحریرات کو خلاف عقیدہ اہل سنت و الجماعت خیال کرتے ہیں' سو میں ان شاء اللہ تعالیٰ مخلوب ان اعتراض کے ازالہ کے لئے پوری تشریح کے ساتھ اس رسالہ میں لکھوں گا اور مطابق اہل سنت و الجماعت کے بیان کروں گا۔

راقم

خاکسار مرزا غلام احمد قادیانی' صاحب رسالہ (فتح اسلام و توضیح مرام و ازالہ اوہام' سرمہ چشم آریہ' حجج الکرامہ (تحفہ گولڑویہ' جلد ۱۷' صفحہ ۱۰)

قادیانی جزئیت کی بنیادی وجہ

اس عبارت میں قادیانی صاحب کو اپنی عجیب و غریب اور دلچسپ تاویل سوجھی کہ جس کی نظیر شاید دنیا کے کسی اور مدعی کی تحریر میں نہ مل سکے گی۔ مرزا علی محمد باب نے اپنی ایک مخالفہ میں ملا حسین کے مقابلہ میں لکھا تھا کہ ہم دونوں (یعنی کتاب الکل شیء) مگر مرزا غلام احمد کی طرح کوئی قید نہ لگا کر کہ نہیں دیا تھا لیکن قادیانی صاحب نے اپنی شاندار پسپائی کے بعد اقرار جرم لکھ کر اپنی جزئیت پر اور بھی مہر توثیق ثبت کر دی۔ قارئین کرام کو شاید اس جزئیت و مرزا کھولی کی حقیقی وجہ معلوم نہ ہوگی۔ اس جزئیت کا اصلی مبنیٰ قادیانی صاحب کا ایک الہام تھا جس میں حضرت مسیح موعود صاحب کے مالک خدا نے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ ہر شخص جو تجھ سے مقابلہ کرے گا مغلوب ہوگا چنانچہ مسیح صاحب

ہے۔ انداز اور تحریر میں فرماتے ہیں۔

اگر کہاں کے بیچ میں طرح کوئی اور بھی باندھ ہے تو کہیں نہ میرے مقابل پر میدان میں نہیں آتا خدا نے مجھ کو قرآن کی زبان میں الہام سکھایا ہے۔ خدا نے مجھ کو کہاں سے نکتے دیے ہیں۔ خدا نے مجھ کو زبان سے نکتے دیے ہیں۔ خدا نے مجھ کو بصیرت دے رکھا ہے کہ تم سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہوگا۔"

(خطبہ کوالپور "مرتبہ مرزا غلام احمد" صفحہ ۱۸)

الہامی صاحب کا معاملہ سے تخلف

اصل حقیقت کا ذیل ہے کہ الہامی صاحب نے مبادی عبدالحکیم صاحب کو یہ اقرار بند کھ کر دیا تھا کہ محض ایک دکھلاوے کی جعلی دستخط تھی' وہ اقرار بند کھلتے وقت ان کا ہرگز یہ قصد نہ تھا کہ یہ کبھی اس وعدہ کا ایفا بھی کریں گے' لیکن میں ان حقیقت سے متعلق الزام نہیں ہوں' اگر اقرار بند کھلتے وقت مسیح صاحب نے اس کے عدم ایفاء کا عزم مصمم کر رکھا ہوتا تو یہ تھوڑی ہی عرصہ بعد اس کی خلاف ورزی شروع کر دیتے' لیکن میں دیکھتا ہوں کہ مرزا صاحب نے کم از کم کافی دو سال تک اس معاہدہ کو کامل تقریب اور اطمینان کے ساتھ نباہا اور ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی تزلزل نہیں ہوا' لیکن چونکہ الہام کنہ الہامی صاحب کا موصوف متعلق "بیگی بیگی" یا اس کا کوئی اور بعلق بد ہوا میں ازسرنو الہامی صاحب کو ۲۲ اکتوبر بھیج دیتے گا کہ تم بی اور رسول ہو اس لیے "مسیح زمان صاحب" نے پابندی عہد کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا' تاہم میں اس تجویز و تحریک میں مسیح صاحب کو بالکل معذور خیال کرتا ہوں' کیونکہ جس شخص پر موصوف بارش کی طرح الہام برس رہے ہوں کہ تو نبی ہے تو رسول ہے بلکہ کہاں تک ایسا دعویٰ چھپا سکتا تھا' معلوم نہیں اس "آلات تقریب" سے بے چارے غلام احمد کے پیچھے اپنی کتنی ذلت خفت اور کتنی ہی اپنے تئیں فریفتہ ظاہر کر کے ان کو ذلت بھی پہنچا کرتے تھے۔

باب ۳۵

میر ناصر نواب دہلوی آغوشِ مرزائیت میں

مرزا صاحب کے خسر اول میر ناصر نواب دہلوی شاعر ان میر درد دہلوی کے خلف و چراغ دہلی جانے جاتے ہیں۔ نواب کے گھر انہ میں خلقہ زنیں تھے۔ تمام مدت ملازمت نواب ہی میں گزار دی۔ ان کی ساتھزادی حیاتی صاحب کے عقد نکاح میں آئیں' اس کی تفصیل جلد اول میں درج ہو چکی ہے۔ نواب کی زوال و عیال سمیت کلیاں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کے گھر میں شادی ہو جانے کے بعد الطاف صاحب کی سسرال تک شاید میر صاحب ہی کے گھر میں پلتے رہے' چنانچہ ساتھزادی بیان فرماتی تھیں۔ اے لکھتے ہیں کہ صدر ان ملازمت میں یہاں یہاں تبادلہ ہوتا رہا مگر میں مرحوم کا قیام رہا تھا حضرت کسی موضع ہی رہے تشریف لے جاتے تھے۔ مثلاً ایبٹ آباد' ڈلہوزی' بنوں' لیہ وغیرہ میں حیاتی بھی تشریف لے گئے اور سب سے زیادہ لدھیانہ میں رہے۔ (حیات السعدی' جلد ۲ صفحہ ۱۵)

خسر کو دلائی سے عقیدت

حیاتی صاحب نے شروع شروع میں نکاح کی دلائی کھائی ہے تو مرزا صاحب کی دلداریاں دیکھ کر میر صاحب کو ان سے عقیدت ہو گئی اور شادی تیس سال سے زیادہ عرصہ تک ان کی صحبت سے بہرہ ور رہے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں حیاتی صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا ان دنوں میر صاحب کو ان سے عقیدت تھی' یہاں تک کہ میر صاحب مجھے بھی مرزا ہی کی طرف سے تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک بار انہوں نے ان کے متعلق ایک طویل نظم رسالہ اشاعۃ السنہ میں شائع کرنے کے لئے دی' جس کا کچھ حصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ہندی وقت ہے کوئی مشہور — کوئی بتلا ہے صاحبِ دوران
نہ یہاں اس میں کچھ بھی برکت — نہ بڑائی کا اس میں نام و نشان

نیک سب اٹھ گئے زمانہ سے
ہا حق میں نہیں مال نہ جان

جب خدا نے کیر رکھا ہے
ہے بہت ہی خفیف اب ایمان

جب سخی جہاں سے ہے معدوم
ورق خدا ہی بخش گے انسان

لذت شعر کی نہ ہی سرگرم
آج کل ہی ہر فاقہ مست جہان

سچ بیاں کا خلق ہے ان کو
ہیں بیگانہ خصال ہر انسان

قرض اور پیدا کماتے ہیں
لوگ کہتے ہیں جن کو شاب زبان

ہر دلائل میں ہیں قدم رکھتے
ان کی صورت پہ ہے لقا گرویں

ناظر ہیں ان کی سب امیدیں
ہر حوالہ پہ ہیں کی دیوان

راہ میں ہیں اندھیاں بتیں
مل کرتے ہیں ملک میں ویران

ہاتھ کتے نہیں نظر نہ لوگ
دیکھنے کو ترس گئی مل و جان

ہر صدی میں ہوئے ہیں مل ایسے
ناظر خلق و صاحب عرفان

دین اسلام ہیں سے تابندہ
ہیں سے رونق پذیر تھا ایمان

(انتخاب کلیات، جلد ۲، صفحہ ۲۲۸-۲۲۹)

تکمیل بیعت

چونکہ ابتدا کی کمزوری اور بزدلی کا تقاضا ابھی تھا اور بیعت کو مکمل و جامع میں یہ دخل ہے' اس کے علاوہ میر صاحب کو رام کرنے کے لیے الٰہی صاحب کے بڑے بڑے بھائی صبح پہلے جھاڑ کر پیچھے پڑے رہتے تھے اور ہر وقت بیعت کو سچ کر کے دکھایا جاتا تھا' اس طرح تین چار سال کے بعد میر صاحب کو مرزا صاحب سے کسی قدر انس ہو گیا' یہاں تک کہ جب الٰہی صاحب نے دہلی میں سچ موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے اپنی بیعت لینے لگے تو میر صاحب نے بھی بیعت کر لی' لیکن چند ماہ بعد جب مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین سے خود میر صاحب کے مکان پر مباحثہ کیا اور مولوی صاحب مسلسل بارہ دن تک سچ صاحب کو روکتے رہے تو یہ اپنی حالت دیکھ کر میر صاحب کا دشمن ہو گیا اور جامع مسجد دہلی میں ایک بڑے مجمع کے اندر مرزا صاحب سے توبہ کرلی اور کہنے لگے کہ بارہ دن تک مخالفت کے لئے تمام امت کی تکذیب کافی تھی اب تم نے تو ہر

مباحثہ لدھیانہ میں کہلی۔ (اشتہار ضمیمہ "ہدیٰ" ۱۸۹۱ء۔ صفحہ ۱۰) کچھ دنوں کے بعد میر صاحب کو پھر ہوا کر لیا گیا" لیکن جب ملا بدھ سنان اور ملا فضیل نے باتفاق قادیانی صاحب کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا تو میر صاحب پھر بھاگ کھڑے ہوئے اور ۲۷ اپریل ۱۸۹۱ء کو مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے نام یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم از عاجز راقم بخدمت جناب مولانا مولوی سید محمد حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' عرض ہے کہ آپ کے رسالے پہنچے' میں نے ان کو نہایت کراہت سے دیکھا اور ایک قسم کی بیچ کھائی' لیکن جب میں نے تمام رسالہ پڑھا تو جب کیفیت بدلی۔ غصہ سے بجائے کلی مرافعت ہو گئی اور تمام شکوک رفع ہو گئے' یکلخت معلوم ہوا کہ ایک قسم کا نور قلب پر وارد ہوا یا ایک بے ہودگی تھی کہ رفع ہو گئی۔ اب مجھ سے مرزا صاحب کے سر جھگڑتے ہیں' لیکن اب قطعی رکھیں کہ اگر میں کل تک جناب کے ہی ہو جائیں تو مجھ پر تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ (اشتہار ضمیمہ "ہدیٰ" ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۲)

راہ حق سے دائمی مفارقت اور مرزائیت پر خاتمہ

کچھ دنوں کے بعد میر صاحب کی بارگاہ کبریا کی طرف سے اپنے منصب پر فائز کئے جانے کی گرم جوشی شروع ہوئی اور طرح طرح سے لبھانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میر صاحب از سر نو مرزائیت سے وابستہ ہو گئے اور باب بیعت میں تائب ہو گئے۔ اب میر صاحب کی جانب سے ایک اعلان شائع کیا گیا جس کا یہ مضمون تھا

"جو کہ یہ عاجز عرصہ تین سال سے مورد مرزا امام الزمان صاحب پر بدگمان تھا" اور دل" نوع" خس و خاشاک نے بڑھا بڑھا کر اس کے حق میں مجھ سے کہلوایا جس پر آج مجھ کو افسوس ہے۔ بالفعل اس تحریر کا یہ ہے کہ ایک شخص نے مرزا صاحب کو خط لکھا کہ میں تم سے مباحثہ کیلئے کہ کر کہلوے تمہارے رشتہ دار (یعنی یہ عاجز) تم سے بدعقیدہ و بدگمان ہیں' اس کو سن کر مجھے سخت ندامت ہوئی اور ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنے گناہوں کے ساتھ یہ گناہ بھی کسی کے ذمہ لئے کے دبال میں پکڑا جاؤں۔ اس سے بعد اگر کوئی شخص میری کسی تحریر یا تقریر کو پیش دے اور اس سے لائق الغاء جانے تو میں خود ذمہ دار ہوں۔"

(تحفۂ رسالت' جلد ۲' صفحہ ۷-۸)

سنا جاتا ہے کہ جب میر ہاشم صاحب اسلام سے رشتہ توڑ کر مرزائیت کے حلقہ بگوش ہوئے تو سماعین کے دل و دماغ پر بھی شدید اثرات مرتب ہوئے تھے' چنانچہ اپنی بیوی یعنی مرزا محمود احمد کی نانی صاحبہ کے متعلق یہ الہام ہوا۔

تو ہے احمد کی نانی ہمیں پر تیرا بیٹا ہے نانی

بالآخر میر صاحب بھائی مرزائیت ہی کی حالت میں بمقام قادیان ہی مقبرہ بہشتی کے حصہ اول میں مدفون ہوئے۔ حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس الہام سے بچائے اور ہر مسلمان کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ آمین۔ ہاشم خاں نے اپنے پیچھے دو لڑکے نعمان چھوڑے۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سابق سرجن اور محمد اسحٰق۔ حق تعالیٰ راہ پر لائے۔

باب ۳۶

مولوی محمد احسن امروہی کے ایمان و اسلام کی خریداری

امروہی صاحب کا سابقہ مسلک اور ملازمت

مولوی محمد احسن مولوی امروہی خلع مراد آباد ایک مشہور اہل حدیث عالم تھے۔ جن ایام میں مقلدوں اور غیر مقلدوں میں بعض فروعی مسائل کی بنا پر جنگ چھڑی ہوئی تھی' ان دنوں بعض اہانت مصنوں کی وجہ سے حضرت مولانا محمد قاسم مرحوم بانی دارالعلوم دیوبند نے "قبلہ نما" کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر اختلافی مسائل کے متعلق حنفی مسلک کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح فرمایا۔ مولوی محمد احسن امروہی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ "صبح الصباح فی رفع الاشتباہ" لکھا۔ صبح الصباح کی تردید میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ کے شاگرد رشید مولانا محمد حسن صاحب دیوبندی مرحوم (مصنف چہ حضرت شیخ الہند) نے "تصحیح الاغلاط" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں حنفی مسلک کو بہ طور تحقیق حق بجانب ثابت کیا۔ مولوی محمد احسن یا کسی دوسرے

الحدیث کی طرف سے "مصباح الظلام" کا کوئی جواب شائع نہ ہوا تھا "مصباح الظلام" کا پہلا نقد و ابطال ہوا تھا۔ مولانا محمد یحییٰ مرحوم نشاطی نے اپنے ماہوار رسالہ "الناظر" لکھنؤ کی جون ۱۹۱۵ء کی شماعت (جلد ۲ نمبر ۶) میں مولوی محمد احسن کے رسالہ "مصباح الظلام" پر ایک طویل تنقید تحریر کیا تھا۔ امروہی صاحب نے اپنی کتاب "الفضل المجرد" کے صفحات ۲۲۳ تا ۲۲۴ پر نقل کیا ہے۔ اسی طرح مولوی سید کمال حسین نے کتاب "تاج الفوائح" میں امروہی صاحب کی تعریف میں لکھا۔ "مولوی سید محمد احسن ذی علم و صاحب دماغ تھے و باخلاق امت سے۔ نقل بالفاظہ ترک تقلید پر خلق سے بالکل دور رسائل لکھے فرمودہ"۔ (الفضل المجرد' مولفہ محمد احسن امروہی' صفحہ ۱۲۳)۔ سید کمال حسین نام نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے بھائی تھے۔

مولوی محمد احسن شروع میں دلشکر کے ہائی گلاس رسالہ میں حاضروں کو اردو پڑھانے پر مامور تھے۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے ایماء سے ہائی گلاسوں کی ملکی گری چھوڑ کر بھوپال میں جا ملازم ہوئے' جہاں مستقبل وکالۃ کا منصب رکھنے کا کام ان کے تفویض ہوا' لیکن بہت جلد کے بعد بھوپال کی خدمت سے برطرف کر دیے گئے۔ (الناظر لکھنؤ' جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۵ ماخذ)

عمرو غاری سے ایمان میں تزلزل

بھوپال کی معطلی کے بعد امروہی صاحب کو عمرو غاری نے آگھیرا۔ اس ایمانی قحط کی بیماری ایسی کہ کوئی قسم کہ انقلاب دہر کے ایک ہی جھٹکے سے گر پڑیں اور حواس کے اوراق خوش وہ کتابیں کی ورق گردانی کی ذرہ رہ گئے۔ اخلاق ثلاثہ اور ایمان ثلاثہ کا امتحان تو اسی وقت ہوتا ہے جب سر سے سحاب و نوال کے خیمے اٹھ رہے ہوں' جن لوگوں کو خدائے بزرگ و برتر خیال و قبل کی دولت جاوید سے بہرہ مند کیا ہے' وہ تمام مشکلات میں ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ امتحان نصیب صبر و ثبات کی نعمت سے محروم ہیں' ان کا پاؤں متزلزل ڈگمگا جاتا ہے۔ ایسے لوگ جہت موہوم کی راہوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ کوئی عیسائیت یا مرزائیت کی آغوش میں پناہ لیتا ہے تو کوئی کمیونزم کی اپنی بے دینی اور غداری کا مداوا ڈھونڈتا ہے۔ معلوم نہیں کہ امروہی صاحب نے کس سیاق کے وقت خود غاریوں

سے فارغ ہو کر مرزا صاحب نے ان کو پھر تبلیغ دیکھ کر ان کی تیاری سے بتایا کہ قادیان جائیں۔ بہرحال اب امروہی نے اپنی قسمت آزمائی سے ہدایت کر دی' جہاں وہ پہلے مراجعت کی تردید کیا کرتے' اب راسخ دین قادیانی مسیحیت کے رنگ اپنے لگے۔

امروہی صاحب کے بصر لوگات کی تکمیل

واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ امروہی صاحب نے قادیانی صاحب سے ہر قسم کے وعدے پہلے ہی لے لیے تھے۔ اس بار قادیانی صاحب نے ۲۰ مئی ۱۹۰۸ء کو اپنے مریدوں میں ایک اعلان زیر عنوان "ضروری اشتہار" شائع کیا' جس میں لکھا:

"اس وقت کا ارادہ ہے کہ اشاعت دین اسلام کے لئے ایسا انتظام کیا جائے کہ ممالک ہند میں ہر جگہ ماری طرف سے واعظ و مناظر مقرر ہوں اور بقدر کفاف خدا کر وجوہ ان کی تنخواہ مقرر کریں تا خدمت اسلام بدستور تبلیغ پر جاری رہے' لیکن اس صنف اور کثرت عاشقت کی حالت میں ابھی یہ ارادہ کامل طور پر تمام پورا نہیں ہو سکتا بالفعل یہ تجویز کیا ہے کہ اگر حضرت مولوی نور الدین صاحب امروہی' جو ایک فاضل جلیل اور اہل علم اور خدمت اسلام میں دل و جان فدا ہیں' قبول کریں تو کسی قدر جہاں تک ممکن ہو تبلیغ خدمت ان کے سپرد کی جائے۔ مولوی صاحب موصوف یہاں کی تعلیم اور بیرونی قرآن و حدیث اور وعظ و نصیحت اور مباحثہ اور مناظرہ میں بڑی قابلیت رکھتے ہیں۔ خدمت طرفی کی بابت ہے اگر یہ اس کام میں لگ جائیں تو یہ کہ انسان کو معاشہ عیال ماری ہی ہوتا ہے ضروریات سے بڑھ نہیں اس لئے یہ اگر سب سے مقدم ہے کہ مولوی صاحب کے کافی گزارہ کے لئے کوئی امر تجویز ہو جائے' یعنی یہ کہ ہر ایک ذی مقدرت صاحب ماری جماعت میں سے ماہواری طور پر جب تک خدا توفیق چاہے ان کے گزارہ کے لئے حسب استطاعت اپنے کوئی چندہ مقرر کریں اور ہر ہر جگہ مقرر ہو یا وقتاً ان کی خدمت میں بھیجتے رہا کریں۔ اس اشتہار کے چھپنے پر ہر صاحب چندہ کے لئے تیار ہوں وہ اس بات کو اطلاع دیں۔"

(مکتوبات احمدیہ' مولفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۲۵)

امروہی صاحب کی اعانت کے لیے دوسرا اعلان

چند روز کے بعد اعلیٰ حضرت صاحب نے فاضل امروہی کی امداد کے لیے ایک اور اشتہار شائع کیا جس ۲ محرم [illegible] کا یہ شعر تھا۔

دوست کی بات کر کیوں دوست دوست　　　وہ پوچھیں حال دوستاں کی

اس اشتہار میں لکھا اس وقت میں خصوصیت سے اپنے دوستوں کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اخویم مکرم حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب جو اس وقت مقیم بھوپال علاقہ جناب والا ہیں کی [illegible] سے عرصہ ہوا کہ [illegible] ہیں، بوجہ تکالیف [illegible] کے [illegible] ہیں۔ اگرچہ مولوی صاحب موصوف بڑے صابر اور متوکل اور خدا تعالیٰ پر اپنے [illegible] بھروسہ رکھنے والے ہیں لیکن ایسی حالت میں [illegible] کا ہاتھ سے [illegible] رہنا چاہیے۔ حضرت مکرم مولوی حکیم نورالدین صاحب اپنے ہی [illegible] اور [illegible] اول ہی سب سے پہلے قدم رکھتے ہیں مگر اس وقت بھی موصوف اپنے [illegible] موجود [illegible] سے [illegible] ہیں، لہٰذا ہر ایک [illegible] کی اپنی اپنی حیثیت کے موافق [illegible] ہے کہ جب پہلے [illegible] صاحب اس راستہ کی طرف [illegible] کہ جس وقت حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کے لیے ایک رقم [illegible] چندہ [illegible] کی [illegible] سے کم [illegible] قرار پا جائے تو اس وقت مولوی صاحب کو جناب میں [illegible] جائے اور جس وقت [illegible] کے آگے اس طرح سے [illegible] چندہ لگا دینا لازم [illegible] جائے گا کہ میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کو اس [illegible] میں [illegible] خوشی نہیں۔ خدمت میں [illegible] بھوپال میں [illegible] کر سکے ہیں صاحب ہے کہ ہر ایک صاحب جو چندہ دینا چاہتے ہیں، تم [illegible] سے اپنے [illegible] چندہ [illegible] قرار دیں اور [illegible] چندہ [illegible] اور [illegible] مولوی صاحب کی خدمت میں بھیج دیں اور [illegible] راستہ اپنا چندہ مولوی صاحب ممدوح کی خدمت میں ارسال فرمایا کریں۔ اب تک جن جن صاحبوں نے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کے لیے چندہ دینا تجویز کیا ہے ان کے نام مع تعداد چندہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

[illegible] حکیم فضل الدین صاحب [illegible] صاحب [illegible]

صاحب ذبی الشکار رئیسے ملہ مفتی فیاض علی صاحب کیدر تد مر مفتی عبدالرحمٰن صاحب
کیدر تد مر شیخ رحمت اللہ صاحب گجرات پنجاب ایک روپیہ' ولایت خاں صاحب کلکتہ مر
مفتی مر صادق بھیروی مدرس بھوپال مر حکیم فضل الدین صاحب بھیروی ملہ پانچ مر صاحب
اجمالہ مر خلیفہ نور الدین صاحب کلکتہ بھوپال مر حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب
مر سید عبید شاہ صاحب مر مولوی قاسم قاضی شیخ صاحب سیالکوٹ ملہ میاں مر بی
صاحب لاہور مر میاں مظفر الدین صاحب لاہور مر میاں عبدالرحمٰن صاحب لاہور مر
حافظ فضل احمد صاحب لاہور مر مفتی سیالکوٹ صاحب لاہور مر پیر بخش گجرات ۱۱۱
ملہ سید امیر علی صاحب سارجنٹ ضلع سیالکوٹ مر سید غلام علی صاحب اپنی الشکار
کپتان والا گجرات مر ۔

ان تمام حضرات کی خدمت میں کمہ عرض ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو شوال اور
اشتہار کے پہنچنے کے ساتھ ہی روپیہ کا بھیجنا حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی خدمت میں
بلاتوقف ارسال فرمائیں۔ یہ وہی اصحاب عظام' چودھویں صدی' (تاریخ رسالت' جلد ۲' صفحہ ۱۰۰
۵۸

محمد علی خاں صاحب کی طرف سے تین سو روپیہ سالانہ کی امداد

چونکہ امروہی صاحب اپنا اجمان و امام قادیانی قریبی گاؤں کی بھیجت چڑھا چکے تھے اور
قادیانی صاحب کو یہ ایک اچھا مفید گاؤں مل گیا تھا جس کی طمع دسمہ گاؤں نے پیدا کی سال
کے اندر عرائضیت کی سیاہ روح اپنا رنگ دکھانے لگی اس لئے ضرور تھا کہ قادیانی صاحب اس قحط غیر حرقہ کی کافی قدر کرتے' چنانچہ ایسا ہی ہوا'
الہامی صاحب نے امروہی صاحب کے ملی مددگار ہونے کا مزید رکھنے ہوئے کی امداد کے
لئے عام چندوں کے علاوہ اپنے خاص خزانہ سے تین سو روپیہ سالانہ بھی دسول کیا چنانچہ
مقدمہ اپیل چلی' تو قادیانی صاحب نے اپنے مرید خاص نواب محمد علی خاں رئیس کوٹلہ کے
نام ایک خط تحریر فرمایا کہ اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ الہامی صاحب نے لکھا

منشی الطاف مولوی سید محمد احسن صاحب قریباً دو ہفتہ سے یہاں تشریف لائے
ہوئے ہیں اور آپ نے جب آپ کا ہی مالا کا تعلق اور حسن ظن پایا

ریب ہاوار ان کو اسی سلسلہ کی ہدایت اور دعا کی غرض سے دعا مقرر کیا تھا' چنانچہ آپ نے مجھ عرصہ ان کو دیا' لیکن چند ہفتے ان کو یہاں نہیں پہنچا سکے اگر اس وقت مجھ کو اس بات کے ذکر کرنے سے بھی آپ کے ساتھ بل رکتا ہے' مگر چونکہ مولوی صاحب موصوف اس تاک میں رہتے ہیں اس لئے آپ جو صاحب سمجھیں جیسے جواب کے لئے ہیں اس کی نسبت قرار کر دیں۔ حقیقت میں مولوی صاحب موصوف مقبول بندوں اور عارف خدا کی ہیں۔ نہ مداس اور بلکہ کی طرف سفر کر کے بیڑیا توپیوں کے ہاتھ سے تکلیف اور عذاب کے خلاص کر کے اور بیڑیا کو اس جماعت میں داخل کر کے ہیں اور نہایت مستعد اور قوی الایمان اور پہلے سے بھی نہایت ترقی پر ہیں"۔

(مکتوبات اسپر' جلد ۵' نمبر ۲' صفحہ ۲۵۔۲۶)

اسپران حرب مولانا ہاوری کے چنگل میں

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ تعلیم نوازیں اور مولوی محمد احسن امروہی مرحومین کے دو عظیم الشان کارنامے ہیں جن کی مدد سے مولانا صاحب موصوف نے دنیا میں پرواز کیا کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم نے تعلیم نوازیں کو جس طرح میدان مخالفت سے بچایا اس کی کیفیت آپ پہلے پڑھ چکے ہیں' اسی طرح مولوی صاحب نے جس طرح محمد احسن امروہی کے ہاتھ سے اس کی کیفیت رسالہ "تحقیق الفتویٰ" (جلد ۲' صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۴) میں ملاحظہ فرمائیے۔ حقیقت میں مولوی اکبر کے مقابلہ میں مولانا ہاوری کی ہار حقیقت تھی جو بیچارگی کے مقابلہ میں غضب کی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایام تعطیل میں مولوی محمد حسین صاحب نے لکھا کہ اکبر اشغال کیا۔ امروہی صاحب یہ خیال کرتے کہ کبیر اکبر علی کا کوئی صحیح مقصد نہیں' خوامخواہ سے پڑھے جانے میں دن ضائع اور وقت برباد ہوتا ہے' سوچنے لگے کہ مولوی محمد حسین نے بوڑھاپے تک میں دم کر رکھا ہے' لیکن اب کر دیکھنے میں کیا اور خوب پھنسے۔ یہ سوچ کر لکھنے لگے "حسین صاحب یہ کبیر اکبر کیا بلا ہے؟ یہ کس زبان کا مقولہ ہے؟ ذرا واضح طور پر بیان فرمائیے' تاکہ اس بیچارے کی بھی سمجھ میں آجائے"۔ مولانا ہاوری کے ساتھ بولے "یہ حضرت سید المشرقین و المغربین صلی اللہ علیہ وسلم

کی مدینہ کے علاوہ ہیں ہر صحیح مسلم' جلد ۲ صفحہ ۵۵ پر موجود ہیں اور اگر ان کے متن سلم کرنا چاہو تو میرے رسالہ "تکمیل الفرائض" جلد ۲ کے صفحہ ۲۰ کا مطالعہ کرو"۔ یہ جواب سن کر اسرائیلی صاحب تلملی بھاگتے گئے اور قبر کی سے سر جھکا لیا۔
(تکمیل الفرائض' جلد ۲ صفحہ ۲۰)

باب ۳۷

دعوائے مہدویت کی بوالعجبیاں

مسیح زمان کو "سب کچھ" بننے کا خبط

جس طرح بھولے بھالے بچے جس چیز کو اچھی دیکھتے ہیں اسی کے واقف و شیدا ہو جاتے ہیں' اسی طرح محمدی صاحب جب بھی کسی باکمال شخص کا نام اور اس کے کارنامے سنتے تو کہنے لگتے کہ وہ میں ہوں کیونکہ آنکھ بھر کی زبان بات کر سکتا مگر کہتا کہ "میں ہوں" غرضیکہ ایسی حالت میں جبکہ محمدی بچہ گھر کے بڑوں بوڑھوں طرف تکبیر و تضریح کے لیے جماعت جماعت کی بولیاں بول رہے ہوں کچھ بھی مشکل نہ تھا الہامی صاحب نے کہیں سنا کہ ہندوؤں میں کرشن جی ہم ایک بڑے اوتار گزرے ہیں' اور بانسری بجایا کرتے تھے تو فرمانے لگے کہ وہ میں ہوں۔ کسی نے بتایا کہ پرانے خیال کے برہمن سنسکرت ملتے مراد کلکی اوتار کے ظہور کے منتظر ہیں' تو جھٹ کہہ دیا کہ وہ میں ہوں۔ کتابوں میں پڑھا کہ مسلمان اور عیسائی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی آمد ثانی کے منتظر ہیں تو جھٹ پکار اٹھے کہ وہ میں ہوں۔ "سب کچھ" بننے کے اس خبط میں بھلا یہ کیوں ممکن تھا کہ تھیوں کے رئیس صاحب کتب مدینہ میں صاحب القرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں پڑھتے اور ان کے مدلع میں مدینہ کی مسند پر بیٹھ کی ہوس نہ کرتے۔ مگر اور چیزیں بننے کے لیے تو زبان سے کہہ دینا یا قلم سے لکھ دینا ہی کافی تھا کہ وہ میں ہوں۔ اس کے بعد وہ سزائیں کی فکر میں سادی ہو جاتے تھے لیکن چونکہ مدینہ کا دعویٰ دوسرے دعووں سے کسی قدر مختلف حیثیت رکھتا تھا اور اس میں

بہت سے خطرات تھے اس لیے علم کلامیوں کو سالہا سال تک مہدی بننے کی جرأت نہ ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ جن دنوں ہندوستان میں کاظمانی صاحب براہین احمدیہ لکھ کر اپنی تجدید اور مقدس نبی کی داغی بجا رہے تھے۔ ان ایام میں سرحدی سوداگر میں محمد احمد نامی ایک مدعی مہدویت نے انگریزوں کا ناطقہ تنگ کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے مریدوں کی ایک بڑی جمعیت بہم پہنچا کر انگریزی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی ٹھان لی تھی۔ یہ حکومت سے برسرپیکار ہونے کے بعد شہروں پر شبخون کرتا جاتا تھا اور انگریزی سپاہ کے پاؤں اکھیڑ دیتا تھا۔ محمد احمد مہدی کے بارے میں ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۵ء تک پنجاب اور ہندوستان میں سارے مسلم سوداگر کو یہ علم کرایا گیا۔ ان اطلاعات کے بعد تو مہدی سوڈانی کی شہرت اطراف عالم میں جا بجا کرانے لگی۔ ان صاف کرامتوں کی وجہ سے اہل پنجاب نے بھی مہدی سوڈانی کے نام سے تعریف کرنے تھے۔ بلکہ مہدی کا لقب بھی خراسان پنجاب کے تمام اصحاب میں تسلیم کیا جانے کے لیے کافی تھا۔

مہدویت کو نظر انداز کر کے مسیحیت کا دعویٰ

ان دنوں سوڈان میں محمد احمد کا طوطی بول رہا تھا۔ ان ایام میں یہاں مرزا بھی اپنی خانہ ساز تجدید کی تیاریوں کے بعد دعوائے مسیحیت کے متعلق کا نظر انسان سے مطالعہ فرما رہے تھے۔ ان کے دل میں یہ بات کروٹیں لے رہی تھی کہ وہ بھی میدان دعویٰ میں قدم رکھ کر مہدی موعود بن جائیں لیکن ابھی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ محمد احمد کی طرح کسی کلہ عظیم و خطیر کو اپنے سر پر لیں۔ بلکہ مرزے الہامی صاحب نے مقدس نبی کے پہلے ابتدائی سالوں میں اپنے لیے لقب مہدی کے استعمال کیے جانے سے بھی گھبراتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ مہدویت کا لقب سے لقب اور بہت اگر ہو بار نے لیکر اوا کر گل اور کی دیتی کا نہیں۔ اس بنا پر علم صاحب نے لیکر "مہدویت" کی جگہ مسیحیت کا دعویٰ کیا۔ دیں مسیح علیہ السلام کی علامات مخصوصہ کاظمانی صاحب کی ذات میں ظہور تھیں اور جن کو مرزا بھی کے فانی نہ اپنے دعوائے مسیحیت کی راہ میں حائل سمجھتے آرہے تھے۔ سو ان مشکل پر یہ قابو کرنے کے لیے کاظمانی صاحب کی قوت تخیل سازی اور استعداد تاویل کاری ہی کافی تھے۔ چنانچہ آپ حضرات پہلے پڑھ چکے ہیں کہ کاظمانی صاحب کس طرح ایک طرف

دلائل عقل کے ذریعہ سے اسلام اور ان تمام مرتدین سے جنہوں نے مسیلمہ اور اسود عنسی کی طرح ان کے پیروکاروں نے عقل و وضع عقل اور اس قسم کے دوسرے فرقات کے سامنے "سحاب و طائر" کہہ کر سر جھکا دیا۔

مہدی کب اور کیسے آئے گا؟

مگر مسیح موعود صاحب نے مسلک فقہاء میں مہدویت کا دعویٰ کیا ہے بلکہ انہیں شاذ و نادر طور پر کہیں کہیں سے مالک حنبلی اصل ہو ہے کہ وہ بھی اپنے دعوائے مہدویت میں اپنا مذہب اور گروہ کی حالت میں رہے۔ کبھی تو وہ فقہاء میں اس کے مدعی بن جاتے تھے اور کبھی حکومت کے خوف سے تقیہ کا طریق اختیار رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جس دن مرزا جی نے اپنی مہدویت کا اظہار کیا تھا اس دن امام میں کسی عالم ربانی کی خدمت سے سوال ہوا کہ مگر مسیح موعود کب ہیں تو حضرت مہدی علیہ السلام و مسیح کے عہد سعادت میں ظاہر ہونے والے تھے کیا ہوئے؟ اس کے جواب میں مرزا جی صاحب سکتہ کھانے لگے کہ یہ بھی تو نہیں ہوئے۔ فرض اس دن سے مسیح موعود کی طرح مہدی موعود بھی بنے لگے۔ کیونکہ حدیث مہدویت کی ساری بنا اسی پر ہے کہ کامل زمان سے دعویٰ کر دیا جائے۔ مگر وہ تو حضرت مہدی علیہ السلام کی علامتیں پائی جائیں۔ نہ اخلاق میں سوی ہیں اور نہ وہ شجاعت اور بہادری کے کارنامے دکھلائے جائیں جو حضرت مہدی مسعود کا طغرائے امتیاز ہیں۔

باب ۳۸

مسئلہ مہدی علیہ السلام اور اپنی مہدویت کے متعلق رئیس قادیان کی قلابازیاں

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ رئیس قادیان نے مسئلہ مسیح مہدی علیہ السلام اور اپنی ذات پر مہدویت کے متعلق کیا کیا رنگ بدلے اور اپنی بیسیاب دلی اور گوناں مزاجی کے کیسے شاندار مظاہرے کیے۔ ذیل میں آپ کو معلوم ہوگا کہ قادیانی صاحب نے کس سال میں کیا خیال اور کیا مسلک ظاہر کیا تھا؟

سال	قادیانی صاحب کا بیان	قادیانی تصنیف کا نام اور
۱۸۹۱ء	اصل حق و حقیقت کا یہ مذہب ہے کہ امام محمد مہدی فوت ہو گئے ہیں اور آخری زمانہ میں انہی کے نام پر ایک اور امام پیدا ہوگا جس کو مسیحیین کے ساتھ مہدی کا کوئی الگ امر نہیں ہے"۔	ازالہ اوہام، طبع اوّل، صفحہ ۱۱۰
۱۸۹۲ء	"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی خبر دیتے ہیں۔ محمد ان کے یہ مہدی بھی ہے جس کا نام حدیث میں ملفظ متحد رکھا گیا۔ جس کا ظہور عالک مشرق بلاد حنفیہ سے اور اہل دعوی قادری سے ہونا ضروری ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر اور مبین ہے کہ تمام ستہ میں کی حدیثوں کا ذکر ہے"۔	فتح اسلام، صفحہ ۸۔ ۹
۱۸۹۳ء	مہدی موعود کا ایک نشان یہ ہے کہ اس کے وقت میں ماہ رمضان میں خسوف کسوف ہوگا۔	انوار الاسلام، صفحہ ۳۱
۱۸۹۴ء	صحیح بخاری میں آیا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک لکھی ہوئی کتاب ہوگی جس میں اس کے تمام و کمال اصحاب کا نام درج ہوگا۔	ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، صفحہ ۲۰

سال	تاریخی مناسب کا بیان	تاریخی تصنیف کا حوالہ
۱۱۱۱ھ	میرا اور میری جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اس قسم کی تمام حدیثیں جو مہدی کے آنے کے بارے میں ہیں ہرگز قابل وثوق اور قابل اعتبار نہیں ہیں۔	حقیقۃ الہدیٰ' صفحہ ۱۱۱
۱۱۱۱ھ	مہدی کے بارے میں جس قدر احادیث ہیں وہ سب کی سب ضعیف' مجروح' مدخرع اور اختراعی ہیں۔	حقیقۃ الہدیٰ' ص ۱۱۱
۱۱۱۱ھ	میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت ان بیرون سے سوال کیا گیا کہ یہ حدیث ابوبکر کے حق پر ہے یا نہ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا کہنا تو اہل الحاد سے بھی بدتر ہے۔	الاشاعۃ سیار الاخبار' مصنفہ نواب صدیق حسن' جلد ۹' صفحہ ۳۰
۱۱۱۱ھ	"یہ آخری مہدی جو اہل اسلام کے جہالت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس گمراہی کا کہ سارے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا ظاہر ہوا میں عرض کیا گیا تھا جس کی بشارت کتاب سے بھی سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ میں ہی ہوں"۔	تذکرۃ الموحدین' صفحہ ۲
۱۱۱۱ھ	میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میں وہ مہدی ہوں جو صادق بن وائل الفلسفہ دین متین نے کہا ہے۔ میرا دعویٰ تو صرف موعود ہونے کا ہے۔ صحیح موعود کے لیے کسی مہدی کا قائل نہیں کہ وہ بنی فاطمہ وغیرہ میں سے ہوگا۔ ہاں ساتھ اس کے جیسا کہ تمام محدثین کہتے ہیں۔ مہدی موعود کے بارے میں جس قدر حدیثیں ہیں تمام مجروح اور مخدوش ہیں اور ایک بھی ان میں سے صحیح نہیں اور جس قدر اختراعی ان حدیثوں میں ہوا ہے کسی اور حدیث میں ایسا نہیں ہوا۔	ہدایۃ الحیران' حصہ دوم' صفحہ ۱۱۸

غرض کتابوں کے علم صاحب بہت دیر تک سند الزام پر متمکن رہے' محمد مہدی علیہ السلام اور دعوائے مہدویت کے متعلق ان کی کتنی قابل رحم تذبذب میں مبتلا کہانی رہی۔ کبھی تو مہدویت کے دعوے دار میں بیٹھتے تھے اور کبھی سرے سے عقیدہ ظہور مہدی کی صحت سے منکر ہو جاتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جب انکار کرتے تھے تو اس کے پہ سبق ہوتے تھے کہ اس سے پیشتر جب کبھی انہوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا تو وہ محل مخدوج اور موضوع روایات کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے کیا تھا۔ اور شومئی قسمت اس حقیقت کو یہ پیش نظر نہ رکھا کہ جس قدر احادیث مہدی کی مہدویت میں ہوا ہے کسی اور مہدی میں نہیں ہوا۔

باب ۳۹

ایک مہدوی کا قول اپنا کر بعض انبیاء سے افضل بننے کی کوشش

باب سابق میں کتابوں کا یہ بیان آپ کی نظر سے گزرا ہوگا کہ "میں نے ابن مہدی راوی جس کی نسبت ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ یہ حضرت ابوبکرؓ کے بدرجہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکرؓ کیا نہ تو بعض انبیاء سے بھی بہتر ہے"۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ فرمانا کہ "کل ابن مہدی راوی مہدویت کی بڑی مرکزی بنیاد ہے" شیخ الانبیاء صاحب نے اپنے عرفان الٰہی کی زینت بنا لیا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد زمان خاں مرحوم نے اپنی کتاب "ہدیہ مہدیہ" کے آخری باب میں رسالہ "محفوظات و تحقیقات" مولفہ سید صدیق حسن یہ علم میاں مہدی سے مہدویہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "یہ صحیح ہے کہ ولی مرتبہ میں نبی کو نہیں پہنچ سکتا لیکن مہدی موعود حضرت سید محمد جونپوری علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حکم میں داخل نہیں ہیں کیونکہ وہ تو بعض انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ چنانچہ علمائے متاخرین نے اپنی کتب میں بالتعرض روایت کی ہے کہ حضرت خضر کے سلاسل باب میں مذکور ہے کہ ابن سیرین نے فرمایا ہے کہ مہدی بہتر ہے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے اور برابر ہے نبی علی

اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور دوسری روایت ہے کہ فرمایا کہ مہدی اہل البیت علیہ السلام پر بھی فضیلت رکھتا ہے۔ (ینابیع المودۃ "مطبوعہ مطبع اسلامیہ" صفحہ ۴۴۲)

الغرض یہ اعتراف مہدی فرقہ نے اپنے مقابلہ سید عبدالحمید کے افضل الاولیاء ہونے کے ثبوت میں پیش کیا تھا۔ مگر جب قادیانی صاحب نے بار بار خلیل ہو تیار کے سچے مصداق تھے وہاں سے سرزد کر کے اپنے اوپر چسپاں کرلیا۔ اور مقابلہ اہل البیت سے افضل بن بیٹھے۔ کاش ہندوستان میں اس وقت کوئی اسلامی سلطنت حکمران ہوتی تو اس دعوی کا مزا چکھا دیتی۔

باب ۴۰

اپنی خود ساختہ مہدویت کے متعلق

قادیانی کے مضحکہ خیز معیار

ایک طرف تو الہامی صاحب مختار اور دوسرے گروہ فرقی کی طرح قصہ مہدی علیہ السلام کے قطعاً منکر تھے اور ان تمام احادیث کو "جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کی تبشین گوئی ہے (معاذ اللہ) افترا قرار دیتے تھے لیکن دوسری طرف خود مہدی ہونے کے مدعی تھے اور اپنی تائید مہدویت کے لئے کسوٹی معیار پیش کیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے تئیں افضل پیغمبروں کی طرح ساری دنیا کو عموم الوہیت اور مطلب الہامی خیال کر رکھا تھا اور نہ تھیں سمجھتے تھے کہ ان کے عالی خدا اور الہام ربانی کچھ نہیں انہوں نے خود ان کی گود اور دل پر حق فراموشی کے موٹے پردے ڈال رکھے ہیں۔ اب ذرا یہ معیار ملاحظہ ہوں جو قادیانی صاحب نے اپنی مہدویت کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔

میں سچا مہدی ہوں کیونکہ میں نے عیسائیوں سے مناظرہ کیا

قادیانی خم نے اپنے سچے مہدی ہونے کی ایک دلیل یہ لکھی ہے کہ مکہ اور مکہ ہر

عیسائیوں کا ہوا یہ مہدی موعود کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا کیونکہ حدیث کے الفاظ صاف اشارہ کرتے ہیں کہ مہدی کے وقت مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ کچھ مقابلہ واقع ہوگا اور پہلے تھوڑا ہوگا اور پھر اس کو طول ہو کر ایک لمبا عظیم ہو جائے گا۔ اس وقت آسمان سے یہ آواز آئے گی کہ حق کل عیسیٰ کے ساتھ ہے" یعنی عیسائی سچے ہیں۔ یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ اس لڑائی کے وقت جس قدر لوگ عیسائیوں کا ساتھ دیں گے یہ شیطان کے نمائندے ہیں اور ان کی شیطان کی گواہی ہے (نبیاء الحق' مرتبہ قادیانی صاحب' صفحہ ۳۰۳)

اس کے متعلق التماس ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی کوئی حدیث مروی نہیں جس میں حضرت مہدی علیہ السلام کے عہد سعادت میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے کسی مقابلہ کا ذکر ہو۔ یہ محض قادیانی کا خیال افترا ہے اور پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے۔ البتہ مسلمانوں کے خلاف دجل صلیب کے روم غلبہ ہونے کا ہونا بہت سی حدیثوں میں موجود ہے۔ شیخ ربیع القرنین جامی رحمۃ اللہ نے اپنے رسالہ قیامت نامہ میں ایک روایت کا مضمون یوں نقل کیا ہے۔ "نصاریٰ ہر طرف سے فراہم لشکر کی کو شش کریں گے اور نو لاکھ سوار بزار فوج لے کر چڑھ آئیں گے۔ اس وقت ان کے ہی ہوا جھنڈے ہوں گے" ہر جھنڈے کے نیچے بارہ بارہ بزار فوج ہوگی۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی مکہ معظمہ سے کوچ کر کے مدینہ منورہ پہنچیں گے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کی زیارت کر کے شام کا قصد کریں گے۔ جب شام روانہ پہنچیں گے تو دوسری طرف سے نصاریٰ کی فوج مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگی"۔

اسی طرح قادیانی صاحب نے بروایت تمیم کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی۔ سو یہ روایت خود ضعیف اور باطل استدلال ہے۔ موصوف صاحب کی عادت تھی کہ خلاف ہوا ہوتی تو بخاری و مسلم کی صحیح حدیث کو بھی (معاذ اللہ) ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے اور اگر مفید مطلب ہوتی تو رسالہ "ہیں مسافر" ہو تمیم وغیرہم کی موضوع جعلی روایتوں کو بھی لے اڑتے اور استدلال میں پیش کرتے تھے۔

زمین فسق و فجور سے بھر گئی ہے اس لیے میں مہدی ہوں

الہامی صاحب نے اپنی مسجد کی ایک دیوار پر لکھی۔ لہٰذا الخاص خصوص مسجد میں ایک نوشتہ مسیح موعود کے زمانہ کی یہ لکھی ہے کہ اس کے قصہ سے پہلے زمین ظلم اور جور سے بھری ہوگی اور پھر مہدی موعود عدل اور انصاف سے زمین کو پر کرے گا۔ کما فی المشکوٰۃ رواہ ابو داؤد والحاکم فلیتدبر" اب ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں ہر ایک قسم کے ظلم یعنی معصیت اور الحاد اور تکبر اور فسق و فجور سے زمین بھری ہوئی ہے' مہدی موعود علیہ السلام کا زمانہ ہے نہ مسیح کے خلاف کے سیاق ہے یعنی جس میں ہر ایک قسم کا الحاد اور ہر ایک قسم کی بے دینی اور ہر ایک قسم کی بداخلاقی پھیل گئی ہے اور شرک ہر قسم عظیم ہے اس کا بھلا انسانیت دور سے کوڑا کیا ہے اور یہ مسیح علیہ السلام سے بیان کر رہی ہے کہ بالکل مسیحیت کا قلع قمع اور جڑ جس کا خدا ہوگا اسی کی اصلاح کے لیے یہ مہدی موعود آئے گا"۔ (کتاب البریہ' حاشیہ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۳)

الہامی صاحب نے یہ بتایا کہ زمین ظلم و جور' الحاد و فجور' اور شرک و معصیت سے بھری ہوئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قادیان کے مہدی صاحب نے مبعوث ہو کر معمورۂ عالم کو ظلم و جور سے' الحاد و بے دینی اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیا؟ کیا دنیا سے شرک و معصیت کا قلع قمع ہو گیا؟ کیا خلق خدا مہدی قادیان کی برکت قدوم سے فسق و فجور سے پاک و صاف ہو گئی؟ اگر ان علامات کا مہدی صاحب میں نہیں پایا جاتا ہے تو پھر یہ کہنا کہ قادیان کے بھولے مہدی ہونے میں کیوں شک کیا جاتا ہے؟

قادیان کے بھولے مہدی نے بھی مہدی علیہ السلام کے متعلق ابو داؤد اور حاکم کی جو حدیث مشکوٰۃ المصابیح سے نقل کی اس میں مہدی علیہ السلام کی یہ علامتیں بھی مہدی موعود علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں:

(۱) یہ میرے اہل بیت میں سے ہوں گے اور

(۲) سات سال تک مسند حکومت و فرمان فرمائی پر متمکن رہیں گے۔

لیکن چونکہ یہ دونوں علامتیں قادیان کے مہدی صاحب کو بالکل پوری نہیں کر رہی تھیں۔ اس لیے "مہدی موعود" صاحب کی جماعت نے ۱۹۵۵ء میں سے ان ناگوار علامات کا حذف کر دینا ہی خیر دیکھا۔

میرے صدی ہونے کا ایک ثبوت کہ مولوی قاسم کی سکونت ہے

قاسمی صاحب نے اپنی صداقت کی ایک یہ دلیل پیش کی۔ احادیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ صدی موعود ایسے قصبہ کا رہنے والا ہوگا جس کا نام کوہ یا کوہ ہوگا اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ یہ لفظ کوہ دراصل قاسمی کے لفظ کا مخفف ہے۔ (الکتاب المبین' مولفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۱۹۹) اور کہا کہ شیخ فتنی بن حوی اپنی کتاب انوار الاسرار میں ۱۰۰۰ھ میں لکھا ہوئی تھی صدی موعود کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صدی اس گاؤں سے نکلے گا جس کا نام کوہ ہے۔ یہ نام دراصل قاسمی کے نام کو معرب کیا ہوا ہے۔ (تحفہ الہام اعظم' مولفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۲۰)

اس کے متعلق التماس ہے کہ اول تو روایت میں کوہ نہیں کوہ ہے اور کوہ کا ایک گاؤں ہے۔ چنانچہ کامل ابن عدی میں ہے۔ یخرج المہدی من قریۃ یقال لہا کوہ (مہدی علیہ السلام کوہ نام کی ایک گاؤں سے ظہور فرما ہوں گے) (میزان الاعتدال' جلد ۲' صفحہ ۲۸) کوہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں موجود تھا اور اب بھی ہے اور عہد رسالت میں قاسمیوں کا ہونا قرین قیاس ہے کیوں نام و نشان نہ تھا کیونکہ قاسمی صاحب نے خود لکھا ہے کہ "ہمارے صوبہ دلی اور بادشاہ کے زمانہ میں بلاپ میں وارد ہوئے اور ایک گاؤں قائم کیا" جس کا نام اسلام پور قاسمیاں رکھا"۔ (ازالہ اوہام' مولفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۵۰۰) پر اس صورت میں ہے کہ کوہ والی روایت صحیح ہو حالانکہ یہ روایت بالکل غلط ہے بایں ہمہ اس حدیث میں ہے کہ کوہ والی روایت کا ایک راوی عبدالوہاب بن ضحاک حدیثیں کے نزدیک بالکل ساقط ہے۔ چنانچہ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ابو حاتم کے نزدیک عبدالوہاب بن ضحاک کذاب تھا اور ازدی نے اس شخص کو متروک الحدیث اور دار قطنی نے منکر الحدیث بتلایا ہے۔ (میزان الاعتدال' جلد ۲' صفحہ ۳۰)

میں سچا صدی ہوں کیونکہ میرے تین سو تیرہ حواری ہیں

عبدالوہاب بن ضحاک کی متروک حدیث ضعیف روایت میں یہ بھی لکھا ہے۔ یجمع اللہ لہ من اقصی البلاد علی عدۃ اہل بدر ثلاثمائۃ و ثلاثۃ عشر رجلا و معہ صحیفہ

مقصود تھا صلی اللہ علیہ وسلم و بارک علیہ و علیکم (اور لوگ دور دور سے فتح ہو کر مسیح علیہ السلام کی برکات اختیار کریں گے ان کا شمار اہل بدر کی تعداد کے برابر ہوگا یعنی تین سو تیرہ ہوں گے۔ اور مسیح علیہ السلام کے پاس ایک سربمہر لفافہ ہوگا جس میں ان کے نام پتے درج ہوں گے۔ مجھے یہ خیال گزرتا ہوں کہ یہ روایت ضعیف یا موضوع ہے کیونکہ اس کا ایک راوی عبد الوہاب بن ضحاک متروک ہے۔ خواجہ صاحب نے اس روایت کو کس کتاب میں دیکھا؟ ان کی باچھیں کھل گئیں اور جھٹ اپنے بیانات میں سے تین سو تیرہ مشہور مریدوں کے نام اور پتے صیغہ الہام اتم میں درج کر کے لکھ مارا کہ پڑھ لو حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مسیح موعود کے پاس ایک لفافہ ہوگی' جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا اس لئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ تعین کوئی نئی بات پوری ہوگی۔ (صیغہ الہام اتم ص ۳۰)

تعجب ظاہر ہے کہ ایک بے اصل روایت کو منیر مطلب پا کر صحیح حدیث کہا اور تعجیل ظاہر کا فریب دینے والی کتاب کہا اور لوگ کر ضمیمہ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا الہامی صاحب کے سوا کسی دوسرے سے ممکن نہیں تھا۔ اس سے قبح تظہر مزالق روایت کا کامل دیکھ کر صحیح موعود صاحب نے اسی کتاب میں پہلے تو اپنے مریدوں کی تعداد چار پانچ ہزار اور آٹھ ہزار بتائی۔ چنانچہ لکھا۔ "اے طالب صادق اور جلد تجلیات یہ ارادہ ہم میں اور تم میں سے بڑھ گئی ہے۔ اور اگر یہ عاجز بہ نسبت تمہاری جماعتوں کے تھوڑی سی ہے اور نہ تعجب ہے اور ابھی اس وقت تک چار پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہوگی"۔ (الہام اتم' صفحہ ۳۲) اور دوسری جگہ لکھا اب آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ ہو لوگ ہیں جو اس راہ میں ہلاکتیں ہیں (ضمیمہ الہام اتم' صفحہ ۳۱) لیکن اسی کتاب ضمیمہ الہام اتم میں سات ورق آگے بڑھ کر یعنی چالیسویں صفحہ پر اپنے مریدوں کی تعداد لکھی اس بیان پر تین سو تیرہ کر دی کہ یہ مقدر کی صورت اور روایت کی بنا پر کسی طرح مسیح موعود بن سکیں چنانچہ لکھا۔ "جو کہ حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مسیح موعود کے پاس ایک لفافہ ہوگی جس میں اس کے تین سو تیرہ اصحاب کا نام درج ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ کسی شخص کو پہلے اس سے یہ اتفاق نہیں ہوا کہ کسی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے پاس لفافہ ہوئی کتاب ہو جس میں اس کے اصحابوں کے نام ہوں۔ لیکن میں پہلے اس سے بھی [illegible]

کلمات اسلام" میں تین سو چھیاسی نام درج کرچکا ہوں اور اب ضمیمہ انجام آتھم کے لیے تین سو چھیانوے نام ذیل میں درج کرتا ہوں (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۰۔۲۱)

لیکن دلچسپی دیکھو کہ اسی ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۲۱ پر اپنے مریدوں کی تعداد پانچ لاکھ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھ بیعت کے قریب ہیں۔ اور ڈھلواں مسیحیت کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں کہ ضمیمہ انجام آتھم کی اشاعت کے چند ہی ماہ بعد اب ڈھلواں صاحب پر اکم نکل لکھا جانے لگا تو انہوں نے اکم نکل سے بچنے کے لیے جہاں اپنی تعداد بیعت کم کرکے دکھائی' وہاں لاکھ نو ہزار مریدوں کے بجائے صرف تین سو اٹھاسی مریدوں کی فہرست پیش کی۔ چنانچہ شیخ نور احمد تحصیل دار نے اپنی روایت میں لکھا کہ اس فرقہ میں حسب فہرست خلقہ بارہ تین سو اٹھاسی آدمی ہیں (تشحیذ الاذہان' صفحہ ۳۰۴)

یہ تھی ڈھلواں کے مسیح صاحب کی حوالات اور تلوار شاہی کو ایچ الو پیدا کرنے کے لیے جھوٹ کی تیز اٹھا رکھی تھی۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ انہوں نے سارے زور کو اپنے مریدوں پر قیاس کرکے کہ تعلیم اور علوم اسلامیہ سے نابلد رکھا ہوگا

میں نے دینی علوم کسی استاد سے نہیں پڑھے اس لیے میں صوفی ہوں

ڈھلواں صاحب نے اپنی مسیحیت کے ثبوت میں ایک یہ دلیل پیش کی۔ صوفی کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ کسی انسان کا علم دین میں شاگرد یا مرید نہ ہو۔" (رسالہ ازالہ اوہام' مرتبہ ڈھلواں صاحب' نمبر ۲' صفحہ ۳۸۰ حاشیہ) اسی طرح دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ "جو کہنے والے کا نام ہی صوفی رکھا گیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کہنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے اور قرآن اور حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں ملا" کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہی حال ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے"۔ (ایام الصلح' مرتبہ مرزا قادیانی' صفحہ ۱۴۷)

اس کے متعلق انسان یہ ہے کہ واقعی مرزا صاحب حدیث' تفسیر اور دوسرے دینی علوم سے بے بہرہ تھے اور اسی کا یہ اثر تھا کہ طبیعت کبھی شریعت سے آزاد اور خود رائی کی طرف مائل تھی۔ ہر مسئلہ میں دعوائے الہام کے باوجود یہ حالت تھی کہ اسلامی عقائد سے

روگردان ہو کر جسد طاعت اور دائرہ کی صف میں جا کھڑے ہوتے تھے۔ عمل مفید ہے علم کا خلو ایمان ہے مگر الہامی صاحب کی حدیث و تفسیر نہ چھاپنے کی وجہ سے علم کا خلو ایمان تھے۔ لیکن دوسرے علم والوں میں اور الہامی صاحب میں یہ فرق تھا کہ دوسروں کی زندگی سے صرف ظاہر ہوتا ہے کہ کیس اپنی جہالت سے کسی مسلمان کو کافر عقیدہ یا گمراہ نہ کریں۔ لیکن الہامی صاحب اپنے خوفناک قسم کے علم کا خلو ایمان تھے کہ انہوں نے بیک ہزاروں لاکھوں کلمہ گوؤں کو مسلوب الایمان بنا دیا۔ اور نہ صرف اپنے زمانہ کے مسلمانوں کو دوزخ کا مستحق بنایا بلکہ جب تک مرزائیت کا وجود اس عالم فانی میں پایا جائے گا ان کے مسلمانوں کی آنے والی نسلیں بھی دوزخ و دوزخیوں کے اسی گھر یا کدہ میں پائی رہیں گی اور ان سب کی گمراہی کا وبال و نکال الہامی صاحب کے نامہ اعمال میں بھی برابر لکھا ہوا رہے گا۔

غرض الہامی صاحب کا یہ فریضہ بالکل تھا کہ انہوں نے حدیث و تفسیر کی تحصیل کے لیے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ البتہ ان کا یہ بیان بالکل خلاف واقعہ ہے کہ انہوں نے قرآن بھی کسی استاد سے نہیں پڑھا۔ چنانچہ خود ہی اپنی زبان کی تردید میں لکھتے ہیں:

"بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خوان مسلم میرے لئے نوکر رکھا گیا جس نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام غلام علی تھا۔" (کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد ۱۳، صفحہ ۱۳۸)

باب ۴۱

مہدی بننے کے لیے اپنے سنین عمر کو کم دکھانے کی کوشش

مولانا بٹالوی نے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھا کہ غلام قادیانی نے اپنی بڑھاپے کے سلسلہ

اور سطر ۳ اور نیز رسالہ "اظہار تحدیث (اظہار الاسلام)" کے صفحہ ۳۷۹ سطر ۱۸ میں اپنی عمر سانھ برس کے قریب بیان کی ہے۔ اس سے تھانوی کے اس دعوی کا کذب و افترا ہونا ظاہر ہوتا ہے جو اس نے رسالہ "تحفہ" کے صفحہ ۳۳ میں کیا اور کہا کہ "یہ عاجز (تھانوی) اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لیے بالہام خاص مامور کیا گیا اور بشارت دی گئی کہ اسی برس تک یا اس کے قریب تیری عمر ہے"۔ سو اس الہام سے چالیس برس تک دعوت ثابت ہوتی ہے' جن میں سے دس برس کامل بھی گزر چکے۔ (براہین' صفحہ ۴۲۸) تھانوی نے یہ دعوی اپنے صدی موعود ہونے کے لیے کیا تھا۔ خدا نخواستہ نے صدی موعود کے متعلق ایک قصیدہ میں یہ پیشین گوئی کی تھی اس کے اس شعر میں صدی علیہ السلام کی عمر پچاس سال بتائی تھی۔

آ باقبال سال فسے یابد مہ
وہ کہ کی شد سیاد سے بیشم

تھانوی نے اس قصیدہ کو کھینچ تان کر اپنے اوپر چسپاں کرنا چاہا اور دعوی کیا کہ میں نے چالیس سال کی عمر میں الہام و ملاست کا دعوی کیا ہے۔ لہذا چالیس سال اس دعوے سے میری زندگی اور ہوگی۔ لہذا صدی موعود اور اس شعر کا مصداق میں ہوں۔ یہ دعوی تھانوی نے ۱۳۱۱ھ میں کیا تھا۔ چالیس براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۲۸ سطر ۱۸ میں خدا نے یہ سال بتایا ہے اور اسی سال براہین کا یہ حصہ طبع ہوا تھا۔ سو اس ۱۳۱۱ھ سے تھانوی کی کامل سانھ عمری ۱۳۱۱ھ تک بنتی ہے جو سال ملنے سے ۱۳۱۱ھ میں اس کی عمر باختلاف یا ۱۳۱۲ھ سال کی بنتی ہے۔ اور اس امر کو تھانوی کا یہ اقرار و اظہار بار بار اور رسالہ "اظہار (اظہار الاسلام)" مسلم ثابت کرتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تھانوی نے جو دعوی مندرجہ رسالہ "تحفہ" ۱۳۱۱ھ میں اپنی عمر کا چالیس برس کی بتائی تھی اس میں غلط بیانی کی۔ اس اظہار و اقرار کے رو سے اس وقت اس کی عمر سانھ برس کے قریب ہے' تو ۱۳۱۱ھ میں دعوی الہام و ملاست کے وقت اس کی عمر اڑتالیس سال کے قریب ہونی چاہیے۔ اس سے یا تو اس کا دعوائے صدیت اور شاہ نعمت اللہ کے شعر کا مصداق ہونا غلط ٹھہرتا ہے یا اس کے اس الہام کا بطلان ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی برس کی عمر تک زندہ رہے گا۔ اس دعوی مندرجہ "تحفہ تھانوی" کے وقت اس کو یہ الہام ہوا اور اس کے علم کو بھی یہ علم نہ تھا۔

اور اس وجہ سے وہ اس کو یہ الہام نہ کرتا کہ حضرت کے اشتہارات میں تمہارے قتل سے سات برس کی میعاد قرار پا کر شائع ہو جائے گی۔ اور نہ اس وقت تک اس نے اپنے ان اشتہارات میں اس اقرار کو شائع کیا۔ اس کو یا اس کے علم کو "کان وعوی یا" (الشہادۃ القرآن، جلد ۲۰، صفحہ ۳۵۰)

باب ۳۲

حضور سید العالمین ؐ پر مہدی موعود کے چودھویں صدی میں ظاہر ہونے کا افتراء

جس طرح اصل کوئی مقابل و خاص میں کوئی تمیز نہیں کرتا۔ وہ مقابل سے لئے یا خاص سے بالاختیار اپنے بحر علم میں ڈال چھوڑ جاتا ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے اپنے اثبات دعوی کے لئے "کل و اللہ صادق و کاذب" "کل و باطل" بیانات و افتراء فرض ہر چیز کی لیا رکھی تھی اور ہر کچھ مل و جاتا ہے سوچ ہے کہ محض اس خیال سے لوگ علم سے بچا رہے تھے کہ ان کے حقیقت شعار میں خود ہی تحریل سازی کے دور سے ان کے دعوی کا اثبات کرتے رہیں گے۔ یہ چیز کوئی عارضی اور ہنگامی حیثیت نہیں رکھتی تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عادت گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

اس سلسلہ میں وہ سوں پر افتراء بازی تو درکنار یہ بعید کہ کہیں فخر رسل حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر افتراء بازی سے بھی نہیں چوکتے تھے انہوں نے اپنی مبنی حقیقت کو رسالہ "تحفہ آصفی" شائع کیا جس میں ہمارے سید و مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشیمن گوئی کے ذیل حوالہ لکھا ہوا ہے کہ اگرچہ عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے کہ خدائے تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر ایک صدی پر ایسا مجدد مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کو تازہ کرے گا۔ لیکن چودھویں صدی کے لئے یعنی اس حدیث کے بارہ میں ہر ایک

حکیم الامت صدی چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا اس قدر اختلافات نہیں پائے جاتے ہیں' ان سے کوئی طالب حق نہیں ہو سکتا۔ (تتمہ حقیقی' حاشیہ مرزا قادیانی' صفحہ ۱۰۱)

ظاہر ہے کہ یہ بیان سراسر دروغ بے فروغ ہے۔ میری طرف سے تمام امت مرزائیہ کو چیلنج ہے۔ اگر کسی مرزائی میں صدق ہے تو اس مضمون کی کوئی حدیث پیش کرے کہ ایک حکیم الامت صدی چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا۔

باب ۳۳

صاحب الزمان حضرت مہدی علیہ السلام

کے خونخیں ہونے کا طعنہ

ایک مرزا کی نے دکھی دلوں پر یہ الزام لگایا کہ "یہ انگریزی حکومت کے بدخواہ ہیں اور باغیانہ ارادے رکھتے ہیں"۔ (تتمہ حقیقی' جلد ۲' صفحہ ۱۰۱) تو مرزا کی نے انگریزی حکومت کو مطمئن کرنے کے لیے خونخوار پن کا یہ موہوم طعنہ اختیار کیا اور اس مدعائے بے پیام کو بار بار کرتے کرتے پیمبروں تک جا پہنچا۔ اسی سلسلہ تحقیق میں دکھی صاحب نے یہ بھی لکھا کہ "ہم کسی ایسے مسیح اور مہدی کے قائل نہیں' جو تلوار کے زور سے دین کی ترقی چاہے۔ یہ اس زمانہ کے بعض کوتہ اندیش مسلمانوں کی خیالیں ہیں' نہ کسی خونی مہدی یا خونی مسیح کے منتظر ہیں۔ چاہیے کہ گورنمنٹ ہماری کتابوں کو دیکھے کہ کس قدر ہم اس الزام کے دشمن ہیں اور کس قدر ہم جہاد کی اس وجہ سے جو بے موقع ہو گئے ہیں کہ ہم نے ان کے خونی مہدی اور خونی مسیح سے انکار کر دیا"۔ (تتمہ حقیقی' جلد ۲' صفحہ ۱۰۱)

اس کے بعد الہامی صاحب کا معمول ہو گیا کہ عام طور پر جب کبھی حضرت مہدی علیہ السلام کا ذکر کرتے تو نہایت حقارت کے ساتھ انہیں خونی کہہ کر پکارتے اور لکھتے کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عنصری قویٰ و تغیر خاص کر اور صریح ادنیٰ ہے اس سے قبح ظہر جب کوئی خون ناحق اور فساد کا مرتکب ہو تو اسے خونی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن مہدی علیہ السلام (وساتھی) کوئی خون ناحق نہیں کریں گے اور نہ کسی فساد

انگیزی کے مرتکب ہوں گے۔ بلکہ امامیہ کیمپ کے اندر اسلامی محاذ کو خلل و نقصان پہنچائیں گے۔ صلیبی نے بالم امام کے خلاف خفیہ جدوجہد کا طوفان برپا کر رکھا ہوگا۔ جبل صلیب کی صلیبی فوجیں چین قرار کرنے کرنے خیمہ تک پہنچ چکی ہوں گی۔ ہر جدید محاذ سے آخر خلل کی مسافت پر ہے اور بالم امام پر خفیہ حملہ ہوگا۔ ایسے وقت کا نقیب بن خواجہ کو گھر حضرت صدری علیہ السلام کو مبعوث فرمائے گا تاکہ افرنگی فوج انگیزی کا دفعیہ کر کے بالم امام کو بچائیں لیکن افرنگی صلیب کی بنا سے اسلامی محاذ پر صلیب کا نمل دخل ہو اور کتاب اللہ کی حکومت دنیا سے اٹھ جائے۔ ان کو تو نیچہ شمر صلیب" سے ہم ۱۵ ہو حسب صدوق برکس اور ہم ذکی کالد فرنگ قسم کی صلیب خواہی اور استاد حکومت کی بے مثال تھی۔

اگر اپنے گھر کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ اگر حق و صدق کی تائید اور باطل کی کے اثرات کی ایمان دار امیر دین کو وسطانی) خلل ڈالتا ہے" تو پھر صدر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین" کا جہاد فی سبیل اللہ کی وسطانی) ان تمام قوتوں کو خود خلل کا سبب ہے کہ ہاتھ خواجہ برتر کے برگزیدہ بندے اللہ اور اسے دین سے مقابلہ کر کے مرتبہ شہادت کا تمنا حاصل کرتے رہے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

و کاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ و ما ضعفوا و ما استکانوا واللہ یحب الصابرین۔ (۳:۱۴۶)

کثیر اللہ والے اللہ اکثر نبیوں کی رفاقت میں مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ ان مقدسات نے راہ ان حملات کی وجہ سے ہمت ہارے اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ کسی سے دبے اور حق خدائی مستقل مزاجی کو برقرار رکھا۔

باب ۴۳

قیام سلطنت کے لیے حکیم نورالدین بھیروی کی خفیہ سرگرمیاں

حضرات راجہ رنبیر سنگھ والی جموں و کشمیر اہل کمال کے قدردان اور علم دوست حکمران تھے۔ خصوصاً علم طب سے ان کو خاص شغف تھا۔ ان کی سرکار میں قریباً نصف درجن حکیم' ڈاکٹر اور وید' جن میں حکیم نورالدین بھیروی' گنگا کے حکیم بنگالی ڈاکٹر گوپال چندر' حکیم فدا محمد ہزاروی' حکیم سید امیر شاہ لاہوری اور حکیم ولی شاہ لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں ملازم تھے۔ حضرات رنبیر سنگھ کے بعد ان کے بڑے بیٹے حضرات پرتاپ سنگھ تخت نشین ہوئے۔ لیکن چار سال کے بعد کونسل سمیت رزیڈنٹ کی سفارشات کی بنا پر حکومت ہند نے حضرات کے اختیارات سلب کر کے ان کی کونسل منسوخ کر دی۔ حضرات کے بھائی راجہ امر سنگھ اور راجہ رام سنگھ کونسل کے ممبر اور ان کے بیٹے راجہ پرتاپ سنگھ کونسل کے صدر قرار پائے۔ لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد ان کو بھی اس اختیار سے برطرف کر دیا گیا اور ان کی جگہ حضرات راجہ ہری سنگھ (موجودہ فرمانروا) کے والد راجہ امر سنگھ کونسل پر صدر مقرر ہوئے اور ان کی جگہ راجہ سوچیت کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔ راجہ امر سنگھ نے حکیم نورالدین کی بڑی قدر افزائی کی اور حکیم صاحب سے یہاں تک مانوس ہوئے کہ انہیں ریاست کے بیاہ و بیوہ کا مالک بنا دیا۔ ان اختیارات کے سلسلہ میں حکیم صاحب کا مطالبہ تھا کہ ہر سہ دیوی ماتا کرمیا اور رنبیر کے لیے روزانہ گوشت سامنے کا حق ہونا چاہئے' ہر ایک تہوار پر خاص شان کل تھا ملحوظ رکھا گیا۔ حکیم صاحب کا یہاں تک اقتدار بڑھا کہ ممبران کونسل تک ملاقات کے لیے ان کے مکان پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور تو درکنار سید فیروز شاہ کے اخلاف سردار بہادر سنگھ جیسے حاضر مرتبہ لوگ بھی حکیم نورالدین کی ملاقات کو باعث فخر خیال کرتے تھے۔ غرض ریاست کے طول و عرض میں حکیم صاحب کا طوطی بول رہا تھا اور ان کے اختیارات کا یہ عالم تھا کہ ان کے استصواب کے بغیر کسی کو کوئی سرکاری خدمت نہیں مل سکتی تھی۔

راجہ امر سنگھ کی ایک جاگیر علاقہ کشتواڑ میں تھی۔ یہ ایک وسیع کوہستان اور اچھا سرسبز علاقہ ہے۔ یہاں زیادہ تر افیم پیدا ہوتی ہے۔ راجہ امر سنگھ نے اپنی اس جاگیر کا انتظام حکیم نورالدین کے حسن اختیار میں دے دیا۔ اس منتظم و مدبر کوہستان کا عمل دخل دیکھ کر اس اندازہ پر ہے کہ یہاں ایک مستقل حکومت کے قیام میں بڑی سہولتیں تھیں۔ محمد بن تغلق اور اس قماش کے دوسرے حکام کی جگہ سلطنت کے

حالات" اور میں کتاب "آئینہ حقیقت نما" میں تحریر کر چکا ہوں' حکیم صاحب کے پیش نظر تھے۔ اس لیے جب سے کشمیر کے اختیارات تفویض ہوئے تھے ہر وقت وہ اپنی سلطنت کے قیام کے متعلق سوچتے رہتے تھے۔ اور کوئی وقت ایسا نہ تھا جب انہیں وہاں کی بادشاہت کے خواب نہ دکھائی دے رہے ہوں۔ ان ایام میں بسا اوقات اپنے احباب پاس سے کہا کرتے تھے کہ علاقہ کشمیر میں ایک آزاد سلطنت قائم ہو سکتی ہے اس حریت کو قوت سے فعل میں لانے کے لیے انہوں نے مرزا امام الدین کو' جو اکثر حکیم صاحب کی خدمت کے لیے جموں جایا کرتے تھے' نہ صرف اپنا رازدار بنایا بلکہ اسی کو اصل مقصد کا کل اور شریک کار تجویز کیا۔ کیونکہ جب تک کسی ذہنی رنگ میں اندرونی حصوں کا وسیع حلقہ قائم نہ کیا جائے اور فدوی و اخلاص کے پودے میں محبت تخم نہ پہنچائی جائے' کامیابی محال تھی۔ لوگ جیران تھے کہ حکیم نورالدین ایسے ذی اقتدار شخص نے مرزا امام الدین جیسے گمنام آدمی کی کیونکر حمایت اختیار کی' جس میں نہ کوئی علمی یا عملی کمال تھا اور نہ کوئی دنیاوی دجاہت تھی۔ اور جس کا اپنا اخلاق تھا کہ جس ایک گمنام اور اکیلا اور قرابت کم درجہ کی حیثیت کا انسان تھا اور اس قدر کم حیثیت تھا کہ قابل ذکر نہ تھا اور کسی ایسے ممتاز خاندان سے نہ تھا جس کی نسبت توقع ہو سکتی تھی کہ باکمالی لوگ اس پر جمع ہو جائیں گے"۔ (سیرۃ النبی' مولفہ مرزا امام الدین صاحب' صفحہ ۵۰۰) لیکن یہ لوگ اس حقیقت حال سے بے خبر تھے کہ گردش کسی ضرورت سے پیدا ہوتا ہے اور آقا نے سلطنت الٰہی کا لباس قطع کب تو کیا سیے۔

سب سے پہلی تجویز یہ تھی کہ جہاں سب اپنے کنبے جمع کیے جائیں۔ چونکہ کشمیر کا نظم و نسق اور عزل و نصب سب حکیم صاحب کے دست اختیار میں تھا۔ انہوں نے وہاں کے پرانے عہدیداروں کو نکالنا اور اپنے نوکروں کو بھرنا شروع کیا۔ جہاں کسی شخص کا تقرر اس وقت تک عمل میں نہیں آتا تھا جب تک حکیم صاحب کو اس کے موالی ہونے کی تصدیق نہیں ہو جاتی تھی۔ کشمیر سے قطع نظر خط و کتابت یا نئے عہدہ داروں کے تقرر میں بھی حکیم صاحب بالکل مطلق العنان تھے۔ غرضیکہ تمام تعلیم' تو قی و بہ اکمال حکیم صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ حکیم صاحب وہاں بھی اپنے کنبے کی ترقی کر رہے تھے اور غیر مرد انہوں پر خواہ ہوں یا سکھ یا مسلمان اس گروہ کے مقابلہ دیوانے بنے ہوئے تھے۔

یہ تو معلوم نہیں کہ حکیم صاحب نے مرزائی فلاسفی اور عقل گھڑیوں کی بحرانی کی تکمیل کے بعد اپنا آخری لاکھ عمل کیا تجویز کر رکھا تھا لیکن اتنا یقین ہے کہ یہ اور ان کے لکھ کار مرزا غلام' ہر وقت اپنی محلوں سلطنت کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ قادیانی صاحب نے اپنی ایام میں کتاب "ازالہ اوہام" میں اپنی اس خواہش سلطنت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ بھی کر دیا تھا۔

"یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔ درویشی اور فقیری کے لباس میں آیا ہے۔ اور جب کہ یہ حال ہے تو پھر خلاف کے لیے احتمال ہی کیا ہے؟ ممکن ہے کہ کسی وقت ان کی یہ خواہ بھی پوری ہو جائے"۔ (ازالہ اوہام' حاشیہ مرزا غلام احمد' طبع پنجم' صفحہ ۱۰۰۲)

قادیانی جماعت کی طرف سے انگریزی حکومت کو خدشہ

حکیم نورالدین کی کوششوں سے مرزائیت کو جس دور میں فروغ نصیب ہوا اس سے کسی کو یہ خیال یہاں باقاب ہیں اس کو ترقی ہو رہی تھی۔ اور جوں جوں اس جماعت کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی حکیم کا سودا تھا اور غلو بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ حکومت کو خوف تھا کہ مبادا یہ جماعت کبھی غدر پر کر مخالفت کا موجب بن جائے۔ خود قادیانی صاحب کے بیان سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ عبدالحمید سماوہ کو اپنے آخری وداع سوار محمد علی خاں کو لکھے ہوئے ایک خط میں مرزا صاحب نے لکھا تھا اس کی کچھ پروا نہیں ہے۔ ہمارا عقیدہ اور خیال انگریزی سلطنت کی نسبت بلکہ اور نیک ہے۔ اس لیے آخر انگریزوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ خیالیں ہی کوئی نہ کی تھی نہیں"۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد پنجم' نمبر چہارم' صفحہ ۱۰۰۔ ایک اور خط میں لکھا ہے ضروری ہے کہ کمشنر کے پاس آپ جائیں اور ہو سکے کوئی تدبیر نہیں۔ (ایضاً صفحہ ۱۰۰۔ اور ایک چٹھی میں لکھا۔ ہاں ایک بات ہمارے نزدیک ضروری ہے۔ گو آپ کی طبیعت اس کو قبول کرے یا نہ کرے اور وہ یہ ہے کہ بیشک تین چار ماہ کے بعد کمشنر صاحب وقیو حکام کو آپ کا ملنا ضروری ہے۔ کیونکہ مستر ڈوئی سے معلوم ہوا ہے کہ بعض ملکی مزاج حکام کو جو اصلی حقیقت سے بے خبر ہیں ہمارے فرقہ پر سوء ظن ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے

کوئی بھی حکام کو نہیں ستاتا اور نہ ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ میں اس حالت میں آپ جا سکتا ہوں اور حکام کو معلوم ہے کہ آپ اس فرقہ میں شامل ہیں' اس لئے ترک ملاقات سے اندیشہ ہے کہ حکام کے دل میں یہ بات مرکوز ہو جائے کہ یہ فرقہ اس گورنمنٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ گو یہ غلطی ہوگی اور کسی وقت رفع ہو سکتی ہے مگر تا خیال نہ ہو کہ کوئی امر خلاف ہو۔" (مکتوبات احمدیہ' جلد پنجم' نمبر چہارم' صفحہ ۱۳۱)

حکام کی بدگمانی کے متعلق میاں محمود احمد کا بیان

خلیفۃ المسیح مرزا محمود احمد نے بھی حکومت کے اعتماد کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ۲۸ اگست ۱۹۱۴ء کو انہوں نے لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ عام سے ایک خطاب کیا جس میں ایک مضمون پڑھ کر سنایا۔ اس مضمون میں خلیفہ صاحب نے اپنے والد کے متعلق لکھا کہ "گورنمنٹ بھی ان (مرزا غلام احمد) پر حملہ ہونے کے واقعہ کی وجہ سے شک کرتی تھی"۔ (الفضل قادیان' ۷ ستمبر ۱۹۱۴ء) اور اپنے ایک خطبہ جمعہ میں بیان فرمایا کہ "۱۹۰۷ء کے آخر میں انگریز حکام کو مجھ سے اور جماعت پر ابتداءً غلام احمد کے بلکہ دشمنی کے لحاظ سے گمراہ تھے۔ مگر اب تو یہ بھی ثابت ہو رہے ہیں۔ بہت تھوڑے ہیں ہاں (مرزائی) جماعت کی مخالفت کو کھلا ہیں۔ باقی تو بالعموم ہم کو بھی نیک نیتی سے دیکھتے ہیں۔ اور اگر انگریزوں کا ذاتی عمل دخل نہ ہو تو شاید وہ ہمیں بھی ان کے رکھ دیں"۔ (الفضل قادیان' جلد ۱ نمبر ۳۲ صفحہ ۳)

قادیانی مقصودوں کے متعلق پادری عمادالدین کا بیان

اور قادیان کے خلاف بدگمانی کا یہ جذبہ کبھی انگریز حکام کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ ہر سمجھ دار عیسائی و مخلص مرزائی جماعت کو انگریزی حکومت کے حق میں خطرناک خیال کرتا تھا۔ ڈاکٹر ایچ - ڈی - گرس وطن پر نسپل فورمن کرسچن کالج لاہور نے لکھا "پادری عمادالدین کا خیال ہے کہ مرزا صاحب قریب الجہم اور نہایت عیار اور چالاک آدمی ہیں۔ پادری موصوف فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ساتھ چند اور مخلص

شریک ہیں اور مرزا صاحب اس کمیٹی کے ممبر تھے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسیحیت کے دعووں کے وسیلہ سے بہت سے مسلمانوں کو اپنا بنا لیا جائے اور پھر جب مناسب وقت اور موقع ہاتھ آئے تو علم بغاوت بلند کر دیں"۔ (کتاب "مرزا غلام احمد قادیانی" مولفہ ڈاکٹر گرس صفحہ ۳۰۷)

حکیم نورالدین کا جموں سے اخراج

کتاب مائل ٹیپ جس طرح الفرج کے بعد اپنی ارتقائی منزلیں بتدریج طے کرتے کرتے نصف النہار کو پہنچا ہے' اسی طرح نصف النہار کے بعد بھی بہت بہت اپنے تمام مسائل سمیٹ سمٹا کر کے غروب ہوتا ہے لیکن حکیم نورالدین کا آفتاب اقتدار نصف النہار پر پہنچ کر یک بیک غروب ہو گیا اور دنیا اس فوری زوال و انقلاب پر حیرت زدہ رہ گئی۔ کتاب "ازالہ اوہام" جس میں قادیانی صاحب نے لکھا تھا "ممکن ہے کہ میری حکومت و بادشاہت کے متعلق بھی کسی وقت خلاء کی مراد پوری ہو جائے" صرف ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی تھی اور ہاری النظر میں اس وقت مرزائی قصر سلطنت کی تشکیل کسی خیالی عروسہ کی منتظر نہ تھی لیکن "ازالہ اوہام" کی اشاعت کے گیارہ ہی سال بعد اس میں ایک ایسا زبردست جھٹکا لگا کہ ہزار سلطنت کی بنیادیں ہل ہل کر رہ گئیں اس کا کسی طرح مقابلہ نہ کر سکیں اور قادیانی شاہی کی ساری عمارت دھڑام سے زمین بوس ہو گئی۔ اگست ۱۹۱۴ء میں ورلڈ لیگ آف نیشنز والسرائے ہند جموں آئے۔ معمول سلامتی پر ٹیپ لگنے نے تمام صورت حالات عرض کی اور بتایا کہ "کس طرح ان کے بھائی رابرٹ امر لگنے نے حکیم نورالدین کو ریاست کے سیاہ و سپید کا مالک بنا رکھا ہے اور کس طرح حکیم اپنی سلطنت کے قیام کے لیے ریشہ دوانیاں کر رہا ہے اور بڑے زور و شور کے ساتھ اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ مسلوب الاختیار ریاست ہونے کے بعد میرے لیے کوئی موقع نہیں رہا کہ میں انتظامی امور میں کوئی دخل دے سکوں"۔ والسرائے نے سلامتی پر ٹیپ لگنے کو فضل کا پروپیگنڈسٹ اور رابرٹ امر لگنے کو وائس پروپیگنڈسٹ بنا دیا۔ اس طرح سلامتی پر ٹیپ لگنے کے تمام سابقہ اختیارات بحال ہو گئے اور وہ پہلے کی طرح خود مختار سلامتی بنا دیئے گئے۔ اور حکیم نورالدین کے لیے حکم ہوا کہ "باہر گئے کے اندر حدود ریاست سے نکل جائیں"۔ اس کے ایک ضعیف العمر طبیب

صاحب نے بھی حکیم نورالدین کے ناشتہ خوری میں ریاست کے شاہی مہمانوں کے زمرہ میں داخل ہونے اور بعد ان تمام واقعات کے رونما ہونے کی تائید راقم الحروف سے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ تمام واقعات دیکھے تھے۔ ریاست پٹیالہ میں وکیل میں حکیم نورالدین کے حکم کے بغیر دولت کا پتا تک نہیں مل سکتا تھا۔ پھر یہ وقت بھی دیکھا جب کہ پولیس حکیم صاحب سے گھبرا کر رپٹ لکھا رہی تھی کہ جلد یہاں سے بوریا بستر اٹھائیے اور حدود ریاست سے نکل جائیے"۔ تلک الایام نداولھا بین الناس۔

حکیم صاحب کو مرزا جی کی طفل تسلیاں

یہ تھی حکیم نورالدین کی تشریف کہ اپنی خداداد کوشش اور احسان الٰہی کی بدولت نہ صرف خود جاہ و اقبال ہوئے بلکہ اپنے آقا کو بھی نعمت راحت امر عطا کر کے بھی نہال بنا دیا۔ حکیم صاحب کو الوداع کا حکم ہوا تو انہوں نے تعمیل پر صبر کا پتھر باندھ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے رفیق کار یعنی مرزا جی کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع دے کر رہائی کی درخواست کی۔ الٰہی صاحب اس سانحہ ہوش ربا پر بہت مضطرب ہوئے اور حکم الوداع کی منسوخی کے لیے برابر انتہائی سوز و گداز اور تضرع و ابتہال کے ساتھ دعائیں مانگتے رہے۔ آخر طلوع فجر سے پہلے پہلے الوداع مسدود ہو گیا اور الہام ہوا کہ حکیم صاحب کے لیے کوئی خوف کی بات نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو گیا ہے۔ اس بشارت کے بعد الٰہی صاحب کا سابقہ دل خوشی سے چھلک گیا اور طلوع آفتاب کے بعد کامل وثوق کے ساتھ حکیم صاحب کو حسب ذیل بہجت بار خط بھیجا۔

عقیدی و مکرمی! اعلم حضرت مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

کل کی ڈاک میں آپ کا خط بند بھیجا کر بوجہ عبارت اس کے پڑھنے سے ایک حیرت دل پر طاری ہوئی۔ مگر ساتھ ہی دل پھر کھل گیا۔ یہ خط نہ تو کریم کی طرف سے ایک ابتلا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی خوف کی بات نہیں۔ اللہ جل شانہ کی پیار کی قسموں میں سے یہ بھی ایک قسم پیار کی ہے کہ اپنے بندے پر کوئی ابتلا نازل کرے۔ مجھے بھی چار روز ہوئے کہ ایک حوصلہ خواب آئی تھی جس کی یہ تعبیر تھی کہ ہمارے ایک دوست پر دشمن

نے حملہ کیا ہے اور کچھ ضرر پہنچایا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کا ابھی کام تمام ہو گیا۔ میں نے رات کو جس وقت آنکھ کے لیے دعا کی اور جس حالت پر سوز میں دعا کی اس کو خداوند کریم خوب جانتا ہے۔ اور انہی اس پر منحصر نہیں کرتا اور چاہتا ہوں کہ خداوند کریم سے کوئی بات مل کو خوش کرنے والی سنوں۔ اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو چند روز تک انشاء اللہ اور انشاء اللہ تعالیٰ تم کے لیے دعا کروں گا جو کبھی کبھی ایک پکار رہنے کے لیے کی جاتی ہے۔ دعا کی حالت میں یہ الہام جناب اللہ جاری ہوئے اری علیہ (از) الطاف علیہ اور یہ خدا تعالیٰ کا کلام تھا اور اسی کی طرف سے تھا۔ کل رات خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ عید کل نہ ہوگی پر سوں ہوگی۔ معلوم نہیں کل اور پرسوں کی کیا تعبیر ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کیا یہ التوائے حکم کسی التوائے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ کیا یہ تعویق دعا کی ہے جس سے ایسے مبارک قدم تک پہنچ اور بچے غیر خواہ ٹالے جائیں اور معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ حالت سے مجھے بہت جلد مفصل اطلاع لکھیں اور یہ عاجز انشاء اللہ القدیر تمہارے حق میں دعا سے اطلاع دے گا۔ منشاء و مدد تعالیٰ فاکسار غلام احمد عفی عنہ از لاہور مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۸۸ء۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' صفحہ ۱۷۔ ۱۷۳)

حکم منسوخ سے تعلق ناامیدی

حکیم صاحب کو یہاں تک کے امور حد سے زیادہ سے خارج ہوتا تھا۔ اس لیے یہاں سے کر کاہلوانی صاحب کی دوائی چلی کا انتظار نہیں نہ تھا بلکہ بذات خود جموں سے اپنے وطن بھیرہ ضلع شاہ پور کا رخ کیا اور الہامی صاحب کی چلی کے لیے قیام پذیر ہو بیٹھے۔ آخر جب انتظار میں کاہلوانی صاحب کا دوا نہ آنا تھا۔ آخر پتا چلے پر کہ وہ دل روشن ہوا۔ کاہلوانی صاحب کی تحریری پیچھے گزرے کا حکم رکھتی تھیں۔ انشاء ایسے دعا اور کامل سل ہوتے تھے کہ جن میں احتیاط کی باک ہاتھ میں رکھنے کا احسال چلی نظر رہتا تھا۔ چونکہ چلی کے بعض الفاظ سے کچھ امید افزا تھے۔ حکیم صاحب نے کاہلوانی صاحب کی استجابت دعا سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر لیں۔ اور یقین ہوا کہ آج ہی کل میں حکم الفسخ پہنچا ہے کیونکہ الہامی صاحب رات بھر حالت سوز میں دعائیں کرتے رہے ہیں اور آنکھ بھی معمول رہا ہے کا

وعدہ فرمایا ہے۔ پیارے حکیم صاحب پورے وثوق کے ساتھ سارا دن گم شدگی کے لیے مرزا انتظار بنے رہتے۔ کسی طرف خدا بھی کوئی آہٹ ہوتی تو چونک کر ہو جاتے اور کہتے گئے کہ چلی رسان الراج کی شدگی کا گم ہوا ہے کی دن اسی کشمکش میں گزر گئے۔ لیکن خدا جانے جوں والوں کو سانپ سونگھ گیا یا کوئی اور لالہ جی کو انہوں نے کروٹ تک نہ بدلی۔ آخر حکیم صاحب کسی قدر بد دل اور مایوس ہو کر تانگوں پہلے اور مرزا صاحب سے کہا کہ "اتنے دن گزر چکے ہوں ابھی کا کوئی حکم نہیں پہنچا"۔ یہ تو معلوم نہیں کہ الہٰی صاحب نے کیا جواب دیا لیکن یقین ہے کہ اپنی مخلصانہ خوش طرازی اور تخیل بافی سے کام لے کر حکیم صاحب کی لب بندی ضرور کر دی ہوگی۔ تانگوں میں اس جنس کی نہ پہلے کمی تھی اور نہ اب ہے۔ بلکہ اس فن میں پہلے کرو سے بھی کورے سبقت لے گئے ہیں۔ چنانچہ مرزا کی جیبوں کی مشکل حل ہو گئیں اور وہ بادشاہوں اس دعوتی کی روٹین چل رہی ہے۔ بہرحال تانگوں پہنچنے کے بعد حکیم صاحب کا قلق اور بے چینی دور ہو گیا اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ گم الراج کو واقعہ نگاری کہ کر اپنے دل کو تسکین دے لیتے۔

حکیم نور الدین کا تانگوں میں مستقل قیام

کچھ دنوں کے بعد حکیم صاحب نے مستقل طور پر تانگوں میں سکونت اختیار کر لی۔ گو حکیم صاحب اکثر بے خبر مزائیوں کی فکر میں تھے اور الہٰی صاحب خدام و مطاع تھے۔ لیکن مسئلہ فی الحقیقت اس کے برعکس تھا۔ حکیم صاحب تانگوں میں اس لیے نہیں رہتے تھے کہ ان پر سے بے خبر ہے۔ وہ الہٰی صاحب کو کبھی ناظر نہیں نہ جانتے اور "مرزا صاحب" کے مقدس القاب کی بجائے ہمیشہ "مرزا" کہا کرتے۔ اور حالانکہ یہ بھی کہ اگر کوئی بات خلاف مزاج بھی آتی تو اس کو بھی جانتے دیتے کیونکہ حقیقت میں مرزا صاحب کی عمارت کے وہی انچارج تھے۔ ایک واقعہ جو ایک بزرگ نے مجھ سے بیان کیا درج کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ تانگوں میں حکیم صاحب کی حقیقی حیثیت کیا تھی؟ بہرحال اللہ تعالیٰ ایک ایک نفس حقیقی مسلمان تھا۔ یہ تانگا کسی قرابت کے تعلق سے اکثر تانگوں جایا کرتا اور مرزائی صاحبان کی کافی کیا کرتا۔ ایک مرتبہ اس نے مرزا صاحب خود ان کی مرزائیت پر کوئی ایسا دندان شکن اعتراض کیا کہ کسی مرزائی سے اس کا جواب نہ بن آیا۔ بالآخر کریم بخش

نمبر ۱ میں مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اور حضرت مسیح صاحب کے مخلص اللہ "مسیح" میں داخل تھے اور نواب ناصر جنگ صاحب کے خسر تھے اور عبدالرحیم نام ایک اور مولوی نے اس بھارے پر بل جل دیا اور اسے کوب کر کے لہولہان کر دیا۔ مسیح موعود صاحب کے پاس اس کی شکایت پہنچی۔ لیکن اس وقت میں اپنے لشکر کی بدولت ہی کوئی ایسا امکان بھی نہ تھا۔ حکیم نورالدین اس وقت کسی شناخت کے لیے سیالکوٹ گئے ہوئے تھے۔ جب لوٹ کر آئے تو انہوں نے ہر طرف سے باتیں سن کر ان سے فریاد کی۔ حکیم صاحب نے ازراہ انصاف پسندی اس مظلوم کی دلجوئی کی۔ مولوی صاحب پر اور ان کے بیگمات پر بہت گرجے اور برسے اور نہایت درشت لہجہ میں کہا کہ مولوی نے کیا انصاف کیا؟ ایسے بدمعاش کو تو یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔

اخراج کے متعلق حکیم نورالدین کا اپنا بیان

حکیم صاحب نے اپنے سوانح عمری "حیات نورالدین" میں حکم اخراج میں اپنا کوئی قصور ظاہر نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "ایک شخص راجہ سوہنا کول نام وہاں کونسل کے ممبر تھے۔ ان کے گھر سے میں مدت سے دودھ لیتا تھا کہ انہوں نے بلایا۔ میری گائیں میں ان کے گھر میں بھوی جمعہ صلی تھیں انہوں نے بھوی کے دودھ سے انکار کیا اور بہت رونق ظاہر کیا۔ کچھ مدت کے بعد بھوی نام ایک اگرچہ ہو اور میونسپل کمیٹی کا پریذیڈنٹ تھا۔ وہاں گیا اور گھوڑے کو چرا تو گھوڑے کی ٹانگ کے پاس بھوی نظر نہ آئی اس کو لگا۔ راجہ سوہنا کول نے پھر مجھے بلایا مگر میں نے جانا پسند نہ کیا۔ اس پر وہ ناراض ہوگئے اور میرا وہاں رہنا اور مجھ کو رکھنا پسند نہ کیا۔ وہاں کے دوسرے ممبر نے جن کا نام لالہ رام تھا مجھ سے کہا کہ اگر آپ استعفا دے دیں تو اس میں جسے صلاح ہیں۔ میں نے کہا کہ بنے ہوئے روزگار کو بگاڑنا پسندیدہ نہیں ہے۔ آخر ایک روز میری غیرحاضری کا پروانہ آگیا اور جب پھر مجھے کسی تقریب پر جانا پڑا تو سوہنا صاحب (راجہ صاحب پرتاپ سنگھ) نے مجھ سے فرمایا کہ آپ پر یہ حکم ہوا ہے۔ آپ معاف کر دیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو خدائے تعالیٰ کا حکم ہے۔ خدا کا حکم خدا ہی معاف کر سکتا ہے۔ ان کے والد راجہ (راجہ رنبیر سنگھ) عام لوگوں سے خواہ کسی مذہب کے ہوں ڈرتے تھے۔ ان دنوں میں مہاراج (مہاراجہ پرتاپ

سنگھ) کو اپنے بھولے بھائی صاحب (راجہ امر سنگھ) سے کدورت تھی اور میرا ان کے ساتھ یہ تعلق تھا اس لیے اور بھی میر صاحب کو موقع مل گیا۔ (حیات نورالدین' صفحہ ۳۸۸، ۳۸۹) لیکن یہ سارا بیان قبیح اور قبیح سازی سے ہمکنار ہے اور سچ واقعہ وہی ہے جو میں نے پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ زیادہ مستند ذرائع سے حاصل کر کے قلمبند کیا ہے۔ مفتی محمد صادق مرزائی کو بھی ہر دن دنوں بعد میں پتا چلا تھا اس لیے تجربے اس بات کا اعتراف ہے کہ حکیم صاحب یہاں سے فوراً طبیعت کیے گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ملازمت سے اچانک علیحدگی کے بعد دو تین کے چہرے پر کوئی ملال تھا نہ اس کا کوئی احساس تھا۔ (حیات نورالدین' صفحہ ۳۸۸)

اس باب کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام کے لیے اس حقیقت کا سمجھنا نہایت آسان ہو جائے گا کہ مسیح موعود کی زبان میں انگریز کی چاپلوسی اور غلامی امت کی توہین کا بار دوبا اس شد و مد سے غلامیں بار رہا ہے اس کا حقیقی سرچشمہ کیا تھا؟ یعنی اس خاندان پر قبل میں قادیانی خلم کی اس حد تک غلامی کا راز مضمر تھا کہ کسی طرح انگریز کی حکومت مرزا اور مرزائیوں سے مطمئن رہے اور یہ اس کے دست نگر سے پوری طرح مامون ہو جائیں۔ بلکہ راقم الحروف نے آج سے پورے بیس سال پیشتر ایک ضعیف العمر ۷۵ سالہ سے سنا تھا کہ جموں سے حکیم صاحب کے اخراج کے بعد حکومت جناب قادیانی صاحب پر سازش اور بغاوت کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی لیکن انہوں نے ایک مسلمان انسپکٹر پولیس کے توسط سے اس قسم کا کچھ سمجھوتہ کر کے اور حکومت سے عملی وفاداری اور مکمل مطابعت کا عہد کر کے جان چھڑائی تھی۔ معلوم نہیں اس بیان میں کہاں تک صداقت ہے؟

باب ۳۵

لعنتوں کی قادیانی مشین گن

مسلمان پر لعنت کرنا کیسا گناہ ہے اور اگر لعنت بھیجنے والے کو ان کے خاندانی سلسلہ پر محمول کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان پر لعنت بھیجنے والا خود ملعون و مطرود یعنی رحمت

خداوندی سے دور ہو جاتا ہے۔ ذیل میں چند احادیث نبویہ درج کی جاتی ہیں جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت سید کونین و ثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس شدت سے اس شناعت کی ممانعت فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن طعنہ دینے والا اور لعنت کرنے والا' فحش گو' زبان دراز نہیں ہوتا (ترمذی) اور فرمایا کہ مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا (ترمذی) اور فرمایا کہ ایک دوسرے پر لعنت نہ کرو اور نہ یہ کہو کہ تجھ پر خدا کا غضب ہو یا دوزخ میں جائے۔ (ابوداؤد و ترمذی) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہوا نے ایک شخص کی چادر اڑا دی۔ اس نے ہوا پر لعنت کی۔ یہ سن کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو کیونکہ یہ تو خطاب اللہ کا مامور ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس کی مستحق نہیں ہے تو لعنت اسی کی طرف راجع ہوتی ہے۔ (ابوداؤد و ترمذی)

قادیان کے آشفتہ مزاج مسیح کی ہزار لعنتیں

آپ نے دیکھا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لعنت کرنے کی کس شدت سے ممانعت فرمائی ہے۔ لیکن قادیان اور لعنتیں قادیان کے مسیح صاحب کی گھٹی میں پڑی تھیں۔ وہ اپنے نہ ماننے والوں کے خلاف لعنت و پھٹکار کی طعن گن چھانے میں جس درجہ مشغول تھے اس کی نظیر ان کے کسی دوسرے دعوی اور مہم مشرب میں بمشکل مل سکے گی۔ انہوں نے لعنت کے کاروبار میں ایسی جدت پیدا کی کہ جب سے عالم انسانیت نے معمورۂ عالم کا گیہو کیا۔ شاید کسی بشر کو کبھی ایسی جدت نہ سوجھی ہوگی۔ قادیانی صاحب کی تحریرات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی متعدد تحریرات میں کتاب کا نصف نصف یا چوتھائی حصہ دس دس بیس بیس سطری لعنتوں کی نذر کر دیا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر آپ کو تعجب ہوگا کہ قادیان کے آشفتہ مزاج و مشرب المشرب مسیح نے جس کا یہ دعویٰ تھا کہ

> میں خدائے ذوالجلال کی طرف سے حضرت مسیح
> ابن مریم علیہ السلام کے طرز پر کمال سکینت و فروتنی
> تواضع و تلطیف کے ساتھ اصلاح خلق کے لیے مامور ہوا

ہوں"۔

اپنی کتاب "سکلت پاکل" کے حصہ اول میں جس کا نام انہوں نے بر گلس لعنۃ اللہ علیہ زگی کافور کے صدق "مزالق" رکھا تھا اپنی دشنام دہی کی مشین سے لعنۃ کے چھ ہزار گولے برسائے ہیں۔ چنانچہ کتاب ذکور کے صفحہ ۱۸۸ سے صفحہ ۱۹۲ تک پانچ صفحے صرف لعنۃ کے ایک لفظ سے سیاہ کر دیئے ہیں۔ ہر سطر میں آٹھ آٹھ لعنتیں درج ہیں۔ ملاحظہ ہو

(۱) لعنۃ (۲) لعنۃ (۳) لعنۃ (۴) لعنۃ (۵) لعنۃ (۶) لعنۃ (۷) لعنۃ (۸) لعنۃ (۹) لعنۃ (۱۰) لعنۃ (۱۱) لعنۃ (۱۲) لعنۃ (۱۳) لعنۃ (۱۴) لعنۃ (۱۵) لعنۃ (۱۶) لعنۃ (۱۷) لعنۃ (۱۸) لعنۃ (۱۹) لعنۃ (۲۰) لعنۃ (۲۱) لعنۃ (۲۲) لعنۃ (۲۳) لعنۃ (۲۴) لعنۃ (۲۵) لعنۃ۔ غرض اسی طرح لعنۃ کے ہر ہر لفظ پر نمبروار کر پانچ صفحے پوری کی ہیں۔

مولانا بٹالوی مرحوم پر لعنتوں کی بمباری

لیکن قادیانی صاحب نے اپنی قدیم عادت کا لحاظ کرتے ہوئے مولوی محمد حسین مرحوم سے بڑی رعایت کی کہ ان کے لیے اپنے نام تحفیل کے مطابق لعنۃ کے صرف دس ہی ملزی گولوں پر اکتفا کیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ کتاب ذکور صفحہ ۱۹۲ کے ایک خط میں مولوی صاحب مرحوم کو لکھتے ہیں۔

"جو شخص دل سے اس دعوت حق کی تائید کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں دیتا اور میں اس کو روک نہیں سکتا کیونکہ یہ جو شخص میرے قبضہ سے نہیں بلکہ اللہ جل شانہ کے قبضہ میں ہے اور وہ جانتا ہے کہ جب کہ آپ نے مجھے کافر، فریبی اور جھوٹ بولنا بھی سرشت کا خیال قرار دیا تو اب آپ کو لازم ہے کہ حسب طریق مذکورہ بالا میرے مقابلہ پر فی الفور آ پہنچ تا کہ دیکھا جائے کہ کون کاذب اور دجال اور کافر نعمت ہوتا ہے۔ اور اگر اس تحقیق کے بعد ہم دونوں میں سے کوئی شخص مخلف رہا اور خلال کی طرح دم دبا کر بھاگ گیا تو وہ مندرجہ ذیل انعام کا مستحق ہوگا

(۱) لعنۃ

(۲) لعنۃ

(۳) الف

(۴) الف

(۵) الف

(۶) الف

(۷) الف

(۸) الف

(۹) الف

(۱۰) الف

اب آپ کسی حیلہ و بہانہ سے گریز نہیں کر سکتے اب تو دل فیصلہ آپ کی عدالت میں نذر گزرانی ہے۔ اور میں علی وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں کہ آپ صرف اعتراف فرمائیں گے اور علم اور دولت اور عقل سے حصہ بے ہیں اور ایک نئی اور بلند قوت ہیں۔ اگر آپ بھی کر بھلا کچھ میں سچ ہیں تو ہمیں اس بات کو سننے کی مقابلہ کے لیے کمربستہ ہو جائیں گے۔ ورنہ ان تمام فضیلتوں کو ختم کر جائیں گے۔ اگر آپ اللہ اور رسول کے فضل کے سوال آپ کل کے لیے مستعد ہوں تو میں خود بلند اور ہر قسم کے ہتھیار سے آراستہ ہو کر آپ کے مقابلہ پر آ سکتا ہوں۔ آپ کا بندہ خاکسار۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۲ صفحہ ۳۲، ۳۳، ۳۴)

باب ۳۱

مولانا بٹالوی کی رسوائی کا چہل روزہ الہام

کہ مکہ صاحب کو ہر میدان مناظرہ میں غیبت اور ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑتا تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وہ علمی کی سوقی و تنقی بلکہ بیجی پر موقوف تھی۔ وہ عواقب و نتائج سے بے پروا ہو کر علماء وقت سے بھڑنے کا کام جاری رکھتے اور حق سے پیچھے ہٹنے والے نہ تھے۔ ۱۸ شعبان ۱۳۱۴ھ کو تھانوں کے اندر صاحب کو مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی کی ذلت و رسوائی کے متعلق چہل روزہ کا میعادی الہام ہوا۔ جس کی دعاؤں کے ضمن میں بڑی الفاظ تشریح کی۔ "چہل روزہ کا عرصہ ہوا ہے جس کی تاریخ لکھے دیتا ہوں کہ ایک مضمون

میں نے مولوی محمد حسین بٹالوی کا دیکھا جس میں میری نسبت لکھا ہوا تھا کہ یہ شخص کذاب اور دجال اور بے ایمان اور بائیس سو خبیث باطنی اور جہال اور علوم دینیہ سے بے خبر ہے"۔ تب میں جناب الٰہی میں رویا کہ میری مدد کر۔ تو اس دعا کے بعد الہام ہوا کہ انصرنی فصاعب الکلم یعنی دعا کرو کہ میں قبول کروں گا۔ مگر میں واضح رہے کہ کسی کے عذاب کے لیے دعا کروں۔ آج تاریخ ۲۲ شعبان ۱۳۰۷ھ ہے۔ اس مضمون کے لکھنے کے وقت خدا تعالیٰ نے دعا کے لیے دل کھول دیا۔ سو میں نے اسی طرح سے وقت مل سے اس مقابلہ میں فتح پانے کے لیے دعا کی اور میرا دل کھل گیا اور میں جانتا ہوں کہ یہ الہام اور محمد کو حیاں بٹالوی کی نسبت ہوا تھا کہ انی مھین من اراد اھانتک (میں اس شخص کو رسوا کروں گا جو تیری اہانت کا قصد کرے) یہ اسی توضیح کے لیے ہوا تھا۔ میں نے اس مقابلہ کے لیے چالیس دن کا عرصہ تجویز کر دیا ہے اور یہی عرصہ میرے دل پر باری ہوا"۔

ثناءاللہ صاحب اور ان کے پیروؤں کی بیچینی

مرزائیوں نے مرزا صاحب کے اس الہام اور دعا کا خوب چرچا کیا جس کی وجہ سے اس کا ہر جگہ چرچا ہونے لگا اور دن رات کہنے بجانے لگے۔ لوگ یہ معلوم کرنے کے لئے مشتاق تھے کہ یہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اور مولوی محمد حسین پر کیا زوال ہوتا ہے؟ یہاں تک میعاد قریب الاختتام ہوتی جاتی تھی لوگ مرزا انکار بچ جاتے تھے۔ مگر اس وقت تک مولوی صاحب کا بال تک بیکا نہ ہوا تھا۔ تاہم مرزائی اس بات پر زور دے رہے تھے کہ مالک الملک چاہے تو ایک دن میں ساری دنیا انقلاب و انتشار سے دوچار ہو سکتی ہے۔ انہیں یقین تھا کہ مرزا صاحب کا وار خالی نہ جائے گا۔ ضرور مولوی محمد حسین کسی بلائے سماوی یا ارضی کا نشانہ بنیں گے۔ آخر خدا خدا کر کے چالیسواں دن گزرا اور مرزائی دنیا یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوئی کہ ثناءاللہ صاحب کی دعا مولوی محمد حسین کے حق میں کس شرح بری خلاف بن کر گری؟ لیکن انہیں یہ معلوم کر کے سخت مایوسی ہوئی کہ مولوی صاحب بدستور صحیح و سلامت ہیں۔ غرض نہ تو مرزا صاحب کی دعا نے کوئی اثر دکھایا اور نہ ان کا الہام ہی سچا ثابت ہوا۔ اس دعا کی مدت گزر جانے کے بعد مولانا محمد حسین نے

اپنے رسالہ الشاکر الشہر میں لکھتے ہیں "ناظرین! آج ۲ شوال ۱۳۰۰ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۸۳ء ہے۔ قادیانی کی عمر بیالیس سال تین دن ادا ہو چکے ہیں۔ مگر میں خدائے برتر کے فضل و انعام کا مورد ہوں۔ میری صحت اچھی ہے' قوی صحیح و سالم ہیں۔ اولاد میں قادیانی سے فائق ہوں۔ جائز اور حلال آمدنی قادیانی سے زیادہ رکھتا ہوں۔ میری خاندانی عزت کو ترقی ہے۔ باثبات صداقت کے لیے توفیق رفیق ہے۔ اگر خدا ان کو قتل کرے تو میری نجات کے لیے کافی ہیں۔ دین پر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب قادیانی کے لیے ایسی توفیق دی گئی ہوں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ الغرض ان بائیس دنوں میں ہر طرح کی فرحت' آسائش' صحت' عافیت اور توفیق شامل حال رہی ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ غالباً اب قادیانی اپنے گھر والوں سے کہے گا کہ اس عذاب سے وہ عذاب مراد تھا جس کا ظہور قیامت کو ہوگا۔ یا یوں کہے گا کہ محمد حسین نے میرے خلاف سوال کا عذاب بھیجا کہ اب تک میرے پاس نہیں پہنچا۔ یا کسی سے سن کر کہہ دے گا کہ محمد حسین کی اولاد میں خلل کو دخل پذیر ہو گیا تھا۔ یا یوں کہنے لگے گا کہ محمد حسین کو رمضان کے دنوں میں بھوک پیاس نے بہت ستایا۔ (الشاکر الشہر جلد ۱۵' صفحہ ۱۵۰)

باب ۴۷

اپنے مکفرین کو مباہلہ کا نمائشی چیلنج

مؤرخین کرام لکھتے ہیں کہ بعد سفر حج کے علماء حق نے مسیح قادیان کے کفر اور ارتداد کا فتویٰ دے کر ثابت کر دیا تھا کہ قادیانی صاحب کو ملت اسلام سے کوئی علاقہ اور واسطہ نہیں ہے۔ فتاوائے تکفیر کے بعد جب مسیح موعود صاحب نے محسوس کیا کہ اس فتویٰ کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں کا بلکہ مرزائی دام الفقد بھی بہت بڑی تعداد میں دائرہ مفارقت دے رہے ہیں اور قادیان میں روز افزوں کمی ہے تو بہت کچھ غور و خوض کے بعد علماء امت کو نمائشی طور پر تضیع مباہلہ کی دعوت دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اپنی کتاب آئینہ کمالات کے صفحہ ۲۱۱ پر لکھا کہ ان تمام مولویوں اور مفتیوں کی خدمت

میں ہر اس شخص کو جو کسی اختلاف کی وجہ سے کافر ٹھہراتے ہیں۔ عرض کیا جاتا ہے کہ آپ میں خدا سے ماموز ہو گیا ہوں تاکہ میں آپ لوگوں سے مباہلہ کرنے کی درخواست کروں۔ اس طرح پر کہ اول آپ کو کھلی مباہلہ میں اپنے عقائد کے بارہ میں قرآن اور حدیث کے سنائوں۔ اگر پھر بھی آپ لوگ تکفیر سے باز نہ آئیں تو اسی مجلس میں مباہلہ کریں۔ سو میرے پہلے مخالف میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہیں۔ اور اگر وہ انکار کریں تو پھر شیخ محمد حسین بٹالوی اور اگر یہ انکار کریں تو پھر جس کے وہ تمام موافق ہم کو کافر ٹھہراتے ہیں اور میں ان تمام مباہلوں کو آج کی تاریخ سے دو ماہ دس یوم ۱۰ ماہ تک ختم کرتا ہوں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے جو کذب اور کفر سے بھری ہوئی ہے۔ سو یہ لوگ مجھ سے مباہلہ کریں۔ (نشان آسمانی صفحہ ۲ جلد ۲)

دعوت مباہلہ کا پرجوش خیر مقدم

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس للکار نامہ کے جواب میں لکھا۔ مرزا صاحب کا خط بالکل صحیح ہے۔ آپ جس وقت چاہیں اور جہاں چاہیں آپ کا ممکن ہونے کی وجہ سے ہمارا اعتراض نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جس مقام پر چاہیں مجلس مباہلہ منعقد کریں۔ آپ اس مجلس میں خلق سے اپنے عقائد کے بارہ میں دلائل کریں۔ ہم بھی اسی مجلس میں آپ کی کتابوں کی نسبت دعویٰ کریں گے کہ یہ کذب اور کفر سے بھری ہوئی ہیں۔ پھر جھوٹے پر ایک معین ہزار والا لعنت کریں گے یہ اللہ جس پر آپ قسم کھائیں گے اور جھوٹے پر لعنت کریں گے یہ ہوں گے"۔ میں تمام امر الٰہی خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ عقائد میں نے آج کل ظاہر کئے ہیں کہ قرآن اور حدیث کی نصی شہادت سے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام انتقال فرما گئے ہیں اور مسیح موعود کی بابت سے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہی ہی ذات ہے۔ جبرائیل امین بذات خود انبیاء علیہم السلام کے پاس کبھی نہیں آتے بلکہ یہ آسمان سے اور سیح سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ملک الموت وغیرہ ملائکہ کبھی بذات خود آسمان سے جدا نہیں ہوتے اور ملک الموت کا عالم نہیں ہوا وغیرہ۔ عقائد جو رسالہ اشاعۃ السنہ میں آپ کی تصانیف سے نقل کر شائع ہوئے

ہیں خدا اور رسولؐ کے نزدیک صحیح اسلامی عقائد ہیں۔ قرآن و سنت میں ان عقائد کے متعلق جو الفاظ وارد ہیں ان کے یہی معنی خدا اور رسولؐ کی مراد ہیں نہ میں امام احمد قادری نے مراد لئے ہیں اور ان الفاظ و نصوص کے یہی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ تابعینؒ اور ائمہؒ دین نے جو قرنہا قرن تک گذرے ہیں سمجھے تھے۔ اگر میں قادری اس بیان میں جھوٹا ہوں تو مجھ امام احمد قادری پر یہ لعنت نازل ہو حج تک کسی ملعون پر نازل نہیں ہوئی۔ (محمد حسین نائطی) جب "صبح صادق" صاحب کو خلاف توقع اپنی گیارہ بھکی کا کلہ حسین نواب شاہ تو سوائے کے سارے الساتے نکل گئے اور اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ اپنے قبیح کو قبیح" سمجھا کریں۔ (الاعتصام' جلد ۱۵' شمارہ ۳۳' صفحہ ۱۰)

باب ۳۸

مولوی جلال الدین پیر کوٹی کو شغلیابی کے سبز باغ

مولوی محمد حسین عرشم بٹالوی نے ۱۹۵۵ء میں رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھا کہ مولوی جلال الدین نام ایک صاحب نے موضع پیر کوٹ' تحصیل و ضلع بہاولپور' ضلع گورداسپور کے رہنے والے ہیں' مرزی نعلی الہام (صبح بدر) میں ملا ہیں۔ انہیں کسی مراسلی نے لکھا کہ مرزا صاحب کی دعا سے تمہارا صبح اچھا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے یہ خیال کر کے اس بیان پر یقین کر لیا کہ مرزا صاحب کوئی بادشاہ تھوڑی ہیں گے اور نعل نعلہ کی دعا کیں حاصل ہیں۔ انہوں نے ڈاکخانہ ملتان چھوڑ دیا اور بارہا سعودیہ سفر ملتا کر کابوں جاتے رہے مگر یہاں تھم سوائے کے سوا رکھا ہی کیا تھا؟ تھوڑی صاحب نے انہیں یہ کہہ کر دیر تک معلق کر رکھا کہ میں نے تین شخصوں کے حق میں جن میں ایک تم ہو دعا کی ہے۔ دو کے حق میں تو قبول دعا کی اطلاع مل چکی ہے لیکن ایک کے حق میں باشعور ہوئی ہے اور تاہنوز وحی نہ ہوئی جن کے لئے دعا مستجاب ہوئی ہے۔ اس دعا پر نہ وہ بیچارہ مایوس ہو کر ڈاکخانہ کی طرف رجوع کرتے اور نہ حصول مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور یہ صرف پیر کوٹی مولوی صاحب پر موقوف نہیں۔ تھوڑی نے جن لوگوں سے روپیہ لے کر تحفہ اور امداد کے

لے جانا کا وعدہ کر رکھا ہے وہ ابھی تک مسلمانوں کے دل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ (الفضل قادیان' جلد ۱۵ نمبر ۳ صفحہ ۲)

مولوی محمد حسین مرحوم نے رسالہ اشاعۃ السنہ میں یہ بھی لکھا کہ [illegible] مدت سے اس قسم کے وسوسے کر رہا ہے کہ میں خدا سے ہمکلام ہوتا ہوں۔ میں مستجاب الدعوات ہوں۔ خدا نے مجھے الہام کیا ہے کہ جو شخص [illegible] لیکن وہ آسمانی حربے ساتھ لگی ہیں' تو مجھ سے ہے میں تیرے [illegible] کو تیرے مخالفوں پر قیامت تک غالب رکھوں گا مخالفوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تو غالب ہے دیکھو [illegible] براہین احمدیہ [illegible] وغیرہ میں گو کہا ہے کہ یہ [illegible] سے [illegible] ہے مرزا کے دام الفتوں کا اظہار کرنا چاہیے کہ اگر وہ اس دعویٰ میں سچا ہوتا تو دس سال کی طویل مدت میں اس کا کچھ اثر تو ظاہر ہوتا اور کوئی نہ کوئی مخالف تو اس کا شکار [illegible] کی اس مستجاب الدعواتی کا اب تک کوئی ساتھ ظاہر ہوا ہے؟ اس کی الہامی دعا قبول ہوئی؟ کس مخالف نے اس کے سامنے گھٹنے ٹیکے؟ کس مخالف پر اس کا رعب پڑا کس پر اس نے [illegible] اس کے [illegible] کا مستقل [illegible] آسمان سے دوسرے لوگوں سے زیادہ اس کی کیا خدمت الہامی ہوئی؟ خدا نے اس کو کب غالب فرمایا جس کا اس وقت پر اس نے اپنے بیٹے کے لئے وعدہ کر رکھا ہے؟ [illegible] ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے تمام آسمانوں کے فرشتوں میں منادی کر دی جاتی ہے کہ فلاں بندہ میرا دوست ہے تم بھی اس سے محبت رکھو۔ پھر یہ حکم زمین پر پہنچتا ہے کہ تو اہل زمین میں اس کی محبت و تعظیم کی جاتی ہے اور اگر خدا نے قہار کسی بندے پر غضبناک ہوتا ہے تو اسی طرح آسمانوں میں اور پھر زمین میں اس کی منادی کی جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساکنان سماوات اور اہل ارض میں اس کے خلاف جذبہ نفرت پھیل جاتا ہے۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۵ نمبر ۲ صفحہ ۲۷)

باب ۳۹

مسیح قادیاں کے ترک مباہلہ پر محمد علی خاں کی پریشانی

سردار محمد علی خاں رئیس کوٹلی مرزا صاحب کو سچا علم سمجھ کر ان کے مقدس کی بھول بھلیوں میں کچھ اس بری طرح پھنسے تھے کہ اس سے نکلنا محال ہو گیا تھا۔ جب وہ دیکھتے تھے کہ الہامی صاحب کو کوئی الہام سچا نہیں ہوتا تھا وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں رائی خلاف واقعہ ظاہر ہوتی ہے۔ تو بے چارے حلقہ کیے خاطر ہوتے اور عالم اضطراب میں مرزا جی کو برا بھلا کہہ بیٹھتے کہ مجھے آپ کے صدق میں شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ مگر مرزا صاحب فن خن سازی کے امام تھے۔ وہ ان کے شبہات کے جواب میں ایسے ایسے سبز باغ دکھاتے کہ بے چارے محمد علی خاں کو خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اگر محمد علی خان کو ایمان و ہدایت سے حصہ ملا ہوتا تو وہ ملاپی مرزائیت سے قطع تعلق کر لیتے لیکن بے چارے ابتدا تک ارجاب کی کشتی میں ہچکولے کھاتے رہے۔ آخر ناقد دراز کے بعد حضرت مسیح موعود صاحب نے اپنی دو سالہ معاہدانہ مباہلہ کر کے ان کے مباہلہ قلع میں دے دی۔ امید ہے کہ اس واقعہ صاعقہ کے بعد ان کی طبیعت میں سکون و اطمینان پیدا ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ اس مباہلہ کے بعد مرزا صاحب نہ صرف ان کے ذہنی افق سے بلکہ دنیا سے بھی اٹھ گئے۔ جب محمد علی خان نے دیکھ لیا کہ مرزا صاحب کی کوئی اخروی اطلاع پوری نہیں ہوتی تو وہ اس کوشش میں منسلک ہوئے کہ کسی طرح مباہلہ کرا کر ان مرزائیت کا جرم دھو لیں۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ قادیانی صاحب مباہلہ پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے۔ آخر ڈیڑھ دو سال کے بعد انہوں نے از سر نو مباہلہ کی تحریک جناب خیال کی اور اس سلسلہ میں انہوں نے ۲۰ مئی ۱۹۰۷ء میں مرزا صاحب کو یہ خط لکھا۔

طبیب روحانی مکرم معظم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم۔ رجسٹری سے مرزا خدا بخش ارسال کیا گیا ہے۔ جب سے کہ وحی نبی، المسیح کی اشاعت ہوئی ہے ہر ایک کوئی ایک عجیب خلجان میں ہو رہا ہے۔ کہ بعض خواص کو کوئی شک نہ پیدا ہوا ہو۔ بندہ جب ان سے مشغول رہتا ہے۔ کبھی آپ کا دعویٰ ٹھیک معلوم ہوتا ہے اور کبھی تذبذب کی حالت ہو جاتی ہے۔ اب تک کچھ بہت ہو چکا۔ اپنی تو اس سے اطمینان نہیں ہوتی کہ خلاف اور

مواقف والوں نے دل کی جو کیفیت کہی ہے بلکہ بعض اوقات اسلام کے سچے ہونے میں شبہ ہو جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک طرف خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ جس نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم اس کو اپنا راستہ دکھاتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ حیرانی ہے کہ وہ دور نہیں ہوتی۔ اب جو وجوہ ذیل اختلافات کے معلوم ہوتے ہیں کہ جس سے اب صداقت ظاہر ہے۔ اول اب کوئی وجہ اس قسم کا نہیں رہا کہ اب مباہلہ کے لیے لوگوں کو دعوت دینا چاہئے۔ حالانکہ بہت ہو گئی ہے اور حجت قائم ہو چکی۔ اب آپ کو لوگوں سے مباہلہ کرنا چاہیے اور توجہ کرکے خداوند تعالیٰ سے اس بات کی استدعا کرنی چاہیے کہ مباہلہ کیا جائے اور اس مباہلہ کا اثر قریب زمانہ میں دو چار مہینہ سے لاکر دے کہ لوگ دیکھ کر سے گھبرا جائے ہیں۔

اور اگر یہ کہا جاوے کہ مباہلہ سے وہ لوگ ڈرتے ہیں جو ڈرتے ہیں ہمیں مگر اس میں یہ عرض ہے کہ وہ ڈرتے ہیں وہ نہ آئیں گے لیکن وہ لوگ جو غیب ہیں وہ ضرور آئیں گے اور ایک یہ بڑا بھاری فائدہ ہے کہ مباہلہ سے ایمان قوی ہو جائے گا۔ بہرحال اب مباہلہ اولیٰ ہے۔ اول تو اس مباہلہ میں وہ جانب نے استکاف کی بابت تحریر فرمایا ہے کہ بخل اور محبت سے پاک ہو کیونکہ اس صورت میں شیطان دخل دیتا ہے اور پھر خیال کے بموجب انتظار ہوتا ہے۔ اس لیے ان دونوں باتوں سے بری ہو کر عمل کرنا چاہیے۔ اب اس امر میں بڑی مشکل پیش آئی۔ اول تو کوئی مخالف ہوگا یا موافق۔ پس بموجب اس تحریر کے موافقوں کو موافق اور مخالفوں کو مخالف اظہار ہوگا۔ پس قبولیت مباہلہ کا مدار بیک وقت ان کا خاصہ ہے کہ جس بات سے ہوا جائے اس کی طرف پہلی طور سے مائل ہوگا۔ پس اگر تب یہ بات ظاہر کرتے تو شاید ایسا خیال بھی نہ ہوتا۔ لیکن جب ظاہر کیا گیا تو ضرور بکھ نہ بکھ خیال پیدا ہوا کہ ایسا قبولیت مباہلہ رنگ دکھلائے گی۔ سوم بلکہ یہ استکاف اصل میں مخالفوں کے لیے ہے اور مخالفوں کو اپنی مخالفت کے سبب سے مخالف اظہار ہوا تو پھر حجت کس طرح قائم ہوئی۔ لہٰذا ہر طرح اظہار شیطانی کی گنجائش ہے۔ اب تیسری صورتوں کے سب سے بڑی مشکل پیش آئی۔ استکاف کس طرح کیا جائے بلکہ ہر صورت میں اظہار شیطانی کا ہونا ممکن ہے اور بخل و محبت سے پاک ہونا مشکل تو کام کس طرح چلے۔

پس اس کے لیے ایسی پرانے خدا توجہ فرمائیں کہ امتحان الفاظ شیطانی سے پاک ہو' جو کوئی امتحان کرے خواہ موافق ہو یا مخالف سب پر یکساں طور سے اصلی حقیقت کھل جائے اور اس میں شیطان کا دخل نہ رہے یہ کہ یہ تمام امر ہے اس لیے شیطان سے بچنے کے لیے خدا سے مدد مانگنی لازمی ہے اور غالب ہے کہ کلمہ رحمانی پر شیطان غالب ہو۔ اگر خداوند تعالیٰ ہماری مدد نہ کرے گا اور ہم کو الفاظ شیطانی سے نہ بچائے گا تو ہم ہدایت کس طرح پائیں گے۔ اس لیے اچھا ہے کہ آپ یہ فرمائیں کہ اس امتحان میں شیطان کا دخل نہ رہے اور اس کا اشتہار دیا جائے۔ میں بھی امتحان کے لیے تیار ہے جس وقت جناب کو ان تین امور کی پابندی منظور ہو جائے گا کہ یہ امتحان الفاظ شیطانی سے مبرا ہے اور اس کا اثر خالص اور موافق پر یکساں ہوگا اس وقت بندہ امتحان کرے گا اور زیادہ سے زیادہ ایک ماہ تک امتحار جواب باصواب رہے گا۔ جواب سے مراد جواب زبانی نہیں بلکہ ہر امر امتحان کی پابندی آپ کو بعد توجہ دعا معلوم ہوگا۔

سوم کوئی امر خارق عادت ہونا چاہیے مگر لوگوں پر مخفی قائم ہو۔ ان تین امور کی پابندی میں خداوند جب سے تعلی ہوں کہ اس کی پابندی پر خدا توجہ فرمائیں کہ کلمہ خبیث و کلمہ طیبہ کی پہچان ہو جائے اور اس سے ظلمات چھٹتے جائیں۔ اب استدلال ہو چکا اب دوسری طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

ہائے استدلالیوں پر بعد ہائے پر بیں خفتہ و بے خبر بعد
گر بخواہی کہ ہر دمے بینی راز دار دیں بدے

اور میں خداوند تعالیٰ سے جناب کو واسطہ واسطہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ ان تین امور متذکرہ بالا کے لیے توجہ کرکے دعا فرمائیں اور دعا میں یہ بھی درخواست ہو کہ جلد زیادہ قریب ہو نہ ہو۔ چونکہ طرفین میں رشتہ نازک ہے خدا ہی عالم ہے' اس خبر کو گستاخانہ تصور نہ فرمائیں بلکہ معذور' چونکہ میں آپ کی بہتری میں ہوں۔ اس لیے اطمینان قلب کے لیے تکلیف دی گئی۔ اس خط کو کم از کم تین مرتبہ غور سے پڑھیں۔ (انتہیٰ کلامہ مولفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۶)

قادیانی صاحب کا جواب

تھانوی صاحب نے اس کے جواب میں جو چٹھی لکھی اس کا ضروری خلاصہ یہ ہے۔
مخدومی و مرشدی المکرم نواب محمد علی خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ سپارہ کی نسبت آپ کے خط سے چند روز پہلے مجھے خود حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اجازت دے دی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کے ارشاد سے آپ کا ارشاد ہے۔ وہ مراقبہ کے بارہ میں جو آپ نے لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایمان کا ثواب اکثر اسی امر سے مشروط کر رکھا ہے کہ نشان دیکھنے سے پہلے ایمان ہو خود مجھے بھی خیال ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کو یہ بات سمجھ آ جائے کہ یہ حقیقت ایمان کے حصول کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ چند چیزوں کو مان لیا جائے اور جب ایک چیز کی حقیقت ہر طرح سے حل ہو جائے تو پھر اس کا مان لینا ایمان میں داخل نہیں۔ یہ بالطبع مثلاً جنت اور جہنم کیا ہے اور کیا موجود ہے اور دعویٰ اس مسئلہ کی یہ حقیقت ایک نوع ہے تو کیا اس دعویٰ کے تسلیم کرنے کے لئے کسی بڑے عالم یا کرامت کی ضرورت ہے؟ تیسرا سوال آپ کا اعتقاد کے لئے جو مقامات آپ نے تحریر فرمائے ہیں وہ حقیقت اعتقاد میں ادنیٰ مقامات نہیں۔ میں یہ عرض نہیں کر سکتا کہ ہر ایک شخص کو ہر ایک مقام تک پہنچنا ضروری ہے خود آپ آ جائے گی۔ لیکن آپ کی نسبت میں کہتا ہوں کہ اگر آپ پچاس روز تک روزانہ ایک گھنٹہ بھر کا بلا ناغہ مصروف مکان اہتمام کریں تو میں آپ کے لئے دعا کروں گا کہ انشاء اللہ آپ کو یہ اعتقاد جیسے روشن ہو گا۔ میری خواہش ہے۔ لوگ معمولی اور کچی طور پر بیعت کرنے کو بھی جانتے ہیں مگر اس جگہ کچی بیعت سے فائدہ نہیں ہے۔ میں نے اس بیان کو الفاظ کے ساتھ پڑھا ہے آپ لکھتے ہیں کہ بعض دلائل سے فیصلہ نہیں ہو سکتا میں آپ کو ازراہ ہمدردی و رحم اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اکثر فیصلے دنیا میں دلائل سے ہی ہوتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے اس خط کا آپ کے دل پر کیا اثر پڑے گا۔ مگر یہ خیال ضروری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح ہو سکے۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۲ء کے جلسے میں ضرور تشریف لائیں۔ خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور (ایضاً کمالات صفحہ ۲۷۱)

محمد علی خان کی تحریک مباہلہ کے بعد مرزا صاحب کو یہ الہام ہوا۔ "خدا قادر ہے ایک سطر تجھ کو دیکھے اور بعض لوگوں نے نیچے دلوں میں کہا کہ دے خدا کیا تو نہیں ہے ایک ایسے شخص کو قائم کرے گا دیتا ہوں اور پھیلائے گا خدا قادر ہے ان کو جواب دو کہ ہم ہی جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے جو کذب اور کفر سے بھری ہوئی ہے۔ سو ان کو کہہ دے کہ تو ہم اور تم مع اپنی عورتوں اور بیٹوں اور عزیزوں کے مباہلہ کریں پھر ان پر لعنت کریں جو کذاب ہیں"۔ (تذکرہ) یہ وہ الہامات ہے جو اس عاجز کو ہوئی تھی۔ (انشرح جلد ۳ ص ۲۸)

باب ۵۰

مولوی عبدالحق غزنوی سے حافظ محمد یوسف مرزائی کا مباہلہ

حافظ محمد یوسف فاضلہ امرتسری پہلے فرقہ "اہل حدیث" کے ایک معتبر رکن تھے لیکن بعد عرصہ سے مرتد ہو کر مرزائی جال میں پھنس گئے تھے۔ مرتد ہونے کے بعد علمائے مرزائی جہت ہوئے۔ مرزائیت کی تلخی اور قلبی اضطراب کے سوا ان کا کوئی مرجب حظ نہ تھا۔ صحیح تحریروں کے ایک اشتہار سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی مولوی عبدالحق غزنوی امرتسری سے مباہلہ کیا تھا۔ اللہ صاحب نے اس مباہلہ کی کیفیت یوں بیان کی ہے۔ "لکھے اس بات کے سنتے سے بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے ایک معزز دوست حافظ محمد یوسف صاحب نے ایمانی جوانمردی اور شجاعت کے ساتھ تم سے پہلے مباہلہ کا قلب حاصل کیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حافظ صاحب اتفاقاً ایک مجلس میں بیان کر رہے تھے کہ مرزا صاحب یعنی اس عاجز سے کوئی تعلق حاکموں یا مباہلہ نہیں ہوا اور اسی سلسلہ تحقیق میں حافظ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ عبدالحق نے جو مباہلہ کے لیے اشتہار دیا تھا اب اگر وہ

اپنے تئیں سچا جانتا ہے تو میرے مقابلہ پر کھڑے ہو اس سے مباہلہ کے لئے تیار ہو۔ تب عبدالحق وہیں اسی جگہ کھیں موجود تھا مستعد مباہلہ ہو گیا اور آگر حافظ صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا کہ میں تم سے اسی وقت مباہلہ کرتا ہوں اور مباہلہ اس پر ہوا کہ لعنت ہے کہ مرزا غلام احمد اور مولوی نعیم اور مولوی محمد احسن امروہی نیچریں مرتدین اور کذابین اور دجالین ہیں۔ حافظ صاحب نے فی الفور یا تامل منظور کر لیا۔ اور حافظ صاحب نے عبدالحق سے مباہلہ کیا۔ منشی محمد یعقوب' میاں نبی بخش صاحب' میاں عبدالغنی صاحب اور میاں عبدالرحمن صاحب عریضہ نویس گواہان مباہلہ قرار پائے اور حسب دستور مباہلہ فریقین نے اپنے اپنے لعنتی بیٹھیں اور اپنے منہ سے کہا کہ اگر ہم اپنے دعوی میں سچائی پر نہیں تو ہم پر خدا کی لعنت نازل ہو یعنی کسی قسم کا عذاب ہم پر وارد ہو"۔ (تبلیغ رسالت' یعنی مجموعہ اشتہارات کاروانی' صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۴)

کاروانی صاحب نے یہ واقعہ لکھ کر اس امر پر روشنی نہیں ڈالی کہ مباہلہ کے بعد فریقین میں سے کسی پر کوئی عذاب نازل ہوا یا نہیں؟ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عذاب سلامت رہنے کا یہ ہے کہ حافظ محمد یوسف کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اپنے حق کے بارے میں اپنا حقیقی حق سمجھ رہا تھا بلکہ اس کا حقیقی حق یہ تھا کہ حافظ محمد یوسف مرتد ہونے اور مرتے دم تک مرزائی رہنے کے بعد الہام کذاب ہوں کے بعد از مرگ حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد مرزائیت کے خوب بخیے ادھیڑیں گے۔ چنانچہ حافظ لفظ الفرز آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے ترک مرزائیت کے بعد مرزائیت نگلی میں کہی ہوئی باتوں اور الہام دیئے۔ مباہلہ کے بعد حافظ محمد یوسف کے محفوظ رہنے کی اصل حقیقت یہ سلیمان بن حرب اور اصل مدعا سے اعراض کرنے والا ہے کہ جن کے حق میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا کرنے کا قصد فرمایا تھا لیکن چونکہ ان کے لئے اسلام و ایمان کی نعمت مقدر تھی آپ کو بددعا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

لیس لک من الامر شی او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظالمون (۳/۱۲۸)

آپ کو اس بارہ میں اختیار نہیں یہاں تک کہ حق تعالیٰ ان کو تائب کر دے یا معذب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

چنانچہ اس کے بعد حضرت ابو سفیانؓ حضرت عکرمہؓ اور بہت سے دوسرے حضرات جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام و شمنی کے لیے وقف کر رکھی تھیں مشرف باسلام ہوئے اور بعد میں باسلامی خدمات انجام دے کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہوئے۔

باب ۵۱

شیخ مہر علی کے خلاف آسمانی عدالت میں استغاثہ

گولڑوی صاحب کا معمول تھا کہ جب تک میں عشاء اور بامداد کی اسمائی گواہی میں خصوصاً کوئی اہم واقعہ رونما ہوتا تو عشاء یا بامداد پڑھ لیتے کہ میں نے اس کے متعلق یوں بیٹھیں گوئی کر رکھی تھی۔ یا یہ خواب دیکھا تھا کہ کسی قلعہ کے ڈھیر کے رونما ہونے کے بعد ہر بار اری اٹھا کر بھی بسوت اس قسم کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ اگر آسمانی فوج کی زبان یا دیدہ یا خلاف ورزی کے قسم کو تخلیق دینے سے کوئی کرامت یا تعلق ظاہر ہو سکتا ہے تو واقعی اسمائی صاحب کو اس میں کوئی شبہ نہیں کرنی چاہیے تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ جب بھی وہ کرامت کی وابستگی مانگتے تھے باطنی و باطوری کا بھیانک رخ ان کے سامنے آ کر ڈرا دیتا تھا۔ شیخ مہر علی مرحوم رئیس ہوشیار پور کے متعلق بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ شیخ مہر علی وہی صاحب ہیں جن کے حلقہ میں رئیس قادیان نے چلہ کشی کی تھی اور لوگوں میں اسمائی صاحب کی تھی گرم کرنے میں وہ سے پارے غلبہ حیثیت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ہوشیار پور میں کوئی قومی قتل ہو گیا۔ شیخ صاحب بھی تفتیش میں شامل کر لیے گئے۔ آلہ علامہ چا اور وہ اس واقعہ نے انہیں بیچین بنا کر رکھا۔ مرزا صاحب نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کل سے چھ سیدہ پیشتر مجھے خواب میں بتلایا گیا تھا کہ شیخ صاحب کے فرش کو آگ لگی ہوئی ہے اور میں نے خط بھیج کر ان کو توبہ و استغفار کی تحریک کی تھی۔ شیخ صاحب تو حواس باختہ تھے ان کے فرزند شیخ یامین خود نے اسمائی صاحب کو دعا کے لیے لکھا۔ گولڑوی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ خدا ایسا فضل کرے مگر یہ الفاظ کوئی پیشین گوئی نہیں تھی بلکہ جیسا کہ اہل باطن کا طریقہ کلام ہے۔ محض ایک عام دعائیہ کلمہ تھا جو ہر کس و

باکس ایسے موقع پر پورا کرتا ہے۔ آخر مدت تک شیخ صاحب کی پراتا طبیعت ہو گئی اور وہ رہا کر دیئے گئے۔

ان کی رہائی کے بعد الہٰی صاحب نے یہ کہنا شروع کیا کہ شیخ صاحب میری ہی دعا سے بری ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے ہی خواب میں پولیس کو ان کی آنکھ بچھائی تھی اور یہ بھی اطلاع دے دی تھی کہ یہ بلا وجہ جائیں گے۔ اب مرزا صاحب نے شیخ مرحوم کو خط لکھا کہ آپ میری ہی دعا سے رہا ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے آپ کی رہائی کے متعلق آپ کے فرار کو پہلے ہی اطلاع دے دی تھی۔ اس لئے آپ اس کی تصدیق کر دیجئے۔ اس کے جواب میں شیخ صاحب نے اپنے بیٹے جان محمد کی زبانی لکھا کہ آپ نے رہائی کی کوئی اطلاع نہیں دی تھی بلکہ محمد الہٰی صاحب کی کوشش تھی کہ اگر شیخ مرحوم سرٹیفکیٹ دے دیں تو اس واقعہ کو بھی اپنا "الہام اور خواب" قرار دے کر اس کا پروپیگنڈہ شروع کر دیں لیکن شیخ صاحب نے مرزا ہی کے قول کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔

مرزا صاحب کا یہ طریق پہلے تو صرف سائل اور مسئول تک محدود رہا لیکن اس کے بعد ان الہامات میں ایک قسم سے تبلیغ چلنے لگی۔ بعض لوگوں کے خطوط اور بیانات سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب پر مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ انہیں رہائی کی کوئی اطلاع نہیں دی تھی اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس ماجرا پر ایک اور طوفان بدتمیزی اٹھا ہے کہ میں نے شیخ صاحب کو جھوٹ بولنے کے لیے تحریک دے کر بلوایا۔ میرا مدعا اس سے یہ تھا کہ ہوا کہ اس ماجرا نے رہائی کی خبر دے دی تھی تاکہ میری کرامت ظاہر ہو۔ ناظرین اس بارہ میں میرے خطوط ان سے طلب کریں۔ میرے کسی خط کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ شیخ صاحب کوئی بات خلاف واقعہ لکھیں بلکہ ان کو اپنے سابق خط کے مضمون سے اطلاع دی گئی تھی اور امید تھی کہ یاد دلانے سے وہ مضمون انہیں یاد آ جائے گا۔ اس بنا پر ان سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ ہمارے خط کا یہ مقاصد ہے اور اسی کی ہم آپ سے تصدیق چاہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ شیخ صاحب نے میرے خط کو تحکم کی رو سے سمجھا اور مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ گویا میں نے ان سے جھوٹ بلوانا چاہا۔ حالانکہ میں نے صرف اپنے خط کے مضمون کی تصدیق کرانی چاہی تھی۔ خیر اب ہم ایک انصافی فیصلہ اپنے صادق و کاذب کے بارے میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جن

رات میں نے ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء کی رات تھی شیخ صاحب کی ان باتوں سے سخت رد و
کد ہو کر آخری فیصلہ کے لیے دعا کی تو مجھے الہام ہوا "سم آسمان پر دیکھ رہے ہیں کہ تمہارا
دل سرطی کی خود اعتمادی سے دعا کی طرف پھر گیا ہے۔ ہم بات کو اسی طرح آسمان پر پھیر
دیں گے جس طرح تو زمین پر پھیرے گا۔ ہم تیرے ساتھ ہیں۔ تیرے رشتہ بڑھائیں
گے"۔ لہٰذا یہ اشتہار شیخ صاحب کی خدمت میں رجسٹری کرا کر بھیجتا ہوں کہ اگر وہ ایک
ماہ کے عرصہ میں اپنے خیالات واقعہ نکاح ہمدردی سے سابق پوزیشن کی طرف سے ایک خط یہ
نہیں چھپوانے کے نہ بھیج دیں تو پھر آسمان پر میرا اور ان کا مقدمہ دائر ہوگا اور میں اپنی
دعاؤں کی رو ان کی عزت اور سابق عزت و احترام کے لیے کی تھیں' واپس لے لوں گا۔ پھر مجھے
اللہ جل شانہ کی طرف سے بشارت مل گئی ہے۔ پس اگر شیخ صاحب نے اپنے افترا پردازوں کی
تہمت میری معرفت سابق کا مضمون شائع نہ کرایا تو پھر میرے صادق اور راستی کی یہ فعلی
ہے کہ میری دعا کا اثر ان پر ظاہر ہوگا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو وعدہ دیا ہے۔ ابھی میں
اس کی کوئی تاریخ بیان نہیں کر سکتا کیونکہ ابھی تک خدا تعالیٰ نے کوئی تاریخ میرے پر
نہیں کھولی اور اگر میری دعا کا کچھ بھی اثر نہ ہوا تو یاد رہے میں اس طرح کاذب اور مفتری
ہوں۔ جو شیخ صاحب نے مجھ کو سمجھ لیا۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو شیخ صاحب میری دعا سے
صادق بچ جائیں گے اور میں میرے کاذب ہونے کی کافی فعلی ہوگی۔ اگر یہ بات صرف میری
ذات تک محدود ہوتی تو میں صبر کرتا لیکن اس کا دین پر اثر ہے اور عوام میں ضلالت پھیلتی
ہے۔ اس لیے میں نے محض ہدایت دین کی غرض سے دعا کی اور خدا تعالیٰ نے میری دعا
منظور فرمائی۔ پس میرے صادق یا کاذب ہونے کے لیے یہ بھی ایک فعلی ہے۔ (الفضل
بمقابلہ 'مکمل مجموعہ اشتہارات قادیانی صاحب' جلد ۳ صفحہ ۲۸۰)

غرض حضرت "مسیح موعود" صاحب بعد دس تک شب و روز شیخ سرطی مرحوم کے
خلاف اپنی بددعاؤں کی خاک اڑاتے رہے لیکن خدا کے فضل سے وہ تنہم عدد سے ہر طرح
محفوظ رہے اور اس کے بعد بھی حافظ حقیقی نے انہیں مدت العمر ہر طرح کے گزند سے اپنی
پناہ میں رکھا۔ قادیانی صاحب کی مسلسل بددعاؤں اور بد اندیشیوں کے باوجود ہر قابل رشک
عافیت اور آسودگی شیخ صاحب کے شریک حال رہی اس نے لوگوں کو یہ یقین دلانے کا ایک
اور عملی موقع بہم پہنچایا تھا کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کہ سعید کے بموجب صادق نہیں

ہے؟ جب شیخ صاحب طیب اللہ ہر طرح کے جشم زدم سے محفوظ رہے تو بھی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ وہوم نے ہر مراسلت سے کتاب مذکر الہامی صاحب کو بری طرح اٹھی پر لیا رہے تھے کتاب "حصائے موسیٰ" میں کھلے معلوم نہ ہوا کہ اس مقدمہ کا مرزا صاحب نے آسمانی عدالت میں دائر کیا تھا کیا فیصلہ ہوا اور تعجب ہے کہ انہوں نے شیخ صاحب کا کوئی مطبوعہ بھی اشتہار نہیں کیا۔ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے ان پر رحم کرکے راضی بھی حاصل کر لیا ہوگا اور اس راضی بھی کا اعلان ضروری نہ سمجھا ہوگا کو لیا گیا ضروری تھا کیونکہ مرزا صاحب مقدمہ دائر کرنے کا حال اپنے ایک اعلان میں شائع کر چکے تھے"۔ (حصائے موسیٰ صفحہ ۳۰۳)

حضرت آپ نے ملاحظہ کیا "شیخ موحد" کے اخلاق عالیہ کا نمونہ دیکھا کہ کس طرح محض اس وہم میں ایک قدیم الوضع بیوہ کا دشمن ہو گیا کہ اس نے حضرت "شیخ موحد" کو ان کی سن گزیدہ بیٹی کی بجائے سرنگیٹ دینے سے انکار کیا تھا۔ حالانکہ یہ سرنگیٹ نہ نہایت اعزاز کا کفیل تھا اور نہ قبری میں کام آسکتا تھا۔ بہرحال اس بیچین کوئی پر بھی مرزا صاحب کی ہتک کرکری ہوئی اور ان کی گیدڑ بھبکی پر ہوا باندی عمل صادق آئی۔ "آہ وہ طمانچہ تھی کہ جس کی گونج ہوا میں رہ گئی"۔

باب ۵۲

مولانا بٹالوی کو عربی تفسیر قرآن لکھنے کا چیلنج

مرزا صاحب کی یہ نہایت ہی دلچسپ اور سبق آموز کارنامہ لڑائیوں کے وہ ہوا بعد مولوی محمد حسین بٹالوی یا دوسرے علمائے اسلام کی طرف سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے تھے۔ مگر زمانہ کا ان کی طرف التفات توجہ نہیں کرتے تھے اس بنا پر وہ حریف نصیب مرزا صاحب کی تحریری بادہ کو ایک طرف رائے عام کر لینے کے عادی ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی بادلی سے سمجھ رکھا تھا کہ ان کا بیڑہ مرشد میدان شجاعت کا رستم و اسفندیار ہے۔ مگر مرزا صاحب کی طرف سے جب کبھی اور جو بھی کوئی چیلنج شائع ہوتا تھا علمائے اسلام یا تو خود

مرزا صاحب کے سر پر کھڑے ہو کر ان کے کلام اعتراض میں مشغول ہوتے تھے یا دوستوں کی جواب شائع کر کے ان کی طرف سے مدافعانہ کیا کرتے تھے چونکہ مرزا صاحب کو معلوم تھا کہ یہ تمام الزامات علمائے اسلام کی جوابی تحریروں کا مقابلہ کرنے کے بعد ہی نہیں۔ اس لیے حضرت "مسیح موعود" صاحب نہایت بیباکی اور دیدہ دلیری کے ساتھ حملہ کرتے اور شیخیاں بگھارتے رہتے تھے۔

قادیان کے الہامی صاحب نے ۲۰ مارچ ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ محمد حسین بٹالوی جیسے مقابلہ میں عربی میں تفسیر قرآن لکھے۔ اس فیصلہ کے لیے بہترین انتظام یوں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جلسہ ہو کر حسبان تجویز کرے چند سورتیں قرآن کی جن کی عبارت اسی کلاں سے کم نہ ہو' تفسیر کے لیے منتخب کر کے بند کریں اور ہر ایک فریق ان کی ایک سورۃ ان میں سے قابل کر اسی کی تفسیر سوا انتظام تحریر کی جائے اور اس تفسیر کے لیے یہ اجرا قرار دیا جائے کہ بلیغ' فصیح زبان عربی اور مقتضا عبارت میں قابل ہو اور وہ دس جز سے کم نہ ہو اور جس قدر اس میں شواہد و مصارف لکھے جائیں وہ کل عبارت کی شرح نہ ہوں بلکہ مصارف جدید و غالب فریق ہوں جو کسی دوسری کتاب میں پائے نہ جائیں اور پانچ سو دلائل قیم قرآن سے غالب نہ ہوں بلکہ ان کی قیمت اور شوکت ظاہر کرنے والے ہوں اور کتاب کے آخر میں سو شعر لطیف' بلیغ اور فصیح عربی میں نعت اور مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو اور قصیدہ رائیہ ہوں اور جس بحر میں وہ شعر ہوں وہ بحر بھی ہو۔ قرعہ اسی ہو اور قرعہ اجرائی کے اسی جلسہ میں تجویز کیا جائے اور فریقین کو اس کام کے لیے چالیس دن کی مہلت دی جائے۔ میں نے اس مقابلہ کے لیے چالیس دن کا عرصہ تجویز کر دیا ہے اور وہی عرصہ میری زبان پر جاری ہوا۔ صاحبو! میاں محمد حسین کو اس پر تخت اصرار ہے کہ یہ عاجز عربی علم سے بالکل بے بہرہ اور کلام اور بیان اور بلاغت سے بالکل بے خبر ہے اور خدا تعالیٰ سے مدد پانے کے تو قائل ہی نہیں کیونکہ کذاب اور دجال ہے۔ یہ عاجز درحقیقت نہایت ضعیف اور بیچ ہے کوئی بھی نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ شکیر کا سر توڑے اور اس کو دکھلاوے کہ آسمانی مدد اس کا ہم ہے۔ چند روز ہوئے میں نے محمد حسین کا ایک مضمون دیکھا جس میں میری نسبت لکھا ہوا تھا کہ یہ شخص کذاب اور دجال ہے یہ لسان اور تخت بیان اور جاہل اور علوم عربیہ سے

ہے خبر ہے۔ تب میں جناب الٰہی میں دعا کرتا کہ میری مدد کر تو اس دعا کے بعد الہام ہوا کہ فلموں استجب لکم یعنی دعا کرو کہ میں قبول کروں گا۔ مگر میں بالفعل حاضر تھا کہ کسی کے مخاطب کے لیے دعا کروں۔ آج ۲۴ شعبان ۱۳۰۸ھ کو اس مضمون کے لکھنے کے وقت خدا تعالیٰ نے دعا کے لیے دل کھول دیا۔ سو میں نے رقت دل سے اس مقابلہ میں سچ پانے کے لیے دعا کی اور میں جانتا ہوں کہ قبول ہو گی۔ صاحبو! اگر میں اس فتن میں مجھوٹا یا شیطان سے ہلاک کیا گیا یا کسی بیماری سے قبل ہوا تو بے شک میں دجال اور کذاب ہوں۔ لیکن اگر یہاں باتیں منقلب ہو گئے تو ان کی ذلت اور رسوائی اور ہلاکت اور خائبانہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔ تب اگر یہ اس فیصلہ کو منظور نہ کریں اور ہلاک جائیں اور خدا کا اقرار بھی نہ کریں تو چاہیئے کہ ان کے لیے خدا تعالیٰ کی عدالت میں مندرجہ ذیل الہام

(۱) لعنۃ (۲) لعنۃ (۳) لعنۃ (۴) لعنۃ (۵) لعنۃ (۶) لعنۃ (۷) لعنۃ (۸) لعنۃ (۹) لعنۃ (۱۰) لعنۃ

لذلک حضرۃ کاملہ

(الشہر ہوا الہام امیر کابلی ۔۔۔ مطبع ۔۔۔ تجلیات رحمانیہ" جلد ۲ صفحہ ۔۔۔)

مولانا بٹالوی کا جواب

اس چیلنج کے جواب میں مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی نے اپنے اخبار رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھا کہ قادیانی کی یہ درخواست کوئی نیا چیلنج نہیں ہے۔ پہلے بھی وہ اپنے "اعجاز احمدی" کے صفحہ ۱۴ میں یہ درخواست کر چکا ہے اور اس کا مدلل مگر مسکت جواب اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر اول کے صفحہ ۲۷ پر چھپ چکا ہے۔ اب میں اس چیلنج کا جواب دیتا ہوں کہ قادیانی صاحب! میں آپ کے مقابلہ میں عربی تفسیر قرآن لکھنے کو حاضر ہوں" حاضر ہوں" جب چاہیں اور قادیان کے سوا جہاں چاہیں اور جس خواہ مخواہ میں لکھ یا لکھیں میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اگر آپ نے قبول کیا یا آپکے ارکان مجلس نے پسند کیا تو اسی مجلس میں تفسیر نویسی کے مقابلہ سے پہلے آپ کی سابقہ عربی تحریری مقابلہ خلاف دعاؤں کو

جس پر آپ کو اور آپ کے بیانات کو بیاض پر لکھی کیا جائے گا۔ اسی طرح آپ کے یہ اسرار و معارف و حقائق قرآن جو آپ نے اپنی کتابوں "صبح اسلام" "ذوق تدبر" "افکار" "ایام اور رسائل" میں بیان کئے ہیں۔ بلاشک تحسین و تعریف اسی محفل خلد میں لکھی جائیں گے۔ اگر عربی کی بھی کتب و تفاسیر لکھیں جاتیں کو سن کر جو آپ نے ان کتابوں میں درج کی ہیں۔ ماہرین بلاغت کی طبیعت عش عش کر جاتے اور آپ کے بیان کردہ اسرار و حقائق کو پاس کئے بغیر نہ رہتے کہ یوں تو کتنے ایسی عالمت میں آپ کو عبادہ مقالہ کی سعادت العلمے اور پانچ دن تک اس تکلیف کے لئے کسی جگہ حاضر رہنے کی عادت نہ رہے گی اور آپ کی حقانیت ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائے گی۔ تب آپ اس محفل مقالہ کا اختتام و اعلام فرمائیے۔ (الف اور یہ دونوں جملے ۔۔۔ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۰۔۱۰۱)

جب الٰہی صاحب کو اپنی گیدڑ بھبکی کا کوئی اثر ہوتا ہوا نہ دیکھا تو ان کی طرف سے اور طرح سے گالیوں کا بوچھاڑ کی گئی تو حضرت نبی کا سدا کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ جواب دے کر الجھا جائے جھگڑے۔

شے ہ گالی سے شیخ کی شیخی بگڑتی
ساری ہ شیخی ہے کی بھری ہ گالی کے ہے

باب ۵۳

حکیم نورالدین سے مولانا بیتابوی

کا ریل گاڑی میں مناظرہ

حکیم نورالدین سے مولوی محمد حسین بٹالوی کے ایک مناظرہ کا ذکر پہلے قلمبند ہو چکا ہے۔ اگلی مارچ ۱۹۰۸ء کو مولوی صاحب لاہور سے بذریعہ ریل گاڑی میں سوار ہوئے اتفاق سے حکیم نورالدین صاحب بھیروی بھی تشریف لے جا رہے لاہور سے اسی ڈبہ میں سوار ہوئے' جس میں مولوی صاحب بیٹھے تھے۔ مولوی صاحب نے مزاج پرسی کے بعد کہا حکیم صاحب! غنیمت الفرس کا حکام ہے کہ آپ سے حضرت مرزا کی بابت ضرور بحث کی جائے۔ کیونکہ اسلام' دوست دشمن سب جانتے' ہندوؤں کا قول ہے ہوتا ہے دشمن دشمن کا

آپ کی مزاحیت نے اس رابطہ محبت و اتحاد کو منقطع کردیا۔ حکیم صاحب نے بھی اس پر اظہار تاسف کیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے کہا حکیم صاحب! میں مدت سے اس امر کا خواہاں تھا کہ آپ سے باقاعدہ گفتگو ہو اور یہ مباحثہ ۵ سے ۱۰ اپریل ۱۸۸۸ء کو بمقام لاہور شروع ہو کر اختتام پذیر ہوا۔ حکیم صاحب نے کہا میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ کی نیت اچھی نہیں اس لئے میں نے اس کا موقع نہ دیا۔ اب یہ اتمام حجت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس گفتگو کی تحریل کی جائے۔ حکیم صاحب نے کہا ہاں شروع کیجئے۔

مولوی صاحب نے مسئلہ مباحثہ مسیح علیہ السلام کے اور مرزا بہ کل وجل تھے۔ اس اثناء میں متعدد سوال و جواب ہوئے۔ آخر جب حکیم صاحب کا کچھ بس نہ چل سکا اور زبان گنگ ہوگئی تو بجائے مباحثہ سے عاجز ہونے کے کہنے لگے کہ اس بے نتیجہ بحث ہی کو چھوڑ دیجئے۔ اس التماس پر مولوی صاحب نے ان کو چھوڑ دیا۔ ۵ مقدمات اس مباحثہ کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ رسالہ اشاعۃ السنۃ (جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۷) کی طرف رجوع فرمائیں۔ حکیم صاحب کی زبان بند کرنے کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ قادیانی کے مسائل پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے تو کم از کم اتنا تو بتائیے کہ قادیانی اللہ ولی سے کیوں کام لیتا ہے؟ ایک بات اپنی کتاب میں لکھتا ہے اور پھر اس سے مکر جاتا ہے۔ ایک جگہ ایک بات لکھتا ہے اور دوسری جگہ اس کے خلاف لکھ دیتا ہے اور آخری عمر کے وقت یہ اقرار نہیں کرتا کہ اب میں نے اپنے پہلے بیان سے رجوع کر لیا ہے۔ اس وقت بھی سے غلطی ہوئی تھی۔ اس کے پیر فلاں فلاں ہیں۔ رسالہ "سیف چشتیائی" کے صفحہ ۱۰ میں یاد اللہ کے راہ ہونے سے صاف انکار کیا ہے اور پھر "ازالہ" کے صفحہ ۳۳۰ میں اس انکار سے انکار کردیا ہے۔ "توضیح مرام" کے صفحہ ۱۰ میں کہنے والے مسیح کے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور پھر ازالہ صفحہ ۳۳۰ میں اپنے آپ کو مسیح ذکر دے کر نبی بھی کہا ہے۔ "توضیح مرام" میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن بعض اشتہارات و تقریرات میں دعویٰ نبوت سے انکار کیا ہے۔ ازالہ کے صفحہ ۱۰۰ میں آیت و مبشرا برسول یاتی من بعدہ اسمہ احمد کو اپنے حق میں بشارت ٹھہرایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت کا مصداق ہونا تسلیم نہیں کیا لیکن اس کے بعد "نزول" کے صفحہ ۱۰ میں اس آیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بشارت قرار دیا ہے۔

یہ کہہ کر مولوی صاحب نے قادیانی صاحب کی متذکرہ صدر کتابیں نکالیں اور حکیم صاحب کو ان میں قادیانی صاحب کی تمام خلاف تحریریں دکھا دیں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ میں نے یہ چیزیں مرزا صاحب کی کتابوں میں کبھی نہیں دیکھی تھیں لیکن اب یہ باتیں ان سے ضرور پوچھوں گا اور وجہ تناقض دریافت کروں گا اور کہا کہ دراصل میں مرزا صاحب کی تصانیف نہیں دیکھا کرتا۔ میں تو صرف ان کا چہرہ دیکھتا ہوں اور اس سے سبق حاصل ہوتا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا حکیم صاحب! میں آپ کا یہ بیان تسلیم نہیں کرتا۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ دیکھا کیا سبق رکھتا ہے؟ قادیانی نے یہ لکھا ہے کہ آپ ان کا شاگرد رہا ہے۔ مضمون آپ کا ہے' عبارت اس کی ہے اور آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میں ان کے چہرے سے سبق حاصل کرتا ہوں۔ آپ قادیانی کے مرید نہیں ہیں لیکن ان کو بڑا اور اپنا پیشوا مشہور کر رکھا ہے۔ دراصل پیر و مرشد آپ ہیں' وہ آپ کے مرید و شاگرد ہیں۔ آپ شروع سے نیچری خیالات رکھتے تھے اور سرسید احمد خان کی تصانیف کے دلدادہ تھے۔ آپ نے یہ دیکھا کہ اس شخص کی رسالت سے نیچری مذہب کی خوب اشاعت کی جا سکے گی۔ اس لیے اس کو پیر بنا کر خود مرید بن گئے۔ قادیانی کو جس قدر انعام ہوتے ہیں وہ آپ ہی کے انعام ہیں۔ اب بھی اسے بڑھ چڑھ کر انعام دلا رہے ہیں۔ ان مخالفت کی مجلسوں میں آپ کا یہ کہنا کہ میں ان کے چہرے سے سبق لیتا ہوں محض قبیح اور کذب ہے۔ حکیم صاحب نے حیرت زدہ ہو کر کہا یہ بات غلط ہے۔ مولوی صاحب نے کہا آپ ہم کو اجازت نہ کریں گے تمام حقیقت حال کی ہے۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۰' صفحہ ۲۲۲-۲۲۳)

باب ۵۴

مباہلہ کا قادیانی چیلنج اور مولوی عبدالحق کا دندان شکن جواب

قادیانی صاحب نے ۲۰ اپریل ۱۸۸۸ء کو اپنے ایک اشتہار میں علماء اور مخالفین وقت

کو مبارک باد دی اور کہا کہ چونکہ اس مائنر کی طرف سے مبارک کا اشتہار شائع ہو چکا ہے اور امید ہے کہ مخالف لوگ مبارک کے آگے کو اپنے منہ مقابلہ ہونے کی حالت میں ہمت نہ فرمائیں مگر مخالف کے لیے ضرور نہ فرمائیں۔ اس لیے اس اشتہار میں خاص طور پر میاں محمد حسین بٹالوی اور میاں نبی الدین گھسوٹی اور مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور ہر ایک ہاں مولوی یا میاں صاحب کو جو اس مائنر کو کافر لکھتا ہو مخالف کر کے عام طور پر شائع کیا جاتا ہے کہ اگر یہ اپنے تئیں مسلمان قرار دیتے ہیں تو اس مائنر سے مباہلہ کریں اور یقین رکھیں کہ خداوند تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا یقین پر یہ بات واجب ہوگی کہ فریقین اپنی اپنی تحریری بہ صحت و سقم گواہان ثبت کریں کہ اگر کسی فریق پر لعنت کا اثر ظاہر ہو گیا تو یہ شخص اپنے مخالف سے رجوع کرے گا اور اپنے فریق مخالف کو سچا مان لے گا اور اس مباہلہ کے لیے اخلاص مندرجہ ذیل بھی خاص مخالف ہیں۔

محمد علی واعظ' غلام الحسن سیالکوٹی' مفتی محمد صادق' مفتی محمد' صاحب لدھیانہ' مولوی محمد حسین صاحب رئیس لدھیانہ' میاں نذیر حسین دہلوی' حافظ عبدالحسان وزیر آبادی' میاں عبداللہ وزیر آبادی اور میاں محمد اسحاق فیملوی۔ (مرزا غلام احمد قادیانی' تبلیغ رسالت' جلد ۳' صفحہ ۲۰)

اس دعوت کے جواب میں مولوی عبدالحق غزنوی مرحوم نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں سچ کاذبوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔

ظلم گیرد در تتق ہر بامداد — تکہ باشد از دہان او بروں

ہو لوگ یعنون سلام علیکم لا نبتغی الجاہلین جاہلوں اور بیہودہ گوؤں کے جھگڑوں سے بچتے اور کنارہ کرتے ہیں اور آیت اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب و لہو و زینۃ و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال و الاولاد پر عامل ہیں اور گوشہ تنہائی اور خلوت گزینی کی طرف مائل ہیں ان سے مباہلہ اور مباہلہ کی درخواست کرتے ہو اور ہو لوگ شاہ سوار میدان ہیں اور بار بار مباہلے اور مباہلے کے اشتہار چھپا کر اور دنیا کی شہرت طلبی اور حق نمائی مخلص عقیدتمند کی دناءت سے بچا کر دل و جان سے میدان مباہلہ و مباہلہ میں تمہارے آنے کے مشتاق و منتظر ہیں' ان سے کیوں گریز اور روپوشی کرتے ہو اور کہتے کانہم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ (گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں) کا مصداق بنتے ہو۔

اے دل متعلق پہ دام تمہید ۔۔۔ مایہ تو شغلی و تو یا عمر دگری

اور اگر ان اشتہاروں سے آنکھیں پھیر لیں اور گوش دل توجہ نہ کریں تو ہم ناظرین کے [illegible] اور اتمام حجت کے لئے پھر ان کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) تحفہ غلط ملقب بہ مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی کی طرف سے مقابلہ پر مناظرہ مباحثہ قسطنطنیہ کی طرف بھیجے گئے جن میں سے پہلا خط مورخہ ۱۸۸۸ء کو ہفتہ روزہ پرکاش امرتسر میں چھپا تھا اور دوسرا اور تیسرا خط علی الترتیب مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء اور مورخہ ۱۵ نومبر ۱۸۸۸ء کو طبع ہوئے تھے۔

(۲) اخیر مارچ ۱۸۸۸ء کو مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے اسلامیہ پریس لاہور سے ایک اشتہار دربارہ "مباحثہ قصوری" شائع کیا۔

(۳) انجمن اسلامیہ لدھیانہ نے مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ایک اشتہار دربارہ "اعلان عام" مطبع انصاری دہلی میں چھپوا کر شائع کیا۔

(۴) ظہر فروری ۱۸۸۹ء کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لاہور سے ایک اشتہار دربارہ "نوٹس" شائع کیا۔

(۵) مولوی عبدالحق صاحب اللہ مطبع انصاری نے مورخہ ۱۵ اپریل ۱۸۸۹ء کو ایک نوٹس دربارہ "اتمام حجت" شائع کیا۔

(۶) مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی نے یکم اکتوبر ۱۸۸۸ء کو مطبع انصاری میں ایک اشتہار چھاپ کر تم کو شائع کیا۔

(۷) ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو محمد عبدالحق صاحب نے دہلی میں ایک اشتہار شائع کر کے تقسیم کیا تھا۔

(۸) مولوی محمد صاحب اور مولوی عبدالحق صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب سنوسی امرتسری نے مورخہ رمضان المبارک کو لدھیانہ سے ایک دعوت نامہ شائع کیا۔

■ مولوی عبدالحق اور صاحب مدرس لدھیانہ نے مورخہ رمضان کو لدھیانہ سے ایک اعلان شائع کیا تھا۔

ملا یعلمها الا الله الخ ان اشتہارات کو حق طلب نے حق نمبروں میں شائع

کہے" تم نے کس سے جنگ کی اور کس جگہ میدان میں حاضر ہوئے؟ (تاریخ دعوت و عزیمت' جلد ۴' صفحہ ۲۸۔ ۲۹)

باب ۵۵

مولانا بنوری کے مرزائی ہو جانے کی پیشین گوئی

کاشانی صاحب نے ۱۹۵۵ء میں خواب دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی (حال الحاد) ارتداد اختیار کر کے مرزائی ہو گئے ہیں اور کاشانی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے یہ خواب تعبیری علم کے لیے جس درجہ بعید الفہم تھا بیان سے باہر ہے اس خواب کے بعد الہامی صاحب نے ۲۰ مئی ۱۹۵۵ء کو ایک اعلان زیر عنوان "شیخ محمد حسین بٹالوی کی نسبت ایک پیشین گوئی" شائع کیا جس میں لکھا کہ شیخ محمد حسین ابو سعید اس بات کو کافر کہتا ہے اور نہ مرتد بلکہ اس کے کفر و ارتداد میں کئی بزرگوں نے اس بات کی نسبت انکار کا لفظ بھی استعمال کیا دیکھا ہے۔ میاں بٹالوی اور افتراء کے یہ بھی کہتا ہے کہ گیا یہ بات ما تک کا منکر اور معراج جسمی کا انکاری اور نبوت کا مدعی اور تحریفات کو بھی نہیں مانتا۔ سبحان اللہ کافر ثابت کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر کیا ہے کہ بلکہ افتراء کیے ہوں۔ حالت یہ ہے کہ اگر کسی کے منہ سے نکل جائے کہ میاں کیوں کسی کو کافر بناتے ہو' کلمہ خدا سے اور تو زیادہ کی طرح اس کے گرد ہو جاتا ہے اور بعد ہی گالیاں اس عاجز کو نکال کر کہتا ہے کہ یہ ضرور کافر ہو گا سب گالیوں سے بدتر ہے لیکن میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ یہ شخص اپنی موت سے پہلے مجھ پر ایمان لائے گا اور میں نے دیکھا ہے کہ اس نے قول تکفیر ترک کر دیا ہے اور اس سے توبہ کر لی ہے یہ میرا خواب ہے اور میں امیدوار ہوں کہ میرا رب اس خواب کو سچا کرے گا۔ (اہلحدیث' مولفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۱۲۔ ۱۳)

ایک مزیدار کاشانی توجیہ

اس خواب کی بنا پر تھانوی کو کامل وثوق تھا کہ مولوی صاحب کسی نہ کسی دن تھانوی کے نظریۂ وہابیت کو قبول کر لیں گے۔ لیکن مولانا مرحوم کو مرزائیت کے استیصال میں جو غیر معمولی شغف تھا اور جس تن دہی کے ساتھ وہ اس فتنہ کے معدوم کرنے میں کوشاں تھے' اس سے الہامی صاحب پر اس خواب کا صحیح مفہوم ہو جاتا تھا اور انہیں خیال ہوتا تھا کہ شاید یہ خواب اختلاف انام کی قسم سے ہو گا۔ تھانوی صاحب نے اپنا یہ خواب مشتہر کر کے مولانا ممدوح کے قبول مرزائیت کی پیشین گوئی کر رکھی تھی' اس لیے بعض ارادت مند کبھی کبھی مولانا بٹالوی کی مرزائیت شکن سرگرمیوں سے خجل ہو کر مولوی صاحب سے سوال کر بیٹھتے تھے کہ حضرت بلاؤ مولوی محمد حسین کے "رجوع الی الحق" کے متعلق حضور کی پیشین گوئی کا کب ظہور ہو گا؟ تو الہامی صاحب اس "ہوائے بے معنی" کا جواب بلا تکلف ٹال جاتے تھے۔ آخر دو ماہ کے قریب چار سال بعد تھانوی نے مولوی صاحب کے قبول مرزائیت کی ایک من گھڑت خبر شائع کی اور اپنے رسالہ "شہاب ثاقب" میں ہو اس وقت ۱۹۱۴ء کو شائع کیا' لکھا "مجھے معلوم نہیں کہ مولوی محمد حسین کا ایمان فرعون کی طرح ہو گا یا پرتھوراج کی طرح"۔ (رسالہ "شہاب ثاقب" مرتبہ مولانا انعام الحق' صفحہ ۲۲ حاشیہ) اس بیان سے تھانوی صاحب کی بڑی ہوشیاری اور صاف تلمی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان الفاظ میں الہامی صاحب نے اپنے اور اپنے دوستوں کے لیے یہ کہنے کی گنجائش رکھ لی تھی کہ مولانا محمد حسین مرتے وقت ایمان لے آئیں گے یا لے گئے ہیں گے۔

مولانا بٹالوی پر "رشد کا زمانہ" آنے کا تھانوی الہام

گروہ دانش شریف' جس نے اپنے معبود ہونے کے دعوے سے بنی نوع کو گمراہ بنانے کا عہد کر رکھا ہے اور اپنے متبعین کو ذلت و رسوائی کے گڑھے میں دھکیلنا اس کا دل پسند مشغلہ ہے' کیونکر گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ حضرت "مسیح موعود" صاحب اور ان کے بعد کسی پیشین گوئی میں مات کھانے اور ذلت اٹھانے سے بچ نکلیں۔ اس لیے اب اس نے تھانوی صاحب پر یہ افتاد کرنا شروع کیا کہ "محمد حسین کا ایمان سعید لوگوں کی طرح ہو گا"۔

چنانچہ اس اقتباس کے بعد جب الٰہی صاحب نے انجام کار اپنی مطلوم کتاب "سوانح احمدی" میں "ہ سوانا محمد حسین کے مرزائی ہونے کا خواب دیکھنے کے تین سال بعد مئی ۱۹۰۰ء کو شائع کی تھی' ان کے قبول مرزائیت پر کامل وثوق کا اظہار فرمایا۔ الٰہی صاحب نے اس علم کا بھی اردو ترجمہ خود ہی قصہ اقتباس شائع کیا ہے جو ناظرین ہے۔ الٰہی صاحب خوب رنگ سے لکھتے ہیں:

"کیا بری کتاب "سوانح الیس" کی محمد حسین نے تغلیطیں نکالیں؟ یہ کہاں ہو سکتا ہے اور محمد حسین کی کیا طاقت ہے۔ کیا یہ ابھی کر رہا ہے؟ اگر یہ میرے پاس آئے گا تو اسی صبح ہدایت کا پیالہ پاؤں گا۔ میں اس کو سمجھنے کے لیے حاضر کر اگر یہ سمجھنے کی طاقت رکھتا ہے؟ کیا تو اس کو زندہ سمجھتا ہے اور خدا میں اس کو اس شخص کی مثل رکھتا ہوں جو مر کر قبر میں داخل ہو گیا۔ اگر میرا خدا چاہتا تو یہ ہدایت قبول کرتا اور اگر میرا خدا چاہتا تو یہ مجھے پہچان لیتا۔ اور ہم اس کے ایمان سے ناامید نہیں ہوتے بلکہ امید رکھتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی وحی خبر دے رہی ہے اور خدا کا حکم موروثی کو ہرگز نہیں۔ اس کے لیے پروانہ دار ہیں کہ کوئی اثر کرنے والا ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ تجھ پر خدا تعالیٰ تجھے ہدایت محمد حسین کا مفہوم ظاہر کرے گا۔ سعید ہے' ہیں روز مقدر ہیں کو فراموش نہیں کرے گا اور خدا کے ہاتھوں سے زندہ کیا جائے گا اور خدا قادر ہے اور رشد کا زمانہ آئے گا اور گمراہ ضائع ہو جائے گا۔ ہیں پاکیزگی اور طہارت کا پانی اترے گا اور تم سب خوشحالی کی اور مطمئن کر دے گی۔ اور میرا کلام سچا ہے اور میرے خدا کا قول ہے اور ہر شخص تم میں سے بچا زندہ رہے گا وہ دیکھ لے گا کیا تو اس سے تعجب کرے گا ہیں بچھ تعجب نہ کر یہ خدا کا کلام ہے اور پاک وحی ہے۔ اور میں نے اپنے ہی دل سے باطل نہیں کی بلکہ مکمل طور پر مجھے دکھلایا گیا اور میں اس سے حیران ہوں۔ کیا محمد حسین کا دل ہدایت پر آ جائے گا؟ یہ کون گمان کر سکتا ہے؟ تعجب ہاتھ ہے اور خدا کے نزدیک سہل اور آسان ہے۔ تیں کوئی اس کے ساتھ اور ہیں' ایک ان میں الٰہی عمل اکٹھا شدہ ہے۔ ہیں سن اور سنا دے۔ تیری قسم کہ ہم نے بغیر کھائے کے ان کے ہونٹوں کا جو چکھا۔ ہیں ہمیں یوں اچھا معلوم ہوا کہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ جب یہ اکٹھے جاتے ہیں تو میرا دل غم ناک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یاد آتا ہے کہ ایک دن ہم جماعت سے خوش ہوتے تھے"۔

(انوار احمدی، مولفہ مرزا غلام احمد، ص ۱۰۰)

کیا مولانا بٹالوی اور منشی الٰہی بخش نے مرزائیت قبول کی؟

الہامی صاحب نے اپنے اس الہامی بیان میں دو مرتبہ مولانا عبدالحسین بٹالوی کے قبول مرزائیت کی پیشین گوئی کو دہرایا ہے مگر منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ مرحوم کو بھی اپنے دام تزویر کا شکار بنانے کی اطلاع دی ہے۔ لیکن کاہر ہے کہ الہامی صاحب کا یہ وار بھی خالی گیا۔ ان دونوں حضرات نے نہ صرف قبول مرزائیت سے انکار کیا بلکہ مرزائیت کا چشمہ لینے کی بجائے الٹا انہیں وقت تک مرزائیت کے جسم پر چرکے لگائے اور الہامی صاحب کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔ نمونہ مرزائیت مولانا بٹالوی کا تو بین رسالہ کا حشر تو لکھن منشی الٰہی بخش کی تحریروں تک ہی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ کتاب "حسام الحرمین" لکھ کر الہامی صاحب کو خوب رگیدا اور اس طرح سے مرزائیت کے بخیے ادھیڑے کہ اگر الہامی صاحب کا طبع سلیم ہوتا تو اس کتاب کو پڑھ کر خود تائب ہو جاتے۔ غرض الہامی صاحب کی بیشتر دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ پیشین گوئی بھی بھول گئی۔ اور کاہر ہے کہ اگر یہ الہام خدائے جلیل کی طرف سے ہوتا تو کیا مجال تھی کہ الہامی مرزائی گم گشتگان راہ الٰہی بن کر انہیں کوچوں اور ان شاخوں سے جھولیاں بھر بھر لیتے۔

باب ۵۲

غم زدہ بھائیوں کی دکھ آرائیاں

مرزا غلام احمد صاحب کے حقیقی بڑے بھائی مرزا غلام قادر کے تین بیٹے تھے۔ غلام حیدر، غلام محی الدین اور غلام محمد۔ ان تینوں کی حقیقی بہن مرزا غلام احمد صاحب کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر سے بیاہی ہوئی تھی۔

مرزا امام الدین بحیثیت لونگر فال بیگ

جب مرزا امام الدین نے دیکھا کہ اس کے عم زاد بھائی مرزا غلام احمد اس کے دیکھتے دیکھتے فلاں کے معتبر دکان دار سے ترقی کر کے مہدویت اور کیا کچھ بن گئے ہیں تو اس کے مد نظر بھی متدلی کی راہ لی۔ پہلی فرصت کامل عیاری کے ساتھ پیغمبروں (بھگتیوں) کا بھرن بھیلا۔ یہاں شیر احمد صاحب اختر اسے سیالکوٹی میں لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ والد نے بتایا کہ مرزا امام الدین قادیان میں کسی کو مخاطب کر کے بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ جتنی لوگ دکانیں چلا کر پیٹ پال رہے ہیں۔ ہم بھی کوئی دکان چلاتے ہیں۔ پھر اس نے پیغمبروں (بھگتوں) کی دکان کا سلسلہ جاری کیا"۔ (سیالکوٹی' جلد اول' صفحہ ۲۵)

یہی امام الدین کنجر کل فال بیگ کا لونگر مشہور ہے اور قادیان میں اس کی قبر آج تک سفر لوگ نذرانے چڑھاتے ہیں اور اس کی مجاورت و خدمت گاری کا احترام رکھتے ہیں۔

مرزا کمال الدین بھگتوں کا بھرن بھیلا

جب مرزا امام الدین کے بھولے بھالے نے دیکھا کہ دونوں بڑے بھائیوں امام الدین اور غلام احمد کی دکانوں میں روشنی و نورانیت کی گرم بازاری ہے اور دونوں ملک جاہل سوداگر بنے جاتے ہیں تو اس نے بھی کچھ بیچنے کا ارادہ کیا۔ یہ شخص بالکل لوفی کا مادی اور بالکل جاہل و ناخواندہ تھا۔ اس نے ترک دنیا میں انقطاع و تبتل کا راز اس میں منحصر سمجھا کہ محض تاسل کو قبیح کر کے فقر اور بے بضاعت کا عروج کرے چنانچہ کامل کاذب کر بھگتوں کا بھرن بھیلا اور سید ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسی واقعہ کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

کہ اک بھولی تھا سرشار بھگتیوں کا ۔۔۔ اور اک بھگتوں کا ہے امام مرزا

(ظفر علی خان' شعلہ طور' فروری ۱۹۴۱ء)

طریقہ فقر و درویشی اختیار کرنے سے پہلے جس باغیچہ میں بیٹھ کر بھگ پیا کرتا تھا اب اسی میں باد الٰہی کرنے لگا۔ عوام کا ہجوم اور بھگتوں کا خصوصاً یہاں خوب رونق ہوا۔ کچھ عرصہ بعد وہاں ہر سال میلہ لگنے لگا۔ یہ میلہ کمال الدین کے لیے ایک نفع تھا کہ اس سے

ہر سال ہزارہا روپیہ کی آمدنی ہو جاتی تھی۔ تیسرا بھائی امام الدین پرچہ نویس کا نمیدار تھا اور کچھ عسکری دخل بھی اس کی ملک میں تھی' اسے کسی دکان کھولنے کی ضرورت پیش نہ آئی مگر اس نے بغیر کسی دکان کھولنے کے اپنی شرافت و وضع کو نہایت حسن اسلوب سے نباہا۔

مرزا امام الدین اور کمال الدین سے ایک نامہ نگار کی ملاقات

جریدہ "سول و ملٹری" امرتسر کے ایک نامہ نگار حافظ محمد دین حسرتؔ لکھنوی کی ضلع گورداسپور کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ۱۹۰۰ء میں کسی کام سے گورداسپور گیا۔ وہاں جا کر مرزا امام اور کمال مرزا امام الدین تاجروں کی میں تاجروں کا ایلیک یا ایل ایک کا لوگو بنا ہوا ہے۔ اور مرزا امام اور کمال مرزا کمال الدین موضع و تحصیل ضلع گورداسپور میں جا بجا ہے۔ میں نے دونوں سے مل کر ان کے حالات معلوم کرنے کا قصد کیا۔ پہلے تاجروں گیا اور مرزا امام الدین سے مل کر سوال کیا کہ آپ کیا ہے اپنے بھائی ہیں؟ انگلیوں کے ہیں؟ اور یہ کون سی تجارت ہے؟ کہنے لگا میں امام اور سے تو بھر بھی اچھا ہوں۔ یہ تو میرے رشتے پر پہلے دکان کو گرو کرتا ہے لیکن میں صرف اور ہوں کہ اور جیسے میں لے جاتا ہوں۔ میں نے کہا تاجروں کے گرو کس طرح بن گئے؟ کہنے لگا میں نے احسان اور حسن سلوک کے ذریعہ سے تاجروں کے دلوں میں گھر کیا اور یہ میرے حلیف فریفتہ ہو گئے اور آہستہ آہستہ مجھ سے اپنے مالوس ہونے کر اپنا پیر ماننے لگے۔ ایک مرتبہ کوئی پادری ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ تم لوگ کسی بشیر کے پیرو ہو کر زندگی بسر کرو۔ دیکھو تمام مذاہب کے لوگوں کا کوئی نہ کوئی بشیر "گرو" ہادی و رہنما ہے لیکن تمہارا ہادی کوئی نہیں۔ قیامت کے دن تمہاری شفاعت کون کرے گا؟ تمہارے لیے یہ بہتر ہے کہ یسوع مسیح کی عقیدت اور پیشوائی میں آ جاؤ۔ وہ خدا کے فرزند ہیں۔ انہوں نے ہم سب کی خاطر سولی قبول کی تھی جس کی وجہ سے ہمارے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔ انہوں نے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ اسے میرے پاس لے کر گئے۔ پادری نے میرے سامنے بھی وہی تقریر شروع کی جو انہوں کے سامنے کر چکا تھا۔ میں نے کہا پادری صاحب! ان کا بھی گرو ہے۔ پادری نے کہا کون ہے؟ میں نے کہا ایلیک رحمتہ اللہ علیہ۔ پادری بولا ایلیک کون

تھا؟ میں نے کہا وہ خدا کا بھائی تھا۔ پادری بولا! بھلا خدا کا بھی کوئی بھائی ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا اگر بھائی نہیں ہو سکتا تو بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے؟ پادری بالکل لاجواب ہو گیا اور وہاں سے چلتا بنا۔ اس دن سے تمام عیسائی میرے معتقد و پیرو ہو گئے ہیں۔ میں نے محمد حسین کی حیثیت سے انہیں ایک کتاب بھی تالیف کر دی ہے جسے وہ پڑھتے ہیں۔ (تذکرہ الصالحین' امرتسر' ۱۹۰۱ء) اس کے بعد امام الدین نے انگلیوں کو یہ کہہ کر اپنے دام فریب میں اچھی طرح پھانس لیا کہ میں تمہارے اہل بیت کا فرد ہوں۔ (ایضاً' صفحہ ۱۸' امرتسر' فروری ۱۹۰۱ء)

مذکورہ بالا ذکر کا بیان ہے کہ گلاسیاں سے میں دہرانی گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ کمال الدین نے اپنا حلقہ تبلیغی قائم کر لیا ہے اور بعد بیعت بیعتی مشہور ہے۔ میں اس سے ملا اور اسے یہ معاملہ ایسا پختہ کرتا پایا جس میں قبح حلف' دروغ اور دغابازی کی مداخلت ہے۔ اس نے میری باتوں کا کچھ جواب نہ دیا۔ میں تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے واپس چلا گیا۔ غرض مرزا امام الدین کے دونوں بھائی بھی "عقائد و معرفت" میں مرزا ہی کے ہم پلہ تھے۔ (تذکرہ اہل صفحہ' امرتسر' ۱۹۰۱ء)

الیاسی صاحب کا "خاندان نبوت"

مرزائی کہا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کے سے اہل خاندان کا نبوی نبوت یا مسیحیت کا دعویٰ کس طرح کر سکتا تھا؟ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان نبوت کا تھوڑا سا حال بیان کر دیا جائے۔ مرزا امام مرتضیٰ اور ان کے خلف ارشد مرزا امام احمد صاحب اور ان کے دو بھائی کو ہر تینوں کے حالات کسی قدر پہلے ناظرین ہو چکے ہیں۔ اس خاندان کے کچھ اور حالات ۔۔۔۔۔ ہیں۔ صاحب (نہ یہاں اثیر احمد لکھتے ہیں۔ "مرزا امام الدین نے جاسلہ کے ایک ۔۔۔۔ پر ہاتھ ڈالا اور پکڑا گیا" مگر مقدمہ میں رہا ہو گیا"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۳۵) اور خود الیاسی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا امام الدین ہماری برادری کا کوئی سوداگر میں داخل ہو گیا ہے۔ (سرمہ چشم آریہ' حاشیہ مرزا امام احمد' صفحہ ۳۲۲) میرے بھوئی کا خالہ زاد بھائی ہو گیا۔ (کتاب البریہ' حاشیہ مرزا امام احمد صاحب' صفحہ ۱۳)۔ یہ فریق مخالف جن میں سے مرزا احمد بیگ بھی ایک تھا اس ۔۔۔۔ کے قریبی رشتہ دار

گمراہی کے سخت خلاف تھے اور ان میں سے ایک تو عداوت میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیتا تھا اور اپنا مذہب وہی رکھتا تھا اور یہ سب مجھ کو سخت خیال کرتے تھے۔ اور یقین جانتے تھے کہ صوم و صلوٰۃ اور تمام احکام اسلام پر ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ (آئینہ کمالات' صفحہ ۱۴۰) اسی طرح میاں نجیر الدین نے لکھا کہ مسیح موعود کے یہ تمام رشتہ دار پہلے درجہ کے بے دین اور لامذہب تھے۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۱۴۳) اور کتاب "سوانح قادیانی مؤلفہ" کے صفحہ ۱۰ پر یہ عبارت' جو اس خاندان کی حالت کا آئینہ ہے' درج ہے۔

یک قابل نسل و یک صیقلے داں — یک مغز دل بکیان دراں
اند بہ گذر بخوابیدہ گنبد — ایں خاد تمام آفتاب است پراں
(آئینہ سوانح' صفحہ ۱۰)

باب ۵۷

قادیانی مسیحیت کے متعلق شاہ سیف الرحمٰن مجذوب کا کشف

ہر ہر شاہ سکندری سے نسل کمال درویشاں کا ایک ماہنامہ رسالہ الفاتحہ قصور میں شائع ہوا تھا اس کو دیکھ میں بڑا متاثر کیا جاتا ہے۔ صاحب موصوف نے لکھا کہ لگ بھگ ۱۹۱۸ء میں صاحبزادے کا انتقال ہوا۔ وہاں ایک دوست سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی باخدا بزرگ بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ شاہ سیف الرحمٰن ہم ایک مجذوب رہتے ہیں جو مجذوب کی حالت میں بہت سی باتیں کہا کرتے ہیں۔ ان کے سامنے اظہار مدعا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ جو بات دریافت کرنی ہو اس کا قصد کر لینا چاہیے۔ وہ خود ہی اپنی گفتگو میں' جو گفتگو ہوتی ہے' اس کا جواب دے جاتے ہیں۔ اور عجب سائل ہی اس امر کو سمجھ سکتا ہے میں اور دو دوستوں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے پختہ ارادہ دل میں خیال کیا کہ

کتابوں کے مرزا صاحب کے حلقہ تک میں بلکہ ہیا ہے۔ بعض لوگ ان کو صوفی اور سچ سمجھتے ہیں اور اکثر کو ان کے دعاوی کی صحت و مطابقت سے انکار ہے۔ کہاں وہ حق پر ہیں یا باطل پر؟ اس وقت شاہ صاحب بیٹھے اور باتیں کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں فرمانے لگے کہ ایک تو اگر یوں کا تیسرا بن گیا اور دو سرا انگلیوں کا چور بن گیا۔ اس کے بعد بہت سخت کلامی کی اور حالت غضب میں اٹھ کر گئے ہوئے اور ایک کمرے کی طرف چل دیے اور آہستہ انی لبلک فیوم لدالقیامۃ القیامۃ بار بار پڑھ کر سخت کلامی کرتے جاتے تھے۔ میں کمرے دوست کے ساتھ واپس گیا' راستہ میں اس نے پوچھا تم نے کس بات کا قصور کیا تھا کہ شاہ صاحب اتنے غضب ناک ہو گئے؟ میں نے اسے بتایا کہ مرزائے القادیانی کی نسبت خیال کیا تھا کہ کیسے ہیں؟ ہاں شاہ صاحب نے مرزا سے ان الفاظ میں اظہار نفرت کیا ہے۔ میں نے صاف باتوں سے اس قسم کے بے ہودہ خیالات سے ہیں۔ اگر کسی شخص کو مجھ سے ملنا ہو تو میں فلک سیر تو نہ خود صاف بتا کر تشریف لے جاوے اور شاہ صاحب کا تحفہ کر لیں۔ (الحکم امرتسر' جلد ۱۸' نمبر ۱۱' صفحہ ۱۱۳)

باب ۵۸

حکیم نور الدین سے مولانا اصغر علی روحی کی ایک علمی چھیڑ

القادیانی صاحب فن سازی اور پردہ پوشی باری کے فن میں تو طاق تھے لیکن علمی استعداد سے ایک بڑی حد تک بے نصیب تھے۔ البتہ مولوی حکیم نور الدین اور مولوی محمد احسن امروہی مرزائیوں میں ذی علم اور صاحب استعداد سمجھے جاتی تھیں اور یہی دو ان کے شیر تھے جن کے سہارے القادیانی صاحب اپنا زور لٹھ علمی میں پرواز کرتے رہے۔ اور بدقسمتی سے ان دنوں میں حکیم نور الدین صاحب کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ وہی مرزائیت کی طاقت کے بانی و موسس تھے اور مرزا جی تو محض نام کمانے اور کھانے کا علم

رکھتے تھے۔ جب حکیم صاحب پیچھے سے ہلدی کچلتے تو یہ تیلی حرکت میں آ جاتی۔ ایک مرتبہ بابا سلسلہ حکیم نور الدین لاہور تشریف لائے اور کشمیری دروازہ میں مولوی عزم علی چشتی کے مکان میں فروکش ہوئے۔ مولوی عزم علی سے حکیم صاحب کی پرانی ملاقات تھی۔ ایک زمانہ معرفت میں انہوں نے ' ہر مذاہب جموں و کشمیر کی ملازمت میں حکیم نور الدین صاحب کے ساتھ کام کیا تھا' لکھا ہے کہ حکیم نور الدین اور مولوی عزم علی ایک ساتھ جموں سے خارج کیے گئے تھے۔

جب حکیم صاحب لاہور آ کر مولوی عزم علی کے مکان پر فروکش ہوئے تو مولانا اصغر علی صاحب روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور ان کے دیکھنے کے لیے گئے۔ اس وقت مولانا اصغر علی صاحب کا مخزن غائب تھا۔ ان کے جانے سے پیشتر مولوی زین العابدین مدرس علی اسلامیہ ہائی سکول دروازہ شیرانوالہ لاہور' جو مولوی انام رسول مرحوم ساکن قصبہ بیاس ضلع گورداسپور کے اقربا میں سے تھے' حکیم صاحب سے گفتگو کر رہے تھے۔ مولوی زین العابدین اللہ لوک اور حشو نہیں تھے۔ ایک سوال کے جواب میں مولوی زین العابدین نے کہا کہ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ حکیم نور الدین نے کہا کہ ترجیح بلا مرجح تو محل عقلیین کا ایک مسلمہ ہے۔ ترجیح بلا مرجح جائز ہے۔ مولوی زین العابدین نے پوچھا' وہ کیسے؟ حکیم صاحب نے دو روپے جیب سے نکال کر ہاتھ پر رکھے اور مولوی صاحب سے کہا کہ ایک اٹھا لیجئے۔ انہوں نے ایک روپیہ اٹھایا۔ پوچھا اس دوسرے کو کیوں نہیں اٹھایا؟ مولوی زین العابدین سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ مولانا اصغر علی صاحب ایک طرف بیٹھے تھے۔ مولوی زین العابدین سے کہنے لگے' مولوی صاحب! کہہ دیجئے کہ ارادہ ازلی اس کے اٹھانے سے متعلق تھا' دوسرے سے متعلق نہیں تھا۔ یہی وجہ ترجیح ہے۔ حکیم نور الدین نے کہا' جس صاحب پر ٹیک نہیں لگا سکتے یا بیٹھ نہیں سکتے آپ اس کو گفتگو کرنے دیں۔ مولوی زین العابدین' روحی صاحب سے کہنے لگے اچھا آپ آ کر گفتگو فرمائیے۔ اس مجلس میں فقیر جمال الدین مرحوم بھاٹی دروازہ بھی موجود تھے۔ وہ بولے' ہاں مولوی صاحب آپ آئیے اور گفتگو فرمائیے۔ غرض مولانا روحی کو زبردستی ان کے مقابل کر دیا۔

اس سے پیشتر حکیم صاحب سے ہم بارہا سن چکے تھے کہ ہم نے مصر سے منطق کی ایک ایسی کتاب منگوائی ہے جس میں عقلیین کی متعدد غلطیوں کا اور باطل ثابت کی گئی ہیں اور

اس سلسلہ گفتگو میں یہ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ پر بھی ہاتھ صاف کرتے تھے۔ روحی صاحب نے حکیم صاحب سے سوال کیا کہ آپ نے منطق کو باطل کہا ہے۔ کیا ساری منطق باطل ہے یا اس کا کوئی حصہ یا اس کے کوئی خاص قواعد؟ حکیم نور الدین نے کہا کہ یہ تو بعد مشکل ہے کہ منطق کا کتنا حصہ باطل اور کتنا صحیح ہے۔ مولانا اصغر علی نے لبیا کہ اگر یہ نہیں ہو سکتے تو ممکن ہے کہ آپ نشستہ گفتگو میں کسی سوال کے جواب میں کہہ دیں کہ یہ خلاف اصول ہے۔ میں اس کو نہیں مانتا۔ اس لئے جب تک یہ مسئلہ صاف نہ ہو جائے کہ آپ کون کون سے اصول مانتے ہیں اور کون کون سے نہیں مانتے اس وقت تک گفتگو بیکار ہے۔ حکیم صاحب لاجواب سے ہو گئے اور سوچنے لگے۔ ان لوگوں میں مولانا روحی کی رگوں میں بوالی کا خون دوڑ رہا تھا جب دیکھا حکیم صاحب کے منہ پر باطل مہر سکوت لگ گئی تو بول اٹھے کہ آخر کہتے کیا ہیں۔ اس پر آپ نے امام غزالیؒ اور امام رازیؒ پر حملہ کر [illegible] تھا۔ یہی آپ کی استعداد ہے؟ آپ کو تو بال والے لوگوں کے برابر بھی لیاقت نہیں۔

یہ سن کر مولوی عزم علی چشتی اور نثیر جلال الدین کہنے لگے' نہیں مولوی صاحب! جانے دیجئے کیا نہیں ہے۔ چونکہ آج عصر کا وقت قریب تھا یہ لوگ کہنے لگے' اچھا کسی دوسرے موقع پر گفتگو ہوگی۔ مولانا روحی چلے گئے اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی کہ روحی صاحب نے حکیم نور الدین کو پچھاڑ دیا۔ بارہ سال مرتبہ حکیم نور الدین عربی کالج دل میں آکر اقامت گزیں ہوئے۔ صوفی غلام کی الدین وکیل انجمن حمایت اسلام لاہور اور مولوی زین العابدین بکوڈپو روحی صاحب کے مکان پر گئے اور کہا کہ حکیم نور الدین کہتے ہیں۔ آپ مل کر مرزا کے مہدی کے متعلق ان سے گفتگو کیجئے۔ روحی صاحب نے کہا عجب ہے کہ حکیم صاحب گفتگو پر راضی نہیں ہوں گے۔ مولانا روحی نے ان کے کہنے پر حکیم نور الدین کو رقعہ لکھا کہ مرزا کے مہدی باطلہ کے متعلق میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ حکیم صاحب نے جواب میں لکھا کہ چونکہ آپ میرے پیر کی توہین کرتے ہیں' اس لئے میں آپ سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

۔ اس کے بعد شاید ۱۹۰۸ء میں حکیم صاحب لاہور گئے۔ روحی صاحب کے ایک شاگرد نے کہا کہ حکیم نور الدین آئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان سے گفتگو کرنا چاہیں تو میں جا کر

دریافت کریں؟ مولوی صاحب نے کہا ہاں جا کر پوچھو۔ وہ گیا اور قاضی ظہور الدین اکمل مرزائی حواس موضع گوشکی سے جا کر اس خیال کا اظہار کیا۔ قاضی ظہور الدین کہنے لگے" واقعی مولوی امیر علی مناظرہ کرنا چاہتے ہیں؟ شاگرد نے کہا ہاں واقعی چاہتے ہیں۔ قاضی ظہور الدین نے حکیم صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا" ہم کسی مولوی سے گفتگو کرنا نہیں چاہتے" امیر علی ہو یا کوئی اور۔ اس وقت یہ عبدالحق اللہ شدہ نے" ہر کسی سال تک مرزائی تھے مرزا کے خاص حواری ہو کر کتاب ہوئے تھے" مرزا کے رد میں ایک رسالہ چھپوایا تھا اور یہ شہر بھر میں مفت تقسیم کرا رہے تھے۔

باب ۵۹

رسالہ "کرامات الصادقین" میں غلطیاں نکالنے

والے کو انعام کا جھوٹا وعدہ

قاضیوں کے سیالکوٹ صاحب کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب دشمر گڑھی کا یہ فرمانا میں بالکل غلط ہے کہ کمال اتفاق ہے کہ جب تک چھپا ہوا غلط طاعون امام مرزا ہی کی موت میں چند غلطیاں نکالتے رہے مگر نصف صدی کا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ دوسری تحریر تو درکنار مولوی کے جن فقروں کو یہ امام الہدیٰ کی حیثیت سے پیش کیا کرتے تھے" ان میں بھی ایسی ایسی فحش غلطیاں پائی جاتی ہیں کہ مولوی صاحب دنیا کے لیے بھی ان کے اعادہ سے ذلت کا سامان موجود ہے۔ مثال کے طور پر رسالہ "کرامات الصادقین" کی ایک غلطی پیش کی جاتی ہے۔ مرزا جی نے اس میں پیشگوئی بمکرام کی موت کا جو الہام شائع کیا اس کے لفظ [illegible] یہ تھے۔ فیتوفی فی سنۃ قبل ست سنۃ (خدا تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہوگا) لیکن علم نحو کا سبق سے پہلا رسالہ "میر" پڑھنے والا طالب علم بھی جانتا ہے کہ ست ست کی جگہ ست ستین چاہیے تھا۔ کیونکہ عربی نحو کے رو سے جب اسم عدد ذکر کیا جائے تو تین سے لے کر دس تک کے عدد کی تمیز جمع مجرور ہوا کرتی ہے۔

مولوی محمد حسین مرحوم بٹالوی شاید سب سے پہلے عالم تھے جنہوں نے مرزا جی کی جلی تحریروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ انہوں نے سب سے پہلے مرزا جی کی کتاب "براہین احمدیہ" کا مطالعہ کیا اور اس میں چھیاسٹھ غلطیاں نکال کر شائع کیں۔ نقادِ اعظم مرزا جی اس اصلاح پر سخت توزنہ ہوئے البتہ حسب عادت گالیاں دے کر کھیسہ خطا کر لیا۔ ہر صاحب اس فہرست اغلاط کے دیکھنے کے متعلق ہیں تو مولوی صاحب کے رسالہ اشاعۃ السنہ (جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۸) کی طرف رجوع فرمائیں۔ مرزا جی نے رسالہ "مکالمات الصادقین" جو اگست ۱۸۸۸ء کو شائع کیا تھا اس میں بڑی فیاضی کی تھی اور ناظرین کے لیے غلطیاں نکالنے پر فی غلطی پانچ روپیہ انعام دینے کا اعلان کیا تھا لیکن ۱۸۹ صفحات کے پلندے سے رسالہ میں غلطیوں کی اتنی بھرمار ہے کہ ان کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود صاحب کے علم و فہم پر ترحم ہوتا ہے۔ اس رسالہ میں بمشکل کوئی صفحہ مہمل نکلے گا جس میں دس پندرہ غلطیاں نہ پائی جائیں۔

مولانا بٹالوی، جنہوں نے قادیانی کی کتاب "براہین احمدیہ" کی ۶۶ غلطیاں نکالی تھیں، وہ ایک بڑے فاضل تھے اور قادیانی کی تحریروں میں بیسیوں بڑھ کر غلطیاں نکال سکتے تھے لیکن بخل غیر طاری بھی اس فرض کی ادائیگی میں حائل رہا۔ چنانچہ جب انہی صاحب نے "مکالمات الصادقین" کی غلطیاں نکالنے پر فی غلطی پانچ روپیہ دینے کا اعلان کیا تو پیر امیر الدین کلرک عدالت اگم لکھی سیالکوٹ جنہوں نے صرف ایف۔ اے پاس کی جلی تعلیم حاصل کی تھی اس خدمت پر کمربستہ ہوئے اور رسالہ کے چند ابتدائی صفحات کا سرسری مطالعہ کر کے بہت سی غلطیاں نوٹ کیں اور قادیانی صاحب کو چٹھی لکھ کر پچیس روپیہ انعام کا مطالبہ کیا لیکن مرزا جی نے اپنے وعدہ کا ایفاء نہ کیا اور ایسی چپ سادھ لی کہ گویا اس قسم کا کوئی اعلان ہی نہیں کیا تھا۔ (اہل حدیث امرتسر ۵ اگست ۱۸۸۸ء)۔ پیر امیر الدین نے وہ غلطیاں اخبار "نور افشاں" لودھیانہ مورخہ ۱۵ اگست ۱۸۸۸ء میں شائع کرا دیں۔ اس پر قادیانی صاحب اور ان کے چیلوں کو بہت غلیظ ہونا پڑا۔ (اشاعۃ السنہ، جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۵)

اسی طرح مولوی عبدالعزیز صاحب پروفیسر عربی کالج پشاور نے بڑے تعلق سے "مکالمات الصادقین" کی غلطیاں نکالیں مگر موصوف صاحب نے ان کو بھی انعام سے محروم

رکھنا ہو حضرت ابن عباسؓ اور ان کی صحیح کے دیکھنے کے شائق ہوں" یہ جملہ مسلم مسند" امر تسر مورخہ ۲۸ جولائی اور ۱۸ جولائی ۱۹۰۰ء کا مطالعہ فرمائیں۔

باب ۲۰

محمدی بیگم کا پیچھا چھوڑانے کے لیے
ملا محمد بخش کی ایک مزید از ترکیب

کسی کی منکوحہ پر نظر رکھنا اور اس سے شادی کرنے کے منصوبے سوچنا شرافت سے بعید ہے۔ جب تک محمدی بیگم اسلام لا کر اسلامی قانون کے تحت نہ آ جاتی تھی۔ اس وقت تک مرزا اس کا حق پہنچتا تھا کہ اس کو رشتہ تبدیل میں لانے کے لیے کوشش کرتا لیکن جب یہ پاک دامن خاتون کسی شریف کی زوجیت کے لیے عدت گزار چکی تو یہ کسی کے لیے شرعاً جائز نہ تھا کہ پرائی عورت پر نظر رکھتا اور اس سے عقد کرنے کے ارمان کرتا۔ لیکن قادیانی صاحب نے اس فریب کو بچپنا نہ چھوڑا اور شادی ہو جانے کے بعد بھی وہ اگلے دس سال تک اپنے اس منصوبہ خبیث کی تاک لگائے رہے۔ اگر اہل الرائے مسلمانوں کی رگ حمیت جہاد میں تھی اور وہ ایسی تدبیریں سوچنے لگے کہ جن سے اس بے چاری کو قادیانی ہوس رانیوں اور شیطنت کو شیوں سے نجات دلا سکیں۔

ان ایام میں لاہور سے ایک ہفت روزہ اخبار "مخبر" نکلا کرتا تھا جس کے مالک و ایڈیٹر ملا محمد بخش تھے۔ ملا صاحب نے ایک ذہبی جذبہ تدبیر کا تحت جس نے صبح صاحب کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے مذاق سے بچنے عشق کے سارے کیڑے نکال دیئے۔ ملا جی نے اپنے اخبار میں اعلان کیا کہ میں حضرت مریم بیگم صاحبہ سے جو قادیانی صاحب کی بیوی ہیں" شادی کروں گا اور اس اعلان کی تائید میں ایک لمبا چوڑا خواب بھی گھڑ مارا جس سے یہ صریح ہوتا تھا کہ واقعی ملا صاحب سے اپنے کلام امر قادیانی کی شادی ہوئی ہے۔ (شائع الحق) جب یہ چیلنج کھلے اخبار مخبر جی میں شائع ہوئی تو قادیان کے

برخوردار مسیحا صاحب بابا الف نے اور اپنی کتاب خند گوفتہ میں لکھا ہے جیسا کہ شیر خاکین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں پر بہتان لگایا۔ اسی طرح بھی بیوی کی نسبت شیخ محمد حسین یزدی اور اس کے دیگر مصاحب جعفر زنگی نے محض شرارت سے گندی خرافیں بک کر سراسر بے حیائی کی راہ سے شیخ کیں اور بھی دشمنی سے اس جگہ دہ لفظ اور لوب بھی نہ رہا جو اہل بیت کمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک دامن خواتین سے رکھنا چاہیے۔ مولوی کھلانا اور یہ بے حیائی کی حرکت "الیوں بزار الیوں۔ (خند گوفتہ' طبع سوم' صفحہ ۲۰۰ ج)

لیکن ظاہر ہے کہ اگر کسی شادی شدہ شریف خاتون سے طلاق کی خواہش کرنا اور شادی کے بعد بھی دس سال تک برابر پیچھا جھاڑ کر پیچھے پڑے رہنا مناسب توہین نہیں ہے' تو پھر قاضی صاحب کی بیوی میں کون سا مرتکب کا پہلو تھا کہ اس سے شادی کرنے میں اس کی توہین متصور تھی۔ اور اگر اہل بیت کی پاک دامن خاتون سے خود قاضی صاحب کا شادی کرنا خلاف ادب و لحاظ نہیں تھا تو پھر حضرت کی کے عقد طلاق سے بھی سو ادب اور لحاظ کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا تھا۔ لیکن یہ کہ حضرت نظام صاحب بیچ و حسب سیدانی ہوں۔ لیکن اگر ایسا ہے' تو بھی وہ قاضی خلم سے شادی کرکے شرف سیادت سے محروم ہو چکی تھیں۔

ہر فرع بدوں پہ نشست قادرین بوالفل گم شد

پس ظاہر ہے کہ حضرت نظام صاحب کی عزت و توقیر کسی لحاظ سے قاضی سعد کے برابر بھی نہیں ہو سکتی پھر چہ جائیکہ وہ محترمہ بھی نظام کی برابری کر سکیں۔

داستان محبت کا اختتام

الغرض قاضی کا تیر تیکھے نشانہ پر لگا اور مرزا جی کی داستان عشق پورے سولہ سال کے بعد ختم ہو گئی۔ قاضی کے سامنے نمونہ اظہار کا فوری اثر یہ ظاہر ہوا کہ اس "مغزشتہ" کی آمد و رفت بھی یک قلم موقوف ہو گئی جو ۱۹۰۰ء سے لے کر ۱۹۱۶ء تک یعنی سولہ سال سے مسلسل الہامی صاحب کے پاس یہ پیغام لا رہا تھا کہ محمدی نظام سے تمہارا آپس پر نکاح ہو چکا ہے اور عنقریب اسے اپنے ہمراہ تبت پر دیکھو گے۔ میرا خیال ہے کہ "مغزشتہ" نے اس کے بعد موعود صاحب کو اپنے جیتے جی پھر کبھی منہ نہ دکھایا ہوگا اور اس ذات شریف کو

گلے سے لگا لیتے اور تبلیغ کیا کرتے "کیوں بے گیدی کی دم! تو نے سولہ سال تک آسمانی دھمکیوں کے میزائل داغ داغ کر مجھے رسوائے خلائق کیا؟" بہرحال اس کے بعد الہامی صاحب نے کبھی بھول کر بھی یہ نہ کہا کہ میری تعلیم یہی ہے یا میں اس کا مبلغ ہوں۔

یاس و قنوط کے بعد مرزائی تخن طرازیاں

الغرض قومی تعلیم کے حلقہ کی تشکیل آسمان پر اور تعمیر زمین پر ہو چکی تھی اور اسے صحیح موعود صاحب نے اپنے صدق و کذب کی کسوٹی قرار دیا تھا اور جس کی دھن میں خلد بریاں ہوئی۔ بنے طیبہ ہوئے" ہو کر اقبال ڈالی گئی۔ رشتہ داریوں سے بگاڑ ہوا' کچہری میں نقل پڑی۔ سولہا سال تک قسمت و رسوائی کی سیاہ چادر اوڑھی پڑی' کسی طرح پوری نہ ہو سکی۔ آخر یاس و قنوط نے دل و دماغ پر پوری طرح قبضہ جما لیا تو موعود صاحب انبار خجلت پر صبر کا پتھر رکھ کر بیٹھ گئے اور بالکل چپ سادھ لی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ آسمانی نکاح پر اعتراض کرنے والے اعتراف شکست نہیں لکھ دیتے تھے۔ اس لیے موعود صاحب کو ناحق کچ حوصلہ سے لگنے اور اپنی طرف سے کچھ معقول پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ الہامی صاحب کے مقلد واقع نے بہت ہی کد کاوش کے بعد ان اعتراضوں کے دو جواب اختراع کیے۔

نکاح آسمانی کے اعتراض کا پہلا جواب

موعود صاحب نے ایک جواب تو ان لفظوں میں پیش کیا۔ "کیا یونس کی قوم کوئی نکاح پڑھنے سے کم تھی جس میں لکھا گیا تھا کہ آسمان پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ چالیس دن تک اس قوم پر عذاب نازل ہوگا مگر عذاب نازل نہ ہوا"۔ (ختم نبوت الہامی' صفحہ ۳۳)

الہامی صاحب کے اس استدلال کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب ٹل گیا' اسی طرح محمدی بیگم کی شادی کی کامیابی بھی متوقع ہو گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی آیت یا حدیث صحیح میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے خدا سے دعا کر کے عذاب کی کوئی پیش گوئی کی تھی یا چالیس دن کی کوئی میعاد مقرر فرمائی تھی۔ یا اس

مذاب کو قوم کے سامنے اپنے حق و باطل کا معیار ٹھہرایا تھا۔ یا یہ کہا تھا کہ یہ خدا کا وعدہ ہے جس میں تخلف ممکن نہیں۔ ہاں آپ نے اپنی قوم کے سامنے ایک عام آسمانی قانون اور عدالتی ضابطہ ہونے کے تمام مذہبی اپنی اپنی خود پشت قوموں کے سامنے ظاہر کرتے رہے ہیں' پیش فرمایا تھا اور یہ کہا تھا کہ اگر شعیب کذوب مرتکب سے باز نہ آئے تو قوم پر غضب الٰہی نازل ہوگا۔ یہ ارشاد کسی مقدس و پیشین گوئی کو مستلزم نہیں تھا۔ پس اگر کسی غیر متقلا مفسر نے اپنی تفسیر میں اس کی نسبت کوئی اسرائیلیات نقل کر لئے ہوں تو وہ کسی طرح حجت اور درخور التفات نہیں۔

دوسرا جواب

الہامی صاحب نے فاتح آسمانی کے اعتراضوں کا دوسرا جواب یہ دیا۔ "یہ امر کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت کا فاتح آسمان پر میرے ساتھ چڑھا گیا ہے' یہ درست ہے مگر ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس فاتح کے ظہور کے لیے وہ آسمان پر چڑھا گیا خدا کی طرف سے ایک شرط لگی تھی اور وہ یہ کہ فیھا المراۃ ان ھی قالت الملاء علی علیک زائے عورت تو تو کر کیونکہ یا تجھے چاہتے ہے) پس جب ان لوگوں نے شرط کو پورا کر دیا تو فاتح فتح ہو گیا یا ظہور میں آ گیا۔ (مکتوب شیخ محمدی' مندرجہ حوالہ اخبار' صفحہ ۳۳)

لیکن مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ محمدی بیگم کے فاتح کی بابت کوئی شرط تھی' الف دروغ کی کذب بیانی اور دروغ بافی ہے۔ انہوں نے شادی کی ابتدائی پیش گوئیاں ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء' ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء اور ۲ مئی ۱۸۸۸ء کے اشتہارات میں شائع کی تھیں' جو کتاب تبلیغ رسالت یعنی مجموعہ اشتہارات قادیانی صاحب میں علی الترتیب جلد اول کے صفحہ ۷ اور صفحہ ۱۱۱ اور جلد دوم کے صفحہ ۱۰ پر درج ہیں۔ ان پیش گوئیوں میں اس قسم کی کوئی شرط مذکور نہیں اور اگر کوئی شرط تھی تو صرف فاتح کی شرط تھی۔ یعنی اگر قادیانی صاحب سے فاتح نہ ہوا تو محمدی بیگم کے خاوند پر جان نہ جائے گی۔ لڑکی کا شوہر اسماعیل سال میں اور لڑکی کا باپ تین سال میں انتقال کر جائیں گے۔ (دیکھو تبلیغ رسالت' جلد اول' صفحہ ۱۲۱) مگر یہ شرط پوری نہ کی گئی یعنی محمدی بیگم قادیانی صاحب کو تفویض نہ کی گئی۔ پس اس شرط کے فقدان پر مشروط کے وقوع پذیر ہونے یعنی محمدی بیگم کے خاوند کی جان جانے کے بجائے

خود فاتح ہی کو مسیح قرار دینا سخت مشکر نیز اور ابلہ فریب مخلق ہے۔ علاوہ ازیں کھلانی صاحب کے الہامی خدا نے تو ان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ فاتح کی راہ میں جس قدر رکاوٹیں ہیں وہ سب کو اٹھا دے گا۔ پس اگر فرض کر لیا جائے کہ فاتح کے لئے واقعی یہ شرط بھی تھی۔ "اے عورت تو پہ کر کہ تیرے کہ یا تجربہ پیچھے ہے"۔ تو اس روک کا مرتفع کرنا بھی حسب وعدہ الہام ضروری تھا اور جب مرتفع نہ ہوا تو پیشین گوئی کا بطلان ثابت ہو گیا۔

باب ۱۴

بالاقبال فرزند کے قدوم کی دوبارہ پیشین گوئی

اور رسوائیوں کا مکرر ہجوم

الہامی صاحب کئی سال کا بھولا ہوا سبق پھر رٹتے ہیں

"رئیس قادیان" جلد اول کے چھبیسویں باب میں کھلانی صاحب کے اقبال مند الہامی فرزند (منوائیل یا بشیر) کا تولد سپرد قلم ہو چکا ہے۔ مرزا جی نے ۲۰ مئی ۱۸۸۷ء کو اس کے تولد کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اگر جب اس پیشین گوئی میں بڑی طرح مدت کی کھلی اور بہت مدت تک بدنامی اور استہزاء خلق کے حصار میں گھرے رہے تو عہد کر لیا کہ آئندہ منوائیل کا خیال دل و دماغ سے کوسوں دور رکھیں گے۔ چنانچہ اس قرار داد کے بموجب بے چارے بہت تک بھول کر بھی منوائیل یا بشیر موعود کا تولد زبان پر نہیں لاتے تھے۔ گو اس مدت میں دو دفعہ کر خیال آیا تھا کہ اقبال مند صاحبزادہ کی بشارت کیوں پوری نہ ہوئی تاہم حضرت "مسیح موعود" صاحب اس رنجیدہ داستان کو کلیتہً بھول چکے تھے لیکن حضرت یحییٰ نیچی اور اس فاضل کے دوسرے ارواح کو بھلا کیوں گوارا تھا کہ اپنے ایک علم کو ہوا میں اپنے ہاتھ کا کھلونا اور سادہ لوح سے مذاق دل لگی کا تختہ مشق بنا ہوا دیکھتے رہتے۔ اس بنا پر علم صاحب پر یحییٰ نیچی صاحب نے پھر نزول فرمایا اور باقی چھ سال کا بھولا ہوا سبق پھر رٹنا شروع کر دیا۔

لیکن تعجب ہے کہ اس مرتبہ الہامی صاحب نے نذر کیا ہوگا کہ صحیح بچی بچائی خدا کے لیے اب اس قصہ کو بھانے دیں۔ پہلے بھی شیخ صاحب و رسولی میں کچھ کمی نہیں رہی لیکن بچی بچائی نے نہیں کما کر تعجب ■ ہوگا کہ مولانا صاحب! آپ گھبرائیے نہیں۔ اب کی مرتبہ ضرور آپ کے منگوے سلمی میں ایک عدد اقبال مند فرزند خلد ہوگا۔ آپ بے تامل دھڑلے سے اس کا دوبارہ اعلان فرما دیجئے"۔ پر چند کہ الہامی صاحب کو بچی بچی کے الہاموں اور اس کے دعووں کا پوری طرح تجربہ ہو چکا تھا تاہم انہوں نے "آزمودہ را آزمودن جہل است" کے ذریعہ خلد کا صدق ثابت کر کے یقین کر لیا ہوگا کہ اس مرتبہ یہ بالکل سچا الہام لے کر گیا ہے۔ بہرحال اس نے الہامی صاحب کے سامنے سلمہ سال کے بعد الہام یا اقبال و بشکل فرزند کا لفظ بچشم خود یقین فرمایا کہ ۱۹۱۸ء کے الہام کی عبارت اردو زبان میں تھی۔ ۱۹۱۹ء کا الہام کسی قدر لفظاً لفظاً کل کے ساتھ عربی میں نازل ہوا تھا۔ فاکسار راقم الحروف الہامی صاحب کے اس چوتھے الہام کو ابتدا کا لہاں پہنا کر قارئین کرام کے سامنے پیش کرتا ہے۔

قادیان کے خالق خدا کا شاعرانہ سراپا

قادیان کے خالق خدا نے اپنی سلمہ سراپا کہانی سے کام لیتے ہوئے خنوائیل کی مدح و ثنا میں زمین و آسمان کے ہر خطے کا "خدا ان کی بہار دکھائی ہے۔ الہامی صاحب لکھتے ہیں۔ "حق سبحانہ نے مجھے بشارت دی اور فرمایا کہ میں نے تیری تضرعات اور دعاؤں کو سنا۔ تو نے جو کچھ مجھ سے مانگا ہے وہ تجھے عطا کروں گا اور تو خوش یقینوں میں سے ہے اور تجھے کیا معلوم کہ میں تجھے کیا کچھ عطا کرنے ■ والا ہوں۔ رحمت' فضل' قربت' فتح اور نصرت کا نشان میں تجھ پر ساتھی ہوں' تو نصرت یاب ہے۔ ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام "خنوائیل اور شبیر" ہوگا۔ خوش خلق' بالکل اور میرے نطفوں میں سے ہوگا۔ وہ آسمان سے آتا ہے' اس کے نزول کے ساتھ فضل خدا نازل ہوگا۔ وہ نور ہے نور مبارک ہے اور طیب اور پاک صاف ہے' اس سے برکتیں ظاہر ہوں گی۔ خلق خدا کو پاک اور طیب چیزیں کھلائے گا۔ دین کی عون و نصرت کرے گا۔ اسے ترقی و عروج نصیب ہوگا۔ یا اقبال اور سرباند ہوگا۔ ہر رکاوٹ دور کرے گا۔ اس کے قدموں سے شفا ہوگی۔ وہ میرے

نشانوں میں سے ایک نشان اور میری پیشگوئیات میں سے ایک علامت ہے اگر تمہیں کذب کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ میرا خلق میں تجربے ساتھ ہے۔ اس کے قدم سے حق ظہور فرما ہوگا۔ اس کے کلمہ سے باطل معدوم ہوگا۔ وہ میری قدرت کی چلی کرے گا۔ میری حکمت کو عالم آشکار کرے گا۔ دین کو پرتری بخشے گا۔ برایوں کو روشن کرے گا۔ طالبان حیات کو نورانی اور ابدی موت کے پیالوں سے تجلیات دے گا۔ قبل نور کو قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔ اگر ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کا انکار کرتے ہلکے اور بخارسوں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ تجھے ایک دین لڑکا تجھی اپنی نسل سے ہوا جائے گا۔ یہ علامت معجزہ نشانوں میں سے ہوگی۔ وہ ایک معجزہ سمان ہے جو ہماری طرف سے تجھ پاس آتا ہے۔ وہ ہر قسم کی گندگی' میل کچیل' شرارت' عیب اور عار سے پاک ہے۔ وہ طیب لوگوں میں سے ہے۔ وہ کلمۃ اللہ' بزرگ کلمات سے پیدا شدہ اور قیم' ابدی اور تسلی ہے۔ اس کا کلب علم سے' باطن علم سے اور بعد آسمانی وحیہ سے معمور ہوگا۔ اس کو تسکین نفس عطا کیا جائے گا۔ وہ روح الامین سے برکت دیا جائے گا۔ وہ قلب کا نور ہے۔ اے وہ قلب کے نور تجھے مبارک ہو کہ تجھ میں مبارک روحیں آئی ہیں۔ فرزند دلبند' گرامی' ارجمند' مبارک نسل و آلہ و حق و عناد کا مظہر گویا خود خدا آسمان سے اتر آیا۔ اس کے ظہور سے رب العالمین کا جلال ظاہر ہوگا۔ تجھے پاس ایک نور آتا ہے جو مظہر رحمان سے تسریع ہے۔ فضل کے ساتھ تجھے کرتا ہے' قوموں کو تجھ سے برکت دیئے گا۔ امیروں کی رشکاری کا باعث ہوگا۔ نشان اللہ کو پورا کرے گا۔ اس کے نام کو اور برہان کو ظاہر کرے گا۔ اس کے ذکر اور تحریری کی زمین کے کناروں تک شہرت ہوگی۔ وہ امام عام ہے۔ اس سے قومیں برکت پائیں گی۔ اس کے ساتھ خدا ہوگی۔ اس کی بدولت غیروں کا نام و نشان نہ رہے گا۔ فضل خدا اس سے شروع ہوگا۔ اس کا لشکر فتح کی جلوی سے ہوگا گویا کہ یہ متعین ہے۔ گویا یہ قضی مقضہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا جو اس کا مقام ہے اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے۔ اس کو کلمہ علیؑ نے مقدر کیا ہے۔ میں بارکت ہے وہ خدا جو مقدر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ (انجیل کلمات' مولف مرزا غلام احمد' مطبع ریاض ہند امرتسر' طبع اول' صفحہ ۱۰۵۔۱۰۶' یہ کتاب صفحہ ۲۵۶ سے شروع ہوتی ہے)

الہامی صاحب کی طرف سے ذلت و رسوائی کو دعوت

لیکن افسوس کے ساتھ موجد صاحب کو اس مرتبہ بھی اپنی پیشین گوئی میں سخت ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور کوئی ایسا خزانہ برآمد نہ کر سکے جو ان کے بیان کردہ صفات کا حامل ہوتا۔ خزائن الہامی صاحب کے بزعم خود غیبی خزانوں میں سے ایک خزانہ تھا جو غیبی روشنی کی عمر طبعی ختم کر کے تقریباً انیس سال کے بعد مبارک احمد کے ساتھ کیچ لے میں مستور ہو گیا۔ قادیانی صاحب نے فی الحقیقت اس پیشین گوئی کے ذریعہ سے کوئے گمراہی سے نکل کر اپنا نام پہلے عالم میں چھپا لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کا نام تک بھی نہ تو دنیا کے سامنے بدنام ہو کر شہرت کا حامل ہو سکتے۔ ع

بدنام اگر ہوں گے (کیا نام نہ ہوگا؟)

الہامی صاحب کا ذہن بلاغ بروقت الہام و پیشین گوئی کے ناکام ہونے کا کفارہ ادا کرتا رہتا تھا لیکن وہ یہ بات نہیں سمجھتے تھے کہ سچے الہام اور سچی پیشین گوئی کے لیے اسلامی اصطلاح پر ایمان' متقی صادق اور سچے صلحاء کا اتفاق' زہد و تقویٰ اور ذکر و دعا لازمی شرائط ہیں۔ اور ان میں سے ایک صفت بھی ایسی نہ تھی جو الہامی صاحب میں پائی جاتی ہو۔ اگر وہ سچے صلحاء اور اہل اللہ کے سچے پیرو ہوتے تو تائید الٰہی ان کی ہر وقت پشتیبان اور کارساز ہوتی' ایسی حالت میں بھی ممکن نہ تھا کہ وہ اس طرح پیشین گوئی کر کے ذلیل و رسوا ہوتے۔ بلکہ لوگوں کی تو یہ شان ہے کہ اگر کبھی کوئی قسم کھا لیتے ہیں تو خدائے قادر و قیوم ضرور پوری کرتا اور اپنے نیک بندوں کو سرخرو کرتا ہے۔ حضرت سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ (صحیح مسلم) بہت سے پراگندہ بالوں والے' غبار آلود جنہیں لوگ اپنے دروازوں تک سے دھکیل دیں' اگر وہ اللہ کی کوئی قسم کھا لیں تو رب العالمین ان کی قسم سچی کر دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ آج کل مرزائیوں نے تمام عقلی و نقلی سے منہ موڑ کر مرزا محمود احمد کو خزائن موجود تجویز کر لیا ہے لیکن میں بلد اول کے پچیسویں باب میں بدلائل لکھ چکا ہوں کہ خلیفہ صاحب کسی طرح کھلی موجود نہیں ہو سکتے۔

منشی ظہیر الدین اروپی کا انکشاف خیال

قادری مرزائیوں کی شاخ ۱۹۳۰ء انجمن اشاعت اسلام لاہور" کے زیر اہتمام حکیم محمد حسین عرف قریشی کی ادارت میں "المدی" نام ایک ماہوار رسالہ عرم ۱۳۴۳ھ سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس رسالہ کے پہلے نمبر میں منشی ظہیر الدین اروپی کا ایک مراسلہ سوال مصلح موعود کے موضوع پر شائع ہوا تھا۔ یہ مراسلہ اور مرہم صاحب کے ریمارک قابل غور ہیں۔ یہاں قارئین کرام کے تفنن طبع کے لیے درج کیا جاتا ہے۔ مرہم صاحب نے کہا کہ ۱۹۳۰ء جماعت میں کچ کل ہو چکا مصلح موعود کا ہو چکا ہے اور کثرت سے ایسے اسباب ہیں جو حضرت صاحبزادہ (یہاں محمود احمد) صاحب کے حق اکثریت میں فصل اس لیے شاید ہیں کہ شاید حضرت صاحبزادہ صاحب "مصلح موعود" ہی نکل آئیں' اس لیے میں نے صاحب سمجھا کہ منشی ظہیر الدین صاحب کا ایک خط جو دراصل مصلح موعود ہے اور میرے نام ہے درج کر دیا جائے۔ ہماری جماعت میں سوائی عبدالحق صاحب بھاگلپوری اور قاضی یار محمد صاحب قریشی اور ماسٹر محمد سعید صاحب امرتسری کی سوا سے یوسف موعود اور پسر موعود کے دعوے کر رہے ہیں۔ گو صاحبزادہ صاحب نے ابھی تک مصلح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن پھر بھی حضرت صاحبزادہ صاحب کے متعلق فصل اس لیے کہ یہ حضرت مسیح موعود کے بلد جسمانی بھی ہیں' جماعت کے لوگوں کا خیال ہے کہ شاید یہی مصلح موعود ہوں۔ جس قدر رسالہ جات حضرت صاحبزادہ صاحب کو مصلح موعود ہونے کی تبلیغ میں شائع ہو چکے ہیں' یہ فصل خوشدلانہ رنگ میں سوائی ہی پر اظہار کا حقیقی مصداق ہیں"۔ (رسالہ المدی' نمبر اول' صفحہ ۱۰)

منشی ظہیر الدین کے مراسلہ کا ضروری حاصل یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اس الہامی عبارت سے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہے۔ ایک ہی لڑکا سمجھا اور غیر فصل کو یہ پسر موعود قرار دیا لیکن بعد میں جب غیر فصل فوت ہو گیا تو ظاہر کیا گیا کہ خدا نے بتا دیا تھا کہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں دو سعید لڑکوں کی پیشین گوئی ہے۔ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اس اشتہار کی تقسیم ایسے طور پر ہوتی رہی جس سے اور بھی غلط بنے گیا۔ ایک طرف تو سہارک یہ ہر آسمان سے آتا ہے"۔ اس عبارت کو غیر فصل پر چسپاں کر لیا گیا

اور پھر اسی نقطہ مبارک کی بنا پر مبارک احمد کو ۲۷ فروری ۱۹۰۷ء والا چوتھا فوتگی قرار دیا اور دوسری طرف شیر فیل کے فوت ہونے پر جب دوسرے شیر اور فضل عمر چیخنے والے لڑکے کی بشارت ملی۔ تو پھر نقطہ فضل کو استثناء ۲۷ فروری ۱۹۰۷ء میں دیکھ کر فضل عمر (مرزا محمود احمد) کو اس دوسرے شیر کا نام دے لیا اور لفظ "میں" سے عبارت کا آغاز کر لیا گیا۔ حالانکہ اس اعتبار سے کبھی عبارت شروع نہیں ہو سکتی۔ پھر غور کرو کہ بیچ کوئی میں تو لکھا ہے کہ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا" یہ نہیں لکھا کہ وہ اولوالعزم کے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ یہ سوں پر کفر کا فتویٰ لگانے ۲۷ فروری ۱۹۰۷ء کا پیر موعود بننے کے لئے اپنے سابق اظہار الفضل لکھا" اپنے سابق فضل اظہار کی عبارت بنا لیا اور اسی عبارت میں اپنی ایک تحریف کر دی لیا" اپنی کتوری پر بھی حاشیہ چڑھا" اس طرح یہ تمام کے تمام اکاذیب بھگتی سے بنے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں بعد استثناء اور اضافہ ہے۔ میں [illegible] ہوں کہ قدرت ثانی والی پیر موعود ہوگا جس کے ذریعہ سے مسیحا موعود کی تائیدیں کو خدا درست کر دے گا اور صلح پیدا دے گا۔ اگرچہ مجھے الہام ہوا تھا اور خدا نے مجھے یوسف قرار دیا تھا لیکن [illegible] (نعمتی الفضل) کا بھی ہونا ہے۔ فیضان بھی دکھلانا ہے۔ (کلمہ تفسیر حقیقی) (رسالہ النذیر) صفحہ ۱۰۰ صفحہ ۱۰۰)

باب ۳

مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ

باب ۲ میں لکھا جا چکا ہے کہ مولوی عبدالحق غزنوی امرتسری بڑی مدت سے قادیانی صاحب کو مباہلہ کا چیلنج دے رہے تھے۔ قادیانی صاحب نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کے جس اشتہار میں حافظ محمد یوسف صاحب اور مولوی عبدالحق غزنوی کے مباہلہ کا ذکر کیا۔ اس میں بہت سے غلط بیانیوں سے کام لیا تھا۔ اس اشتہار کے جواب میں مولوی عبدالحق مرحوم نے ۱۷ اپریل ۱۹۰۷ء مطابق ۴ ربیع ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں قادیانی صاحب سے خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ اب میں بذریعہ اشتہار پھر تجھ کو خود تم کو مطلع کرتا ہوں اور

ساری دنیا کو اس کا گواہ ٹھہراتا ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ مباہلہ کرنے سے مجھ پر کچھ لعنت کا اثر ایسی مقدار کے ساتھ ظاہر ہو' جس میں کسی کو شک و شبہ نہ رہے تو میں تمہاری تکفیر سے تائب ہو جاؤں گا۔ اب اپنے اشتہار کے بموجب مباہلہ کے لیے امرتسر آ جاؤ۔ مباہلہ اس بات پر ہوگا کہ تم اور تمہارے سب ہم خیال کذاب ملعون اور لعنۃ اللہ علیہ ہیں۔ مباہلہ عیدگاہ کے میدان میں ہوگا۔ تاریخ وہ تم مقرر کرو' جو مجھے منظور ہے۔ اگر تم اپنے اعلان کے بموجب میرے ساتھ مباہلہ کرنے کے لیے امرتسر آئے تو پھر دوسرے علماء سے مباہلہ کی درخواست کرنا پرلے درجہ کی بے شرمی اور بے حیائی متصور ہوگی۔

گرا دیں ہار بار ہم بیس کر سے ۔۔۔ بڑھے شد قریب دب اکبرے

(المشتہر عبدالحق غزنوی از امرتسر ۲۰ شوال ۱۳۱۵ھ) (تبلیغ رسالت' ج ۳ ص ۱۵۲)

قادیانی صاحب مؤرخہ ۱۵ نومبر ۱۸۹۸ء کو اعظم کے حاشیہ سے (جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی) فارغ ہوئے تھے۔ انہی صاحب نے اسی دن مولوی عبدالحق کے اعلان کا جواب شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ عبدالحق غزنوی کا اشتہار مباہلہ میری نظر سے گزرا۔ اس لیے یہ اشتہار شائع کیا جاتا ہے کہ مجھ کو اس شخص سے مباہلہ کرنا ایک کذاب سے ہر حاضر یا موادی کرنا ہے' مباہلہ منظور ہے۔ میں تیسری یا چوتھی ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ تک امرتسر پہنچ جاؤں گا۔ تاریخ مباہلہ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ (مطابق ۱۰ مارچ ۱۸۹۸ء) قرار پائی ہے' جس سے کسی صورت میں تخلف لازم نہیں ہوگا اور تمام مباہلہ عیدگاہ کے قریب سید خان بہادر محمد شاہ مرحوم ہے' قرار پایا ہے۔ ہم ۱۰ بار مباہلہ کرنا نہیں چاہتے۔ اسی تمام کذابین کا فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ اب جو شخص گریز کرے گا اور تاریخ مقررہ پر حاضر نہیں ہوگا آئندہ اس کا کوئی حق نہیں رہے گا کہ پھر کبھی مباہلہ کی درخواست کرے اور پھر ترک حیا میں داخل ہوگا کہ مکابرانہ کاذب کہتا رہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مباہلہ سے پہلے ہمارا حق ہوگا کہ ہم کذابین کے سامنے جلسہ عام میں اپنے اسلام کے واقعات بیان کریں۔ (المشتہر مرزا غلام احمد' ۲۰ شوال ۱۳۱۵ھ) (رسالہ مباہلہ کا اشتہار مرتبہ مرزا غلام احمد' ص ۹)

مولوی عبدالحق صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ مجھے آپ سے مباہلہ کرنا بدل و جان منظور ہے لیکن میری خواہش ہے کہ مباہلہ ۱۵ نومبر ۱۸۹۸ء کے بعد ہو کیونکہ ۱۵ نومبر کو آپ اعظم سے حاشیہ کر رہے ہوں گے۔ ممکن مباہلہ سے پہلے آپ کا کچھ منشا

ہرگز مقدور نہیں کیونکہ جب آپ اپنی طرف سے مباہلہ نہ ہونے کا اعلان کریں گے تو ہمیں بھی آپ کی تردید کرنی پڑے گی۔ ایسی حالت میں یہ مباہلہ نہ ہوا؟ مباہلہ ہو گیا اور مخالفوں کے جھگڑے تو ختم ہونے والے نہیں۔ مقام مباہلہ میں صرف فریقین دعا کریں گے۔ دعا یہ ہوگی کہ اللہ دشمن جھوٹے پر لعنت کرے۔ اس کا جواب بہ سے ساتھی رقعہ ہذا بھیج دیجئے۔ (عبدالحق غزنوی، الفضل ۱۹۳۵ء)

اس کے جواب میں ثناءاللہ صاحب نے لکھا۔ یہاں عبدالحق غزنوی کو واضح ہو کہ اب حسب درخواست آپ کے جس میں آپ نے بڑے فخریہ طور پر کافر اور دجال لکھا ہے۔ مباہلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے لہذا اس تحریر میں کسی کی بھی دو ہی قسمیں تھیں۔ ایک بھائیوں سے مباہلہ اور دوسرے آپ سے مباہلہ۔ میں بعد استخارہ مسنونہ انہی دو فرضوں کے لئے مع اہل تشریف لے گیا ہوں اور مباہلہ کچھ دوستوں کی جو میرے ساتھ گئے تھے ان کی موجودگی میں ساتھ ادا ہوں اور اشتہار بھی شائع کر چکا ہوں اور مخالف پر لعنت بھیج چکا ہوں۔ اب جس کا جی چاہے لعنت سے حصہ لے۔ میں تو حسب وعدہ میدان مباہلہ میں میدان میں حاضر ہو جاؤں گا۔ خدا صادق کاذب اور کاذب کو ہلاک کرے۔ ہاں یہ لکھ دینا ضرور ہے کہ مقام مباہلہ میں کوئی دعا نہ کروں۔ میری صرف یہ دعا ہوگی کہ میں مسلمان اور اللہ و رسول کا ہوں۔ اگر میں اس قول میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ میرے پر لعنت کرے اور اگر یہ الفاظ میری دعا کے آپ کی نظر میں ناقابل ہوں تو وہ آپ تحریری کر دیں۔ تحریر کی دیر ہے کہ دعا کے وقت یہ کہا جائے گا۔ میں کہوں گا مگر اب تاریخ مباہلہ ہرگز ہرگز تبدیل نہیں ہوگی۔ فصلہ اللہ علی من تخلف منا وما حضر فی ذلک الموضع و الیوم والوقت (ثناءاللہ امرتسری، الفضل ۱۹۳۵ء)

اس کے جواب میں مولوی عبدالحق مرحوم غزنوی نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ اب میں بری الذمہ ہو گیا ہوں اور مجھ پر کسی قسم کی قسم نہیں کیونکہ میں نے تاریخ بدلنے کی محض اس لیے خواہش کی تھی کہ گو میں اور میرے مسلمان مرزا کو کیسا ہی گمراہ اور بے دین سمجھیں مگر جب وہ اسلام کی طرف سے بھائیوں سے مقابلہ کر رہا ہے تو ہم سب کو بجائے بددعا کے دعا کرنی اور مدد دینی چاہیے۔ مگر مرزا نے وہ تاریخ بھی الفضل میں بدل۔ اب میں بھی ۱۵ الفضل ۱۹۳۵ء کو بیچے دن کے مباہلہ کے مقام پر حاضر ہوا اپنا

فرض کیا ہوں۔ یہاں پاکر فریقین کی طرف سے کچھ زیادہ یا انحطاط متعلق نہیں ہوگا۔ جیسا کہ مرزا نے اپنے خط میں وعدہ کیا ہے۔ مباہلہ کی یہ صورت ہوگی کہ پہلے میں تین مرتبہ پکار کر کہوں گا کہ اللہ میں مرزا کو مفتری، مکار، دجال، کذاب، ملحد اور خائن کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعین کرتا ہوں۔ اگر میں اس دعویٰ میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر و لعنت کہ کسی کافر نے آج تک نہ کی ہو۔ پس وہ فوراً یہ تک اجل اور عاجزی سے دعا کریں گے کہ الٰہی جھوٹے کو رسوا اور قہرسار کر اور سب حاضرین آمین کہیں گے۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۴)

فرض ۱۹ جون ۱۹۰۰ء کو امرتسر کی عیدگاہ میں مباہلہ ہوا اور اس سے فراغت پاکر فریقین اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوئے۔ سال سوا سال کے بعد اس مباہلہ کا جو اثر ظاہر ہوا اس کی تفصیل ان شاء اللہ المستعان آئندہ صفحات پر قارئین کرام کے مطالعہ سے گزرے گی۔

باب ۳

مسیح قادیاں کا اعلان کہ کوئی پادری میرے مقابلہ پر نہیں آسکتا

مسیح قادیاں نے کتاب "حقیقۃ الوحی" میں لکھا کہ مجھے خدا نے اپنی طرف سے قوت دی ہے کہ میرے مقابل پر مباہلہ کے وقت کوئی پادری ٹھہر نہیں سکتا اور میرا رعب جسمانی طور پر خدا نے ایسا ڈال دیا ہے کہ جن کو طاقت نہیں دی کہ میرے مقابلہ پر آ سکیں۔ چونکہ خدا نے مجھے روح القدس سے تائید بخشی ہے اور اپنا فرشتہ میرے ساتھ کیا ہے۔ اس لیے کوئی پادری میرے مقابلہ پر آ ہی نہیں سکتا۔ یہ لوگ بلائے جاتے ہیں پر نہیں آتے۔ اس کا یہی سبب ہے کہ ان کے دلوں میں خدا نے ڈال دیا ہے کہ اس شخص کے مقابل پر ہمیں بجز شکست کے اور کچھ نہیں۔ "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۳۰۰ اور ۳۰۱ حاشیہ کو ایک نظر

میں اپنے آنکھ والا سردار محمد علی شاہ پیر کوٹھی کو لکھتے

"چوتھی علامت اس حدیث کے صدق کی یہ ہے کہ اس حدیث نے بارہ ہزار کے قریب خدا اور اشتہار الہامی برکت کے مقابلہ کے لئے مذاہب غیر کی طرف روانہ کئے۔ بالخصوص پادریوں میں سے شاید ایک بھی نامی پادری یورپ اور امریکہ اور ہندوستان میں باقی نہ رہا ہوگا جس کی طرف خدا رعنائی کرکے نہ بھیجا ہو مگر سب پر حق کا رعب چھا گیا۔ اب ہر ہماری قوم کے ملا مولوی لوگ اس دعوت میں کچھ پیش کرتے ہیں اور حقیقت یہ ان کی دوڑ کوئی اور لباست خواری ہے۔ مجھے یہ قطعی علم پر بشارت دی گئی کہ اگر کوئی مخالف دین میرے مقابلہ کے لئے میرے مقابلہ پر آئے گا تو میں اس پر غالب رہوں گا۔ وہ ذلیل ہوگا اگر یہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں اور میری لبست شک رکھتے ہیں کہیں اس زمانہ کے کسی پادری سے میرا مقابلہ نہیں کراسکتے تو کسی پادری یا پنڈت کو کہہ دیں کہ یہ شخص در حقیقت مفتری ہے' اس کے ساتھ مقابلہ کرنے میں کچھ نقصان نہیں ہم ذمہ دار ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ خود فیصلہ کردے گا۔ میں اس بات پر راضی ہوں کہ جس قدر دنیا کی جائیداد یعنی اراضی وغیرہ اور دولت میرے قبضہ میں آئی ہے' عدالت دوسرا کو سونپ دے اور سب اس پادری یا پنڈت کو دے دیں مگر میں یا وہ تک گیا کوئی پنڈت پادری سامنے نہیں آیا۔ اگر کوئی مقابلہ پر بھی نکلا تو خدا نے کامیابی نہ کرے تو ہمیشہ پنڈت یا پادری صاحب اظہار کے ذریعہ سے یہ شائع کردے کہ میں صرف ایک طرفہ کوئی امر خارق عادت دیکھنے کو تیار ہوں اور اگر امر خارق عادت ظاہر ہو جائے اور میں اس کا مقابلہ نہ کر سکوں تو بلا ظہور اسلام قبول کروں گا۔ اور یہ تجویز بھی مجھے منظور ہے کہ کوئی مسلمانوں میں سے صدق کرے اور جس شخص (مرزا غلام احمد) کو کافر بے دین کہتے ہیں اور دجال نام رکھتے ہیں' بمقابل کسی پادری کے اس کا امتحان کریں اور تب صرف تماشا دیکھیں"۔ (کتابت احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۳' صفحہ ۲۰۰ سطر ۲۸)

باب ۳

اعجاز نمائی کا قادیانی وعدہ اور آتھم کی طرف سے قبول اسلام کا مشروط قول و قرار

۱۸۹۶ء کے اوائل میں اپنی جماعت آتھم ہی ایک عیسائی فاضل پادری سے مناظرہ کرنے کے سلسلہ میں امرتسر کے ایک مشن کالج میں مقیم تھا۔ اس وقت وہاں مشنری امرتسر سے قادیانی صاحب کی ملاقات ہوئی۔ اس کا ذکر خود ہی شاہد اللہ آتھم باب میں ہوگا۔ اس ضمن میں قادیانی صاحب نے پادری مارٹن کلارک کو یہ بھی کہلا بھیجا "یہ بات پہلے سے تجویز ہو جانا ضروری ہے کہ اس جنگ مقدس (مباحثہ) کا فریقین پر کیا اثر ہوگا اور کیونکر کھلے کھلے طور پر سمجھا جائے گا کہ درحقیقت کس فریق کو شکست آئی ہے کیونکہ سادا سوال کے لکھنے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ معقول اور حقیقی بحثوں میں کوئی بھی مسلمان سے ایک فریق غالب آ جائے مگر ہمارے فریق کے لوگ کبھی قائل نہیں ہوتے کہ وہ درحقیقت مغلوب ہو گئے ہیں۔ اس لئے بھلی یہ تجویز ہے کہ جب فریقین مناظرہ کے اپنے اپنے بیان پورے کر لیں تو فریقین اپنے اپنے مذہب کی تائید کے لئے خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان چاہیں اور ان نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کی میعاد قائم ہو۔ پھر جس فریق کی تائید میں کوئی آسمانی نشان ظاہر ہو اور انسانی طاقتوں سے بالا تر ہو' جس کا مقابلہ فریق مخالف سے نہ ہو سکے تو لازم ہوگا کہ فریق مغلوب غالب فریق کا مذہب اختیار کرلے اور اگر انکار کرے تو اپنی تمام جائیداد فریق غالب کے حوالے کردے۔" یہ اقرار فریقین پہلے سے قلمبند کریں کہ ہم مباہلہ کریں گے یعنی اس طور سے دعا کریں گے کہ اے ہمارے خدا اگر ہم دجل پر ہیں تو فریق مخالف کے فلاں فلاں سے ہماری زندگی ظاہر فرما اور اس دعا کے وقت دونوں فریق تین تین کس کے اور ایک سال تک اس کی میعاد ہوگی۔ اگر ایک سال کے عرصہ میں دونوں طرف سے کوئی نشان ظاہر نہ ہو یا دونوں طرف سے ظاہر ہو تو اس صورت میں بھی یہ راقم (مرزا غلام احمد) اپنے تئیں مغلوب سمجھے گا اور اپنی سزا کے لائق ٹھہرے گا۔" یہ بیان اصل ہے چونکہ میں خدا

تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اور مسیح ہونے کی جرأت پا چکا ہوں۔ پس اگر کوئی عیسائی صاحب میرے مقابل آسمانی نشان دکھلائیں یا میں ایک سال تک نہ دکھلا سکوں تو میرا باطل پر ہونا کھل جائے گا۔ یہ ضروری ہے کہ میری طرف سے بعد مباہلہ ایک سال کے اندر ضرور نشان ظاہر ہو اور اگر نشان ظاہر نہ ہو تو پھر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور نہ صرف میں مرزا بلکہ ہر ایک کہ جو میری مرزا کے قائل ہوں۔ سو آج میں ان تمام باتوں کو قبول کرکے اشتہار دیتا ہوں"۔

اس اعلان کے جواب میں ڈپٹی عبداللہ آتھم نے عیسائی صاحب کو لکھا "ہم اس امر کے قائل نہیں ہیں کہ فیصلہ ضرور کے لیے کچھ پیشگی کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے نہ تو کچھ کی بھی عادت ہے اور نہ ہم اپنے اندر اس کی استطاعت دیکھتے ہیں۔ ہر ایک اگر جانب کسی کچھ کے دکھلانے پر کمر باندھے تو ہم اس کے دیکھنے سے آنکھیں بند نہیں کریں گے اور جس قدر اطلاع اپنی قلمی کی کتب کے کچھ سے کر سکتے ہیں' اس کو اپنا فرض میں سمجھیں گے۔ لیکن جانب کو یاد رہے کہ کچھ ہم اسی کو جانیں گے جو دنیوی کچھ کی قدرتی کے ساتھ قصد میں آئے اور کسی امر غیبی کا حصول ہو۔ مباہلہ بھی از قسم کرامات ہی ہے۔ مگر ہم بوجہ عدم الجیل کسی کے لیے ضد نہیں بلکہ جانب ہر دو جانبین کا ایک سال تک انتظار کریں"۔

اس ۱۸ کے جواب میں عیسائی صاحب نے ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں اپنی آتھم کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ "آپ کا لکھنا کہ جس قدر اطلاع اپنی قلمی کی ہم کتب کے کچھ سے کر سکتے ہیں' اس کو اپنا فرض میں سمجھیں گے" تشریح طلب ہے۔ اگر یہ لکھنا ایسا ہوتا ہے کہ آپ نشان دیکھنے کے بعد مذہب اسلام قبول کر لیں گے۔ پس اگر آپ مسلمان ہیں تو چند سطری تمام اخباروں مثلاً نور افشاں' منشور محمدی اور کسی تیسرے اخبار میں چھپوا دیں کہ ہم خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر مرزا غلام احمد نے کوئی نشان دکھلایا تو ہم بلا توقف مسلمان ہو جائیں گے۔ اور ہم یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس نشان کو بغیر کسی قسم کی بے وجہ کچھ بیشی کے قبول کر لیں گے اور کسی حالت میں وہ نشان ہاتھ اور قابل اعتراض نہیں سمجھا جائے گا۔ یہ تحریر آپ کی طرف سے چند ہم مذہب دوستوں کی موجودگی میں ہو۔ اور فریقین کے پاس پاس معزز اور معتبر گواہوں کی شہادت

اس پر غصہ ہوئے تب میں اشتہاروں میں اس کو آپ شائع کرا دیں"۔

اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ ہم تو یہ سب باتیں کر گذریں گے اور کسی نشان کے دیکھنے کے بعد دین اسلام قبول کر لیں گے لیکن اگر تم ہی جھوٹے نکلے اور کوئی نشان نہ دکھا سکے تو تمہیں کیا سزا ہوگی۔ تو میں اس کے جواب میں حسب خطا قوت اپنے لیے سزائے موت قبول کرتا ہوں۔ اور اگر یہ سزا خلاف ثابت ہو تو اپنی کل جائیداد آپ کو دے دوں گا۔ جس طرح چاہیں آپ مجھ سے قبول کرا لیں۔ اگر آپ نشان نمائی کے مقابلہ سے عاجز ہیں تو بالمقابل طرف اس عاجز کی طرف سے کسی مجلد کو جو منجم مشہور ہے۔ آپ اقرار بلحاظ حسب نمونہ مرقومہ بالا شائع کر دیں"۔ (رسالہ جنگ المقدس" صفحہ مرزا غلام احمد صاحب' صفحہ ۱۰۔ ۲۰) اس اعلان کے جواب میں ہادی اعظم نے قادیانی صاحب کو لکھا" جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان بجواب اعلان جناب مرقوم ہے کہ:

اگر جناب یا کوئی صاحب کسی صورت سے بھی یہ قدرتی نمونے دکھا دیں گے یا یہ دعویٰ ثابت عقلی فضیلت قرآنی کا نکلے اور بمطابق صفحات مقدس یونانی کے ثابت کر لیں گے تو میں اقرار کرتا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں گا۔ جناب یہ خط میری اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ باقی حقداری سے لکھے معاف رکھئے کہ اشتہاروں میں اشتہار دیں"۔

ظاہر ہے کہ اگر جناب "مسیح موعود" صاحب کی ذات گرامی میں ان کے تمام تخیلی سازی و تدلیل کاری کے علاوہ کوئی روحانی جوہر بھی ودیعت فرمایا ہوتا تو ضرورت تھی کہ اس خط کے جواب میں کوئی نمونہ اور نشان دکھا کر ایک بدترین دشمن کو دائرہ اسلامیت میں داخل کرتے اور کوئی عملی کام کر دکھاتے۔ لیکن قادیانی صاحب نے کوئی نشان نہ دکھایا اور بقیہ کے لیے چپ سادھ لی اور یہی چپ بندی اور خاموشی ہی حضرت "مسیح موعود" کا ایک نیا معجزہ قرار پائی۔ مگر ہادی اعظم کے حال پر افسوس ہے کہ اس محروم القسمت نے اس معجزہ سکوت سے فائدہ اٹھا کر فوراً سزائے موت کا شرف حاصل نہ کیا۔ حضرت "مسیح موعود" صاحب اپنے اس قسم کے معجزات بابت کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں جگہ اکثر گزشتہ نبیوں کی نسبت بہت زیادہ معجزات اور پیش گوئیاں ہیں بلکہ بعض گزشتہ انبیاء علیہ السلام کے معجزات اور پیش گوئیوں کو ان معجزات اور پیش گوئیوں سے کچھ نسبت ہی نہیں اور نیز ان کی پیش گوئیاں اس وقت محض بطور قصہ کہانیوں کے ہیں۔ مگر یہ معجزات اور پیشین گوئیاں بڑا بڑا

لوگوں کے لیے جشم دید ہیں اور ہیں وہ ہوں جس کے بعض تجزیات اور پیش گوئیوں کے کوئی انسان گواہ ہیں۔ (الحق المسیح ص ۱۸۰)

مسیح موعود صاحب کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے۔ باقی ان کے تجزیات اور پیش گوئیوں کے کوئی انسان گواہ تھے اور قیامت تک ہر زمانے میں گواہ رہیں گے۔ چنانچہ اسی مجموعہ سکوت کو ملاحظہ فرمایئے' جس کے گواہوں کا کوئی حصر نہیں۔ مختصر عربی نظم کی پیشین گوئی کا بھی سارا ہندوستان گواہ ہے۔ اسی طرح انسائیکل کی پیشین گوئی کے بھی کروڑوں جن و انس گواہ ہیں۔ وغیر ذالک۔

باب ۵

معجزہ نہ دکھا سکنے کی حالت میں عیسائی ہو جانے کا وعدہ

انبیاء علیہم السلام اپنی نبوت میں معصوم اور حق تعالیٰ کی طرف سے مجزہ عطا ہوتے تھے اور اپنی الہامی بشارتوں' علامتوں اور پیشین گوئیوں میں بالکل سچے نکلتے تھے اور پیشین گوئی کے پورا ہونے پر لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت اور وقار بڑھ جاتا تھا۔ اس پر گفتگو ضرورت نہیں ہے جس کسی نے بھی دعوی الہام سے متعلق ہو کر کوئی پیشین گوئی کی' اس میں اسے خدا تعالیٰ تائید کا حق دیکھنا چاہئے۔ لیکن کسی مسلمان کا خواہ یہ گمان ہو یا عارف و مجزہ کیوں نہ ہو' یہ حق و منصب نہیں کہ وہ اپنی پیشین گوئی کے وقوع و ظہور کو اسلام کی صداقت کا معیار قرار دے اور فریق مقابل سے کہنے لگے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو میں اسلام سے منحرف ہو کر کفر اور دشمن کا مسلک باطل اختیار کر لوں گا' یا اپنی جائیداد فریق مخالف کے کیش کفر و شرک کی اشاعت کے لیے دے دوں گا۔ اگر کوئی مسلمان کہا کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسلمان نہیں بلکہ اسلام کا دشمن اور کفر کا وکیل ہے جو باطل الفکر میں اسلام کی حمایت میں کھڑا ہے۔ لیکن فی الحقیقت اپنے "محسن" جھوٹے کے عدم صدق سے اسلام کو عاجز و مغلوب ثابت کرنا چاہتا ہے اور جو یہ اس کی یہ خواہش ہے کہ کفر اسلام کو ذلی کرے اور باطل (والعیاذ باللہ) حق پر غالب ہو۔

قادیان کے انشاق صاحب نے بھی مولانا آتھم کے مقابلہ میں یہی ذلیل حرکت کی اور اپنے رسالہ "مجتہد الاسلام" (صفحہ ۷) میں لکھا کہ اگر میرا نشان پورا نہ ہوا تو میں دین اسلام چھوڑ دوں گا یا دین مسیحی کی اشاعت کے لیے اپنی جائیداد کا نصف حصہ دے دوں گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ قادیانی صاحب پادری آتھم کے مقابلہ میں کوئی نشان نہ دکھا سکے۔ ایسی حالت میں پادریوں کو حق پہنچتا تھا کہ وہ قادیانی مسیح سے عیسائی ہونا قبول کرنے یا تبلیغ مسیحیت کے لیے نصف جائیداد دینے کا مطالبہ کرتے اور عدالت میں دعویٰ دائر کرکے اس کی نصف جائیداد پر قبضہ و دخیل ہو جاتے۔ لیکن آتھم کے متعلق قادیانی صاحب کی پیشین گوئی بھولی بھالی پبلک پر یہ اثر کیے بغیر نہ رہی کہ قادیانی صاحب کی اس قسم اور اپیل کمل کو باطل سمجھی گئی اور مسیح قادیان اور عیسائیوں کا دل ڈالنے کے سوا ان کو کوئی اور چیز سوجھائی نہ دی۔ حالانکہ عیسائیوں کے حق میں مشکوک ڈالنے سے کہیں زیادہ یہ چیز پایہ ثبوت تھی کہ "مسیح موعود" صاحب سے عیسائی ہو جانے یا نصف جائیداد دینے کا پرزور مطالبہ کیا جاتا۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ علم اللہ اور علماء کے دو سے زائد فتاویٰ میں محض زبان سے کفر کا اقرار کرنے سے ہی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے۔ وکذا لو اوی ان یکفر فی الاستہزاء کفر فی الحال (شرح فقہ اکبر' ملیہ دہلی' صفحہ ۲۰۷) (اسی طرح محض استہزاء میں کافر ہونے کا اقرار کرنے سے ہی فی الفور وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے)

پس اگر مرزا پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتد نہ ہوتا تو کم از کم اس وقت قطعاً" مرتد اور خارج از اسلام ہو گیا تھا۔ جب اس نے رسالہ مجتہد الاسلام صفحہ ۷ کے الفاظ درج کرکے یہ قسم کھائی تھی۔

باب ۲۱

مولانا بٹالوی کی پیشین گوئی کہ پادریوں کے مقابلہ میں مرزائے قادیان کو قطعاً" شکست ہوگی

پادریوں کی تحقیق سرگرمیوں کے جواب میں قصبہ جنڈیالہ ضلع امرتسر کے بعض مسلمان دولت مند دین کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ پادریوں نے تنگ آ کر مسلمانوں جنڈیالہ کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ ان ایام میں ثناءاللہ صاحب اپنی مسلک کی بڑے زور شور سے اشاعت میں مصروف تھے۔ اس لیے عوام الناس کی ان کے علمی تبحر کی وجہ سے بڑی عزت تھی۔ چنانچہ مسلمانان جنڈیالہ نے پادریوں کے مقابلہ میں ثناءاللہ صاحب کو ہی اسلامی مناظر کی حیثیت سے مکالمہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

مولانا بٹالوی کا انتخاب

مولانا فخر الدین مرحوم بٹالوی کو اس انتخاب کا علم ہوا تو انہوں نے تار امرتسر کے نام بھیج کر مسلمانان جنڈیالہ کی اس غلط روش اور کج روی پر تاسف کا اظہار کیا کہ غیر مقلد ہونے کے ناطے مرزا ہی اتنی علمی قابلیت نہیں رکھتا کہ یہ نصاریٰ کے مقابلہ سے عہدہ برآ ہو سکے۔ علمی اعتبار سے تو سارے مسلمانان جنڈیالہ ہی غول اشکاری کے منہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ کہنے لگے کہ علمی معیار کو بھی ہی گیا کیوں نہ ہو لیکن مرزا صاحب کم از کم پادریوں کو کوئی اسلامی شکل (شکوہ) دکھا کر ضرور مرعوب کر لیں گے۔ مولانا فخر مرحوم نے لکھا کہ مرزا تمام امور میں مسلمانوں کا بیڑہ غرق کرنے میں اس مباحثہ کے بعد سے بڑھ کر کرے گا اور اسے آسمانی نشان دکھانے میں خصوصی ملکہ حاصل ہوگا۔ اس بزرگانہ دانشوری سے تو شرمندہ نہ ہوا مگر مسلمانان جنڈیالہ کو ہر اسے لحاظ کی حیثیت سے نصاریٰ کے مقابلہ میں مکالمہ کریں گے بڑا خجل و شرمسار ہونا پڑے گا۔ (اشاعۃ السنۃ، جلد ۱۶، صفحہ ۲۲)

مسلمانان جنڈیالہ کا اتفاق اصرار

لیکن جنڈیالہ کے مسلمانوں نے مولوی صاحب کی ایک نہ سنی اور برابر ثناءاللہ صاحب ہی کے مکالمہ کرنے پر مصر رہے۔ بعض غیر مسلموں نے مسلمانان جنڈیالہ کو متنبہ کیا کہ "ثناءاللہ اکثر دورہ کا غلط دعوے دار ہے" اس کو اسلام کا نمائندہ بننے کا حق نہیں

پہنچا"۔ مفتی اسمٰعیل جنڈیالوی نے جواب دیا کہ "یہ کتابی فقرہ ہے یہ دیہی کیسے ہو گیا یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ پادریوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرے گا اور ہر شخص دیکھ لے گا کہ مرزا صاحب کتا کی بھیلیوں کے آگے کس طرح ٹھوکریں کھاتے ہیں"۔

اس کے بعد مولانا باجوی نے رسالہ "مناظر اسلام" میں مسلمانان جنڈیالہ کو خطاب کرتے ہوئے لکھا "اے میرے سوئے ہوئے بھائیو! اسلام کے دشمن دن رات اٹھائی لے کر تمہیں کس کس طرف اسلام سے مباعدت کرکے اس پر طعن حاصل کی؟ تاکہ تمہیں اسلام کے کس اصول پر بحث کرکے اس کی تردید کی؟ اس نے وعدہ کیا تھا کہ کتاب "براہین احمدیہ" میں خلافت اسلام کے تمہیں سو روپیہ کل پیش کروں گا۔ مسلمانوں کا دس ہزار روپیہ کھا گیا مگر اس کتاب میں ایک مثال کی بھی تکمیل نہ کی۔ کتاب "سرمہ چشم آریہ" میں ایک کھیل سے مباحثہ کرکے دو پرچوں میں مباحثہ کو ختم کر دیا اور اس کو اپنے باقی اس وعدہ کل پیش کرنے اور اپنی غلبہ سے ان کی تردید کرنے کا موقع نہ دیا اور نہ خود پرچوں کے مثلی کل بیان کرکے ان کے جوابات دیئے۔ اسی رسالے میں جو آیا کی بحث کو چھیڑا تو اس کو بھی ادھورا چھوڑ دیا۔ تحقیق ما کل متعلقہ سے اس کا بھی اجتناب کر کے بلکہ اشتہارات اور مشتق فحش اور بیہودہ گالیوں کا ذریعہ کیا مگر خرخاک خرخاک اور فیصلہ کن فیصلہ کا کوئی بھی چوڑی بیماری ختم کرنے کے بعد آج تک کوئی نشان نہ دکھا سکا اور بیشتر مسلمین اسلام پر ہنسا۔ اے میرے غفلت شعار بھائیو! ان باتوں پر غور کرکے بتاؤ کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے یا سراسر نقصان؟ اسلام کی عزت کا باعث ہے یا اسلام کی بلکہ توہین کر رہا ہے؟ ہاں ان سرگرمیوں سے اگر کسی کو فائدہ پہنچا ہے تو اس کی ذات خاص کو پہنچا ہے کہ مسلمانوں کا دس ہزار روپیہ سے زائد مال کھا کر اس بیماری میں خوب موٹا تازہ ہو گیا ہے اور چونکہ عوام میں یہ مسیح موعود مہدی مسعود نبی اور نذیر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا کفر بھی اب اسلام ہی سمجھا جاتا ہے۔ (رسالہ مناظر اسلام جلد ۲۱ صفحہ ۲۲۰-۲۲۱)

اہل جنڈیالہ کی "خوش فہمی"

جب رسالہ مناظر اسلام میں یہ مضمون شائع ہوا تو مفتی اسمٰعیل نے مولانا باجوی سے

دریافت کیا کہ اگر قادیانی اس معاملہ کا اہل نہیں ہے تو پھر وہ مرزا کون ہے' جو نصاریٰ کا کامیاب مقابلہ کر سکے؟ مولانا ہاشمی نے کہا کہ ایک نہیں بلکہ دو اور "مرزا قمر اور جناب کے دوسرے مثلث میں سے ملا امام مہدی ہیں جو پہلے سے تھے" و "قمر" پادریوں سے مناظرے کر رہے ہیں۔ اگر پادریوں کو مناظرہ ہو تو ان میں سے جس کسی سے چاہیں خط و کتابت کریں۔ پادریوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر علمائے اسلام اس قلع کو مفتوح کرتے ہیں۔ پادری صاحبان دیر کیوں جانے ہیں۔ سب سے پہلے اس غلام دین (مولوی محمد حسین) کو اپنا مقابلہ بنائیں اور خزانہ حاصل کریں۔ (رسالہ اشاعۃ السنہ' جلد ۱۲' صفحہ ۲۲)

پر کہ مسلمان بیچارہ اس ہاشمی کا شکار ہو رہے تھے کہ مگر مرزا صاحب مباحثہ میں پادریوں کو مغلوب نہ کر سکیں گے تو انہوں نے قادیان کی طرح کوئی تجویز اور کرامت دکھا کر ان پادریوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے۔ اس لیے انہوں نے مولوی محمد حسین کی مخالفت پر عمل نہ کیا اور مرزا صاحب ہی کو اپنا مناظر مقرر کرنے پر مصر رہے۔ مولوی محمد حسین نے لکھا کہ اہل بٹالہ اس معاملہ کے حال میں کچھ ہیں کہ قادیانی کوئی نشان دکھا کر ان پادریوں کو مغلوب و مکلب کر سکے گا۔ حالانکہ ان کا یہ خیال محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ قادیانی کے ہاتھ سے کسی آسمانی نشان کا ظاہر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا سوئی کے سوراخ میں سے اونٹ کا نکل جانا۔ مگر ہاں ایک امر ہے کہ آسمانی نشان علی اسلام کے سوا کوئی نہیں دکھا سکتا اور یہ حقیقت بالکل مبرہن ہو چکی ہے بعد ثبوت مسلم ہے کہ قادیانی مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ پس اس کا آسمانی نشان دکھانا بالکل ناممکن ہے۔ اگر اس کو آسمانی نشان دکھانے کی قدرت ہوتی تو یہ آج تک لاکھوں کروڑوں ہندوؤں اور عیسائیوں کو مسلمان کر لیتا اور نہیں تو کم از کم ڈاکٹر مگن جیسے سخت دشمن اسلام سے اسلام کی حقانیت و صداقت کو ہی کوئی نشان دکھا کر دائرہ اسلام میں لے آتا لیکن اس سے آج تک ایسا نہ ہو سکا۔ یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آسمانی نشان اس کے بس کا روگ نہیں۔ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ صرف لفاظی اور افترا پردازی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۲' صفحہ ۲۰۸)

الغرض مولانا ہاشمی کی پیشین گوئی جیسا کہ قارئین کرام کو آئندہ صفحات پر معلوم ہوگا

عرف بحرف پوری ہوئی اور قادیانی صاحب پادری آتھم کے مقابلہ میں مغلوب غائب و غائر رہے۔

باب ۲۷

قادیانی صاحب کا مطالبہ کہ میرے مقابلہ میں کوئی بڑا نامور پادری کھڑا کیا جائے

جب قادیانی صاحب کو معلوم ہوا کہ مسلمان جنرلیٹ دہلی کو اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کریں گے تو انہوں نے ڈاکٹر مارٹن کلارک کو ایک خط لکھا جس کے آخر میں مرقوم تھا کہ اس ماجز کے مقابلہ پر جو صاحب کھڑے ہوں وہ کوئی بزرگ ہاں اور معزز انگریز پادری صاحبوں میں سے ہونے چاہئیں کیونکہ وہ بحث اس مقابلہ اور مباحثہ سے مقصود ہے اور جس کا اثر عوام پر اچھا سمجھا ہے وہ اسی امر پر موقوف ہے کہ فریقین اپنی اپنی قوم کے خواص میں سے ہوں۔

ہاں بطور حمل اور الزام جملہ لکھنے یہ بھی مشہور ہے کہ اس مقابلہ کے لیے پادری عماد الدین صاحب یا پادری فنڈر داس صاحب یا مسٹر جوزف آتھم صاحب عیسائیوں کی طرف سے منتخب ہوئے۔ مگر واضح رہے کہ یہاں تو ایک مدت دراز سے مسلمانوں اور عیسائیوں کا جھگڑا چلا آتا ہے اور بحث سے مباحثہ ہونے اور فریقین کی طرف سے کتابیں لکھی گئیں اور درحقیقت علمائے اسلام نے تمام تر مستقل سے طبع کرایا کہ ہو بکہ قرآن کریم پر اعتراض کیے گئے ہیں' ہو بکہ سرے رنگ میں توہین پر ہیں اور ہو بکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوئی' ہو بکہ سرے پرزے میں تمام انبیاء کی شان میں گستاخی ہوئی' جس سے حضرت مسیح بھی بچ نہیں۔ بلکہ ایسی گستاخی حضرت کی ماں پر خدا تعالیٰ بھی مورد اعتراض ٹھہرا ہے۔ سو یہ بحث نہ کسی مذہب یا عقیدہ مذہب کی مسیحی کے بارہ میں ہوگی اور دیکھا جاوے گا کہ جس روحانی طاقت کا مذہب اور کتاب نے دعویٰ کیا ہے وہ اب بھی

اس میں پائی جاتی ہیں کہ نہیں اور مناسب ہوگا کہ ختم نبوت قادری یا اثر شریف (مجدد الاسلام' سوانح مرزا غلام احمد' صفحہ ۱۰۰-۱۰۱)

باب ۶۸

پادری کلارک کا بیان کہ کوئی مرتد شخص اسلام کا نمائندہ نہیں بن سکتا

مرزا صاحب کی تائید کے متعلق پادری ہنری مارٹن کلارک نے جو عیسائی مبلغ کو ایک اشتہار میں جو مسمی بہ "سلور الفاظ" در عیاد میں بطور ضمیمہ شائع ہوا لکھا کہ "چونکہ علمائے اسلام مرزا غلام احمد کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ہم ان کو نمائندہ اسلام کی حیثیت سے اپنے مقابلہ پر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے"۔ اس اشتہار کے جواب میں کلارک صاحب نے اپنے مسلمان ہونے کی کوشش میں لکھا کہ (اگر صاحب نے اپنے اشتہار جو حق مبلغہ میں بطور ضمیمہ نور افشاں در عیاد میں شائع ہوا ہے' شیخ ہادی (سوامی محمد محسن) کی کتاب "مقابلہ الحق" سے یہ دعوا کیا ہے یا لوگوں کو دھوکا دینا چاہا ہے کہ گویا منجملہ علماء اسلام کے اس مقابلہ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اس لیے عام و خاص کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ تمام منجملہ علماء اسلام میرے ساتھ ہیں اور اس وقت پادیوں کے قریب ہیں اور طریق حق کے ساتھ اکثر اپنے لوگ ہیں جو مرزے عام کے مولوی اور علمی اور عملی کلاسہ سے تھی دست ہیں۔ ماسوا اس کے اگر صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام کے منجملہ علماء کا تخت گاہ حرمین شریفین ہے۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا پر عمل اور اسلام میں بڑی باوجہ تاسی کرکے کہ وہ مبدء دین کا مگر کہے جاتے ہیں' سو ان خیرک حالات کے بگر گوند اور قابل منجملہ بھی' اس مقابلہ کے ساتھ شامل ہوتے جاتے ہیں۔ (سچائی کا اظہار' سوانح مرزا غلام احمد' صفحہ ۳)

پادری کلارک کا جواب

اس کے جواب میں ڈاکٹر ولیم کلارک نے ۲۰ جون ۱۸۸۸ء کے اور اخبار لدھیانہ میں لکھا:

مشفق و مہربان مرزا صاحب

چونکہ اسلام کے بڑے مخالف آپ کو کسی اسلامی فرقے میں داخل نہیں کرتے بلکہ دائرہ اسلام ہی سے' جس میں تمام اسلامی فرقے شامل ہیں' خارج کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں آپ اسلام کے حمایتی ہو کر اس مباحثہ میں نہیں آ سکتے۔ بٹالہ کے مسلمانوں نے آپ کو دعوت کیا لیکن معلوم نہیں ان کی عقل پر اس کو آپ جانتے ہیں یا آپ خود ہی کچھ بیچ ہیں۔ اس حالت سے تو میں اہل اسلام کی طرف سے آپ کو قبول نہیں کر سکتا۔ ہاں جس حال میں کہ آپ اپنا کو مسلمان ظاہر کریں گے اور مباحثہ پر تلے ہیں اور قرآن کے رو سے کلام کریں گے' آپ کو مباحثہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ (ڈاکٹر ایچ' ایم کلارک' میڈیکل مشنری امرتسر) (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۱' صفحہ ۲۰۷)

مرزائی حیلہ

مرزائی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں جانتا کیا مبارک جانتا ہے کہ میں آپ کے اس شرط پر جنگ کے لئے تیار ہو کر قریباً چار سو روپیہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس پاک جنگ کے لئے آپ بھی مقابلہ پر حاضر فرمائیں گے۔ جب آپ کا پیغام عاجز بٹالہ کے اہل اسلام کے نام شائع کرتا ہے اور میں نے اشتہار میں چھپوا دیا ہے کہ جو شخص مقابلہ کرے تو یہی روح اسی وقت بول اٹھی کہ ہاں میں ہوں جس کے ہاتھ پر خدا قتال مسلمانوں کو چھوڑے گا اور سچائی کو ظاہر کرے گا۔ یہ سچ ہو گا کہ خدا ہے اور یہ آلہ ہے جس نے ہم میں طرح کیا ہے' یہ اب پوشیدہ نہیں رہا۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ یہ تمام بار اشتہاروں کے ساتھ بھیجے گا اور دلوں پر لینا ہاتھ ڈالے گا اور اپنی طرف کھینچ لے گا۔ لیکن اس کے بھیجنے کے لئے کوئی ترتیب چاہیے تھی۔ سو آپ صاحبوں کا مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے بلانا نہایت مبارک اور نیک ترتیب

ہے۔ میں آپ صاحبوں کے مقابلہ کے لیے دس برس کا پیاسا ہوں اور کل بزم خدا ادھر اگر جی اسی پیاس کے ہوش سے آپ جیسے سینکڑوں پادری صاحبان کی خدمت میں روانہ کر چکا ہوں۔ (رسالہ مجد الاسلام مقابلہ مرزا غلام احمد صفحہ ۲۱)

باب ۲۱

پادری آتھم کے مقابلہ میں قادیانی حلیم کی ہزیمت و رسوائی

قادیانی صاحب نے حکیم نور الدین، شیخ رحمت اللہ، مولانا محمد یوسف ضلع وار (جو اس وقت تک مرزائی تھے) شیخ عبدالرحمٰن اللہ رکھا، (جو اس وقت تک مرزائیہ کے جال میں پھنسے تھے) شیخ غلام محمد شیخ سیالکوٹی (جو اس وقت تک داخل مرزائیہ ہی داخل تھے) اور دس بیس دوسرے حواریوں کو فریق مخالف سے مباحثہ کرنے کے لیے قادیان سے امرتسر بھیجا۔ جو ہدایتیں کہ مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں۔

(۱) مباحثہ جو ۲۲ مئی سے ۲۷ جون ۱۸۹۳ء تک تحریری بمقام امرتسر ہوگا۔

(۲) عیسائیوں کے پیشوا مسٹر عبداللہ نام آتھم سابق ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوں گے۔

(۳) وقت مباحثہ ہر روز ۱۰ بجے صبح سے گیارہ بجے صبح تک ہوگا۔

(۴) فریقین تین تین منشی اپنے ساتھ رکھنے کے مجاز ہوں گے۔

(۵) پہلے چھ دن تک مرزا صاحب اپنی عقائد و تعلیمات پر اعتراضات کریں گے اور ڈپٹی عبداللہ آتھم جواب دیں گے۔ پھر چھ دن ڈپٹی عبداللہ آتھم اسلام کے عقائد و تعلیمات پر نکتہ چینی کریں گے اور مرزا صاحب مجیب ہوں گے۔

(۶) مباحثہ بذریعہ تحریر ہوگا۔ فریقین اپنی اپنی قوم کے صرف پچاس پچاس کوئی لباس میں شامل کر سکیں گے۔ (تبلیغ رسالت، جلد ۲، صفحہ ۲۷، مجد الاسلام مقابلہ مرزا غلام احمد، صفحہ ۳۰)

یہ اطلاع ڈاکٹر ہاری مارٹن کلارک کی کوٹھی واقع امرتسر میں مقیم ہوئے تھانوی صاحب کی طرف سے ملی تھی اور فوراً ہی جناب صدر بشپ سیالکوٹ اور عیسائیوں کی طرف سے ڈاکٹر ہاری مارٹن کلارک میر مجلس قرار پائے تھانوی صاحب کے معاون حکیم نور الدین' مولوی محمد احسن امروہی اور شیخ اللہ دتا تھے اور پادری فنکر داس اور پادری جاس پال مسٹر عبداللہ آتھم کے مددگار تھے۔ یہ مناظرہ ۲۲ مئی سے شروع ہو کر ۵ جون تک یعنی چودہ دن تک ہوتا رہا۔ چونکہ عیسائی مناظر کو شب خون کا عارضہ تھا اور ۲۲ مئی کو اس کی طبیعت زیادہ علیل ہو گئی تھی اس لئے وہ ایک دن نہ آسکا اور اس کی جگہ پادری کلارک نے جوابات لکھوائے۔

غرض چودہ دن تک جانبین میں نوک جھونک ہوتی رہی۔ عیسائیوں نے اس مناظرہ کی روداد "جنگ مقدس" کے نام سے شائع کی تھی۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے بعد الیوں محسوس ہوتا ہے کہ عیسائی پیشوا کی گرتی ہوئی ساکھ کے مقابلہ میں زیادہ تر مسلمان ہی اور پوشی سے اس شخص نے اسلام کی لاجواب کا یہ لوہا مان رکھا ہے یہ حقیقت بھی ظاہر ہے جس میں مقابلہ کی حکمت تھی۔ کہ تھانوی صاحب دین حق کے خود ساختہ نمائندہ اور وکیل حق کے اسطہ سے مسیح بنے' تاہم انہوں نے اپنے پیشہ وارانہ کمال اور کمزور حوالہ سے دین حق کو نیچا دکھایا۔ اگر ان کی جگہ کوئی واقعی مسلمان مناظر ہوتا تو آتھم کو قرار واقعی معلوم ہو جاتی۔

دوران مناظرہ میں ایک دن تھانوی صاحب نے کہا تھا کہ میں ان دو مسیح ہوں جس کا انکار کیا جا رہا تھا۔ دوسرے دن عیسائیوں نے ایک اندھے ایک بہرے اور ایک لنگڑے کو جلسہ گاہ میں لا کر ایک طرف بٹھایا اور آتھم نے تھانوی صاحب سے کہا کہ آپ کو مسیح ہونے کا دعویٰ ہے' بچے یہ اندھے' بہرے اور لنگڑے ہیں۔ مسیح کی طرح ان کو ہاتھ لگا کر اچھا کر دیجئے۔ تھانوی صاحب نے ہنسی خوشی کر کے بزدل حنفل اپنی جان چھڑائی۔ (ماخوذ از تھانوی صاحب پادری فنکر داس مطبع سعید' صفحہ ۱۳۷)

باب ۲۰

مباحثہ امرتسر پر علمائے اسلام کا تبصرہ

مسٹر عبداللہ آتھم پادری اور مرزا غلام احمد صاحب میں جو مباحثہ ہوا اس پر علمائے اسلام نے حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا:

مولوی محمد حسین بٹالوی

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا کہ اس مباحثہ کا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا کیونکہ فریقین اپنی اپنی جگہ کامیابی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح نہ مصلوب ہوئے اور نہ فوت ہوئے بلکہ زندہ رسول ہیں۔ اس دعویٰ کو اگر ایک کم سن طالب علم بھی دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ پیش کرے تو بڑے بڑے پادریوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کرے گا۔ مگر افسوس اور صد افسوس کہ مرزا غلام قادیانی نے اس دعویٰ کا دفاع کرتے وقت قرآن پاک کے دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے کام نہ لیا بلکہ اپنے خود ساختہ خیالات کو پیش کر کے الٹی میں ہی پھنس کے رہ گئے اور اس کے جواب میں اپنے خصم کو یہ موقع دیا کہ اپنی طرف کتابوں میں سے جو چاہے جواب پیش کرے۔ قادیانی نے اپنے ہی خود ساختہ خیالات پیش کئے جن سے قادیانی کے بجائے الٹا اس کے خصم آتھم کو فائدہ پہنچ گیا۔ آتھم جب چاہتا تھا حملی اعتراضات کرنے لگتا تھا۔ اس طرح نہ تو یہ بحث کا حکم ہونے پایا اور نہ اپنے ہی کسی دعویٰ کا مثبت ہو سکا۔ آتھم کی طرف سے کوئی صحیح جواب' جبر اختیار کے متعلق ہو سکا نہ پیش ہوئے نہ ایسے کمزور اور بے ہودہ جوابوں میں سے کہ کتب اسلامی کا ایک طالب علم بھی' جنہ اسلامی کتابوں پر تھوڑا بہت بھی عبور حاصل ہے' عیسائیوں کو الزام کر سکتا ہے لیکن مرزا قادیانی سے ان سوالات کے جواب میں بھی کچھ نہ بن پڑا حالانکہ یہ کتب اسلامی کی طرف رجوع کر کے یہ سوالات تمام نہایت سہولت جواب دے سکتا تھا اور نہیں تو اگر یہ رسالہ اشاعۃ السنہ ہی کی طرف' جو اتفاق اجرا سے اس کے پاس جا رہا ہے اور نہ اس سے پیشتر ہوتا ہے رجوع کرتا تو اس کی جلد ۶ نمبر ۱۰

میں کلمۂ مسیح کا جواب اور جلد ۲ کے پہلے اور ثانی کے نمبروں میں جزو اختیار کا جواب اور جلد ۴ نمبرہ میں استدلال بعد کے عنایات اس اسلوب سے وضع پاتا ہے جس سے یہ کلمہ "کلام" جیسائیوں کا باطل بند کر سکتا تھا۔ فرض کلیاتی نے اس مناظرہ سے اسلام کے دامن عزت پر ایک بدنما داغ لگا دیا ہے۔ (مناظر احسن، جلد ۲، صفحہ ۲۰۰)

مولوی تاج الدین احمد صاحب لاہوری

مولوی تاج الدین احمد صاحب نے "جو لاہور کے ایک مشہور علمی خاندان کی یادگار تھے اور لاہور میں پیشہ وکالت کرتے تھے" کہا کہ مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کی جس عزت کو صدمہ پہنچایا تھا وہ حافظ علی اللہ مرحوم کے وقت سے پادریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حاصل تھی۔ حافظ علی اللہ مرحوم نے پادریوں کو بڑے مناظرے اور لاجواب کر کے اسلام کی دھاک بٹھا رکھی تھی لیکن مرزا غلام احمد نے اس رعب کو یکسر دور کر دیا۔ (ایضاً)

مولوی سید احمد علی واعظ دہلوی

مولوی سید احمد علی صاحب واعظ دہلوی ثم لاہوری نے مرزا غلام احمد کے خلاف خط لکھنے کا اظہار کیا اور کہا:

"اکمل کی ان کتابوں کے مقابلہ میں" جو آنجہانی نے تحریف مسیح کے متعلق لکھی تھیں" مرزا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ جس طرح مرزا نے دعوئی الہام کو آسان سمجھ رکھا ہے اسی طرح اس نے اہل کتاب کا مقابلہ بھی بچوں کا کھیل خیال کیا تھا۔ جب مرزا اپنی قسم کے مسلمان عالموں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تو وہ غیر اسلامی لوگوں پر (جن کے فریب سے عہدہ نہیں) کس طرح غالب آ سکتا ہے۔ فلسفی سے مقابلہ کرنا مرزا جیسے لوگوں کے حصہ میں نہیں آیا۔ یہ مسلمان المناظرین مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر کی اور ان کے شاگردوں کا کام ہے۔ مرزا غریب مقابلہ کرنا کیا جانے۔" (مناظر احسن، جلد ۲، صفحہ ۲۰۱)

مولوی غلام نبی امرتسری

مولوی غلام نبی صاحب امرتسری نے" جو فضائل کے مقابلہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر کے حکم الجہال تھے اور مولوی ابو حسنہ وغیرہ کی طرح نام ہی مناظرہ کرتے تھے' مناظرۂ اعظم و قادیانی کے متعلق لکھا کہ میں مباحثہ کے پہلے جلسہ میں شریک ہوا تھا مگر مرزا غلام احمد کا بیان پسند نہ کیا اس لئے مباحثہ شریک اجلاس نہ ہوا۔ مرزا غلام احمد نے یہ غلطی کی کہ فضائل مناظرہ کو باطل سے حدیث مسیح کی کیفیت بیان کرنے کا موقع دے دیا اور اس پر طرہ یہ کہ ان کیفیات کے مقابلہ میں یہ ثابت نہ کیا کہ یہ کیفیات حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں نہیں ہیں اور ان سے حدیث مسیح کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۲' صفحہ ۱۳۳)

حکیم نور الدین

مقدمہ کرنا مدد تبرے تو حضرت اسلام کی طرف سے تھے' اب خود مرزا غلام احمد کے پیر و مرشد اور مرزائیت کے گرو اور علماء و نبوت کے نفس ناطقہ حکیم نور الدین بھیروی کا بیان سنئے۔ انہوں نے بھی الہامی صاحب کے مباحثہ کو پسند نہ کیا۔ مولانا ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں کہ حکیم نور الدین کے ایک دوست نے' جو میرا بھی دوست ہے' بیان کیا کہ مرزا کو عیسائیوں کی کتابوں پر پورا عبور نہیں ہے۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو ایک دم فضائل مناظرہ کا باطل کر دیتا۔ مولانا محمد حسین نے یہ بھی لکھا کہ اگر حکیم نور الدین اس بیان کی صحت سے انکار کریں تو ہم اہل اسلام کے ایک عام مجمع میں اپنے اس دوست کو پیش کریں گے جو حکیم موصوف کے اس فرمانے کا اعلان کریں گے۔" (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۲' صفحہ ۱۳)

مرزائی فرقہ سنی

بہرحال اس مناظرہ کے بعد علمی حلقوں میں مرزائیت کی خوب رسوائی ہوئی اور ہر

شخص نے دیکھ لیا کہ صلیب مسیح کے بارے بانگ دہل دعوے کے باوجود حضرت مسیح موعود صاحب کشفی قلابت کے بانگ اور قتل بانگ کے کس مقام پر ہیں؟ اس حوالہ کے بعد قادیانی صاحب نے اپنے رسالہ انوار میں' جسے بعد میں خود مرزا قادیانی نے انوار لکھا کرتے تھے' ان مسلمانوں کا شکریہ ادا کیا' جنہوں نے آنحضرت کے معجزہ معراج جسمانی یا زیارت کو تسلیم کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ جنہیں کو کھینچ کر کہا جاتا کہ مخالف مولویوں نے بلکہ کو دروغ گو ثابت کرنے کے لیے اللہ اور رسول کی حرمت کا ذرا خیال نہ کیا اور جو مطلب ہوا اس بات میں تسلیم کر لیا اور اس مرتبہ تجھ سے کچھ بھی نہ ڈرے جو مطلب ہونے کی حالت میں لڑنے مخالف کے ہاتھ میں آتا ہے۔ اور جب یہاں تک اللہ و رسول اللہ و مومنین دنیوی نے بھائیوں کا مخالف ہوا مان لیا تو پھر کیوں یہ لوگ اپنے اشتہاروں میں بھائیوں کے حال پر افسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کی تکذیب کے لیے یہ بہت قرار دی جب کہ بلکہ اسلام اور بھائیوں کے صدق و کذب کی تھی' نہ جو یہ کسی خاص شخص کی ذلت بلکہ اگر میں مطلب ہوں تو پھر دشمن کے لیے حق پیدا ہو گیا کہ اپنی بھائیوں کے صدق کا دعویٰ کرے۔" (رسالہ انوار الاسلام' مرزا قادیانی' صفحہ ۳۳)

لیکن قادیانی صاحب کا یہ لکھنا بے جا ہے کیونکہ جب کسی عداوت کا مقابلہ دشمن سے مطلوب ہو جاتا ہے تو اس عداوت کے دلائل بھی عام ثابت ہیں کیا کرتے ہیں کہ جنہوں مقابلہ ہار گیا اور اس نے اپنی ناحق سے عداوت ترک حق کو بند کیا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ انہوں نے اپنے مقابلہ کی بزرگت کو بھی اپنے مذہب کے کذب اور اپنے مخالف مذہب کے صدق کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ معراجی زیارت کا ایک ذہنیہ بلی شاہد پہلو یہ تھا کہ ایک شخص جو بہت ناں' جو ایک معزز قومی اور پرہیزگار' دیندار اور عابد سمجھا جاتا تھا اور جو بانی آنحضرت کا سخت دشمن اور اپنی بنا قادیانی حق سے منحرف ہو کر جہنمی ہو گیا۔ (اکتاب المبین' مرزا قادیانی' صفحہ ۳۳۰) اسی طرح قادیانی زیارت و رسالی سے متاثر ہو کر بعض دوسرے لوگ بھی حلقہ مسیحیت میں داخل ہوئے جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ اسی جلد کے کسی آئندہ باب میں پیش کی جائے گی۔

باب ۱۷

ڈپٹی عبداللہ آتھم کی ہلاکت کی پیشین گوئی

سورۃ الحج کے پہلے رکوع میں نمرود سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مناظرہ کا ذکر ہے۔ سورۃ کل عمران کے پہلے رکوع میں نجران کے نصاریٰ سے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مباحثہ درج ہے اور سورۃ الشعراء کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں فرعون لعین اور حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کے مناظرہ کی یاد تازہ کی ہے۔ ان آیات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ رسولؑ ایک گونہ بات چیت میں اپنے دشمنوں کو مخاطب و متوجہ کر لیتے تھے اور کسی لمبے چوڑے مناظرہ کی نوبت نہ آتی تھی کیونکہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے موید ہوتے ہیں اس لئے خصم کو بول گھلاوٹ اور بارائے لب کشائی نہ رہتا تھا۔ لیکن ہمارے خود ساختہ مسیح موعود صاحب بادجود اس ان دلائل کے کہ تمام پیشگوئیاں میری ذات پر ختم ہو گئی ہیں' ایک لمبی پادری سے جس کی تمام عمر سرکاری ملازمت میں بسر ہوئی تھی' پندرہ دن کی طویل مدت تک گفتگو کرتے رہے پھر بھی اس کو اور اسٹیفل سے مخاطب نہ کر سکے اور شہرت و نمود کی جگہ ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا۔ آخر اس رسوائی کا دفاع کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود صاحب نے پادریوں اور مناظرہ کے اختتام پر ایک عدد پیشین گوئی کی بھلجھی بھوڑ کر بعد مقابلہ مباحثہ سے اپنی جان چھڑائی۔ اس پیشین گوئی کے الفاظ یہ تھے:

"آج رات جو مجھ پر کھلا یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم مامور ہوئے ہیں۔ تیرے عہد کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھ پر ظاہر فرمایا کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان (یعنی علیہ السلام) کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص حق پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔

اس وقت جب یہ بیٹیں کوئی قلعہ میں تھے تو کے کی اصل ہیرے سپاہیوں کے
جائیں گے اور اصل قلعے پیچھے رہیں گے اور اصل ہیرے بیچے رہیں گے۔"
(بنگ مقدس' صفحہ ۱۸۸)

اس کے بعد قادیانی صاحب نے مرزا صاحب کی فرضی وعظ بیان کی ہے' چنانچہ لکھتے
ہیں

"میں حیران تھا کہ اس بارہ میں کیوں لکھ کے فال چاہ۔ اصحاب الفیل (
اور لوگ بھی کرتے ہیں' اب یہ حقیقت کھلی کہ اس فتح کے لیے قلعہ میں اس
وقت اختیار کرتا ہوں کہ اگر یہ بیٹیں کوئی اصلی قلعی نہیں ہے فریق' اور خدا قادیانی
کے ذریعہ ثابت ہو جائے' اور چھ ماہ کے عرصہ میں کوئی کی تحریر سے یہ ثابت
ہوجائے میں دو چیلے (یہ میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لیے تیار ہوں جب
کو قتل کیا جائے' سولیہ کیا جائے' جیسے لگے میں رسہ ڈال دیا جائے' تجھ
کو پھانسی دیا جائے' ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی
قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور یہ ایسا ہی کرے گا' ضرور کرے گا' ضرور کرے گا۔
زمین و آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی"۔ (بنگ مقدس' صفحہ
۱۸۸)

کہ نور کا تبصرہ

اس بیان میں لکھا نور "ہم ایک سوچ بچار اور غور سے فائدہ اس نے قادیانی
صاحب کی اس خوفناک پیشین گوئی کے متعلق لکھا ہے

"مرزا صاحب نے اعلان کیا ہے کہ اگر یہ پیشین گوئی غلط نکلی تو میرے گلے میں
رسہ ڈال کر تشہیر کیا جائے اور پھانسی کے تختے پر چڑھایا جائے لیکن مرزا صاحب
کو یقین ہے کہ انگریزی عمل داری میں کوئی شخص ان کے گلے میں رسہ ڈالنے
نہیں آئے گا' پھانسی کا تو کیا ذکر ہے لیکن مرزا صاحب کم از کم تحریف کرانے
کے تو ضرور نادم ہوئے ہیں اور پاسری آتھم بلک پر احسان کریں گے اگر وہ
اس خفت سے بچ کر اسلام کے کشتے میں داخل کریں گے۔ واقعی یہ نہایت

غیر مسلمین ہوتے ہے کہ ایک شخص کو کامل گواہی دے دی جائے کہ یہ خوفناک پیشین گوئیوں سے لوگوں کو ڈرانا رہے۔ یہ انگریزی عمل داری کی برکت ہے کہ سچی اور جھوٹی تو درکنار اگر کوئی شخص اپنا بھی بن بیٹھے تو کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ ہندو اور عیسائی تو اسلامی مخالفین ہیں' ہندو عمل داری میں کبھی ایسے دعویٰ کو سنی سنا کے محاورہ میں بھیج جا جاتا ہے"۔

(الحکم قسم' جلد ۲۱' صفحہ ۲۸)

ایک بنارسی بزرگ کا بیان

ایک بنارسی بزرگ نے' جو پیشین گوئی کے ایام میں بنارس تھے' راقم الحروف سے بیان کیا کہ جب مہاشہ صاحب سیالکوٹ سے فراغت پا کر گاؤں پہنچے تو اپنے مریدوں کے نام حکم نافذ کیا کہ اس پیشین گوئی کو خوب مشتہر کریں۔ انہوں نے اس کا نام زبردست پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ عیسائیوں کی طرف سے جو اشتہارات تقسیم ہوئے ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہنچ گئی۔ عیسائیوں نے ملک کے طول و عرض میں اشتہار بھیجا کہ ان کے پروپیگنڈا کے زور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ عیسائی یہ کہہ کر بھی مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اگر مرزا صاحب سچے نہ ہوتے تو وہ اس طمطراق اور اس وثوق کامل کے ساتھ پیشین گوئی نہیں کر سکتے تھے"۔ حافظ محمد یوسف ضلع دار نہر اس وقت تک مرزائی جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ گاؤں پہنچے اور مرزا صاحب سے بصد خلوص کہنے لگے کہ آتھم کے مرنے پر خواہ اور دنیا کسی طرح قرین مصلحت نہیں کیونکہ پیشین گوئی کا انجام مقام الغیب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مرزا صاحب نے فرمایا "میں کیا کروں' حضرت مقام الغیب کی طرف سے بار بار یہی حکم ہوتا ہے کہ آتھم کی موت کا خوب اعلان کرو اور فرماتا ہوتا ہے کہ اول تو پہلے مرے گا ورنہ پندرہ مہینے کے آخری دن تک ضرور اس وقت تک خوب نہیں ہوگا جب تک آتھم مر نہ جائے"۔

پیشین گوئی کی جرأت کا طبی راز

گو مناظرہ امرتسر کے ابتدائی ایام میں جلسہ کی حاضری سو سے متجاوز نہ ہوتی تھی لیکن مباحثہ کے آخری دن ہجوم کا یہ حال تھا۔ اس پیشین گوئی کی ظاہری شان و شوکت نے عوام پر ساحرانہ اثر کیا۔ الٰہی صاحب نے جس تہری اور عمیق طریق سے پیشین گوئی کی اس سے عامۃ الناس کی کشتی ایمان ڈگمگا گئی تھی۔ اس دن امرتسر میں ہندوؤں تک نے اپنی حماقت سے یہ تخمین کر کے مرتد ہو گئے کہ اگر مرزا صاحب ماموریں من اللہ اور مورد وحی نہ ہوتے تو اس قدر غور سے پیشین گوئی کی جرأت نہ کرتے لیکن ان نادان نصیبوں کو چاہیے تھا کہ پورے صبر کرتے اور اگر تھوڑی صاحب کے صدق و کذب کے تحقیق طلب حق سے استصواب کرنے کی توفیق ازلی نہیں ہوئی تھی تو کم از کم اتنا تو دیکھ لیتے کہ ان کی پیشین گوئی بھی اسی طرح کی ہے یا نہیں؟ حالانکہ فکر بھی نہ کی۔ اس میں تھوڑی صاحب کا کوئی روحانی کمال نہ تھا بلکہ اس کی وہی حیثیت تھی جیسے حکما کسی بیمار کی نسبت کہہ دیتے ہیں کہ تم دس سال کے اندر اندر آخول لعل میں جا سو گے تو یقیناً تمہاری پیشین گوئی پوری ہو کے رہے گی۔ ایسی حالت میں پیشین گوئی پر اترانا تمہاری حماقت کا نشان ہوگا۔ کیونکہ یہ پیشین گوئی دراصل تمہاری نہیں بلکہ اس کے کمپوزر کی ہے جو ہر وقت یہ زبان حال اس کے مرنے کا اعلان کر رہا ہے۔

آتھم صاحب' جن کے سنہ سال میں ہلاک ہونے کی پیشین گوئی کی گئی' وہ بھی ایک ضعیف العمر بیمار تھے اور یہ جانتے تھے کہ اس زمانہ و سال خوردہ شخص کی موت کے تمام قرائن موجود تھے لیکن خدائے غیور کو تھوڑی صاحب کی روحانی حکومت تھی' یہ تمام قرائن حسب مراد نتیجہ خیز نہ ہو سکے۔ ہاں اگر لیکھرام کی طرح کوئی طویل مدت مقرر کی جاتی تو یہ دار بھی خالی نہ جاتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آتھم صاحب کو تپ دق کا عارضہ تھا اور مرض نے ان پر پوری طرح تسلط جما رکھا تھا۔ مباحثہ امرتسر میں یہ ایک دن شدت مرض کی وجہ سے کسی طرح مناظرہ کرنے کے قابل نہ رہے' اس لیے ان کی جگہ پادری عادلین کلارک نے جوابات لکھوائے تھے مگر اس روز آخری وقت میں آتھم صاحب بھی مناظرہ کا رنگ دیکھنے کی غرض سے تھوڑی دیر کے لیے مجلس مناظرہ میں آ گئے۔ اس عنصر سے قیام میں انہیں بار بار کھانسی اٹھتی رہی۔ حکیم نور الدین' جو ایک شہرۂ آفاق طبیب تھے' ان کے قریب ہی

پہلے حکیم صاحب نے اعظم کو دیکھا تو یقین ہوا کہ اس کا مرض اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ یہ پانچ چھ مہینہ سے زیادہ عرصہ جان بر نہ ہو سکیں گے۔ حکیم صاحب نے جائے قیام پر پہنچ کر الٰہی صاحب کو بتایا کہ اعظم تپ دق میں مبتلا ہے اور علامات مرض سے پایا جاتا ہے کہ وہ پانچ چھ مہینہ کے اندر اندر موت کا شکار ہو جائے گا۔

یہ سن کر الٰہی صاحب کی باچھیں کھل گئیں اور دیرینہ آمال حاصل مقصد کی امید میں روشن ہوا۔ اب انہوں نے حکیم نور الدین کے انتخاب رائے سے یقین کوئی کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ معالجہ کے آخری دن بذریعہ طریق سے اس کے مرنے کی پیشین گوئی کر دی جائے۔ لیکن پانچ چھ مہینہ کے بجائے دت مرگ اٹھارہ سال تک پہنچا دی گئی۔ مگر اس پر فرقت مرض کی حالت بدلی دیکھ کر اس نے مقررہ مدت کے بجائے دوسرے تیسرے سال سے پہلے کسی طرح مرنا قبول نہ کیا۔ علاوہ بریں لواحقین کو بھی اس کی بہت کم امید تھی کہ یہ مرض قاتل، جس پر ایک مدت مرض گذر چکی ہے، سوا سال تک جان پر ہو سکے گا۔ بلکہ جس طرح حکیم نور الدین نے اعظم کی مدت حیات پانچ چھ مہینہ تجویز کی تھی، اسی طرح ایک ڈاکٹر کی بھی قطعی رائے تھی کہ یہ چھ مہینہ کے اندر مر جائے گا۔ خود الٰہی صاحب کے ایک بیان سے بھی اس حقیقت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ لکھا کہ "یہ بھی تجویز کی کہ ڈاکٹر کی قطعی رائے ہے کہ چھ مہینہ کے اندر اعظم مر جائے گا۔ ایسے لوگوں کا کام ہے جنہوں نے ذہبی ہر جیمہ کے نیال سے پہلے ہی بھی تجویز شروع کر دی۔" (رسالہ شہاب الحق" صفحہ ۱۳)

باب ۱۳

پیشین گوئی پوری کرنے کے لئے
اعظم کے ہلاک کرنے کی تدبیریں

اوائل میں تو الٰہی صاحب نہایت سکون قلب اور اطمینان کے ساتھ اس بات کے

ظاہر ہے کہ آتھم کا مرنا اسے خود ہی گھوش کر کے حوالے کر دیتے تھے۔ لیکن جب آتھم تو بیچ گزر چکے اور عید روز کے مسلسل انتظار کے باوجود کسی سے آتھم کے طبعی اجل ہونے کی اطلاع نہ ملی تو حضرت مسیح موعود کے دل پر اضطراب و بے قراری کی بجلیاں گرنے لگیں اور انھیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے سے کہیں باقی ماندہ مدت بھی بے نیل مرام نہ گزر جائے۔ آخر سیر تالاب سوار ہو کر میدان عمل میں نزول کرنے کا عزم فرمایا۔ پہلے تو روحانی تدابیر سے حتی الوسع کام لیا۔ چنانچہ کتابات کی بازاری کتابیں نقل نقل کر کے ان میں یہ وظائف و اعمال حاصل کرنے کو عوام میں دشمن کی ہلاکت کے لیے مستعمل بنا ہی لیا اور ان پر عمل پیرا ہے۔ لیکن جب یہ وظائف آتھم کی جاں ستانی سے ہر طرح قاصر رہے تو بار بار ستانی اور مادی تدبیر شروع کر دیں۔

چنانچہ کسی جریدہ "نور افشاں" نے عبداللہ نے سحر تفسیر ۱۸۹۸ء کی اشاعت میں لکھا "امرتسر میں اپنی خواہش آتھم کے ہلاک کرنے کے لیے تین دفعہ حملے کیے گئے۔ پر کہ ان کا امرتسر میں رہنا بالکل ناممکن تھا اس لیے ڈپٹی آتھم صاحب ۲۷ اپریل ۱۸۹۷ء کو امرتسر سے بٹالہ تشریف لے گئے اور وہاں سے لدھیانہ کو چلے گئے۔ لدھیانہ میں ایک شخص برکی سے ڈپٹی صاحب کا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ وہاں بھی جب یہ کہ آتھم صاحب فیروز پور میں، جہاں ان کی لڑکی اور داماد قیام پذیر تھے، روانہ ہوئے۔ اس جگہ ان پر چار حملے کیے گئے۔ دو دفعہ بندوق سے گولی چلی۔ ایک دفعہ ایک شخص گنڈاسہ لئے ہوئے دکھائی دیا۔ دو دفعہ تین تین گھڑی رات کے وقت قریب کے کھیتوں میں چھپے ہوئے معلوم ہوئے جو پولیس کے تعاقب کرنے سے مفرور ہو گئے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت تین گھڑی کو قفل کا دروازہ توڑنے پائے گئے۔" (شاہد الدین، جلد ۲۲، صفحہ ۵۵)

ڈاکٹر مارٹن کلارک میڈیکل مشنری امرتسر نے کیس اقدام قتل عبداللہ کو شرکت مجرمانہ امرتسری عدالت میں بیان کیا کہ آتھم کی جان لینے کی چار کوششیں کی گئیں۔ اس کی موت کی مقررہ میعاد کے آخری دن میں خاص پولیس کا پہرہ رات فیروز پور میں رکھا گیا۔ ان کوششوں کے باعث، جن میں اس کی جان لینے میں کی گئیں، اسے امرتسر سے لدھیانہ اور لدھیانہ سے فیروز پور جانا پڑا۔ یہ کوششیں عام طور پر مرزا صاحب سے منسوب کی گئی ہیں۔

(کتاب البریہ' حاشیہ مرزا غلام احمد صاحب' صفحہ ۱۳۰)

۸ اگست ۱۸۸۸ء کو ڈاکٹر ہرلن کلارک نے بدرکت مجسٹریٹ گورداسپور کے اجلاس میں باقرار صالح بیان کیا کہ امرتسر کے مناظرہ میں' میں عیسائیوں کی طرف سے مناظر تھا۔ مناظرہ کا صدر قاضی عبداللہ اکثم کی تھا۔ مجھے یہ مرجع مناظرہ میں بھیجنا پڑا۔ اس مناظرہ میں مرزا غلام احمد کو سخت ذلت اٹھانی پڑی۔ قادیانی صاحب نے دوران مناظرہ میں ظاہر کیا تھا کہ میں تجربت دکھا سکتا ہوں' اس لیے ہم نے اجازت دے دی تھی مگر مرزا غلام احمد کسی کو بھی ایجاد نہ کر سکے۔ مرزا صاحب نے یہ پیشین گوئی کی کہ عبداللہ نامی چھ ماہ کے اندر مر جائے گا۔ عبداللہ اکثم سلیمان کوئی نام ہونے سے تھوڑی اس کی ذمہ داری پر تھے۔ عبداللہ اکثم پر بہت حملے کیے گئے جس سے اس کو اپنی جائداد مکان وغیرہ تبدیل کرنی پڑی۔ یہ امرتسر سے لدھیانہ اور لدھیانہ سے فیروز پور گیا۔ پیش گوئی کے آخری دن میں عبداللہ اکثم کی خاص گرانی بذریعہ پولیس کرائی گئی۔ یہ حملے کیے گئے ان میں ایک حملہ یہ تھا کہ ایک کوبرا سانپ ایک برتن میں بند کر کے اکثم کے مکان میں داخل کیا گیا۔ مگر میں نے خود نہیں دیکھا مگر یہ مشہور ہے۔ یہ سانپ مارا گیا تھا اور عام لوگ کہتے تھے' مسٹر اکثم نے ہی لکھ اس کی اطلاع دی کہ فلاں جگہ فیروز پور میں یہ واقعہ عبداللہ اکثم کی طرف سے ڈالی چلائی گئی اور ایک مرتبہ اس کے سونے کے کمرے کا دروازہ توڑا گیا۔ (ایضاً صفحہ ۳۰)

یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اکثم اور یہ سارے عبداللہ قادیانی صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف برابر یہ احتجاج کرتے رہے کہ پیشین گوئی پوری کرنے کے لیے اکثم پر قاتلانہ حملے کرائے جا رہے ہیں اور سانپ منگوا کر اور زہر کھلا کر ان کی جان ستانی کی پیہم کوششیں ہو رہی ہیں۔ لیکن مرزا صاحب کو کبھی اس کی جرأت نہ ہوئی کہ ان الزامات کی تردید کریں۔ اس کے بعد اور خاص لدھیانہ نے حد تعمیر ۱۸۸۸ء کی اشاعت میں ان الزامات کا اضافہ کیا تو بھی مرزا صاحب کو تردید اور لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر یہ الزامات غلط تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کی تردید نہ کی جاتی۔ آخر جب اکثم نے اس سراسر غلط کو الزام کیا اور الزامات کی صحت کو بہ بانگ دہل ظاہر کرنے والا کوئی نہ رہا تو قادیانی صاحب نے بداہۃ جرأت پر قدم رکھ کر مرتکب توہین ہونے یہ کہنا شروع کیا کہ قتل کرانے کی کوششوں کے الزامات جھوٹے تھے۔ مولانا ہادی نے مرزا صاحب کو مخاطب

کرتے ہوئے اپنے رسالہ "اظہار الحق" میں لکھا کہ اگر آتھم کے بیانات غیر صحیح اور اختراعی تھے تو تم نے اسی وقت ان کی تردید کیوں نہ کی؟ اور اس پر باطل کر کے اسے تین کی سزا کیوں نہ پائی؟

اس کے جواب میں مرزا صاحب نے کتاب "انجام آتھم" میں ۲۰ دسمبر جنوری ۱۸۹۷ء کو یعنی آتھم کی موت کے چھ سینہ بعد شائع کی۔ اپنے خاص انداز و نظام طراز میں لکھا "جوان بطالوی محمد حسین اپنے پرچہ "اشاعۃ السنہ" میں ہم پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ جس حالت میں آتھم نے تم پر بھروسا کر لیا تھا کہ تم اس پر باطل قسم خوری کرنے اور اگر تم فی الواقع بھروسا نہ تھا تو اس کو سزا پاتے۔ مگر افسوس کہ بطالوی نے اس اعتراض میں بھی شیطان لعین کی طرح دانستہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہا۔ اعتراض کے وقت اس کو خوب معلوم تھا کہ پہلی گورنمنٹ میں بار بار یہ ذکر ہے کہ آتھم انکار کی حالت میں ہے سزا نہیں پھرتا جائے گا اور خدا اس کو امرار کے بعد جلد پکڑے گا اور ہلاک کرے گا۔ پس جس حالت میں آتھم کی موت سے ہمیں یقین دلایا گیا تھا کہ منجانب آتھم اپنے جرم دروغی اور انکار پر ماخوذ ہو کر جلد سزائے موت سے سزایاب ہوگا تو پھر ہمیں کہاں سے خیال پیدا ہوتی تھی کہ انگریزوں کی عدالتوں کے دستاویز پر اپنے تئیں سرگردان کرتے"۔ (انجام آتھم حاشیہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ ۵۰ حاشیہ)

بہرحال ثناءاللہ صاحب نے یقین کرلی کے بھروسا لکھنے سے پہلے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی ہرگز جرأت نہ کی۔ البتہ اس کے بعد جب بھی اس قسم کے اعتراض ہوئے تو ان کی صحت سے انکار کیا لیکن ظاہر ہے کہ یہ انکار بیٹھے کے بعد اڑنگ بازی ہے اور مرزا صاحب کا مصداق تھا۔ اگر یہ اعتراضات جھوٹے تھے تو ان کی انہی ایام میں تردید کی جانی چاہیے تھی جب یہ طبع کیے جا رہے تھے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ مرزا صاحب کے بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے آتھم کو زہر پلانے کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ صاحب موصوف رسالہ "بطالوی پیشین گوئیوں کی حقیقت" میں لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی طرف سے ایسے رسالہ کل پیدا کرنے کی کوشش کی کہ جن کی وجہ سے مسٹر آتھم کو اپنے مسلمان ہونے کی طبعی کرنے

پڑے"۔ (اشاعۃ الشیخین گوئیوں کی حقیقت' مطبوعہ ہاشمی پریس' صفحہ ۵۵) ان مادی تدبیروں کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب اپنی روحانی تدابیر سے بھی غافل نہیں تھے۔ چنانچہ الاستفتاء میں لکھتے ہیں کہ بچوں کو حرامی کہنے اور اس کے بعد اس خیال سے کہ بچے گناہوں سے معصوم اور منجانب اللہ ہوتے ہیں' ان سے آتھم کی موت کی دعائیں کراتے"۔

(اشاعۃ الشیخین گوئیوں کی حقیقت' مطبوعہ ہاشمی پریس' صفحہ ۵-۶)

روحانی تدابیر کے سلسلہ میں حضرت "مسیح موعود" صاحب نے اپنے دوستوں کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ نہایت خشوع و ابتہال کے ساتھ آتھم کی موت کے لیے دعا کریں اور کراتے رہیں۔ مرزا اسمٰعیل سیالکوٹی کو اپنے ایک مرید خاص منشی رستم علی کورٹ انسپکٹر کو لکھا کہ (آتھم کی) پیشین گوئی میں اب تو صرف چند روز رہ گئے ہیں۔ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امتحان سے بچائے۔ غرض معلوم (آتھم) فیروز پور میں ہے اور تندرست اور فربہ ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے ضعیف بندوں کو ابتلاء سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔ باقی خیریت ہے۔ مولوی صاحب کو بھی لکھیں کہ اس دعا میں شریک رہیں۔ (تاکسار غلام احمد از قادیان)۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' صفحہ ۲۸)

اس خط سے حضرت "مسیح موعود" کی پریشانی اور گھبراہٹ بالکل عیاں ہے۔

باب ۴۵

آتھم کی ہلاکت کے لیے "مسیح موعود" صاحب کا ایک دلچسپ کرامتی ٹوٹکہ

قادیان پر پیشین گوئی کے آخری دن نہایت ہولناک تھے' ہر جگہ امید و بیم کی کشمکش تھی۔ اس وقت قادیان کی حالت بالکل اس بدنصیب شہر کی سی تھی جس پر دشمن کی یلغار ہو' تیغ کی فوجیں پیش قدمی کرتی ہوئی بالکل قریب آپہنچی ہوں اور اہل شہر دہواسی میں بھاگنے یا محصور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہوں۔ حضرت مسیح موعود صاحب کی حالت خاص

طور پر قابل رحم تھی۔ وہ بے چارے سخت خبط کے عالم میں مبتلا تھے۔ عالم سراسیمگی میں وہ یہ نہیں سمجھ میں آتی تھیں جن سے کام لے رہے تھے۔ آتھم کے وفات کے بعد تمام حملوں کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے اور سانپ پھر ڈالنے کی کسی نئی کوشش کا بھی وقت نہیں رہا تھا۔ اب لے دے کے تصویرات اور تخیلات کے ہاتھ ہی باقی تھے' جن سے کسی مشکل تخلیق کی امید ہو سکتی تھی۔

حضرت "مسیح موعود" کے مخلص صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے کتاب "سیرۃ المہدی" میں اپنے باپ کا ایک دلچسپ کرداتی خاکہ درج کیا ہے' جو اس موقعہ پر عمل میں لایا گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب آتھم کی پیشگوئی میں صرف ایک دن باقی رہ گیا' تو حضرت "مسیح موعود" نے میاں عبداللہ سنوری پٹواری سے اور میاں محمد علی سے فرمایا کہ اسٹنٹ لے لو اور ان پر اللہ سوہنا کا وظیفہ اتنی تعداد تک پڑھو' سوہنا تو یاد ہی ہوگا' اگر یاد ہے کہ اسم تو کاف کی طرح کوئی چھوٹی سورت تھی۔ عبداللہ سنوری کا بیان ہے کہ ہم نے یہ وظیفہ ساری رات صرف کر کے ختم کیا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم حسب ارشاد والے حضرت صاحب (مرزا غلام احمد) کے پاس لے گئے۔ اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو مکان سے باہر نالہ جہل کی طرف لے گئے اور فرمایا کہ یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں' تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر لوٹنا چاہیے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے' چنانچہ حضرت صاحب نے (اپنے دست مبارک سے) ان دانوں کو ایک غیر آباد کنوئیں میں پھینک دیا اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس لوٹے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہیں دیکھا۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۱۱۰)

قادیانی صاحب نے مرگ آتھم کی پیشین گوئی کی تاریخ ۱۵ ماہ ۱۸۹۷ء کے دن کی تھی۔ اس دن یا پندرہ مہینے کی مدت ۱۵ ستمبر ۱۸۹۶ء کو ختم ہو چکی تھی' مگر الہامی صاحب اور ان کی امت نے غلطی سے ۱۵ ستمبر ۱۸۹۶ء کو میعاد کی آخری تاریخ سمجھ رکھا تھا۔ وہ ان کنوئیں پر جا کر آتھم کی ہلاکت کا عمل ۱۵ ستمبر کے دن کیا گیا تھا۔ الہامی صاحب وہاں سے واپس آکر نہایت اطمینان کے ساتھ آتھم کی ہلاکت کا مژدہ سننے کے لیے سراپا انتظار بن بیٹھے۔

انہوں نے امرتسر، بٹالہ، گورداسپور، فیروزپور، غرض تمام متعلقہ مقامات پر اپنے قوی پھوڑ رکھے تھے کہ ہوشیار اعظم کے مرنے کی خبر کسی کے کانوں تک پہنچے اور وہ بلا دیر کی سی تیزی کے ساتھ یہ خبر جہاں تک تاریں پہنچا سکتے اور مولوی صاحب کے بلی کلمات حل پر تشکیک و تلبیث کا مرہم رکھے۔ مگر معلوم نہیں کہ حضرت مسیح موعود نے عید اگنی کا یہ عمل کس کتاب میں دیکھا تھا کہ دشمن کی چال کا کھیل نہ ہو سکا اور کف حسرت ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ (تکوین ع)

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

جشن مسرت منانے کی زبردست تیاریاں

ہر تیرہ کو پاکٹ اعظم کی خوشی میں تاریوں کے اور ایک شاندار جشن مسرت منایا جانے والا تھا۔ اور اور کے مرزائی کی بی پوشاکیں سلوا کر تاریاں پہنچ رہے تھے اور ہر کس و ناکس نے ہر تیرہ کی عید کے لیے مکمل تیاریاں کر رکھی تھیں۔ چونکہ بیچ کچھ تھا مرزا صاحب نے اپنے گھر والوں کی سمجھاری اور جشن مسرت منانے کے لیے آنے کے بھروسے اور بہت سے کہنے سنا کر رکھے تھے۔ (اشاعۃ السنہ، جلد ۱۱، صفحہ ۳۰۰)

باب ۷۵

پیشین گوئی کے جھوٹا نکلنے پر مرزائی حلقوں میں ماتم

ہر تیرہ کی شام سے پہلے بیشتر مرزائی تاریوں بیچ چکے تھے اور انہیں یقین تھا کہ ہر تیرہ کا آفتاب اس وقت تک غروب نہیں ہوگا جب تک اعظم کے پاک ہونے کی خبر نہیں آجائے گی۔ لیکن جب مرشد تاریوں میں اس مضمون کا تار پہنچا کہ اعظم نہیں مرا تو تاریوں کی خوشی عید، غم سے بدل گئی۔ ہر مرزائی محزون اور سوگوار دکھائی دیتا تھا۔ مرزائیوں نے وسط تیرہ سے اپنے لباس عید کو چاک کر کے یہ کہنا شروع کیا۔

رہے آکہ بچ گھین شادی بیاہ گشت واعتبر تاکہ شارع غریب ہاروشہ ماند

مگر بایں ہمہ افسوس کہ بے بی حضرت صبح موجود صاحب اب تک بایوس نہیں ہوئے تھے اور انہیں برستور اعظم کی موت کی آس لگی ہوئی تھی۔ اس وقت انہوں نے یہ ضبط تمام' چھوٹا و مسہور ما رکھا تھا کیونکہ وہ اپنی غیر ملکی المسلل توقعات کو بھی اسی طرح صادق دے کر دکھایا کرتے تھے کہ ان کے معرفیوں کے لئے متخیلات کے دروازے بند نہیں ہوئے تھے۔ ہر حضرت کی تمام کو اقبال صاحب نے نماز مغرب کے بعد تمام حاضرین سے فرمایا کہ بایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے' بلکہ ایک خاص اخلاص کی ضرورت ہے' اس لئے ہر اہل اولیٰ مخلص و کبیر نماز عشاء کے بعد اسی مسجد مبارک میں جمع ہو جائے۔ نماز عشاء کے بعد عزائیوں کا ہم غفیر مسجد میں جمع ہو گیا۔ اقبال صاحب نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر احمدی کے لئے آج کی رات سونا حرام ہے' ہر شخص درگاہ اعظم خاکسار میں اسلام کی عظمت اور حبیب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توسط کا واسطہ دے کر اعظم کی موت کے لئے رات بھر مصروف دعا رہے اور اخلاق اور زاری کرتے ہوئے ارحم الراحمین کے جذبات رحم و کرم کو حرکت میں لائے۔ اگر کامل تضرع و ابتہال کے ساتھ شب خیز رہے' تو میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر حضرت کی صبح کا آفتاب اس وقت تک طلوع نہیں کرے گا جب تک آپ لوگ اعظم کی موت کا مژدہ نہ سن لیں گے۔

راقم الحروف نے بزرگوں سے سنا ہے کہ باغ اور بے بی حضرت کی درمیانی رات کو مکانوں کے اندر ہر مرزائی نے خواب و استراحت اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اقبال صاحب اور ان کے حق فراموش دیوانہ رات بھر گڑگڑا کر دعائیں مانگتے رہے کہ الٰہی! اعظم کو آج ہی رات مار ڈال۔ الٰہی اس شخص نے تیرے حبیب پاک سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے اس کا آج ہی خاتمہ کر دے۔ بار خدایا! اعظم تیرے دین کا دشمن ہے۔ اس کو نابود کر کے اسلام کی عزت رکھ لے۔ الٰہی! صادق تیرے مسیح موعود کا مذاق اڑا رہا ہے۔ اعظم کو آج رات ہلاک کر کے اس کو دوبالہ کر اور اپنے مسیح کی لاج رکھ لے! غرض اسی طرح رات بھر روتے اور دعا و مناجات میں مشغول رہے۔

نماز صبح کے بعد مسیحا صاحب نے اعلان فرمایا کہ خیر و برکت نماز بھجوائے اور دریافت فرمایا کہ

آتھم ہلاک ہوا ہے یا نہیں؟ جب تک یہ بات نہ کھلے گی ہمارا دل مطمئن نہیں ہوگا۔ آتھم زندہ سلامت موجود ہے۔ یہ سنتے ہی فرمانے لگے کہ الٰہی صاحب کے گوش ہوش سنی تو ہے چاہئے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ بہت دیر تک مدہوشی کا یہ عالم طاری رہا کہ ع

کاٹو تو نہیں لہو بدن میں

مگر الہام کا دل کو سمجھایا کہ اگر میعاد اس طرح تم نہ ہوئی اور مرزا صاحب دیکھیں گے، تو وہ بھی گھبرا جائیں گے، چنانچہ دل کو سنبھال کر کے اس مضمون کے شعر پڑھنے لگے

میں ہوں راضی بہ رضا تو کر خلیفت مری صورت بلائی جاوے سے بھی ٹل جاوے گی

(۱) الغرض مرزا صاحب کی یقین کامل حق بجانب اور اللہ پر اللہ اللہ تھی۔ نہ آتھم نے میعاد سے غائب ہو کر رجوع الی الحق کیا۔

(۲) نہ وہ سال میں مرا۔

(۳) نہ اس کی والدہ ہوئی۔

(۴) نہ مرزا صاحب کی عزت گئی، بلکہ آتھم کی جگہ خود ثناءاللہ صاحب ذلیل ہوئے۔

(۵) نہ اہل اسلام سوچکے (بیٹھ) ہوئے۔

(۶) نہ اہل الحاد پلے لگے۔

(۷) نہ اہل ہندو ہنسنے لگے۔

اس پیش گوئی کے متعلق مسٹر ریم ہل صاحب ایم اے مرزائی خلد باطنہ اور ہل مرزائی کا ایک مضمون بعد تغیر میعاد کے اخبار الحکم قادیان میں شائع ہوا تھا۔ مسٹر ریم ہل لکھتے ہیں "بعد تغیر میعاد کے جس دن بعد غلط آتھم والی پیش گوئی کے پورا ہونے کا انکار کیا آپ (میرے والد ماجد خلد باطنہ ہل صاحب) قادیان میں تھے، فرمایا کرتے تھے کہ حضرت (مرزا) صاحب اس دن یہ فرماتے تھے کہ آج صبح خوب نہیں ہوگا کہ آتھم مر جائے گا مگر جب صبح خوب ہو گیا تو لوگوں کے دل بیٹھنے لگے۔ آپ (والد ماجد خلد باطنہ ہل صاحب) فرماتے تھے کہ اس وقت مجھے کوئی گھبراہٹ نہیں تھی ہاں فکر اور تردد ضرور تھی، لیکن جس وقت حضور (مرزا صاحب) نے تقریر فرمائی اور لوگوں کی حقیقت بیان کی تو طبیعت بشاش اور انشراح صدر پیدا ہو گیا اور اطمینان کامل ہو گیا۔"

باب ۴۶

عیسائیوں کا جلوس اور مسیحی تہذیب کا افسوس ناک مظاہرہ

۱۹ ستمبر ۱۹۰۰ء کو عیسائی لوگ آنحضرت کو نہایت ناک و اہتمام کے ساتھ نیویارک سے امریکہ لائے اور ایک نہایت شاندار جلوس نکالا' چنانچہ مسیح کلیسیاں کے کچھ حالات یہاں شیر احمد صاحب ایم اے "سیرۃ النبی" میں لکھتے ہیں کہ چند ماہ بعد کی آخری رات گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو آنحضرت کے دوستوں نے ان کے لئے میں ہار پہنا کر اور ان کو گاڑی میں بٹھا کر سارے شہر (امریکہ) میں خوشی کا جلوس نکالا اور اس طرح لوگوں میں خوب فاکہ مارنے کی جگہیں کھلی بھولی تھی (سیرۃ النبی' جلد اول' صفحہ ۲۳۳)

خواجہ حسن نظامی صاحب بھی اپنی میں رقم طراز ہیں۔ "پادری لوگ آنحضرت کو امریکہ کے بازاروں میں لے پھرے کہ دیکھو آنحضرت صاحب زادہ ہے اور بڑی گہری بھولی تھی۔ بہت سے پادری شیخ مولوی ہو چکے مسلمان تھے اور پھر عیسائی اور دنیا پرست اہل دانے ان کے ساتھ ہو گئے اور بڑی دھوم اور کھڑکھڑ اور طمطراق" میں ان کے اعانی بن بیٹھے اور بڑے جوش سے اسلام (معاذ اللہ) کی خوب کرائی' پھر کیا تھا عیسائیوں کو اور بھی موقع مل گیا' پس انہوں نے چاروں سے لے کر تار گھاٹ اور بمبئی اور کلکتہ اور دور دور کے شہروں تک نہایت شوق سے چھپنا شروع کیا اور دین اسلام پر حملے کئے اور یہ سب مولوی پادری صفت اور اسلامیوں والے' ان کے ساتھ خوش خوش اور ہاتھ میں ہاتھ دئے ہوئے تھے"۔ (سراج منیر' مصنفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۲۳۳)

الغرض اس وقت اطراف و اکناف ملک میں اعلان صاحب کی بشیر گرفتاری کے نام نکلنے کا پورا ملک حضرت مسیح موعود صاحب پر جگہ ہنسی و مذاق کا محفل بنے ہوئے تھے اور قریب قریب مرزائی ہر طرف منہ چھپائے پھرتے تھے۔ اس موقعہ پر عیسائیوں نے قادیانی

صاحب کے عہد خلافت میں بہ مقام کمپو اشتہارات شائع کر کے اپنی شرافت و نجابت کا خوب مظاہرہ کیا۔ ضلع ہذا "رسل بابانی" کے زیر عنوان مولانا حافظ صاحب امرتسری کی کتاب "مقالات نوابی" میں مندرج ہے۔ کسی نجابت کا خلاصہ شریک ہے۔ اس کے چند شعر ہدیہ ناظرین ہیں۔

اے ہی تو رسل بابانی
لیکن ، ہے بیا شیطان علی
د باد کیا تو کہے کیے سے اب کہی
پیغامبر ہی ہے ، ہے عدل ولی
کیا دے دیکھ کر کیے نکھر
ہے کہ کہہ کر کہی ہر جلسہ علی
کیا ہی تجھ کو کہی اک فرق کیا
کی۔ ہے اب حکم علی ہی نجابت
ہے احکم سے مثالی ہے ولایت آپ کی
ڈر ہی ابلیس کے ہے ہوک کھائی آپ کی
احکم اب دیں ہی کر دیکھ تو آنکھوں سے خود
ہاتھ ہے کب پھپ سکے ہے اب پھپائی آپ کی
کہے کہ فرض د بیا تحویل کا اب ہم کیا
ہاتھ اب حق نہیں کوئی بھلائی آپ کی
بھولے ہیں باش ہی دعوے نجابت کے سبھی
ہاتھ بھی ایک بھی ہم نے نہ پائی آپ کی
حق ہے صادق اور صادق حق کا سب الہام ہے
ہوگی شیطان سے ہمیشہ کشائی آپ کی
ہوگیا ہمیشہ ہے سب اذہال سے اب آپ کے
کر دیا شیطان ہے چاک رہنمائی آپ کی
اپنے پنجے سے نہیں شیطان تجھے دیتا نجات

اس کو کب حوصلہ ہے خاک دم بیرائی کب کی
ہم نہ کہتے تھے کہ شیطان کا کہا مت کر یار
کس بلا میں اس نے دیکھو یہاں پھنسائی کب کی
ہر طرف سے ہے فتنہ ہی پیدا اور ہنگامہ ہے
دیکھو کہیں تاک میں اب یہاں گھات لگائی کب کی
ہے کہاں اب وہ خدا جس کا نہیں کام تمام
کس نے کس کی نہیں مشکل کشائی کب کی
واعظ اور بے شرم بھی عالم میں ہوتے ہیں مگر
سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی کب کی
کر کے حد کھا گوشے پر کیوں نہیں ہوتے سوار
فیصلہ کی شروع ہے بلی حلق کب کی
داڑھی سر اور مونچھ تو چھا یا بڑھا رہے
کر ہی ڈالے گا چوتھ اب تو بلی کب کی
آپ کے دعووں کو باطل کر دیا حق نے تمام
اب بھی تاب ہو ابھی میں ہے بھلائی کب کی

الشعر

اب بام کر فرد کسی جا پکارئے ۔۔۔ بس ہو بلی لاز حلق الطارئے

ظاہر ہے کہ یہ نظم دشنام گوئی اور طوطہ ثاری کی پست اور سراپا توہین آمیز ہے اور مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی اظہار یہ جابت کرنے کے لیے درج کر دی ہے کہ مرزا ہی کی یہ سب ادبیات و رسوائی مولوی عبدالحق مرحوم خوشی سے سیاہ کرنے کا نتیجہ تھی۔ ناکسار راقم الحروف اس گندگی کو کتاب کے صفحات پر لکھنا گوارا نہ کرتا لیکن چونکہ قادیانی صاحب مسلمانوں کے مقابلہ میں نصرانی کو زیادہ مہذب و متمدن بتایا کرتے تھے اس لیے مرزائیوں کو نصرانی تہذیب کی ایک جھلک دکھانا ضرور تھا۔

قادیانی صاحب نے اہل صلیب کی شائستگی و متانت میں کلمہ تک صحیح نہیں کرتا ہوں کہ

جس تختی سے مسلمانوں نے تیرے ساتھ برتاؤ کیا عیسائی نہیں کریں گے کیونکہ ان میں وہ تہذیب ہے جو دلی محبت گورنمنٹ برطانیہ نے اپنے قوانین کے ذریعہ سے مذہب لوگوں کو سکھائی ہے اور جن میں یہ خوبی ہے" تو ایک پادری سوسائٹی نے لیکچروں اخبار کے ساتھ دلوں میں قائم کیا ہے۔ پادری صاحبان خلق اللہ پر بیداری اور دلی اور نرمی سے ہمارے ان مولوی صاحبوں سے ایسی محبت سے ملتے ہیں کہ بھی سوائے کرتے وقت فرشتہ ہوتا پڑتا ہے۔ میں قریباً ہر روز دیکھتا ہوں کہ جب کوئی مسلمان مذہب بحث کے لیے آتا ہے" تو اس کے چہرہ پر ایک پژمردگی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا خون نچڑا ہے" لیکن جب کوئی عیسائی ملتا ہے" تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی حقیقی قوت باطل اس سے مخاطب ہے۔ نرمی سے کلام کرتا ہے اور بیداری سے پڑتا ہے"۔ (کتاب "سراج منیر" یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا' جلد ۲ صفحہ ۳۰۰)

ڈوئی صاحب نے ان خیالات کا اظہار اس وقت کیا تھا جب ۱۹۰۰ء کے ایک اشتہار میں کیا تھا لیکن اس کے بعد جب ۱۹۰۳ء میں وکٹر نسلڈن کے ساتھ الجھے اور ان کے عملی اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا اتفاق ہوا اور پادریوں نے یہ دیکھ کر انہیں مرزا قادیانی کی مروجہ تشبیہ کرنے کے لئے لکھے ہیں' تو ڈوئی صاحب کی بری گت بنائی تو بیچارہ مرزا قادیانی کو اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی' چنانچہ اس کے بعد کتاب "تفہیم اعظم" میں ۱۹۰۳ء مجددی ۱۹۰۰ء کو تبلیغ ہوئی' ڈوئی صاحب نے نسلڈن کے متعلق یہ کہا تھا کہ "ہم تعین کرتے ہیں کہ اس عیسائی قوم میں خلق بداخلاقی اور شر پیدا ہوتے ہیں اور بھیڑیوں کے لباس میں اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں اور اصل میں شریر بھیڑیئے ہوتے ہیں"۔ (تفہیم اعظم' مؤلفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۹)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مولوی عبداللہ مرحوم لدھیانوی کی بھی دو تصنیف "اعلان حق" میں شائع کی ہیں' جو ایک نو مسلم بزرگ تھے اور لدھیانہ کے کسی سکول میں مدرس تھے۔ آخر ۱۹۰۰ء کو ڈوئی صاحب کا نام ہر یک رسالہ و اخبار مولوی عبداللہ نے سنا اور ان کو فریق رحمت کرنے اس عبرت ناک بلا کو اپنے لباس پہنایا' چنانچہ یہ اشعار ظاہر ہوئے۔

غضب تھی تھی پہ مکر ڈوئی خبیث کی
نہ دیکھی تو نے فعل کرتا ڈوئی خبیث کی

ہے تھرتی ہی جوہڑ سوا نہیں آتم
یہ کہکشاں ہے امرتسر کالی تیر کی
ترے حرف کو نیزاوہ سے لے لی
یہ بولی ہے' ہ ترا نر کالی تیر کی
دلیل و خار براہمہ سے چھپ رہے تھے کہ تھی
ترے میدان پہ ستر کالی تیر کی
یہ لرجاد میں سوائیں کی ساعت تھی
کہ بیٹا ہوگیا تھا ستار کالی تیر کی
سوا یوں کے تھے امیدوار سب بایں
مہ امرتا و امبر کالی تیر کی

اس سلسلہ میں سوامی سمد مظہر مرحوم کی دوسری نظم کے چند اشعار بھی کتاب سوانحات مرزا" سے نقل کرکے پیش کئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

ارے او نیا فرش خود کام مرزا — ارے برہمہ نند بدنام مرزا
فلاں پاپوڑ کر اور یا تو — رسول حق پیغام مرزا
ہوا بعد صادق میں ظاہر — مسیحی کا یہ الہام مرزا
کیا چھپ چھپ چھپ کے کرتے — ہے آتم نند یہ بیکام مرزا
ترے کذاب کی شش و قرنے — کیا کاذبوں کا نام مرزا
بتیر کیا تھا کیا کم کر کیا تھا — ترا امرتسر اور اکرام مرزا
کیا تھا اس نے تجھ کو زندہ رہ کر — سوا تجھ کو ملعون اثام مرزا
دکھن تو نہ کیا بار بار بھی — یہ اس خوبی کا ہے الہام مرزا
نہ کھا کچھ اگر مد پیالو کر تو — براہمہ کا نہ پی جام مرزا
مسلمانوں سے تجھ کو واسطہ کیا — چلا کھلا یہی کام مرزا
کہ اک ہوتی ہے مرشد بگیوں کا — خدا تک ہوتوں کا ہے ہرام مرزا
تو ہے اک انیائے سمل میں سے — ملعون کہ دے سوا وشام مرزا

زمین و آسماں قائم ہیں اب تک	ترے ہو گئی کتنے غلام مرزا
براہیں سے لگتے تو نے مسلماں	کبھی ایسے بھی تھے لئام مرزا
خوف کہ چھپ کر تیغ و خنجر	کتنے تیرے چھپے تمام مرزا
در توبہ ہے وا ہر اک مسلماں	یہی سنتی کا ہے پیام مرزا

باب ۷۷

الہ دین مرزائی کا اعلان کہ مرزا جی ایک دکان دار آدمی ہیں

اعظم کی یقین گوئی نے بہت سے مرزائیوں کا پانسہ اتنا کمزور کر دیا۔ وہ لوگ جن کے دل میں قبل ایمان کی بجائے مطابعت موجود تھی وہ اس واقعہ سے متاثر ہو کر مرزائیت سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔ چنانچہ الہ دین جاد بد لدھیانہ کا ایک نابینا قابل مرزائی تھا اسے اعظم کی یقین گوئی کے سچا نکلنے کا بہت دلی قلق تھا جیسا دین کے دشمن ہر شخص کو دیکھ کر اضطراب کا شکار ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ یقین گوئی ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو اسے یقین ہو گیا کہ قادیانی صاحب ایک دکاندار آدمی ہیں۔ لدھیانہ کے رسالہ نور علی نور کی عدد ۱۰ جلد ۱۰ کی اشاعت میں اس کا ایک مضمون شائع ہوا" جس میں لکھا تھا کہ جب سے کہ اس یقین گوئی کی میعاد گزر کر بالکل مہمل ہو گئی اور عبداللہ اعظم صاحبان اب تک زندہ اور بالکل تندرست موجود ہے۔ اور مرزا جی نے اپنے رسالہ "سچ الاسلام" میں جو تاویل کی ہے وہ کسی طرح قابل اطمینان نہیں ہے۔ پس ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ الغرہ یوخذ بالقراء (گویا اپنے اقرار کے سبب آپ گرفتار ہوتا اور پکڑا جاتا ہے) ہم مرزا صاحب کے مکالمہ مخاطبہ یعنی ان کے کلام موحی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ آنحضرت ہمارے دین کے مکالمہ ہیں" ہر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ" کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور سلف صالحین اور فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت سے برابر اب تک متفق اور متوازن ہیں۔ (فاضل کمترین الہ دین جاد

سازِ دلِ صیادی (کلکِ فضل ربانی، صفحہ ۵۵)

جن عزائموں کے بل بوتے مرزائیت کے بھرم کی فراوانی کی خلقت سے پوری طرح سیاہ ہو چکے تھے۔ ان کو میں دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ فضل کو تو اس کا مطلق احساس ہی نہ تھا کہ ان کے کیک موجود کی تلخین کہاں' کہ اس جملے سے کی گئی تھی' جھوٹی نقل ہے یا یہ کہ قادیان کی خدائی دولت و ثروت کے خواہاں اللہ رہے ہیں۔ اور اصل ایسے تھے' جنہوں نے اپنی دولت و رسوائی کا تو خدشہ سے احساس کیا تو ضرور مگر کدو ہوئے لیکن چونکہ توفیق اتمام کی کشتی پر سوار ہو کر فضل حق کا قصد نہ کیا' مرزائیت سے توبہ کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی بلکہ یہ وہ نصیب قادیانی صاحب کی پہلی بیوی کو کر اور سرور النبی کی بیعت میں داخل ہو گئے۔

ان جان لعینوں کی مثال ایسی ہے جیسے مثلاً کوئی شخص جدل میں پھنس کر پاکٹ کے قریب پہنچا ہو اور پکڑ ہونے کے بعد کسی طرح جدل سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن ارادہ جدالی کرے اسی جدل میں جا پھنسے اور پکڑ کے لیے قریب تک میں جا پہنچے۔ البتہ غنیمت یہ کہ میں سوار محمد علی خان مشیر کو اتنی ایک ایسا شخص ملا ہو گو تائب نہ ہوا مگر اسے قادیانی صاحب کی طرف سے سوء ظن ضرور پیدا ہو گیا اور اس نے الہامی صاحب کو صاف لکھ دیا کہ میرا اعتماد متزلزل ہو گیا ہے"۔ سوار محمد علی خان کی بقیہ ان شاء اللہ العزیز اسی باب میں درج ہو گی۔ اس تحریر کے بعد سے الہامی صاحب پر سوالات اور اعتراضات کی اتنی بوچھاڑ ہو گئی کہ بے چارے جواب دیتے دیتے پریشان ہو گئے۔ لیکن قادیانی صاحب بجائے خجل ہونے کے نہایت جرأت اور استقلال کے ساتھ ہر اعتراض اور سوال کا یہی جواب دیتے رہے کہ آخر میں مسلمان ہو گیا ہے' اس لیے پاکٹ سے بچ گیا ہے۔

باب ۷۸

پیش گوئی کے جھوٹا نکلنے پر اسلامی جرائد کا تبصرہ

(بقیہ اخبار)

جب کلیانی صاحب کی طرف سے اس قسم کا مضمون چھپنا شروع ہوا کہ اعظم نے حق کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ اس لئے مباحثہ خدا فہمی سے بچ گیا ہے" تو بدر اخبار لاہور نے لکھا کہ اگر اخفاء سے مرزا صاحب کی فتح کی فتح ہو جاتی" تو بعد سے لوگ اعتقاد عوام کے بھکے کا اور پھر خود مرزا صاحب جانتے ہیں کہ کیا فتح کی کے لفظ لکھنے پر اصرار کرتے۔ لہٰذا اپنی ہی فتح کا اعلان چھپ رہے ہیں۔ نہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اعظم نے کسی وقت اسلام کی صداقت تسلیم کی ہوگی" اس لئے خدا نے انہیں نہیں ہلاک کیا مرزا صاحب کا الہامی خدا ابھی غیب نہیں جانتا کہ یہ انہیں پہلے ہی نتیجہ سے مطلع کر دیتا۔ اس کے بعد مرزا صاحب پر یہ مرزا الہام ایسے وقت میں ہوا کہ ساری دنیا میں ان کے اخفاء کی قلعی کھل چکی تھی۔ اگر ہر خبیر سے پہلے ہی یہ الہام شہر کر دیتے" تو بھی کسی سے تک ان کی عزت نہ جاتی۔ بلکہ کہا جاتا کہ خدا کی روشن مثال مرزا صاحب کے آخری اخفاء سے ہمارکیں نہ لی سکے گی۔ (اشاعۃ السنہ" جلد ۱۱" صفحہ ۲۷)

جریدہ "نور علی نور"

اخبار "نور علی نور" لاہور نے لکھا کہ عید خبیر سے پہلے تک تو یہ وحی تھا کہ جب تک اعظم نہ مرے گا ہر خبیر کا تالاب خوب نہ ہوگا لیکن جب اعظم کے مرنے پر ہر خبیر کا تالاب خوب ہو گیا اور ہر طرف سے فتح حاصل ہونے لگی" تو مرزا صاحب کو یہ الہام ہوا کہ اعظم نے اپنے دل میں کسی قدر حق کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ لیکن اگر مرزا صاحب ہر خبیر سے پہلے یہ اعلان کر دیتے کہ چونکہ اس نے کسی قدر اسلام کی طرف رجوع کر لیا ہے اس لئے اب نہیں مرے گا" تو ایک بات بھی تھی۔ اب الہام عید کے بعد اس قسم کا مذبذب مرزا صاحب کے الہامی خدا کی خدائی پر کیسی طرح روشنی ڈال سکتا تھا۔ جب مرزا صاحب کے الہامی خدا نے دیکھا کہ اس کی اطلاع لغو گئی" تو بلہار ایک اور ہاتھ کھڑا کر دیا۔ جس سے جھک کر پڑنے کے بیچ چھپا لیا مرزائی خدا ہی کا کام ہے" نہ کہ علام الغیوب خواستہ۔ (اشاعۃ السنہ" جلد ۱۱" صفحہ ۲۷)

باب ۷۹

آتھم کی طرف سے اس مرزائی عذر لنگ کی تردید کہ آتھم نے رجوع کیا ہے

جب یہ تین گواہ پوری دعوت اور اتمام حجت کے ساتھ کہ ہر یک طرف سے قسم کا تقاضا ہوا" تو انہوں نے ایک خط میں اپنی طرف سے کچھ مضامین لکھ کر یہ مضمون بھی لکھا کہ اس مقدمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ پیش گوئی میں فریق مخالف کے لئے سزا جس کے لئے پیشگوئی یا وعدہ تھا ایک گونہ سزا ہے جو اس بحث سے تعلق رکھتا تھا پس مقدم سب سے اپنی خیانت آتھم تھا" جو پندرہ دن تک جلوس" یا فصل میں نے اتمام کے معنی یہ سمجھے تھے کہ پیشگوئی سے مراد سزائے موت ہے لیکن الہامی لفظ عربی پیشگوئی ہے اور سیاق یہ بھی شہادت دیتا ہے کہ حق کی طرف رجوع کرنے والا نہ ہو۔ اور یہ بات بالکل سچ اور قطعی اور اتمام کے مطابق ہے کہ اگر مسٹر عبداللہ آتھم جیسا کہ پہلے خاموشی تھی اور اخیر اسلام پر قائم رہتا اور اسلامی عظمت کو قبول کر کے حق کی طرف رجوع کرنے کا کوئی حصہ نہ لیتا تو اسی میعاد کے اندر اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کے الہام نے پہلے بتلا دیا کہ آتھم نے اسلام کی عظمت اور اس کے رعب کو تسلیم کر کے حق کی طرف رجوع کرنے کا کسی قدر حصہ لے لیا' جس حصہ نے اس کے بعض سزا اور کامل خوف کے پیشگوئی میں تاخیر ڈال دی۔ اور بات میں تو گرا لیکن اس بات پیشگوئی سے خوفناک دلوں کے لئے بچ گیا' جس کا نام سزا ہے۔ آتھم نے اپنی حضلیہ حرکت سے ثابت کر دیا کہ اس نے اس پیش گوئی کو تعلیم کی نظر سے دیکھا اور یہ اسلامی پیش گوئی سے خوفناک حالت میں پڑا اور اس پر رعب غالب ہوا۔ اس نے اپنے طعل سے دکھا دیا کہ اسلامی پیش گوئی کا کیسا ہولناک اثر اس کے دل پر ہوا" یہاں تک کہ وہ شربہ شربہ ہر ایک جگ ہراساں اور ترساں پھرتا رہا۔ وہ کتنی سے ڈرا" سانپوں کا اس کو اندیشہ ہوا اور اندھیرے مکانوں سے بھی اس کو خوف کیا اور خدا نے اس

کے دل کا ترجمان سمجھیں لیکن خود یہ حالت ایک رجوع کرنے کی قسم ہے کیونکہ ہر شخص حقیقت اسلامی کو رد نہیں کرتا بلکہ اس کا خوف اس پر غالب ہوتا ہے' وہ ایک طور سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ہمیں صاف طور پر الہاماً معلوم ہو گیا ہے کہ اس وقت تک مذہب موت لگنے کا یہی باعث ہے کہ آتھم نے حق کی عظمت کو اپنی خوفناک حالت کی وجہ سے قبول کر کے ان لوگوں سے کسی درجہ پر مخلصانہ پیدا کر لی ہے' جو حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم پھر مکرر لکھتے ہیں کہ خود آتھم نے کسی قدر باطل کی سزا بالفعل پا لی ہے۔

اس کے بعد الہوائی صاحب نے لکھا۔ "اب حق کے طالب یہ سمجھ گئے کہ پیش گوئی کرنے کی دیر تھی پوری ہو گئی۔ میں عیسائیوں کی بہبودی کے لیے مباہلہ کے لیے تیار ہوں۔ ایک تاریخ مقرر ہو کر ہم فریقین ایک میدان میں حاضر ہوں اور آتھم صاحب کھڑے ہو کر تین مرتبہ ان الفاظ کا اقرار کریں کہ اس پیش گوئی کے عرصہ میں اسلامی رعب ایک طرفۃ العین کے لیے بھی میرے دل پر نہیں گیا اور میں اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا یقین رکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں اور صداقت کا خیال تک نہیں کیا۔ اور حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور ابنیت پر یقین رکھتا ہوں اور رکھتا ہوں۔ اگر میں نے خلاف واقعہ کہا ہے اور حقیقت کو چھپایا ہے تو اے خدا سچا اللہ تجھ پر ایک برس میں مذہب موت نازل کر۔ اس دعا پر ہم آمین کہیں گے اور اگر یہ دعا ایک سال تک اثر نہ ہوا اور وہ مذہب باطل نہ ہوا تو ہم ہزار روپیہ آتھم صاحب کو انعام کہاں کے دیں گے"۔ (انوار اسلام' حقانی مرزا غلام احمد صاحب' صفحہ ۲۰)

آتھم کا مراسلہ بنام ایڈیٹر "وقار"

جب الہوائی صاحب کا یہ بیان شائع ہوا تو اس کے جواب میں اخبار "وقار" لاہور نے مؤرخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں اپنی عدالت آتھم کا ایک مراسلہ بدیں الفاظ شائع کیا۔ "جناب ایڈیٹر صاحب اخبار "وقار" سلیمہ۔ اب مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے دل میں اسلام قبول کر لیا ہے اس لیے پیش گوئی کے بموجب میری مراد خیر ان کو اختیار ہے جو چاہیں سو کہیں۔ خدا نے ان کو جھوٹا کیا۔ اب جو چاہیں تاویل کریں۔ کون کسی کو

روک سکتا ہے۔ میں ظاہر میں اور دل سے جس طرح پہلے عیسائی تھا اب بھی ہوں۔ جب میں امرتسر میں عیسائی جماعتوں کے جلسہ میں شامل ہونے کو گیا تھا تو وہاں بعض اشخاص نے بیان کیا تھا کہ آتھم مر گیا ہے نہیں گئے لگے اور جب مجھے ریلوے پلیٹ فارم پر دیکھا تو کہنے لگے کہ "یہ آتھم کی شکل کا کوئی اور آدمی ہوا ہے۔ اگرچہ جسم مختلف ہیں۔ روح کے کوئی میں کل فارق ہے"۔ اپنی باتوں کا جواب صاف خاموشی ہے۔ میں راضی خوشی اور تندرست ہوں اور دیکھ لیں گے کہ ایک دن مرنا تو ضرور ہے۔ اب میری عمر ۵۰ سال سے زیادہ ہو چکی ہے اور جو کوئی چاہے یقین کر سکتا ہے"۔ (آتھم) (انوار الاسلام' جلد ۵ صفحہ ۳۵) (نیز ملاحظہ ہو آتھم نے یہ بھی بیان کیا کہ میں مرزا غلام احمد کی پیشین گوئی کی وجہ سے نہیں ڈرا بلکہ میں کی بنا پر تھا اور دعا کی سے ڈرا تھا اور قسم کھانا جھوٹے مذہب میں صحیح ہے۔ (انوار الاسلام' صفحہ ۳۵، ۳۶)

آتھم کا خط بنام لیفٹیننٹ جنرل گلی

"محمد بخش مالک اخبار "لیفٹیننٹ جنرل گلی" لاہور نے اپنی ملاقات آتھم کا ایک مفصلہ بیان اخبار اپنے اخبار میں شائع کیا۔ "حسب بیان جناب مولوی محمد بخش صاحب مالک اخبار لیفٹیننٹ جنرل گلی لاہور شملہ۔ آپ کے خط کے جواب میں التماس ہے کہ عیسائیت پر برستور ایمان رکھنے کے متعلق میں اپنا مفصل بیان اخبار نور افشاں میں شائع کرا چکا ہوں۔ جس طرح میں پہلے سے پہلے عیسائی تھا اب بھی ہوں اور اپنے ایمان پر قائم ہوں اور ہرگز اسلام کی طرف ذرا بھی مائل نہیں ہوا نہ کبھی" نہ بلاشبہ۔ تو اب لیفٹیننٹ کہ اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ باقی رہا مرزا صاحب کا شروع شروع کا آتھم قسم کھا کر یہ ثابت کر دے کہ میں اسلام کی طرف مائل نہیں ہوا۔ سو صاحب میرا مذہب میں تو قسم کھانا صحیح ہے۔ حتیٰ کی انجیل میں صاف لکھا ہے کہ تم ہرگز قسم نہ کھاؤ۔ اور مرزا صاحب ۱۰ ہزار ۱۰ ہزار کی شہادت لاتے ہیں تو یہ ایک طرح کی قمار بازی ہے۔ میرے خیال اور میرے مذہب میں اس طرح کا فیصلہ بھی صحیح ہے۔ مرزا صاحب کی مرضی ہو کرتے ہو سکتے جائیں میں تو دعا مانگتا ہوں کہ یا خدا تعالیٰ تو مرزا صاحب کفارانی پر رحم کر اور اس کو ہدایت کر کہ راہ راست پر آئے۔ اور اس کو دنیاوی اور جسمانی صحت عطا فرمائے۔ آمین۔ اس سے زیادہ فضول ہے اور میں ایک

ضعیف العتقاد کوئی قریباً ستر سال کی عمر کا ہوتا ہے۔ آخر کہاں تک جیئے گا کون جانتا ہے کہ کب خدا تعالیٰ بلا لے۔ زیادہ سے زیادہ (آپ کا مخالف بھی عموماً آپ کو "بشر اکبر" "بشر اکبر" "بشر اکبر" کہتا ہے) (از حمام لیوڈ پور ۷ ستمبر ۱۹۰۰ء "الحکم" صفحہ ۱۵)

باب ۸۰

قلعہ ائی ملہم سے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کا دلچسپ مطالبہ

جب (بنی آدم نے اشاعت میں عدالتی چارہ جوئی کی دھمکی و مخالفت شروع کر دی) تو قلعہ ائی صاحب نے اعلان کیا کہ اگر آدم مذکور نشین گلی سے نہیں ڈرا تا تو وہ قسم کھا لے ہم اس کو ایک ہزار" دو ہزار بلکہ چار ہزار روپیہ تک انعام دینے کو تیار ہیں۔ اس پیشکش میں یہ حکمت مضمر تھی کہ عیسائیوں کے مذہب میں قسم کھانا مشروع ہے۔ چنانچہ خود قلعہ ائی صاحب کتاب "مسیحی فرج" (صفحہ ۲۷) میں لکھتے ہیں کہ "اے مسلمانو! تمہیں انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ ہرگز قسم نہ کھاؤ"۔

مطالبہ قسم سے قلعہ ائی صاحب کا یہ مقصد تھا کہ اگر آدم نے قسم کھا لی تو ہم کہہ دیں گے کہ دیکھو اگر آدم عیسائیت سے دست بردار نہ ہوا ہوتا تو قسم نہ کھاتا اور اگر قسم کھانے سے انکار کیا جیسا کہ یقینی ہے" تو بھی ہمیں یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ دیکھو یہ جھوٹا ہے۔ اگر سچا ہوتا تو قسم کھا لیتا۔ اور پھر یہ نہیں کہ قلعہ ائی صاحب آدم کے قسم کھانے پر اس کو روپیہ دے دیتے پر کمر باندھے تھے بلکہ اس کے ساتھ یہ شرط بھی لگا رکھی تھی کہ اگر قسم کھانے کے بعد ایک سال تک اس پر کوئی عذاب نازل نہ ہوا تو اس کو ہزار روپیہ دیا جائے گا۔ آدم اس چالاکی کو بھانپ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ ستر برس کے قریب تو میری عمر ہے۔ اب آگے سال بڑھنا کیا معنی" کیا جناب کے غیبی خزانوں کو پہلے میرے مارنے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے ایک سال کی مدت اور طلب ہوتی ہے۔ (اشاعۃ السنہ" جلد ۱۹ صفحہ

(۳)

چونکہ الہامی صاحب کو اس بات کا قطعی علم تھا کہ آتھم قسم نہیں کھائے گا۔ اس لیے اب بڑے دھڑلے سے یہ پیشین گوئی کر دی کہ آتھم ہرگز قسم نہیں کھائے گا۔ اسی کے ساتھ فریب خوردگان قادیانیت نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ اگر مرزا صاحب کی پیشین گوئی الہامی اور منجانب اللہ نہیں "تو آتھم قسم کھا کر اس پیشین گوئی میں مرزا صاحب کو کیوں جھوٹا نہیں کرتا؟" اس پروپیگنڈا کا کہ "تو ہر اب" کا کرتا دھرتا مدعی کلارک نے اپنے ایک اعلان میں دعا "تو بھائل پریس" امرتسر میں طبع ہوا خلاصہ واکٹر وکر نے اس میں لکھا۔

"مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ہے کہ میں مسلمان ہوں اور علمائے اسلام کہتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں اور کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں اسلام سے خارج کرتے ہیں۔ اب اگر مرزا صاحب کچہ جام میں قسم کھانے کا ایک گھڑا کھا کر کہیں کہ میں مسلمان ہوں تو ہم یقین کر لیں گے کہ علمائے اسلام کا فتویٰ غلط ہے اور مرزا صاحب واقعی مسلمان ہیں۔ اور اگر مرزا صاحب یہ نہیں کر سکتے تو وہ صرف آتھم کو ہی قسم کھانے سے معذور سمجھیں کیونکہ قرآن کے حکم سے یہ قسم نہیں کھا سکتے' اسی طرح آتھم صاحب بائبل کے حکم کے بموجب قسم نہیں کھا سکتے۔ جب تک کسی حاکم کی طرف سے قسم کھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس وقت تک عیسائیوں کو قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ پس مرزا جی کو لازم ہے کہ اپنی اس دعوت کو قبول کر کے اس شرط کے بموجب اپنا مسلمان ہونا ثابت کریں ورنہ بار بار آتھم صاحب کو مخاطب کر کے قسم کے اشتہار شائع کرنا بند کر دیں۔ مرزا صاحب اپنے الہام کی بنا پر کہتے ہیں کہ آتھم صاحب ہرگز قسم نہیں کھائیں گے۔ گو ہمیں الہام نہیں ہوتا اور نہ جبریل ہمارے پاس آتے ہیں تاہم ہم یقین کرتے ہیں کہ مرزا صاحب ہرگز قسم کا گوشت نہیں کھائیں گے۔" (ایچ ایم کارک "ہم ڈی میڈیکل مشنری' امرتسر)

لیکن قادیانی صاحب نے اپنا پروپیگنڈا نہ چھوڑا اور اس کے جواب میں لکھا کہ مسلمان عیسائیوں نے عدالتوں میں قسمیں کھائی ہیں۔ آتھم نے بھی اس کے جواب میں لکھا کہ اگر مجھے کسی عدالت میں طلب کرو تو میں بھی عدالت کے جبر سے قسم کھا لوں گا (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۱' ص ۱۹)

باب ۸۱

مرگ آتھم کی پیشین گوئی کے متعلق قادیانی

مہم کی تضاد بیانیاں

مرگ آتھم کی پیشین گوئی کے متعلق قادیانی مبلغ نے مختلف اوقات میں ۱۰ متضاد بیانات شائع کیے اور ۱۰ مختلف نیوز ایجنسیوں نے تبلیغ سلیماں کر کے اپنے ناموں میں غلط ہونے کے عمل خوب ادا کرتے رہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کس تاریخ کو لکھا	کیا اور کہاں لکھا
۲۰ دسمبر ۱۸۹۶ء	خدا نے قبل اپنے سچے مذہب کی تائید میں پیشگوئی ظاہر کی ہے۔ آتھم پیشگوئی کے موجب ضرور ہاویہ میں گرے گا۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۹ ص ۱۸۲)
۲۰ دسمبر ۱۸۹۶ء	پیشگوئی میں فریق مخالف کے لئے جس کے لئے ہاویہ یا ہاویہ کا لفظ استعمال ہوا ہے ایک گروہ مراد ہے۔ (انوار الاسلام، مرزا غلام احمد، صفحہ ۲) چنانچہ عیسائی گروہ میں سے کوئی بھی اثر ہاویہ سے خالی نہ رہا۔ پادری رائٹ ہوائی میں مر گیا۔ اس کی موت نے تمام عیسائیوں کو ماتمی کپڑے پہنا دیئے۔ (انوار الاسلام، صفحہ ۸)
۲۰ دسمبر ۱۸۹۶ء	ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ الہام کے الفاظ ہیں ۱۱۱۱ یعنی آتھم نے اپنے ہاتھ سے پیسے کھائے۔ مسلسل گھبراہٹوں میں مبتلا ہو اس کے دماغ میں فتور ہو گیا اور عمل اور خوف نے اس کے دل کو پکڑ لیا یہی اصل ہاویہ تھا۔ (انوار الاسلام، ص ۵)
مئی ۱۸۹۷ء	یہ شخص ہراساں اور ترساں اور پریشان اور بے

تاب اور وفا نہ سا ہو کر شریر شریعانا پھرنے لیا شخص بالشبہ
شقی یا شقی خود ہے اس مذہب (اسلام) کا مصدق ہو گیا ہے جس
کی تائید میں مشکل کی گئی تھی اور کی سبق رجوع الی الحق
کے ہیں لہ کی وہ حالت ہے جس کو بالعموم رجوع کے مراتب
میں سے کسی مرتبہ پر محمول کرنا چاہیے۔ (البیاء الحق' مولفہ
مولانا امرتسری' ص ۵۰۰)

۱۹۱۱ء میں ہم نے آتھم کے لئے لکھے اسلام قبول کی شرط نہ
کی تھی۔ صرف رجوع الی الحق کے الفاظ تھے۔ سو اس نے
اپنے تئیں خوف دلا کر اپنی گمراہی کی صداقت ظاہر کر دی۔
(البیاء الحق' ص ۸)

پیشگوئی میں یہ شرط مذکور تھی کہ اگر
وہ عیسائیت پر مستقیم رہیں گے اور ان کے الفاظ یا اقوال سے
رجوع الی الحق (قبول اسلام) ثابت نہیں ہوگا تو صرف اس
صورت میں وہ گرفت کے اور قتل ہوں گے (الہام آتھم'
صفحہ ۳)

۱۳ جولائی ۱۸۹۸ء آتھم کی بابت شرط پوری ہو گئی تھی کہ اگر
رجوع الی الحق نہ کرے گا تو مرجائے گا۔ پوری گرفت صرف اس کے
واسطے تھی' کل حقیقی مواعید کی بابت نہیں تھی۔ (کتاب
البریہ' مولفہ مولانا امرتسری' صفحہ ۱۵۰)

۱۵ اگست ۱۸۹۹ء خدا نے آتھم کو ہمارے آخری اشتہار سے
سات ماہ کے اندر یعنی چودہ مہینہ کے اندر ہی مار دیا۔ اور
۱۵ جولائی ۱۸۹۹ء کو بمقام فیروزپور اس کی زندگی کا خاتمہ
ہو گیا۔ اس صورت میں جو چودہ مہینے پوری گرفت کے مقرر تھے
آخر آتھم اس دن کے اندر ہی مرا اور چودہ مہینہ کی میعاد
ہر صورت قائم رہی۔ (فتح اسلام' صفحہ ۱۱۸)

۱۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء	یہ پیش گوئی ہے یہاں تک کہ قریشیوں میں سے دو شخص حنیفہ کے بیٹے مجوزہ ہے وہ پہلے مرے گا۔ وہ آنحضرت ﷺ سے پہلے مر گیا۔ (مکی فوج' صفحہ ۱)
۱۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء	میں نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد میں کہا تھا کہ ہم میں سے جو مجوزہ ہے وہ پہلے مرے گا۔ (تاریخ الخلفاء' جلد اول' صفحہ ۷)
۱۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء	پیش گوئی کا ماحصل یہ تھا کہ ہم میں قریشیوں میں سے جو مجوزہ ہے وہ سب سے پہلے مرے گا۔ سو وہ ابوجہل کہ آنحضرت ﷺ مر گیا۔ (تاریخ الخلفاء' صفحہ ۷)
۱۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء	آنحضرت ﷺ نے اسی مجلس بدر میں (جو ۱۷ رمضان ۲ھ کو اپنی ہجرت سے شروع کر کے ٹھیک ۱۸ مہینہ بعد وقوع میں آئی) ابوجہل سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔ (تاریخ الخلفاء' صفحہ ۷)
۱۰ مارچ ۱۹۸۹ء	پیش گوئی میں صاف لفظ ہے کہ مجوزہ بچے کی زندگی میں مرے گا۔ (الجہاد والدین' صفحہ ۱۰)
۱۰ مئی ۱۹۸۹ء	جب میں نے پیش گوئی سنائی کہ تم نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے' اس کی سزا یہ پیش گوئی ہے کہ چھ مہینے کے اندر تمہاری زندگی کا خاتمہ ہو گا۔ تب اس کا رنگ زرد ہو گیا اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں نے ہرگز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخی نہیں کی۔ غرض پیش گوئی سن کر اس نے کمال رعب ظاہر کیا۔ (حقیقۃ النبوی' صفحہ ۱۸۵)

اجتماع ضدین

ان تحریروں میں مرزا قادیان نے اپنی بدحواسی کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔ پیش گوئی یہ تھی کہ اگر رجوع کرے گا تو سزا سے بچ جائے گا۔ ظاہر ہے کہ رجوع اور سزا

دونوں امر صحیح نہیں ہو سکتے۔ مگر قادیانی صاحب نے آتھم کے بچ کے بھرنے کا نام رجوع ہی رکھا ہے اور اسی کو بار بار بیان کرنا ہی قرار دیا ہے۔ یہ اختلاف خود قادیانی مسیح کے دعوی فعل کا پول کھولتا ہے۔ اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ اگر آتھم عیسیٰ گوئی کے بعد ہی مر گیا اور اس سے کوئی رجوع ظاہر نہ ہوئے تو پھر قادیانی صاحب نے عیسیٰ گوئی کے چھ ہی سال بعد شہادۃ القرآن میں یہ کیوں لکھا کہ آتھم ضرور پاک ہوگا۔ اور پھر رجوع کے باوجود دیوار کودیں پر جا کر پتے پھینکنے کے الہام نما عمل کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر واقعی رجوع کر لیا تھا تو قادیانی صاحب نے پوری عیسیٰ گوئی کے بعد اندر یہ کیوں اعلان نہ کر دیا کہ چونکہ آتھم رجوع کر چکا ہے اس لئے عیسیٰ گوئی کو کالعدم سمجھا جائے اور اس کی موت کا انتظار نہ کیا جائے۔

اور یاد رہے کہ "دونوں میں سے جھوٹے کے پہلے مرنے" والا الہام حضرت مسیح موعود صاحب کے دعوی نے عیسیٰ گوئی کے سوا نو سال بعد اختراع کیا تھا ورنہ عیسیٰ گوئی کا مضمون اس مفہوم سے قطعاً غیر متعلق ہے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ بہرحال مرزا صاحب کی عیسیٰ گوئی میں کل الوقت بھرتی تھی اور انہیں الف و دوتائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔

احساس ذمہ داری کا کمال

اور پھر حیاداری اور احساس ذمہ داری کا کمال دیکھو کہ حضرت "مسیح موعود صاحب" مرگ آتھم کی عیسیٰ گوئی کو ہی اپنی "صداقت" میں شمار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ "انجام آتھم" (صفحہ ۲۰۰۔ ۲۱۰) میں لکھا "خدا تعالیٰ کے علیم کلاموں کے آتھم والا عیسیٰ ہے"۔ اور ضمیمہ انجام آتھم (صفحہ ۲۱) میں لکھا "آگاہ کھل کر دیکھو کہ آتھم والی عیسیٰ گوئی اپنی تمام شکلوں کے ساتھ پوری ہوگی"۔ اور حقیقۃ الوحی (صفحہ ۲۲) میں لکھا "تیسرا نشان وفات عبداللہ آتھم کی نسبت پیش گوئی ہے' جو بعد مقابلہ سے پوری ہوگی ہے"۔

حکیم نورالدین کا اعتراف

مرزا حیرت کے دعوے و دلائل حکیم نورالدین کو بھی اس پیشین گوئی کے غلط نکلنے کا اعتراف تھا۔ چنانچہ بابو الہام علی اورینٹل کلرک دفتر نمبر ۲ سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ ریلوے لاہور نے مفتی محمد صادق کو حکیم نورالدین کے نام چٹھی بھیج کر ان سے دریافت کیا تھا کہ آتھم والی پیشین گوئی سچ نکلی یا نہیں؟ اس کے جواب میں حکیم صاحب نے بابو صاحب موصوف کے نام بھاولپور سے ایک پوسٹ کارڈ لکھا جس کی نقل مولانا یاری نے اپنے ماہوار رسالہ الفاتح الفتنہ میں شائع کر دی۔ اس پوسٹ کارڈ میں حکیم صاحب نے لکھا تھا۔ السلام علیکم! پیشگوئی کوئی جیسے خیال میں پوری نہیں ہوئی" اس میں کیا حرج ہے۔ ان شاء اللہ چند روز میں ظاہر کر سکوں گا" چند روز (واللہ نورالدین" میں کسی قسم میں جلدی کو پسند نہیں کرتا۔ (نورالدین از بھاولپور" (واللہ خاکسار) مولانا یاری مرحوم نے آخر میں لکھا کہ یہ پوسٹ کارڈ بعینہ ہمارے پاس موجود ہے۔ (الفاتح قادیان" جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۸) حکیم صاحب کو پیشگوئی کے غلط نکلنے کا راز معلوم تھا۔ ہو سکتا ہے کہ خود مرزا صاحب کی زبان سے اس کا بھید ظاہر کر دیا ہو۔ بہرحال حضرت مرزا صاحب اپنے مکالمات (صفحہ ۳۴۹) میں لکھتے ہیں کہ "دل کا لالچ کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہوئی" یہی قرآن کی تعلیم ہے اور یہی نورالدین کی"۔

باب ۸۲

ہلاک آتھم کی پیش گوئی کے جھوٹا نکلنے پر
محمد علی خان کا اضطراب

نام الزمان تھانیسر میں محمد علی خان رئیس مالیر کوٹلہ" ہو الہامی صاحب کو اپنی روپے سے مالی امداد دیا کرتے تھے" ایک معتقد خاص رکھتے تھے۔ جب یہ پیشگوئی آتھم کی پیشین گوئی ان کے حساب توقع بعیاد نکلی تو یہ سخت خبل اور وحشت زدہ ہوئے اور عالم اضطراب میں قادیانی صاحب کو یہ مکتوب لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سیدنا مکرم مظہم اللہ تعالیٰ" السلام علیکم" آج عید کا دن ہے اور

بیٹی کرائی کی بیعت عقیدہ ہر جبر سے ہوئی تھی۔ بیٹی کرائی کے ۱۸۸۸ء کے دعوی ہوں' لیکن آپ نے اپنے الہام کی یہ تشریح کی ہے وہ یہ ہے:

"میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر بیٹی کرائی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق اور خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ چودہ ماہ کے عرصہ میں قہر کی تجویز سے یہ سزائے موت پائے میں نہ بچے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جائے' رسوا کیا جائے' سولی دے دی جائے' مجھ کو پھانسی دیا جائے' ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں خدا جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا ضرور کرے گا ضرور کرے گا۔ زمین و آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔"

اب کیا یہ بیٹی کرائی آپ کی تشریح کے مطابق پوری ہوگی یا نہیں' ہرگز نہیں۔ عبداللہ آتھم اب تک صحیح و سالم موجود ہے اور اس کو یہ سزائے موت پائے میں نہیں گرایا گیا۔ اگر یہ سمجھ کر بیٹی کرائی الہام کے ۱۸۸۸ء کے جواب پوری ہوگی جیسا کہ مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا ہے اور ظاہری معنی ہر سمجھے گئے ہیں ٹھیک نہ تھے۔ اول تو کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی کہ جس کا ذکر عبداللہ آتھم صاحب پر چڑھا ہو' دوسرے بیٹین کرائی کے الفاظ یہ ہیں:

"اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز خدا کو انسان بنا رہا ہے وہ انہی دنوں کے موافق کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک ماہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور وہ شخص جو کاذب ہے اور سچے خدا کو چھپاتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب بیٹی کرائی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکے (یعنی) کہے جائیں گے' بعض لنگڑے چلنے لگیں گے' بعض بہرے سننے لگیں گے۔"

پس اس بیٹی کرائی میں ہاویہ کے معنی اگر آپ کی تشریح کے مطابق لیے جائیں اور صرف ذلت اور رسوائی لی جائے تو یہ تمام باتیں عداوت ذلت اور رسوائی کے ہاویہ میں گر گئی اور عیسائی مذہب سچا اور اسلام جھوٹا ثابت ہوا۔ عیسائی مذہب اسی حالت میں سچا سمجھا جائے اگر یہ بیٹی کرائی

پی کبھی جائے) ہو تو فی اس وقت عیسائیوں کو ہے نہ مسلمانوں (سرائیوں) کو کیونکہ اگر اس بیل گوئی کو سچا سمجھا جائے تو عیسائیت ٹھیک ہے کیونکہ جھوٹے فریق کو رسوائی اور سچے کو عزت ہوگی۔ اب رسوائی مسلمانوں کو ہوئی (مسلمانوں کو نہیں' بلکہ مرزائیوں کو۔ مولف مرزائیں قادیاں) میرے خیال میں اب کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

دوسرے اگر کوئی تاویل ہو سکتی ہے تو یہ بڑی مشکل کی بات ہے کہ ہر بیل گوئی کے مقابلہ میں مخالف ہو۔ لڑکے کی بیل گوئی میں فضل کے طور پر ایک لڑکے کا نام بڑھا دیا مر گیا' تو اس وقت بھی غلطی ہوئی۔ اب اس معرکہ کی بیل گوئی کے اصلی مفہوم کے لئے کتنے تو غضب وتعذیب اگر یہ کہا جائے کہ حج میں حج کی بشارت دی گئی تھی' اگر فلاسفہ ہوئی تو اس میں ایسے لوگ ہے اور قسموں سے حج کی بیل گوئی نہ تھی اور اس میں لوگوں سے غلطی ہو گئی تھی اور اگر بار بار جب بھیجے ہوگئے تو حج پائی۔ کیا کوئی ایسی نظیر ہے کہ دل جن کو بالتفاق کفار کے لیے صریح بھیجے ہو کر اور سیاق جن داخل تھا کر ایسی فلاسفہ ہوئی ہو (ہرگز نہیں۔ مولف) بلکہ کہ (اب اسلام) غلط چلنے شروع ہوگئے (کسی جھوٹے دعوی نکاح کی جھوٹی تلقین گوئی ہو اسلام کی صداقت میں شک کرنا جہالت و نادانی ہے۔ مولف)

لیکن الحمدللہ کہ اب تک جہاں تک غور کرتا ہوں اسلام بالتفاق دوسرے ادیان کے اچھا معلوم ہوتا ہے' لیکن آپ کے بیماری کے متعلق تو بہت ہی شبہ ہو گیا۔ بس میں خاتمہ بخیر دل سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اگر فی الواقع سچے ہیں تو خدا کرے کہ میں آپ سے غلط ثابت ہوں اور اس (دعم) کے لیے کوئی مرہم خاتمہ بالخیری' دوسرے آپ نے لکھے پاک کر دیا۔ ہم لوگوں کو کیا مدد دکھائیں' خاتمہ بالخیر ہی سچ سے یہ تحریر کر دیا ہوں۔ راقم محمد علی خان از بلیر کوٹلہ۔ (انکیٹ حق لمؤلفہ یعقوب علی تراب' ص ۱۰۰)

محمد علی خان نے اپنی پہلی میں یہ لکھا ہے کہ: حضرت نے حج کی بشارت دی گئی تھی اگر فلاسفہ ہوئی تو اس میں ایسے لوگ ہے اور قسموں سے حج کی بیل گوئی نہ تھی"۔ تو یہ بیان سراسر خلاف واقعہ ہے کیونکہ حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب میں حج کی بشارت نہیں دی تھی' بلکہ آپ نے صحابہؓ سے محض یہ فرمایا تھا کہ اگر ثابت قدم رہو گے تو حج پاؤ گے' لیکن چونکہ بعض کے بعض لوگوں نے استقلال کی نہیں تھیں کو ہاتھ

ہے بجواز حج اور قربان نہیں' کے خلاف احرام کی نیت و ادائی کے وقت اپنا سر منڈوا کر یا قینچی سے بال کٹوا کر حج کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' اس نے حضرت خلد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہونے دیا تھا اور قبائل کی طرف سے وفود آتے' مسلمانوں پر عتاب سے خلد کرنے کا موقع فراہم کیا اور اس طرح قبیلہ بنو حنیفہ کی حج وداعی حضور پر نور سے پہلے ہی ہو گئی۔ اگر حضرت خیر مطلق صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کی ہدایت بھی ہوتی تو یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اس کا خلاف ہو سکے۔

محمد علی خاں کی حقیقت الزام بالکل کے جواب میں خاں صاحب نے ان پر عمل تبلیغ کے غلاف چل دانے اور ہر قبول بھی بھیج کر ان کو پھانسنے کی کوشش کی اس کا خلاصہ یہ ہے:

مسمی الزام لیاب صاحب سردار محمد علی خاں صاحب خلد اقبالی' السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا عنایت نامہ ملا کہ قوم کی ذلت میں خلد آقائم کے زندہ رہنے کے بارے میں بہت سے سوال کیے ہوئے تھے' لیکن یہ پتا نہ تھا ہے کہ تعجب اور تردد اور شک اور سوء ظن سے بھرا ہوا خلد ایسے اخلاص کے موقع پر جس غایت قدسی سے آگاہ ہونے سے خلد کیے ہوئے' آپ میں ہیں کہ کس قدر سوء ظنی کا بھوت خلد نے ان کے دماغ میں داخل ہو اور اخلاص نے ایسے موقعہ پر کتنے مہینے سے بیمار کی' بہرحال آپ کا خط پڑھنے سے اگرچہ آپ کے حسن اخلاص سے بہت ہی رنج ہوا' جس کے استقبال کی نسبت ہرگز امید نہ تھی' لیکن سوچا کہ کسی وقت اگر خلد نے چاہا تو آپ کے لیے دعا کی ہے۔ غنیمت خلد ہے ہے کہ آپ کو اخلاق خلد کا کم ہونا ہے' جس طرح آپ لکھتے ہیں ایسا نہیں' بلکہ در حقیقت یہ حج عظیم ہے۔ لکھے خدائے تعالیٰ نے اختیار ہے کہ جو خلد آقائم نے حق کی طرف قبول کر لی اور سچائی کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے سزائے موت سے بچ گیا' اگر وہ اس کا قائل ہو جائے تو ابتدا سے حاصل ہونے میں نے اختیار خلد ہے کہ ایک ہزار روپیہ نقد یا تو تک اس کو دلا جائے کہ وہ قسم کھا جائے کہ میں نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اگر اس قسم کے بعد وہ ایک برس کے اندر ہلاک نہ ہو تو ہم ہر طرح سے کاذب ہیں اور اگر وہ قسم نہ کھائے تو کاذب ہے۔ خدائے تعالیٰ نے کئی دفعہ تجربے پر ظاہر کیا ہے کہ اس عداوت پر ایک

انکار کرنے والا ہے تا اللہ تعالیٰ بچے کہ کون سچا ہے اور کون کذاب ہے۔ (تاریخ مرزا غلام احمد قادیانی مؤلفہ عبدالکریم سیالکوٹی 'مجلد ۱' نمبر ۲' صفحہ ۱۵۔۱۸)

محمد علی خاں کی تحریری قسم دیکھو کہ یہ اس واقعہ کے بعد ہی مرزائیت سے تائب ہو گئے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو الہامی صاحب کا جواب پڑھ کر مطمئن ہو گئے یا خاموشی اختیار کر لی۔ حسب بیان سابقہ ہادی التوابی صاحب کی زندگی میں قریباً ہر ہفتہ مرزائی تائب ہو کر مختلف حوالجات میں از سر نو حلقہ اسلام میں داخل ہوتے' لیکن یہ لوگ کسی انقلاب سے یہ اس قسم کے واقعات سے کبھی متاثر نہ ہوئے' کیونکہ پتھر کو دیمک نہیں لگتی۔ فی الحال ہم مرزا غلام احمد کے مختلف معاجزات پر اظہار خیال کرتے ہیں۔

الہامی صاحب کے مختلف معاجزات میں سے ایک معجزہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی لڑکی محمدی بیگم کے نکاح کا معجزہ ہے۔ مرزا صاحب نے "سبز اشتہار" میں مرگ آلہم کی پیشین گوئی کے بعد مرزا بیگ کے خاندان کے جن میں داماد سے تعلق کیا ہے' چنانچہ لکھتے ہیں: "یہ قادر ذوالجلال آلہم کی پیش گوئی کی بعد میں بیاہ کر دے گا۔ یہ بیاہ بھی اس وقت کے لئے ایک نشان ہوگا" لیکن خلافت حضرت (مرزا) صاحب کی تردید کے لئے ایک حد تک مستحکم ہو چکی تھی' اس لئے برداشت کر گئی' لیکن جاہلوں میں خلط مبحث واشتباہ کی راہ کھلی۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۱۵۱)

باب ۸۳

نام نہاد صلیب شکن کا نسبتی بھائی مادر دوسرے مرزائی آغوش صلیب میں

آلہم کے متعلق جس الہامی صاحب کو مرزا صاحب کی تردید ہوئی تھی' اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ الہامی صاحب نے بیعت پر پہلے اور اپنے عزیزوں کے آنسو پونچھنے کے لئے پیش گوئی کی بجلیاں چھوڑ دی تھیں۔ آخر جب پیشین گوئی بھی جھوٹی نکلی اور آلہم نے مدت معہود کے بالکل ختم ہونے سے اظہار کر دیا تو کسی ایک دام الدوکن کھلیان

مرزائیت کو چھوڑ کر عیسائی ہو گئے' حالانکہ کلیانی صاحب شب و روز پیشگوئیاں کرتے رہتے تھے کہ میں صلیب شکن ہوں' میں نے آ کر عیسائیت کو پارہ پارہ اور صلیب کو پامال کر دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کلیانی صاحب صلیب شکنی کے بلند و بانگ دعووں کے باوجود اس حق خالص حقیقت کے سوا کبھی اپنے دعوے کی کوئی دلیل پیش نہ کر سکے کہ ملکی و سلیمل سائنس بلکہ خود خلیج اور تمہ مرزائیت کلیانی و اعظم کا پامال تھا اور کلیانی صاحب کے متعدد پیروؤں نے مرزائیت سے خلاصی پا کر صلیب پر حق اختیار کر لی اور جب مہاشی سے اللہ مرحوم و مغفور نے خالد سادھو صلیب شکن کو اس کا خط دیا تو موجد صاحب نے حلفیہ برہم ہو کر رسالہ الدار الاسلام میں' جو غیر مطبوعہ میں شائع ہوا تھا' لکھا تھا "یہ کہنا کہ اصل مسلمان اس (مرگ اعظم کے) الہام کے بعد عیسائی ہو گئے' اس سے بھی عیسائیوں کی صداقت (؟) پر ایک پامال کہنا مرزا ایک ثبوت ہے اس سے زیادہ نہیں"۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے عیسائی ہو جانے والے مرزائیوں کی نسبت لکھا کہ "یہ وہ پاجی لوگ ہیں کے مسلمان تھے' جن کو ہم نے دجال پا کر اپنی جماعت سے پہلے ہی خارج کر دیا تھا' پھر یہ لوگ دجال دجا کے لیے عیسائی ہو گئے"۔ (رسالہ الدار الاسلام' مرتبہ کلیانی صاحب' ص ۲۰) مگر یہ بیان سراسر صداقت پر مبنی ہے' کلیانی کے الہامی غبارے میں ان کے خارج از عداوت کے جانے کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔

بہرحال صلیب شکن صاحب کے اپنے اعتراف سے ثابت ہوا کہ بہت سے مرزائیوں نے مسیحیت کا پیغام لے کر صلیب پر حق اختیار کر لی۔ اس بیان کے قریباً تین سال بعد پادری ہنری مارٹن کلارک نے سفر و گلن (ولی کنٹر گھاٹ پور) کے اجلاس میں بیان کیا کہ بہت سے اشخاص عیسائی ہو گئے' جن میں سے ایک شخص محمد یوسف تھا' جو ایک اچھا معلم تھا اور پڑھا لکھا' دیندار اور عالم سمجھا جاتا تھا۔ جماعت اعظم کا تکفیری اور ضلالی بنا تھا' عیسائی ہو گیا۔ مرزا کا ایک عزیز محمد سعید تھا' جو مرزا غلام احمد کے بچپن کا خالہ زاد بھائی تھا' وہ بھی عیسائی ہوا اور عباس مذہب سے اس کا تعلق تھا۔ (کتاب البریہ' مؤلفہ مرزا غلام احمد' صفحہ ۱۰۰)

موجد صاحب "کتاب البریہ" میں ہنری مارٹن کلارک کا یہ بیان قلمبند کرنے کے بعد

حاشیہ پر رقم فرماتے ہیں کہ یہ اللہ ہے کہ میر محمد سعید میرے بھائی کا شاگرد (اور بھائی تھا) بلکہ یہ بھائی (حضرت نیکم) کا شاگرد (اور بھائی) ہے۔ (ایضاً) بعد میں مرگ آدم کی تعیین گوئی کا الہام ظاہر ہونے کے بعد بعد سے مرزائیوں نے حضرت مسیح موعود کی خانہ زاد مسیحیت سے بیزار ہو کر پرانوں کی مشرکانہ مسیحیت اختیار کر لی۔ موصوف صاحب اپنے رسالہ انوار الاسلام (صفحہ ۱۸) میں لکھتے ہیں:

> مکاشفہ میں میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے آیا اور کہا ہے کہ لوگ بھرتے جاتے ہیں' تب میں نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ لوگ بھرتے جاتے ہیں' مگر کیا تم بھی بھرتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔

سیاری محمد محسن عروم باری نے اس مرزائی بیان پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا

> اس فرشتہ سے' جو اس مکاشفہ میں قادیانی پر ظاہر ہوا' حکیم نور الدین بھیروی مراد ہیں۔ یعنی حکیم صاحب قادیانی کو تسلی دیتے ہیں کہ لوگ منحرف ہوتے جاتے ہیں' تمہیں میں اخیر وقت تک تمہارا ساتھ دوں گا۔

اس تحویل و تغییر کی وجہ یہ ہے کہ حکیم صاحب مرحوم قادیانی کے ہم نہیں' بلکہ وہ ان کو اور مرشد سمجھتے ہیں۔ وہ ان کو اپنے کیش تجویز پر بلا رہے ہیں۔ حکیم صاحب نے ایک کمال کی وجہ سے قادیانی کو اپنا مقتدا بنا رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ قادیانی کو نصوص قرآن و حدیث کی تحریف و تبدیل کا بے تکلف حوصلہ ہے۔ قرآن جاننے والوں کو قرآن کے معنی بگاڑ کر دکھاتا ہے۔ حدیث کے طالب کو حدیث کے بیچ میں تحریف کر کے کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے۔ عقلی باتیں اور نیچری اصول کے ماننے والوں کو بھی اچھی طرح خوش کر دیتا ہے۔ حکیم صاحب اپنے نیچری مذہب کا بہ مسئلہ بھی مسلمانوں میں رائج کرنا چاہتے ہیں' قادیانی پر اس کا الہام و القاء کر دیتے ہیں۔ قادیانی جس رنگ و بو میں حکیم صاحب کہتا ہے' اس کی اشاعت کرتا ہے' لہٰذا حکیم صاحب قادیانی سے نہ ہٹنے کے لئے سارا زمانہ اس سے پھر جائے۔ (اشاعۃ السنہ' جلد ۱۱' صفحہ ۲۲۲)

مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کرنے کا انجام

مولوی عبدالحق غزنوی مرحوم سے قادیانی صاحب کا جو مباہلہ ہوا اس کا تذکرہ اوراق سابقہ میں گزر چکا ہے۔ یہ مباہلہ ۱۵ جولائی ۱۸۹۱ء کو امرتسر کی عیدگاہ میں ہوا تھا۔ اس سے فراغت پا کر فریقین اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوئے۔ اس واقعہ کے سوا سال بعد' اب مرگ ارقم کی پیش گوئی کی میعاد ختم ہوئی اور ارقم کے زندہ سلامت رہنے پر قادیانی صاحب پر ہر طرف سے گھونسے کسے جانے لگے' تو مولوی عبدالحق صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا' جس کا عنوان تھا "مولوی مباہلہ عبدالحق غزنوی بر نام احمد قادیانی"۔ اس اشتہار میں مولوی عبدالحق نے قادیانی صاحب کی باطل اور رسوائی کو اپنے مباہلہ کا نتیجہ قرار دیا اور قادیانی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ "آپ جو فرماتے تھے کہ مباہلہ کے بعد جو باطل پر ہوگا وہ ذلیل و رسوا ہوگا' اب بتلایئے کہ ہم دونوں میں سے باطل پر کون ہے اور ذلیل و رسوا کون ہوا ہے؟ آپ نے مولوی عبدالجبار صاحب امرتسری کو لکھا تھا کہ میں اپنے الہام پر ایسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسے کتاب اللہ پر۔ مرگ ارقم کی پیش گوئی کے جھوٹا نکلنے پر بھی کیا آپ اپنے الہام پر وہی ایمان ہے یا کچھ فرق آگیا؟ بتلایئے' جو شہید اور بزرگوں کی بھی کوئی نہ کوئی پیش گوئی کبھی غلط نکل آتی ہے' لیکن آپ کہ اپنی پیش گوئیوں میں خاص ذلت و نامرادی کی بھیانک صورت دیکھنی نصیب ہوئی ہے۔ پیش گوئی کی میعاد گزر گئی' ارقم اب پہلے سے زیادہ قوی' تندرست اور گبھرو جوان ہے' تمہاری یہ ذلت و رسوائی مباہلہ کا اثر نہیں تو اور کیا ہے"۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے لکھا کہ اب میں مخالفوں کو قسمیں اور مزائیں کو قسمیں ختم دیتا ہوں کہ میرے اور مرزا کے حال کو دیکھ کر خود ہی اندازہ کر لو کہ مباہلہ کو پندرہ مہینے گزر گئے' اب میرے اوپر مباہلہ کی تاثیر بڑی یا مرزا پر؟ میں ہمیشہ بیمار رہتا تھا' اب کے سال اللہ کے فضل سے میرے بدن پر پھوڑا تک نہیں نکلا اور یہ باطنی نعمتیں اللہ عزوجل نے اس عاجز کو عطا کی ہیں' جو نہ بیان کر سکتا ہوں اور نہ مناسب جانتا ہوں کہ ان کا اظہار کروں اور مرزا کا حال تو ظاہر ہے اور اس کے مریدوں کا یہ حال ہے کہ اسماعیل ساکن جنڈیالہ ضلع مباہلہ امرتسر' جس نے مرزا کو مباہلہ کے واسطے منتخب کیا تھا

اور یوسف خاں سرحدی کی عدالت سے مرزا کا مرید تھا اور محمد سعید خاں زوجہ الٰہی مرزا کی بی بی کا یہ سب جھگڑے ہو گئے جن کا یہ حال اور عدالتوں کا یہ کہ دین و دنیا کی رسوائی و ذلت ان پر آ پڑی۔

یہ اشتہار مطبع صدیقی لاہور میں چھپا تھا اور اس پر عنوان "اشتہار ضروری برائے تصحیح" تھی۔ اس اشتہار کے انتظام میں کاتبوں کے الٰہی صاحب نے مولوی صاحب کو خوب گالیاں دیں۔ بطور نمونہ از کردارے الٰہی صاحب کی ایک عربی تحریر کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ یہ ترجمہ بھی خود الٰہی صاحب کا ہے' فرماتے ہیں:

"اے کذاب! تو پہلے مباہلہ کے بعد یہ سب کچھ دیکھ چکا ہے اور تو خوار کیا گیا ہے اور ہلاک کیا گیا ہے۔ اے احمقوں کے شیخ! میں نے کب تو پانی میں سے نکالا' بلکہ تو تو حماسہ کے پانی میں پختوں کی طرح ڈوب گیا اور کہاں تجھے آگ سے نجات حاصل ہوئی' بلکہ تو تو اس حریصہ کی آگ سے جل گیا' ہر شریروں پر لعنت ہے"۔ (ایضاً' مولف الٰہی' صفحہ ۲۲)

مولوی عبدالحق مرحوم نے بشیر کوٹی کی اکاذیب کو مباہلہ کا اثر قرار دیتے ہوئے الٰہی صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی استدلال کیا تھا۔ الٰہی صاحب نے عیسائیوں کے جواب میں لکھا تھا کہ میری سچائی کے لیے ضروری ہے کہ میری طرف سے بعد مباہلہ ایک سال کے اندر ضرور نشان ظاہر ہو اور اگر نشان ظاہر نہ ہو تو پھر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور نہ صرف وہی سزا' بلکہ جھوٹے کی سزا کے لائق ہوں۔ (ایضاً' مولف مرزا غلام احمد' طبع سوم' صفحہ ۱۰) مرزا صاحب نے اس استدلال کے جواب میں لکھا کہ یہ غلط ہے کہ میرا نشان ظاہر نہیں ہوا' بلکہ میرے گی ایک نشان ظاہر ہوئے مباہلہ کے بعد میری فتح ہوئی' میرے دشمن گئے' تذلیل میں مبتلا ہو گئے۔ (حقیقۃ الوحی' صفحہ ۱۳۰)

اور جب مولوی نے الٰہی صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت! اہل اللہ کے مخالف تو ان کی بددعا سے ہلاک ہو جاتے ہیں' لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ مباہلہ کے باوجود عبدالحق لزوی کا بال تک بیکا نہیں ہوا؟ تو اس کے جواب میں مرزا صاحب نے کتاب انجام آتھم میں' جو ۱۹۰۰ء میں مولوی عبدالحق کو شائع کی' یہ عذر تراشا کیا کہ مباہلہ دراصل میری درخواست سے نہیں تھا اور نہ میرا اس میں یہ دعویٰ تھا کہ عبدالحق پر بددعا کروں اور نہ میں نے بعد

مبارک کبھی اس بات کی طرف توجہ کی۔ اس بات کو لفظ خوب جانتا ہے کہ میں نے کبھی عبدالحق پر یہ دعا نہیں کی کہ اپنے حق کے بدلے کو پورا کر اس طرف توجہ نہیں دیا۔ (تفہیم الہام اکتوبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۲)

لیکن اس تحریر کے سامنے پانچ سال بعد قادیانی صاحب نے کتاب نجم الہدیٰ میں یہ دعوی کیا کہ عبداللہ کو شائع کی" یہ لکھ کر اپنے بیان کی تردید کر دی کہ صدہا مخالف مولویوں کو مباہلہ کے لیے بلایا گیا تھا جن میں سے عبدالحق غزنوی میدان میں نکلا۔

بہرحال اس مباہلہ کے بعد دو برس بعد شمر صاحب کے مطابق قادیانی صاحب کا ایک لڑکا مبارک احمد مر گیا۔ اس کے بعد الہامی صاحب خود ہی مولوی عبدالحق کی زندگی میں طعنہ دخل ہو کر ان کے برسر حق ہونے کی عملی تشریح کر گئے کہ الہامی صاحب نے خود لکھا تھا کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو" سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ (اشاعۃ السنہ قادیان جلد ۱۰ نمبر ۷ صفحہ ۱۹۰)

یاد رہے کہ قادیانی صاحب جس دن مباہلہ کو بتمام ہوئے اور مرض ہیضہ میں گرفتار ہو کر مولوی عبدالحق مرحوم کی زندگی میں گیارہ گھنٹہ کے اندر دخل ہو گئے اور مولوی صاحب اپنے حریف کے زیر دخل ہونے کے بعد نو سال تک خلوت و خلوار اور پر عافیت زندگی بسر کر کے ہر ملی عباد کو بخیر و عافیت انجام دیتے رہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

باب ۸۵

رمضان المبارک میں خسوف و کسوف کا اجتماع اور رئیس قادیاں کی موقع شناسی

قادیانی صاحب کی عادت تھی کہ کیسی ہی صحیح متفق علیہ حدیث نبوی کیوں نہ ہو اگر ان کی خانہ ساز مسیحیت یا نفسانی خواہشات کے خلاف نظر آتی تو فوراً طریق پر اس کو یہی پشت ڈال دیتے یا تحریف کے ساتھ اس پر اپنی خواہش کو پیش کرنے کی سعی

سازی شروع کر دیتے لیکن اگر کسی روایت کو ذرا بھی سنید مطلب پاتے تو خواہ کیسی ہی ضعیف' بلکہ موضوع اور من گھڑت کیوں نہ ہو' اس سے استدلال کر کے اسے اپنا کلہ کار بناری بناتے اور خود آرائی کا خوب بیڑا کر دیتے' چنانچہ رمضان میں قبولِ وکسوف کے اذکار کی نفر و موضوع روایت اس کی بدترین مثال ہے۔

چونکہ الہامی صاحب کی ذات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات مدغم ہیں سے ایک علامت بھی تھیں پوری جاتی تھی اور نیز اس وجہ سے کہ سچے عیسیٰ علیہ السلام کی ایک علامت حدیثوں میں یہ لکھی ہے کہ وہ صلیب پر سور کی طرح اذکار کو معدوم و باطل کر دیں گے۔ الہامی صاحب کو انگریز کے خوف سے فتوائے "حرمت" کا دعویٰ کرنے کی جرأت نہ ہوئی' بلکہ سرے سے ان سچی حدیثوں کی صحت ہی کے منکر ہو بیٹھے' "ہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نزول' ہبوط' نزال' ابن مابہ وغیرہ کتب حدیث میں سوی ہیں' چنانچہ کتاب ازالہ اوہام (طبع اول' صفحہ ۱۰۰) میں "ہر سہ تحریر ۱۸۹۱ء کو شائع ہوئی' لکھا کہ محققین کے نزدیک صدی کا گھنٹا کوئی یقینی امر نہیں ہے۔ ۱۸۹۱ء سے پہلے ان کی حالت برابر ذبذب رہی' کبھی تو صدی پر پہنچتے اور کبھی بخوف حکومت نہ صرف اپنی حدیث سے انکار کر دیتے' بلکہ ان حدیثوں کی صحت ہی کے منکر ہو جاتے ہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں وارد ہیں۔

آخر جب مارچ ۱۸۹۱ء میں سورج گہن اور چاند گہن کا رمضان المبارک میں اتفاق ہوا تو ان کی رگ حق پرستی پھر جنبش میں آ گئی اور انہوں نے پھر زور شور شروع کی کہ میں ہی صدی ہوں اور رمضان میں سورج اور چاند کا گہن ہونا ہی صدیث کا نشان ہے' چونکہ انگریزی حکومت کی طرف سے برداشت گوشالی کا بھی کھٹکا لگا ہوا تھا' اس لیے انگریز کی خیرخواہی خاطر کے لیے ساتھ ہی تکوینی جہاد نے یہ دعویٰ بھی شروع کر دیا کہ میں صدی تو ہوں' مگر قرنی صدی نہیں ہوں۔

رسالہ "انوار الاسلام" میں' ہر سہ تحریر ۱۸۹۱ء کو چھپ کر شائع ہوا' لکھا کہ ایک فیصلہ کرنے والا اشتہار الہامی ہزار روپیہ میاں رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی اجاداری پر لکھنے کے لیے' جنہوں نے اس عاجز کی نسبت یہ اشتہار شائع کیا ہے کہ "یہ شخص کافر اور دجال اور شیطان ہے اور اس پر لعنت اور سب و شتم کرتے رہنا ثواب کی بات ہے"۔ اب ان پر

واجب ہے کہ اپنے ہم جنس محمد حسین صاحب کو میانوالی کو قسم دلوا کر بیزار ہونے ہم سے لے لیں' ورنہ یاد رکھیں کہ ہم سب ابولہب لعنۃ اللہ ہو کر تمام شیاطین کے ساتھ جہنم میں پڑیں گے اور لکھا ہے کہ مہدی موعود کا ہونا نشان یہ ہے کہ اس کے وقت میں رمضان میں خسوف و کسوف ہوگا اور پہلے اس سے جیسا کہ حدیث صاف بتا رہا ہے' کبھی کسی رسول یا نبی یا محدث کے وقت میں خسوف کسوف کا اتفاق رمضان میں نہیں ہوا اور جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے' کسی نبی رسالت یا نبوت یا محدث کے وقت میں کبھی چاند گرہن اور سورج گرہن اکٹھے نہیں ہوئے' خسوف اور کسوف اور مہدی کا رمضان کے مہینے میں موعود ہونا خلاف عادت قرار دی گئی باطنی طور پر بھی تکلیف اب اس میں شک کرنا صریح بے ایمانی ہے"۔ (اظہار الاسلام' مولفہ مرزا قادیانی' صفحہ ۲۰۰۔۲۰۱)

اور بوقلمونی دیکھو کہ الہامی صاحب نے اس تحریک کے قریباً بائیس سال بعد رسالہ (حقیقت المہدی' صفحہ ۱۸۵) میں اس سرزمین کو ظلم قرار دیا کہ اس قسم کی تمام حدیثیں' امام مہدی کے کذاب ہونے کے بارے میں ہیں' ہرگز قابل وثوق اور قابل اعتبار نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام کے حق میں تمام حدیثیں ہی قابل اعتبار نہیں تو پھر الہامی صاحب کا دعوائے مہدویت بھی ایک مضحکہ خیز حرکت تھی' لیکن طرفہ تماشہ دیکھو کہ الہامی صاحب تھوڑے دن کے بعد اس واقعہ کو بالکل بھول گئے کہ حسین حقیقت المہدی" میں احادیث مہدی علیہ السلام کو بالکل اعتبار کے قابل ہوں' اس بات کو چھ سال کے بعد ہی پر مہدویت کا بھوت پھر آ سوار ہوا اور تذکرۃ الشہادتین (صفحہ ۶۰) میں' ۱۹۰۲ء میں مہدویت کو شائع کی تھی' یہ لکھ مارا کہ میں آخری مہدی' اور تحلی اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا ظاہر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا' جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی' سو میں ہی ہوں"۔ کاش عوامی لوگ اپنے دیدۂ عقل سے تعصب اور ہٹ دھرمی کی پٹی اتار کر ان حقائق پر غور کریں۔

گدھوں کے اجتماع کی روایت کسی کذاب کا ذاتی اختراع ہے

دار قطنی کی روایت' جس سے الہامی صاحب نے استدلال کر کے اپنی مہدویت کا قلع

ابتدا شروع کرتا ہے' یہ ہے: عن عمرو بن شمر عن جابر عن محمد بن علی قال ان الیهود اتوا النبی فقالوا اخبرنا متی خلق السموات والارض فذکر الحدیث قال فیها خلق الله من یوم الاحد الی یوم الاثنین و خلق الجبال یوم الثلاثاء و خلق الشجر و المدائن و العمران یوم الاربعاء و خلق الملائکة یوم الخمیس و خلق آدم یوم الجمعة (عمرو بن شمر نے جابر سے روایت کی ہے کہ محمد بن علی یعنی امام محمد باقر نے فرمایا کہ ہمارے جدی کی دو نشانیاں ہیں' سب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے' یعنی ان کا ظہور نہیں ہوا۔ دو یہ نشانیاں یہ ہیں کہ رمضان کی پہلی رات میں چاند گہن ہوگا اور سورج گہن رمضان کے نصف میں (چاند یا پندرہ تاریخ کو) ہوگا۔

اس کے متعلق التماس ہے کہ پہلی تو یہ کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور نہ کسی صحابی کا قول ہے' بلکہ یہ قول حضرت امام محمد باقر کی طرف نسبت کیا گیا ہے' اور شیعہ (شیعہ کرتا حضرت امام حسینؓ کے پرتے تھے' یہ ہے کہ اس روایت کے دو راوی' عمرو بن شمر اور جابر جعفی ہوتے ہیں۔ عمرو بن شمر کو دار قطنی اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے' ابوزرعہ نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے' ابن معین نے اس کی نسبت کہا کہ قابل راضی تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دیتا اور موضوع روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ لیس بشیء کہتے تھے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ منکر الحدیث ہے۔ (میزان الاعتدال' جلد ۲' صفحہ ۲۲۳)

اس روایت کی سند میں دوسرا راوی جابر جعفی ہے۔ یہ شخص بھی بڑا دجال تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ جابر جعفی جھوٹا تھا' رفض و خروج کا قائل تھا۔ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے جابر جعفی کو ناجائز مانا' نسائی نے کہا کہ متروک الحدیث ہے اور ثقہ نہیں۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث کو بدل جاتا تھا۔ لیث بن ابو سلیم نے کہا کہ جابر جعفی کے پاس بھی نہ پھٹکو' کیونکہ یہ کذاب ہے۔ زہیر نے کہا کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں' کیونکہ یہ رفض اور خروج کا قائل تھا۔ ابو داؤد نے کہا کہ میرے نزدیک جابر جعفی حدیث میں قوی نہیں۔ زائدہ نے کہا کہ جابر جعفی رافضی تھا اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا۔ ابن سعد نے کہا کہ یہ اپنی رائے اور روایت میں مدلس و ضعیف تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے۔ عجلی نے کہا کہ قابل شیعہ اور

دلس تھا۔ ابن عیینہ نے کہا وہ جھوٹا تھا۔ ابن حبان نے کہا کہ وہ سبائی یعنی عبداللہ بن سبا یہودی کا پیرو تھا۔ (تہذیب التہذیب' جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

غرض دار قطنی کی یہ روایت انتہا درجہ کی ذلیل اور بے اصل ہے اور اس سے استدلال کرنا اسی شخص کا کام ہے جو علم حدیث سے بے بہرہ ہو یا قارئین کے سامنے سوچا سمجھا مغالطہ پیش کرنا چاہتا ہو۔ چونکہ قادیانی صاحب اس روایت کو کچھ نہ سمجھ کر صحیح مطلب پا بیٹھے تھے' اس لئے یہ روایت ان کے نزدیک قابل قبول تھی' چنانچہ ضمیمہ "انجام آتھم" (صفحہ ۳۹) میں لکھا کہ "پھر ایک اور اعتراض سلف فرح عبدالحق کا یہ ہے کہ حسین نے دار قطنی کی اس حدیث کے اصل راویوں پر جرح کی ہے' اس لئے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس اصل کو سمجھنا چاہیے کہ حدیث نے اپنی سچائی کو آپ ظاہر کر دیا ہے' کیونکہ اس کی پیش گوئی پوری ہو گئی' پس اس صورت میں جرح سے حدیث کا کچھ نقصان نہیں ہوا' بلکہ جنہوں نے جرح کیا ہے ان کی غلطی ظاہر ہوئی۔ غرض کیا کہ اس حدیث میں کوئی راوی کذاب ہے' ملحد ہے' فاسد ہے' مگر جب کہ یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی تو حدیث کی صحت پر شہادت پیدا ہو گئی"۔

اس کے بعد الہامی صاحب نے ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۵۰ پر مولوی عبدالحق صاحب غزنوی مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا "اے بے باک' فاسد' ملحد' دشمن اللہ اور رسول کے تو نے یہ بیہودہ تحریف اسی لئے کی کہ تا یہ عظیم الشان پیشگوئی جو ظہور خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا پر نکلی ہے۔ باہر اور حسین شمر کا جھوٹ تو ہرگز ثابت نہیں ہوا' مگر تیرا جھوٹ اسے بیکار پکڑا گیا۔ باہر اور حسین کا سچا ہونا کسوف خسوف سے ثابت ہو گیا اور حدیث نے روایت کے حصے کو رد کر دیا۔ اب جو شخص ان بزرگوں (باہر اور حسین شمر) کو جھوٹا کہے وہ بے دلالت خود جھوٹا اور بے ایمان ہے"۔

قادیانی صاحب نے کتاب حقیقۃ الوحی (صفحہ ۱۸۲) میں لکھا "بلکہ یہ پیش گوئی اپنے معنوں کے رو سے کامل طور پر پوری ہو گئی تو اس حدیث سے بعد کو اور کون سی حدیث صحیح ہو گی جس کے سر پر حسین کی تنقید کا بھی احسان نہیں' بلکہ اس نے اپنی صحت کو آپ ظاہر کر کے دکھلا دیا کہ یہ صحت کے اعلیٰ درجہ پر ہے۔ الہامی صاحب نے کتاب تحفہ گولڑویہ (صفحہ ۲۵) میں اعلان کیا تھا کہ جو کوئی اس حدیث کو موضوع ثابت کرے گا اس کو

سو دینے انعام دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں مولانا امام نے تمہیں شہر اور ہار بھی کی اور سرخ قلمی کھول کر قادیانی صاحب کی بیٹی کہ روایت کی حقیقت ظاہر کر دی' مگر مرزا جی نے جیسا کہ ان کا معمول تھا کہ انعام مشتہر کرتے تھے' لیکن ان کا دینا نہیں کرتے تھے' کسی کو پھوٹی کوڑی بھی انعام نہ دی۔

قادیانی صاحب کے وقت کا اتفاق کسوفین یعنی گرہن کے خلاف تھا

اور اگر بالفرض محال روایت صحیح ہوتی تو بھی قادیانی صاحب کے لیے کچھ مفید نہ تھا' کیونکہ اول تو یہ یعنی کسوفین کی پیشگوئی حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق ہے' جنہیں مرزا صاحب (معاذ اللہ) جھوٹی مہدی کہا کرتے تھے اور جو باقی یعنی اہل بیت نبوت میں سے ہوں گے' اسی کا پیام محمد باقر نے' جو اہل بیت نبوت کے جلیل و نبیل تھے' فرمایا کہ ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں۔ اور مرزا صاحب والی نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود لکھا کہ میں وہ مہدی نہیں ہوں جو صحاح من وجہ الفاظ و من متونہ دیکھو ہے۔ (براہین احمدیہ' حصہ پنجم' صفحہ ۱۸۱) دوسرے علی قادیانی صاحب کے زمانہ میں ایک اور مہدی صاحب محمد احمد مہدی سوڈانی بھی موجود تھا' جس کے متعلق حقانیت میں کتاب "حجج الکرامہ" میں لکھا گیا ہوا ہے۔

تیسرے قادیانی صاحب کے زمانہ میں خسوف اور کسوف کا اتفاق یعنی گرہن کے مطابق نہیں ہوا تھا' کیونکہ یعنی گرہن ہمیں یہ ہے کہ چاند گرہن رمضان کی پہلی رات اور سورج گرہن رمضان کی درمیانی تاریخ میں ہوگا اور قادیانی صاحب کے وقت میں چاند کو رمضان کی تیرہویں رات اور سورج کو اٹھائیسویں تاریخ کو گہن لگا تھا' چنانچہ خود انہوں نے ضمیمہ انجام آتھم (صفحہ ۵۰) میں لکھا کہ چاند گرہن تیرہ رمضان کو ہوا اور سورج گرہن اٹھائیس رمضان کو' لیکن انہوں نے اپنی قوت متخیلہ شیطانی سے کام لے کر رمضان کی پہلی رات کو تیرہویں رات اور نصف رمضان کو اٹھائیسویں تاریخ ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دی' چنانچہ حقیقت الوحی (صفحہ ۱۵۲) میں روایت کا ترجمہ یہ لکھا کہ مہدی موعود کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں چاند کا گرہن اس کی اول رات میں ہوگا یعنی تیرہویں تاریخ میں اور سورج کا گرہن رمضان کے بیچ میں ہوگا یعنی رمضان کی اٹھائیسویں تاریخ کو

اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر لکھا کہ عرب کے محاورہ میں پہلی رات کا چاند قمر بھی نہیں کہلاتا' بلکہ تین دن تک اس کا نام ہلال رہتا ہے اور بعض کے نزدیک سات دن تک ہلال کہلاتا ہے۔

لیکن الہامی صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں' کیونکہ عربی میں چاند کو قمر کہتے ہیں اور یہ لفظ حالتوں میں ہلال یا بدر وغیرہ کہلاتا ہے' اس لئے ہلال اور بدر وغیرہ سب کو قمر کہہ سکتے ہیں' کیونکہ عربی میں چاند کا یہی اصلی نام ہے' چنانچہ رب جلیل نے فرمایا: ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا (وہ ذات پاک جس نے سورج کو چمک دار اور چاند کو نور بنایا) اور فرمایا: والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم (ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کی ہیں ان کے بموجب ترقی کرتا ہے بالآخر وہ زوال ہوتا ہے' یہاں تک کہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی مانند رہ جاتا ہے) اور عباس خود اس کی شرح نجح الصبوں میں یہ لکھتا ہے: الہلال غرۃ القمر وھی اول لیلۃ (ہلال قمر کی پہلی رات کا نام ہے) اور نجح الصبوں اور لسان العرب میں ہے: یسمی القمر لثلاثین من اول شھر ھلالا (مہینہ کی پہلی دو راتوں میں قمر کو ہلال کہتے ہیں) غرض چاند کی پہلی رات کو جس طرح ہلال کہتے ہیں' اسی طرح قمر بھی کہہ سکتے ہیں' کیونکہ قمر سب راتوں کے لئے مشترک نام ہے۔ ہر رات کا چاند قمر کہلاتا ہے' خواہ وہ پہلی رات کا ہو یا چودھویں کا یا کسی اور تاریخ کا۔

پس کھوالی صاحب کا ضمیمہ الہام آعظم (ص ۷ ج ۱) میں خلیفہ دین دیوی سے یہ لکھنا کہ انہوں نے یہ مسئلہ کس کتاب سے سیکھ لیے "اے بیوقوف" آنکھوں کے ہوتے' سہولت کو ہوتے کرنے والوں کو سوچ کہ حدیث میں قمر کا لفظ آیا ہے' مگر یہ مقصود ہوتا کہ پہلی رات میں چاند گرہن ہوگا تو حدیث میں قمر کا لفظ نہ آتا' بلکہ ہلال کا لفظ آتا" اس بات کی یہی دلیل ہے کہ کھوالی صاحب کو نہ تو قرآن پر غور شاد لغت ہی سے کچھ مس تھا' لیکن انہیں باایں ہمہ بخل و جہالت علماء امت کے خلاف دریدہ دہنی کرتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی۔ الہامی صاحب نے ضمیمہ الہام آعظم میں متذکرہ صدر لفظ درج کرنے کے بعد از سر نو یوں گل افشانی کی: "سوچنا چاہیے کہ یہ لوگ اس خصیصہ کے ساتھ مولوی کہلاتے ہیں۔ اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ پہلی رات کے چاند کو عربی زبان میں کیا کہتے ہیں" اور ضمیمہ الہام آعظم (صفحہ ۷ ج ۱) میں یہ بھی لکھا کہ اگر عید کی پہلی رات مراد ہوتی تو رسالہ یوں

ہونی چاہیے تھی۔ ویکسفورڈ ایفیمرائیڈز کے مطابق ۱۴ جون ۷۹۳ء کو چاند گرہن ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ویکسفورڈ ایفیمرائیڈز کے مطابق ۱۴ جون ۷۹۳ء کو چاند گرہن ہوا تھا۔

کیا عہد مہدی کا آغاز کسوفین سے ہوگا

یاد رہے کہ جب سے کواکب اور مواکب پیدا ہوئے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ چاند کو رمضان کی پہلی اور سورج کو رمضان کی پندرہویں یا تیئسویں تاریخ گہن لگا ہو' بلکہ چاند کو ہمیشہ قمری مہینے کی تیرہویں' چودھویں یا پندرہویں رات اور سورج کو قمری مہینے کی ۲۷ تاریخوں الخامسہ عشریں یا ثالثہ عشریں تاریخ میں گہن لگتا ہے' لیکن روایت مسئولہ کے بموجب حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ سعادت میں اس طرح لکھا ہوا نجوم کے حساب چاند کو رمضان کی دو پہلی تاریخ میں گہن لگے گا' جس طرح جناب ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن ۱۰ تاریخ کو گہن لگا تھا' اہل علم نے لکھا ہے کہ کواکب کو یہ تبدیل ۱۰ تاریخ کو گہن لگانا خاص سے خدائے قادر و توانا کو اہل نجوم کے اس قاعدہ کا ابطال منظور تھا' جن کے نزدیک کسوف ۲۷ یا ۲۹ کے سوا کسی اور تاریخ میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔

قاضی صاحب حنفی الوری (صفحہ ۲۵۰) میں لکھتے ہیں کہ صاحب کتاب مزاسر تعصب سے یہ احتمال کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کے دعوٰی میں روایت کے مطابق اتفاق کسوفین نہیں ہوا' یعنی ان کے دعوٰی کے مطابق چاند گرہن شب پیر کو ہونا چاہیے تھا جو قمری مہینہ کی پہلی رات ہے اور سورج گرہن قمری مہینے کی پندرہویں دن کو ہونا چاہیے تھا' جو مہینہ کا درمیان دن ہے' مگر اس خیال میں مزاسر ان لوگوں کی نا سمجھی ہے' کیونکہ دنیا سبب سے پیدا ہوئی چاند گرہن کے لیے تین راتیں خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں مقرر ہیں' یعنی تیرہویں' چودھویں' پندرہویں اور چاند گرہن کی پہلی رات' اور خدا کے قانون قدرت کے مطابق ہے' ۱۰ قمری مہینے کی تیرہویں رات ہے اور سورج کے گرہن کے لیے تین دن خدا کے قانون قدرت میں مقرر ہیں' یعنی قمری مہینے کا ستائیسواں' انتیسواں اور تیسواں دن' سو انہی تاریخوں کے بیچ میں چاند گرہن رمضان کی تیرہویں رات میں ہوا اور سورج گرہن اسی رمضان کے انتیسویں دن ہوا"۔

لیکن مرزا صاحب کا یہ دعوٰی بھی بالکل اتفاقی ہے' کیونکہ روایت کے الفاظ اس

کو رد کرتے ہیں۔ اصل تو تین دنوں میں سے درمیان کے دن کو نصف نہیں کہتے' بلکہ وسط کہتے ہیں اور روایت میں ہے کہ صوم کمین اس کے نصف میں ہوگا۔ یہ صرف صوم کمین کے وقت کی تشریح فی النصف وسط میں منحصر ہے' کیونکہ اگر نصف سے وسط مراد لے کر کہیں کہ صوم کمین اپنے معنی ایام کے وسط میں ہوگا تو اللہ عد کا مرجع کوئی نہ رہے گا اور عد کی ضمیر کا مرجع بجز رمضان کے اور کسی طرف نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے سمجھنے والی طور پر یہی ہوں گے کہ وسط رمضان میں صوم کمین ہوگا۔

خسوف و کسوف کے خارق عادت کہنے پر ملانے حق کو گالیاں

چونکہ رمضان کی پہلی رات خسوف اور نصف رمضان کو کسوف ہوگا اور یہ دونوں واقعات عادت معتو کے خلاف ہوں گے اس لیے ان کو آیتین بینات نہ کہا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ تعظیم کے حساب کے برابر خلاف عادت امور ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی' اسی بنا پر روایت میں ذکر ہے لم تکونا منذ خلق السموات والارض یعنی جب سے زمین آسمان بنائے گئے یہ واقعہ نہیں ہوا یعنی پہلی تاریخ کو خسوف اور پندرہویں کو کسوف کبھی ظاہر نہیں ہوئے' البتہ سیدنا علیہ السلام کے زمانہ میں گہن کا قاعدہ منتو ثابت ہوگا لیکن قادیان کے مسیح موعود صاحب اس بڑی چیز کے منکر ہیں اور اپنی عقل کے ہاتھ بیچنے کی بجائے ملانے خبیث کی بات پر اکتفا کرنے امت کو گالیاں دیتے ہیں' چنانچہ ان کی متعدد کوہر افشانی میں سے فرماتے ہوتا ہے: حضرات کو چاہیے کہ کس قوم اور ملک سے کسوف اور خسوف کی پیش گوئی پوری ہوئی اور ہمارے دعوے پر کہاں نے گواہی دی' مگر اس زمانہ کے کلام سماوی اس سے بھی منکر ہیں۔ خاص کر رکھی الدین عبدالحق غزنوی اور اس کا نام کر علیہم نعمتی من الله الله الله سورۃ (خدا کی نعمت کے وہی لوگ ہوتے ہیں جو علم پر چلیں) اپنے ناپاک اشتہار میں خاتمہ اصرار سے کہتا ہے کہ یہ پیش گوئی بھی پوری نہیں ہوئی۔ اے بلید دجال پیش گوئی تو پوری ہوگئی' لیکن تعصب کے غبار نے تجھ کو اندھا کر دیا۔ (تصدیق الہام آتھم' صفحہ ۱۰۳) اگلے صفحہ پر یوں کوہر افشانی فرماتے ہیں: اور یہ خیال کہ اس حدیث میں جو یہ لکھا ہے کہ لم تکونا منذ خلق السموات والارض اس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ خسوف و کسوف بطور خارق ہوگا نہ کہ یہ خسوف

کسوف بدر تحقیق کے نزدیک معلوم و معروف ہے۔ یہ وہم بھی اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ یہ لوگ (اہلِ سنت) قلم حق اور حافظہ قدرت سے بالکل بے نصیب اور بے بہرہ ہیں۔ بہروں کے لیے خدا نے اس گھونسے کی مثال لکھی ہے' جس پر تکیہ لگا ہوا ہو' مگر یہ (مخالف) خالی گھونسے ہیں۔ یہ اس شوق سے بھی محروم ہیں' ان پر کوئی کتاب ہو"۔

اور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ خدا نے قدیم سے چاند گرہن کے لیے ۱۳، ۱۴ اور سورج گرہن کے لیے ۲۷، ۲۸، ۲۹ تاریخیں مقرر کر رکھی ہیں۔ یہ قابل گرفت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ ایام اس روز فوت جائے تو کھس کیا کھاتا ہے یہ گرھا ہے" نہ انسان۔ (فیصلہ الہام ۲ قلم' صفحہ ۲۰۰) لیکن جس صورت میں کہ ۱۳، ۱۴ کو کسوف اور ۲۷، ۲۸، ۲۹ کو کسوف برابر ناغہ ہی ہوتے رہتے ہیں' اگر مہدی علیہ السلام کے زمن سعادت میں بھی انہی تاریخوں میں ہوں تو یہ کسی طرح ممکن نہیں بن سکتے' کیونکہ وہ سچے مہدی اور جھوٹے مہدی میں فارق اور غیر امتیاز نہ بن سکیں گے اور ثناءاللہ صاحب نے جو تسلیم کیا ہے کہ میرے زمانہ میں ماہ و آفتاب کو تمہیدی رمضان اور آفتاب کو انیسویں تاریخ کو گہن لگا تھا' یہ بالکل کا معمول اور متوقع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ثناءاللہ صاحب سچے مہدی نہ تھے' اگر سچے مہدی ہوتے تو ان کے لیے کوئی ایسا خصوصی نشان ظاہر ہوتا جو انہیں جھوٹے مہدیوں سے ممتاز کر دیتا۔ اب ثناءاللہ صاحب انصاف سے بتائیں کہ اس کذب (گھونسے) کا حقیقی مستحق کون ہے' جن کے خدا نے ظاہر اسلام کے لیے تجویز کیا ہے؟

ثناءاللہ صاحب کا بیان کہ مجھ سے پہلے یہ نشان کبھی ظاہر نہیں ہوا

ثناءاللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ان جھوٹے مہدیوں میں جتنے لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا' مگر کسی کے لیے یہ آسمانی نشان کا ہرگز وعدہ (اظہار گرہن' صفحہ ۳۰۰) اور لکھتے ہیں چونکہ اس گرہن کے وقت میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کوئی زمین پر نہ تھا' میرے سوا اور نہ کسی نے میری طرح اس گرہن کو اپنی صداقت کا نشان قرار دے کر صدہا اشتہار اور رسالے اردو اور فارسی اور عربی میں شائع کیے' اس لیے یہ نشان میرے لیے مخصوص ہوا۔ (حقیقت المہدی' صفحہ ۱۵۵) اور لکھتے ہیں کہ کسی مدعی رسالت یا نبوت کے

وقت میں کبھی یہ دونوں گرہن جمع نہیں ہوئے۔ اس نبی سو برس میں کئی لوگوں نے بعض اشراء کے نظر پر مہدی موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا مگر ان کے وقت میں چاند گرہن اور سورج گرہن دونوں جمع نہیں ہوئے۔ (ایضاً صفحہ ۱۸۱)۔ مگر یہ روایات محض لایعنی قرار دی ہیں' جب وہ خود لکھتے ہیں کہ چاند گرہن ہر رمضان میں ۱۳ ۱۴ ۱۵ کو اور سورج گرہن ۲۷ ۲۸ ۲۹ کو ہوتا رہتا ہے۔ (تفہیم الہام آلقم' صفحہ ۲۰۰) اور الہامی صاحب کے وقت میں بھی اسی عادت مستمرہ کے مطابق ۱۳ اور ۱۵ رمضان کو کسوفین کا اجتماع ہوا۔ (تحفہ گولڑویہ' صفحہ ۱۰۰) تو پھر یہ ایک معمولی اور ضروری چیز ہوگئی' صداقت کا نشان صدق نہ رہا۔ ایسی حالت میں قادیانی کا یہ لکھنا محض تحکم ہے کہ نبی سو برس میں صرف ایک یہ نشان کسی کے لیے ظاہر ہوا۔

اسی طرح مرزا صاحب کا یہ دعویٰ بھی محض ظن ہے کہ جس گرہن کے وقت میں مہدی موعود ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں ہوا' ہم کہتے ہیں کہ قادیانی صاحب ہی کے زمانہ میں خود انہی مدعی مہدویت میں کوئی مہدویت کا دعویٰ نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ خود مرزا قادیانی نے بتاریخ ۱۴ مطابق رمضان ۱۳۱۱ھ کے اجتماع کسوفین کو قادیانی صاحب کی طرح اپنی مہدویت کا نشان قرار نہیں دیا اور نہ اس بنا پر ان کی طرح مہدیانہ اشتہار اور رسالے اردو اور فارسی اور عربی میں شائع کیے' لیکن اس کی وجہ یہی تھی' ایک یہ کہ ۱۳۱۱ھ کے کسوفین میں کوئی جدت اور خصوصیت نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ خود انہی ایک مدعی مہدی قادیانی کی طرح اس کی مہدویت کی ساری کائنات پیشگوئی بازی نہیں تھی کہ یہ بھی کلاری گھوڑے دوڑانا اور جھوٹا پیشگوئی کرنا۔

مرزا صاحب کا یہ دعویٰ بھی باطل الثبات ہے کہ یہ دونوں نشان میرے سوا کسی دعوی مہدویت یا رسالت کے واسطے جمع نہیں ہوئے' کیونکہ کتاب مدارج الیقین (صفحہ ۲۰۴-۲۰۷) اور اسفار نوابی' مولفہ مسٹر بارمس نوکیز (صفحہ ۱۰۱) اور مسٹر کیتھ کی کتاب "تاریخ و تذکرہ گلابیں" (صفحہ ۱۰۰ جلد ۲) "پیدل کسوف و خسوف" کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ نبی صدیوں میں (۱۰۰۰ سے ۱۳۰۰ تک) سولہ مرتبہ رمضان المبارک میں اجتماع کسوفین ہوا اور قادیانی کرام ناکسار راقم الحروف کی کتاب "تاریخ مہدویت" کے مطالعہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ ان نبی صدیوں میں تیرہویں صدی ہجرت و مہدویت پر قرون میں سے

تحریر پر بیٹھ کر خلق خدا کو گمراہ کرتے رہے۔

ایران میں مرزا علی محمد باب نے ۱۸۴۴ء میں صدیت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے سولہویں سال یعنی رمضان ۱۲۸۰ھ مطابق فروری ۱۸۶۴ء میں ۱۲ اور ۱۳ رمضان کو حسول و کسوف کا اتفاق ہوا اور اس کے ہونے جانے کے بعد اس کے دعوی جانشینی صبح ازل اور بہاء اللہ ایسی صدیت اور مقام من یظہرہ اللہ کے دعوی تھے' پس مرزا صاحب کا یہ زعم کہ ۱۸۹۴ء کا اتفاق کسوفین میری صدیت کا کھلا کھلا نشان ہے' کی حماقت اور دیدہ دلیری ہے۔

باب ۸۶

قادیان کی الہامی ڈکشنری میں "حرام زادہ" کے الہامی لغت کی بھرمار

ایک حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے صادق کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں' ان میں ایک یہ ہے کہ "جب کسی سے اس کا جھگڑا ہو جائے تو گالیاں دینے لگتا ہے"۔ واقعی دامن پر خدا کی یہی ذرہم علامت ہے کہ فحش کی غلاظت پر دشنام گوئی کے اختیار مجبور کر لیتے ہیں لیکن صادقین امت تخالف کا دل دکھانا تو درکنار اگر گالیوں کے جواب میں معافی مانگتے اور عفو فرما دیتے ہیں۔

شیخ فرید الدین عطار "تذکرۃ الاولیاء" میں لکھتے ہیں کہ ایک رات سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قبرستان سے آ رہے تھے۔ ایک جوان کو جو بدمعاش کا ایک بزرگ زانی قتل دیکھا کہ سارگی بجا رہا ہے۔ شیخ کے منہ سے نکلا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یہ سن کر جوان نے سارگی ان کے سر پر دے ماری۔ شیخ صاحب کا سر مبارک بھی پھوٹا اور سارگی بھی ٹوٹ گئی۔ حضرت سلطان العارفین اپنے عبادت خانہ میں واپس آئے جب صبح ہوئی تو حلوہ تیار کرایا اور بیوی کی لیت لعل حلوے کا ایک طباق اس جوان کے پاس بھیجا اور معذرت کہلا بھیجی کہ بھائی کل رات تمہاری سارگی میرے سر پر ٹوٹ گئی تھی یہ

اس کی قیمت ہے۔ تم یہ سری خرید لو اور یہ سلہ کہ لو مگر اس کے لینے سے یہ ہوسکتا ہے کہ تمہارے دل کو پھپھولا پیدا ہو جائے" جب یہ جواب نے یہ پیغام سنا تو رونا شروع کیا اور حضرت بایزید" کے قدموں پر گر کر توبہ کی اور بہت رویا اور اس کے کئی ایک اور جوان دوست بھی اس کو دیکھ کر تائب ہوئے اور حضرت بایزید" کے اخلاق حلیہ نے ان سب کو بیخود دنیا سے بنا کر طالب مولیٰ بنا دیا۔

اگر سلطان العارفین کی جگہ کوئی ایسا ظاہر ساخت مسیح ہوتا تو نہ صرف پھونکنے ہی عیسیٰ صداقت میں داخل ہو جاتا بلکہ ساری عمر اس کا پیچھا نہ چھوڑتا اور اپنی کتابوں اور اشتہاروں میں خلعت یہ صلاحیت سنا کہ ہر ایسا بننے والے کو تجلی کا حصہ مل جاتا۔ یہ خلیفوں اور خلد ساز لوگوں کی تخلیق ہی یہ فرق ہے کہ خدا کے بچے ہی خوان ولایت کے وقت پیالی کی چکنائی سے زیادہ محفوظ اور ثابت قدم رہتے تھے اور ان سے کوئی ایسی اخلاقی کمزوری صادر نہیں ہوتی تھی جو ان کے شایان شان نہ ہو۔ تکبر جھوٹے نبی اور خود ساختہ مسیح ولایت کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے۔ جب ان پر کچھ بھی فتوح کی جاتی ہے تو آپے سے باہر ہو کر گلیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ پیچھے ہمارے کاروانی مسیح کی اخلاقی حالت دیکھ لو کہ یہ حالتے حق کے خلاف کس قدر و مد سے دعویٰ کرتا رہتا ہے؟ اور صرف ظاہر پر موقوف نہیں بلکہ اس نے ہر اس شخص کو مطعون بنایا ہے جو اسے اپنی اخلاقی زبوں حالت کی رو سے ملزم ٹھہرایا۔

فرض کاروانی صاحب کی گالیاں بھی ان کے مدارج عالیہ کا ایک مستقل باب ہے۔ چنانچہ بقول اہل اللہ "کثرت مردم نے ان کی گالیوں رتبہ وار جمع کیں حالانکہ خود مرزا ہی کو اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ جس شخص پر وہ گالی کرتا ہے وہ پاک ہے۔ اس کو کبھی خدا کی طرف رجوع نہیں ملتی خود نہ کبھی حکمت اور حق کی بات اس کے منہ پر جاری ہوتی ہے"۔ (تسلیم و رفیق" مولفہ مرزا غلام احمد مسیح ص) کاروانی مسیح کی گالیوں میں دشنام اور بدگوئی کی جتنی بھرمار ہے دنیا کے کسی مصنف کی کتابیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ چونکہ تفصیل کی گنجائش نہیں تھی لئے یہاں صرف ایک گالی "حوام زادہ" کے چند نمونوں پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ یہ گالی کاروانی صاحب کی خاص الخاص حرام زادہ اور ترجیحی فرزند ہے۔

مرزا ہی نے کتاب آئینہ کمالات اور فوری عقیدہ کو شائع کیا۔ اس کے صفحہ ۲۷ پر

کلمہ تلک کتب بظن انہا کل مسلم بین السمع والویف و بطلع من سطورہا و بلباس و بصدق دعوی الا ولیۃ الیقظا (ان کتابوں کو سب مسلمان محبت کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے کلام و مصنف سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ذاکر عورتوں کی زبان کے سوا سب لوگ مجھے قبول کرتے ہیں اور میری دعوت کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ ثنائی صاحب کے نزدیک خدا کے تمام مسلمان' ہندو' بدھ' عیسائی' یہودی' پارسی' سکھ وغیرہم (مسلمان) حرام زادے ہیں اور ہندو لیکن یہ کوئی حلال زادہ قوم ہے تو وہ صرف مرزائی ہیں۔

جب کوئی شخص مرزا کی اس مثل الطفل" پر اعتراض کرتا ہے تو مرزائی لوگ اس کا دو طرح سے جواب دیا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ قرینہ ایضا کے سبق "ہدایت سے دور" ہیں مگر یہ جواب لغتاً اور بالکل اخلاقاً ہے کیونکہ خود ثنائی صاحب نے اپنی کتابوں میں بطا کا ترجمہ بدکار اور زانیہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ بل مصرف ہو بہ تلک البغایا اور خود ہی اس کا ترجمہ کیا ہے بلکہ بدچلن بنے بنائے زانیہ فرض کے طور (اہل حدیث' صفحہ ۳۱) اور رسالہ بحث اللہ میں ہو بغی علی بعض کو شرح کیا ہے کسی کنا واقعت کو اس بدکاری مجلس اور خود ہی اس کا یہ ترجمہ کیا فرنے بدکار عورت کی طرح رقص کیا (بحث اللہ' صفحہ ۸۷)

مرزائیوں کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

(۱) مرزا صاحب نے مسلمانوں کو حرام زادے نہیں کہا بلکہ گمراہوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے لیکن یہ جواب پہلے جواب سے بھی زیادہ اخلاقاً اور مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ کوئی مرزائی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ دنیا میں جس قدر کمراہ اور عیسائی آباد ہیں وہ حرام زادے ہیں۔ لفظ حرام زادہ کے اخلاقی اثر کے متعلق کچھ کہنے کو ہم نہیں رکھتے ہاں۔

(۲) کتاب رسالہ کے صفحہ ۳۰ میں لکھتے ہیں کہ ہمو شخص متقی اور حلال زادہ ہوتا ہے وہ جرأت کرکے اپنے ہوائی پر بے تحقیق کامل الزام نہیں لگاتا" پس ظاہر ہے کہ ہر شخص کامل تحقیق کرنے سے پہلے کسی پر الزام لگانے سے ثنائی صاحب کے نزدیک حرام زادہ ہوگا۔

(۳) رسالہ شہادۃ القرآن کے ساتھ ایک قسم حلفیہ بھی چھپوا کر ملحق کی ہے جس میں

لکھا کہ گورنمنٹ کے خلاف جہاد کرنا حرام ہے پھر اس تحریر کے صفحہ سوم پر لکھا کہ لیکن گورنمنٹ برطانیہ سے جہاد کو بالکل کہنا ایک ایسی بات ہے جو کفر کہنے کا کام ہے۔

(۴) حج اسلام سے متعلق ایک مختصر تحریر صفحہ ۵ سطر ۱۳ میں لکھا کہ اگر اب بھی کوئی مخالف مہاوی یا کوئی عیسائی یا ہندو یا کوئی اور ہماری اس حج فرمان کا قائل نہ ہو تو اس کے لیے طریق یہ ہے کہ مسٹر عبداللہ آتھم کو قسم مقدم الذکر کے کھانے پر کہا کرے۔ اور اگر ایسا نہ کرے تو سمجھا جائے گا کہ یہ شریف نہیں۔ اس کی غلطیوں میں قابل ہے اور کسی حلال زادہ کا کام نہیں جو غیر ریاست اس فیصلہ کے نام کو جھوٹا فیصلہ قرار دے۔

(۵) اپنے اشتہار نمبر ۲۱ صفحہ ۱۱ سطر ۱۳ میں مفتی سعداللہ صاحب مرحوم کو جنہوں نے مرزا کی شرائط کو خلاف کہا تھا مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہاں اسے بعد والے اب ثابت ہو گیا ہے کہ شرائط حلال زادہ ہے ہماری اس شرط پر کہ کوئی آتھم کو قسم دینے سے پہلے ہماری تکذیب نہ کرے خوب ہی توجہ عمل کیا۔

(۶) اپنے رسالہ ۲۲ انوار کے صفحہ ۲ پر لکھا کہ اگر کوئی مہاشیوں میں سے کہے کہ آتھم کا حق کی طرف رجوع کرنا ثابت نہیں تو اگر اس بات میں سچا اور حلال زادہ ہے تو آتھم کو حلف پر کفایت کرے۔

(۷) اور اسی رسالہ کے صفحہ ۲۳ پر فرمایا کہ پھر بھی اگر کوئی ہماری تکذیب کرے اور اس معیار کی طرف متوجہ نہ ہو اور باطل پوجنی پر بدستور قائم رہے تو وہ یک حلال زادہ نہیں ہوگا۔

(۸) اور اسی رسالہ کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں کہ جو شخص اس فیصلہ (قسم) کے برخلاف بکواس کرے گا اور ہماری حق کا قائل نہ ہوگا سمجھا جائے گا کہ اس کو حلال الحرام بننے کا شوق ہے۔ اور حلال زادہ نہیں۔

(۹) پھر اس صفحہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ حرام زادگی کی یہی علامت ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔

(۱۰) اس رسالہ کے صفحہ ۲۵ میں اس شخص کے حق میں جو الہامی صاحب کے فیصلہ کو قبول نہ کرے فرماتے ہیں یک خلاصہ خلاصہ سوم اور خلاصہ یعنی جو تیسری مرتبہ بھی

خلا کرتا ہے اس کی بات نا کارہ ہوتی ہے۔

(۵) اسی رسالہ کے صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں اگر یہ حلال الحرام نہیں اور حلال والی ہیں تو اس مضمون کو چھپ کر اس فیصلہ کے لیے اخبار کرتے ہیں۔

(۶) پھر اس صفحہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مخالفین سے کون کون توقف اس فیصلہ (حکم) کے لیے سعی کرتا ہے اور کون حلال الحرام بننے پر راضی ہوتا ہے۔

(۷) رسالہ شہد حق' صفحہ ۱۰ کے صفحہ ۱۰ میں ایک آدمی کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر یہ حلال زادہ ہے تو آپ اطمینان کے لیے یہ پابندی شرائط منظور کرا دیجئے ساتھ ہوں۔

(۸) اور اسی رسالہ کے صفحہ ۱۰ میں فرماتے ہیں یہ گمراہ حلال الزادہ کہلاتے ہیں نہ ہی ہمارے بھائی ہوئے فرماتے ہیں مگر اس کے ہیں اس قدر شرم بھی باقی نہ رہی۔

ان حوالوں سے ثابت ہوگا کہ قادیانی صاحب کی اتباع و اتشی میں یہ ایک ایسا اتباع اتنا کثیر استعمال ہوا ہے اور یہ روز مرہ کا محاورہ کلام ہے۔

باب ۸۷

مرزائی دشنام دہی پر مولانا بٹالوی کا دلچسپ تبصرہ

مولوی محمد حسین بٹالوی نے ۱۹۰۰ء میں لکھا کہ یہ زبانی اور دشنام دہی تو قادیانی کی جماعت کا ایک جز ہے۔ براہین احمدیہ میں اس نے خلیفہ کا انکار کیا تو ہم نے براہین احمدیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کو اس پر گرفت کی ہے۔ لیکن مگر چونکہ کوئی شخص اپنی خلیفہ کو نہیں بدل سکتا۔ ہمارے صحیح کرنے کا یہ اثر ہوا کہ رسالہ شہد حق کے صفحہ ۱۱ میں اس نے اپنے حامیوں کو ایسی گالیاں دی جیسے بازاری لوگ آپس میں دیا کرتے ہیں۔ غرضیکہ جب سے آپ نے کا دعویٰ کیا ہے تب سے تو آپ کا منہ دشنام دہی اور زبان چٹک گیا ہے۔ مرزائی' حرام زادہ' ہے ایمان تو آپ کا تکیہ کلام ہو گیا ہے۔

ے ایک ایسے شخص سے جسے تھانوی بارگاہ میں بہت بڑا تقرب حاصل ہے سنا ہے
وہ اپنے بیانوں کو ان لفظوں کا بیان بتلا کرتا ہے کہ "یہ ایک واقعے کی
مسل کا ایک نسخہ ہے جس سے ان لوگوں کے دل کے بخار نکل گئے ہیں جن کو کالیاں
دی گئی ہیں"۔ ہم تھانوی کے بیانوں اور ماہیوں مثلاً نبی بخش صاحب محمد علی خان صاحب
حاجی ذوالفقار علی خان صاحب رئیس پٹیالہ کو لکھے اور حاجی محمد یوسف صاحب شاہ نواز اور
خلیفہ عبدالحق صاحب مشنری اشاعت اسلام اور خلیفہ الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ لاہور اور
سید حاجی علی شاہ صاحب سے کمال اخلاص و محبت سے سوال کرتے ہیں کہ یہ لوگ تھانوی کو
گالیاں دے کیوں نہیں رہے؟ اگر گالیاں دینے سے دل کے بخار نکل گئے ہیں تو یہ
حضرات اپنے خداوند قسم اور ایمان سے کام لے کر یہ خیال لائیں کہ اس نسخہ کو تھانوی
نے اپنے لئے روا نہیں کیا لیا ہے کہ دوسروں کے لئے اس کا استعمال مشروع سمجھا جا
سکے۔

مولانا چاہئے اپنے مخاطب خاص شیخ سراج الحق صاحب اور صوفی عبدالحق صاحب
تھانوی نے ان کے حق میں یہ نسخہ استعمال کیا اور ان کو ان گالیوں سے یاد کیا تو انہوں نے اپنی قلم
فگار مطبوعہ "صلائے عام برائے حق آگاہی تھانوی" میں "ہر سلطان بیخبر کو نور کی طرف سے
فارغ ہوا" پھر تھانوی کو بھی وہی واہ بتلا ہے اور ایک اندرونی شہادت اس امر کا دے دیا
ہے۔ اب فرمایئے کہ اس نسخہ کا بانی تھانوی کی ذات تک کیا محدود و مخصوص رہا؟ آپ
حضرات تھانوی کو سمجھائیں اگر یہ آپ حضرات کی نصیحت پر کان نہ دھرے اور کامل محویت
سے باز نہ آئے تو آپ لوگ اس سے اپنا تعلق قطع کر لیں۔ (الناظر لاہور' جلد ۱۱' صفحہ
۳۲۰-۳۲۱)

باب ۸۸

لاہور میں ورود لور بریڈلا ہال میں تقریر

خالق کائنات نے دنیا میں جس قدر انبیاء اپنی مخلوق کی رہنمائی کے لئے مبعوث فرمائے

ان میں شدید بیانی اور تنقید کی جو بھرپور جھلک ہے اس سے قطع نظر انہوں نے جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی زبان میں کسی قدر لکنت تھی۔ لیکن یہ لکنت محض عارضی سی رکاوٹ تھی نہ کہ خلقت اور حسن تقریر پر کسی طرح اثر انداز نہ تھی۔ مرزائی بھی اپنے غلام مسیح کو جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام کا ہم رنگ و مثیل ثابت کرنے کی کوشش میں کیا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کی زبان میں بھی لکنت تھی۔ اگر یہ بیان حقیقت سے معرّیٰ نہیں تو بھی یہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کہاں کلیموں کا کلیم السلام باذنہ کہاں کلیم خدا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون جیسے بڑی طاقت کو جس کی بارگاہ کبر و غرور پر بڑے بڑے گردن فراز جبابرہ سر سجدہ ہوتے تھے خاک ذلت پر ڈال دیا۔ اور اس کی ساری خدائی کو بحر ظلمات میں غرق کر دیا۔

لیکن چودھویں صدی کے مسیح موعود کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ کلیاں میں پولیس کی چوکی مقرر ہونے کے بعد صلیبی حکومت کی طرف سے پولیس کا ایک دستہ خاص اپنی حفاظت جان کے لیے متعین کرا رکھا تھا۔ یوں تو ہمارے موجود صاحب نہ صرف اللسان بلکہ ساری دنیا کو زیر تعلیم کرنے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خواب نے عالم رؤیا میں یہ ساتھ نہ چھوڑا۔ بھی دیکھ لیے تھے کہ کلیاں صاحب پر ایمان لا کر ان کا کلمہ پڑھنے والے تھے لیکن ان حقیروں اور بے توقیروں کے بارہا یہ پیارے کلیاں کی ان سپاہیوں کو بھی آزاد نہ کرا سکے جنہیں حکومت نے اپنے حفظ و حراست میں محرم شمار کیے اور گرد و پیش سے ہٹا لیا تھا۔ کسی خوفناک حادثہ کا مقابلہ کرنے کے لیے خود سنبھل جانا نہیں تو کم از کم قوت تقریر اور دلیر گویائی کا سہارا تو ہونا چاہیے لیکن کلیاں صاحب پیارے اس تکلیف سے بھی بے نصیب تھے۔

کلیاں صاحب کا معمول تھا کہ اپنی نماز جمعہ پڑھانے کے لیے اپنے گھر ہی سے تقریر کا مسودہ تیار کر لیا کرتے تھے اور محفل میں وہی مسودہ پڑھ کر سنا دیتے یا ان کی طرف سے کوئی مولوی پڑھنے کی طرح رٹ دیتا تھا۔ اور اگر موجود صاحب کبھی سوء اتفاق سے بولنے پر مجبور ہو جاتے تو فصاحت کا اس طرح خون ہوتا کہ یہ بے چارگی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت مرزا صاحب بولتے تقریر ایسے ٹکڑے ٹکڑے فقرے رک رک کر بولتے تھے کہ سننے والا فقرہ کے پہنچانے کے جلسہ گاہ سے چل دیتا تھا۔ بولتے کچھ تھے

اور حد سے بڑھا ہوا تھا اور فتنہ ان کے مقابلہ میں حکیم نورالدین اپنی وجہ کے مشہد بیان متقدمین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں الہامی صاحب جاتے حکیم صاحب ان کی صحیح موجود کی کمزوریوں کو سنبھالتے اور اکثریت کی پردہ داری کرنے کے لیے عمداً استدراک کی طرح ساتھ جاتے تھے۔

فاکسار راقم الحروف نے لاہور کے ایک معمر بزرگ سے سنا تھا کہ ایک مرتبہ الہامی صاحب لاہور تشریف لائے۔ مرزائیوں نے بیرون لاہور میں جلسہ کا انتظام کیا اور شہر میں جلسہ جلسہ پر تقریریں کیں۔ بازاروں کا گشت لگا۔ آخر الہامی صاحب مرزائیوں کی گرج میں تقریر کے لیے کھڑے ہوئے لیکن حاضرین جلسہ کمال تعجب کی نظر سے یہ دیکھ کر محو حیرت رہ گئے کہ صحیح صاحب منہ کھولے ہوئے ہیں اور کوئی لفظ بھی ان کی زبان مبارک سے نہیں نکلتا۔ اس وقت ان کی یہ عوامی خفت قابل رحم تھی۔ تقریر کا موضوع "حامی اسلام" تھا کیونکہ الہامی صاحب اور ان کے حواریوں کا تسہیل تھا کہ اسلام کی خوبیوں کے سوا کسی دوسرے موضوع پر بہت کم تقریر کرتے تھے۔ اس تخصیص کی وجہ گو یہ تھی کہ اسلام اور ملت بیضاء سے تعلق نہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ تو یہ جانتے تھے کہ اس محل کو موضوع کی بدولت عامۃ المسلمین کے دل بسہولت تسخیر میں لیے جا سکتے ہیں۔ اور حقیقت حال سے بے خبر مسلمان نوع عوام الکالعدم وعظ کے ساتھ تعلقات کا باوجود آخرین دہر یا قبل الہامی ہا اساس بگڑنے سے انکار کر سکتے ہیں۔ حامی اسلام کی تخصیص کی دوسری علت یہ تھی کہ اس موضوع کا مواد امام غزالی' امام رازی' شاہ ولی اللہ اور دوسرے علمائے اسلام رحمہم اللہ کی تصنیفات سے بسہولت مرتب کیا جا سکتا تھا۔

جیسے جیسے الہامی صاحب کی زبان الہام ترجمان ان کے دل خیالات کی ترجمانی کرنے کی کوشش کرتی تھی لوگوں کی دہشت اور بیزاری بھی ترقی کرتی جاتی تھی۔ لاہور کی بیگ ہو ہندوستان بھر کے چوٹی کے مقررین اور تھی وعظوں کی تقریریں سننے کی عادی ہے' اس انوکھی زبان کے چٹکلے بگھارنے کو بھلا کیونکر حال سے انکار ہو سکتی تھی۔ لوگوں نے بصد بیزاری و برافروختگی جلسہ گاہ سے اٹھ اٹھ کر جانا شروع کیا۔ آخر جب حکیم نورالدین نے یہ رنگ دیکھا اور محسوس کیا کہ "مرزا جی اسی طرح بدستگی کا سامان مہیا فرماتے رہے تو ایک غیر مرزائی شخص بھی جلسہ گاہ میں دکھائی نہ دے گا" تو مرزا جی کو بٹھا کر خود تقریر کے لیے اٹھ

کمزور ہوئے اور سارا آواز بلند پکار دیا گیا کہ اب مولوی نورالدین صاحب تقریر فرمائیں گے" یہ دیکھ کر جانے والے لوگوں نے پھر اس جلسہ کی طرف رخ کر لیا اور حکیم صاحب کی خوش بیانی کے صدقے سے جلسہ خلافت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

اصل یہ ہے کہ حکیم صاحب میں خلافت کے فضائل تھے۔ یہ حسن اخلاق' عفو و سخا اور عفو و ایثار کے بھی کسی قدر سہارے دار تھے۔ لیکن علمی بیچارگی' اطاعت پسندی' زہد و تقویٰ پرستی اور نیچر نوازی نے ان کی تمام اخلاقی خوبیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ غرباء رہے کہ ان کی ذات میں یہ تمام اخلاقی محاسن پائے جاتے تھے تو یہ ان کا اپنا ذاتی ورثہ تھا۔ ان کو قادیانی صاحب کا فیل عجت یا اتفاقی ورثہ کی بے جا ہے۔ کیونکہ حکیم صاحب کے مقابلہ میں تو پیارہ مرزا ہی کی ذہنی حیثیت تھی جو استاد کے سامنے شاگرد خواں کی بات کے سامنے عرض کی ہوتی ہے۔ حکیم صاحب قصر خلافت کے اولین معمار تھے۔ جنہوں نے محل تعمیر کیا اور خلافت صدیقی اور میر پنجتن سے قادیانی صاحب کو اس کا صدر نشین بنا دیا۔ اور خود ظلیل کی حیثیت اختیار کر کے اپنے صاحب کی کوٹی پر گزر بسر کرتے رہے۔

باب ۸۸

ملکہ وکٹوریہ نور اس کی اولاد کے قبول اسلام کی پیشین گوئی

قادیان کے الہامی صاحب نے فروری ۱۸۸۶ء میں رسالہ "نور الحق" شائع کیا۔ اس کی جلد اول (صفحہ ۳۰۔ ۳۱) میں انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ اور اس کی اولاد کے قبول اسلام کی پیشین گوئی ان الفاظ میں کی۔ "حکومت برطانیہ سرے سے قدم تک دنیا میں حق ہے اور کسی دین کی طرف سے اس کو میل نہیں اور اگر کسی وقت میل ہوگی' تو اسلام کی طرف اور صرف دین اسلام کو قبول کرے گی اور ملت خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) میں داخل ہوگی اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اسلام کو بڑی محبت دیکھتی ہے اور اس میں اس کے رشد کے

کا ذکر پاتا ہوں اور گمان کرتا ہوں کہ جلد اسلام کی طرف میل کرے گی اور خدا اس کو گمراہوں اور ناکاموں میں نہیں چھوڑے گا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری بلکہ "وکٹوریہ" جانبہ پانے کے لیے امید کی جگہ ہے اور اس کے دل کو جب اسلام اور حق اس روشنی کا دیا گیا ہے اور مشیت خدا تعالیٰ اس نورانی چھوٹے بلکہ کے دل اور اس کے خزانوں کے دلوں میں نور توحید ڈال دے گا اور خدا تعالیٰ پر یہ مشکل نہیں بلکہ اس کی قدرت ایسے ہی کام کرتی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

جن ایام میں حضرت مرزا صاحب مدظلہ العالی پر یہ الہام ہوا تھا۔ ان دنوں ملکہ وکٹوریہ آنجہانی انگلستان کے سریر سلطنت پر متمکن تھی۔ مرزا صاحب کے متذکرہ بالا اعلان کے بعد تمام ہندوستان و پنجاب کی زبان پر یہ خبر جاری ہوئی تھی کہ ملکہ آنجہانی اور اس کی اعلیٰ کنبہ شرف ایمان سے مشرف ہوگی اور اپنے قبول اسلام کا اعلان کرے گی۔ مگر ملکہ کی زندگی میں کسی کو یہ قسمت جاں پرور ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ اس کے بعد شاہ ایڈورڈ ہفتم نے تخت انگلستان کو زینت بخشی۔ لوگ امیدوار بیٹھے تھے کہ اگر ہاں سعادت اسلام سے مستفید نہ ہو سکی' تو شاہ ایڈورڈ ہفتم ہی کی طرف سے خلعت بادشاہت عطا کی جائے۔ مدت تک دل ملک سراپا انتظار بنا رہا۔ مگر آنجہانی کو ابھی قبول دین کا شرف حاصل نہ ہونا تھا۔ اس کے بعد شاہ جارج خامس نے تخت شاہی زینت بخش۔ اس وقت بھی ہر شخص کی خواہش تھی کہ انگلستان کا شاہی خاندان نور توحید سے منور ہو کر سرور صاحب کی پیشین گوئی پوری کرے۔ لیکن یہ لوگ اس وقت بھی سعادت اسلام سے عاری اور بے بہرہ ہی رہے۔ اس کے بعد شاہ ایڈورڈ ہفتم کو برطانیہ کا تاج و تخت تفویض ہوا لیکن اس وقت بھی بادشاہ اور شاہی خاندان کے دوسرے ارکان نے حلقہ بگوش اسلام ہو کر قادیان کے مسیحا صاحب کی پیشین گوئی کو پورا کرنے میں مدد نہ کی۔ آج کل شاہ جارج ششم تخت نشین ہیں ان کے متعلق بھی مشرف بہ اسلام ہونے کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اس سلسلہ میں ایک سلطان اور ایک سوداگر کی حسب ذیل مختصر سوانحی خاکہ کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

سلطان۔ کہئے صاحب! آپ کے مسیح موعود نے تو اعلان کیا تھا کہ ملکہ وکٹوریہ اور اس کی اعلیٰ نور ایمان سے مشرف ہوگی۔ یہ پیشین گوئی کیا ہوئی؟

مرزائی۔ یقین کرنی چاہیئے پوری ہوئی۔ کہ کفر نے اپنے اسلام کا اعلان نہ کیا لیکن دل سے اسلام سے لبریز تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ شیطان اسلام اور عالم اسلام سے اس کے مرام پورے ہوتے تھے۔

مسلمان۔ کیا ان کا فرزند شاہ ایڈورڈ دائرہ اسلام میں داخل ہوا؟ اور اگر ہوا تو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا؟

مرزائی۔ شاہ ایڈورڈ کبھی دل سے مسلمان تھا لیکن اعلان و اظہار کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

مسلمان۔ اور شاہ ایڈورڈ کے فرزند شاہ جارج پنجم نے کیوں اسلام قبول نہ کیا؟

مرزائی۔ انہوں نے قبول کیا لیکن اظہار کی ضرورت نہ تھی۔

مسلمان۔ اچھا شاہ جارج پنجم کے بیٹے شاہ ایڈورڈ ہشتم مسلمان ہوئے؟

مرزائی۔ ہاں ہوئے لیکن اظہار و اعلان ضروری نہ تھا۔

مسلمان۔ کیا مرزا صاحب ایڈورڈ شاہ جارج ششم کو سلطنت انگلیہ سے معزول کرا سکتے تھے؟

مرزائی۔ ہاں یہ بھی دل سے مسلمان ہیں لیکن اعلان کو سلطنت ضروری خیال نہیں کرتے' اور کہ ان شیطان بادشاہوں پر موقوف نہیں بلکہ قیامت تک ہر بادشاہ بھی بادشاہی کے ساتھ سلطنت کو زندہ رکھیں گے وہ ظاہر میں اگرچہ باطن مسلمان ہوں گے۔ کیونکہ اللہ اللہ مارے سچ موعود صاحب کی پیشین گوئی کسی طرح بھولی نہیں ہو سکتی۔ زمین آسمان ٹل جائیں مگر مرزا صاحب کی پیشین گوئی کی صداقت نہ پہلے کبھی ٹلی ہے اور نہ کبھی قیامت تک ٹل سکے گی۔

باب ۴۰

صلیبی حکومت کو اپنی جان نثاری کا یقین دلانے کی جدوجہد

یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان انگریزی دور میں جہاں تک دنیا کی راہ کا تعلق ہے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ تاہم قدیم مدت استثنا ہو تو ماضی سے رشتہ برقرار رکھنے اور مسلمہ اور اسلامی کو حکومت کے بے سمتی شہادت اور جارحانہ اقدام پر کھلم کھلا نہیں کر سکتے۔ اور جا کی بدامنی و بے چینی حیرت لی اور غیرت اسلامی کے اس قدر دیکھ کی کسی طرح موقف نہیں ہو سکتی۔ بلکہ چند صدیوں میں ہزارہا کتابیں اور خیالوں کا تجزیہ ہو چکا ہے۔ ع

ہمہ آنچہ خاطر فرائد کا قبیل ہے کی

اسی طرح ہو پست فطرت فلسفی تجاہلت و لاابالی کے دور سے گزر ہے۔ اگر وہ بھی چپ چاپ اپنے زاویہ عزلت میں پڑا رہے تو اسے کسی بھی دنیا اور دور و فکر کا خوف نہیں ہو سکتا۔ ع

بچ نکلتے ہے وہ گوشہ خلوتی را

لیکن کتابوں کے صحیح صاحب نے انگریز کی مخالفت کا وہ پر خطر طریق اختیار کیا ہے ان کی جدی اور دین اصل کا بہرحال خواہ خواہ ہے۔ اگر اقبال صاحب نے محض عافیت پسندانہ زندگی پر قناعت کرلی تھی تو انہیں کسی تحقیق کی ضرورت نہ تھی۔ "من را کہ صاحب پاک است کس را از عاصیہ دامن پاک" کتابوں کے نقاد سلام صحیح مولوی صاحب نے بادبار اعدائے صلیب تھی نقل صلیب کی مخالفت میں اپنے ایمان و اسلام کی جو تشریح کی ہے اس کی ایک ہلکی جھلک ہے۔ حضرت صلیب تھی" صاحب اپنے مخصوص "صلیب تھی" انداز میں گل افشانی فرماتے ہیں۔

"مشتہار کا اصل قبیح گورنمنٹ ہے جناب مگ ڈاکٹر ہیں) تھیو بلڈ اور جناب گورنر جنرل بلڈ اور لیفٹیننٹ گورنر جناب لوڈ ہیملٹن کے حکام مسئولہ حکام کے حاشیہ کے لیے شائع کیا گیا۔ انگریزی اخبار سول ملٹری گزٹ لاہور کے پرچہ تجویز ۱۸ کے صفحہ میں میری نسبت ایک خط اور خلاف واقعہ رائے شائع کی گئی ہے جس کی تھی گورنمنٹ پر کھولنا ضرور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب راقم نے اپنی خط تھی یا کسی اہل غرض کے دھوکا دینے سے کیا اپنے دل میں میری نسبت سمجھ لیا ہے کہ کیا میں گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور باغیانہ ارادے اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ لیکن یہ خیال ان کا سراسر باطل اور دور از انصاف ہے۔ میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے جس وقت غدر ۱۸۵۷ء میں کہ ہندوستان میں اکثر فساد اور ہنگامہ

کچل دی تھی اور رعایا کے لئے یہ سوچ پیش کیا تھا کہ ہم اس بات میں آزادانہ رائیں کہ کہاں تک ہم گورنمنٹ برطانیہ کے خیرخواہ ہیں۔ اپنے افعال سے بار بار ظاہر کر دیا کہ ہم تمام مال و جان سے اپنی حالت اور حیثیت کے موافق گورنمنٹ برطانیہ کے خیرخواہ ہیں۔ انہوں نے پیاس گھونٹے اپنی گلہ سے خون کر اور پیاس سوفار بھی بھیج بھیجا کر بعد کی خونریزی کے وقت گورنمنٹ کی نذر کیجئے۔ میں نے عربی اور فارسی میں اصل رسالہ تالیف کر کے بلاد شام اور روم اور مصر اور بغداد وغیرہ کی طرف روانہ کیے اور ان میں اس گورنمنٹ کے تمام اوصاف حمیدہ درج کیے اور جہاد کو ظاہر کر دیا کہ اس محسن گورنمنٹ کے مقابلہ جہاد قطعاً حرام ہے اور بڑا بڑا سودہ خرچ کر کے یہ کتابیں مفت تقسیم کیں اور اصل شریف عربوں کو یہ کتابیں دے کر بلاد شام اور روم کی طرف روانہ کیا اور بعض عربوں کو مکہ اور مدینہ کی طرف بھیجا اور بعض بلاد فارس کی طرف بھیج گئے اور اسی طرح مصر میں بھی کتابیں بھیجیں اور یہ بڑا بھاری سودہ کا خرچ قاعدہ محض ایک بچی سے کیا گیا۔"

اس کے بعد احسان صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کوئی نادان سوال کرے کہ اس قدر خیرخواہی غیر ممکن ہے کہ بڑا بھاری سودہ اپنی گرہ سے خرچ کر کے اس گورنمنٹ کی خوبیوں کو تمام ملکوں میں پھیلایا جائے۔ لیکن ایک عقل مند جانتا ہے کہ احسان ایک ایسی چیز ہے کہ جب ایک شریف اور ایماندار کوئی اس سے تمتع اٹھاتا ہے تو بالطبع اس میں شکر اور محبت کے رنگ میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے کہ تا اس احسان کا معاوضہ دے۔ ہاں کمینہ کوئی اس طرف التفات نہیں کرتا۔ میں سولہ برس سے برابر اپنی کتابوں میں اس بات پر لکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں پر بمقابلہ گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام ہے اور میں نے کئی کتابیں عربی فارسی تالیف کر کے غیر ملکوں میں بھیجی ہیں جن میں برابر یہی تاکید اور یہی مضمون ہے۔ پس اگر کوئی کوتہ اندیش یہ خیال کرے کہ سولہ برس کی گورنمنٹ عمدی کسی ملک پر تھی ہے تو اس بات کا اس سے پس کیا جواب ہے کہ یہ کتابیں عربی و فارسی روم اور شام اور مصر اور مکہ اور مدینہ وغیرہ ممالک میں بھیجی گئی ان میں نہایت تاکید سے گورنمنٹ انگریزی کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ یہ کامیابی کیونکر خلق پر مخفی ہو سکتی ہے۔ کیا ان ملکوں کے باشندوں سے بجز کافر کہنے کے کسی اور انعام کی توقع تھی؟ کیا سوا شکر گزاری گورنمنٹ کے پاس کسی قسم کے خیرخواہ گورنمنٹ کی کوئی اور بھی نظیر ہے؟ اگر ہے تو پیش کرے؟ میں

دعوے سے کہتا ہوں کہ جس قدر میں نے گورنمنٹ کی خیرخواہی کے لئے کی ہے اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ چاہیے کہ گورنمنٹ عالی کتابوں کو دیکھے کہ کس قدر عام مولوی اس وجہ سے میرے دشمن ہو گئے ہیں کہ میں نے ان کے غلط مہدی اور غلط مسیح سے انکار کر دیا۔ (تبلیغ رسالت" جلد ۸ صفحہ ۱۵۰ مجموعہ اشتہارات جلد ۲ صفحہ ۱۵۰) کے ضمیمہ میں کھلا کھلا سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ سو یاد رہے کہ یہ سوال ان کا خود بے وقوفی کا ہے کیونکہ جس اسلامی گورنمنٹ کا شکر کرنا ہمیں فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کرنا میں کچ کہتا ہوں کہ ہمیں کی بے فرمانی کرنا ایک حرامی اور بدکار قوی کا کام ہے"۔

ان تحریروں سے ناظرین کرام اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مسٹر بلیب" مرزا غلام احمد کے افکار بیکاری نے جس سرچشمہ فکر کے نظریوں پر اپنا تعین بنایا وہاں تک کوئی پردہ نہیں ہے۔ مسٹر بلیب کو مرزا نے بابگیر کی اطاعت و انقیاد کی تعریف میں فرمایا تھا لا یسعہ بالقول و ھم یلعنون (اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں) تو دنیا میں نظریوں کے صاحب مسٹر بلیب کو یہ شرف حاصل تھا کہ سیدان ہندی کی اطاعت اور بیکاری کے اوصاف میں بابگیر سے بھی کہیں بڑھ گئے تھے لیکن یاد رہے کہ اسلام ان مزخرفات سے بالکل بری ہے۔

باب ۹

قادیانی مسیح کی صحبت میں مرزائیوں کا اخلاقی اور ذہنی زوال

قادیانی صاحب نے اپنے مذہب کی بنیاد نام نہاد روحانیت اور مذہب کے دعوے پر رکھی تھی۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کے پروش افراد ان کو اہل اللہ سمجھ کر بڑی تعداد میں ان کے مرید ہوئے۔ پس ان لوگوں کا ذہنی میلان اور قوی جوش ان کا ذاتی وصف تھا لیکن حضرت

سے کہا پڑتا ہے کہ الٰہی صاحب نے ان لوگوں کی اصلاحی نصیحت اور ذہنی حرارت میں کچھ بھی افاقہ نہ کیا بلکہ ان کے اثر صحبت سے اس جماعت پر "لیے" رنگ آ گیا۔ یہاں تک کہ اس فرقہ سے اصلاحی ہمدردی کا جذبہ بالکل کالعدم ہو گیا۔ چنانچہ گاؤں میں متعدد بار چراغاں کیا گیا اور صاحب کی گمراہی اور اصلاحی زوال و بدبخت پر خوشیاں منائی گئیں۔ اہل اللہ کی برکت انفاس سے فیض پا کر لوگ محبت الٰہی میں ترقی کرتے ہیں۔ عشق الٰہی کی آگ جذبہ میں روشن ہوتی ہے اور دنیا و مافیہا دنیا کی محبت سے کیا خلق ہے۔ لیکن قادیانی صاحب کی صاحبہ شیطانی سکوس اثر رکھتی تھی۔ ان کا ابلیس حب دنیا میں ترقی کرتا تھا اور محبت اسلام کی روشنی چند ہی روز میں معدوم ہو جاتی تھی۔ بعض احادیث نبویہ میں اہل اللہ کی ایک علامت یہ لکھی ہے کہ جس کے دیکھنے سے خدا یاد آئے۔" لیکن قادیانی صاحب کی صاحبہ اس کے بالکل برعکس تھی۔ مولوی امیر صاحب مرحوم حوالی ضلع جہلم سابق امام مسجد سیالکوٹ نے فاکسار راقم سطور سے بیان کیا تھا کہ جب مرزا غلام احمد نے شروع شروع میں لدھیانہ میں لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی تو ان کا دعویٰ ماموریت بیعت سے انکار و انحراف ان کی طرف سے بیعت کے ہر مطلب شرائط تقسیم ہونے لگے پہلے آنے کے لیے میں نے ان کے پاس اغراض بیعت بھیجا لیکن ان کا جواب دیکھتے ہی میرا اشتیاق فطرت و انکسار سے بدل گیا۔ اس لیے اٹھے اٹھائے وہاں سے واپس چلا گیا۔

قادیانی کی صحبت میں اہل اللہ کی سی تاثیر کا فقدان

مسیح گاؤں کے تعلق صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے قادیانی نے اپنی کتاب "سیرۃ المہدی" میں قطب الدین بدو کی مرزائی کا بیان نقل کیا ہے کہ "وہ قادیان سے اہل کرام اہل اللہ کی تلاش میں اطراف و اکناف ملک کے پھرتا رہا تھا لیکن طبعی قسمت اسے بار بار قادیان ہی کو کھینچ لاتی تھی۔ چنانچہ میاں بشیر احمد لکھتے ہیں "مولوی قطب الدین صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سلسلہ بیعت سے پیشتر جب صرف بیعت کا دعویٰ تھا میں نے حضرت (مرزا) صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میں حضور کو صدق دل سے سچا سمجھتا ہوں اور مجھے تقاضا کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن جس رنگ کا اثر اہل اللہ کی صحبت میں پایا جاتا ہے وہ میں حضور کی صحبت میں مبلغ کر اپنے اندر نہیں پاتا" حضرت نے فرمایا کہ "آپ

ملک کا ایک چکر لگائیے اور سب دیکھ بھال کر خود کہیئے کہ جس قسم کے اہل اللہ آپ تلاش کرتے ہیں اور جو اثر آپ چاہتے ہیں وہ دنیا میں کہیں موجود بھی ہے یا نہیں یا یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔ پھر میں نے اسی غرض سے تمام ہندوستان کا ایک دورہ کیا اور سب مشہور مقامات مثلاً کراچی' اجمیر' بمبئی' حیدرآباد دکن' گلبرگہ وغیرہ میں گیا اور مختلف لوگوں سے ملا اور پھر سب جگہ سے ہو کر واپس حیدرآباد آیا۔ اس سفر میں مجھے بعض نیک لوگ بھی ملے لیکن وہ بات نظر نہ آئی جس کی مجھے تلاش تھی"۔

شہاب الدین ذکور کا بیان ہے کہ جب میں کانپور کے قصد سے بلند شہر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت مرزا صاحب یہیں بلند شہر میں ہیں۔ اس وقت آپ مولوی محمد حسین بٹالوی کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب میں مولوی محمد حسین کے مکان پر پہنچا تو اس وقت آپ میرے دائیں آ رہے تھے۔ میں نے ملاقات کی اور سفر کے حالات بیان کر کے بلند شہر سے واپس چلا گیا۔ مجھے عرصہ کے بعد سلسلہ بیعت کی شہرت ہو گئی اور بیعت کا شوق بھی ہو گیا لیکن میں بیعت سے رکا رہا۔ اس کے بعد ایک دفعہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول نے مجھ سے تحریک فرمائی کہ بیعت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے اور میں دل سے سچا سمجھتا ہوں' لیکن اتنا بڑا دعویٰ بھی ہو اور پھر میں اثر سے محروم رہوں اور اپنے اندر وہ بات نہ پاؤں جو اہل اللہ کی صحبت میں سنی جاتی ہے تو پھر مجھے کیا فائدہ ہوا؟ یہ سن کر حضرت (مرزا) صاحب نے فرمایا کہ آپ بلند شہر میرے پاس تمام بیعت اگر تسلی اور تشفی ہو تو آپ کو اختیار ہے۔ چنانچہ یہاں بلند شہر ٹھہرا اور پھر بیعت سے مشرف ہو کر چلا گیا۔ جب میں نے بیعت کی درخواست کی تو حضرت (مرزا) صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ کیا آپ کا اطمینان ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مخلصہ آپ کی صداقت کے متعلق تو مجھے کبھی شک نہیں ہوا۔ ہاں ایک اور خاص قسم کی سوء ہے بھی بچنے سے تعلق خدا نے دور فرما دی ہے"۔ اس کے بعد شیخ دلاور حسین اختر ایم اے لکھتے ہیں کہ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ بعض لوگوں نے ان کے سامنے بھی بعض اوقات حضرت صاحب کے متعلق اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا تھا کہ آپ کی صداقت کے قائل تو ضرور ہیں اور آپ کی بزرگی بھی دفعہ میں الحس ہے لیکن ہر اثر اہل اللہ کی صحبت میں سنا جاتا ہے

ہو محسوس نہیں ہوتا۔ (سیرۃ الصدیق' جلد ۲' ص ۲۷۔۲۸)

نادانی کو اہل اللہ کی تاثیر صحبت سے انکار

یہ سب نادان صحبت جس کا جو کچھ کتب تصوف اور سوانح مشائخ میں پایا جاتا ہے۔ ایمان کامل' تقویٰ و طہارت' اکمال حال' صدق مقال' دوام ذکر الٰہی اور توکل و انقطاع کل اللہ کے ساتھ مشروط ہے اور یہ بات ہی ہے ہر کاروبار کے بازار خلق میں باکمال نایاب تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ صاحب کے بلکہ ان کی صحبت سے کوئی اچھا اثر لے کر نہیں جاتے تھے بلکہ بن پیئے نشہ اتر جاتے تھے اور بیکار ہوتے جاتے تھے اور اخلاقی حالت پہلے سے "بدتر" ہو جاتی تھی۔ مولانا رومؒ کے الفاظ میں اس کی وجہ یہ تھی۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

حضرت گنگوہی صاحب جب اپنے باطنی ہمدردان کے باعث اپنے آپ کو عوام کی طرح بالکل کورا پاتے تھے" تو اس کوئیں کے میڈک کی طرح تک جیلی دنیا کے وجود سے انکار ہوتا ہے۔ اہل اللہ کے کمالات اور ان کی تاثیر صحبت ہی سے انکار کر بیٹھے تھے چنانچہ مطار محرومین میں آپ نے مولانا ہی کا یہ شعر پڑھا کہ جس قسم کے اہل اللہ آپ تلاش کرتے ہیں اور جو اثر آپ چاہتے ہیں وہ دنیا میں کہیں موجود نہیں یہ عرض کرنے کی باتیں ہیں۔ اور الف یہ ہے کہ اکابر صاحب کے دوسرے وقت میں اسی اثر صحبت کو تسلیم بھی کیا۔ چنانچہ شمائم الاکرمین میں لکھتے ہیں۔

"ہم یہ کہتا کہ ہمارے لئے قرآن اور احادیث کافی ہیں اور صحبت صادقین کی ضرورت نہیں یہ خود قائلہ تعلیم قرآن ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے وکونوا مع الصادقین (صادقوں کے ساتھ رہو) اور صادق وہ ہیں جنہوں نے صدق کو حق وجہ البصیرت شناخت کیا اور پھر اس پر دل و جان سے قائم ہو گئے۔ کیونکہ موصوف بالا بطور اشارت ظاہر کر رہی ہے کہ دنیا صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ کیونکہ دوام حکم کونوا مع الصادقین دوام وجود صادقین کو مستلزم ہے۔ جس اس کے مشاہدہ سے پتا ملتا ہے کہ جو لوگ صادقوں کی صحبت سے اپنے باطن کو منور کرتے ہیں۔ ان کے علوم و فنون جسمانی جذبات سے

ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔" (شہادۃ القرآن' مندرجہ روحانی خزائن' جلد ۶' صفحہ ۳۹۳)

اسی طرح قاضی صاحب ایک جگہ میں لکھتے ہیں کہ مجھے ان کے پاس وہ تحریر ملی جس کے ذریعہ وہ شیخ یوسف ایک خاص طور پر قرآنی توجہ اور ہر ایک طالب کو علم و معاملہ کرنا تھا۔ وہ سری پانچی توجہ اور قرآنی اثر دلوں پر ڈالتی تھی۔" (کشف الغیب' جلد ۶' نمبر ۲' صفحہ ۱۸۵) اور رسالہ "نور تجلی" میں ہر قاضی صاحب کی قرب گلشن کا مجموعہ ہے الہامی صاحب کی ایک قلم زیر عنوان "بیعت صاحب لودہانہ کا اسلام" درج ہے' جس میں قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ بابا نانک صاحب نے کس طرح ایک پنجابی بزرگ سے فیض باطن اللہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

سنو بھائی سے اے لوگو بابا نانک کا حال
کہ جس نے پایا اس کے دین کا فیض
اسی عمر سے تھا وہ گویا سے سوال
کہ کس راہ سے ہے ملتا مدام
اسے دیو کی راہ نہ تھی پسند
کہ دیکھا تھا اس کی باتوں میں کھوٹ
پھر آخر کو ملا وہ دیوانہ وار
نہ دیکھے جہاں نہ دیکھے پہاڑ
طلب میں ہوا ہے غلبہ سے حواس
خدا کی عنایت کی کر کے آس
سفر میں وہ دو دو کے کرتا تھا
کہ کر میرے کرتار مشکل کشا
میں قرباں ہوں دل سے تری راہ کا
نکل دے مجھے سو آنکھ کا
کرم کر کے وہ راہ اپنی دکھا
کہ جس میں ہو اے میرے مولیٰ رضا
بتایا گیا اس کو اسلام میں
کہ پائے گا تو مجھ کو اسلام میں
مگر سو عارف نکلتا سو ہے
کہ اسلام کی راہ میں تو ہے
تا تب خدا سے کسے ایک پیر
کہ پنجابی طریقہ میں تھا دستگیر
وہ بیعت سے اس کی ہوا فیض یاب
سنا شیخ سے ذکر راہ صواب
پھر کیا دھن کی طرف اس کے بعد
ملے پیر کے فیض پائے سند
کوئی دن تو یہاں میں مستور تھا
وہاں چپ تھی اور سید میں نور تھا
زمیں دل میں تھا وجد سوز نیاز
شروعوں سے چپ چپ کے پڑھتا نماز

اخلاقی تنزل کے باعث سالانہ جلسہ کا التوام

جب کوئی شخص کسی بزرگ کی صحبت میں بیٹھتا ہے یا اس سے بیعت کرتا ہے تو اس کی یہی غرض ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی تاثیر سے برائیوں سے بچ جائیں اور طبیعت نیکیوں کی طرف راغب ہو۔ حضرت مولوی نے اپنے سچ موعود کے اثر صحبت سے ہو "اخلاق فاضلہ" حاصل کیے ان کا دیدہ زیب نمونہ ہے۔ ملاں صاحب نے اپنا وہ سالانہ جلسہ جو ۲۷ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہونے والا تھا موقوف کر دیا جس کے وجوہ و اسباب کتاب شہادۃ القرآن میں ۲۷ دسمبر ۱۹۱۴ء کو تشریح کی" یہ بیان کیے۔ حاصل یہ کہ اس جلسہ کا مقصد یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے اپنے اندر ایک دینی تبدیلی حاصل کر لیں کہ اخلاص اور پاکیزگی اور راست بازی ان میں پیدا ہو۔ لیکن اس سے پہلے جلسہ کے بعد ایسا اثر نہیں دیکھا گیا بلکہ خاص جلسہ کے دنوں میں ہی بعض کی شامت سنی گئی کہ وہ اپنے بعض بھائیوں کی بدخوئی سے شاکی ہیں اور بعض اپنے آرام کے لیے دوسرے لوگوں سے کچھ خلق کا ہیر کرتے ہیں"۔

کچھ دل مزائی بھیڑیے

اس کے بعد کاوانی صاحب رقم فرماتے ہیں۔ "میرا خیال ہے کہ جلسہ کے بعد کوئی بہت ہی اور نیک اثر اس جماعت کے بعض لوگوں میں ظاہر نہیں ہوا۔ اس اجتماع میں بعض دفعہ بہت گلی مکانات اور تنگ دسائل مکان داری ایسے "اخلاق رذیلہ" اور طرفرض کی حد سے متجاوز بعض معاملوں میں ظاہر ہوتی دیکھی ہے کہ جیسے ریل میں بیٹھنے والے گلی مکان کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ اگر کوئی بے چارہ بھی ریل چلنے کے قریب اپنی گھبراہٹ سے دوڑتا ہوا ان کے پاس پہنچ جائے تو اس کو دھکے دیتے اور دروازہ بند کر لیتے ہیں کہ یہاں تک نہیں جانکہ گنجائش نکل سکتی ہے۔ سو ایسا ہی یہ اجتماع بھی بعض اخلاق حاضرہ کے بگاڑنے کا ایک ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں بکلہ نرمی اور ہمدردی اور خدمت اور جانکاہی کا بیج نہ کرے، تب تک یہ جلسہ قرین مصلحت نہیں معلوم ہوتا۔ اور اپنی مکرم حضرت مولوی نورالدین صاحب سلمہ

تعالیٰ بابا جی سے یہ سن کر چکے ہیں کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے اب تک کوئی خاص اہلیت اور تقویٰ اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور اللہ محبت پیدا نہیں کی۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ خواب بالکل سچ ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات جماعت میں داخل ہو کر اس مائدہ سے بہت کم کے پھر بھی ویسے کچے دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ مائدہ مگر کے سیدھے منہ سے السلام علیک نہیں کر سکتے۔ یہ جانکہ غرض مالی اور بدنی سے دل آئیں اور انہیں سلسلہ اور غرض اس قدر سمجھتا ہوں کہ یہ اوقات اصلی غرض کی جا پر لوٹے اور ایک دوسرے سے دست بدامان ہوتے ہیں اور ہالک بالک کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور دلوں میں کینہ پیدا کر لیتے ہیں اور کدورت پیدا کی نسبت پر اصلی بہشتی ہوتی ہیں"۔ (اشتہار انعامی ۱۰ ہزار روپیہ' مندرجہ کتاب شہادۃ القرآن' صفحہ ۷۰ و تتمہ حقیقۃ الوحی' جلد ۲۲ صفحہ ۴۹۱)

دو مرزائی اکابر میں جھگڑا

یہاں شیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ (مرزا صاحب کے خسر) میر ناصر نواب صاحب سے مولوی محمد علی (میر جماعت احمدیہ لاہور) کی شکایت ہوگی تو میر صاحب (خسر) نے مرزا صاحب (داماد) کے پاس جا کر شکایت کی۔ جب مولوی محمد علی صاحب کو اس شکایت کا علم ہوا تو کہنے لگے کہ اگر ایسی شکایتیں شروع ہو گئیں تو ہم سے کوئی اسلام کا دم بھی نہ بھرے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔ یہ دیکھ کر حضرت مرزا صاحب نے مولوی محمد علی صاحب سے فرمایا کہ میر صاحب کرتے تھے مگر مجھے معلوم نہیں کہ کیا کہہ گئے ہیں میں اپنے خیال میں تو خوش ہوں جماعت نے خوب اشاعت (اخبار و رسائل) میں کافی ترقی کر لی ہے اور مالی بھی کمزوری ظاہر کرتا ہے مگر اصلی غرض جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں ابھی اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ یعنی جماعت میں مکارم اخلاق' تقویٰ و صلاح' اسی حسنہ پر عمل درآمد اسلام کو ابھی قطعاً یا لفظاً موجود نہیں ہوا"۔ (سیرۃ المہدی' جلد اول' صفحہ ۲۳۵)

طاعون زدہ مرزائیوں سے شرمناک سلوک

اسی طرح لکھ بیٹھے' جس کا ذکر میں حاشیہ نمبر ۱ پر کر چکا ہوں۔ مرزا جی نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں یہ الہام شائع کیا۔ ان الله علی کل شیء قدیر (اللہ تو ہماری لونڈی بلکہ لونڈیوں کی لونڈی ہے)۔ چونکہ مسیح صاحب پر اپنی قوت ایمانی کا مال تخیلی مدفن تھا' طاعون زدہ افراد سے خلط ملط پیدا نہ ہونے دینے کے انتظام صادر فرمائے۔ یہاں تک کہ جب دیوار مسیحیہ کے مشرقی حاص میں محمد الفضل نیلم طاہر اسی اثنا میں طاعون کے شکار ہو گئے تو مسیح صاحب اور ان کے پیروؤں نے ان کی لاش سے کوئی ہمدردانہ سلوک نہ کیا بلکہ جس مسجد میں ان کی چارپائی الگ کی گئی تھی حسب ارشاد جناب مسیح صاحب اس مسجد کے کنویں سے روزی اور غسل کی بند تک اس خوف سے اتار دیا گیا کہ مبادا بیٹے اس کنویں کا پانی مرزا صاحب اور ان کے متبعین الفضل پیروؤں کے گھروں میں لے جا کر وہاں طاعونی جراثیم پیدا کر دیں اور نہ کوئی اس طبیب کے بتلانے پر گیا یہاں تک کہ طاعونی امیر حسین بھیروی مرزائی کا جوان لڑکا بھی طاعون کا شکار ہوا اور مرزائیوں نے اس سے بھی وہی سلوک کیا جو محمد الفضل سے روا رکھا تھا تو طاعونی نے مرزا صاحب کے پاس جا کر واویلا کی اور صاف سے شکایت کی کہ تم نے میرے مرنے تک طاعون اور متعلقات سے بھی بدتر ہیں۔ کسی نے ہمدردی کا ہاتھ نہیں"۔ اس پر مرزا صاحب کو اپنی خاکساری کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنے پیروؤں کو جمع کر کے باہمی ہمدردی کے موضوع پر ایک لیکچر دیا اور اس میں طاعون سے کی دل جمعی کے لیے سات قطعوں میں کہا کہ ایک شخص جو مسلمان ہو اور بار سلسلہ میں داخل ہو اس کو یوں چھوڑ دیا جائے جیسے کتے کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہ بڑی غلطی ہے (اخبار بدر قادیان' مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۶ء) لیکن اس کے بعد اخبار الحکم مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۷ء میں بڑی شد و مد سے ایک نئی قربانی جاری کیا کہ سب لوگ طاعون زدہ کے ارد گرد نہ جمع ہوا کریں۔ حسب ضرورت دو تین کوڑی اس کی چارپائی کو اٹھائیں اور باقی سب دور کھڑے ہو کر منٹا ایک سو گز کے فاصلہ پر بیٹھ جائیں۔

مسیح صاحب کے بعض حواریوں پر انعام کے متعلقات

دیوار مسیحیہ کے بانیوں میں سے محمد حسین بٹالوی نے لکھا کہ الفضل صاحب کے حاشیہ

برادر اسلامی انجمنوں کے وکیل اور ان کی طرف سے وکالت پر کر عورتوں کے اغواء کے مقدمات میں ماخوذ ہوئے۔ کو الہام کلہ مستغیث سے بھوا مقدمہ کرکے کہ ہم تمہاری عورت کو ملیچھ کردیں گے سزا سے بچ گئے۔ مگر عورت کو ملیچھ نہ کیا اور انجمنوں کے چندوں سے زنا اور شراب خوری کے مرتکب ہوئے۔ اس وجہ سے انجمنوں نے ان کو اپنی وکالت سے علیحدہ کر دیا اور ان کی بدکاریوں کو بذریعہ اشتہارات عام شائع کیا۔ (الفضل قادیان' جلد ۱۸ صفحہ ۷۔ ۸)

مسیحائی دور کے بعد قادیانی مرزائیوں کے اخلاق و عادات

لاہوری مرزائیوں کے اخبار "پیغام صلح" نے لکھا کہ قادیانی جماعت کا ہمارے (لاہوری مرزائیوں کے) ساتھ جو طرز عمل ہے وہ ساری دنیا جانتی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کل چنانچہ کے قادیانی اس غیر شریفانہ رویہ میں تمام حدود تہذیب سے بالائی سے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے لاہوری چنانچہ جماعت کے جلسہ سالانہ پر جو اخلاق سوز اور سوقیانہ حرکتیں کیں احباب کو ان کا کسی قدر علم جلسہ کی روئیداد سے ظاہر ہو گیا ہوگا۔ اس پر اکتفا نہ کرکے انفضل نے تعلیق میں پاکل بھوپالی رپورٹ شائع کرائی۔ ان کی مزاحیات کی طرز تحریر اس قدر گھٹیا اور غیر شریفانہ ہے کہ کوئی شریف آدمی اس پر اظہار نفرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ اس قسم کی بیہودہ حرکات تمام قادیانی حلقوں میں پسند کی جاتی ہیں اور ان کی داد دی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں ہے کہ جناب ایڈیٹر (میاں محمود احمد) صاحب ایسی ہی اظہار خوشنودی فرماتے ہوں گے لیکن اسلامی اخلاق اور شرافت ان پر ایڈ ماتم کرتے رہیں گے۔ (اخبار پیغام صلح لاہور' مورخہ ۲۵ جون ۱۹۳۳ء) مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت مرزائیہ نے کہا کہ میاں محمود احمد صاحب کے دوسرے احباب کا ذکر جلسہ سالانہ پر ان الفاظ میں کیا تھا کہ "پیغامیوں (لاہوری مرزائیوں) سے ہوشیار رہو کہ بعض وقت شیطان بھی فرشتہ کے لباس میں آجایا کرتا ہے"۔ (الفضل قادیان' مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۳۳ء)

ان اقتباسات سے ناظرین کرام اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جن خوش نصیب کلمہ گوؤں نے اسلام سے منقطع ہو کر قادیانی صاحب سے رشتہ جوڑا ہے ان کی صحبت میں کچھ

روپیہ سالانہ حاصل کرنے کے بجائے الٹے خسارہ اور قلاشی میں پڑ گئے۔ لو اگر قادیانی صاحب کو کچھ معرفت الٰہی کی ہوا بھی لگی ہوتی تو ان کے صحبت یافتوں کے ایمان و اسلام پر چار چاند لگ جاتے۔ لیکن جہاں سرے سے ایمان و اسلام ہی مفقود ہو وہاں کسی فلاح کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اکبر بلاغت اس سوال کا لکھتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کی صحبت میں فلاح کے بجائے خسران پہنچے وہ خدا کے ولی نہیں ہوتے' شیطان کے ولی ہوتے ہیں۔ (پیام صلح لاہور' مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء) امت مرزائی کے بعض اخص الخواص کو اپنے مسیح کے چشمہ اعجاز سے بہ قبل از اس کے کہ وہ دعوائے نبوت کرے یہ کیفیت حاصل ہو۔

حکیم نورالدین کا مرتبہ اجتہاد

حکیم نورالدین اجتہادی کے متعلق ڈاکٹر سر محمد اقبال مرزائی کی یہ رائے تھی۔ مقلید کا گلہ سے بند ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے مخالف خلیفہ صاحب کی رائے سے ہو تو یہ خواہ مخواہ ہو جاتے ہیں"۔ (الفضل ۲۵ اگست ۱۹۱۴ء) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرزائی لاہوری نے حکیم مولوی نورالدین صاحب کے متعلق یہ اظہار خیال فرمایا۔ "مولوی نورالدین صاحب کی طبیعت میں خدا اس حد تک بعد گئی ہے کہ دوسرے کی سن ہی نہیں سکتے۔ وہ صحت کو بس پشت ڈال کر خدا کے فرشتے کے کام سے بے پروائی کرتے ہوئے شخصی ریاست اور حکومت کی فانی نظر ہے۔ حاسد چاہے ہو تو ہو مگر اپنے حد سے گئی ہوئی بات نہ ٹلے یہ نہ ٹلے۔ تکبر اور نخوت کی کمال ہو چکی ہے"۔ (الفضل قادیان' مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۱۴ء) قاضی اکمل مرزائی نے اپنے مضمون میں مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت خلیفہ اول (حکیم نورالدین) کے علم دروس میں اعتزالیات کی اجازت کے متعلق جو آپ لکھتے ہیں سو مولوی صاحب! کیا آپ وہاں محمد علی تو نہیں جن کی نسبت میرے سامنے حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ "محمد علی کیا چیز ہے؟ اگر میں زور سے بولوں تو اس کا پیشاب نکل جائے"۔ (الفضل ۲۵ اگست ۱۹۱۴ء)

شیخ یعقوب علی عرفانی مرحوم نے جو سالہا سال الحاج صاحب کے حواریوں میں داخل رہ کر کامیاب ہوئے اور حضرت صاحب کی زندگی میں کتاب (حیات نور) لکھی وہ مولوی حکیم نورالدین خلیفہ اول کی ریاست گھنٹوی اور صدق بیانی کے متعلق فرماتے ہیں کہ

حکیم نورالدین صاحب نے ایک اشتہار میں حلف اٹھایا کہ آتھم کے متعلق مرزا صاحب کی پیشگوئی پوری ہو چکی ہے۔ حالانکہ اس اشتہار سے پہلے ایک شخص کے اشتہار پر قسمیہ شہادت دے چکے تھے کہ وہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی (اصحاب موسیٰ' صفحہ ۲۰۳) مفتی الٰہی بخش صاحب لکھتے ہیں۔ ہماری نورالدین صاحب کی دیانت اور پرہیزگاری کا بہت عمدہ نمونہ ہے "تاریخ احمدیہ رسالہ استفتاء یرقی" میں مرقوم ہے وہ نہایت خوفناک و دردناک ہے۔ حکیم صاحب نے پہلے ایک خط پر دستخط کر کے بھیجا اور پھر چھ سات روز تک نہیں رکھنے کے لیے خاموش رہنے کے متعلق بھیجا پھر کہا کہ میں نے تو کوئی خط نہیں لکھا۔ بعد میں جب وہ خط ظاہر ہوئے تو اور خط لکھنے والے نے لوگوں کے سامنے دعوے کیا کہ میں حکیم صاحب کا خط لا کر دکھا دوں تو کیا چاہیے اس خط کو مشتہر کرنا چاہیے (اصحاب موسیٰ' صفحہ ۲۰۳)

خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب کی ایک بڑی عادت یہ تھی کہ دوسروں کی طرح ادا نہ تھے اور بلاوجہ یہ کہ دوسرے لوگوں و کتابوں سے چھ سو روپیہ بلکہ ہزاروں روپیہ مالیہ تھا تاہم ان کے اسراف و تبذیر کا یہ عالم تھا کہ بلاوجہ خوش رہتے تھے حالانکہ خدا نے قرآن میں بے جا خرچ کرنے والوں کے حق میں فرمایا۔ ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین (۱۷:۲۶) دال کو یہ موقع مت دو کہ بے ضرورت خرچ کرنے اور بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں) بلاوجہ یہ کہ حضرت مسیح زمان خود بھی اقتدار پر کے مرتکب تھے۔ (جیسا کہ اس کی تشریح ان شاء اللہ کتاب ہذا میں کی جائے گی) تاہم حکیم نورالدین کا اسراف اور خرچ بے جا اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ قادیانی صاحب کو بھی اس کے خلاف لب کشائی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ایک خط میں حکیم صاحب کو لکھا "آپ اپنے مصارف کی نسبت ہوشیار ہو جائیں کہ آئی آمدنی سے قوام معیشت ہے اور اپنی ضرورت کے وقت بھی مطلب نکلتے ہو جاتے ہیں اور جیسا کہ آپ نے عہد کر لیا ہے کسی حالت میں کسی سے سوال خرچ نہ کریں"۔ (مکتوبات احمدیہ' جلد ۵' نمبر ۲' صفحہ ۵۱)

خلیفۃ المسیح میاں محمود احمد کے "خصائل عالیہ"

لاہوری مرزائیوں کے آرگن "پیغام صلح" نے مدعی نبوت ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں مرزا محمود احمد کے خلاف چند سوالات کی کڑیں ہر الزامات عائد کیے وہ یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) کیا میاں صاحب نے اپنی دعوی کتابوں میں خلیفہ بنانا دعویٰ میں کوئی ذکر نہیں ہے؟

(۲) کیا میاں محمود احمد صاحب کے خسر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ۲۰ سال پہلے اپنے کتب کو زکوٰۃ کا مستحق ٹھہرانے اور انجمن سے اپنے بچوں کے لیے وظیفہ کے طلبگار ہونے امر قمر اور ابتدار کے درمیان موجود انجمنی قائم کی ہے؟ ہاں یہ خلافت و خلافت کے کہاں تک قریب ہے اگلہ خلام چار پانچ ماہ سے گزارہ کے لیے مدد دے رہے ہیں۔

(الفضل' ۲۰ مئی ۱۹۳۴ء) "پیغام صلح" نے اپنے اداریہ کے پرچہ میں لکھا کہ آج اس دنیا کی تمام اقوام اپنی تمام قوت و طاقت کے ساتھ خطر کے سامنے ہے اور جرمن و اٹلی کی آرائش اور حبش' سوئٹزرلینڈ کے قومی مظاہرات اس کی بدلتی ہوئی تصویر ہیں' دنیا اور ہیلا کی مشہور بادر گاہیں شاہدان میں بھی ہیں اور اہم عمومی خطر کا سامنا ہے' میاں صاحب سیج اختلاف یورپ کو اڑے چلے جا رہے ہیں۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس قدر زوری جائیداد حضرت مسیح موعود اپنی حالت پر چھوڑ گئے تھے کیا اس قدر کافی تھی کہ میاں صاحب کے موجودہ شاہانہ طریق کا کوئی حصہ اس سے نکل سکتا ہے؟ اگر کے کہ بعد میں میاں صاحب نے دعویٰ نبوت کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ نبوت کے لیے روپیہ کہاں سے آیا؟ کیا قوم کے روپیہ کے سوا کوئی اور ذریعہ بھی تھا کہ کا تھا جس قوم کے لیے ایڈر ہوں اس کا خدا حافظ۔ (الفضل' ۲۰ مئی ۱۹۳۴ء)

پھر ۲۰ جولائی ۱۹۳۴ء کے "پیغام صلح" میں لکھا کہ آج میاں صاحب دعوی اور یورپ جا رہے ہیں۔ دعویٰ جرمن تو ظاہر ہے' نبوت یا عدم نبوت کا تو کوئی سوال نہیں۔ خیال یہ ہے کہ نبوت و خلافت مکمل ہو۔ میاں صاحب دنیا کے خلیفہ ہونے کے مدعی ہیں۔ یورپ (خلافت کی شان و شوکت) کو دیکھ کر متاثر ہوگا۔ کیا فضل عمر (میاں محمود احمد صاحب) کی اس خلافت و کبریائی کا حضرت عمرؓ کی خوفناک دبدبہ سے کوئی مقابلہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز

نہیں۔ پھر ۳۰ ہزار روپے کے پیغام میں کھلا مذاق کاتبوں کے بیوی کا سیرو سیاحت کو جی چاہا تو بیچارے کاتب کو آڑے ہاتھوں لیا اور بیچارے سوداگروں کو طرح طرح کی مثل تمثیلیں دیں۔ کہیں کہا کہ دیکھو جب شاہجہان بادشاہ کی بیوی کا حج پر جانے کا قصد ہوا تو محض یہ دیکھنے کے لیے کہ بادشاہ اس سفر دور دراز کے لیے تیار بھی ہے یا نہیں انگریز نے انہیں ایک لاکھ روپیہ کے ساتھ کشتی میں بٹھایا اور چلتے چلتے سادہ روپیہ دریا میں گھسیڑ دیا" اور پھر پچاس ہزار روپیہ کا سیرو سیاحت پر خرچ ہوگا سوداگروں کی نظر میں اس کی قدر و قیمت گھٹانے کے لیے یوں گوہر افشانی فرمائی کہ انگلستان کا ایک امیر بیس بیس ہزار میں ایک کتا اور تیس تیس ہزار میں گھوڑا خریدا ہے۔ گویا پچاس ہزار روپیہ تو آپ نے چٹکی بجاتے ہی کہہ دیا۔ اور یہ خیال نہیں کیا کہ یہ بیچارے بدحواسوں کی گاڑھے پسینے کی کمائی ہے۔ جسے یوں ضائع کرنا ایک اخلاقی جرم ہے۔ ہاں کوئی نواب صاحب سیاحت کے لیے نکلیں تو یہ اس قسم کی نمائش سے باز رکھیں۔ اگر کبھی کسی سیاح نواب نے کوئی اسراف کیا بھی تو اس کی مثال اس کی زندگی میں نہ ملے گی۔ (الفضل ۲۸ ستمبر ۱۹۱۸ء)

میاں محمود احمد صاحب جیدوں کے تحریف میں

شیخ الصبح میاں محمود احمد صاحب فوق عقل عورتوں کے بڑے قدرشناس اور ازبردار معلوم ہوتے ہیں اور اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ عیسائیوں کے تحریف میں رہیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ صاحب کے ایک مخلص مرید چوہدری فضل الرحمن خلیفہ زمیندار ساکن سراسے مالگیر ضلع جہلم کی بد شامت کئی دفعہ خلیفہ صاحب سے یہ سوال کر چکے کہ جب آپ عورتوں کے جلسہ میں مسند نشین ہو چکے ہیں تو اپنے لوگ خواہ مخواہ عورتوں کا پردہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس سوال پر میاں صاحب آگ بگولہ ہو گئے اور فرمایا کہ تم بڑے گستاخ اور بے ادب ہو اس کے بعد خلیفہ صاحب نے چوہدری فضل الرحمن کا نام درج کر کے یہ لکھ دیا "منافق" اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس سے ہم کلام نہ ہو اور اسے قادیان سے نکل جانے کو کہیں۔ چوہدری صاحب نے یہ رنگ دیکھ کر خود ہی بوریا بستر سنبھالا اور قادیان سے نکل گئے۔ (پیغام صلح ۱۰ اگست ۱۹۲۲ء) یہ صاحب قادیانیوں سے کٹ کر لاہوری مرزائیوں میں آ ملے۔ بدبخت قسمت میں نہ تھی وہ ان کے لیے یہ غور کرنا کچھ

مشکل نہ تھا کہ جب خلیفہ کے یہ بھی ہیں تو اس شخص کے تخلق باللہ کا کیا حال ہوگا جس کا پیر روحانی خلیفہ ہے۔ افسوس یہ صاحب اس ضرب المثل کا مصداق بن کر رہ گئے کہ آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا۔ قادیانی مرزائیت اور لاہوری مرزائیت ایک ہی مقراض کے دو پھل ہیں۔ گو لاہوری مرزائی ایک گھٹیا سطح میں اپنے قادیانی بھائیوں سے کچھ فضیلت رکھتے ہیں۔ تاہم الحاد و زندقہ کے لحاظ سے دونوں ایک ہی تھال کے چٹے بٹے ہیں۔

خلیفۃ المسیح پر حرام کاری کے الزامات

ابن شاہ الامیر "تاریخ قادیان" کی تیسری جلد میں ایک مستقل عنوان کے ماتحت ثابت کیا چاہتا تھا کہ ایک نہیں کئی قادیانی لڑکی ماشاء اللہ خلیفہ المسیح کے ہاں پلتی رہی اور وہ کئی سال تک اس خدمت پر مامور رہیں۔ لیکن قارئین کرام میں سے شاید آکثر کو معلوم نہ ہوگا کہ خلافت کے باب میں مسیح صاحب کا اصلی لڑکا میاں محمد احمد ہے جو آج کل قادیان میں گدی نشین ہے باپ سے کہیں بڑھ چڑھ کر شرارتیں کر رہا ہے۔ میاں محمد احمد کی اخلاقی قصہ شاہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی دیر سویر امرتسر سے لاہور اور کراچی نہ کھلنے لگے۔ اس لیے مناسب ہے کہ ہم صاحب خلیفہ صاحب کے نکاحوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو مولوی صاحب صدیق کی طرف رجوع کریں۔ بلکہ سال پیشتر جریدہ "تنویر" لاہور خلیفہ صاحب کی تعریف "حقانیت مسلی فی العلوم کے حامل" کے نام الفاظ میں کیا کرتا تھا۔ ہر صاحب اس مسلی فی العلوم کا دلچسپ واقعہ معلوم کرنا چاہیں، وہ فاکسار مولف کتاب سے مل کر معلومات کر سکتے ہیں۔ یہاں مختصراً اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس واقعہ کا تعلق بھی "تخلیات" ہی سے ہے۔

خلیفہ صاحب کے ہاں پلنے کی عام شہادت یہ ہے کہ ان کے اپنے خاص عہد کی سال سے ان پر فواحش و حرام کاری کے الزام لگا رہے ہیں لیکن وہ آج تک اپنی برات نہیں کر سکے۔ اس سلسلہ میں میاں محمد علی صاحب امیر جماعت مرزائیہ لاہور کے ایک مراسلہ کا حوالہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اخبار نور" میں ایک مضمون شائع ہوا ہے کہ میں (میاں محمد علی) ان الزاموں کو بھولا کہتا ہوں۔ شیخ عبدالرحمٰن مصری اور اس کے ساتھیوں نے میاں محمد احمد پر لگائے

ہیں ملاکر یہ بات تھا ہے۔ ان الزامات کے متعلق اگر کوئی شخص بولنے کا حق رکھتا تھا تو وہ خود میاں محمد امیر تھے اور ان کے لیے یہ موقع پیدا کئے تھے کہ وہ لوگ کو مطمئن کر سکتے تھے۔ پہلا موقع وہ تھا جب سیدی عبدالکریم سیالوی والے نے میاں محمد امیر سے ان الزامات پر مباہلہ کرنا چاہا تھا مگر میاں صاحب نے انکار کر دیا۔ مگر عرصہ کے بعد معاصرین کی ایک جماعت قائم ہوئی جس نے اس قسم کے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر الزامات کے متعلق تحقیقات کا مطالبہ کیا اور اپنی ہی جماعت کے کمیشن کے سامنے اپنا ثبوت پیش کرنے کے لیے میاں صاحب سے درخواست کی۔ یہ ایک نہایت معقول تجویز تھی لیکن میاں صاحب نے اس مطالبہ کو بھی منظور نہ کیا"۔

اب میاں صاحب کے مریدوں نے ان الزامات کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے جنہیں خود میاں صاحب جھوٹا ثابت کرنے کی جرأت نہیں رکھتے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ لوگوں کے پاس دوڑے دوڑے جاتے ہیں کہ تم ان الزاموں کو غلط سمجھتے ہو یا نہیں؟ یہ خیال تھا بھر گیا ہے کہ چونکہ میاں صاحب چار بیویوں کے شوہر ہیں اس لیے یہ زنا کا الزام ثابت نہیں کر سکتے۔ حالانکہ یہ کسی کا بھی ہو اس کی زنا کاری کی دلیل ہے۔ نہ کسی کا چار بلکہ چار سو بیویوں کا شوہر ہونا اس کی پاک بازی کی شہادت ہے۔ میاں صاحب کو چاہیے کہ یا تو الزام لگانے والوں سے مباہلہ کریں یا اپنی جماعت کا ایک کمیشن مقرر کر کے الزامات کی تحقیق کرائیں اگر یہ الزام کسی دشمن کی طرف سے ہوتے تو کہہ دیا جاتا کہ غلط بھوت ہے۔ لیکن الزام لگانے والے میاں صاحب کے اپنے مخلص مرید ہیں۔ جنہوں نے خدمت دین (مرزائیت) کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں۔ اپنے مخلص مرید اپنے پر بہتان باندھ کر جھوٹ نہیں بولا سکتے۔

پھر اس الزام کی وجہ سے ان لوگوں کو سخت ترین تشدد اٹھانا پڑا۔ ان کا مقاطعہ کر دیا گیا۔ ان پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔ بالآخر ان کا مکان جلا دیا گیا۔ میاں صاحب کے ایک مخلص مرید نے بہت ہی رازدار تھے اور ایک وقت کسی پہاڑ پر میاں صاحب کے ساتھ رہے تھے لکھا کہ "میں تو کتابوں کے "اندرونی حالات کو دیکھ کر دین ہو گیا تھا مگر کتاب "میزان الحرکان" نے میری دلگیری کی اور میرا ایمان خدا اور اس کے رسول پر تازہ ہو گیا"۔ خاکسار محمد علی۔ داروغہ۔ مہر [illegible] ۔ [illegible] صبح [illegible]

صفحات ۷-۸)

اس بیان میں مولوی محمد علی صاحب نے تحت اپنی کتاب بیان القرآن کی بھی تعریف کر دی ہے۔ لیکن راقم الحروف یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ اس کتاب میں الفاظ و زبان کے طومار کے سوا اور کچھ نہیں کیا تک۔ جس قدر علماء و حافظ اسلام میں پیدا ہوئے مولوی محمد علی نے ان کے علم و افکار کو لے کر اپنی طرف سے پیش کر دیا ہے اور کوشش فرمائی کہ لوگوں کا ذہن اسلامیان کی علمی و دینی خدمات کی تعریفوں میں گم ہو جائے۔

مفتی محمد صادق کانپوری کی خیانت

مفتی محمد صادق صاحب کانپوری سابق مفتی حضرت ہیں۔ بزرگ کی گدی نشین سر کیا کرتے ہیں۔ یہ بھی حضرت مرزا صاحب کے قابل اعتماد حواریوں میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ جریدہ "الہدیٰ" میں علی حسن صاحب سابق مدرس کی طرف سے ایک مراسلہ شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ میرا سابقہ مفتی محمد صادق سے پڑا۔ انہوں نے امرتسر اسٹیشن کلی کے نام سے ایک کلی کھولی تھی۔ میں نے بلا سوال اور سلسلہ جانی سمجھ کر تو سو روپے کا مال بھیج دیا تھا۔ جس میں سے بقدر ایک روپیہ کا مال بھی وصول نہیں ہوا۔ اس مطلب کے لیے میں نے کمشنر کرنے کے لیے لکھوں کیا مگر یار لوگوں نے روانہ ہونے دیا۔ پھر کچہریوں کے دار القضا میں فیصلہ کرانا چاہا لیکن جناب حاکم نے فرمایا کہ تم غیر ہو ہم فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (ملخصاً "الہدیٰ" جریدہ ۲۸ شعبان ۱۳۳۳ھ) معلوم نہیں کہ اس مراسلہ کی اشاعت کے بعد بھی مفتی صاحب نے علی حسن صاحب کی حق رسی کی یا نہیں؟

مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے اخلاق فرمائے

جریدہ "الفضل" قادیان نے لکھا کہ مولوی محمد علی صاحب مریخ عناد بالغہ پیش کرا کے امیر جماعت لاہور کو دھوکہ دیتے ہیں خط لکھ کر تو سیر حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے ریزولیشن پاس کراتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مولوی محمد علی اپنی خدمات کا کوئی صلہ نہیں چاہتے حالانکہ انہوں نے بلا تعین لفظ سے مل کر بڑا روپیہ حق تصنیف کی آڑ میں

مجیب اور انکے طریق سے وصول کیے۔ آج تک مولوی صاحب مرحوم کی ایک کتاب بھی تمام اسلام پر باجائز طریق سے حق تصنیف لے رہے ہیں' یہ تو ان کی تصنیف نہیں۔ ترجمہ انہوں نے صدر انجمن حمایت کی خدمت میں گذرانا کیا۔ پھر یہ کس طرح حق دار ہیں؟ اسی طرح انگریزی ترجمہ القرآن پر بھی ان کو کوئی حق نہیں۔ اگر خدمت میں ترجمہ کرنے سے ان کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے تو پھر یہ حق ہر اس شخص کو انگریزی ترجمہ بیبل خدا (نعوذ باللہ علیہ السلام) پر کیوں حق تصنیف لے رہے ہیں؟ اس کا ترجمہ تو ہر شخص صاحب نے کیا تھا۔ کیا مولوی صاحب اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ انہوں نے باطر تغیر خط کے ذریعہ سے کسی مرد فرشتہ کتب پر حق تصنیف وصول نہیں کیا؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ اسی وقت کتب انجمن کے ترجمہ جلد ۲۲ ہزار روپیہ سے اوپر تک وصول ہیں جس پر مولوی صاحب ۲۵ فیصدی یعنی ۵۵ ہزار روپیہ وصول کر چکے ہیں۔ خواہ ہماری انجمن کو یہ روپیہ وصول ہو یا نہ ہو۔ مولوی محمد علی صاحب بھی خلاصت کتب کے لیے روپیہ مانگتے ہیں قوم کے روپیہ سے کتابیں تو چھپ گئیں نہ کہیں خلاصہ تقسیم نہیں کی جائیں گی پھر کے بعد جو روپیہ قوم سے انہی کتابوں کی خلاصہ تقسیم کے لیے روپیہ وصول کیا جاتا ہے۔

اس پر طرفہ یہ کہ خلاصہ تیار ہو یا نہ ہو خواہ نہ چھپے وصول ہو یا نہ ہو۔ مولوی صاحب موصوف (ریویو پر لیا ۲۵ فیصدی حق تصنیف وصول کر لیتے ہیں۔ جب ہی تو ہر سال قوم کی خدمت چھ ماہ سے زیادہ پیغامیوں کی تعریف و ستائش میں کرتے ہیں۔ لاکھوں روپیہ سے قوم کے بچوں کے لیے لاہور میں مسلم ہائی سکول چلا رہا تھا لیکن مولوی صاحب کے دل میں قومی ایثار اس قدر ہوتی ہے کہ ان کا اپنا لڑکا ایک عیسائی انگریزی سکول میں پڑھتا ہے۔ مولوی صاحب کی فراست و ریاست کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ مکان بنانے کی تعمیم کا حشر ہے۔ ایک اخبار چندہ اس لیے منگوایا گیا کہ چندہ دینے والوں کو باری باری فی شدہ رقم احمدیہ بستی میں مکان بنانے کے لیے دی جائے۔ شروع شروع میں رقم مولوی صاحب کو اس لیے دی گئی کہ ان کا مکان وہاں بننے سے دوسروں کی ترغیب ہوگی۔ لیکن مولوی صاحب یہ رقم کھا گئے اور مکان بنانے سے انکار کر دیا۔ ہزاروں روپوں کے بیمہ اور وصولیاں مولوی صاحب کے نام آتی ہیں جو چندے کی مدد میں لیکن ان کے حساب کتاب کا کوئی پتہ نہیں۔

(الفضل، ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء)

میاں محمد علی صاحب اس وقت سے بڑے تپاک سے ملتے و کرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں پاکپتن میں زمین جس کی قیمت لاکھوں تک پہنچتی ہے کے قبول کرنے کی درخواست کی گئی تھی (بقیہ حاشیہ) حکومت کی طرف سے بھی تحفہ دینے کی تجویز ہوئی تھی (بقیہ حاشیہ) مگر وہ ان تمام باتوں سے بالا ہیں۔ الفضل رقم طراز ہے کہ جناب امارت مآب مولوی محمد علی صاحب کے حق میں ہر سال کسی نہ کسی سیر پہاڑ پر تشریف لے جاتے ہیں اور اپنے شہر پر گاہے نہ رکنے کی وجہ سے قومی مال کو برباد کرتے ہیں۔ حالانکہ اور لوگ بھی اسی لاہور میں گرمی کے دن گزارتے ہیں جس میں آپ کا گھر ہے مگر آپ کو انجمن کے خزانہ سے ہر رقم بلوا لیتے ہیں وہ لاہور میں رہ کر صرف نہیں ہو سکتی اور دیگر مالی بخل و تقشف کے علاوہ مرچہ لگانے کے لیے آپ یہ کام انجام کرنے اور استراحت فرمانے کے لیے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں چھ گھنٹے کا بلاوجہ ہی روزانہ ہے' آپ انجمن کے خزانہ میں واپس کر دیا کریں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ یہ فالتو صرف ہی ہو جایا کرے۔ (الفضل' ۲۰ اگست ۱۹۴۸ء)

الفضل نے میاں محمد علی صاحب سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے میں قمر الاسلام (بقیہ حاشیہ) نہیں ہو آپ بیگم اسلام (بقیہ حاشیہ) کے سوا شادی نہیں کر سکتے؟ (الفضل' ۲۰ اگست ۱۹۴۸ء) لطیفہ یہ اضافہ ہے جا ہے کہ میاں محمد احمد صاحب فسٹ کلاس (بقیہ حاشیہ) میں سفر کرتے ہیں۔ انہوں نے یورپ جاتے ہوئے جہاز کے درجہ اول ہی میں سفر کیا۔ (الفضل' ۲۰ اگست ۱۹۴۸ء) اور ان کے شاہد حضرت مولوی محمد علی صاحب کے ذاتی اخراجات سے بھی جاتے ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ میاں محمد احمد صاحب کے لڑکے ارشد اور مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی وکیل مولوی صاحب کے مقرب حواریوں میں سے ہیں۔ فاکسار راقم الحروف نے مولوی محمد علی کو ۱۹۳۵ء میں پہلی لاہور میں دیکھا تھا۔ سفید دبلی خوشنما صورت ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے مال و دولت میں ساری دنیا کا بخل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس لیے ان کو دیکھ کر یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔

بخیل بیند بخ خویش را بہ کلفت غریب

خواجہ کمال الدین لاہوری کے اخلاقی کمالات

خواجہ کمال الدین صاحب لاہوری بھی مرزا صاحب کے خاص "حواری" تھے۔ ان کے اخلاق پر "الفضل" نے بار بار مدد کیے ہیں درج کیے جاتے ہیں۔

الفضل نے مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا "حضرت (مرزا محمود احمد صاحب) نے کبھی جہاز نہیں دیکھے۔ جنہوں نے خود خواجہ کمال الدین کی طرح یورپ کی گلیوں میں پرورش پائی ہے کبھی نہ عورتوں سے معاملے کیے۔ نہ حرام کھانا نہ کھانا نہ گورمنٹ کے ساتھ تجربہ"۔ (الفضل" جلد ۱۱ نمبر ۱۱۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۲۳ء)

خواجہ صاحب یورپ پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو بچہ ہے۔ بچہ تو ہی ہیں اور بچہ بھی ایسا کہ ہر طرح ثابت کر لیا تھا۔ اور اصل باتوں میں جہل اور حرام کی تہہ تک اتار دیا۔ اور اصل لوگ ان سے بھی بدتر اور دھوکہ باز میں بند گئے۔ کہ کس کے موقع پر انہوں نے ساتھ کے ملہ پر گھونے کا دیپ دھوکا اور دم اخلاق اور ہزاروں فریب سے کہ میں دوسرے کھائے۔ (الفضل" مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۲۳ء)

الفضل نے اپنی ۱۱ مئی ۱۹۲۳ء کی شمارہ میں ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرزائی کا ایک مضمون زیر عنوان "مولوی محمد علی کے مرزائیوں کی حرام خوریاں" شائع الفاظ کی حیثیت سے درج کیا تھا جس میں مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے لکھا تھا۔ "مولانا آپ سے تو آپ کے احباب نے خود ان حرام خوریوں کا ذکر کیا ہوگا یا واقعہ میں واقعہ اور ناواقف دونوں ہی قسم کے لوگ ہیں۔ جیسے ایک بار مسٹر خیر اندیش نے بیان کیا کہ میں ولایت میں ایک ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا وہیں ایک ہماری طرح کے ہوٹل کے رہنے والے کھچڑا اور پیچ کھی تشریف لائے اور کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانے کے دوران میں انہوں نے ہوٹل والے سے کہا کہ کل دال بڑا مزہ تھا۔ اس پر اس نے ایک قسم کا گوشت لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ جسے انہوں نے خوب مزہ لے لے کر کھایا۔ جب وہ تشریف لے گئے تو میں نے ہوٹل والے سے پوچھا کہ یہ کیا گوشت تھا جو مسٹر پیچ نے تم سے مانگ کر کھایا تھا؟ ہوٹل والے نے ہنس

سادگی سے جواب دیا تھا کہ نہیں بلکہ ہمارے خلیفہ اپنی قسم کا آخری (اور افضل) امام ہے۔
(ص ۱۳۲)

یہ "اخلاق عالیہ" ہیں جو مسلمانوں نے مرتد ہونے کے بعد قادیان کے خود ساختہ موعود کی محبت میں سیکھے اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ الزام تو قادیانی مرزائیوں نے لاہوریوں پر اور لاہوری مرزائیوں نے قادیانیوں پر لگائے سب کذاب دجال اور بہتان طرازی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ الزام جھوٹے ہیں تو بھی بڑا دلچسپ ہے کہ قادیانی مسیح کی محبت نے مرزائی ہونے والوں کو حق کے بجائے الا اخلاق اور دجل میں مبتلا کر دیا۔ یہاں تک کہ مسیح صاحب کے خاص خاص مقام لہ صلی" بھی کذب دجل اور افترا پردازی کے علمبردار بلکہ سرغنہ ہیں عام مسلمانوں کے قدم چل رہے ہیں۔ واضح رہے کہ الفضل قادیان کی یہاں محمد اور قادیانی کے زیر نگرانی قادیان سے شائع ہوتا ہے اور "پیام صلح" مسیح قادیانی کے "اخلی مقدم مام لہ صلی" مولوی محمد علی ایم اے لاہوری کا کیا ہے۔

فہرست کتب عامی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان

الخلیفۃ المہدیؑ	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	20
خاتم النبیین	مولانا سید انور شاہ صاحبؒ	100
تحفہ قادیانیت	جلد سوم مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	200
عقیدۃ ختم نبوت اکابرین کی نظر میں	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	50
کشف قادیانیت	(انگلش) مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	150
احتساب قادیانیت	جلد دوم مولانا محمد عرفان کلاچوی	150
احتساب قادیانیت	جلد سوم مولانا حبیب اللہ اختر تسریؒ	150
رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام	مولانا عبد اللطیف مسعود	120
تحریف بائبل و قرآن بائبل	مولانا عبد اللطیف مسعود	100
قلمی جہاد کی سرگزشت	مولانا اللہ وسایا صاحب	50
سوانح حضرت قاضی صاحبؒ	مولانا محمد اسماعیل ظہاہری	200
خطبات ختم نبوت	جلد دوم مولانا محمد اسماعیل ظہاہری	150
خطبات ختم نبوت	جلد سوم مولانا محمد اسماعیل ظہاہری	150
قادیانی شبہات کے جوابات	مولانا اللہ وسایا صاحب	80
رئیس قادیان	مولانا محمد صدیق ہزاروی	150
22 جھوٹے نبی	نذر احمد قمی صاحب	60
کادیانیت کا پہلا تجزیہ	صاحبزادہ طارق محمود	200
اہل مدارس کے ہر دلعزیز جلسے	جناب ملک محمد فیاض	200
سوانح حضرت پیر محمود صاحبؒ	جناب صاحبزادہ طارق محمود	150

ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ہفت روزہ ختم نبوت کراچی گذشتہ بیس سالوں سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اندرون و بیرون ملک تمام دینی رسائل میں ایک امتیازی شان کا حامل جریدہ ہے۔ جو شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ و پیر طریقت حضرت مولانا سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی اور مولانا ملتی محمد جمیل خان کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔

زر سالانہ صرف=/250 روپے

رابطہ کے لئے:

منیجر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جامع مسجد باب الرحمت

پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر 3

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمرانو!

ملتِ اسلامیہ مطالبہ و احتجاج کرتی ہے کہ

- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]

اور سنو! اگر تم نے ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کی حرمت اور مسلمانوں کے ان تمام مطالبات سے غفلت برتی تو یاد رکھو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غیظ و غضب سے تمہیں اور تمہارے اقتدار کو کوئی بھی محفوظ نہ رکھ سکے گا اور تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان